مسلم اسپین

سیاسی و ثقافتی تاریخ

آئی - ایچ - برنی

کفایت اکیڈمی - کراچی

مسلم اسپین

سیاسی و ثقافتی تاریخ

آئی۔ ایچ۔ برنی

صدر شعبہ تاریخ اسلام

جامعہ ملیہ ملیر۔ کراچی

کفایت اکیڈمی

شاہراہ لیاقت، نزد فریئر مارکیٹ۔ کراچی

فون نمبر: ۷۲۳۰۳۱ - ۷۲۲۱۴۱

جملہ حقوق
بمطابق کاپی رائٹ ایکٹ مجریہ ۱۹۶۲ء
محفوظ ہیں۔

اشاعت اوّل ——— نومبر ۱۹۶۹ء
سترہویں اشاعت ——— نومبر ۱۹۹۰ء
مطبع ——— کفایت پرنٹرز

قیمت ۴۳ روپے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

انتساب

حضرت مستطاب اعلیٰ حضرت **سید نظام الدین احمد** قادری سہروردی کے نام

تمنّا درد دل کی ہو تو کر خدمت فقیروں کی
نہیں ملتا یہ گوہر بادشاہوں کے خزینوں میں

نہ پوچھ ان خرقہ پوشوں کی ارادت ہو تو دیکھ انکو
یدِ بیضا لئے بیٹھے ہیں اپنی آستینوں میں

(علامہ اقبال)

برنی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ابتدائیہ

الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ علیٰ سید المرسلین وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین

برصغیر ہند و پاک میں مسلم اسپین کے مطالعہ کو ابتداً عام تاریخی مطالعے سے زیادہ کوئی اہمیت نہ دی جاتی تھی۔ تاریخی مطالعے کا شوق رکھنے والے بھی اسپین سے آسان گذر جاتے تھے مگر وہ چشم بینا جس نے مسلمانان برصغیر کے دلوں کو گرما کر روح میں ایک تڑپ پیدا کی تھی۔ اسپین سے طائرانہ نہ گذر سکی وہ درد بھری آواز جس نے حجازی [illegible] میں ہندی نغموں کی سحر کاری سے سننے اور پڑھنے والوں کے دل جیت لئے تھے۔ جب یوں نغمہ سرا ہوئی ؎

اے حرم قرطبہ! عشق سے تیرا وجود
عشق سراپا دوام جس میں نہیں رفت و بود

تو برصغیر کی فضا میں یہ صدائیں گونجنے لگیں ؎

اے گلستان اندلس! وہ دن ہیں یاد تجھکو
تھا تیری ڈالیوں میں جب آشیاں ہمارا

یہی وہ فکری موڑ ہے جہاں سے برصغیر کے مسلمانوں میں مسلم اسپین کی تاریخ کے مطالعے کا ذوق پیدا ہوا اور اسی کے بعد مسلم اسپین پر انگریزی کتب کے وہ اردو تراجم جو بیسوی صدی کے اوائل میں کئے گئے تھے مقبول عام ہوئے اور بہت سی مختصر کتابیں اسپین پر تحریر کی گئیں جن کے ذریعے اس اہم مسلم دور کی سیاسی تاریخ کا تو پتہ چلا مگر مسلمانوں کے کارنامے ہنوز پوشیدہ رہے۔ بلاشبہ اسپین کے مسلم دور پر عربی، انگریزی، اردو اور فرانسیسی میں آج بے شمار کتابیں ملتی ہیں لیکن عجب اتفاق ہے کہ جز چند کے انمیں سے ہر کتاب میں مسلم اسپین کے کسی نہ کسی شعبۂ حیات کی کمی محسوس ہوتی ہے مثلاً ڈوزی کی مشہور تصنیف حالات و واقعات کی تحقیق سے

تو یہ ہے مگر اس میں دو خامیاں ہیں اول یہ کہ اس میں جا بجا تعصب کی جھلکیاں نظر آتی ہیں دوم یہ کہ جزئیات کی تفصیل کے باوجود اسے مسلم اسپین کی مکمل تاریخ نہیں کہا جا سکتا۔ اس لئے کہ اس میں مسلم تہذیب و ثقافت کے کسی پہلو پر قلم اٹھانے کی کوشش نہیں کی گئی دوسری مشہور کتاب کونڈے کی ہے۔ اس کتاب کو خود ڈوزی ناقابل اعتبار ٹھہراتا ہے۔ تیسری کتاب جو مشہور بھی ہے اور ضخیم بھی اور مسلم اسپین کے تمام شعبہ ہائے تہذیب و ثقافت کا احاطہ بھی کرتی ہے وہ اسکاٹ کی "اخبار الاندلس" ہے۔ اس کتاب میں تاریخ نگاری کے نکتۂ نظر سے یہ خامی تمام علمائے تاریخ نے تسلیم کی ہے کہ اسکاٹ نے بزعم خود واقعات و حالات کو کسی ماخذ کے حوالے کے بغیر اس قدر تفصیل سے بیان کیا ہے کہ یہ کتاب تاریخ کے بجائے طویل داستانوں کا ایک مجموعہ بن گئی جس کو پڑھکر مسلمانوں کے کارناموں سے واقفیت تو حاصل کی جا سکتی ہے مگر ان پر اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔

البتہ یہ ضرور ہے کہ اگر قدیم کتب کی مدد سے اسکاٹ کی کتاب کا مطالعہ کیا جائے تو یہ ایک قیمتی تاریخی سرمایہ ثابت ہو سکتی ہے مگر اس کے لئے ایک محقق کی نظر درکار ہے ان کتب کے علاوہ بھی اور بہت سی کتب مغرب کے علمی مراکز سے شائع ہو کر ہم تک پہنچی ہیں مگر ان کے مطالعے کے بعد بھی تشنگی کا احساس باقی رہ جاتا ہے اس ضمن میں ایلن اور شاہ، چارلس لی برٹرانڈ۔ لین پول اور ایڈون ہول خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ان سب کتب میں ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے یہ مسلمانوں کی تہذیب و ثقافت کی تواریخ نہیں ہیں بلکہ ایک تبصرہ ہیں۔ ساتھ ہی ساتھ ان سب میں ایک مشترک کمی یہ پائی جاتی ہے کہ ان سب مصنفین نے اسپین کے عربی مورخین کو ندرطاق نسیاں کر دیا ہے اور ڈوزی، اسکاٹ اور کونڈے کی تحریروں کو بنیاد بنایا ہے۔

مسلم اسپین کی تاریخ نویسی میں عربی ماخذین سے بے نیاز ہو جانا حق تاریخ نویسی سے روگردانی کے مترادف ہے ہر چند کہ عربی تواریخ بھی مکمل اور جامع نہیں ہیں اور ہر کتاب مورخ کے اپنے اپنے دور تک محدود ہے لیکن پھر بھی یہ سب بحیثیت مجموعی مسلم اسپین کی سیاست تہذیب اور ثقافت کو بھرپور انداز میں پیش کرتی ہیں۔

اردو میں مسلم اسپین کی مکمل اور جامع تاریخ کی تصنیف و تالیف کا سہرا ندوۃ المصنفین اعظم گڑھ کے سر ہے۔ صدر ریاست علی ندوی نے جس کاوش اور تندہی سے اس کام کی تکمیل کی ہے اس کا اجر اللہ رب العزت ہی کے پاس ہو سکتا ہے لیکن افسوس کہ ان کی محنت اور جانفشانی کا یہ مرقع ہم تک صرف ایک جلد کی شکل میں پہنچ سکا ہے باقی تین جلدوں کی اشاعت نہ جانے کب ہو سکے گی۔ اعظم گڑھ سے شائع ہونے والی اس کتاب کے بعد مسلم اسپین پر قلم اٹھانے کی کوئی گنجائش نہیں تھی اس لئے کہ اس کتاب کے سامنے انگریزی اور عربی کتابیں بھی ہیچ نظر آتی ہیں۔ مگر باقی تین جلدوں کی کمی ایک مختصر نئی تصنیف کے لئے البتہ جواز فراہم کرتی ہے۔

زیر نظر کتاب اسی کمی کو پورا کرنے کی ایک حقیر کوشش ہے۔ اس کتاب کا اسلوب بڑی حد تک صدر ریاست علی ندوی کے اسلوب کی مانند ہے۔ واقعات کی تفصیل عربی اور انگریزی کے مستند حوالے دونوں میں قدر مشترک ہیں۔ زیر نظر کتاب میں اردو تراجم کے اکثر حوالے بھی موجود ہیں یہ حوالے علمائے تاریخ کے نزدیک درجۂ استناد سے گرے ہوئے تو ہونگے لیکن موجودہ حالات میں قارئین و طلبا کی رسائی اور ذوق کے پیش نظر ان حوالوں کی اپنی جگہ خود ایک افادیت ہے۔ اردو تراجم کے حوالوں میں یہ احتیاط بہرحال ملحوظ رکھی گئی ہے کہ وہ اصل عربی یا انگریزی سے متضاد نہ ہونے پائیں۔ تراجم میں جہاں اصل سے اختلاف نظر آیا ہے۔ وہاں اصل عربی اور انگریزی ماخذ کے حوالے دیکر نشاندہی کر دی گئی ہے۔

امید ہے کہ علمائے تاریخ میری "اردو پسندی اور تراجم برادری کی جرأت کو گوارا فرمائیں گے" اس کتاب کے بعض ابواب اور ابواب کے بعض اجزا میری اپنی طرز فکر کا نتیجہ ہیں جو علم تاریخ اور تاریخ نویسی کے مزاج میں شاید ایک اضافے کی حیثیت رکھتے ہوں اس جسارت پر میں نقد و نظر کو تیار ہوں۔ مجھے اس بات کا پورا احساس ہے کہ غرناطہ کی دو سو سالہ بادشاہت کی تہذیبی اور ثقافتی ترقیاں پوری طرح نہ پیش کی جا سکیں۔ صرف جھلکیوں پر ہی اکتفا کرنا پڑا ہے۔ اس کوتاہی کا سبب سخت بسیار کے باوجود مواد کا خاطر خواہ دستیاب نہ ہونا ہے البتہ آئندہ ایڈیشن میں اس کمی کو پورا کرنے کی کوشش

کی جائے گی۔ بطور مجموعی کوشش کی گئی ہے کہ مسلم اسپین کی تہذیب و ثقافت کو مختصر اور جامع انداز میں پوری طرح اجاگر کر کے پڑھنے والوں کو اس عہد سے روشناس کرایا جائے۔ میری کوششوں کا حاصل آپکے سامنے ہے میں صاحبان علم کا ممنون ہوں گا اگر وہ اپنا قیمتی وقت صرف کر کے مجھے کتاب کی خامیوں اور کوتاہیوں سے آگاہ کریں۔

اس کتاب کی ترتیب و تجویز میں جناب محمد ظہیر خاں صاحب ایم۔ اے (تاریخ اسلام) اور ایم۔ اے (تاریخ عام) نے وقت کی کمی کے باوجود جو سعی و محنت کی ہے میں اس کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

جناب مرتضیٰ شفیع صاحب (یکے از بانیان علامہ اقبال کالج) اور جناب محمد فاروق صاحب اردو کالج کا اس کتاب کی طباعت میں نمایاں کردار ہے۔ جناب محمد حسین صاحب صدیقی علامہ اقبال کالج نے کتابوں کی فراہمی اور مفید مشوروں سے میری مدد فرمائی ہے اور جناب عاصم صدیقی نے مسودے کی صفائی کے سلسلے میں میری معاونت کی ہے۔ میں ان تمام مخلصین کا تہ دل سے مشکور ہوں۔

مسلم اسپین

فہرست

نام و تفصیل ابواب	صفحہ
۱۔ پہلا باب ———	
جزیرہ نما اسپین	
۱۔ جغرافیائی حالت	۱۷
حدود اربعہ	۱۷
رقبہ	۱۸
طبعی خصوصیات	۱۸
آبادی اور شہر	۲۲
باشندے	۲۳
(ب) قدیم تاریخ	۲۴
(ج) مسلمانوں سے قبل کا اسپین۔	۲۶
۲۔ دوسرا باب ———	۵۵
فاتح و مفتوح	۵۵
۱۔ فاتح۔	۵۵
تاریخی پس منظر	۵۵
سیاسی پس منظر	۶۱
اسپین میں آمد	۶۸
(ب) مفتوح۔	۸۱
سیاسی بدنظمی	۸۱
شکست کے اسباب	۸۴
فاتح کا نظم و نسق	۸۷

نام و تفصیل ابواب	صفحہ
(ج) فاتح مسلمانوں کی کامیابی کے اسباب	۹۰
۳۔ تیسرا باب ———	۹۹
اسپین کا دورِ ولایت	
۱۔ عبدالعزیز بن موسیٰ بن نصیر	۱۰۱
۲۔ ایوب بن حبیب لخمی	۱۰۳
۳۔ حر بن عبدالرحمٰن ثقفی	۱۰۴
۴۔ سمح بن مالک خولانی	۱۰۶
۵۔ عبدالرحمٰن بن عبداللہ غافقی	۱۰۷
۶۔ عنبہ بن سحیم کلبی	۱۰۸
۷۔ یحییٰ بن سلمہ کلبی	۱۰۹
۸۔ عثمان بن ابی نسعہ خثعمی	۱۰۹
۹۔ حذیفہ بن احوص قیسی	۱۱۰
۱۰۔ ہیثم بن عبید کلابی	۱۱۰
۱۱۔ محمد بن عبداللہ اشجعی	۱۱۰
۱۲۔ عبدالرحمٰن بن عبداللہ غافقی (دوبارہ)	۱۱۰
جنگ طلوشہ یا ٹورس	۱۱۱
۱۳۔ عبدالملک بن قطن فہری	۱۱۲
۱۴۔ عقبہ بن حجاج سلولی	۱۱۲
۱۵۔ عبدالملک بن قطن فہری (مستولی)	۱۱۴
۱۶۔ بلج بن بشر قشیری (مستولی)	۱۱۷
۱۷۔ ثعبہ بن سلامہ عاملی	۱۱۸

نام و تفصیل ابواب	صفحہ
۱۸۔ ابوالخطار حسام بن ضرار کلبی	۱۱۹
۱۹۔ ثوابہ بن سلمہ حذانی	۱۲۱
۲۰۔ یوسف بن عبدالرحمٰن فہری	۱۲۲
دورِ ولایت کا جائزہ	۱۲۷
ولایت کی نوعیت	۱۲۷
قبائلی کشمکش	۱۲۷
نظم و نسق	۱۳۱
عسکری تنظیم	۱۳۴
رعایا	۱۳۷
۴۔ چوتھا باب ———	۱۴۹
بنو امیہ دمشق کا زوال	
زوال کے اسباب	۱۴۹
تحریکِ عباسیہ	۱۴۴
عبدالرحمٰن بن معاویہ کا فرار	۱۴۷
عبدالرحمٰن کا ورود اسپین	۱۵۰
عبدالرحمٰن کی بیعت	۱۵۳
۵۔ پانچواں باب ———	۱۵۵
امارت بنو امیہ اسپین	
(أ) عبدالرحمٰن	۵۵
الداخل بن معاویہ	
میدان مصارہ میں	۱۵۶
یوسف فہری میدان عمل میں	۱۵۸

	۱۶۱	قرطبہ کا جنگ اور المناک	۲۰۲	تخت نشینی	۲
	۱۶۲	انجام۔		البیرہ یا اسپینولا کی فتح	۲۳۳
	۰		۲۰۴	اشبیلیہ میں بغاوت	۲۴۷
	۰۰		۲۰۵	عمر ابن حفصون	۲۴۹
	۰۰			جنگ جنہ ، البائی	۲۵۱
	۰۰	(۴) عبدالرحمٰن الاوسط	۲۰۹	آخری نوبرس	۲۵۴
	۰۰	بن حکم اوّل	۲۰۹	کردار اور وفات	۲۵۵
	۰	تخت نشینی	۲۰۹	(۴) محمد سے	۲۵۶
	۰	بغاوتیں اور ہنگامے	۲۰۹	عبداللہ تک اندازہ	
	۰۰	عیسائی ریاستوں سے تعلقات	۲۱۴	ساتواں باب —	۲۰۳
	۰۰	عیسائیوں کی جنونی تحریک	۲۱۸		
		کردار اور وفات	۲۲۲	شلانت بنو امیہ میں	
	۰۰		۲۲۵	خلافت عبدالرحمٰن	
	۰۰		۲۲۷	الناصر بن محمد	۲۶۱
	۰۰		۲۲۸	تخت نشینی	۲۶۳
	۱۳۱			آلہ کی حالت	۲۶۴
				بغاوتوں کا انتقال	۲۶۵
	۲۳۱	(۱) محمد بن	۲۳۱	بنو عباج کی اطاعت	۲۶۶
		عبدالرحمٰن الاوسط		عمر ابن حفصون کا خاتمہ	۲۶۷
		تخت نشینی	۲۳۱	بنو حفصون کا انجام	۲۶۸
		بغاوتیں اور ہنگامے	۲۳۲	علاقہ تدمیر کی اطاعت	۲۶۹
		قرطبہ کے جنونی عیسائی	۲۳۳	طلیطلہ پر قبضہ	۲۶۹
		بنو قسی کی آزاد حکومت	۲۳۴	عیسائی ریاستوں سے تعلقات	۲۷۰
		بنو مروان کا اعلان آزادی	۲۳۴	ریاست لیون اور منبرہ کی اطاعت	۲۷۱
		تارمنوں کا حملہ۔	۲۳۵		
		عیسائی حکومتوں سے تعلقات	۲۳۶	خلافت کا قیام	۲۷۲
		کردار اور وفات۔	۲۳۶	عیسائی ریاستوں کی سرزنش	۲۷۴
		عمر ابن حفصون	۲۳۸	شانجہ دوم خلافت میں	۲۷۶
		(۲) منذر بن محمد	۲۴۱	جنگ خندق	۲۷۵
		کردار اور کارنامے	۲۴۱	فاطمین مصر سے تعلقات	۲۷۷
		(۳) عبداللہ بن محمد	۲۴۳	کردار اور وفات	۲۸۱

کارنامے	۲۸۴
طرز حکومت ۔ تقاضی و	۲۸۴
... حالت ۔ زراعت تجارت	۲۸۵
... ۔ فوجی نظم ۔ علم و	۲۸۸
ادب ۔ تعمیرات ۔	۲۹۱
خارجی تعلقات	۲۹۰
(۲) خلیفہ الحکم ثانی بن الناصر	۲۹۰
تخت نشینی	۲۹۷
عیسائی یورشیں	۲۹۰
فاطمین اور قبائل بربر سے جنگ	۳۰۰
وفات اور کردار	۳۰۲
کارنامے	۳۰۳
تعلیمی ادارے ۔ جامع قرطبہ کے اساتذہ ۔ کتب خانے ۔ ذخیرہ کتب ۔ علم دوستی تعمیرات ۔	۳۰۷
(۳) وزارت عظمیٰ	۳۰۹
خلیفہ ہشام المؤیدین الحکم ثانی :	۳۰۹
تخت نشینی	۳۰۹
صقالبہ کا استیصال	۳۱۰
محمد بن ابی عامر کا عروج	۳۱۱
ابن ابی عامر اور درباری امراء	۳۱۴
ابن ابی عامر اور علماء	۳۱۵
فوج کی جدید تنظیم	۳۱۶
مہمات اور فتوحات	۳۱۷
ابن ابی عامر کی وفات	۳۲۰
کردار اور کارنامے	۳۲۰

۸۔ آٹھواں باب ۔	
بنو امیہ اسپین کا زوال	۳۲۷
حاجب عبدالملک المظفر بن المنصور	۳۲۸
عبدالرحمٰن سنجول بن المنصور	۳۰۵
محمد بن ہشام المہدی	[illegible]
سلیمان المستعین	[illegible]
ہشام المؤید کی رہائی اور انجام	[illegible]
عبدالرحمٰن خامس (پنجم)	[illegible]
محمد المستکفی	[illegible]
ہشام المعتمد	۳۳۵
زوال کے اسباب	[illegible]
(ا) داخلی اسباب	۳۳۶
(ب) خارجی اسباب	۳۴۱
۹۔ نواں باب ۔	
ملوک الطوائف	۳۴۵
حصہ اول	
(۱) قرطبہ کے بنی بہور	۳۴۹
(۲) بنی حمود	۳۴۹
(۳) غرناطہ کے بنو زیری	۳۵۳
حبوس بن ماکسن	۳۵۵
سموائل ہالیوی	۳۵۵
بادیس بن حبوس	۳۵۶
تمیم اور عبداللہ	۳۵۹
(۴) بطلیوس کے بنی افطس	۳۶۰
(۵) سرقسطہ کے بنی ہود	۳۶۱
منذر بن مطرف	۳۶۲
سلیمان بن ہود	۳۶۲
(۶) طلیطلہ کے بنی ذوالنون	۳۶۵

یحییٰ المامون	[illegible]
[illegible]	[illegible]
(۷) اشبیلیہ کے [illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]
ابو عمر [illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]
کردار	[illegible]
[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]
واقعات اور حالات	[illegible]
(۸) دانیہ ۔ المریہ مرسیہ اور جزائر شرق الاندلس کے غلام صقلبی حکمران	[illegible]
مرسیہ اور المریہ	۳۸۶
دانیہ اور جزائر شرق الاندلس	۳۸۸
مجاہدین یوسف	[illegible]
حصہ دوم	
۱۔ مرابطین	۳۹۱
آغاز اور عروج	۳۹۱
یوسف بن تاشفین	۳۹۳
علی بن یوسف	۳۹۷
تاشفین بن علی	۴۰۰
۲۔ موحدین	۴۰۱
ابتداء اور عروج	۴۰۱
عبدالمومن بن علی	۴۰۳
موحدین اور اسپین	۴۰۴
عبدالمومن کے کارنامے	۴۰۶

ابو یعقوب یوسف ۴۰۷
ابو یوسف یعقوب ۴۰۸
محمد الناصر بن یعقوب ۴۱۰
محمد الناصر کے جانشین ۴۱۲
مواحدین کے بعد ۴۱۳
اسپین کی حالت
حصہ سوم
غرناطہ سلطنت کے حالات ۴۱۴
بنو نصر۔
حکومت بنو نصر کا آغاز ۴۱۴
محمد بن یوسف بن احمد بن نصر ۴۱۵
محمد دوم ۴۱۹
محمد سوم ۴۲۱
نصر بن محمد ۴۲۲
ابو الولید اسماعیل ۴۲۲
محمد چہارم ۴۲۳
ابو الحجاج یوسف ۴۲۵
محمد پنجم ۴۲۶
اسماعیل بن یوسف اور محمد ششم ۴۲۷
محمد پنجم کا دوسرا دور ۴۲۷
یوسف دوم ۴۲۹
محمد ہفتم ۴۲۹
یوسف سوم ۴۲۹
محمد ہشتم ۴۳۱
محمد نہم ۴۳۱
یوسف چہارم اور محمد ہشتم ۴۳۲
محمد دہم اور سعد بن علی ۴۳۲

ابو الحسن علی ۴۳۳
محمد یازدہم ۴۳۳
محمد الزغل دوازدہم ۴۳۴
زوال غرناطہ ۴۳۴
۱۰۔ [illegible] ۔۔۔۔۔۔
اپین سے مسلمانوں کا اخراج ۴۳۷
(الف) غرناطہ کا سقوط ۴۳۸
بنیاد اور زوال سلطنت ۴۳۸
۱۶ ویں صدی کے اواخر میں
مسلمانوں پر مظالم ۴۴۳
مسلمانوں کا مکمل اخراج اور تباہ کن نتائج ۴۴۵
(ب) سلمان اپین کی تباہی کے اسباب۔ ۴۵۰
اتحاد و اقتدار ۴۵۲
تسخیر و تکثیر ثروت ۴۵۵
اقتصادی اور معاشی ابتری ۴۶۱
جنہ اقیانی اثرات ۴۶۲
۱۱۔ گیارہواں باب ۔۔۔
علمی و ثقافتی ورثہ ۴۶۵
خصائص و ثقافتی ورثہ ۴۶۶
(۱) شعب علم و ادب ۴۶۹
فقہ اور اسلامیات السانیات ۴۹۹
شعر و ادب، نثر و مدیح
تنظیم، تاریخ اور تنقید ادبیہ
تلمسقہ۔ ۴۸۴
(۲) شعبہ سائنس و ٹیکنالوجی ۴۸۹
منبد سرہ [illegible] ۔۔۔۔۔۔

[illegible] ۔۔۔۔۔۔ ۴۹۲
میناء شبیلیہ، قنطرۃ الحمراء ۵۱۱
(ب) فنون تعمیر ۵۱۲
مرمریں بت تراشی اور منبوری ۵۱۳
(۲) شعبہ زراعت ۔۔۔۔۔۔
و نباتات۔ ۵۱۵
صنعت و تجارت ۵۲۰
(۳) شعبہ زراعت ۵۲۲
و میدان فن۔
(۴) شعبہ تعلیم و تدریس ۵۲۶
مدارس، کتابیں اور کتب خانے ۵۳۲
۱۲۔ بارہواں باب ۔۔۔۔۔۔
خصائص و تاثیر ۵۳۹
(۱) [illegible] ۔۔۔۔۔۔ ۵۳۹
[illegible] ۔۔۔۔۔۔ ۵۴۰
[illegible] ۔۔۔۔۔۔ ۵۴۶
[illegible] ۔۔۔۔۔۔ ۵۴۸
[illegible] ۔۔۔۔۔۔ ۵۵۰
[illegible] ۔۔۔۔۔۔ ۵۵۰
[illegible] ۔۔۔۔۔۔ ۵۵۲
[illegible] ۔۔۔۔۔۔ ۵۵۵
[illegible] ۔۔۔۔۔۔ ۵۵۸

شجرۂ نسب

سلاطین بنو امیہ اسپین

شجرۂ نسب

سلاطین بنوامیہ اسپین

بنوامیہ اسپین کے سلاطین کا شجرہ نسب مندرجہ ذیل ہے۔ ان میں بہت سے ایسے افراد کا نام بھی دیا گیا ہے جو سلاطین نہ تھے۔ ایسا صرف اس لئے کیا گیا ہے کہ ان افراد کا تعلق تاریخ مسلم اسپین کے کسی نہ کسی واقع سے ضرور رہا ہے۔

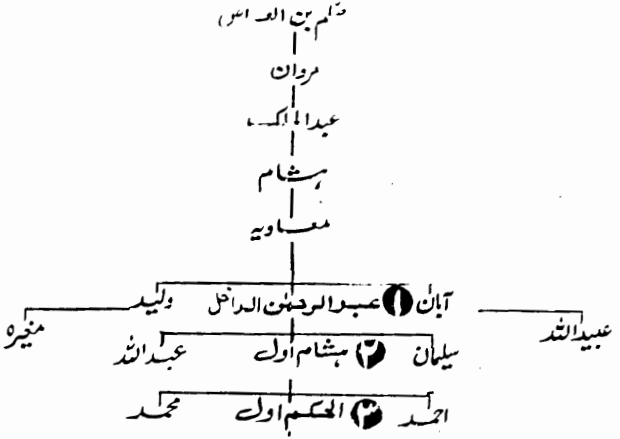

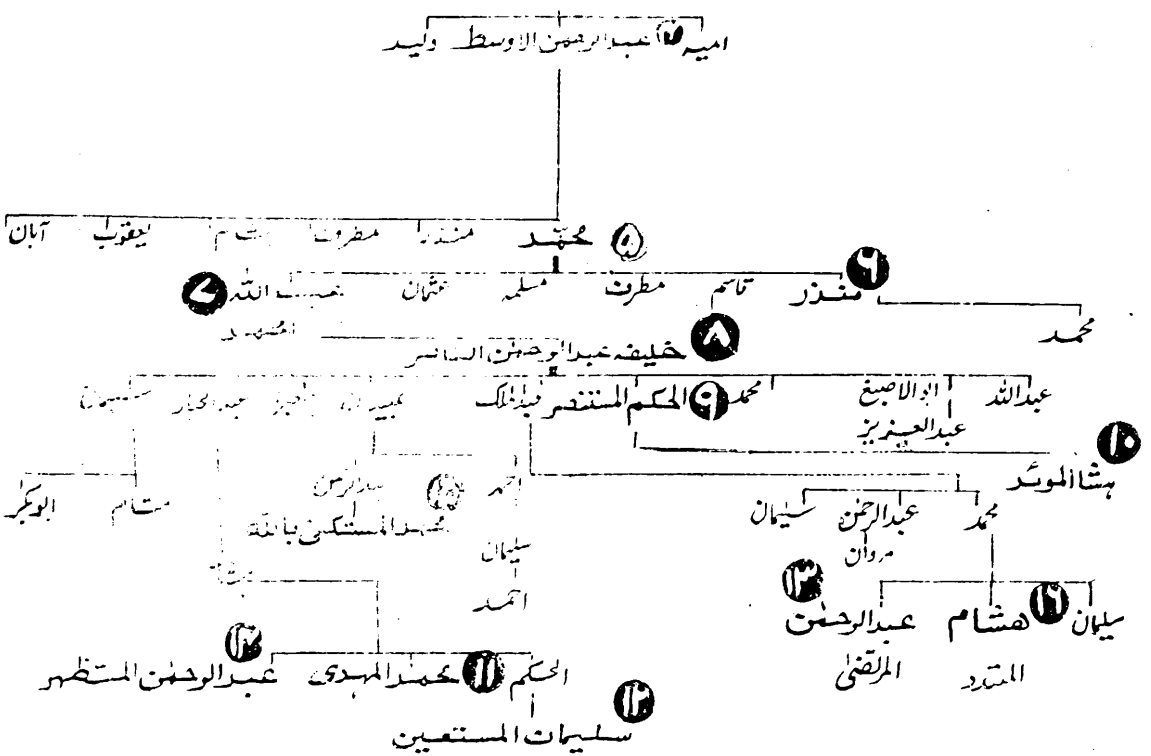

امیہ ۴ عبدالرحمن الاوسط ولید
محمد ۵
منذر
مطرف
یعقوب
آبان
منذر ۶
قاسم
مطرف
مسلمہ
عثمان
عبداللہ ۷
محمد
خلیفہ عبدالرحمن الناصر ۸
عبداللہ
ابوالاصبغ
عبدالعزیز
محمد ۹ الحکم المستنصر
عبدالملک
ہشام المؤید ۱۰
محمد
عبدالرحمن
مروان
سلیمان
سلیمان
ہشام ۱۱
المتدد
عبدالرحمن ۱۳
المرتضیٰ
احمد
سلیمان
احمد
محمد المستکفی باللہ
ابوبکر
الحکم ۱۱ محمد المہدی
عبدالرحمن المستظہر ۱۴
سلیمان المستعین ۱۲

پہلا باب

جزیرہ نما اسپین

(۱) جغرافیائی حالت

حدود اربعہ اگر ہم یورپ کا نقشہ دیکھیں تو ہمیں یورپ کے ایک حصّے کی نوک افریقہ کے شمالی حصّے کی ایک نوک سے ملتی نظر آئے گی جنکے درمیان ایک مختصر سی پانی کی لکیر قطع کرتی دکھائی دے گی۔ یورپ کی یہ نوک جبل الطارق ہے جسے آجکل جبرالٹر کہتے ہیں اور وہ جزیرہ نما اسپین کا جنوبی حصّہ ہے۔ اس ملک کو جزیرہ نما اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس کے تین طرف سمندر اور ایک طرف خشکی ہے۔ اس کے مشرق میں بحر روم (Mediteranian Sea) ہے جسے بحر متوسط، بحر شام اور بحر مشرق کے نام سے بھی موسوم کیا جاتا ہے۔ مغرب کی طرف بحر اوقیانوس (Atlantic Sea) ہے جسے بحر محیط اور بحر ظلمات کے نام سے بھی پکارا جاتا ہے۔ جنوب میں آبنائے جبرالٹر ہے جس بحر زقاق کے نام سے پکارتے ہیں یہی آبنائے ہے جو یورپ کو افریقہ سے الگ کرتی ہے اس ملک کے شمال میں خلیج بسکے (Bay of Biscay) ہے۔ شمال مشرقی حصّہ میں یہ ملک خشکی سے ملا ہوا ہے جس کے سبب اس کا شمار یورپ کے ممالک میں کیا جاتا ہے۔ کوہ البرانیس (Pyranees Mountains) کی قدرتی سرحد اس کو یورپ کے ملک فرانس سے جدا کرتی ہے۔ آجکل اس جزیرہ نما میں اسپین اور پرتگال کے دو آزاد ملک ہیں لیکن مسلم دور میں یہ ایک ملک اسپین ہی تھا اور اس کے قریب ہی بحر روم میں جزائر بلیارک (جزائر شرق الاندلس) اسی

ملک کا ایک حصہ تھے۔

رقبہ اسپین موجودہ نقشوں میں شمالاً و جنوباً ۳۶ درجہ ۱ دقیقہ اور ۴۳ درجہ ۴۵ دقیقہ کے درمیان اور شرقاً و غرباً ۳ درجہ ۲۰ دقیقہ اور ۹ درجہ ۳۰ دقیقہ کے درمیان واقع ہے۔ شریف ادریسی نے اس کی لمبائی ۱۱ سو میل اور چوڑائی ۶ سو میل لکھی ہے۔ موجودہ جغرافیہ کے لحاظ سے مشرق سے مغرب کی جانب زیادہ سے زیادہ لمبائی ۵۶۳ میل اور شمال سے جنوب میں زیادہ سے زیادہ لمبائی ۵۱۰ میل ہے۔ اس میں پرتگال کا علاقہ شامل نہیں اگر اس کو شامل کر لیا جائے تو ادریسی کا قول صحیح ثابت ہوتا ہے۔ جزیرہ نمائے اسپین کا کل رقبہ (مع پرتگال) تقریباً ۳ لاکھ مربع میل ہوتا ہے۔

طبعی خصوصیات

جزیرہ نمائے اسپین کا بڑا حصہ ایک پہاڑی سطح مرتفع (پلیٹو) سے گھرا ہوا ہے جس کی انتہائی بلندی ۲۰۰ر۲ فٹ بتائی جاتی ہے۔ اس پلیٹو کو آجکل مسیٹا (میسز) کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ یہ پلیٹو بتدریج مشرق سے مغرب کی جانب بلندی میں کم ہوتا چلا گیا ہے یہاں تک کہ پرتگال کے نشیبی علاقہ سے مل گیا ہے۔ اس سطح مرتفع میں جزیرہ نما کے مندرجہ ذیل پہاڑی سلسلہ ہیں جو مشرق سے مغرب کی جانب پھیلے ہوئے ہیں۔

(ا) جبل البرانس (Pyranees Mountains) شمالی اسپین میں پہاڑوں کا ایک طویل سلسلہ ہے جو جلیقیہ (Galicia) تک چلا گیا ہے۔ بہت سے مقامات پر اس کے کئی نام بھی ہو گئے ہیں جیسے جبل البرتات۔ جبل الابواب۔ جبل الفاصل وغیرہ۔ پہاڑوں کا یہ سلسلہ اسپین کو یورپی ملک فرانس سے اس کو الگ کرتا ہے البتہ اس میں بہت سے درے اور پہاڑی راستے ہیں جن کے ذریعہ فرانس میں آمد و رفت تھی۔ چند کے نام عرب جغرافیہ نویسوں نے لکھے ہیں۔ مثلاً برت اثمرہ۔ برت جافہ۔ برت شاذر۔ برت بیونہ وغیرہ۔ یہی وہ راستے تھے جن کے ذریعہ مسلمانوں نے فرانس پر حملے کئے اور اس کے کئی مقامات فتح کئے۔

(ب) مرکزی الشارات (Central Sierras) یہ پہاڑی سلسلہ جبل البرانس کے جنوب سرقسطہ کے جنوب مشرق سے شروع ہوتا ہے اور پرتگال کے مشہور شہر قلمریہ کے قریب تک چلا گیا ہے۔

(ج) جبل طلیطلہ (Montes-De—Toledo) مرکزی الشارات کے جنوب میں مشرق سے مغرب تک چلا گیا ہے اس کے ایک حصے کا نام شارت وادی الذہب (Sierra—De—Cuad—Alied)

ہے۔

(د) شارات موریہ (Seierra Morena) جبل طلیطلہ کے جنوب میں اسپین کے وسطی پلیٹو کے بالکل جنوبی سرے پر ہے۔ عربوں نے اس کو جبال قرطبہ کے نام سے پکارا ہے اس لئے کہ اس کی ایک شاخ قرطبہ تک آئی ہے۔ اسی پہاڑ سے مسلمانوں نے بہت سی نہریں کاٹ کر قرطبہ میں پانی پہونچایا تھا۔ اسی پہاڑی سلسلہ کا مشرقی حصہ آگے جنوب تک بڑھ گیا ہے جسے جبل شقورہ کا نام دیا گیا۔ اس سے دو دریا شقورہ اور وادی الکبیر نکلے ہیں۔

(ہ) جبل الشلج یا جبل الشلیر (Monts Solorious) اسپین کے جنوب مشرقی حصہ میں واقع ہے۔ اس کے ایک حصہ کا نام شارات نوادہ (Sierra Nevada) ہے اس کی سب سے اونچی چوٹی ۱۱۴۲۱ فٹ اونچی ہے جس کا نام ایک عرب فرمانروا مولیٰ علی ابوالحسن کے نام پر (Mt. Mulnacan) کہلاتی ہے۔ آجکل صوبہ غرناطہ میں واقع ہے۔

(و) البشارات (Aliruxzara) یہ ایک چھوٹا سا سلسلہ کوہ ہے جو صوبہ غرناطہ میں جبل الشلیر کے جنوب میں ساحل کے قریب شرقاً و غرباً پھیلا ہوا ہے۔

(ز) یہ تمام سلسلے مشرق سے مغرب کی طرف جاتے ہیں۔ کہیں کہیں شمال اور جنوب کی طرف جھکے ہوئے ہیں۔ چند پہاڑیاں مشرقی اور مغربی اسپین میں شمال سے جنوب کی طرف پھیلی ہوئی ہیں۔ جیسے جبل قاعون جبل الشور جبل حنیف وغیرہ۔ بہت سی پہاڑیاں مشہور شہروں اور آدمیوں کے نام سے منسوب ہیں۔ جیسے شنت مریہ۔ بنو رزین۔ درروقہ۔ کونکہ۔ جبل ابن حفصون جبل عاصم جبل سلیمان وغیرہ۔

(ح) ایک چھوٹا سا سلسلہ کوہ جس کی شمالاً جنوباً لمبائی ۳ میل اور شرقاً غرباً چوڑائی ایک میل ہے جبل الطارق کے نام سے موسوم ہے یہ جنوبی اسپین کے صوبہ قادس کے جنوب مشرق میں ایک تکونی شکل میں پھیلا ہوا ہے اس کے مغرب میں خلیج جبرالٹر واقع ہے۔

مندرجہ بالا پہاڑوں سے بہت سے دریا نکلے ہیں جنہوں نے اسپین کی زمین کو پانی سے مالا مال کر دیا ہے۔ ان دریاؤں کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ ایک وہ دریا جو بحر روم میں گرتے ہیں۔ دوسرے وہ دریا جو بحر محیط (Atlantic) میں اور بحر زقاق (آبنائے جبرالٹر) میں گرتے ہیں۔

بحر روم میں گرنے والے بڑے بڑے دریا حسب ذیل ہیں۔

وادی النساء	نہر المریہ
وادی آرو	وادی شقورہ
وادی القرشی	وادی شقر
وادی بلش	وادی الابیض
	وادی ابرہ

بحر محیط اور آبنائے جبرالٹر میں گرنے والے دریا.....

برباط	سندیق
وادی لکہ یالطہ	وادی دویرہ
وادی الکبیر	وادی بینہ
ادی آنہ	وادی یُلّہ

تاجہ

ان کے علاوہ بہت سے چھوٹے چھوٹے دریا اور بھی ہیں جو کسی نہ کسی بڑے دریا کی شاخ ہیں جن کا تذکرہ حسب موقعہ آئے گا۔

علامہ مقری نے ابن النظام کے حوالے سے اسپین کی طبعی خصوصیات کے بارے میں لکھا ہے: "علماء کے نزدیک یہ ملک طبعی حیثیت سے دو حصوں میں منقسم ہے ایک شرقی حصہ جس کے دریا بحر روم میں گرتے ہیں یہ حصہ جنوبی زمین سے مشرق تک چلا جاتا ہے اور اس کی حدود شہر تدمیر سے سرقسطہ تک ہے۔ دوسرا حصہ غربی ہے جس کے دریا بحر محیط (اٹلانٹک) میں گرتے ہیں۔ یہ حصہ جنوب سے مغرب کے ساحل تک پھیلا ہوا ہے۔ شرقی حصہ میں مغربی ہوا سے بارش ہوتی ہے۔ اور مغربی حصہ میں مشرقی ہوا سے اس ملک کے پہاڑ سلسلہ بہ سلسلہ مغرب تک اترتے چلے جاتے ہیں۔ غربی حصہ کے پہاڑ کوہ بکوہ ہو کر مشرق کی طرف پھیلتے ہیں اور سامنے کی زمین قطع کرتے ہیں۔ اس کے دریا مشرق سے مغرب کی طرف پہاڑوں میں ہو کر بہتے ہیں جو ف اسپین بلاد جلیقیہ کہلاتا ہے..... اسپین کے بیشتر دریاؤں کی یہ خصوصیت ہے کہ وہ پہاڑوں کے درمیان بہتے ہیں جس کی بنا پر ان کی ساحلی زمین قابل کاشت نہیں ہوتی البتہ خود دو

جنگلات بہت ہیں۔ اس ملک کے بہت کم دریا میدانی علاقہ میں بہتے ہیں۔

آب وہوا کے لحاظ سے موجودہ جغرافیوں میں سپین کو دو حصّوں میں منقسم کیا گیا ہے۔ ایک حصّہ وہ جہاں کثرت سے بارش ہوتی ہے اس کو (Pluvioose) کہتے ہیں۔ دوسرا جہاں یا تو بارش ہوتی ہی نہیں یا اگر ہوتی ہے تو بہت ہی کم اس کو (Arid) کہتے ہیں۔ پہلے حصّہ میں ۲۴ انچ سے زیادہ بارش ہوتی ہے اس میں شمالی مغربی اور شمال مغربی علاقے یعنی جلیقیہ، شنت بریہ، بشکنس، کوہ البرانس قطلونیہ اور موجودہ پرتگال کا شمالی حصّہ شامل ہیں۔ اس علاقہ میں گرمی کا درجہ حرارت دوسرے حصّے (Arid) سے بہت کم ہوتا ہے۔ بارش کے تسلسل اور کثرت سے خودرو جنگلات بہت ہیں جس کی وجہ سے جانوروں کو کثرت سے پالا جاتا ہے۔ وہ تمام پھل جو بحر روم کی آب وہوا میں ہوتے ہیں یہاں پر پائے جاتے ہیں۔ البتہ زیتون اس علاقہ میں نہیں ہوتا۔ کیونکہ اس کی مناسبت سے گرمی زیادہ نہیں ہوتی ہے۔ انگور کثرت سے ہوتا ہے اور گیہوں اور مکئی بھی کاشت میں لائی جاتی ہے۔ الغرض ضرورت کے مطابق پیداوار ہو جاتی ہے لیکن زیادہ تر ذریعہ معاش پالتو جانور ہی ہیں۔

تمام (Arid) علاقہ کو بحر روم کی آب وہوا میں شمار کیا جاتا ہے گو اس کے بہت سے علاقے اس آب وہوا کے زمرے میں نہیں آتے لیکن بحیثیت مجموعی ان کو شمار کر لیا گیا ہے۔ اس تمام علاقہ میں بارش کم ہوتی ہے آسمان عموماً صاف رہتا ہے۔ موسم گرما گرم و آلود اور سخت ہوتا ہے جاڑوں میں سخت سردی پڑتی ہے۔ ہر روز خواہ گرمی ہو یا سردی غروب آفتاب کے بعد درجہ حرارت میں کمی واقع ہو جاتی ہے اور خنک ہوا چلنے لگتی ہے۔ چنانچہ اکثر حصّہ زمین پر گھاس کے علاوہ کچھ نہیں ہوتا بجز ان علاقوں کے جہاں پانی کی بہتات ہے اور آب پاشی کا طریقہ رائج ہے۔ مرکزی شاراات میں جنگلات پائے جاتے ہیں۔ گو وہ زیادہ گھنے نہیں ہیں لیکن انسان ان میں آباد نہیں ہو سکتا۔ بہت بھیڑ بکریاں ضرور پالی جاتی ہیں۔ اس حصّے کا شمالی علاقہ جنوبی علاقہ سے بلند ہے۔ اور وہاں کا درجہ حرارت بھی کم ہے۔ لیکن آب وہوا کے لحاظ سے دونوں میں بہت کم فرق ہے۔ شمالی علاقہ میں زیتون کی کاشت جنوبی علاقہ سے کم ہوتی ہے۔ لیکن گیہوں اور جَو دونوں علاقوں میں کثرت سے پیدا کیا جاتا ہے۔ بشرطیکہ زمین کو اچھی کھاد بھی ملتی ہو۔ وادی ابرہ میں بڑا علاقہ آب پاشی کے ذریعہ کام میں لایا جاتا ہے۔ اس علاقہ میں پانی میں نمک کی مقدار زیادہ ہوتی ہے جس سے فصلوں کو کافی فائدہ ہوتا ہے۔

بڑے بڑے گھاس کے میدان ہیں جو چراگاہوں کے کام میں آتے ہیں جس کی وجہ سے بھیڑوں اور بکریوں کی افزائش نسل بہت ہوتی ہے۔ میدانی علاقے یا تو ساحل بحر روم اور بحر محیط پر ہیں یا پھر چراگاہوں سے ملے ہوئے جہاں پر آب پاشی کے ذریعہ اچھی فصلیں تیار کی جاتی ہیں۔ بعض علاقے آج تک بہترین کاشت کے علاقے شمار کئے جاتے ہیں جیسے بلنسیہ۔ المریہ۔ مرسیہ۔ مالقہ وغیرہ۔ دریاؤں کی گذرگاہوں میں سوائے وادی الکبیر کے کاشت کرنا ممکن نہیں اس لئے کہ دریا عموماً اونچی اونچی پہاڑیوں کے درمیان سے گذرتے ہیں۔ البتہ مختلف طریقوں سے ان سے پانی حاصل کیا جاتا تھا۔ اور نہریں بھی نکالی گئی تھیں۔ مسلم دور کی بہت سی نہریں آج بھی پائی جاتی ہیں آب پاشی اور کاشت کاری کے سلسلہ میں جو تراکیب مسلمانوں نے اختیار کی تھیں ان کا تذکرہ آگے آئے گا۔ معدنیات و نباتات کا تذکرہ بھی آگے کیا گیا ہے۔ مسلم زمانے کی معدنیات آج بھی پائی جاتی ہیں۔

شہر و آبادی

باوجود اس کے کہ دور مسلم کا اسپین ایک بڑا ملک تھا اور کافی تہذیب یافتہ تھا۔ پھر بھی اس میں بہت کم بڑے شہر تھے جن کی آبادی زیادہ تھی مثلاً قرطبہ۔ اشبیلہ۔ طلیطلہ وغیرہ۔ لیکن عام طور پر شہروں کی آبادی زیادہ نہ تھی۔ اسپین کے پہاڑی حصے میں تو دور دور تک آبادی کے نشانات نہ ملتے تھے۔ البتہ جنوبی اور وسطی اسپین میں آبادیاں کثرت سے تھیں۔ مسلمانوں نے بہت سے نئے علاقے آباد بھی کئے تھے جن کے آثار آج تک پائے جاتے ہیں۔ عرب جغرافیہ نویسوں نے دور مسلم کے اسپین کو بہت سی اقالیم (صوبوں) میں منقسم کر دیا ہے۔ کیونکہ عربوں نے پرتگال اور اسپین کو ایک ہی علاقہ قرار دیا ہے اس لئے ان کی قائم کردہ تقسیم موجودہ تقسیم سے بہت مختلف ہے۔ چنانچہ ہم نے بھی دور مسلم کے اسپین کی سیاسی تقسیم کے لئے عرب جغرافیہ نویسوں کی تحریر پر اکتفا کیا ہے۔ مختلف جغرافیہ نویسوں نے ملک اسپین کی تقسیم کئی طریقوں سے بیان کی ہے۔ احمد بن محمد رازی نے اندلس (اسپین) کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ پہلا اندلس غربی دوسرا اندلس شرقی۔ اندلس غربی وہ حصہ ملک جس کے دریا بحر محیط (اٹلانٹک) میں گرتے ہیں۔ اور اندلس شرقی وہ حصہ جس کے دریا بحر روم میں گرتے ہیں۔ علامہ مقری نے اسپین کو تین حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ اندلس مشرقی۔ مغربی۔ اور وسطی پھر ہر حصے کو مختلف کوروں (صوبوں) میں تقسیم کر دیا ہے۔ سب سے زیادہ صحیح اور تاریخی تقسیم

مشہور جغرافیہ نویس شریف ادریسی کی ہے جس نے اس ملک کو دو حصوں میں منقسم کیا ہے۔

(۱) مرکزی شارات (Central Sierras) کا شمالی حصہ جس کو قشتالہ کہا ہے۔

(۲) مرکزی شارات کا جنوبی حصہ جس کو اشبانیہ کے نام سے موسوم کیا ہے۔ اگر اس تقسیم کو بنظر غائر دیکھا جائے تو یہ تقسیم جغرافیائی سے زیادہ تاریخی معلوم ہوتی ہے۔ شمالی حصہ جو قشتالہ کہلاتا تھا جغرافیائی نقطۂ نظر سے پورا پہاڑی علاقہ ہے۔ اور تاریخی نظر سے عیسائیوں کا علاقہ تھا جس پر ہمیشہ مسلمانوں کے حملے ہوتے رہے اور وہ زیادہ تر باجگذار رہا لیکن کبھی مستقلاً مسلمانوں کے قبضہ میں نہ رہا۔ دوسرا حصہ اشبانیہ مسلمانوں کا اندلس تھا جو پوری طرح مسلمانوں کا علاقہ تھا اور ۸ صدی تک مسلمانوں کا وطن رہا۔ یہ تقسیم ہی اس بات کو ثابت کرتی ہے کہ دور مسلم میں شمال اور جنوب کی کشمکش رہی ہوگی بہر حال اس تقسیم کو ہم نے بھی تسلیم کیا ہے۔ اور اسی کی بنیاد پر مندرجہ ذیل جدول تیار کی گئی ہے۔ جس میں نہ صرف صوبوں (اقالیم) کا تذکرہ کیا ہے بلکہ ان صوبوں کے مشہور شہر قلعے اور ان کی موجودہ جائے وقوع بھی بیان کی گئی ہے۔ تاکہ اقلیم کی تفصیل سے پوری طرح آگاہی ہو سکے۔

• جدول •

دیکھئے صـ ۳۴

باشندے موجودہ اسپین میں تو صرف عیسائی۔ یہودی اور پرتگالی قومیں آباد ہیں۔ لیکن دور مسلم میں اس ملک میں بہت سی اقوام کا پتہ چلتا ہے جن میں عیسائی یہودی۔ گاتھی۔ رومی۔ یونانی۔ فرنیک اور مسلمان سب ہی شامل تھے۔ بعض علاقوں میں یہ قومیں علیحدہ علیحدہ آباد تھیں۔ اور بعض شہروں و امصار میں کئی قومیں مل جل کر رہتی تھیں۔ قدیم تاریخ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ مسلم دور سے قبل اسپین میں آنے والی قوموں میں ای بیری۔ کلٹ۔ فنیقی۔ یونانی۔ رومی۔ شیرانی۔ الانی۔ واندال۔ فرنیک اور وقوطی (گاتھ) شامل تھے۔ ان قوموں نے اسپین میں اپنی اپنی آبادیاں بھی قائم کی تھیں۔ بہت سی اقوام مستقل طور پر اس ملک میں بس گئی تھیں۔ اور بہت سی اس علاقے کو چھوڑ کر دوسرے ملکوں میں چلی گئی تھیں۔ ان قوموں میں صرف فنیقی مشرقی قوم تھے۔ ورنہ باقی تمام اقوام یورپ کے وسطی علاقے سے تعلق رکھتی تھیں۔

مُسلمان جس وقت اسپین میں داخل ہوئے تو یہاں پر قوم قوط حاکم تھی اس قوم کا مامن و مسکن بحر اسود کے شمال میں دریائے نیپیر کے قریب تھا۔ انہوں نے چوتھی صدی عیسوی میں یورپ کو اپنے قبضہ اقتدار میں لینا شروع کیا یہاں تک کہ یونان۔ اٹلی اور فرانس تک ان کے قبضہ میں آگئے۔ ۴۱۱ء میں وہ اسپین میں داخل ہوئے۔ اس کے پانچ برس بعد انہوں نے شیوانی (Suevi) اور الانی (Illene) اقوام کی حکومت ختم کر کے اپنی حکومت قائم کی۔ ان کی حکومت کی حدود اسپین سے لے کر فرانس کے دریا لوئر (Loir) تک تھیں۔ کچھ عرصہ بعد وسطی یورپ کی ایک وحشی قوم وندال (Vandal) نے ان پر حملہ کیا اور ملک کے کچھ حصے پر اپنی حکومت قائم کر لی۔ لیکن ۲۰ برس کے اندر ہی اندر قوطیوں نے ان کو افریقہ کی طرف دھکیل دیا۔ قوطیوں نے تقریباً ۳ صدی تک اس ملک پر حکمرانی کی اور اپنے آپ کو پوری طرح اسپینی تہذیب و ثقافت میں سمو لیا۔ انہوں نے اپنے آپ کو مقامی باشندوں میں شامل کر لیا۔ اور اسپینی قوم میں شمار ہونے لگے۔ گو ان کے درمیان طبقہ واری اختلافات موجود تھے۔ لیکن جب مسلمان اسپین میں داخل ہوئے تو انہوں نے اپنے سب اختلافات کو ختم کر کے عیسائی ہونے کے رشتہ سے مسلمانوں کا مقابلہ کیا۔

مسلمانوں سے قبل اسپین کے باشندوں کے درمیان تین مذاہب رائج تھے

(۱) عیسائیت۔

(۲) یہودیت۔

(۳) بت پرستی۔

تینوں مذاہب کی آپس کی کشمکش بھی جاری تھی۔ لیکن باشندے طبعاً مذہب پرست تھے۔ قوطی مذہباً بت پرست تھے لیکن ۴ صدی عیسوی کے ختم ہوتے ہوتے وہ سب کے سب عیسائی ہو گئے تھے۔ مسلمانوں کو اسپین اور فرانس میں نژاداً جرمن قوم فرنیک سے بھی سابقہ پڑا یہ بھی بت پرست تھے لیکن ۴۹۶ء میں ان کے سردار کلووس نے عیسائیت قبول کر لی تھی جس کے ساتھ ہی تمام قوم بھی عیسائی ہو گئی تھی۔ البتہ جنوبی فرانس کے بیشتر علاقے بت پرستی پر قائم تھے۔

(ب) قدیم تاریخ عربی تواریخ کی رو سے اس ملک میں سب سے پہلے آباد ہونے والی قوم اندلس تھی۔ لیکن مغربی مورخین نے اس کا نام سلسٹ بتایا ہے جو فرانس

سے آئے تھے۔ پھر آئبیری اور لگوری اقوام نے اس کو اپنا مسکن بنایا۔ اس کے بعد افریقہ سے آئے ہوئے فنیقیوں نے مسیح ع کی ولادت سے کئی صدیاں قبل اسپین کے ساحلی علاقے پر اپنی بستیاں قائم کیں۔ ۲۴۷ ق۔م میں قرطاجنی جنوبی اسپین میں آئے اور انہوں نے قادس میں اپنی کالونی بنائی ——

—— اسی زمانہ میں یونانیوں نے بھی مشرقی ساحل پر اپنی آبادیاں قائم کیں۔ ان کا صدر مقام اشبیلیہ تھا۔ بہت سی اقوام کے آنے سے کشمکش کا آغاز ہوا اور مختلف حکومتیں قائم ہونے لگیں۔ اس کشمکش میں قرطاجنہ کو ہزیمت ہوئی اور ۲۰۰ ق۔م میں وہ اس ملک کو چھوڑ کر چلے گئے۔ اس کے بعد رومیوں کا دور شروع ہوا اور کئی صدی تک وہ شان و شوکت سے حکومت کرتے رہے۔ رومیوں کا شاندار دور آگسٹس کا دور تھا جس نے اسپین کو تین صوبوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ اور قانون روما کو نافذ کر کے ہمیشہ کے لئے اس علاقے کو رومی سلطنت کا ایک حصہ بنا لیا تھا۔ اس نے بہت سی اصلاحات بھی کیں اور شہری نظم و نسق کو بہتر بنایا۔ بلاشبہ رومی دور قدیم اسپین کا شاندار دور تھا جس میں کافی تہذیبی و ثقافتی ترقی ہوئی عظیم رومی سلطنت کے زوال کے ساتھ ہی ساتھ اسپین میں بھی ان کا زوال شروع ہو گیا قیصر ہنوریان کے زمانہ میں جرمن وحشی اقوام الین (Illene) وندال (Vandal) اور سوئی وی (Suevi) نے دریائے رائن کو عبور کر کے فرانس اور دیگر رومی مقبوضات کو برباد کرنا شروع کر دیا۔ قیصر ہنوریان نے ایک دوسری وحشی قوم ہنوری کو ان سے لڑنے کے لئے بھیجا چونکہ وہ بھی وحشی تھے اس لئے خود بھی لوٹ مار اور غارت گری میں لگ گئے۔ جب ان کو اس بات کا احساس ہوا کہ انہوں نے قیصر کے احکامات کی خلاف ورزی کی ہے جس کی ان کو ضرور سزا ملے گی تو انہوں نے کسی نہ کسی طرح سوئی وی اور الین اقوام کو فرانس سے اسپین کی طرف دھکیل دیا۔ اسپین میں ان کا مقابلہ کرنے والا کون تھا؟ چنانچہ شہر کے بعد دیگرے انکے ہوس کا نشانہ بنتے گئے۔ ٹیوٹن کی ان وحشی قوموں نے لوٹ مار، قتل و غارت گری اور وحشت و بربریت کا مظاہرہ کرنے میں اچھے برے کی تمیز نہ کی۔ اور تمام ملک پر تباہی و بربادی کی فضا قائم کر دی۔ عرب مورخین نے ایک شخص اشبان بن طیطش کا نام لکھا ہے جو مغربی مورخین کی تصریحات کے نتیجہ میں سوئی وی قوم کا سردار تھا جس نے اس ملک پر اپنی حکومت قائم کر لی تھی جس کا دارالحکومت اشبیلیہ کے قریب اشپانیہ بتایا جاتا ہے جس کی مناسبت سے اسپین

---

۱ تمدن عرب بلگرامی ص ۲۷۳ ۲ علامہ مقری

کوہسپانیہ کے نام سے بھی پکارتے ہیں۔ اشبان نے ایک بڑی فوج کے ساتھ یروشلم پر بھی حملہ کیا تھا اور وہاں سے مائدہ سلیمان لایا تھا جو طلیطلہ کے خزانہ سے طارق بن زیاد کو ملا تھا۔ اس بادشاہ کے خاندان سے ۵۵۰ بادشاہوں نے حکومت کی جن کے نام تک ابن القوطیہ اور ابن حیان وغیرہ نے لکھے ہیں۔ دوسری قوم "لیشتولیات" یا الین (Illene) تھی جس کا پہلا فرمانروا طویش بن نبطہ بتایا جاتا ہے۔ اس کے خاندان کے ۲۷ بادشاہ گذرے ہیں۔ ۶۰ برس تک تو ان دونوں قوموں نے خوب خوب قتل و غارت گری کی۔ لیکن جلد ہی اسپین کی دیگر لاطینی اقوام میں گھل مل گئیں اور زبان بھی لاطینی اختیار کر لی اور آہستہ آہستہ بت پرستی کو چھوڑ کر عیسائیت قبول کرتی گئیں۔

۵ ویں صدی عیسوی میں ایک نئی وحشی قوم نے بحر اسود کے شمال سے سر ابھارا۔ اور بہت تیزی کے ساتھ یورپ کی متمدن حکومتوں کو تہہ و بالا کر ڈالا۔ اس قوم کو عربوں نے قوط اور مغربی مورخین نے گاتھ (Goth) کے نام سے پکارا ہے۔ گاتھ ایک ایشیائی قوم تھی۔[1] جن میں اسٹرو گاتھ (مشرقی گاتھ) نے تو اطالیہ پر قبضہ کر لیا۔ اور وزی گاتھ (مغربی گاتھ) نے سوئی دی اور دیگر وحشی جرمن اقوام کو مغلوب کر کے ۵ ویں صدی کے شروع میں رومی صوبہ آئی بیریا (اسپین) پر اپنی حکومت قائم کر لی جس وقت مسلمانوں کی عقابی نگاہیں اسپین پر پڑ رہی تھیں اس وقت تک وزی گاتھ کو حکومت کرتے ہوئے دو سو برس سے زیادہ عرصہ گذر چکا تھا اس درمیان گو وہ مہذب اور مذہب پرست بن چکے تھے لیکن پھر بھی رومیوں کے زمانہ کی برائیوں کو ختم نہ کر سکے۔ بلکہ یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ برائیاں ان کے زمانہ میں کچھ زیادہ ہی بڑھ گئی تھیں۔

(ج) مسلمانوں سے قبل کا اسپین

اسپین کا پورا معاشرہ مختلف خود ساختہ طبقوں میں منقسم تھا مثلاً بادشاہ اور شہزادے۔ کلیسا کے پادری اور اسقف۔ امراء و جاگیردار۔ برگر (تجارت پیشہ لوگ) سرف اور غلام۔ ان سب کو دو اہم طبقوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

(۱) لتی فندی یعنی حکمران طبقہ۔ عہدیداران کلیسا۔ امراء و جاگیردار وغیرہ۔

(۲) عام رعایا یعنی برگر۔ سرف۔ غلام اور یہودی ـــــ دولت مند۔ وسیع علاقوں کے جاگیردار خطاب یافتہ رئیس۔ سرکاری حکام کو بجز نفس پروری اور تن آسانی کے دوسرا کام نہ تھا ـــــ

---

[1] Moors in Spain — Lanepole P.5

بڑے بڑے پر تکلف محلات جو انہوں نے دریاؤں کے کنارے بنا رکھے تھے ان کے عیش وعشرت کا مرکز تھے۔ ان عشرت کدوں میں ان امراء کے دن ورات قمار بازی، شناوری شہسواری اور ضیافتوں میں گذرتے۔ غلاموں کا ایک انبوہ ان کی ہمہ وقت خدمت کے لئے حاضر رہتا۔ نہ ان کو عوام سے محبت تھی اور نہ وطن سے۔ مذہب ان کے نزدیک کوئی حقیقت نہیں رکھتا تھا۔ ایک پادری سلویا توس[1] ان کی مذہبی حالت پر غضبناک ہو کر لکھتا ہے "کہ یہ بے دین گھوڑ دوڑ کے میدان کو کلیسا سے بہتر جانتے ہیں۔ گرجاؤں سے نفرت اور تماشا گاہوں سے الفت رکھتے ہیں۔ ہر مخلوق کی قدر وقیمت ان کے دل میں ہے مگر نہیں ہے تو خالق کی جسے وہ حقیر وذلیل جانتے ہیں اور مذہب کا مذاق اڑاتے ہیں" غرض ان امراء وجاگیرداروں کا کام عوام کا خون چوسنا اور اپنے اقتدار کی خاطر سازشیں کرنا تھا۔ لین پول[2] لکھتا ہے کہ یہی طبقہ امراء وجاگیردار تھا جس نے ناجائز اغراض کو حاصل کرنے کے لئے عہدیداران کلیسا کو رشوتیں دے دے کر رشوت خوری کا عادی بنا رکھا تھا۔

عام رعایا کو بھی تین طبقوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

(۱) متوسط الحال طبقہ جس میں اہل کوریا (ارکان مجلس انتظامی) یا برگر (تجارت پیشہ لوگ) شامل تھے شہروں کا انتظام ان کے سپرد تھا۔ شہروں میں بلدیات قائم تھے لیکن یہ بلدیات خود زیادتیاں کرتے کرتے ظالم یا ظلم سہتے سہتے مظلوم ہو چکے تھے۔ کوریا کا ہر رکن جو نہ تو صاحب مراعات خسروانہ ہوا اور ۲۵ ایکڑ سے زیادہ اراضی رکھتا ہو اس کا یہ فرض ہوتا تھا کہ جب کبھی بھی ملکی آمدنی میں قحط یا فصل کی خرابی سے کمی واقع ہو جائے تو اس خسارے کو اپنی جیب سے پورا کرے اس وجہ سے وہ ۲۵ ایکڑ سے زیادہ اراضی اپنے پاس نہ رکھتے تھے۔ کوریا کی رکنیت موروثی تھی۔ اس کے ارکان اپنی زمینوں اور جائدادوں سے پوری طرح وابستہ تھے۔ بغیر حکومت کی مرضی کے وہ اپنی جائداد کو نہ رہن رکھ سکتے تھے۔ نہ ہی بیچ سکتے تھے۔ بھاری بھاری ٹیکسوں کی ادائیگی سے وہ لوگ اس قدر تنگ آگئے تھے۔ کہ اپنی جائدادیں چھوڑ کر یا تو فوجی ملازمت اختیار کر لیتے یا کوئی ادنیٰ سی ملازمت کر لیتے تھے۔ ان کا اگر سراغ مل جاتا تو پکڑ کر پھر کوریا میں شامل کر دیا جاتا یا پھر ان کی جگہ بندی اور غیر صحیح النسب لوگ بدعتی۔ عیسائی۔ یہودی یا سزا یافتہ بدمعاش بلدیات

---

[1] عبرت نامہ اندلس ڈوزی جلد ۲ ص ۳۵۴ (Moors in Spain p.6

کے رکن بنا دیئے جاتے جو لوگوں کو ذلیل و خوار کرتے اور سزائیں دیا کرتے تھے۔

اسپین کے معاشرے میں سب سے زیادہ مظلوم طبقہ سرف اور غلام تھے۔ سرف کاشتکار تھے اور کوریا اور غلاموں کے درمیان ایک درجہ رکھتے تھے جب زراعت پیشہ رعایا جو آزاد تھی تباہ ہو چکی تو سرف کی جماعت کو رفتہ رفتہ ترقی دی گئی اور قواعد میں ان کو آسانیاں بہم پہنچائی گئیں۔ ان کی کاشتکاری کے قواعد پہلے تو رواج یا معاہدے پر مبنی تھے لیکن امن و حفظِ سلطنت کے خیال سے ان کو اہم مسائل میں شمار کر کے ان پر خاص توجہ دی جانے لگی تاکہ وہ کاشت کاری بھی کریں۔ اور ضرورت ہو تو انہیں فوج میں بھی بھرتی کیا جا سکے۔ ان کا نظام بالکل جدا کر دیا گیا تھا۔ ان کا قانون اور پولس بھی علیحدہ علیحدہ تھی۔[1] بعض صورتوں میں ان کی حالت غلاموں سے قدرے بہتر تھی۔ مثلاً غلام قانونی طور پر شادی نہ کر سکتے تھے۔ لیکن سرف کر سکتے تھے۔ غلام زمین کے مالک نہ ہو سکتے تھے لیکن سرف مالک ہو سکتے تھے۔ سرف کے آقا ان سے پیداوار کا ایک خاص حصہ تو لے سکتے تھے لیکن ان کی جائداد تصرف نہ کر سکتے تھے۔ البتہ آقا کی مرضی کے بغیر وہ اپنی جائداد منتقل نہ کر سکتے تھے۔ وہ محصول حکومت کو براہ راست ادا کرتے تھے۔ لڑائی کے زمانے میں فوج میں بھرتی کئے جاتے تھے۔ ان کو سیاسی حقوق یا انفرادی آزادی حاصل نہ تھی جسمانی سزائیں غلاموں کی طرح انہیں بھی دی جاتی تھیں۔ سرف دراصل کسی شخص کے نہیں بلکہ ان زمینوں کے غلام ہوتے تھے جسے وہ کاشت کرتے تھے۔ وہ زمین کو کسی صورت میں نہ چھوڑ سکتے تھے اور زمین ان کی موروثی تھی۔ زمین کی فروخت معاس کے سرفوں کے ہوتی تھی۔ وزی گاتھ کے زمانے میں سرف کی حالت اور خراب ہو گئی تھی۔ ان سے زبردستی بیگار لی جاتی تھی کوئی سرف اپنے آقا کی مرضی کے بغیر شادی نہ کر سکتا تھا اگر وہ ایسا کر لیتا تو جبراً شوہر اور بیوی کو جدا کر دیا جاتا۔ جب کسی غلام یا سرف کی شادی کسی دوسرے مالک کی سرف عورت یا لونڈی سے ہوتی تو جس قدر اولاد ان سے ہوتی وہ دونوں مالکوں میں تقسیم ہو جاتی۔ سرف سے زیادہ خستہ حالت غلاموں کی تھی۔ مویشیوں اور خانہ داری کے اسباب کی طرح بلا تکلف خرید و فروخت کئے جا سکتے تھے۔[2] ان کی تعداد ان کے آقاؤں سے کہیں زیادہ تھی۔ حکیم سنیکا لکھتا ہے کہ ایک دفعہ مجلس سینیات میں اس بات کی تحریک ہوئی کہ جس قدر غلام ہیں وہ ایک ہی قسم کا لباس

[1] عبرت نامہ اندلس ڈوزی ج ۲ ص ۳۸۶ [2] عبرت نامہ اندلس ج ۲ ص ۳۸۶

پہنا کریں تاکہ ان میں اور دوسروں میں تمیز ہو سکے۔ لیکن یہ تحریک اس بنا پر منظور نہ ہوئی کہ اگر ایسا کیا گیا تو کہیں غلاموں کو آقاؤں کی قلت تعداد کا اندازہ نہ ہو جائے۔" غلاموں پر سختیاں بڑی بے رحمی سے کی جاتی تھیں۔ آقاؤں کے ہاتھ سے جو ظلم ہوتے تھے۔ وہ تو ہوتے ہی تھے لیکن غلاموں کے کاموں پر ان کے افسر اور نگران کار جو بے رحمی کرتے تھے وہ بیان سے باہر ہے۔ یہ افسر خود بھی غلام ہوتے تھے۔ غلاموں کے خاندانوں میں ہر خاندان کے ذمہ آقا کے خاندان کی ایک خاص خدمت پشتہا پشت سے مخصوص ہو گئی تھی۔ مثلاً غلاموں کے ایک خاندان کے ذمہ تھا کہ وہ اپنے آقا کے خاندان کے لئے ہل چلانے والے مہیا کرتا رہے۔ اسی طرح کسی غلام خاندان کو ماہی گیر، کسی کو حجام، کسی کو باورچی اور کسی کو کچھ اپنے آقا کے خاندان کو پیش کرنے ہوتے تھے۔ کوئی غلام اپنے آقا کی مرضی کے بغیر شادی نہ کر سکتا تھا۔ رومن کیتھولک پادری برسر اقتدار آنے سے پہلے اپنے وعظوں میں غلاموں اور سرفوں کی نجات اور ان کو آزادی کا سبز باغ دکھاتے تھے۔ لیکن جب وہ برسر اقتدار آ گئے تو اپنے اصولوں اور وعدوں سے منحرف ہو گئے۔ اور کہنے لگے کہ "انسدادِ غلامی کے اصول ہم نے قبل از وقت رائج کرنے چاہے تھے حقیقت میں ابھی ان کی آزادی کا وقت نہیں آیا ہے۔ اور شاید ابھی صدیوں تک ایسا وقت نہ آئے"۔ غرض سوداگر ہوں یا تاجر، سرف ہوں یا غلام۔ حکومت کے جور، آقاؤں کے تشدد اور مالکان اراضی کے ظلم سے بچنے کے لئے آخری علاج یہی کرتے کہ گھر بار چھوڑ کر جنگل یا پہاڑوں میں چلے جاتے اور وہاں رہزنی کا پیشہ اختیار کر لیتے بعض دفعہ گروہ بندی کر لیتے اور پھر بہت سے گروہ مل کر لوٹ مار کا ایک پورا لشکر بن جاتے جس کے اثرات لازمی طور پر حکومت کی اقتصادی حالت پر پڑ رہے تھے[1]

جس وقت وزی گاتھ آئین میں آئے تھے تو اہل آئین برائے نام مسیحی مذہب رکھتے تھے۔ گو قسطنطین نے مسیحی مذہب کو سرکاری قرار دیدیا تھا اور اس کو پھیلانے کی بھی کوشش کی تھی لیکن پھر بھی مغربی صوبوں میں اس کے اثرات زیادہ نہ تھے اول تو یہ کہ پادریوں کو سوائے کلیسا کے نفع نقصان کے اور کسی چیز سے کوئی سروکار نہ تھا۔ چنانچہ اس بنا پر وہ جاہل بت پرستوں کو مطمئن نہ کر سکے۔ دوسرے یہ کہ رومی شرفاء پر پادریوں کا قابو نہ چل سکا۔ گو یہ شرفاء عیسائی تو ہو گئے تھے اس لئے کہ عیسائیت سرکاری مذہب بن گیا تھا۔ مگر ان میں بدکاریاں اس قدر سرایت کر چکی تھیں کہ وہ عیسائیت کے قوانین اخلاق کے متحمل نہ ہو سکتے تھے۔ ان کی طبیعتیں اس قدر شکی ہو چکی تھیں کہ

[1] عبرت نامہ اندلس جلد ۲ صفحہ ۳۸۸

صول نصرانیت کا معتقد ہونا ان کے لئے ممکن نہ رہا تھا جس کے نتیجے میں عیسائیت کو زیادہ فروغ حاصل نہ ہو سکا۔ جب روما پر زوال آیا تو ان پادریوں نے کہنا شروع کیا کہ یہ زوال عیسائیت سے روگردانی کا نتیجہ ہے۔ آپس میں وحشی قوموں کے حملے شروع ہوئے تو چاہئے تو یہ تھا کہ کلیسا کے پادری ان کے خلاف زہر اگلتے لیکن اس کے برخلاف انہوں نے ان فاتحین کے ظلم و تشدد کو کم کر کے دکھایا اور دینا کے سامنے ان کی تعریف کرنے لگے۔ یہ لوگ آلام و آفات کے اس بحر ناپیدا کنار کو خوشدلی سے خوش آمدید فرماتے رہے۔ اور ان کی حکومتوں کو رومیوں کی حکومت سے بہتر سمجھتے رہے۔ وجہ اس کی یہ تھی کہ ان کے دل میں انسانی ہمدردی اور مروت کا کوئی خیال ایسا نہ تھا جو ان کو ایسی باتوں سے روکتا۔ ان کے لئے قوم کی محبت ایک بے معنی چیز تھی۔ دنیا میں ملک کی محبت ان پر کوئی اثر نہ رکھتی تھی۔ کیونکہ ان کا آبائی ملک آسمان تھا۔ رحم ان کے دلوں سے زائل ہو چکا تھا۔ لوٹ مار قتل عام بھی ان کے دلوں پر کوئی اثر نہ کرتا تھا۔[1] پادری اس بات کے معترف تھے کہ وزی گاتھ بھی رومیوں کی طرح انصاف کا خون کرنے والے، طامع، فریبی اور غاصب ہیں۔ ان وحشی اقوام میں کونسی کا کوئی تصور نہ تھا لیکن پھر بھی پادری جو کچھ ان کو سکھاتے اور بتاتے تھے اس کا یقین کر لیتے تھے۔ وہ فطری طور پر مذہب پرست تھے جب کوئی خطرہ ہوتا تو یہ لوگ سوائے خدا کے کسی دوسرے سے دعا نہ مانگتے تھے۔ جنگ شروع ہونے سے پہلے ان کے بادشاہ ٹاٹ کا جبہ پہن کر خدا کے سامنے جھکتے تھے۔ لڑائی میں فتح ہوتی تو وہ خدا کی مدد کو شامل حال سمجھتے تھے۔ اس کے علاوہ پادریوں کی دل سے عزت کرتے تھے۔ گو ایریسی فرقے سے تعلق رکھتے تھے لیکن رومن کیتھولک پادریوں کی بھی دل سے عزت کرتے تھے۔ رومن کیتھولک پادری بھی ان کی اس رواداری سے بے خبر نہ تھے اور ان کو کیتھولک بنانے کی کوششیں کرتے رہتے تھے۔ چنانچہ ان کی یہ امیدیں ۵۸۶ء میں پوری ہوئیں۔ اور شاہ ریکارڈ (Recared) اور اس کے ہمراہی اس مذہب میں شامل ہو گئے۔[2] اس کے بعد ان پادریوں نے نہ صرف بادشاہوں کے دل و دماغ پر تصرف کیا بلکہ ملکی قوانین کی تشکیل اور انتظامی اختیارات پر بھی قبضہ کر لیا۔ اور کلیسا کی دستاویز میں اپنی عظمت اور وقار کے سلسلے میں تحریر کیا کہ "ہم یسوع مسیح کے حکم سے قوم کے محافظ مقرر کئے گئے ہیں۔ پروفیسر ڈوزی نے ان کے اقتدار کے بارے میں لکھا ہے کہ "جس وقت یہ پادری طلیطلہ کی کونسل کے اجلاس میں شریک ہوتے تو بادشاہ مع اپنے درباریوں کے ان کے سامنے گھٹنے زمین پر ٹیک

[1] Spanish Islam — P.223 [2] (Spanish Alam — Dors P.222.

لر کھڑا ہوتا۔ اور بہ الحاح وزاری ان سے درخواست کرتا کہ بزرگانِ دین خدا کی جناب میں اس کی سفارش کریں۔ اور ملک کی بہتری کے لئے عمدہ قوانین وضع کریں۔ جس وقت پادری ان بادشاہوں کو ہدایت کرتے کہ پرہیزگاری و عبادت ان کے لئے سب سے بڑی نعمت ہے تو یہ بادشاہ اس بات کو خوب سمجھتے تھے۔ کہ ساری پرہیزگاری اسی میں ہے کہ پادریوں کی اطاعت کی جائے چنانچہ عیاش سے عیاش بادشاہ بھی سر جھکا کر اس بات کا اقرار کرتا کہ ملکی معاملات میں کلیسا کی ہدایت پر ہمیشہ عمل کرتا رہے گا۔ امید یہ کی جاتی تھی کہ اب جبکہ مذہب اور اخلاق کے علمبرداروں کی یہ جماعت برسر اقتدار آچکی ہے اور تمام قوتیں کلیسا کی ذات میں مجتمع ہو چکی ہیں تو یقیناً اخلاق اور آئین حکومت کو زندہ کیا جائے گا۔ اقتدار پر آنے سے قبل یہ رومن کیتھولک پادری جس زور و شور سے انسانیت کی فلاح و بہبود اور غلام و سرف کی نجات دہندگی کی باتیں کرتے تھے اس سے یہ خیال پیدا ہونا یقینی تھا کہ قوت حاصل کرنے کے بعد وہ اپنے قول پر عمل کریں گے لیکن جب وہ خود بڑے علاقوں کے مالک بنے جن میں ہزارہا سرف کاشتکار آباد تھے۔ اور عالیشان قصر رہنے کو ملے جن میں کثرت سے غلام خدمت کے کے لئے تھے تو ان کی آنکھوں پر عیش و نشاط کے پردے پڑ گئے۔ نہ صرف یہ کہ انہوں نے اپنے قول پر عمل نہ کیا بلکہ بعض اوقات مظالم میں بھی دیگر امراء اور جاگیرداروں سے کم حصہ نہ لیا۔ انہوں نے حکماء سلف ارسطاطالیس اور سسرو کے اقوال کو اپنا راہ نما بنا لیا۔ اور عیاشی کے نت نئے طریقے ایجاد کر لئے۔ یہاں تک کہ گرجا بھی ان کی بدکاریوں سے محفوظ نہ رہ سکے۔

ان پادریوں سے جو مسیح ع کی طرف سے اپنے آپ کو رعایا کا پاسبان سمجھتے تھے اتنا بھی نہ ہو سکا کہ جو حالت پہلے تھی اس کو قائم رہنے دیتے۔ اقتدار کیا آیا تعصب اور انسانیت سوزی کا دور شروع ہو گیا۔ اسپین میں کثرت سے یہودی آباد تھے ان پادریوں نے ان پر مظالم توڑنا شروع کئے مچلٹ نے لکھا ہے کہ "عہد وسطیٰ میں جب لوگوں نے پوچھنا شروع کیا کہ کلیسا کی ربانی حکومت میں جس جنت کا وعدہ ہوا ہے وہ اس دنیا میں دوزخ کی شکل میں کیوں نمودار ہو رہی ہے۔ تو یہ پادری لوگوں کی زبان بند کرنے کے لئے جواب دیتے تھے کہ یہ قہر خدا ہے جو یہودیوں کے گناہوں کی وجہ سے نازل ہوا ہے۔ خدا اور مسیح ع کے قاتل ابھی اپنی سزا کو نہیں پہنچے"[1] ۶۱۲ء میں قوطی بادشاہ سیسی بوت (Sesebat) کے زمانے میں سے ان کی داستانِ مظالم شروع ہوتی ہے

---

[1] عبرت نامہ اندلس جلد ۲ ص ۳۹۹

پہلا فرمان جاری ہوا کہ جس قدر یہود آباد ہیں وہ سال ختم ہونے سے پہلے عیسائی ہو جائیں۔ ورنہ ان کو سو سو کوڑے لگا کر جلا وطن کر دیا جائے اور ان کی جائداد ضبط کر لی جائے۔ کہا جاتا ہے کہ اس خوف سے تقریباً ۹۰ ہزار یہودی عیسائی ہو گئے۔ ظاہر میں وہ عیسائی تھے مگر پوشیدہ طور پر شریعت موسوی پر عامل رہے۔ چنانچہ دوسرا فرمان جاری ہوا کہ یہودی اپنے مذہب پر قائم رہیں لیکن ان کے بچے ان سے چھین لئے جائیں۔ اور ان کو عیسائیت کی تعلیم دی جائے اور جو یہودی اپنے بچے نہ دے اس کو کوڑوں کی سزا دی جائے اور اس کا سر منڈا دیا جائے[۱]۔ جب یہ حربہ بھی کارآمد ثابت نہ ہو سکا تو پھر تیسرا فرمان طلیطلہ کی چھٹی مجلس مسیحی کی طرف سے جاری ہوا کہ ہر بادشاہ اس وقت تک بادشاہ نہ بنایا جائے جب تک کہ وہ یہود کے خلاف جاری شدہ فرمانوں پر سختی سے عملدرآمد کرنے کا عہد حلفیہ نہ کرے۔ لیکن ان سب کے باوجود یہودی آبادی اکثریت میں رہی جس سے اس امر کا پتہ چلتا ہے کہ حکم جس شدت سے جاری کیا جاتا اس شدت سے اس پر عمل نہیں کیا جاتا تھا۔ انسٹی برس تک یہود ان مظالم کو برداشت کرتے رہے لیکن آخر صبر کا دامن ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ مسلمانوں کے فتح اسپین سے ۱۰ برس قبل انہوں نے افریقہ کے یہودی بربر قبائل کے ساتھ مل کر ایک عام بغاوت کی سازش کی مگر اس سازش کا علم حکومت کو کسی طرح ہو گیا۔ تمام یہودیوں کو گرفتار کر لیا گیا اور ان کی املاک ضبط کر لی گئیں۔ عیسائی غلام یہودیوں کے آقا بنا دیئے گئے ان کے بچے زبردستی عیسائی بنائے گئے یہودی کو یہودی کے ساتھ شادی کرنے کی اجازت نہیں دی گئی۔ جس وقت یہودی یہ دعا مانگ رہے تھے کہ خدا ان ظالموں کے پنجے سے ان کو رہائی دے مسلمان اس وقت تک تمامی افریقہ کی فتح مکمل کر چکے تھے۔

معاشرے کی اس تباہی نے ملک کی اقتصادی حالت تباہ کر دی تھی امراء جاگیردار اور صاحب مراعات لوگ محاصل کی ادائیگی سے مستثنیٰ تھے۔ متوسط طبقے پر محاصل کی ادائیگی کا بار تھا جس سے متوسط طبقہ روز بروز تباہ حال ہوتا گیا۔ ان میں سے اکثر اپنے کاروبار اور جائدادیں چھوڑ کر جنگل میں بھاگ جاتے اور رہزنی اختیار کر لیتے۔ امیر علی کے الفاظ میں "صنعتیں بھاری ٹیکسوں کی وجہ سے تباہ ہو گئی تھیں اور خوفناک قسم کی بیروزگاری ملک میں پھیل چکی تھی"[۲]۔ نہ سرف کے پاس کوئی جائداد تھی اور نہ غلام کے پاس۔ لیکن جب برگر سرف۔ یا غلام میں سے کوئی بھی اپنے جاگیردار آقا یا حکومت کو ٹیکس ادا نہ کرتا تو اس کو عبرتناک سزائیں دی جاتیں جس کے نتیجہ میں وہ شہر چھوڑ چھوڑ کر بھاگ

[۱] History of Saracens) P. 106 [۲] Indalus Hole P. 5, 10

جاتے تھے۔ تمام کارخانے آہستہ آہستہ بند ہوتے جارہے تھے۔ زراعت تقریباً ختم ہوچکی تھی اور اراضیاں ویران پڑی تھیں۔ سڑکیں تباہ حال اور غیر محفوظ تھیں۔ اور رہزنوں اور ڈاکوؤں کے خطرات روز بروز بڑھتے جارہے تھے جس کے نتیجے میں سفر کرنا آسان نہ رہا تھا۔ چیزوں کی قیمتیں عوام کی برداشت سے باہر ہوتی جارہی تھیں۔ نچلے طبقے کے پادری دونوں ہاتھوں سے عوام کو لوٹ رہے تھے۔ رومیوں کے زمانے میں بیرونی تجارت بھی بندرگاہوں سے ہوتی تھی لیکن وزی گاتھ کی بداعمالیوں نے اس کو بھی بند کرا دیا تھا۔ عموماً یہودی تجارت کیا کرتے تھے۔ لیکن جب سے ان پر مظالم شروع ہوئے تو وہ بھی تجارت کے میدان سے نکل گئے۔ ان کے جانے سے تجارت میں وہ خلا پیدا ہوا جس کو صرف مسلمان ہی فتح اسپین کے بعد پورا کرسکے۔

شرح اقالیم مسلم اسپین

نام اقلیم	مسلم دور کے شہر	مسلم دور کے قلعے	اسپینی نام	موجودہ جائے وقوع اور جغرافیہ	مسلمانوں سے قبل کی حالت	کیفیت
۱۰ البحیرہ			L. Delatauda	جزیرہ طریف کے شمال مغرب میں ایک جھیل ہے اور جنوب مغربی اسپین کے صوبہ قادس میں واقع ہے۔		
	۱۔ طریف		Tarifa	آبنائے جبل الطارق کے بالکل قریب ایک جزیرہ ہے		موسیٰ بن نفیہ کے بھیجے ہوئے پہلے سپہ سالار طریف بن مالک نخعی نے اس مقام پر سرزمین اسپین پر قدم رکھا تھا۔ یہ مقام انہی کے نام سے موسوم ہوا۔
	۲۔ الخضراء		Alseciras	جبل الطارق کے بالکل قریب ایک جزیرہ ہے۔	ایلاوردی (سبز جزیرہ) کہا جاتا تھا	طارق بن زیاد نے سب سے پہلے اسی کو فتح کیا تھا۔ مسلمانوں نے ایک مضبوط شہر بنا پناہ بنائی تھی۔ یہاں دارالضاعہ (جہاز سازی کا کارخانہ) قائم تھا۔ زبردست اہمیت کا حامل سمجھا جاتا تھا۔ اس کے سامنے ایک چھوٹا اور اہم جزیرہ ام الحکیم واقع ہے۔ مسلمانوں کے زمانہ میں اور ان سے قبل بھی افریقہ سے تجارت کے لئے مشہور رہا۔
	۳۔ قادس		Cadiz	یہ جزیرہ بھی ہے اور شہر بھی موجودہ اسپین کا ایک جنوبی صوبہ ہے۔	۱۱ سو برس قبل یہ مسیح میں بنو کنعان نے آباد کیا تھا اور اس کا نام گدیر رکھا تھا۔ عبرانی میں آگاڈیر۔ یونانی میں گدیریا۔ رومی میں گاڈیس اور عربی میں قادس ہوا۔	
	شنت بیطر		Petri یا I.A — Puerto	صوبہ قادس کے مغربی ساحل پر ایک جزیرے پر آباد ہے۔		
	حصن محسن		. . . . .	صوبہ قادس میں ہے۔		

حصہ اوّل ۔ اشبانیہ

		Veter	۵ویہ قادس میں ۱۰ ۱۰ ۵ ستارے آباد ہے		
۴۔ آرکش		Arcos	جو قادس کا ایک شہر ہے وادی لط کے کنارے آباد ہے۔		
۵۔ جریش		Jarez	۔ ایضاً ۔		
۶۔ مدینہ ابن اسلیم		Grazalema	۔ ایضاً ۔		
۷۔ طشانہ		Tonica	موجودہ صوبہ اشبیلہ سے شمال کی سمت ۲۵ ۔ کے فاصلے پر واقع ہے		اس کے علاقے کا ایک شہر کا نام یا تین تھا جہاں پر بنو عباد کے دور شاہی میں علاقہ نے کونت انعقاد کی تھی نظم حکومت کے لحاظ سے طشانہ کا تعلق اشبیلہ سے رہا۔
۲۔ شذونہ		Sidonia			آج کل اس تقسیم کا کچھ حصہ قادس میں اور کچھ صوبہ اشبیلہ میں شامل ہے۔
۱۔ اشبیلہ		Sevilla	جنوب مغربی اسپین کا ایک صوبہ اور اس کے صدر مقام کا نام ہے۔ بحر محیط سے ۷۵ میل کے فاصلے پر دریائے	ای بیریا اور لاطینی زبانوں میں ہسپالس کہلاتا تھا۔	مسلمانوں کا اور اس سے قبل بھی اسپین کا پایہ تخت رہ چکا تھا۔ بحری اہمیت کا حامل تھا۔ دور مسلم میں مرکزی حیثیت حاصل تھی۔ جنوب کا مرکز سمجھا جاتا تھا۔ مسلمانوں کی عظیم الشان تہذیب کی تعمیر میں اس کا بڑا حصہ تھا۔
		Sanjuan of	وادی الکبیر پر واقع ہے		
	حصن الفرج	Aalfarache	صوبہ اشبیلہ میں واقع ہے۔		اشبیلہ کا حفاظتی قلعہ تھا جو عدیین کے بادشاہ المنصور نے بنوایا تھا۔
	حصن قرقیہ		۔ ایضاً ۔		
	الہ نعوادی آ	Guadaira	۔ ایضاً ۔ اشبیلہ سے ۹ میل پر ہے۔		یہ قلعہ اشبیلہ کی کنجی کہلاتا تھا۔
۲۔ مدینہ شذونہ		Medina Sidonia	شہ قادس سے ۲۱ میل جنوب مشرق میں جبال زنداء پر واقع ہے۔	رومی اے SIDO A اسید کا تد ۱۸ ۱۵۵ ۱۸ اسیڈونیا کہتے تھے۔	عہد مسلم میں ایک تجارتی اور فوجی اہمیت کا قصبہ ہے۔
۳۔ قرمونہ		Cormona	صوبہ اشبیلہ کا ایک شہر ہے۔	قدیم نام کارمو تھا۔	عہد مسلم میں فوجی اہمیت کا حامل تھا۔
۴۔ قلسانہ یا غلسانہ			اس کا نام پتہ نہیں چلا ۔ ایضاً ۔		موجودہ نام شاید کچھ اور ہے۔ یا مدینہ سیدونیا کو ہی قلسانہ کہا جاتا ہو۔

۳۔ الشرف			Al Jarafe		اس اقلیم کا کچھ حصہ موجود صوبہ اشبیلیہ میں اور کچھ صوبہ دلبہ میں ہے۔
۱۔ دلبہ			Huelva	اسپین کے جنوب مغرب میں ایک صوبہ بھی ہے اور اسکا صدر مقام بھی شہر دلبہ بحر محیط سے ۱۰ میل دریائے اوڈیل پر واقع ہے۔	اس کا قدیم ترین نام انوبا تھا۔
۲۔ شلطیش	شنت الاولیہ		Olalla Saltis	صوبہ دلبہ کے شمال مشرق حصہ میں واقع ہے مسلم عہد میں ایک جزیرہ تھا اب جزیرہ نما ہے۔ دریائے ٹنٹو کے دہانے پر واقع ہے اور صوبہ دلبہ میں شامل ہے	شہر دلبہ کے ساتھ تھا۔ مسلم دور میں یہاں کوئی شہر پناہ نہ تھی۔ دشمن کے حملے کے وقت لوگ شہر چھوڑ کر بھاگ جاتے تھے۔
۳۔ جبل العیون			Gibraleon	صوبہ دلبہ میں ہے۔	
۴۔ لبلہ			Niable	۔ ایضاً ۔	مسلم دور میں بڑا تجارتی مرکز تھا۔
	حصن القصر		Vinal Cosar	۔ ایضاً ۔	
۴۔ کنبانیہ			Lacampina	اس اقلیم کا بڑا حصہ موجود صوبہ قرطبہ میں اور حصہ صوبہ اشبیلیہ میں شامل ہے۔	قرطبہ میں جو حصہ شامل ہے وہ آج کل لاکمپینا کہلاتا ہے
۱۔ قرطبہ			Cordoba	جنوبی اسپین کا ایک صوبہ اور اس کا صدر مقام بھی ہے۔	اس کا قدیم نام کوردوبا بتایا جاتا ہے ۵۲ ق م میں رومیوں دارالحکومت تھا گاتھ کے زمانہ میں مسلمانوں نے اس کو اپنا دارالحکومت بنایا۔ شہر کو بڑی وسعت دی۔ اس کے چاروں طرف محلے تھے جنہیں ربض کہا جاتا تھا۔ اب یہ محلے باقی نہیں رہے۔ پرانا شہر باقی ہے مستحکم فصیل تھی جس کے سات دروازے تھے ایک قدیم زمانے کا محل شاہی تھا۔

						محلات - ۶۰ ہزار دو سو تھے
						بازار - ۴ ہزار ۳ سو تھے
						مضافات شہر کے مکانات - ۱ لاکھ ۱۳ ہزار تھے
		ینۃ الزہرہ	کی وجود نہیں			
		ینۃ الزاہرہ	[illegible]			
		شنت بریہ	Santobria	قرطبہ کے شمال مشرق میں واقع ہے		عبدالرحمٰن الناصر نے تعمیر کیا تھا۔ زوال بنو امیہ میں تباہ ہوگیا۔
		شنت پاریہ	نامعلوم			حاجب المنصور نے تعمیر کیا تھا۔ بربروں نے جلا کر خاکستر کر دیا۔
		حض المدار	Almodovar	نامعلوم۔		
	۲۔ استجہ		[illegible]	صوبہ اشبیلیہ میں واقع ہے۔		پہلے ضلع قرطبہ میں تھا۔ اب نامعلوم ہے۔
	۳۔ بیانہ		Baena	صوبہ قرطبہ میں واقع ہے۔		مسلم دور میں شہر قرطبہ سے مغرب میں وادی الکبیر پر واقع تھا
	۴۔ قبرہ		Cabra	ایضاً۔		قدیم کتبے۔ فصیل کے آثار اب بھی موجود ہیں۔
	۵۔ الیانہ		Lucena	ایضاً۔		بڑا تجارتی مرکز تھا۔
						مسلمانوں کے کچھ آثار اب بھی موجود ہیں۔
						مسلم دور میں یہاں خالص یہودی آبادی تھی۔
۵۔ تدمیر			Theodomir	اس اقلیم کے تمام علاقے موجودہ صوبہ مرسیہ۔ القنت اور البسیط میں شامل ہیں۔		اس اقلیم کا نام ایک عیسائی سپہ سالار کے نام پر رکھا گیا تھا جو مسلمانوں کی اطاعت میں داخل ہوگیا تھا اسی کو یہاں کا گورنر بھی بنایا گیا تھا موجودہ شہر مولہ اس کا پایۂ تخت تھا۔
	۱۔ مرسیہ		Murcia	جنوب مشرق اسپین کا ایک صوبہ اور صدر مقام ہے دریائے شقورہ کے کنارے آباد ہے۔ زمین نہایت زرخیز اور پیداوار بکثرت ہوتی ہے اپنے باغات کے لئے مشہور ہے۔	عہد قدیم سے اسی نام سے آباد ہے۔	شہر تدمیر اسی کے قریب آیا تھا۔ کچھ عرصہ بعد دونوں کی آبادی ایک ہوگئی اور تدمیر کو بھی مرسیہ کہا جانے لگا۔

۲۔ حصن مولا	Mula.	مرسیہ کے قریب واقع ہے۔	
۳۔ حصن آقلہ	Aquilas	سمندر کے کنارے لورقہ سے ۲۵ میل پر واقع ہے صوبہ مرسیہ میں ہے۔	
۴۔ اوریولہ	Orehuela	صوبہ القنت کا مشہور شہر ہے دریائے شقورہ پر آباد ہے۔	
۵۔ قرطاجنہ	Cortagena	صوبہ مرسیہ کا ساحلی شہر ہے	فنیقیوں نے اسے آباد کیا تھا اور عہد قدیم ہی سے تجارتی بندرگاہ تھا
۶۔ لورقہ	Lor Ca	صوبہ مرسیہ میں ہے	
۷۔ جنجالہ	Chinchella	صوبہ البسیط میں واقع ہے	

۶۔ کونکہ یا قونکہ

۱۔ القنت	Alicante	اسپین کا ایک ساحلی صوبہ ہے۔ اور اس کا صدر مقام کا نام بھی۔
۲۔ کونکہ	Cuenca	سپین کا ایک صوبہ ہے اور اس کے صدر مقام کا نام بھی۔
۳۔ شقورہ	Sequra	اسپین کے صوبہ جیان کی مشرقی سرحد پر واقع ہے
۴۔ آلش	Elche	صوبہ القنت کا مشہور شہر ہے۔

افریقہ میں بھی اس نام کا ایک تجارتی شہر تھا۔ اس لئے مسلمان اس کو تمیز کرنے کے لئے قرطاجنۃ الخلفا کے نام سے پکارتے تھے۔
مسلم دور میں ایک بڑا تجارتی مرکز تھا۔

۷۔ ارغبیرہ		Erguera			
	۱۔ شاطبہ	Jativa	۔۔ بلنسیہ کا ایک مقام ہے		
	۲۔ شقر	Alcira	۔ ایضاً ۔		
	۳۔ دانیہ	Danie	صوبہ المقنت کا ساحلی شہر ہے		مسلم دور میں مشہور مقام تھا۔ بنوامیہ کے زوال کے بعد غلاموں کی حکومت قائم ہوگئی تھی۔
۸۔ مرباطر	۱۔ بلنسیہ	Valencia.	سپین کا ساحلی صوبہ ہے اور اس کے صدر مقام جندر گاہ کا بھی یہی نام ہے۔	قدیم زمانہ سے آباد ہے۔	مسلم دور کی یادگار یہ اب بھی موجود ہیں یہ مشہور تجارتی اور فوجی مرکز تھا۔
	۲۔ بریانہ	Buriana.	بلنسیہ کے قریب واقع ہے صوبہ بلنسیہ کا ایک شہر ہے۔		
۹۔ قواطیم یا قواسیم	۱۔ الفتح	۔ نامعلوم ۔	مسلم دور میں صوبہ بلنسیہ میں تھا اب نامعلوم ہے		طوائف الملوکی میں بنوقاسم سوڈی کی حکومت قائم ہوئی تھی۔
	۲۔ شنت ماریہ بنورزین	Albarracian	اسپین کے صوبہ تیرول میں واقع ہے۔		طوائف الملوکی میں ایک بربری خاندان بنورزین کی حکومت ہوئی۔
۱۰۔ ولجہ	۱۔ سُرتہ	Almonacidde Zorita	صوبہ طلیطلہ میں واقع ہے۔		
	۲۔ قلعہ رباح	Colatrava	موجودہ صوبہ سوداد ریالہ کے شمالی شہر کارلیوہ سے ۶ میل شمال میں اس شہر کے کھنڈرات ہیں۔		موسیٰ بن نصیر کے ساتھ ایک تابعی بزرگ ابوعبداللہ بن علی بن رباح سے منسوب ہے۔ خالص اسلامی آبادی تھی اور اس کی فوجی اہمیت تسلیم شدہ تھی۔

۱۱۔ اشونہ			Osuna	اس اقلیم کے تمام علاقے آج کل صوبہ اشبیلیہ یا مالقہ میں داخل ہے۔		
	۱۔ لورہ	حصن لورہ	Lora-Del-Rio	اشبیلیہ سے ۳۰ میل شمال مشرق میں وادی الکبیر پر واقع ہے۔		ایک قلعہ نما آبادی تھی۔
	۲۔ اشونہ		Osuna	اشبیلیہ سے جنوب مشرق میں ایک پہاڑی پر واقع ہے۔	قدیم نام ارسو تھا۔ رومیوں نے ارسونہ کر دیا تھا	
۱۲۔ ریّہ			Regio	اقلیم موجودہ صوبہ مالقہ میں داخل ہے		
	۱۔ ریّہ		(Zaffarraya)	آج کل ایک گاؤں زفرونہ سے یہ شہر مراد لیا جاتا ہے۔		ایرانی شہر رے کے باشندوں نے یہاں آباد ہو کر اس کا نام ریّہ رکھا تھا۔
	۲۔ مالقہ		Malaga (Malaga)	جنوبی اسپین کے ایک صوبہ اور اس کے صدر مقام کا نام ہے۔ بحر روم پر مشہور بندرگاہ ہے	رومیوں نے اس کا نام مالاکا رکھا تھا۔	مسلم دور میں اہم شہر اور بندرگاہ کی حیثیت حاصل تھی۔
	۳۔ ارشذونہ		Archidona	موجودہ صوبہ مالقہ میں ہے		
	۴۔ مربلہ		Marbella	صوبہ مالقہ کا ساحلی شہر ہے		
		قلعہ بشتر	Bobastro	نامعلوم۔		جبال رندہ کا مشہور قلعہ تھا اور مشہور باغی عمر بن حفصون کی جائے پناہ تھی۔
۱۳۔ البشارات			Alpojarras	صوبہ غرناطہ کے جنوبی حصہ کا ایک پہاڑی علاقہ ہے		اس اقلیم میں شہر جیان اور ۶۰۰ گاؤں شامل تھے۔
	۱۔ جیان		Jen (Aurgi)	ایک صوبہ ہے اور اس کے صدر مقام کا نام بھی	قدیم ترین نام اروجی تھا۔	ملک شام کے علاقے جیان کے رہنے والے یہاں آباد ہوئے تھے انہوں نے ہی اس کا نام جیان رکھا تھا مسلم دور کا ترقی یافتہ اہم تجارتی مرکز تھا اس کا قلعہ مستحکم اور خوبی اہمیت رکھتا تھا۔ قرطبہ کی حفاظت کیلئے اس پر قبضہ ضروری

	حنت اشتیبان	antisteban	موجودہ صوبہ جیان میں شہر ماتر (LENARES) سے شمال مشرق میں واقع ہے۔		
	حصن اندوشر	Andujar	صوبہ جیان میں شمال مغرب میں وادی الکبیر کے کنارے آباد ہے۔		قلعہ نما شہر تھا۔
	حصن حریشہ	Huescrar	صوبہ جیان میں واقع ہے۔		
	قلعہ اشعت	۔ نامعلوم ۔	۔ نامعلوم ۔		
۱۴۔ بجانہ		Pechina			
	۱۔ بجانہ	Pechwa (Vigi)	شہر المریہ سے ۶ میل کے فاصلے پر دریائے المریہ کے [illegible] ہے۔	قدیم نام دیگی تھا۔	مسلم دور میں اس کو بڑی ترقی حاصل ہوئی لیکن بنو امیہ کے بعد اس کی آبادی المریہ میں منتقل ہو گئی اور یہ ویران ہو گیا۔
	۲۔ المریہ	Almeria (Urci)	اسپین کا ایک ساحلی صوبہ ہے اس کے صدر مقام اور بندرگاہ کا بھی یہی نام ہے ۲ پہاڑوں کی وادی میں آباد ہے۔	قدیم نام ارکی تھا۔	اسکی دونوں پہاڑیوں پر دو تاریخی قلعے تھے۔ ایک قلعہ خیران جو خیران صقلبی کے نام سے منسوب ہے اور دوسرا ربض الحوض۔ مسلم دور کے اہم ترین شہروں اور بندرگاہوں میں شمار کیا جاتا تھا۔
	۳۔ برجہ	Gerga (Berja)	صوبہ المریہ میں واقع ہے۔		
	۴۔ بالش	Velez Rubis	۔ ایضاً ۔		
	۵۔ برشانہ	Purchena	۔ ایضاً ۔		
	۶۔ طرجالہ	Tirjola	۔ ایضاً ۔		
	حصن ناشر	۔ نامعلوم ۔	۔ نامعلوم ۔		

۱۵۔ البیرہ					
۱۔ مدینۃ البیرہ		Elvira	یہ بھی ایک موجودہ صوبہ غرناطہ میں داخل ہے		عہد بنو امیہ میں البیرہ کیلئے ایک اقلیم قرار پائی بعد میں اقلیم غرناطہ بن گئی۔
قسطالیہ		Elvira (Ili-Berri)	غرناطہ سے ۱۲ میل شمال مغرب میں دریائے شنیل کے کنارے آباد ہے۔	قدیم نام الیبری (Ili-Berri) تھا۔	اس کو قسطالیہ بھی کہا جاتا تھا۔ ۸ویں صدی ہجری میں ایک صنہاجی امیر نے جدید البیرہ کو آباد کیا۔
		۔ نامعلوم۔	۔ نامعلوم۔		۔ نامعلوم۔
۲۔ غرناطہ	حصن قرطبہ	Granada	جنوبی اسپین کا ایک صوبہ اور اس کے صدر مقام کا نام ہے۔ دریائے شنیل کے کنارے آباد ہے۔ بڑے زرخیز علاقے میں ہے اور باغات سے پُر ہے۔	قدیم زمانہ میں اس کو کرناطہ بھی کہا جاتا ہے کیونکہ یہاں انار کثرت سے ہوتے ہیں جنکو لاطینی میں گرآنا قوم کہتے ہیں اسی کی مناسبت سے اسکا نام پڑا۔	مسلم دور میں البیرہ کے قریب واقع تھا۔ ۵ویں صدی ہجری میں ایک صنہاجی امیر نے جدید البیرہ کو آباد کیا اور اس شہر کو دارالحکومت بنایا۔ بنو زیری نے اس کو اپنا دارالحکومت بنایا۔ بنو نصر نے یہاں اپنی حکومت قائم کی جو اسپین کے مسلمانوں کا آخری حصار تھی۔ ۱۴۹۲ء میں عیسائی یلغار آیا تو ۱۴۹۱ء میں آباد ہوا کہ یہ قریب بھی ہے اور تہذیبی اور تمدنی ترقیوں سے مالا مال تھا۔ قصر الحمراء اور جامع مسجد آج تک باقی ہے۔ اس شہر کی ترقی اور عروج زوال بنو امیہ کے بعد ہوا تھا
	حصن اشیر عزۃ	۔ نامعلوم۔	۔ نامعلوم۔		مسلم دور میں غرناطہ کا حوالی قلعہ تھا۔
	حصن المنشات	۔ نامعلوم۔	۔ نامعلوم۔		۔ ایضاً۔
	حصن جلیانہ	۔ نامعلوم۔	۔ نامعلوم۔		۔ ایضاً۔ یہاں ایک گرم پانی کا چشمہ ہے۔
۳۔ وادی آش		Guadix (Acci)	صوبہ غرناطہ کا ضلع شہر ہے جو البشیر کے شمالی ڈھلان پر دریائے آش کے کنارے آباد ہے۔	قدیم نام اکسی (Acci) تھا	اس شہر کے ایک جانب مسلمانوں کا ضلع تھا جس کے اب صرف کھنڈر ہیں۔
۴۔ المنکب		Almunecar	غرناطہ کے جنوب میں بحر روم کے ساحل پر آباد ہے۔		عبدالرحمٰن الداخل کا پہلا نام یہی تھا مشہور تجارتی شہر اور بندرگاہ تھا۔
۱۶۔ فریرہ		ferriera	اس اقلیم کے تمام علاقہ صوبہ غرناطہ اور صوبہ جیان میں واقع ہیں۔		
۱۔ بسطہ		Baza	صوبہ غرناطہ کے شمال میں جبل الشلیر کی گھاٹی میں آباد ہے۔		اس کے قریب عہد قدیم کے آثار پائے جاتے ہیں۔

	حصن فریرہ	Ferriera	صوبہ جیان میں ہے۔		
	حصن طشقر	Tiscar	صوبہ غرناطہ میں ہے۔		

۱۷۔ البلاطہ یہ اقلیم ایک طرف اقلیم دلجہ ہے اور دوسری طرف اقلیم القصر سے ملی ہوئی تھی۔ اس میں بطروش PEDROCHE اور حصن غافق تھے یہ دونوں شہر آج کل صوبہ قرطبہ میں ہیں۔

۱۸۔ البلاطہ یہ اقلیم ایک طرف اقلیم القصر اور دوسری طرف اقلیم بلاطہ سے منسلک تھی۔

۱۔ مدلین		Medellin	موجودہ صوبہ بطلیوس کا مشہور شہر ہے دریائے وادی آنہ کے کنارے آباد ہے		

۱۹۔ بلاط یہ خیال کیا جاتا ہے کہ پرتگال کے علاقے استری مدورا میں یہ اقلیم واقع تھی۔

۱۔ شنترین		Saintarem	مغربی پرتگال کے ضلع سنتارم کا صدر مقام ہے دریائے تاجہ کے کنارے آباد ہے۔		مسلمانوں نے یہاں کے گرجا سانتا ایرینی کے نام پر شنترین رکھا تھا۔ مسلم دور کا شہر آج بھی ایک پہاڑی پر موجود ہے
۲۔ شنترہ		Cintra	پرتگال کے دارالحکومت لسبن سے ۱۲ میل شمال مغرب میں واقع ہے۔		دور مسلم میں اس شہر کو خاصی اہمیت حاصل تھی۔
۳۔ لشبونہ یا اشبونہ		Lisbon or Lisboa	پرتگال کا دارالحکومت ہے۔ دریائے تاجہ کے کنارے سمندر کے قریب ایک جھیل پر واقع ہے۔		دریا کے دوسرے کنارے پر ایک عربی آبادی المار جسے المعدن ALMAD کہتے ہیں اب بھی ایک پہاڑی پر موجود ہے مسلم دور میں لشبونہ فوجی اور تجارتی اہمیت کا حامل تھا۔

۲۰۔ الفقر		Figueira	[illegible] پرتگال کا ایک [illegible] ہے۔		
	سنت ماریہ	Sante Maria	پرتگال کے صوبہ الگاروی میں سانتا ماریہ کے		[illegible] اوسط درجہ کا شہر تھا۔ ایک اچھی بندرگاہ تھی اور تجارتی اہمیت رکھتا تھا۔
	الغرب	Dealgarve	نام سے [illegible] ہے۔		
	مرتلہ	Mertola	پرتگال کے صوبہ [illegible] Alentin[illegible]		
	۳۔ شلب	Silves	[illegible] وادی آنہ کے [illegible] ہے۔ پرتگال کے صوبہ الگاروی کا شہر ہے دریائے شلب کے کنارے آباد ہے۔	[illegible]	مسلمانوں کی بنائی ہوئی شہر پناہ اور [illegible] آج تک موجود ہے۔
۲۱۔ القصر					
	۱۔ قصر ابی دانس	Alcacerdasal	پرتگال میں دریائے سداؤ SAOD کے کنارے خلیج ستوبال کے ساحل پر واقع ہے۔		یہاں صدیوں مسلمان حاکم رہے۔ مسلم آثار اب بھی پائے جاتے ہیں۔
	۲۔ یابورہ	Evora	پرتگال کے صوبہ الزتیجو کا صدر مقام ہے۔ اور ایک وادی میں واقع ہے۔	قدیم نام ایبورہ تھا۔	[illegible] ملی جلی شہر پناہ اب بھی موجود ہے۔
	۳۔ بطلیوس	Badatoz	مغربی اسپین کا ایک صوبہ اور اس کے صدر مقام کا نام ہے۔ اس کی سرحدیں پرتگال سے ملتی ہیں۔		یہ شہر مسلمانوں کا آباد کیا ہوا ہے۔ شہر میں آب رسانی کے لئے پہاڑ پر ایک ذخیرہ آب بنایا گیا تھا جس سے آج تک آب رسانی کا کام لیا جاتا ہے۔ مسلم دور کے آثار اب بھی موجود ہیں۔
	۴۔ شریس	Jarez Delos Ballaros	صوبہ بطلیوس میں وادی آنہ کے کنارے آباد ہے۔		مسلم دور کا شہر [illegible] پرانا شہر کہلاتا ہے۔ [illegible] موجود ہے۔
	۵۔ ماردہ	Merida	بطلیوس سے ۱۰ میل مشرق میں وادی آنہ کے کنارے آباد ہے۔	۲۵ ق م میں یہ شہر تعمیر ہوا تھا۔ اس کا نام اوکتا ایمرینا تھا۔ قدیم ۵ قلعے مسلم دور تک موجود تھے۔	مسلم دور میں اس کو مرکزی حیثیت حاصل تھی۔ مسلمانوں نے فوجی اور [illegible] نقطہ نظر سے اس کو بہت مستحکم کیا تھا۔

۶۔ القنطرہ	شنت فروش	نامعلوم	Alcantara	صوبہ بطلیوس کی مغربی سرحد پر دریائے تاجہ کے کنارے آباد ہے یہاں سے پرتگال کی سرحد ۷ میل رہ جاتی ہے	اسکے شمال مغرب میں دریائے تاجہ پر رومیوں کا بنایا ہوا پل موجود تھا	مسلم دور میں ماردہ کے قریب واقع تھا۔ القنطرہ (پل کو کہتے ہیں) قدیم پل کی وجہ سے القنطرہ نام پڑا۔
۷۔ قوریہ			Coria	شہر قاصرس کے شمال مغرب میں دریائے تاجہ کی ایک شاخ ALGOIN پر واقع ہے۔		تین صدی تک مسلمانوں کے قبضہ میں رہا۔ مشہور تجارتی مرکز تھا۔
۲۲۔ الشارات			De-Surras	اشارات ایک پہاڑی سلسلہ کا نام ہے اور اسی کی مناسبت سے یہ اقلیم پکاری گئی تھی۔		
۱۔ طلبیرہ			Talavera	موجودہ صوبہ طلیطلہ میں دریائے تاجہ کے کنارے آباد ہے۔	قدیم شہر ہے بعض قدیم آثار اب تک موجود ہیں۔	
۲۔ طلیطلہ			Toledo	موجودہ وسطی اسپین کا ایک صوبہ ہے اس کے صدر مقام کا بھی یہی نام ہے۔ دریائے تاجہ کے کنارے آباد ہے۔	بعض مورخین کے نزدیک اس کو طربال بن نوح نے تعمیر کیا تھا۔ اسکا قدیم نام تولیتم اور پھر زلیطہ ہوا۔ قدیم ہی سے نہایت مستحکم اور دوہری فصیل موجود تھی۔ دریا پر محراب کا عجیب پل تعمیر تھا۔ ملک کا صدر مقام بھی یہی تھا۔	یہ شہر سنگ خارا کی پہاڑی پر آباد ہے۔ اسکی فتح سے اسپین کی گاتھ حکومت کا خاتمہ ہو گیا تھا یہ شہر اپنے استحکام اور عیسائیوں کی کثرت کی وجہ سے ہمیشہ بغاوت کا مرکز رہا۔ یہاں عیسائیوں کا مذہبی مرکز تھا اور اسقف اعظم یہیں رہتا تھا۔ مسلم دور کے آثار میں بعض محلات۔ مساجد۔ پن گھریلوں کی شکستہ عمارات اور علم ہیئت سے متعلق بعض رصدگاہوں کے کھنڈر موجود ہیں ملوک الطوائف کے بنی ذوالنون کے زمانہ میں عیسائیوں کے پاس چلا گیا تھا۔ پھر کبھی مسلمانوں کے پاس نہ آیا۔
۳۔ مجریطہ			Madrio	ملک اسپین کا دارالحکومت ہے اور صوبہ بھی۔ وادی شرامہ GARAMA کی ایک شاخ	قدیم نام بیجوریتم تھا۔	مسلم دور میں طلیطلہ کا ماتحت شہر تھا اور اس کی سرحدی حفاظتی چھاؤنی سمجھا جاتا تھا۔ کوئی خاص اہمیت کا شہر نہ تھا۔ مسلمان کثرت سے آباد تھے اور ایک مسجد بھی تھی۔

		MANZANARESS کے کنارے آباد ہے۔		
۴۔ الفہیین	۔ نامعلوم۔	۔ نامعلوم۔		مسلم دور میں طلیطلہ کے علاقے میں تھا۔ ایک چھوٹا سا متمدن شہر تھا جس میں مسلمانوں کی اکثریت تھی۔ آج کل پتہ نہیں چلتا کہ کس نام سے پکارا جاتا ہے
۵۔ وادی الحجارہ	Guadalajaro (Ariaca)	اسپین کا ایک صوبہ اور اس کے صدر مقام کا نام ہے۔ دریائے ہنارینز HENARES کے کنارے آباد ہے۔ سطح سمندر سے اس کی بلندی ۲ ہزار فٹ ہے۔ پہلے دریا کو وادی الحجارہ کہتے تھے پھر شہر بھی اسی نام سے پکارا جانے لگا۔ بہت زرخیز علاقہ ہے۔	رومیوں اور گاتھوں کے زمانہ میں اسکواری اکر کہتے تھے	مسلم دور میں بربروں کے ایک قبیلے بنو فرج کی جاگیر تھا اس لئے اہل تو مدینۃ الفرج بھی کہتے تھے۔ ایک مضبوط سرحدی قلعہ تھا شمال کے عیسائیوں کو روکنے کا کام دیتا تھا۔ بنو امیہ نے سب سے پہلے اسی کو بنو فرتون کے حوالے کیا تھا۔
۶۔ اکلیس یا اقلیج	Ucles	موجودہ صوبہ کونکہ میں ہے طلیطلہ سے مشرق میں ۵۰ میل دور ہے۔		مسلم دور میں ایک بڑا آباد شہر تھا۔ یہاں کی مسجد عالی شان تھی اب ایک چھوٹا سا مقام ہے۔
۷۔ ربندہ	Hueta	صوبہ کونکہ میں واقع ہے۔		
۲۳۔ ارنیط				
۱۔ ارنیط	Aredo Aredo Or Arnedo	موجودہ صوبہ لوگرونو کا ایک مشہور شہر ہے۔		مسلم دور میں اس کو مرکزی حیثیت حاصل تھی۔
۲۔ قلعہ ایوب	Clatayud	صوبہ ارغسطہ کا ایک بڑا شہر ہے۔ وادی شلون (JALON) کے کنارے آباد ہے شہر کے دو حصے ہیں۔ بالائی حصہ مسلم دور کا ہے اور زیریں بعد میں آباد ہوا ہے۔	رومی شہر بلبلس کے قریب آباد ہوا تھا جسکے کھنڈر شرق میں رویل کے فاصلے پر موجود ہیں۔	امیر اسپین ابو ثابت ایوب بن حبیب لخمی کے نام سے موسوم ہے۔ اس کا قلعہ بہت مضبوط تھا اور عظیم سرحدی فوجی چھاؤنی میں شمار کیا جاتا تھا یہاں کے باشندوں کو ثغری (سرحدی) کہا جاتا تھا۔ ۶ چھ ہجری تک مسلمانوں کی یہاں حکومت قائم رہی۔

۳۔ دروقہ	Laroca	صوبہ سرقسطہ میں قلعہ ایوب سے ۳۰ میل جنوب میں واقع ہے۔		مسلم دور میں اس کا شمار ثغر اعلیٰ میں ہوتا تھا۔ اوسط درجہ کا شہر تھا۔ مسلمان کثرت سے تھے۔
۴۔ سرقسطہ	Zaraqoza (Saragosa)	اسپین کا ایک صوبہ اور اس کے صدر مقام کا نام ہے دریائے ابرہ کے کنارے آباد ہے علاقہ بیاضی ہے لیکن بہت آباد ہے	۲۵ ق م میں رومی آگسٹس نے آباد کیا تھا اور اسکا نام سیساریا آگسٹا رکھا۔ گاتھ نے اسکا نام سیساراگوستا رکھا۔ رومی اور گاتھی دور میں شمالی علاقے کا صدر مقام تھا۔	مسلم دور میں سرحدی علاقے کا صدر مقام تھا۔ اس کو مدینۃ البیضا بھی کہتے تھے۔ ممتاز ترین شہروں میں اس کا شمار تھا اور ایک پرانی تاریخ اس سے وابستہ ہے۔ اس کی جامع مسجد کی بنیاد ثوبتا بن حضرت یحییٰ بن عبداللہ صقانی نے رکھی تھی۔ آپ کی قبر اسی مسجد کے سامنے تھی۔ دور طوائف الملوکی میں ہنو ہود نے اسی میں اپنی حکومت بنائی تھی۔ ان کے دور کی تین عمارتیں، ان میں ایک، قلعۃ الجعفریہ اور اس کی خوبصورت مسجد اب تک موجود ہے
۵۔ وشقہ	Huesca (Osca)	شمالی اسپین کا ایک صوبہ اور اس کے صدر مقام کا نام ہے۔ سرقسطہ سے ۷۵ میل شمال مشرق میں واقع ہے	قدیم نام اوسکا تھا۔	چوتھی صدی کے آخر میں مسلمانوں نے حکمران کی۔
۶۔ تطیلہ	Tudela (Tutela)	اسپین کے صوبہ نبرہ کا مشہور شہر ہے دریائے ابرہ کے کنارے آباد ہے۔	قدیم نام تیلہ تھا۔	ابوالقدار کا بیان ہے کہ یہ شہر مسلمانوں کا آباد کیا ہوا ہے۔ خیال کیا جاتا ہے کہ قدیم تیلہ ویران ہو گیا ہوگا تو اس کے کھنڈرات پر یہ شہر بسایا گیا تھا۔
۲۴۔ زیتون				
۱۔ جاقہ	Jaca	شمالی اسپین کے صوبہ وشقہ میں جبل البرانس کے جنوبی دامن میں آباد ہے سطح سمندر سے ۲۳۸۰ فٹ کی بلندی پر یہ درہ ارگون کے کنارے آباد ہے۔ یہاں سے ایک راستہ فرانس کو جاتا ہے جس کو بربت جاقہ (درہ جاقہ) کے نام سے پکارا جاتا ہے۔		
۲۔ لاردہ	Lerida	شمالی اسپین کے ایک صوبہ اور اسکے صدر مقام کا	قدیم نام الیرڈا تھا۔	چوتھی صدی کے خاتمہ تک یہ ایک بہت شاندار شہر تھا۔ مرکز ریاست تھا۔

			(Ilerda)	نام ہے داری ثغر SAGRE کے دونوں کناروں پر آباد ہے۔ اس کی سرحد فرانس سے ملتی ہے	شہر پناہ کے آثار بھی موجود ہیں۔ ایک قلعہ بھی مسلم دور کا موجود ہے۔
	۳۔ مکناسہ		Mequineza	صوبہ سرقسطہ کی مشرقی سرحد پر دریائے ابرہ کے کنارے آباد ہے۔	بربروں نے آباد کیا تھا اور انہی کے ایک قبیلہ مکناسہ کے نام سے منسوب ہے۔
	۴۔ افراغہ		Fraga	صوبہ لاردہ میں شہر لاردہ سے ۲۰ میل مغرب میں دریائے سنکا پر آباد ہے۔	مسلم دور میں سرحد کا بڑا قلعہ تھا۔ ۵ صدی تک مسلمان حاکم رہے۔ اب ایک چھوٹا سا مقام ہے۔
۲۵۔ البرتات			Pyrenees		البرتات۔ جبل البرانس کو کہتے تھے۔
	۱۔ طرطوشہ		Tortosha	صوبہ طرکونہ میں واقع ہے دریائے ابرہ کے کنارے آباد ہے۔ شہر کے قریب سنگ مرمر کی کانیں ہیں یہاں کی لکڑی جہاز سازی کے کام میں آتی ہے۔	قدیم نام کولوتیا جولیا درتوسہ تھا۔ مسلم دور میں اس شہر کو بہت اہمیت حاصل تھی۔ یہاں ایک دارالصناعۃ جہاز سازی کا کارخانہ تھا۔ مسلمانوں کا قلعہ اب تک موجود ہے۔ الناصر کی تعمیر کردہ مسجد گرجا گھر بنائی گئی ہے قدیم شہر کا کچھ حصہ بھی موجود ہے۔
	۲۔ طرکونہ		Terragona	اسپین کا ایک ساحلی صوبہ ہے۔ صدر مقام کا بھی یہی نام ہے مشہور بندرگاہ ہے۔ اس کے علاقے میں قیمتی پتھر کی کانیں ہیں۔	مسلم دور میں یہ خالص یہودیوں کی آبادی تھی۔ مسلمانوں نے اس کو پوری طرح مسمار کر کے دوبارہ بنا لیا تھا۔ ۴ صدی تک مسلمانوں کے پاس رہا۔ آثار بہت کم ہیں۔
	۳۔ برشلونہ		Barcelona	جنوبی اسپین کا ساحلی صوبہ ہے اور اس کے صدر مقام کا بھی یہی نام ہے۔ مشہور بندرگاہ ہے۔	قدیم نام بارسینونہ تھا۔ ۹۴ھ میں مسلمانوں نے فتح کیا۔ ۹۱ برس تو پوری طرح مسلمانوں کے پاس رہا۔ اس کے بعد کبھی عیسائیوں اور کبھی مسلمانوں کے پاس آتا جاتا رہا۔ بالآخر یہاں عیسائیوں کی حکومت قائم ہوئی جس کو قرطبہ کی حکومت نے تسلیم کر لیا تھا۔ [illegible]
۲۶۔ مرمریہ	یہ اقلیم البرتات کے مغرب میں تھی جس میں چند قلعے تھے۔				
	۱۔ حصن طشکر	یہ قلعہ [illegible] تھا	Tiscar	[illegible] وقوع سنگین نہیں کی جا سکتی	[illegible]
	۲۔ قشتیلیون		Castellon	مشرقی اسپین کے ایک صوبہ اور اس کے صدر مقام کا نام ہے بحر روم کے ساحل پر آباد ہے۔	[illegible]
			Dela Plana		

۳۔ قتندہ		Calanda	صوبہ تیرول میں واقع ہے۔		علامہ تری نے اس کو دورِ وقت کے قریب شہر علی کا شہر لکھا ہے جو ادریسی کے بیان کے خلاف ہے۔

حصہ دوم ۔ قشتالہ

۱ نبرہ		Navarra	شمالی اسپین کا صوبہ ہے جس کا دارالحکومت پمپلونہ ہے۔ جبل البرانس کا سلسلہ اس کے شرقاً و غرباً واقع ہے اس علاقے سے فرانس کو تین راستہ جاتے ہیں (۱) پرت دی ویرا (۲) رول سوپلز (۳) پرت دی مایا۔		دور مسلم کے ابتدائی حصہ میں یہ علاقہ بشکنس میں شامل تھا۔ الناصر کے دور میں شانجہ غرسیہ اس کا پہلا حاکم بنایا گیا تھا۔ پھر اس کی حکومت کو بہت ترقی ہوئی اور فرانس کا بھی کچھ علاقہ اس کی حکومت میں شامل ہو گیا۔ یہ عرصہ تک مسلمانوں کا باجگذار رہا۔ لیکن ۷ ویں صدی ہجری میں یہ پورا علاقہ عیسائی ریاست قشتالہ کا حصہ بن گیا۔
	۱۔ بنبلونہ	Pamplona	صوبہ نبرہ کا صدر مقام ہے۔	مشہور رومی سپہ سالار پومپی نے اسکو دوبارہ تعمیر کرا کے اس کا نام پومپیلو رکھا تھا ۴۶۶ء میں گاتھ کے قبضہ میں تھا ۵۴۳ء میں فرانس نے اس پر قبضہ کر لیا تھا۔	گو مسلمانوں نے اس علاقہ تک فتوحات کیں لیکن کبھی کوئی مستقل حکومت قائم نہ ہو سکی۔ بنو امیہ نے اس کو خوب لوٹا تھا اور کچھ عرصہ کیلئے قرطبہ سے اس کے تعلقات بہتر ہو گئے تھے دور طوائف الملوکی میں ہمیشہ کے لئے عیسائیوں کے پاس چلا گیا
	۲۔ بقیرہ	Vegvera	صوبہ سرقسطہ کے شہر تطیلہ سے ۵۰ میل مشرق میں واقع ہے۔		دوسری صدی ہجری کے شروع میں مسلمانوں نے اس پر قبضہ کیا تھا۔ ۳۱۶ھ میں نبرہ کے عیسائیوں نے اس پر قبضہ کر لیا لیکن مسلمانوں نے دوبارہ ان سے چھین کر چھٹی صدی ہجری تک حکمرانی کی۔
	۳۔ ناجرہ	Najera	صوبہ لوگرونوں میں صدر مقام لوگرونو کے قریب واقع ہے۔		دو صدی کی مسلم حکمرانی کے بعد ۳۱۱ھ میں نبرہ کے عیسائیوں نے اس پر قبضہ کر لیا لیکن الناصر نے اس کو واپس لے لیا اور پھر چھٹی صدی ہجری تک مسلمان اس پر حاکم رہے
	۴۔ بیونہ	Bayonne	فرانس کے مغربی ساحل پر واقع ہے نبرہ سے ایک راستہ فرانس کو جبل البرانس سے ہو کر جاتا ہے جس کو پرت بیونہ کہتے ہیں۔		
۲ بشکنس		Bosques	خیال کیا جاتا ہے کہ یہ تمام علاقہ موجودہ شمالی صوبہ سنتاندر میں خلیج بسکے کے ساحل پر واقع ہے اور کوہستانی علاقہ ہے۔		اس کا مشہور شہر البہ تھا۔

۱۔ البہ	Alava	اسپین کا ایک صوبہ ہے جسکے شمال میں صوبہ بسکے مغرب و جنوب میں قشتالہ قدیم اور مشرق میں نبرہ کا صوبہ ہے۔	ابتدائی فتوحات میں مسلمانوں کے قبضہ میں آگیا تھا لیکن جلد ہی ان کے ہاتھوں سے نکل گیا۔
۲۔ اشتوراس	Asturias	شمالی اسپین کا صوبہ ہے۔ اس کے شمال میں بحیرہ بسکے ہے۔	مسلمانوں نے اس کے صرف ایک حصے کو فتح کیا تھا
۳۔ صخرہ بلائی	Compostela	موجودہ جلائے وقوع نامعلوم ہے لیکن دور مسلم میں اشتوراس کا مشہور شہر تھا	شمالی ساحل کے قریب ایک پہاڑی مقام تھا۔ یہی وہ جگہ تھی جہاں مشہور گاتھ سردار پلایو نے بھاگ کر عیسائی حکومت اشتوراس کی بنیاد ڈالی تھی۔
۳ جلیقیہ	Galacia	شمالی مغربی اسپین کا ایک بڑا صوبہ ہے سمندر سے اسکی درازی بہت ہے مغرب کے ساحل پر پہاڑیں جنکا سلسلہ سمندر تک چلا گیا ہے۔	
۱۔ دیر قسطان	St. Cosmo	صوبہ جلیقیہ میں ہے	قدیم نام کوسموتھا۔
۲۔ وادی بلبو	Bayona	جلیقیہ کے مغربی ساحل کے قریب ایک میدان ہے۔	اس میدان میں بیونہ کا شہر ساحل پر واقع ہے۔
۳۔ شنت بلایہ	Sam Pavo	۔ نامعلوم	
۴۔ شنت یاقب	Santiago	صوبہ جلیقیہ کا مشہور شہر ہے۔	یعقوب حواری کا گرجا تھا۔ اسی شہر پر منصور حاجب کا مشہور حملہ ہوا تھا۔
۵۔ شنت مائکش	Cosmo De Mayanca	موجودہ شہر کرنہ کے قریب واقع تھا اب جائے وقوع نامعلوم ہے۔	مسلمانوں کی فتوحات کی انتہائی حد تھا۔
۶۔ کرونہ	Lacoruna	صوبہ جلیقیہ کا مشہور ساحلی شہر ہے	
۷۔ لک	Lugo	ایک دیہ ہے اور اس کے صدر مقام کا نام بھی وادی مینہ کے کنارے آباد ہے	مسلم دور کی شہر پناہ متعدد برجوں کے اب تک موجود ہے۔

۴ لیون		Leon	شمالی اسپین کا ایک صوبہ ہے۔ اس کے صدر مقام کا بھی یہی نام ہے۔ آبادی بہت کم ہے۔		۹۹ھ میں مسلمانوں نے قبضہ کیا۔ ۱۲۵ھ میں عیسائیوں کے پاس چلا گیا ۳۸۶ھ میں پھر مسلمان قابض ہوگئے ۵ویں صدی ہجری میں ہمیشہ کے لئے عیسائیوں کے پاس چلا گیا۔
	۱۔ سمورہ	Zamora	اسپین کا ایک صوبہ اس کے صدر مقام کا نام ہے۔ دریائے ڈوئیرو کے کنارے ایک پہاڑی پر آباد ہے۔		۹۳ھ میں مسلمانوں نے فتح کیا۔ ۱۴۰ھ میں عیسائیوں کے پاس چلا گیا۔ الناصر کے دور میں ایک تاریخی جنگ ہوئی تھی۔ شہر بہت فصیلوں کے اندر تھا۔
	۲۔ ظلمنکہ یا سلمنکہ	Salmanca	ایک صوبہ اور اس کے صدر مقام کا نام ہے۔ دریائے ٹامس کے کنارے آباد ہے۔		۹۳ھ میں مسلمانوں نے فتح کیا۔ ۱۴۰ھ میں عارضی طور پر عیسائیوں کے قبضہ میں چلا گیا مسلمانوں نے دوبارہ قبضہ کرکے اس کو نئے سرے سے تعمیر کیا مسلم تہذیب و تمدن کے غیر معمولی اثرات قائم تھے۔

۵ قشالیہ قدیم — Castile یا Castilla — یہ علاقہ شمالی و وسطی اسپین کے بڑے رقبہ پر مشتمل تھا جس کی حدود عیسائی اور مسلمانوں کے مابین گشتی و جنگی رہتی تھیں اسپینی زبان میں کستیلا کے معنی قلعے کے ہیں۔ عیسائی جب بھی مسلمانوں کا کوئی علاقہ لیتے تھے تو اس کے مرکز پر بہت سے قلعے تعمیر کر دیتے تھے جن کی مناسبت سے اس حصہ کو کستیلے یا کستیلا پکارا جاتا تھا۔ شمال کے جن علاقوں کو عیسائیوں نے مسلمانوں سے لیا ان کو وہ کستیلا لا ویجا (قدیم قشتالہ) کے نام سے پکارتے اور جنوب کے جن علاقوں کو انہوں نے فتح کیا ان کو کستیلا لانیوا (قشتالہ جدید) پکارا۔ آج کل قشتالہ قدیم میں جو علاقے شامل ہیں وہ والیڈ۔ برغوش۔ لوگرونو۔ پالنسیہ۔ شقوبیہ۔ سوریہ۔ سنتاندر۔ والا دولد کے صوبے ہیں۔ اور قشتالہ جدید میں اشبانیہ کا تمام علاقہ شامل ہے۔

قشتالہ قدیم کے مندرجہ ذیل مقامات کا مسلم تاریخ سے واسطہ پڑا ہے

	۱۔ شقوبیہ	Sagovia	وسطی اسپین کا ایک صوبہ اور اس کے صدر مقام کا نام ہے۔		الافضل کے آنے سے قبل ہی عیسائیوں کے قبضہ میں چلا گیا تھا۔ حکومت قشتالہ کا دارالحکومت بھی تھا۔
	۲۔ برغش یا برغوش	Burgos	شمالی اسپین کا ایک صوبہ اور اس کے صدر مقام کا نام ہے۔		

۳ وشمہ	Osma	[illegible] میں واقع ہے۔		عیسائیوں اور مسلمانوں کے بہت سے معرکے بھی یہاں ہوئے تھے۔
۴ شنت اشتیبان	Santesteban	[illegible] میں دریائے دویرہ کے کنارے آباد ہے		
غرماج	Gormaz	فرانس کے وہ علاقے جن سے مسلمانوں کا قابل ذکر تعلق رہا۔		
۱۔ اربونہ	Narbonne	فرانس کا شہر ہے، روم کے [illegible] میل پر واقع ہے	۱۱۸ ق م میں رومیوں نے اس پر قبضہ کیا تھا	وہ ولایت ہی میں مسلمانوں نے اس پر قبضہ کر لیا تھا۔ اور تمام علاقہ مفتوحہ کا اس کو صدر مقام بنا دیا تھا۔
۲۔ ابینون	Avignoni	جنوب مغربی فرانس کے مشہور شہر لوئر Layon سے ۱۴۳ میل جنوب میں [illegible] Rhone کے کنارے پر ہے۔		
۳ برذیل	Bordeax	جنوب مغربی فرانس کا قدیم ساحلی شہر ہے اس کو آج کل بورڈو کہتے ہیں۔		۱۱۳ ھ میں مسلمانوں نے اس پر قبضہ کیا تھا۔

جنوبی فرانس کے دو مشہور دریاؤں کے کنارے کے وہ شہر جو دور ولایت اسپین میں فتح ہوئے تھے۔

۱۔ دریائے رودنہ یا وادی رودنہ The Rhone

ارل Arles - اونیون Arignon - والنس Valence . لوزون Layon اور اس سے ۱۵۰ میل شمال میں سینس Sens اربونے ۵۰ میل کے

فاصلہ پر [illegible] Carcassonna - [illegible] یا غلوشہ [illegible] وغیرہ -

۲۔ دریائے سون Saone

ماکون Macon - شالون chalon . اور اس کے مغرب میں ہبونے Beane - آلون Aultune وغیرہ

دوسرا باب

فاتح اور مفتوح

فاتح کا تاریخی پس منظر

طوفان نوحؑ نے اُس وقت کی آباد دُنیا کو پُوری طرح برباد کر دیا تھا لیکن کچھ عرصہ کے اندر اندر تیزی کے ساتھ اولاد نوحؑ سے نسل انسانی کی افزائش شروع ہو گئی۔ ان کی تعداد میں اس قدر تیز رفتاری سے اضافہ ہوا کہ میسوپوٹیمیا کا سطح مرتفع ان کی گذر بسر کے لئے ناکافی ہو گیا۔ وہ سب گروہ در گروہ اس سطح مرتفع سے باہر نکلے اور جس کا جدھر دل چاہا ادھر چلا گیا۔ کچھ دور دراز کی زمینوں پر آباد ہو گئے اور کچھ نے خانہ بدوشی اختیار کر لی۔ سام بن نوحؑ کی نسل نے مشرق اور مشرق وسطیٰ کو اپنا ٹھکانا بنایا۔ اور پھر بتدریج تہذیب کی طرف بڑھنے لگے۔ ارتقاء تہذیب نے انہی اعلیٰ قدریں مثلاً آدمی کی سادگی انکساری میل و محبت کو آہستہ آہستہ ختم کر دیا۔ اور اس کی جگہ نام و نمود کی خواہش، تکبر و نخوت، عیاری و مکاری اور رشک و حسد نے لے لی جس کا یہ انجام ہوا کہ چند موقعہ پرست اور عیار انسانوں نے اپنی عیاری سے حاصل کردہ طاقت کے بل بوتے پر دوسروں سے اپنی طاقت کا لوہا منوا لیا۔ اور اس طرح بادشاہتیں معرض وجود میں آئیں اور ظلم و تعدی کا وہ دور دورہ ہوا کہ جس کی مثال شاذ ہی ملتی ہے۔ مظلوم انسانی گروہوں نے ان جبر پسند اور ظالموں کی حدود سے نکل جانے ہی میں اپنی بقا سمجھی۔ اور وہ یکے بعد دیگرے جبر و استبداد کی حدود سے باہر نکل گئے۔ ان ہجرت کرنے والے انسانی گروہوں میں ایک نے عرب کے صحرا میں پناہ لی۔ گو

صحرا کی بود و باش نے ان پر خانہ بدوشی کی شکل متعین کر دی لیکن [illegible] بیشتر تہذیب سے کچھ نہ کچھ آشنا پہلے سے تھے۔ اس لئے ان میں سے اکثر نے شہروں کو آباد کر کے حضارت اختیار کر لی۔ آہستہ آہستہ عرب میں داخل ہونے والے بھی زیر دست اور زبردست کی تقسیم میں بٹ گئے۔ اور چھوٹی بڑی بہت سی حکومتیں قائم ہو گئیں مثلاً معینی سبائی حمیری وغیرہ۔ خانہ بدوش قبائل عرب نے جن کو بدو کہا گیا۔ تہذیب کے اثرات قبول نہ کئے۔ البتہ جغرافیائی محل وقوع اور ضروریات زندگی کے اعتبار سے بہت سے قبائل میں تقسیم ہو گئے۔ پانی اور کھجور کی ضرورت نے ان کو ایک دوسرے سے بہت دور کر دیا جس کے نتیجہ میں ان کی انفرادی زندگی کا خاتمہ ہو گیا۔ اور ہر فرد کی ہمہ اقسام کی وفاداریاں اپنے ہی قبیلہ سے منسلک ہو کر رہ گئیں۔ آہستہ آہستہ ایک فرد کی قبیلہ سے یہ وابستگی مجنونانہ شیفتگی میں تبدیل ہو گئی اور ایک دن یہ آیا کہ قبیلہ افراد سے نہیں بلکہ افراد قبیلہ سے ہو گئے۔ قبیلہ سے فرد واحد کی مجنونانہ شیفتگی عصبیت کہلائی جس نے اتنا عروج حاصل کر لیا کہ انسانیت کی قدریں تک اس کے سامنے ماند پڑ گئیں۔ ان کے پاس اگر کچھ باقی رہا تو صرف یہ ہی کہ تہذیب و اخلاق کتنا ہی مردہ کیوں نہ ہو جائے ایک قبیلہ کی عظمت دوسروں کے مقابلہ میں ہمیشہ ارفع و اعلیٰ رہے۔ یہی تصور تھا جس نے عربوں کو انسانی عظمتوں سے بے گانہ کر دیا تھا۔ کوئی اچھا اصول خواہ وہ الہامی ہو یا غیر الہامی ان کے نزدیک قبیلے کی فرسودہ روایات کے آگے خم تھا۔ ہر قبیلہ جدا جدا روایات کا مالک تھا جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ مرکزیت کا تصور ان کے لئے قابل فہم نہ رہا اور وہ اپنی روایات کی خاطر وہ جنگ و جدال کرتے اور ایک دوسرے کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کی پیہم کوششیں کرتے رہتے تھے۔ اس طرح عصبیت دن بدن شدید سے شدید تر ہوتی رہی اور انسانیت زوال پذیر۔

حضارت اختیار کرنے والوں نے برسہا برس کے بعد اپنی تہذیب کو جنم دیا اور ساتھ ہی ساتھ مرکزیت کی خاطر بادشاہتیں بھی قائم کیں۔ جو زیادہ تر ان علاقوں میں تھیں جو صحرا کے اثر سے باہر تھے مثلاً شمالی عرب، حجاز، یمن وغیرہ۔ اور اس طرح وہ اپنے بدو عربوں کے بھائی ہوتے ہوئے بھی ان سے دور ہوتے چلے گئے۔ انہوں نے اپنی عصبیت بھی جدا قائم کی۔ اور بدو عربوں کے مدمقابل بن گئے۔ یہاں تک کہ بدو اور حضری دو جداگانہ تہذیبیں

ہو کر رہ گئیں۔ اور شمالی اور جنوبی عرب کی تفریق کے ساتھ کبھی قحطانی اور عدنانی کبھی قیسی و کلبی، کبھی مضری اور یمنی کے مختلف ناموں کے ساتھ مختلف ادوار میں پکاری گئیں۔ البتہ ان دونوں میں ایک قدر پھر بھی مشترک رہی اور وہ تھی انسانیت کی بے قدری اور قبیلوں سے مجنونانہ شقاوتیں۔

یہ سنت اللہ رہی ہے کہ وہ اپنی مخلوق کو راہِ راست پر رکھنے کے لئے سمجھانے والے، ڈرانے والے خوف دلانے والے بھیجتا رہا اور جب مخلوق اس پر بھی باز نہ آتی تو ان کو عذاب کا نشانہ بنا ڈالتا۔ یہ سنت جاریہ عربوں کے ساتھ بھی رہی۔ ان عربوں کو مہلت دی گئی۔ سمجھانے والے بھیجے گئے خوف دلانے والے اتارے گئے۔ اور جب اس پر بھی عرب باز نہ آئے تو بدیں جرم کندہ۔ عاد و ثمود پر عذاب نازل کر کے ان کو ڈرایا۔ عذاب کے خوف نے عربوں کو کچھ عرصہ تک تو خوفزدہ رکھا لیکن طغیان و سرکشی نے ان میں پھر جڑ پکڑ لی۔ اس مرتبہ جبّاریت اور قہّاریت کی بجائے رحمت حق جوش میں آئی۔ اور انسانیت کو دست تظلّم سے نجات دلانے کے لئے ——

—— وادیٔ مکہ میں ایک نجات دہندہ کو مبعوث فرمایا جس نے انسانیت کی بقا اور قبائل کی فرسودہ روایات سے نجات دلانے کے لئے تمام انسانوں کو ایک کلمہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کے مرکز پر مجتمع کر کے ایک پیغام ابدی سنایا۔ عربوں کے لئے یہ پیغام ایک تازیانہ بن گیا تھا۔ ان کی انانیت مجروح اور ان کی عصبیت مفلوج ہو رہی تھی۔ ۳۶۰ پتھر اور لکڑی کے خداؤں کی خود ساختہ خدائی کا صنم چکنا چور ہو رہا تھا۔ بے راہ روی اور ضلالت و گمراہی کے سیلاب عظیم پر جس میں نہ صرف سارا عرب بلکہ ساری دنیا تنکے کی طرح بہی جا رہی تھی بند باندھا جا رہا تھا۔ الغرض فاران کی چوٹی سے بلند ہونے والی یہ الہامی صدائے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ غرور و تمکنت اور ہوس و اقتدار کے نشے میں چور عربوں کے سینہ کو چھیدتی ہوئی نکل گئی۔ حق والوں نے اس صدا پر لبیک کہا اور باطل پسندوں نے باوجود اس کے کہ وہ اس صدا سے خوفزدہ اور لرزاں تھے۔ پھر بھی باطل ہی کو پسند کیا۔ نہ صرف باطل پر قائم رہے بلکہ اپنے پورے سامانِ قسام کے ہتھیاروں سے آراستہ ہو کر حق کے مقابلے پر اتر آئے۔ یہ مقابلہ جنگ و جدل نہ تھا۔ بلکہ مرکزیت اور لامرکزیت کا تھا۔ ایک طرف یہ اصرار کہ مرکز پر جمع

ہو جاؤ اور عدم مساوات کو چھوڑ کر سب کے ساتھ مل جاؤ۔ دوسری طرف یہ شور و غوغا کہ اقتدار گیا۔ روایات ماضی ختم ہو رہی ہیں۔ غلام چھن جائیں گے عورتیں آزاد ہو جائیں گی۔ اور صرف ایک مرکز پر جمع ہونے سے ہمارے قبائل کی عظمت اور تاریخ دونوں ختم ہو جائیگی ان عربوں نے جو سینکڑوں خداؤں کے رکھوالے تھے ایک خدا کی غلامی کو منظور نہ کیا اور حق کی آواز دبانے کے لئے ایذائیں۔ تکالیف۔ لالچ دیا اور طاقت کے استعمال سے بھی باز نہ آئے۔ لیکن تاریخ شاہد ہے کہ ۲۳ برس کے قلیل عرصہ میں عرب کے ہر قبیلہ میں امن و سلامتی اور توحید کی یہ آواز پہونچ کر رہی۔ ربانی سیلاب باطل کی ہزار کوششوں کے باوجود آگے بڑھتا رہا۔ اور باطل پرستوں کے منہ پہ خاک اڑاتا رہی۔ بالآخر بنی اسرائیل کے اس عمل بد کو کہ جس کو قرآن پاک نے ان الفاظ میں لکھا ہے: یَقْتُلُوْنَ النَّبِیّٖنَ بِغَیْرِ الْحَقِّ (قتل کر دیتے تھے نبیوں کو بغیر کسی وجہ کے) دہرانے کی سازش کی گئی تاکہ امن و سلامتی کے پیغامبر کی صدائے حق کو ختم کیا جا سکے۔ باطل پرستوں کے نزدیک یہ ایک عمدہ سازش تھی لیکن ان کو یہ نہ معلوم تھا کہ یہ انتہائی قدم کفر و ضلالت کی شکست خوردگی کی نمایاں علامت تھی۔ اگر یہ سازشی اقدام نہ ہوتا تو اسلامی طاقت کا ظہور جلد ممکن نہ تھا۔ اور ممکن تھا کہ مسلمانوں کے حوصلے پوری طرح نکلنے نہ پاتے جہاں اس سازش سے اسلام کی تاریخ کی ابتدا ہوتی ہے۔ وہاں عربوں کی مرکزیت کی تاریخ بھی شروع ہوتی ہے۔ انہوں نے مرکزیت کا وہ الہامی سبق سیکھا کہ جس سے یہ حقیقت واشگاف ہو گئی۔ کہ اسلام ہی صرف وہ طاقت ہو سکتا ہے جو ظلم و تشدد مجنونانہ عصبیت کفر و ضلالت اور لامرکزیت کو ختم کر کے تمام انسانیت کو ایک مرکز پر جمع کر سکتا ہے۔

الغرض اسلام نے مدینہ میں قیام کیا۔ اللہ نے اپنی حکمت کے خزانوں کے منہ کھول دیئے۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم جو اپنی ۵۳ برس کی مکی زندگی میں ایک بے ضرر مبلغ اور مصلح بن کر ابھرے تھے اب ایک ایسی اثر انداز پر معنی اور فعال شخصیت بن کر سامنے آئے کہ آج تک سارا عالم آپؐ کے کارہائے نمایاں پر انگشت بدنداں ہے۔ آپؐ نے اپنے ماننے والوں کو انسانیت کی اس معراج تک پہنچا دیا جہاں پر بقاء انسانیت کے لئے خود انسان کا ہی درکار ہوتا ہے۔

اسلام میں پوری طرح داخل ہونے والے بجا طور پر فخر سے یہ کہہ سکتے تھے کہ ہم ہی وہ ہیں جن کو خالق کائنات نے اس امر پر معمور کیا ہے کہ باطل کو ملیا میٹ کر دیں۔ اَمر بالمعروف و نہی عن المنکر ان کا حق تھا اس لئے کہ انہوں نے اپنے صاحبؐ کی پوری اطاعت کی تھی اور اپنے آپ کو پوری طرح اسلام میں داخل کیا تھا اور اپنے رب کے مخصوص بندے ہو گئے تھے۔ ان کے صاحبؐ اُن کے ہادیؐ ان کے رہبرؐ نے ان کو یہ بتایا کہ تاریخ کیسے بنتی ہے۔ زمانہ کبھی بُرا نہیں ہوتا زمانے والے بُرے ہوتے ہیں جو لوگ مثالی بن جاتے ہیں ان کا زمانہ بھی مثالی ہوتا ہے باطل کو مٹانا اتنا بڑا کام نہیں کہ اس میں صدیاں بیت جائیں اس کے لئے تو صرف ۲۳ برس کافی ہوتے ہیں جو مت کرنا اور اس کا نظام قائم کرنا کوئی ایسا مسئلہ نہیں کہ اس کے لئے ۵۰ سالہ و صد سالہ منصوبے بنائے جائیں اس کے لئے صرف ۲۳ برس بھی کافی ہو سکتے ہیں۔ ایسے نظام زندگی کی بنیاد ڈالی جا سکتی ہے جو مثالی، ابدی اور قابل تقلید ہو۔ اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب کہ مرکزیت اللہ اور اس کے رسولؐ کے پاس ہو۔ بد نظمی، انتشار، فرقہ پرستی اور جماعت بندی کے سہارے چلنے والے بیساکھیوں پر چلنے والوں سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتے۔

مسلمان عربوں نے حق تعالیٰ کی کبریائی کے دامن میں پناہ لیکر اور اپنے ہادیؐ اعظم اور رہبرؐ کی سرپرستی میں اچھائیوں کو قائم کرنے اور بُرائیوں کو روکنے کا بیڑا اٹھایا نہ صرف یہ کہ خود آگے بڑھے بلکہ صحرائے عرب کے بادیہ نشینوں میں بھی وہ روح پھونک دی کہ یہ اونٹ اور بھیڑ بکریاں چرانے والے اپنی "چھوٹی چھوٹی مگر تیز دھار والی تلواروں" اور جھکتی انیوں والے نیزے لیکر اس زمانے کی طاقت ور ترین حکومتوں سے ٹکرا گئے۔ انہوں نے تاریخ کا رُخ موڑ دیا خود اپنی تاریخ بنائی اس طرح کہ وہ قبیلوں کے مجنونانہ عشق کی آگ میں جلنے کے بجائے اسلام کے والہانہ عشق کی بھٹی میں تپ رہے تھے۔ اُن کی اَنا (میں) نحنُ (ہم) میں تبدیل ہو چکی تھی ان کی فکر انفرادی سے اجتماعی بن چکی تھی یہاں تک کہ ان کی موت و زیست تک کے احوال و کوائف ان کے اپنے نہ رہے تھے۔ موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے جب اسلام کے یہ جیالے حدودِ عرب سے باہر نکلے اور باطل کو للکارا تو ایک طرف کسریٰ کے ایوانوں میں زلزلہ پڑا اور وہ عرش سے فرش پر آ رہے۔ اور عرب کے بادیہ نشینوں کے گھوڑوں

نے اسفندیار و بہمن، رستم و سہراب۔ نوشیرواں اور پرویز کے تخیلاتی جنت کو اپنی پاؤں سے روند کر رکھدیا۔ اور انسان کو انسان کی قید سے رہائی دلوائی تو دوسری طرف عظمت روما کے وارث قیصر کے عیش وطرب کی محفلیں اجاڑ دیں انسانیت کے خون کے پیاسے رومیوں اور عیسائیوں کو بقول ان کے "عرب کے غیر متمدن اور غیر مہذب" چرواہوں نے وہ درس زندگی دیا کہ آج تک ان کے پہلو میں خار کی طرح کھٹکتا ہے۔ الغرض ایران و خراسان شام و فلسطین، مصر و افریقہ اور ہر ممکن جگہ امن وسلامتی کے ان علمبرداروں نے باطل کو مٹا کر حق کا بول بالا کیا۔ انسان کو اس کا پیدائشی حق دلوایا کمزور کو غالب اور ظالم کو کمزور کر کے عظمت والے کی عظمت کو اس طرح مسلط کیا کہ جس کی کوئی مثال نہیں دی جا سکتی۔ یہ ان مسلمان عربوں نے کیا جو مسلمان بھی تھے اور معراج انسانیت پر فائز بھی جن کی ذات اپنی ہی نہ تھی بلکہ تمام انسانوں کی تھی جو اپنی فکر سے بے نیاز تمام تر عالم انسانیت کی فکر میں گم تھے۔ وہ اس دنیا کو صرف اپنی ہی دنیا نہیں بلکہ تمام مخلوق کی دنیا جانتے تھے اور اس وقت بحیثیت پر وہ یہ کہنے کے حقدار تھے کہ جب تک اس طرح سوچو گے جیسا کہ ہم نے سوچا ہے تو شکست و ریخت کا تصور بھی نہ ہوگا اور نہ فتح و کامرانی خواب پریشاں سے زیادہ کچھ نہیں۔

کچھ زیادہ عرصہ نہ گذرا تھا اور فتح و کامرانی کا سرور ابھی باقی تھا کہ عربی جاہلیت کے تصورات نے انگڑائی لی قیصر و کسریٰ کی بے شمار دولت نے ان کی آنکھوں کو خیرہ کر دیا اور نفسانی خواہشات کی آگ بھڑکا دی۔ باطل کی تہذیبوں نے ان کی صاف ستھری اسلامی تہذیب کو گندہ کر دیا جو کل تک حق پرست تھے وہ زر پرست بن گئے۔ جو کل تک حریت فکر کے مالک تھے وہ نفس کے غلام بن گئے جو مثالی تاریخ انہوں نے خود بنائی تھی۔ اس کو وہ اغیار کے بہکاوے میں آکر خود مٹانے پر آمادہ نظر آنے لگے۔ جو تلواریں حق کی حمایت اور باطل کی سرکوبی کے لئے بلند ہوئی تھیں آپس میں ٹکرانے لگیں۔ انانیت و عصبیت کی گندی روح جو مذہبی شیفتگی اور حب انسانیت میں بدل چکی تھی ایک بار پھر منظر عام پر آئی۔ اسلام و بانی اسلام ﷺ نے مسلمان عربوں کو جو درس دیا تھا وہ ان کے ذہنوں سے نکل گیا وہ کیا تھے؟ ان کو کیا بنایا گیا تھا؟ اور اب وہ کیا بن رہے ہیں؟ ان باتوں کی طرف انہوں نے دھیان دینا چھوڑ دیا قیصر و کسریٰ کی مملکتوں کو گو انہوں نے ختم کیا تھا لیکن آج وہی قیصر و کسریٰ انہیں اچھے معلوم ہو رہے تھے۔ ان کی فکر پر مفلوج ان کے تصورات کی پرواز منقود ہو کر رہ گئی تھی ان کی زندگیاں

عیش و طرب کی خواہش میں ڈوب کر رہ گئیں جس انسانیت کا درس دینے کے لئے ان کے آباؤ اجداد نے اپنا خون بہایا تھا۔ آج وہی درس خود ان کو دینے کی ضرورت پیش آنے لگی۔ مسلمان وہ پہلے بھی تھے اور آج بھی لیکن پہلے وہ اپنے [illegible] اللہ کی اطاعت سمجھتے تھے لیکن مسلمان اپنے خواہشات کی تکمیل [illegible] اطاعت کو اللہ کی اطاعت سمجھنے لگے۔ کل تک۔ وہ اپنے بجائے دوسروں کے لئے تھے آج وہ دوسروں کو بھی اپنے لئے سمجھتے تھے اور خود کو کسی کے نہ تھے مختصراً یہ کہ پہلے عرب مسلمان تھے پھر عرب لیکن اب عرب پہلے تھے اور پھر مسلمان جس کا لازمی تاریخی نتیجہ یہی ہونا تھا کہ قیصریت و کسریٰت دوبارہ زندہ ہو جائے اور وہ ہو کر رہی حکومت مسلمان عربوں کے ہاتھوں سے نکل کر عرب مسلمانوں کے ہاتھوں میں چلی گئی۔ بنو امیہ کے ہوشمندوں نے ان عرب مسلمانوں کو عصبیت کے گرداب میں پھنسا کر اپنا مطیع کر لیا۔ اب انسانیت کی بقاء کی خاطر جنگ و جدال کا سوال نہ تھا۔ بلکہ حدود حکمرانی کو وسعت دینا خزانوں کو زیادہ سے زیادہ معمور کرنا۔ مال غنیمت کے ڈھیر اور غلاموں کے انبوہ کثیر دارالخلافہ میں نمائش کے لئے لانا اور اپنی ذاتوں اور شخصیتوں کا لوہا عوام سے منوانا ان کا مطمح نظر تھا۔ حق و ناحق کا اس میں کوئی سوال نہ تھا۔ زبردستی و زیردستی ہوشیاری۔ موقع پرستی اور چالبازی معیار بن گئی تھی۔ اور کوئی حق اس وقت تک حق نہ رہا تھا جب تک کہ کوئی ذی قوت واحد (بادشاہ) بزور طاقت اس کو حق تسلیم نہ کرا لے سندھ، اسپین افریقہ۔ ترکستان وغیرہ کی فتوحات بلاشبہ بنو امیہ اور عرب مسلمانوں کا کارنامہ ہے لیکن اس سے اسلام اور مسلمانوں کو کیا فائدہ ہوا؟ تاریخ کے اوراق اس کے گواہ ہیں۔ یہ تھا تاریخی پس منظر ان عرب مسلمانوں کا جو اسپین میں اپنی فتح کا جھنڈا لہرانے آئے تھے۔

سیاسی پس منظر

اوراق بالا میں ہم نے یہ بات واضح کرنے کی کوشش کی ہے کہ قوم عرب کا تاریخی پس منظر کیا تھا اور وہ کس طرح عروج کی ان منازل تک پہنچ گئی جہاں تخت و تاج ان کی ٹھوکروں میں آ گرے۔ اب اس کے ساتھ ساتھ اگر اس کا سیاسی پس منظر بھی مختصراً دیدیا جائے تو یقیناً ان کی بربادی و تباہی کے اسباب کی تلاش میں دشواری نہ ہوگی۔ اس لئے کہ کلیہ یہی ہے کہ قوموں کے عروج و زوال میں ان کا ابتدائی نشو و نما بھی اسی طرح حصہ لیتی ہے جس طرح دوسرے عوامل۔

یہ بتایا جا چکا ہے کہ کس طرح عربوں نے اپنے آپ کو بدو اور حضری قبائل میں تقسیم کر دیا تھا اور تہذیب کے ارتقاء نے ان میں کیا کیا تبدیلیاں پیدا کر دی تھیں۔ اگر ان دونوں کے درمیان کوئی قدر مشترک تھی تو وہ عصبیت تھی یعنی قبیلوں سے محبوبانہ شیفتگی۔ اور اسی عصبیت نے ان کے درمیان ایک آزاد سیاست کو جنم دیا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ انفرادی اور قبائلی بقاء کی خاطر ان کو ہر حال کوئی نہ کوئی طریقہ تو اختیار کرنا ہی تھا۔ اور یہی طریقہ ان کا سیاسی نظام بن گیا تھا۔ حضریوں نے تو جگہ جگہ اپنی حکومتیں اور بادشاہتیں قائم کر لی تھیں لیکن بدو کے لئے صرف اپنے قبیلہ کی تنظیم ہی حکومت کا درجہ رکھتی تھی۔ ایک تو یہ کہ وہ فطرۃً آزادمنش اور حریت پسند تھے۔ دوسرے یہ کہ صحرا کی زندگی نے انہیں اور حریت پسند بنا دیا تھا۔ ایک بدو کو اگر زندہ رہنے کے ذرائع مل جاتے تھے تو اس کے نزدیک اچھی اور بری اقدار کا تفاوت کوئی حیثیت نہیں رکھتا تھا۔ البتہ زندہ رہنے کے لئے ان کو بڑی کاوش کرنا پڑتی تھی۔ اور اس کے لئے وہ جائز و ناجائز انسانی اور غیر انسانی طریق کار تک کی تمیز اٹھا دیتے تھے۔ چنانچہ لوٹ مار، قتل و غارت گری، خونریزی اور جنگ و جدل ان کی فطرت ثانیہ بن چکے تھے۔ اکثر ایسے واقعات بھی سامنے آئے ہیں کہ اگر کسی نے قتل و غارت گری سے اجتناب کیا تو اس کو قبیلے والے باعثِ ننگ خیال کرتے۔ اور اس سے قطع تعلق کر لیا کرتے تھے وہ جاہل تھے نہ لکھنا جانتے تھے نہ پڑھنا لیکن اپنی زبان دانی میں بے مثل تھے اور فصاحت و بلاغت میں اپنا ثانی نہ رکھتے تھے۔ باوجود اس خوبی کے وہ مذہب سے پھر بھی بے گانہ اور اللہ کے فرستادوں کے پیغامات کو بالکل فراموش کر چکے تھے۔ ان کا مذہب فرسودہ روایات کا ایک مجموعہ اضداد تھا لیکن پھر بھی بیت اللہ کی عزت ان کے ذہنوں میں موجود تھی۔ اور وہ اللہ کے تصور سے بیگانہ نہ تھے۔ ان کے قبیلہ کا ایک شیخ ہوتا تھا اور اسے وہ اپنی مرضی سے منتخب کرتے تھے۔ ہر قبیلہ چند خاندانوں پر مشتمل ہوتا تھا۔ خاندان کے بزرگ، قبیلہ کی ضرورت کہ بحسن و خوبی پورا کرنے کے لئے ایک مجلس مشاورت بنا لیتے تھے۔ جو قبیلہ کے مسائل میں مشورہ دینے کی حقدار ہوتی تھی شیخ بھی ان کے مشورے کے بغیر کوئی اقدام نہیں کر سکتا تھا لیکن جمہوریت پسندی کے یہ کارنامے اس وقت تک رہے جب تک کہ وہ آزادی پسند رہے۔ جوں جوں برائیاں ان میں بڑھتی گئیں۔ ان کی خوبیاں ختم ہوتی گئیں آہستہ آہستہ ان کی قبائلی سیاست نے رنگ بدلا اور شیخ

کی جگہ اب موروثی ہوگئی اور انتخاب کا طریقہ اور مشاورت کا روایت ایک خواب بن کر رہ گئے عرب کی تاریخ میں اسی دور کو جاہلیت کا زمانہ کہا جاتا ہے۔

اسلام آیا اور اپنے جلو میں انقلاب عظیم لیکر آیا جس نے عربوں کی روحانی و مادی اصلاح کے ساتھ ساتھ انہیں مزید ترقی کی راہیں دکھائیں ان میں ایک عظیم سیاسی انقلاب پیدا کر دیا۔ ان کی انفرادی عصبیت اور قبائلی اجتماعیت کو ختم کر کے انھیں ربانی مرکزیت پر مجتمع کر دیا۔ عربی و عجمی کا تصور ختم کیا اور انسان کی عظمت و وقار کی بنیاد تقوی پر رکھی گئی غلام و آقا کی تفریق ختم کر کے انہیں ایک ہی صف میں کھڑا کر دیا گیا۔ معاشرہ کی فلاح و بہبود کو برقرار رکھنے کے لئے انفرادی صلاحیتوں کو اجاگر کیا مذہبی عصبیت نے قبائلی عصبیت کی جگہ لے لی۔ اور سب سے اہم ترین نکتہ یہ کہ ایک فرد واحد کی اطاعت اسلام کے واسطے سے فرض قرار دی۔ عربوں کی شوریٰ کو اَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ کہکر دوبارہ زندہ کیا اور مستقل طور سے انہیں ایک ایسا جاوداں دستور دیا جس میں انہیں حکماً مذہب اور اس کے احکامات پر بے چون و چرا عمل کرنے کے لئے کہا گیا۔ رسول اللہؐ نے مدینہ کی شہری مملکت قائم کر کے سیاسی زندگی کا آغاز کیا جس سے مرکزیت قائم ہوگئی انہوں نے جو کچھ فرمایا اس پر عمل کر کے یہ ثابت کر دیا کہ قرآن پاک اور رسولؐ کی اسوۂ حسنہ ہی ایک مثالی حکومت کے لئے کافی ہیں۔ اور یہ کلیہ بنا دیا کہ حکومت مسلمانوں کی مسلمانوں کے لئے اور مسلمانوں کے ذریعے سے قوانین کا اجرا قرآنی ہو جس میں کسی قسم کا بنیادی تغیر ممکن نہیں مذہب کی حفاظت اور انسانیت کی بقاء کی خاطر خونریزی بھی کی جا سکتی ہے لیکن محض ظلم و ستم کے لئے نہیں معاہدات و صلح کے ذریعہ امن بھی پھیلایا جا سکتا ہے لیکن اچھائیوں کی خاطر بزدلی کی وجہ سے نہیں۔ الغرض اسلام نے عربوں کی قبائلی عصبیت اور فرسودہ نظام کا خاتمہ کر کے ان میں نہ صرف مذہبی اور ثقافتی انقلاب پیدا کیا بلکہ ان کو تاریخی انقلاب سے بھی روشناس کرایا۔ اور سیاست کو اخلاق کے دائرہ میں محدود کر کے ایک بہترین اور کارآمد عمل قرار دیا۔

حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ جو براہ راست رسول اللہ تھے انہوں نے پوری طرح رسول اللہؐ کی تربیت کا حق ادا کیا۔ گو دونوں خلفاءؓ کے ادوار میں عربوں کی پرانی قبائلی عصبیت

پھر [illegible] اور اس بات کی کوشش ہوئی کہ قبائلی نظام کے فرسودہ طریقوں کو اپنایا جائے لیکن دونوں اصحابؓ نے ذہانت اور تندہی سے اس کوشش کو کچل دیا اور مادہ نشینوں کو اسلام کی راہ پر چلنے کے لئے مجبور کر دیا۔ اسلامی سیاست کا دوسرا رخ یہ تھا کہ اس نے [illegible] اور غارت گری کے عادی صحرا نوردوں سے یہ توقع نہ رکھی کہ وہ اپنی صلاحیتوں اور قابلیتوں کے ساتھ تنظیم مملکت کر سکتے ہیں بلکہ ان کے لئے میدان کارزار ہی بہتر جگہ قرار دی گئی۔ اسلام نے جس ثقافت کا دعویٰ کیا وہ عرب ثقافت کی ایک تبدیل شدہ شکل تو کہی جا سکتی تھی لیکن عملی طور سے بالکل مختلف تھی جس میں ہر فرد واحد کی صلاحیتوں کی قدر موجود تھی چنانچہ جب اس نئے ثقافتی اور مذہبی انقلاب نے صحرا نوردوں کے ذہنوں کو متاثر کیا تو اس کے تین بہترین نتیجے نکلے۔ اوّل یہ کہ معاشرے کے ہر فرد کو اس کی اپنی صلاحیتوں کے مطابق کام ملا۔ دوئم صحرا نوردوں کو اس زمانے کی دنیا کی بہترین تہذیبوں سے روشناس ہونے کا موقع ملا اور اس طرح صحرا نوردوں کے عیوب و محاسن سامنے آئے اور خالص عرب تہذیب کو پنپنے میں آسانی ہو گئی۔ سوئم یہ کہ عرب تہذیب کی پرورش کے ساتھ ساتھ اسلام کی ترقی و ترویج کی وجہ سے اسلامی تہذیب نے بھی جنم لیا۔ دراصل مسلسل جنگوں اور فتوحات کا عین مقصد یہ بھی تھا کہ عرب تہذیب کو بتدریج اسلامی تہذیب میں تبدیل کر دیا جائے تاکہ ان تعلیمات کو عملی شکل دیدی جائے جو قرآن اور رسول اللہ ﷺ نے پیش کی تھیں (اس میں کس حد تک کامیابی ہوئی یہ آئندہ اوراق بتائیں گے) حضرت عمرؓ کا دور ایک مثالی دور تھا۔ یہ خلیفہ دوم ہی تھے جنہوں نے سیاست و حکومت کے اصول متعین کر کے اسلامی سیاست کو مضبوط بنیادوں پر استوار کرنے کی کوشش کی تھی۔ اس طرح عدل و مساوات کے الہامی قوانین کی ترویج کی گئی۔ معاشرتی اخلاقی، معاشیاتی اور سیاسی نظریات کی اساس ایسی نہج پر رکھی گئی جو ناقابل شکست تھی۔ اوّل عرب پھر عجم کے مسلمانوں کو اسلامی سیاست و ثقافت سے بتدریج آگاہ کیا گیا۔ دونوں خلفاء کو اس بات کا اچھی طرح اندازہ تھا کہ زر و جواہر کی چمک عربوں کی نظر ہوس کو خیرہ کر دیگی جس کی روشنی میں وہ ایک بار پھر اپنی ان فرسودہ روایات کو زندہ کرنے کی کوشش کریں گے جن کی بیخ کنی کے لئے رسول اللہ ﷺ تشریف لائے تھے۔ چنانچہ انہوں نے اس بات کی امکانی

کوشش کی کہ دولت کا ارتکاز فرد واحد کے پاس نہ ہونے پائے لیکن انہیں اس بات کے مواقع فراہم نہ ہوسکے۔ کہ وہ دولت کے ارتکاز کے امکانات کو ہی ختم کر دیتے۔

خلافت راشدہ کا دوسرا دور ارتکاز دولت کا نتیجہ ہے جس میں عربی تہذیب اپنے دور جاہلیت کی روایات کے ساتھ زندہ ہونے لگی۔ اور اسلامی تہذیب بتدریج مذہبی عقیدوں کے بندھنوں میں جکڑتی چلی گئی۔ جاگیردارانہ نظام پھر بحال ہوا اور خلیفہ سوم راشدؓ کی فطری رحمدلی حیا اور انکساری نے عربوں کی نئی نسل کے نوجوانوں کی خواہشات کو ابھرنے کا موقع دیا۔ روم و ایران کی غیر مذہبی تہذیبوں کے اثرات نے مذہب پرست عربوں کے ذہنوں کو بتدریج مسموم کرنا شروع کر دیا۔ مذہب پسند جنگجو بادیہ نشیں جو دور دراز کے علاقوں میں مصروف تھے اور فتوحات ملکی پر متعین تھے جب فتوحات کے یک لخت رک جانے سے اپنے اپنے مسکنوں کو واپس آئے تو قیصر و کسریٰ کے من گھڑت افسانے اور ان کی نمائشی اور کھوکھلی تہذیبوں کے اثرات بھی اپنے ساتھ لائے خواہشات اور امنگوں کا دریا ان کے سینوں میں موجزن تھا اور دولت کے انبار ان کے سامنے تھے یہ تصور بھی ان کو بے چین کرنے کے لئے کافی تھا کہ انہوں نے اور ان کے آباؤ اجداد نے اسلامی حکومتوں کی بنیاد دور کو اپنے لہو سے سینچا ہے۔ چنانچہ خلافت و حکومت ان کا بھی حق ہے لیکن جب انہیں اس کو حاصل کرنے کے مواقع نہ ملے تو ان کے سینوں میں غم و غصہ کی آگ بھڑکنے لگی۔ الغرض بہت سے عوامل تھے۔ (جن کی تفصیل خارج از بحث ہے) جنہوں نے مذہب اسلام اور ریاست اسلام کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ یہی دو حصے تھے جنہوں نے آگے چل کر اسلامی تہذیب اور عربی تہذیب کو جدا جدا کر کے پیش کیا۔ عربی تہذیب نے دو قدم آگے بڑھ کر اپنے آپ کو مسلم تہذیب کہلوایا۔ اس تہذیبی ٹکراؤ اور مخالفت کا فائدہ دشمنان اسلام نے اٹھایا جس کے نتیجہ میں خلیفہ راشدؓ سوم کی شہادت کا المناک واقعہ ظہور پذیر ہوا۔ اس المناک واقعہ نے اسلامی معاشرتی اور ریاستی زندگی میں انتشار پیدا کر دیا۔ خلیفہ چہارم (حضرت علیؓ) نے اس پراگندگی اور انتشار کو ختم کرنے کی کوشش کی یہاں تک کہ انہیں تلوار بھی اٹھانی پڑی لیکن حالات اتنے خراب ہو چکے تھے کہ ان پر قابو پانا ممکن نہ تھا۔ عرب تہذیب جاہلیت کی روایات کے ساتھ

زندہ ہو چکی تھی۔ جو لوگ اس فتنہ کو ختم کر سکتے تھے خود آپس میں دست بگریباں ہو رہے تھے اور جن میں تڑپ تھی وہ عزلت نشیں ہو کر دعاؤں میں مشغول ہو چکے تھے۔ گروہ بندیاں، فرقہ بندیاں، سیاسی چالبازیاں اور اقتدار کی ہوس نے وہ گل کھلائے کہ اسلامی تہذیب و روایات کے پرخچے اڑ گئے۔

خلیفہ راشد رضؓ چہارم اپنی انتھک کوششوں میں مصروف تھے کہ جام شہادت نوش فرمایا اور یہ خلافتِ رسول اللہ ﷺ کا دروازہ بھی اس کے ساتھ بند ہو گیا۔ نتیجۃً اسلامی تہذیب کی عمارت جس حد تک بن پائی تھی وہیں رہ گئی۔ اسلامی سیاست کے جو اصول مدوّن کر کے عملی شکل دی جا رہی تھی وہ صرف اصول ہی رہ گئے۔ ان کا رائج کرنے والا کوئی نہ رہا۔ ملت اسلامیہ مختلف گروہوں میں منقسم ہو گئی۔ قیصریت اور کسرائیت کی کھوکھلی تہذیبوں کے اثر نے عربوں میں ایک بار پھر جاہلیت کی فرسودہ روایات کو زندہ کر دیا اور عرب اس قابل نہ رہے کہ خود کو ایک جگہ مجتمع کر لیتے۔ چنانچہ عربی تہذیب اپنے فرسودہ اصنام تمکنت و تفخر کو زندہ کرنے میں کامیاب ہو گئی۔ اور چونکہ اسلامی تہذیب ان کی ان امنگوں اور خواہشات کی تکمیل میں خارج تھی۔ اس لئے اس سے کنارہ کشی ہی بہتر سمجھی جانے لگی۔ مذہبی فرائض تو ایک طرف رہے فرائضِ سیاستِ اسلامی کو بھی فراموش کر دیا گیا۔ اور شخصی اقتدار کی خواہش ہر صاحبِ اقتدار کے دل میں پیدا ہونے لگی۔ الغرض اسلامی اور عربی تہذیب کے مابین اس ٹکراؤ نے مسلمانوں کے درمیان ایک لامتناہی کشمکش کا آغاز کر دیا۔ جس سے بنو امیہ کے ہوشمندوں نے پورا پورا فائدہ اٹھایا وہ عربوں کی قبائلی عصبیت کو ہوا دیکر تختِ حکومت پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہو گئے اور عربی تہذیب اسلامی تہذیب پر حاوی ہو گئی۔

امیر معاویہ رضؓ سے لیکر ولید بن عبدالملک بن مروان کے دورِ حکومت تک ہم کتنا ہی غور و فکر کریں اسلامی سیاست کا ایک بھی عنصر نظر نہیں آئے گا۔ وجہ یہ نہیں کہ وہ اسلامی سیاست کے اہل نہ تھے۔ یقیناً وہ تمام اہلتوں اور صلاحیتوں کے مالک تھے۔ چاہتے تو خلافت راشدہ کو جاری و ساری رکھا جا سکتا تھا لیکن انہوں نے ایسا نہ چاہا۔ اس سے ایک طرف تو ان کی انانیت تفخر نسبی اور خواہشات پر ضرب کاری پڑتی تھی اور دوسری طرف قبائلی عصبیت ان کو ایسا کرنے پر مجبور کر رہی تھی۔ اسلامی سیاست کے وجود میں آنے کے معنی یہ ہوتے تھے کہ تمام عالمِ اسلام بلا تفریق نسل و قوم اسلامی سیاست میں برابر کا شریک تھا۔ عربوں کی قبائلی فطرت و عصبیت نے یہ گوارا نہ کیا کہ ایک نو مسلم

ایرانی و حبشی مصری و سوڈانی کو اپنے برابر کا شریک کرلیں۔ گو عربوں کی یہ خواہش اسلام کے منافی تھی لیکن نوجوان عرب نسل کے نزدیک قبائلی عصبیت اسلامی اصولِ رواداری سے زیادہ قیمتی تھی بنوامیہ عہدِ جاہلیت ہی سے بدترین عصبیت کا شکار تھے اور کسی بھی صورت میں وہ اقتدار و امارت کو ہاتھ سے نہ دینا چاہتے تھے۔ یہ ان کی سیاست کا ادنیٰ کرشمہ تھا کہ وہ باثر قبائلِ عرب کو اپنے لئے مخصوص کرلیا کرتے تھے جس کے نتیجہ میں کمزور قبائل پر ظلم ہوتا۔ اور اکثر قتل و غارتگری کا بازار گرم رہتا تھا اسی لئے کافی عرصے تک عربوں کی تلواریں خود عربوں کے گلے پر چلتی رہیں اور عصبیتیں ایک دوسرے سے ٹکراتی رہیں بنوامیہ اطمینان سے لڑاؤ اور حکومت کرو کی پالیسی پر عمل کرتے رہے۔ بنوامیہ دمشق کا دور عربوں کی فتوحات کا عظیم الشان دور تھا فتوحات کی وجہ صرف یہ نہ تھی کہ عربوں کو اسلام کے پھیلانے کی خواہش تھی بلکہ ان فتوحات کی کئی اور بھی وجوہات تھیں جن کا تذکرہ بیجا نہ ہوگا۔

(۱) عربوں میں قیصریت و کسرائیت اپنے پورے شباب پر آچکی تھی جس کے اظہار کا یہ ایک بہترین ذریعہ تھا کہ زیادہ سے زیادہ علاقے پر اقتدار قائم کیا جائے۔

(۲) قبائلی عصبیتیں کچھ اس طرز سے پرورش پا رہی تھیں کہ اگر ان کو ڈھیل دی جاتی تو یقیناً بنوامیہ کا اقتدار خطرے میں پڑ جاتا (جیسا کہ آخری خلیفہ مروان بن محمد کے زمانہ میں ہوا) چنانچہ بہترین سیاست یہی تھی کہ جنگجو قبائل کو جنگوں ہی میں الجھا دیا جائے۔ اور ان کو منتشر کرکے مرکز سے ان کی توجہ ہٹا دی جائے۔

(۳) بنوامیہ کے خلفاء کی ہوسِ نفسانی بڑھ چکی تھی جو صرف مال و دولت، لونڈی اور غلاموں کی کثرت سے پوری کی جا سکتی تھی جن کے حصول کے لئے غیر ممالک کی فتوحات بہترین ذریعہ بن سکتی تھیں۔

(۴) ظلم و تشدد اور بربریت کے خلاف آواز کو زر و مال سے دبانے کا تصور پوری طرح چھا گیا تھا۔

(۵) خلافتِ راشدہؓ کے مقابلے پر اپنی حدود سلطنت بڑھا کر عوام کے روبرو خود کو عظیم کہلوایا جائے تاکہ ایک طبقہ کا مطالبۂ اسلامی سیاست کمزور پڑ جائے۔ اور بنوامیہ کا اقتدار ناقابلِ شکست بن جائے۔

(۶) فتوحات کے ذریعے اسلامی رواداری کا ظاہری مظاہرہ کرکے زیادہ سے زیادہ غیر عرب عوام کو اپنے اثر میں لایا جائے تاکہ عربی عصبیت کے غضبناک دیو سے نجات حاصل ہو۔ جو نہ ہو سکی اور یہی دیو ایک دن بنو امیہ کو نگل گیا۔

غرض یہ تھا عرب مسلمانوں کا سیاسی پس منظر جس کی بنا پر ان کی ہوسناک نظریں اسپین کے چمن زاروں کو تک رہی تھیں کسی تاریخ سے یہ بات ثابت نہیں کی جا سکتی کہ وہ اسپین میں اسلام کی عظمت کا ڈنکا بجانا چاہتے تھے یا اسلام کی محبت ان کو وہاں لے گئی تھی یہ مغربی مورخین کی متعصب ذہنیت اور کم نظری کا نتیجہ ہے کہ انہوں نے مسلمان بادشاہوں کی فتوحات کو اسلامی فتوحات ہی شمار کیا۔ تاکہ اسلام اور اس کے اصولوں کی تضحیک کی جا سکے۔

عربوں کا ورودِ اسپین

ولید بن عبدالملک کا دور بنو امیہ کی فتوحات کا عظیم الشان زمانہ ہے ایک طرف ترکستان میں قتیبہ ابن مسلم فتح و کامرانی کے پرچم اڑاتا خاقانِ چین کو زم آرائی کی دعوت دے رہا تھا۔ تو دوسری طرف محمد بن قاسم سندھ و ملتان کے ہندوؤں سے اپنی کامیاب قیادت کا لوہا منوا چکا تھا۔ ایک طرف مسلمانوں کا بحری بیڑہ بحرِ روم کے عیسائی بیڑے کو تاخت و تاراج کرکے جزائر بحرِ روم پر قابض ہو رہا تھا تو دوسری طرف موسیٰ بن نصیر والی افریقہ بربر جیسی سرکش قوم کو اپنے قالب میں کر چکا تھا۔ غرض مہذب دنیا کے ایک بڑے حصے پر عرب مسلمانوں کی فتوحات کے پرچم لہرا رہے تھے۔ اور کوئی طاقت ان کے مدمقابل آنے کا خیال تک نہ کر سکتی تھی ایسی حالت میں اسپین جو کہ سیاسی بدنظمی (سیاسی بدنظمی کا تذکرہ اسی باب کے اگلے حصے "مفتوح" میں تفصیل سے دیا گیا ہے۔) کا بری طرح شکار ہو رہا تھا عربوں کی عقابی نظروں سے کیسے پوشیدہ رہ سکتا تھا۔

اسپین پر مسلمانوں کے حملہ کی ابتدا ۲۷ھ حضرت عثمانؓ کے زمانے میں ہوئی حضرت عثمانؓ نے حضرت عبداللہ بن نافع بن حصین اور حضرت عبداللہ بن نافع بن عبدالقیس کو افریقہ کے راستہ اسپین پر حملہ کرنے کی غرض سے بھیجا تاکہ قسطنطنیہ اندلس کی راہ سے آسانی سے فتح ہو جائے اور یہ لوگ بشارت رسول اللہ کے مستحق ہو جائیں جو قسطنطنیہ فتح کرنے والوں کو آپؐ نے دی تھی۔ یہ مجاہدین اسپین پر حملہ آور ہوئے اور اس کے بعض شہروں پر قبضہ بھی کر لیا جس کا ثبوت

طبری ج ۵ ص ۸۱۶ و ابن اثیر ج ۳ ص ۴۲

مغربی مورخ گبن کی کتاب (Fall of Roman Empire) نے عثمان رضی
ہی کے زمانے میں ان غارت گروں کی جماعت نے اندلس کے ساحل کو تاراج کیا۔ اسپین پر دوسرا
حملہ حضرت معاویہ رضؓ کے زمانے میں اس وقت کیا گیا جبکہ معاویہ بن خدیج افریقہ کے والی تھے۔ اس
حملے کی تفصیلات کا پتہ نہ چل سکا۔ تاہم یہ حملے کسی بھی صورت میں بااثر اور پائیدار نہ تھے حقیقی فوج
کشی جو اسپین کی فتح کی نیت سے کی گئی تھی وہ طارق بن زیاد کی سرکردگی میں کی گئی تھی۔

طارق بن زیاد کے اسپین پر حملہ آور ہونے کے حقیقی اسباب کا مطالعہ تو ہم اس باب کے دوسرے
حصے "مفتوح" میں کریں گے۔ البتہ اس خاص واقعہ کی طرف اشارہ کرنا ضروری ہے جس کی وجہ سے
عربوں کو اسپین میں داخل ہونے کا موقع ملا۔ اسپین میں یہ دستور تھا کہ امرائے سلطنت اور گورنر اپنے
بچوں کو شاہی آداب سیکھنے کے لئے شاہی محل میں بھیجا کرتے تھے۔ یہ بچے ضمانت کے طور پر بادشاہ اسپین کے
قبضہ میں رہتے تھے اور سن بلوغ کو پہنچتے ہی گھروں کو واپس بھیجدیئے جاتے تھے۔ گو شمالی افریقہ پر پوری
طرح مسلمانوں کا قبضہ ہو چکا تھا لیکن سبتہ علاقے کے کچھ اضلاع ابھی تک حکومت اسپین کی
سیادت میں داخل تھے۔ ان اضلاع کا دارالحکومت سبتہ (Ceuta) تھا۔ جس کا گورنر کاونٹ جولین
تھا جسے عربی میں یلیان بولا جاتا ہے یہ شخص اسپین کے سابق شاہ وٹیزا کا داماد تھا رسم کے مطابق اس نے
بھی اپنی لڑکی فلورنڈا کو طلیطلہ (Toledo) میں شاہ راڈرک کے محل میں تعلیم و تربیت کے لئے
بھیجدیا تھا۔ جب وہ جوان ہوئی تو راڈرک اس کے حسن و جمال پر فریفتہ ہو گیا اور بادشاہت کے
غرور اور طاقت کے نشے میں چور ہو کر لڑکی کے دامن عصمت کو تار تار کر دیا۔ لڑکی نے بڑی مشکل سے
یہ اطلاع اپنے باپ جولین کو بھیجی۔ جولین اس شرمناک واقعہ سے سخت غضبناک ہوا اور غم و غصہ سے
پاگل ہو کر اس نے مذہبی تفریق کو بھی ایک طرف رکھدیا۔ شاہ راڈرک سے انتقام لینے کی خاطر اس
نے مسلمانوں سے سلسلۂ جنبانی شروع کر دی سب سے پہلے وہ اپنی لڑکی فلورنڈا کو حیلے بہانے سے
طلیطلہ سے واپس لے آیا اور راڈرک کی اس درخواست پر کہ "سنا ہے افریقہ کے باز اچھے ہوتے ہیں چند
باز بھیجدینا"، اس نے یہ جواب دیا کہ "اگر میں زندہ رہا تو ایسے باز بھیجوں گا جن کو آپ نے کبھی نہ دیکھا
ہوگا"، اشارۃً اس کو کہہ آیا کہ وہ کن بازوں کو بھیجے گا۔

یہ زمانہ دولت بنو امیہ دمشق کی سیاست کا دورِ عروج تھا موسیٰ بن نصیر

▲ گبن ج ۵ ص ۵۵۵

اور بیدار مغز شمالی افریقہ کا والی تھا۔ اتنا زبردست مدبر اور فاتح تھا کہ چند برسوں ہی میں سرکش اور باغی بربروں کی خوب گوشمالی کر کے شمالی افریقہ کو از سر نو مطیع کر لیا۔ اور حکومتِ دمشق کی ایسی دھاک بٹھائی کہ کسی نے بغاوت و سرکشی کا نام تک نہ لیا۔ شمالی ساحلِ افریقہ کو بحری قزاقوں اور عیسائی لٹیروں سے محفوظ رکھنے کے لئے وہ اسلامی دستوں کو بحر روم کے مختلف جزیروں میں چھاپے مارنے کے لئے بھیجتا رہتا تھا۔ طنجہ کا علاقہ بھی اس نے کاؤنٹ جولین سے چھین کر اسلامی قلمرو میں شامل کر لیا تھا۔ اور طارق بن زیاد کو وہاں کا والی بنایا تھا۔ گو سبتہ کا علاقہ جولین ہی کے قبضے میں تھا لیکن اس پر بھی دو بار فوج کشی کی جا چکی تھی صرف جولین کی اپنی مدافعت تھی جو اس علاقے کو مسلمانوں سے ابھی تک محفوظ رکھے ہوئے تھی۔ جولین نے آبین سے واپس آتے ہی طارق بن زیاد والیٔ طنجہ سے دوستی کے مراسم پیدا کر لئے۔ خود اس نے مسلمانوں کی اطاعت قبول کر لی۔ اور ان کو آبین پر حملہ کرنے کی دعوت دی۔ طارق نے جولین کی اس پیش کش کو موسیٰ بن نصیر تک پہنچا دیا۔ موسیٰ اور جولین میں براہ راست خط و کتابت بھی ہوئی چنانچہ جب جولین نے موسیٰ بن نصیر کو اپنی اطاعت قبول کرنے کی اطلاع دی اور سبتہ آنے کی دعوت دی تو موسیٰ نے اس موقع سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی اور وہ بقول ابن اثیر ۹۰ھ میں قیروان سے سبتہ آیا۔ علامہ مقری صاحب نفح الطیب کا بیان ہے کہ جولین خود سبتہ سے قیروان گیا تھا۔ جولین نے موسیٰ کا زبردست خیر مقدم کیا اور اس کو آبین کے سیاسی، معاشی اور دیگر حالات خوب بڑھ چڑھ کر بتائے اور آبین پر حملہ کرنے پر اکسایا۔ مزید یہ کہ اپنی مدد اور اعانت کا بھی پورا پورا یقین دلایا۔

موسیٰ بن نصیر جہاندیدہ آدمی تھے انہوں نے جولین کی باتوں کو غور سے سنا اور اس جیسے بہادر دشمن کی باتوں کا بغیر آزمائے ہوئے یقین کر لینا انہوں نے عقلمندی نہ سمجھا۔ دوسرا یہ کہ آبین کی حکومت اور جولین کے تعلقات خراب ہونے کا کوئی واضح اور اعلانیہ ثبوت اب تک بہم نہ پہنچا تھا چنانچہ انہوں نے کھلے الفاظ میں جولین سے کہا کہ وہ حکومت آبین سے کھلے طور پر تعلقات خراب کرنے کے لئے خود لشکر لے کر چھیڑ چھاڑ کرے۔ تاکہ آئندہ سبتہ کی جگہ حکومت کو مسلمانوں سے انحراف کا موقع نہ ملے۔ جولین نے موسیٰ کی اس بات کو تسلیم کر لیا۔ اور ایک مختصر لشکر کو دو جہازوں میں سوار کر کے آبین کے ساحلی شہر جزیرہ خضرا کی طرف بھیجا۔ جو معمولی چھیڑ چھاڑ اور لوٹ مار کر کے

سبتہ واپس آگیا۔ موسیٰ کو اس حملے کی اطلاع ملی تو اس کو جولین کی سچائی میں کوئی شبہ باقی نہ رہا۔ چنانچہ انہوں نے ولید بن عبدالملک خلیفہ دمشق کو پورے حالات سے مطلع کر کے اسپین پر حملے کی اجازت چاہی۔ دربار دمشق میں موسیٰ بن نصیر کے دوست دشمن دونوں موجود تھے چنانچہ دشمنوں کو موسیٰ کی کامیابیاں ایک آنکھ نہ بھاتی تھیں جیسے ہی ان کو موسیٰ کی اس درخواست کی خبر ہوئی انہوں نے ولید بن عبدالملک کو بحر روم کے درمیان میں حائل ہونے اور صرف کثیر کے خوف سے ڈرایا تاکہ موسیٰ کی شہرت میں اضافہ نہ ہو سکے ولید کنجوس تو نہ تھا لیکن اپنی دولت کو بیجا خرچ ہوتے بھی نہ دیکھ سکتا تھا اس لئے اس نے نہایت ہوشیاری سے موسیٰ کو یہ کہکر ٹالدیا کہ "مسلمانوں کو اس بحر زخار کی ہلاکت آفرینیوں میں نہ ڈالا جائے"۔ موسیٰ کو جواب ملا تو وہ بات کی تہہ تک پہنچ گئے فوراً ہی دوسرا خط تحریر کیا جسمیں اسپین کی دولت مندی بسرسبزی و شادابی کی اس قدر تعریف کی کہ جس سے خلیفہ ولید کے منہ میں پانی بھر آیا۔ مسعودی نے لکھا ہے کہ ولید کو زیادہ سے زیادہ دولت جمع کرنے کا لالچ تھا چنانچہ اس نے موسیٰ بن نصیر کو اسپین پر فوج کشی کی اجازت دے دی لیکن اس شرط پر کہ ایک دستہ کو آزمائش کے لئے پہلے بھیجا جائے تاکہ بربادی و تباہی کے تمام اندیشے ختم ہو جائیں۔

موسیٰ بن نصیر نے خلیفہ کی اجازت ملتے ہی ایک مختصر فوجی دستہ اپنے مولیٰ (آزاد کردہ غلام) طریف بن مالک کی سرکردگی میں اسپین پر حملے کے لئے روانہ کیا جسمیں چار سو مجاہدین شامل تھے۔ یہ لوگ چار کشتیوں میں سوار ہو کر جنوب مغربی اسپین کے ساحل پر اترے اور ساحلی شہر جزیرۂ خضرا میں داخل ہو گئے وہاں لوٹ مار کر کے کثیر مال غنیمت اور قیدیوں کا انبوہ ساتھ لیکر بخیر و خوبی واپس آگئے طریف کی مہم کی کامیابی اسپین کی فتح کا پیش خیمہ ثابت ہوئی موسیٰ نے اسپین پر ایک بڑے حملے کا اعلان کر دیا جو حق در حق لوگ اس مہم میں شامل ہونے کے لئے آنے لگے یہاں تک کہ ایک عظیم الشان لشکر تیار ہو گیا۔ موسیٰ نے اپنے قابل اعتماد اور لائق مولیٰ طارق بن زیاد کو اس لشکر کا سپہ سالار بنایا جس نے آگے چل کر فاتح اندلس کا لقب پایا۔ اس درمیان میں کہ یہ عظیم لشکر اسپین روانہ کیا جاتا آزاد نو مسلم بربر قبیلے کے کچھ افراد نے ابوزرعہ نامی ایک سردار کی ماتحتی میں مال غنیمت کے لالچ میں چپکے سے جزیرۂ خضرا پر حملہ کر کے وہاں لوٹ مار

بھی کی اور وحشت و بربریت کا مظاہرہ بھی کیا جس کو عام طور پر مورخین نے طریف بن مالک اور طارق بن زیاد کی طرف منسوب کر دیا ہے جو صحیح نہیں ہے۔[1]

طارق بن زیاد نسلاً بربر اور افریقہ کا باشندہ تھا موسیٰ بن نصیر کے آزاد کردہ غلاموں میں سے تھا۔ زبردست فوجی خدمات پر مامور رہا اور اپنے آقا کے ساتھ بڑے کارہائے نمایاں انجام دیئے۔ موسیٰ نے اس کو صوبہ طنجہ کا والی بنا دیا تھا۔ کاؤنٹ جولین سے اس کے مراسم پہلے سے قائم تھے۔ چنانچہ فتح اسپین کی ابتدائی گفتگو میں شریک رہا۔ کیونکہ بڑے حملے کے لئے لشکر کی تیاری میں بربروں نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا جس سے ان کی اتنی کثرت ہو گئی کہ سپہ سالاری کے لئے بلاشبہ طارق بن زیاد سے بہتر کوئی نہیں ہو سکتا تھا۔ جولین نے حسب وعدہ اپنے چار جہاز مسلمانوں کے لشکر کو اسپین تک پہونچانے کے لئے دیئے۔ اور طارق سات ہزار کا لشکر لیکر اسپین کی طرف روانہ ہوا۔ جس میں صرف تین سو عرب اور باقی بربر تھے۔ جتنا لشکر ان چار جہازوں میں سوار ہو سکتا تھا سوار ہوا اور کاؤنٹ جولین کی راہنمائی میں اسپین کی طرف روانہ ہوا۔ یہ اسلامی لشکر دوشنبہ (پیر) کے روز ۵ رجب ۹۲ھ کو اسپین کی ایک ساحلی پہاڑی پر اترا جو بعد میں طارق سے منسوب ہو کر جبل الطارق کہلائی۔ یہ جہاز سب کو اتار کر دوبارہ واپس ہو گئے تاکہ باقی ماندہ فوج کو لے آئیں۔ اثنائے راہ میں کہ ابھی جبل الطارق نہ پہونچے تھے طارق بن زیاد نے خواب میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مع مہاجر و انصار کے حالت جنگ میں دیکھا کہ تلواریں لٹکائے اور کمانیں چڑھائے ہوئے ہیں آپؐ طارق سے فرما رہے ہیں "طارق! اسی شان سے قدم بڑھائے جاؤ" پھر آپؐ نے اس کو مسلمانوں کے ساتھ نرمی سے پیش آنے اور اپنے وعدوں کو پورا کرنے کی ہدایت کی۔ اس کے بعد طارق نے دیکھا کہ حضورؐ مع تمام صحابہؓ کے اسپین کی سرزمین میں داخل ہو گئے ہیں۔ اور طارق ان کے پیچھے ہے۔ اس مقدس خواب سے طارق کی ہمت بلند ہو گئی اور اس نے یہ مژدۂ فتح و کامرانی اپنے ساتھیوں کو بھی سنایا جس کو سن کر تمام لشکریوں کی ہمتیں بلند ہو گئیں۔ اور ان کو اپنی فتح و کامرانی کا پورا پورا یقین ہو گیا۔

طارق چند دنوں تک اس پہاڑی پر مقیم رہا یہاں تک کہ باقی لشکر بھی افریقہ سے اس کے ساتھ آملا۔ انتظامات مکمل کرنے کے بعد فوجی نقل و حرکت شروع کی اور سب سے پہلے عبدالملک

[1] علامہ مقری نفح الطیب ج ۱ ص ۱۱۸ و ۱۱۹

المعافری کو قدیم ساحلی شہر کارتیہ کو فتح کرنے کے لئے بھیجا جس نے بلا مزاحمت اس شہر پر قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد جزیرۂ خضراء پر طریف بن مالک ہی کو قبضہ کرنے کے لئے بھیجا جس نے اس پر آسانی سے قبضہ کر لیا۔ طارق نے ان علاقوں کو اپنا مسکن بنایا اور خود کو پوری طرح مضبوط و مستحکم کر لیا۔ طارق کی آمد اور تیاریوں کی اطلاع اس علاقہ کے اسپینی گورنر تھیوڈومر (Theod Mir) کو ہوئی چنانچہ اس نے ان اجنبیوں سے مقابلہ کرنے کی نیت سے پیش قدمی کی ہی تھی کہ پہلے ہی حملے میں پسپا ہو کر پیچھے ہٹ گیا۔ راڈرک اس وقت شمالی اسپین کے علاقہ میں باغیوں سے جنگ میں مشغول تھا۔ تھیوڈومر نے تیز رفتاری سے اس اطلاع کے ساتھ ایک قاصد روانہ کیا: "کہ ہماری زمین پر ایک قوم اتر پڑی ہے ہم نہیں جانتے کہ یہ آسمان سے نازل ہوئی ہے یا زمین سے نکل پڑی ہے۔ اور کاؤنٹ جولین ان کی راہنمائی کر رہا ہے۔"[1]

راڈرک اس ناگہانی افتاد سے گھبرا کر دارالحکومت واپس لوٹ آیا اور ملک میں عام فوجی بھرتی کا اعلان کر دیا۔ لوگوں سے حملہ آوروں کو ملک سے نکالنے کی عام اپیل کی جس سے جوق در جوق لوگ فوج میں شرکت کے لئے آنے لگے۔ راڈرک اور پادریوں نے مذہب اور وطن اور قوم کے نام پر اپنے مخالفین کو بھی بلایا جس سے متاثر ہو کر خاندان گاتھ کے ناراض تین شہزادے بھی ایک بڑی فوج لیکر قرطبہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ قرطبہ کے باہر وادی الکبیر کے پاس مقام شقندہ فوجی چھاؤنی بن گیا۔ اور ایک لاکھ فوج جمع ہو گئی۔ طارق بن زیاد کو بھی راڈرک کی ان تیاریوں کی اطلاع ملتی رہتی تھی چنانچہ اس نے دشمن کی تمام تیاریوں کی اطلاع موسیٰ بن نصیر کو دی اور مزید کمک کا مطالبہ کیا موسیٰ خود ایک تجربہ کار فوجی تھے۔ اور حالات سے پوری طرح باخبر تھے انہوں نے پہلے ہی بہت سی کشتیاں فوج بھیجنے کے لئے تیار کرا لی تھیں جیسے ہی طارق نے کمک طلب کی فوراً ہی پانچ ہزار سپاہ روانہ کر دی گئی جس سے اسلامی لشکر کی تعداد بارہ ہزار ہو گئی۔ راڈرک قرطبہ سے جنوبی اسپین کی طرف چلا۔ طارق نے بھی اسلامی لشکر کو آگے بڑھایا۔ دونوں فوجوں کا سامنا دریائے گواڈالیٹ کے داہنے کنارے بحر محیط کے ساحل سے تقریباً ۷ میل کے فاصلہ پر مقام سریش (Xerez) میں ہوا۔ دونوں ہی جنگ کی تیاریوں میں مشغول ہو گئے۔ (اس جنگ میں مسلمانوں کی کامیابی کے اسباب آگے "مفتوح" حصے میں بیان کئے جائیں گے) مسلمان دشمن کی کثرت تعداد اور زبردست سامان جنگ سے مرعوب نظر آتے تھے۔ طارق ان کے اس

---

[1] تاریخ اندلس ص ۷۶

احساس سے بے خبر نہ تھا۔ چنانچہ اس نے اسی رات جس کی صبح کو جنگ ہونے والی تھی مسلمانوں میں جوش و ولولہ اور عزم و استقامت کی روح پھونکنے کے لئے ان کے سامنے ایک پُرزور تقریر کی جس نے مسلمانوں کے ڈوبتے ہوئے دلوں کو سنبھال لیا اور وہ پُرعزم ہو کر لڑنے مرنے اور فتحمندی سے ہمکنار ہونے کے لئے تیار ہو گئے۔ یہ ۲۷ رمضان ۹۲ھ مطابق ۱۹ جولائی ۷۱۱ء کی یادگار تاریخی صبح تھی۔

راڈرک نے میدان جنگ میں فوج کی صفیں تو درست کر لیں لیکن اس وقت تک وہ فوج کے اندرونی حالات سے بے خبر تھا کہ کس طرح تینوں گاتھ شہزادوں نے اس کے خلاف مسلمانوں سے عہد و پیمان کر لئے ہیں۔ اس نے میمنہ پر اپنے ہی شہزادوں کو متعین کیا۔ اور خود قلب لشکر میں رہا۔ ادھر طارق نے اپنے لشکر کی صفیں درست کی ہی تھیں کہ راڈرک کی طرف سے جنگ کا آغاز کر دیا گیا۔ جلد ہی راڈرک کو غداروں کا پتہ چل گیا۔ تینوں گاتھ شہزادے میدان جنگ ہی میں اس سے علیحدہ ہو گئے لیکن یہ علیحدگی راڈرک پر زیادہ اثر انداز نہ ہو سکی۔ لڑائی نے طول کھینچا اور ۲۷ رمضان المبارک سے ۵ شوال تک جاری رہی یہاں تک کہ راڈرک کو شکست ہوئی اور وہ دریائے گوادلیٹ میں ڈوب کر مر گیا۔ تاریخ آج تک اس کے غائب ہونے کی صحیح وجہ نہ بتا سکی لیکن آثار سے پتہ چلا کہ وہ دریا ہی میں ڈوب کر مرا تھا۔ اہل اسپین کی شکست سے مسلمانوں کے ہاتھ کثیر مال غنیمت آیا اور بے شمار قیدی بھی جو مسلمان فوجیوں میں تقسیم کر دیئے گئے۔ راڈرک کی سب سے بڑی غلطی یہ تھی کہ اس نے اس جنگ میں اپنی پوری طاقت جھونک دی تھی جس کے نتیجے میں اس کی شکست کے بعد دور دور تک مسلمانوں کا راستہ روکنے والا کوئی نہ تھا۔ طارق نے اسپین کے جنوب مغربی علاقے کا رُخ کیا۔ سب سے پہلے صوبہ قادس کے شہر شذونہ (Sadonia) پر قبضہ کر لیا اس کے بعد قرطبہ کے مغرب میں ایک شہر حصن المدور (Almadouer) پر قابض ہو گیا اور پھر اشبیلیہ سے ۲۵ میل دور مشرق میں شہر قرمونہ (Carmona) پر قبضہ کر لیا۔ اور مسلمان جلد ہی تاریخی شہر اشبیلیہ کی فصیلوں تک پہنچ گئے۔ اہل شہر نے خاموشی سے جزیہ ادا کرنے پر معاہدہ کر لیا اور شہر مسلمانوں کے حوالے کر دیا۔ اسی اثنا میں اطلاع ملی کہ راڈرک کے بہت سے سردار شہر استجہ (Ecija) میں جمع ہو رہے ہیں چنانچہ طارق نے ادھر کا رُخ کیا۔ یہاں بھی گوادلیٹ کی جنگ کے بعد ایک دوسری خونریز لڑائی لڑی گئی اتفاق سے قلعہ کا عیسائی کمانڈر قلعہ کے باہر

طارق کے قبضہ میں آگیا اور طارق نے اس کو چند شرائط پر راضی ہونے کے سبب شہر پر قبضہ ہونے کے بعد بھی وہاں کا حاکم رہنے دیا۔ گورنر نے بھی اپنی شرائط کی پوری پابندی کی۔[1] اس شکست کے بعد اسپینی عوام اپنے مستقبل کی امیدوں سے بالکل مایوس ہوگئے۔ عوام شہروں کو چھوڑ کر پہاڑوں کی طرف بھاگ گئے۔ امراء جاگیردار اپنے خزانوں کے ساتھ طلیطلہ فرار ہوگئے جو اپنی مضبوطی و استحکام کی وجہ سے ان کی آخری پناہ گاہ تھا۔

کاونٹ جولین شروع ہی سے طارق کو مفید مشورے دیتا رہا تھا چنانچہ اس موقع پر بھی اس نے مشورہ دیا کہ اس سے پیشتر کہ اسپینی راڈرک کے بعد اس کا کوئی جانشین چن لیں اور اپنی شیرازہ بندی کریں مسلمانوں کی فوج کے چھوٹے چھوٹے دستے مختلف علاقوں کی طرف روانہ کر دیئے جائیں۔ اور پورے اسپین پر ایک ہی وقت میں قبضہ کر لیا جائے۔ اس سے قبل کہ سیاسیوں کا خوف و ہراس دور ہو اور وہ مسلمانوں کے آگے آنے کی ہمت کریں ان کی پوری طرح سرکوبی کر دی جائے۔ طارق نے اس مشورے کو قبول کر لیا۔ اس نے ایک طرف تو تمام حالات کی اطلاع موسیٰ بن نصیر کو بھیجی اور دوسری طرف فوج کے چھوٹے چھوٹے دستے تیار کر کے اہم شہروں، ترطبہ، غرناطہ، المقہ، تدمیر کی طرف بھیجے۔ اور خود فوج لیکر طلیطلہ کی طرف بڑھا۔ موسیٰ نے طارق کو آگے پیش قدمی کرنے سے روک دیا اور لکھا کہ وہ اس کے پہونچنے کا انتظار کرے۔ مگر طارق کو ایک طرف تو اسپین کے حالات سے فائدہ اٹھانے کی جلدی تھی اور دوسری طرف اس کو اس بات پر بھی ناز تھا کہ وہ موسیٰ کو سمجھا کر راضی کر لے گا۔ چنانچہ اس نے پیش قدمی جاری رکھی۔ فوجی نقطۂ نظر سے طارق کی کارروائی کی فراست پر بوجھ بوجھ پر مبنی تھی لیکن سیاسی طور پر ایک سخت غلطی تھی جس نے موسیٰ بن نصیر کو طارق کے خلاف برانگیختہ کر دیا۔ جو آگے چل کر طارق کی سیاسی زندگی کے خاتمے کا باعث بنی۔

طارق نے ولید بن عبدالملک کے غلام مغیث کی سرکردگی میں سات سو سواروں کا ایک دستہ قرطبہ کی فتح کے لئے روانہ کیا۔ مغیث نے جاسوسوں کے ذریعہ قرطبہ کے اندر کے حالات معلوم کر کے ایک تاریک رات میں شہر پر حملہ کر کے اس پر قبضہ کر لیا۔ حاکم شہر

---

[1] نفح الطیب ج ۱ ص ۱۲۲۔ ابن اثیر ج ۴ ص ۴۴۵

اور بہت سے عیسائی سینٹ جارج کلیسا میں قلعہ بند ہو گئے جو شہر کے مغربی حصے میں واقع تھا مسلمانوں نے اس کا محاصرہ کر لیا اور سب سے پہلے اس نہر کو بند کر دیا جس سے کلیسا میں پانی جاتا تھا پھر بھی عیسائیوں نے ہتھیار نہ ڈالے۔ آخر کار مغیث نے کلیسا کو جلا دینے کے لئے اس کے گرد آگ جلوا دی مجبوراً عیسائیوں نے اطاعت قبول کر لی قرطبہ پر مسلمانوں کا حملہ ماہ شوال ۹۲ھ مطابق ماہِ اگست ۷۱۱ء میں ہوا اور محرم ۹۳ھ مطابق اکتوبر نومبر ۷۱۱ء میں یہ شہر مسلمانوں کے قبضہ میں آگیا۔

ادھر جو دستہ فوج مالقہ کی طرف روانہ کیا گیا تھا۔ اس نے نہایت آسانی سے اس شہر پر بلا مزاحمت قبضہ کر لیا۔ شہر البیرہ بھی فتح ہو گیا۔ یہ شہر وہی ہے جہاں ایک عرصہ کے بعد شہر غرناطہ کی بنیاد پڑی۔ بعد ازیں شہر ریہ فتح ہوا اور فاتح دستہ مقام اریولہ تک جا پہنچا۔ یہ شہر اس طرف کے سلسلۂ فتوحات کی آخری کڑی تھا۔ کیونکہ یہیں پہنچ کر اس علاقے کے عیسائی حاکم تھیوڈومیر سے صلح کی بات چیت شروع ہوئی تھیوڈومیر راڈرک کے زمانے میں جنوبی اسپین کا والی تھا۔ مسلمانوں کی فتوحات نے اس کو مرسیہ کی طرف جانے پر مجبور کر دیا تھا۔ اور وہ وہاں پہنچ کر لڑائی کی تیاریاں کر رہا تھا۔ کہ ریہ کے مقام پر اس نے شکست کھائی۔ اور وہ اریولہ میں محصور ہو گیا۔ اس مقام پر اس نے مسلمانوں کو اپنی فوج کی نمائشی کثرت دکھا کر مرعوب کر دیا اور وہ اس سے آسان شرائط پر صلح پر آمادہ ہو گئے چنانچہ یہ پورا علاقہ تھیوڈومیر کے قبضہ اقتدار میں رہا اور طارق نے بھی اسے صوبہ مرسیہ کا حاکم تسلیم کر لیا۔ اس پورے علاقے کو اسی کے نام کی وجہ سے تدمیر کہا جانے لگا۔

طلیطلہ شاہان گاتھ کا پایہ تخت تھا۔ طارق خود اس پر حملہ آور ہوا تھا۔ اسے خیال تھا کہ شاید یہاں پر اسے ایک بڑی جنگ لڑنی پڑے گی لیکن عیسائیوں کے پیر یہاں بھی نہ جم سکے۔ اور امراء و عوام کثرت سے شہر چھوڑ گئے۔ طلیطلہ کے بڑے کلیسا کا اسقف اعظم جو مطران کہلاتا تھا دم بھاگ گیا۔ اور طارق بلا کشت و خون شہر پر قابض ہو گیا۔ یہاں زر و مال کا اتنا بڑا ذخیرہ ہاتھ آیا جو اس سے پہلے اس ملک میں نہیں دیکھا گیا تھا۔ شاہان اسپین کے ۲۴ زرّین تاج بھی شہر کے ایک کلیسا سے ملے۔ جو

قیمت و خوبصورتی میں بے مثال تھے۔ طارق نے مسلمانوں اور یہودیوں کو اس شہر میں آباد کیا اور ایک گاتھی شہزادہ اوپاس کو یہاں کا حاکم مقرر کیا۔ اور خود فرار ہونے والے عیسائیوں کے تعاقب میں جبل طلیطلہ و جبل الشارات تک کو عبور کر لیا۔ ایک دوسرے قائد محمد بن الیاس کو دوسری سمت بھیجا جس نے وادی الحجارہ پر قبضہ کر کے بے شمار مال غنیمت حاصل کیا۔ طارق ۵۰ میل آگے نکل کر مقام قلعۃ النہر کے قریب ایک ایسی آبادی میں پہونچا جہاں طلیطلہ کے سب سے زیادہ بیش قیمت خزانے چھپا کر رکھے گئے تھے جس پر طارق نے آسانی سے قبضہ کر کے تمام مال و دولت حاصل کر لیا۔ یہیں پر وہ تاریخی مائدہ (کھانے کی میز) ہاتھ لگی جس کے متعلق مشہور تھا کہ یہ سلیمان علیہ السلام کی میز ہے۔ یہ مائدہ ٹھوس سونے کی تھی جس کے ۳۶۵ پائے تھے اور وہ بیش قیمت جواہرات، یاقوت، زمرد اور موتیوں سے مزین تھی مسلمان اس میز کی مناسبت سے اس شہر کو مدینۃ المائدہ کہنے لگے۔ اس کے بعد طارق نے اسپین کے شمالی علاقے کا رخ کیا اور صوبہ لیون کے شہر اشتورقہ پر قبضہ کر لیا۔ پھر شمالی مغربی گوشہ میں صوبہ جلیقیہ پر حملے کئے اور کثیر مال و دولت حاصل کیا۔ یہ مہمیں کوئی مستقل قبضہ کے لئے نہیں بھیجی گئی تھیں۔ بلکہ ان کا مقصد صرف اتنا تھا کہ عیسائیوں کے اجتماع کو منتشر رکھیں اور ان سے طلیطلہ کے خزانے چھین لیں۔ چنانچہ طارق اس مقصد میں کامیاب رہا۔

موسیٰ بن نصیر کو طارق کی حکم عدولی کی اطلاع مل چکی تھی۔ چنانچہ وہ طارق کو حکم عدولی کی سزا دینے اور اس کے ہاتھوں سے اسپین کی باگ ڈور چھیننے کے لئے خود اسپین کے سفر پر روانہ ہوا۔ اس نے افریقیہ میں اپنے لڑکے عبداللہ کو نائب بنایا اور خود اٹھارہ ہزار فوج لیکر جس میں عرب اور بربر کے ممتاز قائدین بھی شامل تھے۔ ماہ رمضان ۹۳ھ مطابق ماہ جون ۷۱۲ء میں جزیرہ خضرا کے پاس ایک پہاڑی پر اسپین کی سرزمین پر اترا۔ کاؤنٹ جولین پہلے ہی رسد سے آن کر مل چکا تھا اور حسب معمول اس کا بھی مشیر خاص تھا۔ موسیٰ بن نصیر نے عمداً اپنے سفر میں اس راستہ کو اختیار نہ کیا جسے طارق نے اختیار کیا تھا۔ اس کی وجہ اول تو یہ تھی کہ خود اس کی فوج کو جوہر دکھانے کے مواقع موجود تھے۔ دوسرے یہ کہ وہ طارق سے کسی صورت میں پیچھے رہنا نہیں چاہتا تھا۔ اس لئے اس نے ان علاقوں کا رخ کیا جو غیر مفتوحہ تھے۔ یا پھر مسلمانوں کی غیر موجودگی میں سرکشی پر آمادہ ہو گئے تھے۔ سب سے پہلے اس نے شہر شذونہ کی بغاوت کو ختم کیا اور اس کو مستقلاً مسلمانوں کی عملداری میں لے لیا۔ اس کے بعد

▲ مقری ج ۱ ص ۱۱۲ و ۱۱۳، ابن اثیر ج ۴ ص ۴۴۶

قسطونہ کی باری آئی۔ یہاں کے عیسائیوں نے بڑی طاقت جمع کر رکھی تھی لیکن کاؤنٹ جولین کی تدبیر سے یہ شہر بھی مسلمانوں کے قبضہ میں آگیا اس کے بعد موسیٰ نے مشہور شہر اشبیلہ کا رُخ کیا۔ اشبیلہ کے باشندوں نے طارق سے جزیہ کی شرط پر رستگاری حاصل کر لی تھی لیکن کلی طور پر مسلمانوں کی اطاعت قبول نہ کی تھی۔ موسیٰ کے پہنچتے ہی شہر والے محصور ہو گئے۔ چند ماہ تک محاصرہ جاری رہا لیکن پھر ہتھیار ڈال دیئے گئے۔ شہر کی دولت و املاک مسلمانوں کے قبضہ میں آئیں۔ عیسائی عمائد و رؤسا ترک سکونت کر کے باجہ چلے گئے۔ موسیٰ نے مسلمانوں اور یہودیوں کو یہاں آباد کر دیا۔[1]

موسیٰ نے اب غیر مفتوحہ علاقہ کی طرف توجہ کی اور مغربی اسپین کے مشہور شہر ماردہ پر حملہ آور ہوا۔ اہل ماردہ نے محصور ہو کر جم کر مقابلہ کیا اور جب کافی عرصے تک شہر فتح نہ ہوا تو موسیٰ نے نقب زنی کا ہتھیار دوبارہ استعمال کیا۔ مسلمانوں کے استقلال کے آگے اہل شہر نے ہتھیار ڈال دیئے چند شرائط پر معاہدہ ہو گیا۔ مسلمان ۹۴ھ میں عید کے دن (۳ جون ۷۱۳ء) کو شہر میں داخل ہو گئے۔ اسی اثنار میں موسیٰ کو شہر اشبیلہ کے مسلمانوں پر ظلم و تشدد کی اطلاع ملی۔ انہوں نے اپنے لڑکے عبدالعزیز کو ایک لشکر کے ساتھ بھیجا جس نے عیسائیوں کو پوری سزا دی اور خود اشبیلہ ہی میں قیام کیا۔ اس کے بعد لبلہ اور باجہ کو جو اشبیلہ کے نواح میں تھے اپنے قبضہ میں کر کے عیسائی عمائدین اور امرا کو وہاں سے نکال دیا۔ نیز ماردہ کے پورے علاقے کو مطیع کرنے کے لئے دستے بھیجے گئے۔

موسیٰ اور طارق کی ملاقات ابھی تک نہ ہوئی تھی۔ موسیٰ نے ماہ شوال ۹۴ھ کے خاتمے پر ماردہ سے نکل کر طلیطلہ کا رُخ کیا۔ طارق نے طلیطلہ سے نکل کر طلبیرہ میں اس کا استقبال کیا۔ موسیٰ اپنے غصہ کو برداشت نہ کر سکا اور فوراً ہی طارق پر برس پڑا۔ کہا جاتا ہے کہ نافرمانی کی پاداش میں کوڑے بھی لگائے۔[2] گو ان کی یہ پہلی ملاقات ناخوشگوار رہی۔ لیکن موسیٰ نے سخت و سست کہہ کر معاملہ ختم کر دیا۔ اور طارق کو اس کے اپنے منصب پر قائم رکھتے ہوئے ہراول دستوں کا قائد بنا دیا۔ موسیٰ نے فوج اور مال غنیمت کا جائزہ لیا تاکہ نئی مہمات میں دقت نہ ہو اس کے بعد نئے سرے سے مہمات کا آغاز کر دیا۔ طارق مقدمۃ الجیش پر بدستور متعین مقامات پر پہلے سے فوج لیکر جاتا۔ موسیٰ پورا لشکر لے کر اس کے پیچھے پیچھے آجاتا۔ اس طرح شہر پر شہر فتح ہوتے چلے گئے۔ مسلمانوں کے لشکر نے طلیطلہ سے قدم نکالے اور شمال مغربی اسپین کا رُخ کیا۔ کسی مقام پر بھی عیسائیوں نے کوئی قابل ذکر مقابلہ نہیں کیا یہاں تک

---

[1] تاریخ اندلس ج ۱ ص ۱۰۹ [2] ڈوزی ص ۲۳۲

کہ صدر مقام سرقسطہ بھی مسلمانوں کے قبضہ میں آگیا۔ جس سے پورے شمالی اسپین پر مسلمانوں کا قبضہ ہوگیا۔ یہاں سے چھوٹے چھوٹے دستے علاقے میں پھیلائے گئے اور پورا علاقہ مطیع ہوگیا۔ اس کے بعد شمال مشرقی حصے کی طرف مہم بھیجی گئی۔ چنانچہ جلد ہی اس علاقے کے مشہور شہر برشلونہ، طرکونہ اور جرندہ مسلمانی حکومت میں شامل کرلئے گئے۔ شمال مشرقی حصے کے بعد فوجی نقطۂ نظر سے مسلمانوں کی نظریں جنوبی فرانس کی سرحدوں پر پڑنے لگیں چنانچہ موسیٰ نے جنوبی فرانس کی طرف اپنی پیش قدمی جاری رکھی یہاں تک کہ اس علاقے کے تین مشہور شہر اربونہ، حصن لوزون اور نیون پر مسلمانوں کا اقتدار قائم ہوگیا۔ گو بعد میں اس علاقہ کے لئے عیسائیوں سے کافی جنگیں ہوئیں۔ اور مسلمانوں کو بہت نقصان اٹھانا پڑا لیکن پھر بھی یہ علاقہ مسلمانوں کے ہاتھ سے نہ نکل سکا۔ جنوبی فرانس کے اس علاقے میں مسلمانوں کو عربی زبان میں نصب شدہ ایک کتبہ ملا جس پر یہ عبارت لکھی ہوئی تھی "یہ بنو اسماعیل! یہ تمہاری آخری حد ہے۔ اس سے آگے بڑھنے کی کوشش نہ کرنا"۔ اس کتبہ نے ضعیف الاعتقاد لوگوں کو متزلزل کر دیا۔ موسیٰ نے بھی حالات کا اندازہ کرکے اپنے لشکر کا رُخ اسپین کے غیر مفتوحہ علاقے صوبہ جلیقیہ کی طرف موڑ دیا۔ موسیٰ کی پیش قدمی جلیقیہ کی طرف جاری تھی۔ کہ اثناء راہ میں خلیفہ ولید کا قاصد مغیث پہونچا۔ اور موسیٰ کو خلیفہ کا یہ پیغام دیا کہ فوراً اپنی کارروائیوں کو روک کر دمشق روانہ ہوجائے۔ موسیٰ نے مغیث کو سمجھا کر کچھ مہلت لے لی۔ اور جلیقیہ کی مہم کے خاتمے کی کوشش میں مصروف ہوگیا۔ موسیٰ فرانس سے سیدھا مغرب میں چلا تھا۔ سب سے پہلے سرزمین لشکنس میں صوبہ اشتوریاس پہونچا۔ پھر صوبہ جلیقیہ میں داخل ہوا۔ شہر لک پر قبضہ کرلیا۔ اور یہاں سے مختلف علاقوں میں دستے روانہ کئے۔ چنانچہ عرب مورخین کے بیان کے مطابق لک کے شمال میں خلیج بسکے کے کنارے صخرۂ بلائی اور اس سے جنوبی گوشہ پر ترگال کے مشہور شہر بیزویا باذو پر قبضہ کرلیا۔ کچھ ہی عرصے میں اسپین کے شمالی مغربی علاقے کا ایک بہت بڑا حصہ فتح ہوگیا۔

ابھی اس علاقے کی فتوحات پایۂ تکمیل تک نہ پہونچی تھیں۔ کہ دربار خلافت سے ایک دوسرا قاصد ابونصر آیا۔ اور اس نے خلیفہ کا فوری واپسی کا پیغام سنایا اب تاخیر کا کوئی موقع نہ رہا تھا موسیٰ نے لشکر کو واپسی کا حکم دیا اور شمال مغربی اسپین کی مہم کو ناتمام چھوڑ کر جنوب کی سمت روانہ ہوئے۔ طارق کو شمال مشرقی اسپین کی مہم سے واپس بلالیا گیا اور دونوں طلیطلہ واپس آئے۔ مال غنیمت کا انبار ایک

جا کیا اور اشبیلیہ کی سمت روانہ ہوئے۔ اور واپسی کے انتظامات کرنے لگے۔

دونوں فاتحین آپس میں ماہ ذی الحجہ ۹۵ھ میں آپس سے واپس ہوئے۔ طارق بن زیاد اس ملک میں تین سال ۴ ماہ اور موسیٰ بن نصیر دو سال چار ماہ رہے اس مختصر مدت میں اس وسیع رقبہ پر مسلمانوں کی سلطنت قائم ہوگئی جس کے والی بعد میں حسب ضرورت کبھی افریقیہ اور کبھی دمشق سے نامزد ہو کر آتے رہے۔ ۴۰۔ ۴۲ سال تک یہی سلسلہ جاری رہا۔ یہاں تک کہ بنو امیہ کے شہزادے عبدالرحمٰن بن معاویہ بن ہشام بن عبدالملک نے آزاد اموی حکومت کی بنا ڈالی۔

مفتوح

سیاسی و نظمی بدحالی

جیسا کہ اوپر واضح کیا جا چکا ہے کہ گاتھک حکومت کا آغاز سلطنت روم کے زوال سے شروع ہوتا ہے۔ سلطنت روم سے ان کی آویزش تیسری اور چوتھی صدی عیسوی میں ہوئی۔ پانچویں صدی عیسوی میں تھیوڈرک اعظم مشرقی گاتھک حکومت کا بانی ہوا جس کا پایۂ تخت اٹلی تھا۔ مغربی گاتھ پانچویں صدی عیسوی میں اسپین میں اپنی حکومت قائم کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ ان کی حکومت کا نظام ایک شاہی کونسل اور ایک صحیفۂ قوانین پر تھا۔ شاہی کونسل کے ارکان معزز پادری اور صدر بادشاہ ہوتا تھا۔ ایک طرف بادشاہ پادریوں کے عزل و نصب کے اختیار رکھتا تھا تو دوسری طرف بادشاہ کی تخت نشینی پادریوں کی منظوری کے بغیر ممکن نہ تھی۔ رفتہ رفتہ پادریوں نے اپنی طاقت اس قدر بڑھالی کہ حکومت کی باگ ڈور پورے طور پر ان کے ہاتھوں میں آگئی امرا رؤسا نے بھی پادریوں کے نقش قدم پر چل کر اقتدار حاصل کرنے کی کوشش کی جس میں وہ کسی حد تک کامیاب رہے۔ چھٹی صدی عیسوی میں رومن کیتھولک مذہب کا دور دورہ ہوا۔ جس سے پادریوں کے اقتدار میں غیر معمولی اضافہ ہوا۔ وہ پوری طرح حکومت کے سیاہ سفید کے مالک بن گئے۔ یہاں تک کہ شاہ اسپین بھی ان کا دست نگر بن کر رہ گیا جس سے بادشاہ اور پادریوں کی کشمکش میں اضافہ ہو گیا لیکن پادریوں کا زور پھر بھی کم نہ ہوا۔ یہی وہ زمانہ ہے جبکہ یہودیوں پر مظالم کی انتہا ہوئی۔

آٹھویں صدی عیسوی میں پادریوں میں جاہ طلبی۔ عیش پرستی۔ عیاشی۔ رشوت ستانی انتہا کو پہنچ گئی۔ اسقف اعظم کا محل فتنہ و فساد کی آماجگاہ بن گیا۔ سلطنت کے کام گو پھر بھی چلتے رہے۔

لیکن پادریوں کی عیاشیوں نے امراء وارکین دربار کو بھی بے راہ روی میں مبتلا کر دیا اور وہ جاہ و منصب دولت و اقتدار کے حصول کرنے کے لئے ایک دوسرے پر بازی لیجانے کی کوشش میں سرگرم رہنے لگے۔ ذاتی اغراض کی بنا پر عوام کو بُری طرح تنگ کیا جاتا تھا خصوصاً شرفاء اور غلاموں سے ان کا سلوک بہت بدتر ہو گیا تھا اس صورت حال نے عوام کو غضبناک کر دیا اور بغاوتوں کا دور دورہ شروع ہو گیا۔ ویمبا (Wamba) شاہ آسپین نے ہوشمندی اختیار کی۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ آسپین پر مسلمانوں کے ابتدائی حملے شروع ہو چکے تھے۔ ویمبا نے مسلمانوں کا مقابلہ کیا اور ساتھ ہی ایک فوجی حکم کے تحت پادریوں کے اختیارات کو بھی ایک حد تک چھین لیا۔ پادریوں نے اس کے خلاف ایک عام بغاوت کر دی جس میں عوام و درباری دونوں شامل تھے۔ نتیجتاً اسے تخت چھوڑنا پڑا۔ اس کے جانشینوں نے وقتی طور پر پادریوں کے اقتدار کو مان لیا لیکن اس کے بعد پادریوں کے زوال کا ایک دور پھر آیا جس میں فرمانروائے آسپین کو کامیابی ہوئی اور آسپین کا اسقف اعظم اپنے عہدے سے معزول کر دیا گیا۔ پادریوں کے زوال کے ساتھ ہی یہودیوں نے ہاتھ پاؤں نکالنے چاہے اور ملک پر قبضہ کرنا چاہا لیکن ان کی اس تحریک کو کچل دیا گیا اور سینکڑوں کی تعداد میں یہودیوں کو ملک بدر کر دیا گیا۔ جو کچھ بچ گئے ان پر زندگی تنگ کر دی گئی لیکن کچھ عرصے بعد اس ظلم کی شدت میں کمی واقع ہو گئی۔

تخت آسپین پر ایک بار پھر ایک باہوش اور سمجھدار حکمراں وٹیزا (vetza) (غیطشہ) برسر اقتدار آیا اس نے اپنے حسن سلوک اور انتظام حکومت کی وجہ سے عوام میں ہر دلعزیزی حاصل کر لی یہودیوں کے ساتھ بھی اس نے رعایت و نرمی سے کام لیا۔ اس کی یہ ہر دلعزیزی زیادہ عرصے قائم نہ رہی اور جلد ہی وہ عیش و عشرت میں مشغول ہو گیا جس سے پادریوں کو قوت حاصل کرنے کے مواقع فراہم ہوئے۔ اور ایک بار پھر طاقت و اقتدار کلیسا کے پادریوں کے ہاتھوں میں چلا گیا۔

وٹیزا نے ان پادریوں کی کوئی پرواہ نہ کی کیونکہ پادریوں کا اثر مذہبی لحاظ سے عوام پر زیادہ تھا اور درباری بھی ان کے زیر اثر تھے اس لئے وٹیزا کا حشر بھی (Wamba) کی طرح ہوا اور عمر رسیدہ غیر ملکی راڈرک اس کا جانشین مقرر ہوا۔ اور اس طرح وٹیزا پر گاتھ خاندان کی حکومت کا خاتمہ ہو گیا۔ راڈرک گاتھ نسل سے نہ تھا وہ اصفہان کے کسی خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔ ۸۲ سال کی عمر میں تخت پر بیٹھا جلیقیا اور بسکے کی جنگوں میں اس نے بے حد شہرت حاصل کی تھی وہ وٹیزا کی فوج

---

[1] تاریخ اندلس ج ۱ ص ۵۹

کا سپہ سالار اعظم تھا اور عوام میں ہر دلعزیزی حاصل کر چکا تھا ابتدا میں وہ حکومت چلانے میں بے حد کامیاب رہا لیکن جلد ہی اقتدار کی نشے نے اسے لاپرواہ کر دیا جس کی وجہ سے عوام اس سے نفرت کرنے لگے۔ دوسری طرف گاتھک شہزادوں کے دلوں میں اپنی حکومت کی واپسی کا خیال پیدا ہوا کیونکہ آئبیرین کے عوام کے ایک طبقہ میں ابھی تک گاتھ شہزادوں سے ہمدردی کے جذبات پائے جاتے تھے۔ چنانچہ ایک ایسی جماعت ہو گئی جو راڈرک کو ہٹا کر قدیم گاتھک خاندان کو برسر اقتدار لانا چاہتی تھی۔

بحیثیت مجموعی شاہ آئبیرین ویمبا (Wamba) کی معزولی کے بعد سے مسلمانوں کی آمد تک کا زمانہ سیاسی انتشار اور بدنظمی کا دور ہے۔ شاہی خاندان اور امراء کے مابین اقتدار کی کشمکش نے دور دراز کے عاملوں کو اپنے اپنے علاقوں میں خود مختار ہونے کا موقع دیا مرکز کی کمزوری اور فوج کو کئی ماہ کی تنخواہ نہ ملنے کی وجہ سے حکومت میں اتنی سکت باقی نہ رہی کہ کسی بھی بغاوت کو کچل سکتی۔ افریقہ کے مقبوضات کا گورنر کاؤنٹ جولین ابھی تک تخت آئبیرین کا وفادار تھا اور محنت و جانفشانی سے مسلمانوں کے حملوں سے سبتہ (Ceuta) کو بچائے ہوئے تھا۔ راڈرک کی ناعاقبت اندیشی کی وجہ آئبیرین کے خلاف مسلمانوں کا حلیف ہو گیا اس نے موسیٰ بن نصیر کو ملک کے اندرونی سیاسی حالات کی پوری تفصیل بہم پہونچائی اور اسے مجبور کیا کہ وہ آئبیرین پر حملہ کرے۔ جہاں اندرونی طور سے یہ حالت تھی وہاں ساتھ ہی ساتھ گاتھ شہزادے بھی اپنی ریشہ دوانیوں میں مشغول تھے۔ راڈرک کی نالائقی اور عیاشی کی وجہ سے رائے عامہ گاتھ شہزادوں کی طرفدار ہوتی جا رہی تھی جس کی وجہ سے ملک میں بدانتظامی کا دور دورہ تھا۔ "یہودی برسر مفلس برگر سب ہی حکومت کے خلاف تھے اور آئبیرینیوں کو ایک متزلزل اور پادر رکاب معاشرت اپنی آغوش میں پال رہی تھی۔ رومی سرکاشتکاروں کو اپنی فوج میں بھرتی کرنے ہی لگے تھے۔ گاتھ عہد میں بھی یہ طریقہ رائج رہا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ فوج کی تعداد آزاد اور باصلاحیت سپاہیوں کی بہ نسبت زیادہ ہو گئی۔ اور ملک کی حفاظت کا بار ایسے سپاہیوں پر پڑا جو دشمن سے سازش کر لینے کو اپنے ظالم آقاؤں کی خدمت بجالانے سے بہتر سمجھتے تھے۔"[1] بہرحال نہ تو ملک میں انتظامیہ رہی تھی اور نہ ہی کسی کو انصاف بہم پہونچتا تھا۔ جگہ جگہ بغاوتیں ہونے لگی تھیں۔ ایسی ہی ایک بغاوت شمالی آئبیرین میں ہوئی جسے

[1] عبرت نامۂ اندلس۔ ج ۱ ص ۴۰۲

راڈرک خود ختم کرنے گیا ہوا تھا۔ یہ وہ وقت تھا کہ جب اسکو مسلمانوں کے حملہ آور ہونے کی اطلاع تھیوڈومیر نے دی تھی۔

ناکامی کے اسباب

جیسا کہ اوپر آپین کی سیاسی بدحالی کا ذکر ہو چکا ہے یہ بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ مفتوح یعنی اہل آپین اور راڈرک کی ناکامی کے اسباب معلوم کرلئے جائیں۔ گو ان اسباب کی تفصیل اوپر بیان کی جا چکی ہے پھر بھی آسانی کے لئے اجمالاً ان کا ذکر کر دیں۔ تاکہ ایک نظر میں سمجھا جاسکے ان اسباب کو تین حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ ۱ سیاسی اسباب ۲ معاشی و اقتصادی اسباب اور ۳ معاشرتی اور مذہبی اسباب۔

سیاسی اسباب

۱ راڈرک غاصب تھا۔ اور گاتھ خاندان سے اس کا کوئی تعلق نہ تھا۔ گاتھ خاندان کے خلاف جب پادریوں اور عوام کا اشتعال کم ہو گیا تو ان کو اپنی غلطی کا احساس ہوا کہ انہوں نے ۸۲ سالہ بوڑھے شخص کو بادشاہ بنا کر کوئی فائدہ نہ اٹھایا۔ بلکہ زبردست غلطی کی ہے۔ اس پر یہ کہ راڈرک عیاش نکلا جس کی وجہ سے اکثریت اس کے خلاف ہو گئی۔ گاتھ خاندان کو دوبارہ برسر اقتدار لانے کی سازشیں ہونے لگیں۔ اور ملک سازشوں کے جال میں پھنس کر رہ گیا۔ اس طرح ملک سیاسی لحاظ سے پوری طرح زوال پذیر تھا۔

۲ شاہ وٹیزا نے جس کو راڈرک نے قتل کرایا تھا اس بات کی کوشش کی تھی کہ عیسائی پادریوں کا زور توڑ ڈالے۔ اپنی کوششوں کو بروئے کار لانے کے لئے اس نے یہودیوں کو آگے بڑھانے کی کوشش کی لیکن یہ کوشش ناکام ہوئی۔ اور وٹیزا مارا گیا۔ یہودیوں پر زندگی تنگ ہو گئی یہاں تک کہ وہ بغاوت پر آمادہ ہو گئے اور سازشیں کرنے لگے۔ اسی قسم کی ایک سازش کا ذکر اوپر کیا جا چکا ہے۔ ملکی انتشار اور ملکی سیاست سے یہودیوں کی علیحدگی کی وجہ سے ملک علم و فضل اور سیاسی سوجھ بوجھ رکھنے والے ایک بڑے طبقہ سے محروم ہو گیا۔ ملک میں تعلیم یافتہ طبقہ یہودیوں کا تھا جن کی علیحدگی نے ملک کو ایک بہتر طبقے کی خدمات سے محروم کر دیا۔

۳ جیسا کہ لکھا جا چکا ہے کہ حکومت کے انتظام اور انصرام میں عیسائی پادری برابر کے شریک تھے جس سے شاہ آپین اور ان کے درمیان رسہ کشی رہتی تھی کیونکہ پادریوں کے اثرات

مذہبی طور پر عوام الناس پر تھے۔ اس وجہ سے وہ جب کبھی اپنی کمزوری محسوس کرتے عوام کو حکومت کے خلاف کر دیتے۔ اور شاہ کو مجبور کرتے۔ کہ وہ تخت سے دستبردار ہو جائے۔ جیسا کہ شاہ ویمبا اور شاہ وٹیزا کے ساتھ ہوا۔ اس سے حکومت کے استحکام کو شدید صدمہ پہونچا۔ اور ملک سیاسی طور پر انتشار اور بدنظمی میں پھنس کر رہ گیا۔

④ راڈرک نے بھی اپنی عیش کوشی کے لئے اقتدار پوری طرح ان عیسائی پادریوں کو سونپ دیا تھا۔ یہ پادری خود غرض، عیاش اور بے ایمان تھے۔ ان کو نہ مذہب تھا اور نہ حکومت سے ہمدردی۔ اپنے محلات بنانے اور اپنے خزانے معمور کرنے کی فکر میں ہر جائز و ناجائز طریقہ اختیار کر لیتے۔ امراء جاگیردار اور رؤسا نے جب شاہ آئین کو ان پادریوں کے ہاتھوں میں بے بس دیکھا تو ان پادریوں کو بڑی بڑی رشوتیں دے کر زیادہ سے زیادہ سیاسی اقتدار حاصل کرنے کی دوڑ میں لگ گئے۔ لاقانونیت اور بے انصافی کا دور دورہ ہو گیا۔ اور غریب عوام شہروں کو چھوڑ کر پہاڑوں کا رُخ کرنے لگے۔ ملک کی سیاسی وحدت پارہ پارہ ہو گئی۔ اور بقول ڈوزی "جو جہاں تھا خود مختار یا نیم خود مختار بن کر بیٹھ گیا"۔

⑤ سب سے اہم سبب فوج کی تنظیم تھی۔ جو سیاسی خلفشار کی نذر ہو رہی تھی۔ باصلاحیت اور تجربہ کار سپاہیوں کا فقدان تھا۔ وقتی طور سے سرف یا غلاموں کو پکڑ کر فوج میں بھرتی کر لیا جاتا تھا جن کو اکثر و بیشتر تنخواہیں بھی نہ ملتی تھیں جس کے نتیجے میں وہ دل سے حکومت کے طرفدار نہ تھے زبردستی میدان جنگ میں بھیجے جاتے اور ناکامی کا منہ دیکھتے تھے۔ راڈرک پادریوں اور امراء کی عیاشیوں نے خزانہ خالی کر دیا تھا۔ اور عوام پر ٹیکسوں کا اس قدر بوجھ تھا کہ مزید ٹیکس ادا کرنے کی سکت ہی نہیں تھی۔ ایسی حالت میں وہ بارہ ہزار جانفروشوں کے مقابلے میں کس طرح ٹھہر سکتے تھے۔

معاشی اور اقتصادی اسباب

طبقاتی نظام نے آئین کے معاشرہ میں ایسے بدکردار افراد کو جنم دیدیا تھا جو باوجود قلیل التعداد ہونے کے اکثریت پر حکمرانی کر رہے تھے سرف یا تو کاشتکار تھے یا غلام جن کی دن رات کی کمائی ان آقاؤں کے خزانوں میں جاتی۔ یہ حضرات دن عیش پرستی میں مصروف رہتے تھے۔ اگر ان غلاموں کی طرف سے کسی قسم کی کوتاہی ہوتی تو وہ مظالم ڈھائے جاتے تھے۔ کہ انسانیت شرمسار

ہو جاتی۔ ایسی صورت میں ان غلاموں کے پاس اس کے سوا کوئی چارۂ کار نہ تھا کہ وہ راہ فرار اختیار کریں۔ اور پہاڑوں میں روپوش ہو جائیں اور گھاس پھوس سے اپنا پیٹ بھریں۔ شہر اجڑنے لگے کھیتیاں سوکھ گئیں۔ اور بازار میں غلّہ ناپید ہو گیا۔ یہاں تک کہ قحط پڑنے لگا جس حکومت کے قوانین میں اتنی سکت نہ تھی کہ وہ جاگیرداروں۔ پادریوں اور رؤسا کو کسی بات پر مجبور کر سکتی۔ چنانچہ عوام کی معاشرتی و اقتصادی حالت بگڑتی چلی گئی جن کے پاس دولت تھی وہ بڑی بڑی قیمتوں پر اپنا آذوقہ مہیا کر لیتے۔ جو غریب تھے وہ پستے۔ اس پر یہ کہ ٹیکس بھی عوام ہی سے وصول کیا جاتا تھا خاص طور پر برگر (تجارت پیشہ) ان کا شکار تھے۔ ان تجارت پیشہ لوگوں میں بڑی تعداد یہودیوں کی تھی۔ جو صاحب مال بھی تھے اور صاحب علم و ہنر بھی لیکن جب ان پر مظالم توڑے گئے اور انہیں مذہبی تعصب کی چکی میں پیسا گیا تو ان میں سے اکثر نے راہ فرار اختیار کرنے میں ہی عافیت جانی جس کی وجہ سے تجارتی منڈیوں پر زبردست مار پڑا اور گرانی اپنے پورے شباب پر پہنچ گئی۔ چنانچہ صنعت و حرفت کے کارخانے بند ہو گئے۔ وادی الکبیر کے خوبصورت باغات ویران ہو گئے۔ عیسائی تاجروں میں اتنی ہمت نہ تھی کہ بھاری ٹیکسوں کا بوجھ اٹھاتے۔ چنانچہ انہوں نے کاروبار بند کر کے دوکانوں میں تالا لگا دیا۔ تجارتی زبوں حالی نے اقتصادی زندگی کو بری طرح متاثر کیا۔ اور حکومت کو اس سے نمٹنے کے لئے سختی کرنی پڑی یہاں تک کہ خود فوج کے سپاہی تاجروں کو ان کے گھروں سے پکڑ کر لاتے اور زبردستی دوکانیں کھلواتے تھے۔ اقتصادی بدحالی نے ملک کے خزانے پر اثر ڈالا۔ بادشاہ کو عیاشی کے لئے اور حکومت کی ضروریات کے لئے دولت کی ضرورت تھی۔ چنانچہ اس معاشی بدحالی نے چاروں طرف لوٹ مار کا بازار گرم کر دیا خود حکومت بھی اس ظلم و ستم میں شریک تھی جس سے عوام الناس کے دلوں میں شدید نفرت پیدا ہو گئی تھی۔

معاشرتی اور مذہبی اسباب

یہ بات باب اول میں بیان کی جا چکی ہے کہ خود ساختہ طبقاتی تقسیم نے اسپین معاشرہ کو تباہ کر دیا تھا اور بقول ڈوزی معاشرے کی اس تباہی نے حکومت کی بنیادیں ہلا دی تھیں۔ اقلیتی طبقہ جس میں امراء، پادری اور جاگیردار شامل تھے عیش و عشرت میں مصروف تھا اور اکثریت جس میں برگر، سرف اور غلام شامل تھے۔ بد سے بدتر حالات سے گذر رہے تھے بادشاہ

کی عیش پرستانہ زندگی کا اثر چونکہ امراء و جاگیر دار اور پادریوں پر بھی تھا اس لئے یہ لوگ بھی اس رنگ میں رنگے ہوئے تھے۔ ان سے سرد بار ایسی حرکات سرزد ہوتی تھیں جو اخلاق و انسانیت کے منافی تھیں۔ راڈرک کا فلورنڈا کے ساتھ ملوث ہونا اس بات کا کھلا ہوا ثبوت تھا کہ اسپین سے اخلاقی اقدار کا جنازہ نکل چکا تھا۔ بناہی اپنے پر پھیلائے اس بات کی منتظر تھی کہ کوئی ضرب کاری لگے۔ اخلاق سوز حرکات، معاشرتی بے راہ روی اور معاشی بدحالی اس درجے بڑھ چکی تھی کہ عیسائیت کے مذہبی قوانین تک اس کو بہتر صورت نہیں دے سکتے تھے۔ عیسائی پادری عوام الناس میں اخلاقیات کا درس دیتے پھرتے تھے لیکن خود اخلاق سوز حرکتوں کو جائز سمجھتے تھے۔ مذہب کا پرچار مخض دھوکا اور فریب تھا۔ عیسائی مؤرخین نے ان عیسائی پادریوں کی نجی زندگی کا جو نقشہ کھینچا ہے وہ عیسائیت کو شرمسار کرنے کے لئے کافی ہے۔ اسکاٹ کے بیان سے واضح ہوتا ہے کہ مذہب عیسائی پادریوں کی بدفعلیاں چھپانے کا ایک اچھا ذریعہ بن چکا تھا۔ وہ دن کو لمبے لمبے چغے پہنے، ہاتھوں میں انجیلیں لئے عوام الناس کو انسانیت کا درس دیتے پھرتے اور شب کی تنہائیوں میں کلیساؤں میں عیاشیاں اور بدفعلیاں کرتے تھے۔ کنواری مریم کے نام پر کنواری عورتوں کی عزت و آبرو ان عیاش پادریوں کے رحم و کرم پر تھی۔ اور یہ حقیقت بھی ہے کہ اسپین کا کوئی کلیسا ایسا نہ تھا جہاں یہ لڑکیاں ان پادریوں کی ہوس کا نشانہ نہ بنتی ہوں۔ یہ پادری بڑی بڑی جاگیروں کے مالک تھے۔ غلاموں کا انبوہ کثیر ان کی خدمات پر معمور رہتا تھا۔ اور مذہب کی لاٹھی ان کے پاس تھی جس سے وہ کسی بھی وقت بادشاہ، وزراء، امراء اور جاگیر داروں کو دبا سکتے تھے۔ عوام الناس ویسے ہی ان کے بس میں تھے یہودیوں پر ظلم و تشدد محض ان پادریوں کے تعصب کی وجہ سے ہوا تھا۔

غرض اس معاشرتی اور مذہبی بدحالی نے عوام کو اس حال پر پہنچا دیا کہ ان کی اکثریت کسی نجات دہندہ کی منتظر رہنے لگی۔ کہ کوئی آئے اور انہیں ان ظالموں کے پنجے سے نجات دلائے چنانچہ جس وقت انہیں مسلمانوں کی آمد کی اطلاع ملی اور مسلمانوں کی فوجیں ان کے شہروں کی طرف آئیں بیشتر شہر ایسے تھے جہاں پر کوئی مقابلہ نہ ہوا بلکہ خود عوام نے ان حملہ آوروں کا خوشی سے استقبال کیا۔ اور شہر کے دروازے ان پر کھول دیئے۔

مسلمانوں کی رواداری

مسلمانوں نے اسپین میں جہاں پر اپنی مملکت کو وسیع کیا اور اپنی حکومت کے خزانوں کو معمور

کیا وہاں انسانیت کی خدمت بھی کی اور حقیقتاً یہ بات ثابت کر دی کہ وہ اسپین کے عوام کے نجات دہندہ ہیں مسلمانوں کی فتح اسپین سے زندگی کے ہر شعبہ میں اہم تبدیلیاں رونما ہوئیں شروع شروع میں یہ خیال کیا جاتا تھا کہ مسلمان صرف مال غنیمت کے لالچ میں حملہ آور ہوئے ہیں لیکن جب انہوں نے اپنی بستیاں بسانا شروع کیں اور مساجد تعمیر کرنے لگے تب کاتھ کو اس بات کا یقین ہوا کہ ان کا ہمیشہ ہمیشہ کے لئے زوال ہو گیا ہے مسلمانوں نے اپنی روایتی رواداری کا پورا پورا ثبوت دیا نئے حکمرانوں نے خراج کی ادائیگی اور اطاعت کے یقین کر لینے کے بعد سرف، غلام اور کسانوں کی پوری طرح حفاظت کی۔ اور ان کے ساتھ پورا پورا انصاف کیا۔ عیسائیوں اور یہودیوں کو پوری مذہبی آزادی حاصل رہی۔ اور ان کے مذہبی معاملات میں کسی قسم کی دخل اندازی نہ کی گئی۔ البتہ بعض اوقات کسی خاص وجہ سے ان باتوں پر عمل نہ کیا جاتا تھا۔ جیسا کہ ڈوزی کا کہنا ہے کہ "مسلمانوں کی حکومت شروع میں عدل و انصاف پر قائم رہی لیکن رفتہ رفتہ ناانصافی نارواداری اور زبردستی ان میں رواج پا گئی"۔ جیسا کہ قرطبہ کے گرجا، سینٹ ونسنٹ کے ساتھ ہوا۔ کہ اس کو چھوڑ کر تمام گرجے مسمار کر دیئے گئے کچھ عرصے کے بعد اس بڑے گرجا کا آدھا حصہ مسلمانوں نے اپنے قبضہ میں کر لیا اور مسجد بنالی۔ اس قسم کے واقعات فتح اسپین کے بہت بعد کے ہیں جن کی ذمہ داری فاتح پر نہیں بلکہ اس فرد واحد (والی) پر ہے جو بعد کے آمرانہ دور کی پیداوار ہے شروع میں مسلمانوں نے رواداری کا بہترین مظاہرہ کیا جو معاہدہ اور شرائط طے پائی تھیں وہ مسلمانوں کے لئے بہر طور قابل احترام تھیں۔ ہوَل (Hole) کے کہنے کے بموجب "مسلمانوں کی حکمرانی کا طریقہ نرم تھا اور ان کے عائد کردہ ٹیکس کاتھ کے مقابلے میں کم تکلیف دہ تھے"۔ بعض مورخین نے مسلمانوں کی معمولی معمولی زیادتیوں کو بڑھا چڑھا کر بیان کیا ہے۔ اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ جنگ کے زمانے میں اہل اسپین کو اس وقت سخت زیادتیوں کا سامنا کرنا پڑا جبکہ انہوں نے مسلمانوں کا مقابلہ کیا اور مسلمانوں نے ان گرجاؤں اور قلعوں کو ضرور تباہ کر دیا جن میں ان عیسائیوں نے پناہ لی تھی۔ جیسا کہ قرطبہ میں مغیث نے کیا۔ لیکن اگر اہل اسپین نے اطاعت و فرمانبرداری دکھائی تو ان کو انفرادی اور مذہبی آزادی کے ساتھ ساتھ ان کی جائیدادوں اور املاک کو بھی واگذاشت کر دیا گیا۔ مسلمانوں کے اس عمل کو اہل اسپین نے اس قدر پسند کیا کہ بقول ڈوزی "کثرت سے عیسائی دائرۂ اسلام میں داخل ہو گئے۔ اسلامی شرعی قوانین کے نفاذ نے انسانوں کو آزادی و حریت کا پروانہ دیا اور ان کی جائیداد

▲ اندلس ص ۲۱۔ لندن ۱۹۵۸ء

زمینوں اور املاک کو جاگیرداروں کے پنجوں سے نکال دیا۔ اہل آئین کو اس بات کی اجازت دیدی گئی کہ وہ اپنے فیصلے اپنے ہی قانون اور اپنے ہی ججوں کے ذریعہ کر سکتے ہیں۔ فوجی خدمات کے ادا نہ کرنے والوں پر ۱۲ سے ۴۸ درہم تک سالانہ جزیہ عاید کیا گیا۔ اور وہ بھی ان لوگوں سے لیا جاتا جو برسر روزگار ہوں۔ ہولHOLE نے لکھا ہے کہ جو لوگ ابھی تک عیسائیت پر قائم تھے۔ ان کو تباہ و برباد نہیں کیا گیا بلکہ وہ آزاد تھے۔ انہیں صرف جزیہ ادا کرنا پڑتا تھا[1]۔ ٹیکس جمع کرنے والے اہل کاروں کو اہل آئین ہی میں سے نامزد کیا جاتا تھا۔ ملک کے وہ حصے جو مسلمانوں نے بزور شمشیر حاصل کئے تھے اور ایسے علاقے جو کلیسا کی ملکیت تھی۔ یا ایسے امرا کی جائدادیں جو دوسرے ملکوں میں بھاگ گئے تھے فاتحوں نے باہم تقسیم کر لی تھیں۔ لیکن تمام علاقوں سے جو فرد کاشتکار متعلق تھے ان کو مسلمانوں نے مطلقاً نہ چھیڑا۔ اور اسی حکمت عملی پر وہ ہمیشہ کاربند رہے۔ ملک کے اصلی باشندے زراعت کا کام خوب جانتے تھے۔ چنانچہ ان صرف کاشتکاروں کو حکم دیا گیا کہ جس طرح وہ زراعت کا کام کرتے رہے ہیں اسی طرح اپنا کام جاری رکھیں اور جو فصل پیدا کریں اس کے پانچ حصے کریں چار حصے حکومت کے حوالے کریں اور پانچواں خود رکھیں۔ شاہی زمینوں پر فرد کثرت سے آباد تھے یہ زمینیں ضبط شدہ جائداد کا پانچواں حصہ تھیں اس لئے انہیں پیداوار کا ایک تہائی حصہ ادا کرنا پڑتا تھا۔ ان احکامات سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ عیسائی اپنی جائداد کے بڑے حصے پر قابض رہے۔ اس کے علاوہ عیسائیوں کو اپنی جائداد کی خرید و فروخت کا بھی اختیار تھا[2]۔ حالانکہ گاتھ کے زمانے میں ان کو یہ اختیار نہ تھا۔ بہرحال مسلمانوں کی آمد سے معاشرتی انقلاب رونما ہوا۔ کاشتکاروں کو مالکانہ حقوق ملے۔ اور صاحب مراعات جماعتوں کا اقتدار تقریباً ختم ہو گیا۔ غلاموں کی حالت بہتر ہو گئی اور ان کے اوپر جو ظالمانہ حد بندیاں تھیں وہ بھی ختم کر دی گئیں۔ تمام انسانوں کو مساویانہ معاشرتی حقوق ملے۔ اور کسی قوم، ذات یا فرقہ کی تخصیص نہ کی گئی۔ مسلمانوں کی آمد کے بعد سب سے بہتر نتیجہ یہ نکلا کہ اہل آئین کو ان عیاش پادریوں سے نجات مل گئی جنہوں نے ملک کی معاشرتی حالت کو خراب کر رکھا تھا۔ تمام کلیسا حکومت کی تحویل میں آگئے اور اساقفہ کا عزل و نصب پادریوں کی ایک کمیٹی کے ہاتھ میں دیدیا گیا جس پر حکومت کی منظوری لے لی جاتی تھی۔ ڈوزی نے عیسائی کلیسا کی اس حالت پر افسوس کا اظہار کیا ہے۔ اور اس کو مسلمانوں کی کارداداری کے منافی قرار دینے کی کوشش کی ہے۔ لیکن خود اس کے بیانات کا تقاضا اس کے خیالات

---

[1] اندلس ص۲۵ [2] عبرت نامہ اندلس ص۴۱

کی عکاسی کے لئے کافی ہے

مسلمانوں کی کامیابی کے اسباب

آئیے میں مسلمانوں کی کامیابی کے اسباب کو ہم دو حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔

① عیسائیوں کے ساتھ جنگوں میں مسلمانوں کی کامیابی کے اسباب کیا تھے؟

② اور وہ اسباب جن کی بنا پر مسلمان اپنی حکومت کو برقرار رکھنے میں کامیاب رہے جہاں تک جنگوں میں عیسائیوں پر کامیابی کے اسباب کا تعلق ہے یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ آئیے کے حالات در اصل مسلمانوں کے لئے معاون ثابت ہوئے۔ عیسائیوں کی ناکامی اور شکست کے اسباب میں بتایا جا چکا ہے کہ آئیے کی سیاسی حالت ناگفتہ بہ تھی اور تقریباً تمام ہی ملک لاقانونیت اور سرکشی میں مبتلا ہو چکا تھا ایسی صورت میں ملک کی افواج کے اخلاق و کردار کا بہتر رہنا کس طرح ممکن تھا؟ رومیوں کے زمانے سے آئیے میں یہ عام قاعدہ تھا کہ سفر و غلاموں کی ایک بڑی تعداد کو معمولی فوجی تربیت دیکر لشکر میں شامل کیا جاتا۔ امراء و جاگیر دار اپنی طرف سے ان سرف اور غلاموں کو میدان جنگ میں لڑنے کے لئے بھیج دیتے تھے لیکن خود میدان جنگ سے دور رہتے اور اکثر و بیشتر غائب رہتے تھے۔ اس تعیش آمیز زندگی نے ان کی عسکری قوت کو معدوم کر دیا تھا یہی چیز انہیں میدان جنگ میں آنے سے باز رکھتی تھی۔ اگر وہ میدان میں آ بھی جاتے تو عیاشی کے باعث ان کے قوا جسمانی اس قابل نہ تھے کہ جنگ کی مشکلات برداشت کر سکتے۔ اور وہ گھوڑے پر سوار دور کھڑے صرف لڑائی دیکھنے میں مشغول رہتے تھے۔ سپہ سالار فوج بھی گو قلب لشکر میں ہوتا تھا لیکن عموماً پیچھے ہی رہتا۔ اور آگے بڑھ کر حملہ کرنے کی کوشش نہ کرتا تھا جس کے نتیجے میں تمام لشکریوں کی یہی کوشش رہتی کہ غنیم سپہ سالار یا بادشاہ تک نہ پہنچنے پائے۔ ایسی صورت میں سپاہ پیش قدمی کرنے کے بجائے ایک ہی جگہ مجتمع رہتی۔ اس کے برخلاف مسلمانوں کی حربی تنظیم تندہی اور فوجی کارکردگی پر مبنی ہوتی تھیں ہر شخص انفرادی طور سے جنگ جیتنے کے لئے مستعد نظر آتا تھا۔ فوجیوں کو زبردستی میدان جنگ میں نہیں لایا جاتا تھا بلکہ جذبہ شہادت سے سرشار، ذوق جہاد اور مال غنیمت کے حصول کے لئے وہ خود خوشی خوشی جنگ میں شرکت کرتے تھے۔ امراء کے طبقے اور جاگیر دارانہ تنظیم مسلمانوں میں نہ تھی بلکہ ہر قبیلہ کا اپنا شیخ

ہوتا تھا جو اپنے قبیلے کے آگے آگے ہوتا تھا۔ اور میدان جنگ میں اپنے قبیلے کے افراد کی ہمت افزائی کرتا تھا۔ یہ سالار قلب لشکر کا قائد ہوتا اور ہمیشہ اس بات کی کوشش کرتا تھا کہ تمام مسلمان سپاہیوں سے کچھ زیادہ ہی بہادری اور شجاعت کے جوہر دکھائے تاکہ عام سپاہ اس کی تقلید کر سکے نتیجہ یہ ہوتا کہ عام سپاہ اس کے ساتھ آگے بڑھتی رہتی تھی۔

مسلمان چست و چالاک اور تیز ہوتے تھے اور ان کو میدان جنگ میں لانے سے پہلے بہترین فوجی تربیت دی جاتی تھی۔ جو صبح و شام ہوتی تھی اور جس کی وجہ سے ان کے اعضائے جسمانی پھرتیلے رہتے تھے۔ حربی آلات جنگ سے بھی ان کو خوب واقف کرا دیا جاتا تھا۔ سب سے عمدہ بات یہ تھی کہ فوجیوں کو صرف فوج ہی کے لئے مخصوص کر لیا جاتا تھا اس کے علاوہ ان کو کوئی دوسرا پیشہ اختیار نہ کرنے دیا جاتا تھا۔ اگر وہ امن کی حالت میں کوئی دوسرا پیشہ اختیار کر لیتے تھے تو انہیں باقاعدہ فوج سے الگ کر دیا جاتا تھا اگر وہ چاہتے تو مجاہدین کے ساتھ شرکت کر سکتے تھے لیکن عیسائیوں کے ساتھ ایسا نہ تھا جیسا کہ واضح کیا جا چکا ہے کہ صرف کاشتکاروں اور غلاموں کی فوج میں کثرت ہوتی۔ جن کو ان کے آقا زبردستی جنگوں میں بھیجا کرتے تھے۔ آلات حرب سے وہ ضرور واقف کرا دیئے جاتے تھے لیکن چونکہ ان کے اعضائے جسمانی پہلے ہی سے دوسری مشقتوں سے تھکے ہوتے تھے اسلئے جلد ہی میدان جنگ میں ان کی ہمتیں پست ہو جاتی تھیں۔ جنگ کے بعد دوبارہ اپنے پرانے پیشے پر واپس لوٹ جانے کا خوف بھی ان کی ہمت کو پست کر دینے کے لئے کافی تھا۔ ان صرف اور غلاموں کی معاشرتی و اقتصادی زندگی اس قدر ابتر ہو چکی تھی کہ وہ یا تو میدان جنگ میں قتل ہو جاتے یا پھر پہاڑوں میں روپوش غلام و صرف اس فرار کو اپنے آقاؤں کے لئے جنگ کرنے سے بہتر سمجھتے تھے کیونکہ جنگ کی کامیابی ان کی تقدیر کو نہ پلٹ سکتی تھی۔

مسلمانوں کی فوج کا بیشتر حصہ ان بربر قبائل پر مشتمل تھا جن کی فطرت میں جنگجوئی ازل سے لکھ دی گئی تھی۔ اور ان کے ساتھ جو عرب تھے وہ بھی نسلاً بعد نسلاً لڑائیاں لڑتے لڑتے جنگ کے ماہر ہو چکے تھے۔ سب سے بڑی بات یہ کہ مسلمان بربر اور عرب دونوں ہی قبائلی عصبیت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ مزید برآں یہ کہ مذہبی عصبیت نے ان کو ایک جھنڈے کے نیچے لا کر کھڑا کر دیا تھا۔ ان دو عصبیتوں کے ساتھ جب وہ میدان جنگ میں آتے تو ہوش و حواس کھو بیٹھتے اور

غنیم کو تباہ کر دینے کی پوری کوشش کرتے۔ مذہب کے ان پروانوں کی جہاں اپنے قبیلہ کی عصبیت کا پاس تھا وہاں جہاد فی سبیل اللہ کا جوش بھی ان کے رگ و ریشے میں دوڑ رہا تھا اور وہ کفن بردوش موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے میدان جنگ میں پھرا کرتے تھے۔ شوق شہادت ان کو موت سے بےخوف کر دیتا تھا۔ تعلیمات اسلام کی رُوح ان میں رواں تھی اور وہ بقول ایک مورّخ "موت کو میدان جنگ میں تلاش کرتے تھے اور موت ان سے بھاگتی تھی"۔ ایسی حالت میں ان کے مقابلے پر ایسا دشمن آجائے جس کے دل میں نہ تو مذہب کی عزت و توقیر ہو نہ وطن کی محبت کا جذبہ جو زندگی سے محبت کرتے ہوں اور موت سے خوف کھاتے ہوں تو نتیجہ ظاہر ہے۔ یہی حالت عیسائیوں کی تھی۔ مذہب کے رکھوالے پادریوں سے وہ نالاں تھے۔ انجیل انہوں نے پڑھی ہی نہ تھی تو اس کی تعلیمات سے کیا واقف ہوتے اندرونی طور پر بدحال و پریشان تھے۔ آپس کی چپقلش، خلفشار اور سازش نے اس بات کی مہلت ہی نہ دی تھی۔ کہ وہ خونریز جنگوں کا تجربہ حاصل کرتے۔ ملک کی آب و ہوا اور قدرتی دولت کی فراوانی نے ان کو مزید عیش کوش و آرام طلب بنا دیا تھا۔ ان کے پاس جنگی حکمت عملی کا کوئی تصور نہ تھا۔ ایسی صورت میں مسلمانوں کے مقابلے میں ان کا جم کر لڑنا کسی طرح ممکن ہی نہ تھا۔

جاگیردارانہ نظام نے کسی باقاعدہ مرکزی فوج کا تصور ہی ختم کر دیا تھا۔ بوقت ضرورت بادشاہ ان جاگیرداروں سے فوج طلب کر لیتا۔ خود بادشاہ کے خزانے میں اتنی وسعت نہ تھی کہ کسی باقاعدہ فوجی تنظیم کو چلایا جا سکتا۔ جاگیرداروں کو اپنی عیاشیوں کی وجہ سے زیادہ سے زیادہ مال و زر جمع کرنے کی فکر رہتی جس کی بنا پر ان کے پاس بھی باقاعدہ فوج نہ تھی بلکہ بوقت ضرورت پیشہ ور سپاہیوں کی فوج بنا کر روانہ کر دیتے ان سپاہیوں کو لڑنے سے زیادہ اپنے اہل و عیال کی فکر دامن گیر رہتی اس لئے وہ کسی بھی جذبے کے تحت لڑنے سے معذور رہتے برخلاف اس کے مسلمانوں کو اپنے اہل و عیال کی کوئی فکر نہ تھی۔ جانتے تھے کہ حکومت ان کے اہل و عیال کی ذمہ دار ہے۔ اور ان کے مرنے کے بعد بھی حکومت ان کا قبیلہ انکی نگرانی کریگا۔ غازی ہونے کی صورت میں مال غنیمت کا وافر حصہ ملنے کی بھی امید ہوتی تھی جس کے وہ حقدار بنائے گئے تھے۔ غرض ان فوجی اسباب کو پیش نظر رکھتے ہوئے اگر جنگ گوڈ ایٹ میں مسلمانوں کی کامیابی کے اسباب کا پتہ چلایا جائے تو کافی ہوگا۔ یہ اس لئے بھی ضروری ہے کہ یہ ایک فیصلہ کن جنگ تھی جس میں دونوں فریقوں نے اپنی طاقت، سیاست اور تدبر کا پورا پورا

مظاہرہ کیا تھا جس میں کامیابی کے بعد مسلمانوں کا پرچم مستقلاً اسپین کی سرزمین پر لہرانے لگا تھا۔

یہ بات ذہن نشین رہے کہ مسلمان اس سرزمین پر محض کاؤنٹ جولین کے اکسانے پر نہ آئے تھے بلکہ وہ ایک عرصے سے اس پر نظریں جمائے بیٹھے تھے۔ کاؤنٹ جولین تو ایک بہانہ بن گیا تھا اسپین پر حملے سے مقصد اگر لوٹ مار کرنا ہی ہوتا تو عرب مسلمان واپس چلے جاتے لیکن ان کے پاس ایک واضح تصور حکومت موجود تھا اور اسی تصور کو عملی جامہ پہنانے کے لئے وہ گوڈالیٹ کے میدان میں آئے تھے۔

مسلمانوں کے پاس غنیم کے مقابلے میں گو ایک مختصر فوج تھی لیکن یہ وہ لوگ تھے جن کی فطرت میں جنگ و جدال رچ بس گیا تھا جن کے چھوٹے چھوٹے بچوں کا ابتدائی کھیل تیر کمان چلانا اور نیزہ بازی کرنا تھا وہ موت کو کھیل سمجھتے تھے۔ اور شوق شہادت انہیں دنیا کی ہر طاقت کے مقابلے میں لا کھڑا کرتا تھا۔

یہ لوگ گو کہ صحابہؓ رسول اللہ جیسے تو نہ تھے لیکن ان کے اندر اسلامی روح تازہ تھی طارق کے خواب نے بھی (جو اوپر بیان کیا گیا ہے) ان کی روح میں ایک نیا ولولہ اور جوش پیدا کر دیا تھا۔ اور وہ اس خواب کی تعبیر کو پورا کرنے کے لیے مستعد ہو گئے تھے۔

طارق بن زیاد کی ولولہ انگیز تقریر نے ان کے دلوں میں عزم ہمت، جوش اور فتح و ظفر کی امیدوں کو بھر دیا تھا۔ مسلمان چست چالاک اور تیز و طرار تھے کیونکہ گرم ملک کے رہنے والے تھے۔ ہلکے پھلکے جسموں کے ساتھ گھوڑے کی پیٹھ پر سوار ہو کر جہاں چاہتے آسانی سے چلے جاتے۔ آلات حرب کو بڑی چستی کے ساتھ استعمال کرتے۔ سامان ضرورت بھی زیادہ نہ تھا کہ جس کے لٹ جانے کا خطرہ ہوتا۔ بقول علامہ مقری انہوں نے اپنے جہازوں کو بھی جلا دیا تھا تاکہ واپسی کے خیال سے بیگانہ ہو کر یا تو کامیاب ہو جائیں یا شہادت حاصل کر لیں۔[1] اور اسی لئے بے خوفی سے وہ گوڈالیٹ کے میدان میں اترے۔

برخلاف اس کے عیسائیوں کی کوئی خاص فوجی تنظیم نہ تھی۔ جو کچھ فوج تھی وہ لٹکنس قوم کی بغاوت کو فرو کرنے میں تھک چکی تھی۔ گو راڈرک نے کسی نہ کسی طرح ایک لاکھ کی فوج اکٹھی کر لی تھی۔ مگر یہ فوج پیشہ ور سپاہیوں اور بے ترتیب لشکر پر مشتمل تھی۔

ملک میں سازشوں کا دور دورہ تھا اور حکومت انتشار میں مبتلا تھی گو افواج میں

---

[1] نفح الطیب۔ ج ۱۔ ص ۱۲۱

وطن اور مذہب کی مدافعت کی رُوح پھونک دی گئی تھی لیکن غدّاروں کے لئے یہ بہترین موقع تھا۔ کاؤنٹ جولین اور طارق بن زیاد نے گاتھ شہزادوں کو کافی مراعات دینے کا وعدہ کر کے خفیہ طور پر اپنے ساتھ ملا لیا تھا۔ یہ گاتھ شہزادے پہلے ہی سے راڈرک کے خلاف سازشوں میں مبتلا تھے چنانچہ عین میدانِ جنگ میں انہوں نے مسلمانوں کی حمایت میں لشکر کو چھوڑ دیا۔ یہ خیال عیسائیوں میں عام طور پر پایا جاتا تھا کہ یہ اجنبی خانہ بدوش ہیں۔ اور لوٹ مار کر کے واپس چلے جائیں گے۔ مگر ان کی وجہ سے راڈرک سے جان بچ جائیگی۔ اس خیال کی وجہ سے امراء و رؤسا میں جنگ جیتنے کی کوئی خاص آرزو نہ تھی۔ بلکہ ایک صورت میں یہ جنگ ان کے خفیہ ارادوں کو پورا کرنے کا بہترین ذریعہ تھی۔

عیسائی فوج اس قدر ساز و سامان اپنے ساتھ لائی تھی کہ جس کا شمار ممکن نہیں۔ ایسی صورت میں ان کا چستی اور تیزی سے جنگ کرنا کسی طور پر ممکن نہ تھا۔ ان کے آلاتِ حرب بھی ہلکے پھلکے نہ تھے بلکہ بھاری تھے جو تیزی سے استعمال نہ کئے جا سکتے تھے جوش و ولولہ کا ان میں پہلے ہی نقدان تھا۔ جان بچا کر اپنے اہل و عیال میں واپس چلے جانے کی آرزو پہلے ہی موجود تھی۔ اتحاد و یگانگت ناپید تھی۔ فوج کی تعداد گو زیادہ تھی لیکن وہ اپنی اخلاقی اور روحانی طاقت سے تہی دامن ہو چکی تھی۔

الغرض اس جنگ نے دونوں تہذیبوں اور معاشروں کا فرق واضح کر دیا اور بتا دیا کہ فتح و کامرانی حاصل کرنے کے کیا ذرائع ہو سکتے ہیں۔ اب دوسری طرف یہ سوال ہے کہ سپین میں مسلمان کن اسباب کی بنا پر اپنی مستقل حکومت قائم کرنے میں کامیاب ہو گئے؟ کیا واقعی وہ عارضی حیثیت سے وارد ہوئے تھے۔ یا ان کے پاس کوئی واضح تصور موجود تھا؟ ان اسباب کی تلاش میں ہمیں موسیٰ بن نصیر کی سیاست و تدبّر کو دیکھنا پڑیگا۔ کیونکہ یہ حقیقت ہے کہ موسیٰ کے پاس ایک واضح نظریہ موجود تھا اور اسی وجہ سے وہ کاؤنٹ جولین کی درخواست سننے پر آمادہ ہوئے تھے۔ صرف کاؤنٹ جولین کے کہنے اور بقول اسکاٹ "اکسانے" پر سپین جیسی شان و شوکت والی حکومت پر حملہ کر دینا تو سیاست و تدبّر نہیں کہا جا سکتا۔ ظاہر ہے کہ کسی واضح تصور کے ساتھ اور عواقب و نتائج کو سوچ کر ہی حملہ کیا گیا ہوگا۔ موسیٰ بن نصیر اپنے وقت کی زبردست شخصیت

تھے۔ یہاں تک کہ ولہاؤزن کے کہنے کے مطابق "ولید کے دور کو سنہرا دور بنانے والوں میں حجاج بن یوسف اور موسیٰ بن نصیر صف اوّل میں نظر آتے ہیں"۔ یہ موسیٰ ہی کی تجربہ کار شخصیت تھی جس نے افریقہ میں بربروں کی زبردست بغاوت کو ختم کر کے ان کو حکومت دمشق کا وفادار بنایا تھا۔ موسیٰ بربروں کی فطرت کا گہرا مطالعہ کر چکے تھے اگرچہ وہ اور طارق بن زیاد بربروں کو اپنے قابو میں کئے رہے لیکن وہ یہ ضرور جانتے تھے کہ جنگجو بربر قبائل کو صرف جنگ میں مشغول رکھ کر ہی قابو میں کیا جا سکتا ہے۔ امن کی حالت میں ان بربروں سے جو عربوں سے دلی نفرت رکھتے تھے یہ توقع کرنا کہ وہ بغاوت نہ کریں گے ایک خیال خام تھا۔ وہ یہ بھی جانتے تھے کہ عرب فاتح ہونے کے بعد مفتوح کے اوپر کس طرح اپنا رعب جماتے ہیں اور اس کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں اس لئے وہ دونوں ہی کو ایسے مسائل میں الجھا کر رکھنا چاہتے تھے جہاں ایک طرف تو ان کی مال و دولت کی لازوال خواہش پوری ہوتی رہے اور دوسری طرف انہیں ایک دوسرے کو سمجھنے کا موقع مل سکے اور وہ ایک دوسرے کے زیادہ قریب آ سکیں چنانچہ طنجہ کا ساحلی علاقہ جب تک فتح نہ ہوا تھا اس وقت تک موسیٰ کی چھیڑ چھاڑ کا مرکز بنا رہا جب وہ فتح ہو گیا تو طارق کو وہاں کا گورنر بنا دیا گیا۔ پھر سبتہ سے چھیڑ چھاڑ جاری رہی۔ اکثر جہازوں میں فوج بھر کر عیسائی علاقوں پر حملے کرواتے رہے تاکہ عیسائی حکمرانوں کی سرگرمیاں بھی رکی رہیں اور افریقہ کے علاقے میں شورشیں بھی سر نہ اٹھا سکیں۔ بہرحال یہ موسیٰ کی ذہانت و تدبر ہی تھا جس نے ان کے زمانے تک بربروں کو بغاوت سے روکے رکھا جس وقت کاؤنٹ جولین نے موسیٰ کو اسپین پر حملہ کرنے کی دعوت دی۔ اس وقت موسیٰ بھی ایک نئے جنگی محاذ کی فکر میں تھے۔ اور بقول ابن حیان اسپین کی طرف ان کی نظریں بار بار اٹھ رہی تھیں۔ موسیٰ بن نصیر کے آبا و اجداد بنو امیہ کے خیر خواہ اور وفادار تھے۔ خلیفۂ وقت ان پر بڑا اعتماد کرتا تھا اور وہ بھی دن رات خلافت دمشق کی مضبوطی اور برتری کے لئے کوشاں رہتے تھے۔ وہ خود بھی فطرۃً نام و نمود کے خواہاں تھے چنانچہ سندھ میں حجاج بن یوسف کی کامیابی اور ترکستان میں قتیبہ بن مسلم کی فتوحات نے ان میں رشک پیدا کر دیا تھا۔ اور وہ ایسے نادر موقع کی تلاش میں تھے جس سے خلیفہ کی نظروں میں ان کا وقار اور بلند ہو جائے۔ اور خلافت کی حدود بھی وسیع تر ہو جائیں۔ خلیفہ ولید کو خوش کرنے کا بہترین طریقہ وسعتِ حدود ہی نہ تھیں بلکہ کثیر زر و مال اور لونڈی غلاموں کی بڑی تعداد

تھی۔ جزیرہ نے جس وقت آئبین کی دولت کا نقشہ کھینچا تو موسیٰ کو اس میں بہت سے فائدہ نظر آئے۔ ایک تو یہ کہ بے شمار مال و دولت ان کو حاصل ہونے کی توقع تھی۔ دوسرے یہ کہ عربوں اور بربروں کو متحدہ طور سے ایسے کاموں میں مشغول رکھا جا سکتا تھا جو اتنا ہی تھا تاکہ فریقان کی شورشوں اور بغاوتوں سے محفوظ رہ سکے۔ تیسرے یہ کہ خلافت دمشق میں ان کے کارناموں کی دھوم مچ جائے۔ چوتھا اور سب سے اہم فائدہ ان کے نزدیک یہ تھا کہ آئبین کی فتح کے بعد وہ مشرق کی طرف یورپ کے جنوبی ساحلی مقامات فرانس، اطالیہ، یوگوسلاویہ اور بلغاریہ سے گذر کر قسطنطنیہ میں داخل ہوں۔ پھر یہاں سے اناطولیہ کو طے کر کے شام تک آجائیں۔ یہ وہ واضح تصور تھا جس کو لیکر وہ اسپین میں داخل ہونا چاہتے تھے۔ مولانا ریاست علی ندوی صاحب اپنی تالیف "تاریخ اندلس" میں لکھتے ہیں "موسیٰ کا حوصلہ بلند تھا ان کی بڑی تمنا تھی کہ وہ اپنی فتوحات کو اس طرح وسعت دیں کہ اندلس سے قسطنطنیہ ہو کر ارض شام میں داخل ہو سکیں۔ اور دار الخلافہ دمشق کو اندلس سے خشکی کے راستے سے ملا دیں اس لئے وہ آئبین کے عیسائیوں کو آسان شرائط پر مطیع کر کے یہاں امن و امان قائم کرنا اور انہیں اپنا ہمنوا بنا کر فتوحات کے دائرے کو اس طرح آگے بڑھانا چاہتے تھے۔ کہ مفتوحہ ممالک میں جا بجا آبادیاں بھی قائم ہو جائیں اور اندلس سے دمشق تک کا علاقہ نصف دائرہ کی شکل اختیار کر لے۔ ظاہر ہے کہ اس اہم تجویز کو عملی شکل دینے کے لئے خلیفۂ وقت کی منظوری ضروری تھی۔ چنانچہ انہوں نے اپنی مفصل تجویز والا الخلافہ دمشق بھیجدی۔ اور جواب کا انتظار کرنے لگے۔"[1] علامہ مقری نے نفح الطیب میں لکھا ہے "اور اس نے قصد کیا کہ قسطنطنیہ کی طرف سے مشرق میں آئے۔ اور دروب شام اور دروب اندلس کی طرف بڑھے اور ان دونوں دروب کے درمیان جو عجمی اور نصرانی قومیں ہیں ان میں گھس کر ان سے جہاد کرے۔ یہاں تک کہ پیش قدمی کرتا ہوا دار الخلافہ تک پہنچ جائے۔" ایک دوسری جگہ لکھا ہے "اور وہ یہ امید رکھتا تھا کہ فرنگیوں کے جو شہر باقی رہ گئے ہیں ان کو فتح کرتا ہوا ارض کبیرہ میں گھستا ہوا شام تک پہنچ جائے۔ اس کا یہ ارادہ تھا کہ اس سرزمین میں اس نے جو شگاف پیدا کر دیا ہے وہ اسلامی لشکر کی آمد و رفت کے لئے خشکی کا ایک وسیع راستہ بن جائے اور سمندر میں سے نہ گذرنا پڑے" "موسیٰ نے یہ مہم اپنے مطمح نظر کے مطابق شروع کی تھی اس لئے وہ مفتوحہ علاقے کے لوگوں سے غیر معمولی

[1] تاریخ اندلس۔ ج ۱ ص ۱

نرمی اور حسنِ سلوک سے پیش آنا چاہتے تھے تاکہ رعایا کے دلوں میں مسلمانوں کی طرف سے نفرت پیدا نہ ہو اور حسنِ معاملات سے ان کا ایسا اعتماد حاصل ہو کہ ان کے لئے اسلامی قبضہ و اقتدار بیزار نہ ہو جائے۔ تاکہ مفتوحہ ممالک میں امن و امان قائم رہے اور اسپین سے شام تک کے علاقے کے ایک سلسلے میں منسلک ہو جانے سے غیر معمولی تمدنی، اقتصادی اور رفاہی فوائد حاصل ہو سکیں چنانچہ اس نے مہم پر روانہ ہونے سے پہلے فوج کو خاص طور پر جن امور کی تلقین کی اور جن کی خلاف ورزی کرنے پر سنگین سزا مقرر کی۔ وہ ذیل ہیں۔

(۱) کسی علاقے کو تاخت و تاراج نہ کیا جائے۔
(۲) حملے کے وقت فوجی اخلاق کا خیال رکھا جائے۔
(۳) رعایا کے مذہبی جذبات کا پورا احترام کیا جائے۔
(۴) لوٹ مار اور ظلم و جور سے گریز کیا جائے۔
(۵) مسلمان سپاہیوں کو عدول حکمی کی صورت میں موت کی سزا دی جائے۔[1]

موسیٰ بن نصیر کے نظریے کی وضاحت اور ان کے احکامات کی روشنی میں یہ بات اب صاف نظر آتی ہے کہ اسپین میں مستقل حکومت کے قیام کے اسباب میں موسیٰ کا یہ نظریہ بہت اہمیت رکھتا تھا اسی بات کو پیش نظر رکھتے ہوئے اگر دیکھا جائے تو موسیٰ کو طارق کی بے ترتیب فوج کتنی ضرور گراں گذری ہوگی جس کی وجہ سے وہ اس سے ناراض ہو گئے یہی چیز تھی جسے مغربی مورخین نے موسیٰ کا طارق سے رشک و حسد قرار دیا۔ اس کے بعد جو مراعات باشندگانِ اسپین کو مسلمانوں کی طرف سے دی گئیں وہ بھی ایک مستقل مسلم حکومت کے قیام کا بڑا سبب بنیں اور یہ سب موسیٰ کے نظریہ کے مطابق ہوا مثلاً گاتھ شہزادوں کو ان کی خدمات کے صلے میں سبتہ کا پورا علاقہ نسل در نسل کے لئے دیدیا گیا۔ گاتھ شہزادوں کو ان کی امداد و اعانت کے صلے میں دربارِ خلافت سے وہ تمام جاگیریں دیدی گئیں جو شاہانِ اسپین کی ذاتی جائدادیں تھیں۔ نیز ان کی قدیم شاہانہ عظمت کو برقرار رکھنے کا حکم دیدیا گیا اور آدابِ شاہی بجالانے سے مستثنیٰ قرار دیئے گئے۔ دربارِ خلافت سے رخصت کے وقت ان کو شاہانہ عطایا و تحائف سے سرفراز کیا گیا۔ یہ جاگیریں جو ان کو ملی تھیں ان کی تعداد تین ہزار تھی۔[2] ان تمام باتوں کا اثر عامۂ رعایا پر اچھا پڑا وہ نہ صرف مطیع و فرمانبردار ہو گئے۔ بلکہ ان کی اکثریت نے اسلام قبول کر لیا۔ یہودی جن کی صلاحیتوں سے قدیم شاہانِ اسپین

[1] تاریخ اندلس۔ ریاست علی ندوی۔ ج ۱۔ ص ۱۱۲-۱۱۱ [2] ابن القوطیہ ص ۳ تا ۵

نے کما حقہ فائدہ نہ اٹھایا تھا۔ کیونکہ وہ مسلمانوں کے مددگار ثابت ہوئے تھے اس لئے ان کو بھی نوازا گیا۔ اور بڑی بڑی مراعات دی گئیں جن سے وہ مسلمانوں کے دوست بن گئے۔ عام رعایا میں سرف کاشتکاروں اور غلاموں کی کثرت تھی جب ان کو مراعات و سہولتیں ملیں اور آرام نصیب ہوا تو وہ مسلمانوں کے دل سے خیر خواہ بن گئے۔ غرض یہ کہ ایک طرف تو موسیٰ کا نظریہ سیاست آپین میں کام کر رہا تھا۔ دگواس کی منظوری دربار خلافت سے نہ مل سکی تھی لیکن موسیٰ پھر بھی ناامید نہ تھے) اور وہ اپنے اس نظریہ کے مطابق عوام کے دلوں کو زیادہ سے زیادہ اپنے ہاتھ میں لے لینا چاہتے تھے۔ اور دوسری طرف مسلمانوں کی جاگیرداری اور انتظام و انصرام حکومت میں مقامی باشندوں کو شریک کرنے کی وجہ سے عوام الناس ان کے گرویدہ ہو گئے تھے اور یہ خیال کہ "یہ خانہ بدوش لوٹ مار کر کے چلے جائیں گے"۔ دلوں سے نکل گیا تھا اور ان کو اپنا حاکم، مربی اور محسن تسلیم کر لیا گیا تھا ایسی صورت میں مسلمانوں کی حکومت کو کیونکر استقلال نہ ہوتا۔ چنانچہ ان سب اسباب نے مل کر مسلمانوں کو آپین میں ایک مستقل حکومت قائم کرنے میں بڑی مدد دی جو بہر حال اس وقت پریشان حال باشندگان آپین کے لئے خدا کی رحمت تھی۔

تیسرا باب

اسپین کا دورِ ولایت

موسیٰ بن نصیر اور طارق بن زیاد کو دمشق واپس ہونے کے احکامات مل چکے تھے۔ دونوں تمام مال غنیمت جمع کر کے دمشق کی طرف روانہ ہوئے۔ خلیفہ ولید اپنی بیماری سے تنگ تھا اور بستر مرگ پر اپنی زندگی کے دن پورے کر رہا تھا۔ اسپین کے مال غنیمت کی اطلاع اس کے کانوں تک پہنچ چکی تھی۔ اور وہ اس کے دیکھنے اور حاصل کرنے کے لئے بے چین تھا چنانچہ اس نے اس کا بھی خیال نہ کیا کہ ان کی واپسی کے اثرات کس قدر مضر ہوں گے۔ موسیٰ ایک تجربہ کار منتظم تھے اور انہوں نے اسپین کو ایک خاص مقصد اور نظریہ کے تحت فتح کیا تھا چنانچہ واپسی کے وقت اپنے قابل تعریف لڑکے عبدالعزیز کو اسپین میں اپنا قائم مقام بنایا تاکہ وہاں کے نظم و نسق میں ابتری نہ پھیل سکے۔ یہ نو مفتوحہ صوبہ افریقہ کی ولایت کے ماتحت رکھا گیا۔ اور اشبیلہ کو اس صوبہ کا دارالحکومت بنایا گیا۔ اس نے اپنے دوسرے لڑکے عبداللہ کو مغرب اقصیٰ کا والی بنایا۔ اور اپنے چھوٹے لڑکے عبدالملک کو مراکش کا نگران بنایا۔ اپنے ایک اور لڑکے عبدالصالح کو ساحلی علاقہ کی کمان دیدی اور جہازوں کا بیڑا بھی اس کے سپرد کیا جس کا مرکز تنجیر بنایا گیا۔ غرض موسیٰ اپنی دانست میں بہترین لوگوں کو اپنا قائم مقام بنا کر گئے تھے۔ انہوں نے باشندگانِ اسپین کے ذہن سے اس تصور کو مٹا دیا تھا کہ مسلمان صرف لوٹ مار کر کے

واپس چلے جائیں گے۔

اسپین کا دورِ ولایت تقریباً ۴۴ سال رہا یہ دمشق کی خلافت کا ایک صوبہ بن گیا اور یہاں کے انتظام و انصرام کے لئے امیر یا والی مقرر کئے گئے۔ یہ امیر بڑی حد تک آزادی سے حکمرانی کرتے لیکن آئینی طور پر یہ گورنر افریقہ کے ماتحت ہوتے جس کا مرکز قیروان تھا۔ بعض اوقات امیر کا تقرر دمشق کی حکومت کی طرف سے براہ راست کیا جاتا تھا جس کے نتیجے میں افریقیا اور اسپین کے درمیان رسہ کشی ہوتی۔ اور جس کے نتائج اچھے نہ ہوتے تھے اکثر ایسا ہوتا کہ اسپین کے عرب باشندے کسی امیر کو برسرِ معزول کر کے کسی دوسرے کو اپنا امیر بنا لیتے اور اس کی منظوری والی افریقہ سے حاصل کر لیتے اس مختصر سے عرصے میں اسپین پر کئی امیر یکے بعد دیگرے آئے جن کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

(۱) عبدالعزیز بن موسیٰ ۹۵ھ سے ۹۷ھ۔ سلیمان خلیفہ رشوق کے حکم سے قتل کر دیئے گئے۔

(۲) ایوب بن حبیب لخمی۔ ۹۷ھ مطابق اگست ۷۱۵ء[1]۔ عبدالعزیز کے قتل کے بعد کئی ماہ تک کوئی والی نہ ہوا مسلمانانِ اندلس نے ان کو اپنا امیر بنا لیا۔

(۳) حر بن عبدالرحمٰن ثقفی ۹۸ھ ۷۱۶ء ۱۰۰ھ ۷۱۸ء۔ عمر بن عبدالعزیزؒ نے معزول کر دیا۔

(۴) سمح بن مالک خولانی ۱۰۰ھ ۷۱۸ء ۱۰۲ھ ۷۲۱ء۔ جون ۷۲۱ء میں میدان طلوشہ میں عیسائیوں سے مقابلے میں شہید ہوئے۔

(۵) عبدالرحمٰن بن عبداللہ غافقی ۷۲۱ء۔ چھ ماہ کے لئے مسلمانوں نے متفقہ طور پر امیر مقرر کر لیا تھا۔

(۶) عنبسہ بن سحیم کلبی ۱۰۳ھ ۷۲۱ء ۱۰۶ھ ۷۲۵ء۔ سرزمین فرانس میں شہادت پائی۔

(۷) عذرہ بن عبداللہ فہری ۱۰۶ھ ۷۲۵ء۔ دوسرے امیر کے نام زد ہونے تک مسلمانوں نے امیر بنا لیا تھا چند ماہ تک امیر رہے۔

(۸) یحییٰ بن سلمہ کلبی ۱۰۶ھ ۷۲۵ء۔ معزول کر دیا گیا۔

---

[1] مجموعہ اخبار الاندلس ص ۲۴

(۹) عثمان بن علی عبیدہ ۱۰۹ھ/۷۲۶ء۔ صرف پانچ ماہ کے لئے سپاہ نے امیر چن لیا تھا۔

(۱۰) عثمان بن ابی نسعہ خثعمی ۱۱۰ھ/۷۲۷ء۔ معزول کر دیا گیا۔

(۱۱) خدیفہ بن احوص قیسی۔ ۱۱۱ھ/۷۲۸ء معزول کر دیا گیا۔

(۱۲) ہیثم بن عجید کلابی ۱۱۱ھ/۷۲۹ء ماہ ذیقعدہ ۱۱۲ھ/۷۳۰ء بنو کلب نے قتل کر دیا۔

(۱۳) محمد بن عبداللہ اشجعی ۱۱۱ھ/۷۲۹ء چند ماہ کے لئے عارضی طور پر امیر رہا

(۱۴) عبدالرحمن بن عبداللہ غافقی ۱۱۲ھ/۷۳۰ء ۱۱۴ھ/۷۳۲ء خلیفہ نے بذات خود مقرر کیا تھا۔ ٹورس (طلوشہ) کی جنگ میں شہید ہوئے۔

(۱۵) عبدالملک بن قطن الفہری ۱۱۴ھ/۷۳۲ء ۱۱۶ھ/۷۳۴ء معزول کر دیئے گئے

(۱۶) عقبہ بن حجاج سلولی ۱۱۶ھ/۷۳۴ء ۱۲۱ھ/۷۳۹ء معزول کر کے افریقہ طلب کر لئے گئے۔

(۱۷) عبدالملک بن قطن فہری ۱۲۱ھ/۷۳۹ء ۱۲۴ھ/۷۴۲ء بربروں نے ان کو امیر بنایا تھا۔ شامیوں نے زبردستی ہٹا دیا۔

(۱۸) بلج بن بشر قشیری ۱۲۳ھ/۷۴۱ء ۱۲۴ھ/۷۴۲ء عربوں کی آپس کی کشمکش میں مارا گیا۔

(۱۹) ثعلبہ بن سلامہ عاملی ۱۲۴ھ/۷۴۲ء ۱۲۵ھ/۷۴۳ء سپاہ نے منتخب کیا تھا۔ دس ماہ کے قریب امیر رہا۔

(۲۰) ابوالخطار[1] حسام بن ضرار کلبی ۱۲۵ھ/۷۴۳ء ۱۲۸ھ/۷۴۶ء عرب سپاہ نے معزول کر کے قید میں ڈال دیا۔

(۲۱) ثوابہ بن سلمہ حذانی۔ ۱۲۸ھ/۷۴۶ء ۱۲۹ھ/۷۴۷ء سپاہ عرب نے اس کو چنا تھا۔ افریقہ سے امارت کی توثیق ہو گئی۔ قدرتی موت واقع ہوئی۔

(۲۲) یوسف بن عبدالرحمن الفہری ۱۲۹ھ/۷۴۷ء ۱۳۹ھ/۷۵۶ء عبدالرحمن الداخل نے معزول کیا اور قتل کیا گیا۔

اب ہم مختصراً مندرجہ بالا والیوں کا تذکرہ جدا جدا کریں گے تاکہ ان کے کارناموں پر بھی روشنی پڑ سکے۔

عبدالعزیز بن موسیٰ بن نصیر

عبدالعزیز کو ان کے باپ موسیٰ بن نصیر نے دمشق واپس ہوتے وقت اسپین

---

[1] ابن خلدون نے ابوالخطاب لکھا ہے۔

کا امیر بنا دیا تھا۔ عبدالعزیز کو بھی اپنے باپ کے نظریۂ حکومت سے پورا اتفاق تھا اس لئے اسی کے نقش قدم پر نظام حکومت کی بنیاد ڈالی۔ ملک سے لڑائیوں کے اثرات کو دور کر کے امن و امان اور اطمینان و سکون کا ماحول پیدا کیا۔ عیسائی، یہودی اور مسلمان سب کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آیا۔ اور ان کی دلدہی کی نظام حکومت کو درست کیا۔ محصول وصول کرنے کیلئے محصل نامزد کئے۔ عدالت میں قاضیوں کا تقرر کیا جو دیوانی اور فوجداری مقدمات طے کرنے کے مجاز تھے۔ عیسائیوں کو ان کے مذہبی قانون کی رو سے انصاف دیا گیا۔ کاشتکاروں کو مراعات دیں تاکہ وہ زراعت میں دلچسپی لیں۔ اور ترقی کی کوشش کریں۔ جگہ جگہ فوجی چوکیاں قائم کیں قلعے تعمیر کئے اور راستوں کو پرامن بنایا جس سے تجارت میں بھی ترقی ہوئی۔ اور کاروان تجارت بے خوف و خطر ایک شہر سے دوسرے شہر آنے جانے لگے۔

اس نے انتظام حکومت کے لئے مفتوحہ علاقے کو الگ الگ صوبوں میں منقسم کر دیا ان کے والی مقرر کئے اور شہروں کے عاملوں کو ان کی جگہ برقرار رکھا۔ صوبوں کی حد بندی میں تھیوڈومر کا معاملہ بھی سامنے آیا۔ یہ بتایا جا چکا ہے کہ تدمیر کی فتح کے موقع پر اس نے مسلم لشکر سے آسان شرائط پر صلح کر لی تھی اور طارق نے اس کو اسی کے علاقے تدمیر کا والی بنا دیا تھا۔ عبدالعزیز نے اس معاہدہ کی پوری پابندی کی اور اس موقع پر طرفین میں تحریری معاہدہ عمل میں آیا جس کی رو سے صوبہ مرسیہ کو مسلم حکومت کی تحویل میں رکھکر تھیوڈومر کی حکمرانی میں دے دیا گیا۔[1]

اس نے بہت سے غیر مفتوحہ علاقوں میں پیش قدمی جاری رکھی۔ موجودہ پرتگال کا وسطی اور جنوبی علاقہ لوسی ٹینیا اور شمالی و مشرقی علاقہ میں ارض بشکنس اور نبرہ (نوارا) مسلم حکومت کی حدود میں داخل کر لئے گئے۔ مورخین لکھتے ہیں "اس کے دور حکومت میں اندلس کے بہت سے شہر فتح ہوئے اور اس کے حسن تدبیر سے اندلس میں مسلمانوں کی سطوت و عظمت کا سکہ جم گیا۔"[2]

خلیفہ سلیمان بن عبدالملک قبائلی عصبیت کی بنا پر موسیٰ اور موسیٰ کی اولاد کا دشمن ہو گیا تھا۔ عبدالعزیز بھی موسیٰ بن نصیر کا بڑا لڑکا تھا چنانچہ سلیمان اس کا بھی دشمن تھا۔ لیکن اسپین جیسے دور دراز علاقوں کے والیوں کو جو دسترس سے بھی باہر ہوں بغیر کسی وجہ کے معزول کرنا بھی آسان نہ تھا۔ اس لئے اس نے افریقیا و اسپین کے ممتاز سرداروں سے سازش کر کے موسیٰ بن نصیر

---

[1] نباراندلس ج ۱ ص ۲۶۱ [2] نفح الطیب المقری ج ۱ ص ۳۲۱

کے لڑکوں کو قتل کروانے کا فیصلہ کر لیا۔ سب جگہ اس کو کامیابی ہوئی۔ عبدالعزیز کے لئے پانچ سرداروں کو تیار کیا جن میں حبیب بن ابی عبیدہ فہری اور زیاد بن نابغہ تمیمی کے نام تاریخ نے محفوظ رکھے۔ اُن پانچ عرب سرداروں نے عبدالعزیز کے خلاف مسلم آبادی میں عوام الناس کو برانگیختہ کرنا شروع کر دیا اور بہانہ یہ بنایا کہ عبدالعزیز اپنی عیسائی بیوی ایجیلونہ کی وجہ سے عیسائیت اختیار کر چکا ہے۔ واقعہ اس طرح بتایا جاتا ہے کہ عبدالعزیز نے راڈرک کی جواں سال بیوہ ایجیلونہ سے شادی کر لی تھی وجہ صرف یہ تھی کہ عیسائیوں کی دلجوئی ہو سکے کیونکہ وہ عیسائی مذہب پر تھی اس لئے اہل کتاب ہونے کی وجہ سے اس کا اسلام لانا بھی ضروری نہ تھا چنانچہ وہ عیسائی رہی۔ اس کے بطن سے ایک لڑکا عاصم پیدا ہوا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ایجیلونہ بہت حسین و جمیل تھی اور عبدالعزیز اس سے بہت متاثر تھا چنانچہ اس کی اس فریفتگی کو افواہوں کے ذریعے دوسرا رنگ دیکر عبدالعزیز کے عیسائی ہونے کا یقین عوام النّاس کو دلایا جانے لگا۔ ان افواہوں میں دو افواہیں خاص طور سے پھیلائی گئیں۔ ایجیلونہ نے عبدالعزیز کے لئے ایک تاج تیار کروایا تھا جسے وہ اسکو برسرِ عام پہنا چاہتی تھی لیکن عبدالعزیز راضی نہ ہوا تو ایک دن خلوت میں ہی ایجیلونہ نے عبدالعزیز کو تاج پہنا کر اپنی خواہش پوری کر لی۔ زیاد بن نابغہ تمیمی کی بیوی نے عبدالعزیز کو تاج پہنے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ چنانچہ اس کے شوہر نے یہ افواہ فوجی افسروں میں بڑھا چڑھا کر بیان کی۔ دوسرا واقعہ اس طرح افواہاً پھیلایا گیا کہ ایجیلونہ نے عبدالعزیز کو اس بات پر مجبور کیا کہ حکومت کے امراء اور عہدہ داروں کو دربار میں سجدہ کرنے پر مجبور کرے۔ عبدالعزیز نے اس کو اسلامی اصول بتائے اور ایسا کرنے سے انکار کر دیا لیکن اس کی دلجوئی کے لئے اپنے محل کے دروازے کو اتنا چھوٹا کر دیا کہ لوگوں کو گردن جھکا کر داخل ہونا پڑتا تھا۔" ان واقعات کی صحت کا علم تو ثابت نہ ہو سکا لیکن ان کے ذریعے عوام کو اس قدر بھڑکایا گیا کہ ایک دن جب وہ نماز پڑھ رہا تھا سازشیوں نے اس پر حملہ کیا اور برچھے سے جُدا کر دیا۔ یہ حادثہ ماہ رجب ۹۷ھ مطابق مارچ ۷۱۶ء میں ہوا۔ عبدالعزیز کا سر سلیمان کے پاس دمشق بھیج دیا گیا۔ سلیمان نے موسیٰ بن نصیر کو یہ سر دکھایا۔ موسیٰ پر قیامت گذر گئی۔ لیکن ضبط سے کام لیا۔ اور آنسو روکتے ہوئے کہا "اس کو جامِ شہادت نوش کرنا مبارک ہو۔ خدا کی قسم یہ قائم اللیل و صائم النّہار تھا۔"

ابن اثیر کہتا ہے: "عبدالعزیز کے قتل کے واقعہ کو سلیمان کی لغزشوں میں سے ایک لغزش شمار

---

[1] تاریخ اندلس ج ۱ ص ۱۲۶

کیا جاتا ہے۔"

ایوب بن حبیب لخمی

امیر عبدالعزیز کے قتل کے بعد اسپین کی ولایت چند دن خالی رہی۔ پھر مسلمانوں نے اتفاق رائے سے موسیٰ کے بھانجے ایوب بن حبیب لخمی کو ماہ ذی الحجہ ۹۷ھ مطابق اگست ۷۱۶ء میں اسپین کا حاکم مقرر کر لیا۔ یہ ایک دیندار اصلاح شخص تھے۔ ان کے دور کا اہم واقعہ پایۂ تخت کا اشبیلیہ سے قرطبہ منتقل ہونا ہے۔ یہ کام انہوں نے عام مسلمانوں کے مشورے سے کیا تھا۔

ایوب ایک ہوشمند باعمل حاکم تھے نظم و نسق کو قائم کرنے اور اپنے اقتدار کو مضبوط کرنے کے لئے انہوں نے سارے ملک کا دورہ کیا۔ بدعنوان حاکموں کو معزول کیا یا ان کو بضرورت اصلاح ردّ و بدل کیا انصاف کا بول بالا کیا کاشتکاروں کی دلجوئی کی مسلمانوں کو عیسائیوں اور یہودیوں کے درمیان بسایا۔ تاکہ عیسائیوں کا زور توڑا جا سکے۔ سرحدی قلعوں کو مضبوط کر کے ان میں کافی فوج متعین کی۔

چھ ماہ بھی نہیں گذرے تھے کہ یہ امیر بھی موسیٰ بن نصیر کی رشتہ داری کی وجہ سے معزول کر دیئے گئے۔ اور افریقہ کے والی نے حرّ بن عبدالرحمٰن ثقفی کو اسکی جگہ نامزد کر دیا۔

حرّ بن عبدالرحمٰن ثقفی

۹۸ھ مطابق ۷۱۶ء میں حرّ بن عبدالرحمٰن اسپین میں بحیثیت والی کے آیا۔ یہ بدقماش اور سخت گیر حاکم تھا جس کی وجہ سے جلد ہی حکومت کے عمّال، عیسائی اور مسلم عوام اس سے بددل ہو گئے اور اس کے گلو خلاصی کے خواہشمند نظر آنے لگے۔

اس امیر کے دور کا اہم واقعہ جو اس کی غفلت و لاپرواہی کا مظہر ہے۔ حکومت اشتورس کا قائم ہونا ہے جو عیسائیوں کی پہلی ریاست تھی۔ اصل وجہ حرّ بن عبدالرحمٰن کی سخت گیری بتائی جاتی ہے جس سے حکومت کے نظم و نسق میں ابتری پھیلنے لگی۔ ملک کے شکست خوردہ عیسائیوں کو موقع مل گیا کہ وہ اپنی تنظیم کر لیں۔ اسپین کے صوبہ اشتورس کا ایک حصّہ موسیٰ بن نصیر نے فتح کر لیا تھا۔ لیکن ان کی واپسی کی وجہ سے اس فتح کی تکمیل نہ ہو سکی تھی اور نہ ہی مسلمانوں کو یہاں آباد کیا جا سکا تھا۔ عبدالعزیز کے قتل اور حرّ کے دور حکومت میں انتشار سے فائدہ اٹھا کر کچھ عیسائی اس علاقے میں چلے گئے۔ اور یہاں کے قدرتی پہاڑی قلعوں اور بڑے بڑے غاروں سے فائدہ اٹھا کر خفیہ تنظم شروع

۱۔ ابن اثیر ج ۵ ص ۱۲ ۲۔ مجموعہ ص ۲۴ ۳۔ تاریخ اندلس۔ ج ۱ ص ۱۳۵

کر دی۔ راڈرک کی فوج کا ایک گاتھک افسر پلایو (Pelayo) مسلمانوں کے علاقے سے بھاگ کر یہاں چلا آیا۔ صرف تین سو عیسائیوں کی ایک جماعت تیار کی اور ایک پہاڑی غار جس کا نام کووادونگا (Coua - donga) تھا رہنے لگا (جس کو عرب صخرۂ پلائی کے نام سے منسوب کرتے ہیں) اور مسلمانوں کے خلاف ریشہ دوانیوں اور عیسائیوں کی مستحکم تنظیم میں مصروف ہو گیا جب یہ خبر عام ہو گئی تو عیسائی مذہبی جوش و خروش سے سرشار ہو کر اس علاقے کی طرف آنے لگے۔ کلیسا کے پادری بھی کلیسائی تبرکات کے ساتھ آ گئے۔ اور یہ علاقہ اسپین میں عیسائیت کا ایک گڑھ بن گیا۔ مسلمانوں کو باوجودیکہ اس اجتماع کی خبر لگ چکی تھی اور حکومت کا فرض تھا کہ اس کے خلاف کارروائی کرتی لیکن انہوں نے اس غیر آباد علاقے پر وقت صرف کرنے کو کوئی اہمیت نہ دی جب ان کی تعداد زیادہ ہونے لگی تو اس علاقے کے والی نے ان کو منتشر کرنے کے لئے ایک فوج بھیجی جو پلایوں کے ہاتھوں بری طرح شکست کھا کر واپس آئی عیسائی مورخین اس لڑائی کو اشتوراسس کے قیام کی بنیاد قرار دیتے ہیں۔ اسی کے بعد پلایو کی تخت نشینی ہوئی اور وہ اسپین کی اس نوزائیدہ عیسائی سلطنت کا پہلا فرمانروا قرار پایا جس نے آگے چل کر ترقی کرتے کرتے اسپین سے مسلمانوں کی حکومت کا خاتمہ کیا۔ عیسائی مورخین کی متعصبانہ مبالغہ آرائی کو چھوڑ کر اگر دیکھا جائے تو علامہ مقری کے الفاظ سے بات واضح ہو جاتی ہے۔

"ایک سے زیادہ مورخین نے بیان کیا ہے کہ جس شخص نے سب سے پہلے منتشر عیسائیوں کو عربوں کے غلبہ کے بعد جمع کیا تھا وہ ایک نابکار پلائی نامی تھا جو اسٹوریش کا رہنے والا تھا وہ اپنے شہر والوں کی طرف سے وہاں امن و امان قائم رکھنے کی ضمانت میں بطور یرغمال قرطبہ آیا تھا۔ وہ حر بن عبدالرحمٰن ثقفی کے زمانے میں قرطبہ سے بھاگ گیا تھا اور سال فتح کے چھٹے سال ۹۸ھ میں عیسائیوں نے اس کے ساتھ مل کر حر بن عبدالرحمٰن کے نائب (علقمہ) پر خروج کیا اور اس نائب کو نکال دیا اور شہروں پر قبضہ کر لیا اور وہ شہر اسی کے قبضے میں رہے"۔[1] اس واقعہ سے صرف یہ نتیجہ اخذ کیا جاتا ہے کہ اس زمانے میں حکومتِ اسٹریاس کی بنیاد قائم ہوئی جس کی حدود حکومت بقول اسکاٹ کے ابتداءً پانچ میل لمبے اور تین میل چوڑے قطعہ زمین میں محدود تھیں۔[2]

حر بن عبدالرحمٰن کی سخت گیری اور اس کے طرز حکومت سے عام باشندگانِ اسپین نالاں تھے۔ چنانچہ انہوں نے اس کے معزول کئے جانے کی درخواست دربارِ خلافت دمشق بھیجی۔ حضرت

---

[1] نفح الطیب ج ۲ ص ۵۱۲ [2] اخبار الاندلس ج ۱ ص ۳۴۵

عمر بن عبدالعزیز مسند خلافت پر آچکے تھے۔ انہوں نے یہ درخواست منظور کرلی حر کو معزول کرکے سمح بن مالک خولانی کو امیر آپین نامزد کرکے بھیجا۔

سمح بن مالک خولانی

یہ ایک تجربہ کار اور متدین شخص تھے۔ افریقہ میں سپہ سالار رہ چکے تھے ۱۰۰ھ مطابق ۷۱۸ء میں آپین پہونچے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے ان کو چند ہدایتیں دیں کہ وہ اندلس پہونچکر اپنی تحقیقات سے مرکزی حکومت کو مطلع کریں۔

(۱) اندلس کے علاقے جس طریقہ سے فتح ہوئے تھے ان کی تفصیلات مہیا کی جائیں تاکہ ان زمینوں کی ملکیت اور عشر و خراج کا فیصلہ شرع کے مطابق کیا جاسکے۔

(۲) آپین اسلامی حدود سلطنت سے بہت دور واقع ہے اس لئے یہاں کے مسلمانوں کی اجتماعی طاقت اور استحکام پر نظر ڈالی جائے اور اگر سازگار نہ ہو تو مسلمانوں کو وہاں کی سکونت ترک کرکے ملک اس کے قدیم باشندوں کے سپرد کر دینا چاہئے۔

سمح نے ان ہدایات کی روشنی میں سب سے پہلے زمینوں پر قبضے کی نوعیت معلوم کی جس کے مطابق ان پر شرعی محصول لگایا گیا۔ پھر یہاں کے حالات کی تفتیش کی اور مطمئن ہونے کے بعد حضرت عمر بن عبدالعزیز کو مسلمانوں کی اجتماعی طاقت اور استحکام کی تفصیلات لکھکر مشورہ دیا کہ مسلمانوں کو سکونت ترک نہ کرائی جائے جس سے حضرت عمر بن عبدالعزیز مطمئن ہوگئے۔ ان کے انتقال کے ساتھ ہی نظام شرعی درہم برہم ہوگیا چنانچہ سمح بن مالک نے جو رقم دمشق بھیجنے کے لئے نکالی تھی نہ بھیجی اور رفاہ عام پر خرچ کردی۔

سمح نے سب سے پہلے قرطبہ کے قریب اس پل کی تعمیر کرائی جو رومی قیصر آگسٹس کے زمانے میں تعمیر ہوا تھا۔ اور اب ناقابل استعمال ہوچکا تھا اس کے ساتھ قرطبہ کی فصیل کی بھی مرمت کرائی۔[1]

سمح نے زبردست اصلاحی کام بھی کئے اور نظم و نسق کو بہتر بنایا۔ مالیات کا بہتر انتظام کیا غیر آباد علاقوں میں بربروں کو آباد کرایا۔ زمینوں کی تحقیقات کے سلسلے میں مختلف شہروں کے حالات ساحلی شہروں کے مکانات کی تعداد پیداوار کی تفصیل تجارت کے وسائل۔ سامان تجارت کی فہرست بندرگاہوں۔ کانوں اور زراعت کی تمام تفصیلات قلم بند کرائیں۔ جب یہ انتظامات مکمل ہوگئے

[1] ابن خلدون ج ۴ ص ۱۱۸۔ ابن اثیر ج ۵ ص ۳۰۔ تاریخ مغرب۔ ابن عذاری ص ۵۵

تو مزید فتوحات کے لئے لشکر لے کر فرانس کی طرف روانہ ہو گئے۔

امیر سمح بن مالک خولانی دور ولایت کے پہلے امیر ہیں جنہوں نے موسیٰ بن نصیر کے بعد فرانس پر فوج کشی کی وہ جنوبی فرانس میں داخل ہوئے اور سپٹیمینیا کے پایہ تخت اربونہ پہونچے۔ یہ شہر موسیٰ ابن نصیر کے زمانہ میں چند دنوں کے لئے مسلمانوں کے قبضے میں رہ چکا تھا۔ اس مرتبہ بھی آسانی سے فتح ہو گیا۔ اور مجاہدین کو یہاں کے کلیساؤں کی بہت سی دولت ہاتھ آئی پھر آس پاس کے چند قلعوں پر قبضہ کیا اور شہر کی فصیل اور قلعوں کی مرمت کر کے ان میں مسلمانوں کو مستقل طور پر آباد کیا سمح نے اب اپنا رخ صوبہ اکوتانیہ (ایکوٹین) کی طرف کیا اور اس کے پایہ تخت طلوشہ (Toulousa) کا محاصرہ کر لیا۔ حسن اتفاق سے ڈیوک آف ایکوٹین اپنے لشکر کے ساتھ باہر گیا ہوا تھا۔ وہ بے خبری میں اپنے لشکر کے ساتھ مسلمانوں کی پشت پر آگیا جس کی وجہ سے سخت مقابلہ ہوا اور امیر سمح بن مالک اس معرکہ میں شہید ہو گئے۔ مسلمان سپاہ نے عبدالرحمن بن عبداللہ غافقی کو امیر بنا کر ابتر حالات میں پسپائی اختیار کی۔

عبدالرحمن بن عبداللہ غافقی

سمح بن مالک خولانی کی شہادت کے بعد سپاہ نے عبدالرحمن کے علم حلم اور تدبر کو دیکھ کر اپنا امیر و قائد بنا لیا اس نے طلوشہ کے میدان میں گھری ہوئی فوج کو اپنے تدبر اور دانائی سے تباہی سے بچا لیا اور صاف میدان سے نکل آیا۔ اس شکست سے اربونہ کے آس پاس کے قلعوں نے خود سری اختیار کر لی تھی اور سرکش ہو گئے تھے لیکن عبدالرحمن نے ان خود سر باغیوں کی سرزنش کی اور ان سے خراج کی تحصیل جاری رکھی پھر قرطبہ آ کر سپین کی ولایت سنبھالی۔

عبدالرحمن غافقی کا انتخاب چونکہ فوج نے کیا تھا اس لئے قدرتی طور پر اس کی دلچسپیاں فوج کے ساتھ تھیں چنانچہ فوج کو ہی انعام و اکرام سے نوازا ہر معاملے میں مراعات دیں اور عام شہریوں سے زیادہ ان کو آسانیاں بہم پہنچائیں اس کی وجہ سے عام شہریوں میں اس کے خلاف بد دلی پھیل گئی یہاں تک کہ اس کی شکایتیں حکومت افریقہ تک پہونچ گئیں جس کی وجہ سے عبدالرحمن کی ولایت کی نہ صرف یہ کہ تصدیق نہ ہو سکی بلکہ ولایت افریقہ پر ایک دوسرے شخص عنبسہ بن سحیم کلبی کو اس کی جگہ پر نامزد کر دیا گیا۔

امیر عنبسہ بن سحیم کلبی

۱۰۲ھ مطابق ۷۲۱ء میں عنبسہ نے اسپین کی ولایت کا منصب سنبھالا اپنے حسن تدبیر اور خوش انتظامی سے حکومت کے فرائض انجام دینے شروع کئے۔ عبدالرحمن غافقی کو اس کے اپنے پرانے عہدے مشرقی اسپین کی ولایت پر بھیج دیا۔ عبدالرحمن کی طرف سے تمام ناراضگی جاتی رہی عنبسہ نے اسپین کی حکومت کی تمام بدنظمیوں کو بہ توجہ خاص دور کر کے نئی اصلاحات رائج کیں۔ عیسائیوں اور ذمیوں کا خاص خیال رکھا افریقہ سے آنے والے نئے بربر قبائل کی آبادکاری کی جانب توجہ کی۔ ملک میں اندرونی خلفشار اور بے چینی کو ختم کرنے کے بعد وہ عیسائی علاقوں کی طرف متوجہ ہوا۔

اوپر بیان کیا جا چکا ہے کہ پلایو نامی ایک گاتھک سردار نے جلیقیہ کے علاقے میں عیسائیوں کو منظم کرنا شروع کر دیا تھا اور آس پاس کے علاقوں پر چالاکی کے ساتھ قبضہ کر لیا تھا عنبسہ نے اس کی طرف توجہ کی اور اس پر پے در پے اس قدر شدید حملے کئے کہ اس کی طاقت منتشر ہو کر رہ گئی۔ اس کا یہ حشر ہوا کہ اس کے ساتھ کل تیس مرد اور دس عورتیں باقی رہ گئے۔ وہ ایک بڑے غار میں جا چھپے اور شہد کی مکھیوں کے چھتوں سے جو چٹانوں پر لگے ہوئے تھے اپنا پیٹ بھرنے لگے۔ اس کے بعد عنبسہ نے اس پر توجہ نہ دی اور کچھ عرصے بعد پلایو بھی مر گیا۔

اس کے بعد عنبسہ نے جنگ طلوشہ کا بدلہ لینے کے لئے فرانس پر چڑھائی کی پہلے تو چند چھوٹے چھوٹے فوجی دستے روانہ کئے اور پھر اپنی سرکردگی میں فوج لیکر جنوبی فرانس کے صوبے سپٹیمانیہ پر حملہ آور ہوا گو اربونہ پر مسلمانوں کا پہلے ہی سے قبضہ تھا لیکن آس پاس کے شہروں پر اقتدار باقی نہ تھا عنبسہ اس علاقے کے دوسرے شہر قرقشونہ (Carcassomne) پر حملہ آور ہوا۔ یہ شہر اربونہ سے پچاس میل مغرب کی طرف تھا۔ اہل شہر نے جنگ نہ کی اور صلح کر کے شہر مسلمانوں کے حوالے کر دیا۔ صلح کی شرائط حسب ذیل تھیں۔[1]

(۱) ضلع قرقشونہ کا نصف رقبہ مسلمانوں یعنی حکومت اربونہ کے تحت دے دیا جائیگا۔
(۲) باقی نصف قرقشونہ کی عیسائی حکومت کے پاس بدستور رہے گا۔
(۳) قرقشونہ کی عیسائی حکومت اربونہ کی زیر سیادت اور نگرانی میں رہے گی۔
(۴) جزیہ کی مقررہ رقم سال بہ سال ادا کی جائے گی۔

[1] تاریخ اندلس ج ۱ ص ۱۵۶

(۵) قرقشونہ کی عیسائی حکومت مسلم حکومت کی حلیف رہے گی اس کے دشمنوں کی دشمن اور دوستوں کی دوست ہوگی جنگ و صلح میں بھی وہ مسلمانوں کا ساتھ نہ چھوڑیں گے۔

(۶) قرقشونہ کے پاس جس قدر مسلمان قیدی ہیں وہ فوراً رہا کر دیئے جائیں گے اس کے بعد جب تک اربونہ کی مسلم حکومت قائم رہی (یعنی ۱۸۰ھ ۷۹۷ء تک) قرقشونہ کی حکومت اس کی مطیع رہی اور ان شرائط کی پابندی بھی کی۔ قرقشونہ فتح کرنے کے بعد صوبہ سپٹیمانیہ کے کسی بھی علاقہ میں مسلمانوں کو پیش قدمی کرنے میں کسی قسم کی کوئی مزاحمت نہ ہوئی اور یہ پورا صوبہ مسلمانوں کے قبضے میں آگیا۔

عنبسہ کی [illegible] ہادکم نہ ہوئی تھی اب انہوں نے مشرقی فرانس کے شہر (لیانس) یا لوذون کو لوٹا اور شمال مغرب کی طرف گھوم کر صوبہ برگنڈی میں داخل ہوئے اور ستمبر ۷۲۵ء میں شہر اوٹن فتح کیا۔ یہاں سے مال غنیمت لیکر جا رہے تھے کہ عقب سے عیسائی لشکر نے حملہ کر دیا۔ عنبسہ خود مقابلے کے لئے نکل پڑے اور جام شہادت نوش کیا۔[1] لیکن امام الدین صاحب نے اپنی کتاب میں عنبسہ کے مشرقی فرانس اور برگنڈی کے حملے کی کوئی تفصیل نہیں لکھی بلکہ انہوں نے جنوبی فرانس سے مال غنیمت کے ساتھ واپسی میں عنبسہ کی شہادت کا تذکرہ کیا۔[2] عنبسہ کی شہادت عرب مورخین کے نزدیک ماہ شعبان ۱۰۷ھ مطابق جنوری ۷۲۶ء میں ہوئی۔ مسلمانوں نے عارضی طور پر عذرہ بن عبداللہ فہری کو قائم مقام امیر بنا لیا اور اسپین واپس لوٹ آئے۔ عنبسہ نے چار سال اور چار ماہ حکومت کی۔

یحییٰ بن سلمہ کلبی

عذرہ بن عبداللہ چند ماہ ہی امیر رہے تھے کہ افریقہ سے یحییٰ بن سلمہ کلبی ماہ شوال ۱۰۷ھ ۷۲۶ء میں امیر اندلس نامزد ہوا لیکن یہ نااہل ثابت ہوا اور نہ اس نے فوجی مہموں میں دلچسپی لی والیٔ افریقہ کے پاس اس کی شکایات پہونچیں تو انہوں نے اس کو معزول کر دیا وہ تقریباً ایک سال اور چھ ماہ ولایت پر فائز رہا اسکی جگہ عثمان بن ابی نسعہ خثعمی کو نامزد کیا گیا۔

عثمان بن ابی نسعہ خثعمی

اس کو ابھی آئے ہوئے چند ماہ بھی نہ گذرے تھے کہ اس کو معزول کر دیا گیا اور مشرقی اسپین کی ولایت پر بھیجدیا گیا۔

---

[1] تاریخ اندلس ج ۱ ص ۱۵۷ [2] Political History of Muslim Spain P.21

حذیفہ بن احوص قیسی

اس نے آتے ہی فوجی نقل وحرکت شروع کی اور ایک نئے شہر مقوقشہ کو فتح کیا لیکن چند ماہ بعد ہی اسکو بھی معزول کر دیا گیا۔

ہیثم بن عبید کلابی

یہ تقریباً ایک سال امیر رہا لیکن اس نے عرب قبیلہ بنو کلب پر بڑی سختیاں کیں اور ان کے سردار سعد بن جواس کو قتل کرا دیا اور بہت سے رئیسوں کو قید کر دیا جس کے نتیجہ میں بنو کلب نے خفیہ طور پر اس کو قتل کر دیا۔ ماہ ذیقعدہ ۱۱۱ھ/۲۹ء میں یہ واقعہ ہوا۔

محمد بن عبداللہ اشجعی

ہیثم کے قتل کے بعد عارضی طور پر حکومت کی باگ محمد بن عبیداللہ اشجعی نے لے لی لیکن کیونکہ حالات بگڑ چکے تھے اور والئی افریقہ کی ناکامی اور اندلس کے حالات سے خلیفہ ہشام بن عبدالملک کو اطلاع ہو چکی تھی اس لئے خلیفہ نے آئین کی حالت کو درست کرنے کے لئے والی کا تقرر اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ اور عبدالرحمن بن عبداللہ کو یہاں کا امیر مقرر کیا۔

عبدالرحمن بن عبداللہ غافقی

عبدالرحمن پہلے بھی امیر بنایا گیا تھا اور افواج میں اپنی عادات واخلاق کی وجہ سے ہر دلعزیز تھا لیکن امیران آئین کی پالیسیوں سے گھبرا کر روپوش ہو گیا تھا۔ خلیفہ ہشام بن عبدالملک کے قاصد نے اس کو تلاش کر کے پروانہ تقرری دیا جن مخالفین نے اس کو پہلے معزول کروایا تھا وہ اب بھی موجود تھے لیکن کیونکہ عبدالرحمن کو خلیفہ کی حمایت حاصل تھی اس لئے اب اس نے ان کی پرواہ نہ کی اور مطلق العنان طور پر اپنے فرائض ادا کرنے لگا۔

اس نے پورے ملک کا دورہ کیا بہت سی اصلاحات کیں انتظامی خرابیوں کو دور کیا۔ پچھلے امیروں کی بدعنوانیوں کو ختم کیا عیسائیوں کے ساتھ جو معاہدے ہوئے تھے اور ان پر عمل کر کے جو نئے گرجا بنائے گئے تھے ان کو مسمار کر دیا اور جہاں پرانے گرجاؤں کو بند کر کے ان کی جائدادیں ضبط کر لی گئی تھیں ان کو کھلوایا اور جائدادیں بحال کیں۔ رشوت ستانی اور تحفوتحائف کے قبول کرنے کی رسم کو سختی سے روکا اور ہر چاروں طرف امن وامان قائم کیا۔

عبدالرحمٰن ایک زبردست مجاہد اور تجربہ کار سپہ سالار تھا۔ وہ یہ جانتا تھا کہ ملک میں امن و امان قائم رکھنے کے لئے ضروری ہے کہ جہاد کو ایک بار پھر جاری کیا جائے۔ چنانچہ اس نے پورے فرانس کی تسخیر کا ارادہ عوام کے سامنے پیش کیا عوام نے اس ارادے کی تائید کی اس کے لئے زبردست فوج اور سرمایہ جمع کرنے کی مہم چلائی گئی ابھی وہ اسی میں مشغول تھا کہ مشرقی صوبے کے والی عثمان بن ابی نسعہ نے جو پہلے اسپین کی ولایت پر رہ چکا تھا بغاوت کر دی یہ بغاوت دراصل ایک طرف تو عثمان کا عبدالرحمٰن سے حسد کا نتیجہ تھی۔ دوسری عیسائیوں نے اس کو بہکا دیا تھا۔ اس نے شمالی اسپین میں اپنی خود مختار حکومت کا اعلان کر دیا۔ عیسائی حکمران ڈیوک آف ایکوٹین نے اس سے دوستی کر لی اور اپنی لڑکی کا عقد بھی اس سے کر دیا۔ عبدالرحمٰن نے ایک لشکر اس کے استیصال کے لئے بھیجا۔ عثمان جلیقیہ کی طرف بھاگا لیکن تعاقب میں مارا گیا اور اس کی بیوی گرفتار کر کے قرطبہ لائی گئی۔

عثمان کی بغاوت نے عبدالرحمٰن کو فرانس پر فوج کشی کی اہمیت اور واضح کر دی اور اس نے ایک لاکھ کا لشکر فراہم کر کے کوہ البرانس کے مغربی درّہ سے فرانس میں داخل ہو کر مشرقی حصے میں سابقہ مفتوحہ شہر اربل کو دوبارہ فتح کیا کیونکہ عثمان کی بغاوت میں اس شہر نے بھی جزیہ ادا کرنے سے انکار کر دیا تھا دوسرے شہر لوزون نے فوراً اطاعت قبول کر لی۔

اسلامی لشکر نے دریائے دوردون (Dordogne) کے کنارے ڈیوک آف ایکوٹین کو زبردست شکست دی اور کوچ کرتے ہوئے مشہور فرانسیسی بندرگاہ بورڈو (Bordeauze) پر حملہ آور ہوئے۔ شہر والوں نے مزاحمت کی لیکن فتح مسلمانوں کے حصے میں تھی۔ یہاں ڈیوک آف ایکوٹین کے خزانے کا بہت بڑا حصہ مسلمانوں کے قبضہ میں آگیا۔ اس کے بعد عبدالرحمٰن نے شمالی حصے کی طرف پیش قدمی کی دریائے دوردون پر پھر ڈیوک نے مزاحمت کی لیکن بُری طرح شکست کھائی اور اس کا پورا لشکر تباہ ہو گیا۔ مسلمان دریا عبور کر کے پائیٹرس (Poitiers) پہنچے اور اس کے مضافات کو تاخت و تاراج کیا اور سینٹ پلاوی کے گرجا کو لوٹ لیا۔ اس مہم میں عبدالرحمٰن نے شمال مشرقی اور جنوبی فرانس کے بڑے حصے کو تاخت و تاراج کیا اور مال غنیمت کا انبار لیکر قرطبہ واپس ہوا۔

جنگِ طلوشہ (ٹورس)

چند دن قرطبہ میں ٹھہر کر اور انتظام و انصرام درست کر کے عبدالرحمٰن غافقی دوبارہ فرانس کی طرف روانہ ہوا۔

اب کے ڈیوک آف ایکوٹین تنہا اس کے مقابلے پر نہ تھا بلکہ ڈیوک نے اپنے پرانے دشمن فرانس کے چارلس کو بھی جنگ پر آمادہ کر لیا تھا۔ چارلس نے مسلمانوں کے اس حملے کو مذہبی رنگ دے کر جرمنی، فرانسیسی اور برگانی باشندوں کو بھی اپنے ساتھ ملا لیا تھا اور جنگ کی زبردست تیاری کر کے غافقی کا انتظار کرنے لگا۔ عبدالرحمن پائیرس سے طلوشہ (ٹورس) کی طرف بڑھا۔ ٹورس کے کلیسا مارٹن میں دولت کے انبار تھے جس پر مسلمان قبضہ کرنا چاہتے تھے۔ لیکن چارلس بھی ان کو بچانے کے لئے سینٹ مارٹن کے میدان میں مورچہ بند ہو گیا۔ دونوں فوجیں ایک ہفتہ تک آمنے سامنے خاموش کھڑی رہیں۔ بالآخر مسلمانوں نے پہل کی۔ کئی روز تک جنگ جاری رہی۔ یہانتک کہ عیسائیوں نے عقب سے مال غنیمت پر حملہ کر دیا۔ مسلمان اس کو بچانے کے لئے مڑے عبدالرحمن نے مورچہ سنبھالنا چاہا لیکن وقت آچکا تھا ایک تیر سے زخمی ہو کر گھوڑے سے گرا اور جام شہادت نوش کیا۔ مسلمانوں کی ہمت پست ہو گئی اور وہ شب کی تاریکی میں میدان سے فرار ہو گئے۔ عیسائیوں نے اسے مسلمانوں کی ایک جنگی چال سمجھی اور تعاقب نہ کیا۔ چنانچہ شکست خوردہ لشکر سلامتی کے ساتھ سپین پہنچ گیا۔ یہ جنگ ماہ رمضان ۱۱۴ھ مطابق اکتوبر ۷۳۲ء میں ہوئی اور اس میں مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد شہید ہوئی۔

عبدالملک بن قطن فہری

عبدالرحمن غافقی کی شہادت کے فوراً بعد عبدالملک بن قطن کو امیر بنا دیا گیا۔ یہ سن رسیدہ اور جہاندیدہ اکابرین سے تھا اور کم و بیش سب ہی فوجی مہمات میں شرکت کر چکا تھا۔ ۱۱۴ھ میں حکومت اسکے سپرد کی گئی۔ والی افریقہ نے ہدایت دی کہ جنگ طلوشہ (ٹورس) کا انتقام لیا جائے تاکہ اس جنگ کی وجہ سے فرانس میں دیگر مفتوحہ علاقے جو بغاوت پر آمادہ ہیں مسلمانوں کے ہاتھوں سے نہ نکلنے پائیں۔ لیکن اس معاملے میں عبدالملک نے دور اندیشی اور تدبر کا ثبوت نہ دیا اور برسات کے موسم میں فرانس پر چڑھائی کر دی جس کی وجہ سے وہ کوئی کامیاب یلغار نہ کر سکا اور قرطبہ واپس آگیا۔ والی افریقہ اس کی اس ناکام مہم سے ناراض ہو گیا اور اس کو معزول کر کے عقبہ بن حجاج سلولی کو سپین کا امیر مقرر کیا۔

عقبہ بن حجاج سلولی

ماہ شوال ۱۱۶ھ / ۷۳۴ء میں عقبہ سپین آئے وہ خوش مزاج اور نیک اخلاق والے تھے۔ انتظامی صلاحیتیں

بھی ان میں بدرجۂ اتم موجود تھیں۔ انہوں نے سب سے پہلے حکومت کے شعبوں میں رد و بدل کر کے ان کو مختلف دواوین میں تقسیم کیا۔ تعلیم اور محکمہ عدالت پر خاص توجہ دی اور حکومت کی انتظامی بنیادوں کو پہلے سے زیادہ مستحکم کیا۔[1]

استحکام حکومت کے بعد عقبہ نے اپنی فوجی سرگرمیاں شروع کیں سب سے پہلے اس نے جنوبی فرانس کے مفتوحہ علاقے پر اپنے اثرات کو مضبوط کرنے کے لئے وینس اور نون کے کنارے کنارے مسلم فوج کی نئی چھاؤنیاں بسائیں اور والنس (Volence) سنٹ پال تروی شاتو (Toris Chateauze) اور دون زری (Donzre) جیسے اہم شہروں پر قبضہ بھی کر لیا۔

دوسری طرف اسٹورقہ (اسٹریاس) اور جلیقیہ (گلیشیا) پر توجہ کی جو بغاوت پر آمادہ تھے۔ ان دونوں صوبوں پر دوبارہ اقتدار حاصل کر کے جابجا مسلمانوں کو آباد کیا۔ چارلس مارٹل ان دنوں فرانس کے علاقے کو تاخت و تاراج کر رہا تھا۔ چارلس نے مارسیلز پر حملہ کیا۔ ڈیوک آف مارسیلز نے مسلمانوں سے مدد طلب کی۔ یوسف بن عبدالرحمٰن صوبہ ناربون کا بیدار مغز والی تھا۔ ڈیوک آف مارسیلز سے اس نے ایک تحریری معاہدہ کیا جس کی رو سے مارسیلز مسلم حکومت کا باجگذار بن گیا۔ اور اس کے آس پاس کے تمام علاقے بھی زیر اثر آ گئے۔ چنانچہ یوسف نے اس علاقے کی حفاظت کے لئے ایک بڑی فوج شمالی سرحد پر تعینات کر دی جس کا یہ اثر ہوا کہ کچھ عرصے کے لئے چارلس مارٹل کے حملے رک گئے۔

یوسف اور عقبہ فرانس میں مزید پیش قدمی کی فکر کر رہے تھے کہ خود اندرونِ ملک ایک زبردست ہنگامہ عرب اور بربروں میں شروع ہو گیا جس نے کشت و خون اور غارت گری کی شکل اختیار کر لی۔ عرب بربر کشمکش کا آغاز تو افریقہ سے ہوا تھا لیکن اس کے اثرات اسپین پر پڑنا لازمی تھے۔[2] یہ سارا فتنہ دراصل اسی پرانے تصور کا پرتو تھا جس نے اسلامی تہذیب کو عربی تہذیب کے آگے جھکنے پر مجبور کر دیا تھا۔ عرب اقتدار کے نشے میں اتنے مست ہو گئے تھے کہ دیگر نومسلم اقوام کو اپنے مقابلے میں حقیر جانتے تھے۔ بربر طبعاً آزادی پسند تھے بدویت کے تمام خصائص ان میں موجود تھے اور جابرانہ حکومت کو کسی حال میں برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ طاقت کے بل پر ان کو تابع نہ کیا جا سکا صرف اسلام نے ان کے دلوں کو موم کر دیا تھا۔ اسلام لانے کے بعد وہ بحیثیت مسلمان کے مساویانہ سلوک کے طلبگار تھے۔ لیکن جب ان پر ظلم و تشدد کیا گیا اور عام غیر مسلم رعایا کی طرح ان سے بھی برتاؤ

---

[1] تاریخ اندلس ج ۱ ص ۱۶۹ [2] تفصیل کے لئے دیکھئے آگے "دور ولایت کا جائزہ"

کیا جانے لگا تو وہ مشتعل ہو گئے اور سرکشی پر آمادہ ہو گئے۔ اور اس عرب بربر مخالفت نے ایک خونریز تصادم کی شکل اختیار کر لی جس کی خون آشامی سے پورا افریقہ رنگین ہو گیا۔ عربوں کو اس ہنگامہ آرائی میں ہزیمت اٹھانی پڑی اور پورے شمالی افریقہ سے عربوں کا اقتدار ختم ہو گیا۔ افریقہ کے اس ہنگامے کا اثر اسپین پر بھی پڑا اور یہاں بھی خون کی ندیاں بہنے لگیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ خود عرب قبائل بھی اقتدار کی جنگ میں الجھ کر رہ گئے جس کا لامتناہی سلسلہ عبدالرحمٰن الداخل کی اسپین میں آنے کے بعد ختم ہوا۔ اقتدار کی اس کشمکش اور قبائلی منافرت کی مسلسل جنگوں نے مسلم ریاست کو اسپین میں ناقابل تلافی نقصان پہنچایا اور عیسائیوں نے اس سیاسی انتشار سے بیحد فائدہ اٹھایا۔ ۷۳۲ء میں چارلس مارٹل نے پرووینس کی باجگذار مسلم ریاست پر حملہ کیا۔ یوسف بن عبدالرحمٰن نے مقابلہ کیا لیکن شکست کھائی اور یہ پورا علاقہ مسلم اثر سے نکل گیا اور ساتھ ہی ساتھ لوزون اور پرووینس کا مشہور شہر اوینیون (Avonnis) سے بھی مسلمانوں کا اقتدار ختم ہو گیا۔ مارٹل نے براہ راست ناربون (ارونہ) پر حملہ کیا لیکن مسلمانوں کو بروقت کمک پہنچنے کی وجہ سے اسے ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ چارلس مارٹل کی [illegible] سے پرووینس (Provence) لینگوڈاک (Lovence) ایگڈے (Agde) بیرس (Bayiers) نیمیس (Nimes) میگولون (Maguelome) وشمید نقصان ہوا جو نارب کی مسلم حکومت کے دوست تھے۔ چارلس کے بعد ڈیوک آف آرسیلز نے اونیون کو چارلس سے چھین لیا اگلے سال پھر چارلس نے حملہ کر کے اس پر قبضہ کر لیا۔[1] ڈیوک آف آرسیلز نے مسلمانوں سے مدد مانگی لیکن مسلمانوں کی طرف سے اس وقت کسی بھی قسم کی مدد نہ دی جا سکی۔

ابھی عرب بربر کشمکش کا خاتمہ نہ ہوا تھا کہ والی افریقہ نے افریقہ میں بغاوت کو ختم کرنے کے لیے عقبہ کو اسپین بلایا یہ اس کی غیر دانشمندی اور سیاسی سوجھ بوجھ کی کمی کا نتیجہ تھا۔ بربروں نے اس سے فائدہ اٹھایا اور عبدالملک بن قطن فہری کو اپنا امیر بنا کر اسپین کی آزاد حکومت کا اعلان کر دیا اور حکومت افریقہ سے اپنے تعلقات منقطع کر لئے۔ عقبہ کو اسپین دوبارہ آنے کی مہلت نہ ملی اور وہ ماہ صفر ۱۲۳ھ/۷۴۱ء میں انتقال کر گئے۔

عبدالملک بن قطن فہری (مستولی)

عبدالملک اس سے قبل ۷۲۲ء ۷۲۴ء میں تقریباً دو سال اسپین

---

[1] ابن اثیر ج ۵ ص ۱۴۴۔ مجموعہ اخبار ص ۲۵۔ دوزی ج ۲ ص ۲۰۳

کے والی رہ چکے تھے اور ان کے خیال میں ان کو بے انصافی سے معزول کیا گیا تھا اس وقت ان کی عمر ۹۰ برس کی تھی وہ واقعہ حرّہ میں شریک تھے جو یزید بن معاویہ کے زمانے میں مدینہ منورہ میں پیش آیا تھا اور جس میں اہل مدینہ کا قتل عام اور بے حرمتی کی گئی تھی چنانچہ اس واقعہ سے عبدالملک کے دل میں شامیوں کے خلاف غم و غصہ بھرا ہوا تھا بربر چونکہ شامیوں کے خلاف تھے اس لئے انہوں نے عبدالملک ہی کو امیر بنانا پسند کیا عبدالملک نے دارالحکومت پر زبردستی قبضہ کر کے حجازی عربوں اور بربروں کی مدد سے حکومت کو اپنے ہاتھ میں لے لیا۔

آپس کی خانہ جنگی سے مسلمانوں کو پہلا نقصان تو سرزمین فرانس میں چارلس مارٹل کے ہاتھوں اٹھانا پڑا۔ دوسری طرف پلایو (صخرۂ بلائی) کے جانشینوں نے موقع سے فائدہ اٹھایا یہ بتایا جا چکا ہے کہ امیر عنبسہ کے زمانے میں پلایو کی قوت کو بالکل منتشر کر کے ختم کر دیا گیا تھا اور پلایو خود گمنامی کے عالم میں مر چکا تھا عیسائیوں نے پلایو کے بعد اس کے بیٹے فاویلا (Favila) کو اپنا لیڈر بنایا لیکن وہ شکار کھیلتے ہوئے مارا گیا اس کے لڑکے ابھی کم سن تھے اس لئے عیسائیوں نے پلایو کے داماد الفانسو کو اپنا لیڈر بنا لیا جس وقت امیر عقبہ بن حجاج افریقہ بلائے گئے اور مسلم اسپین میں انتشار پھیلا الفانسو نے اسی انتشار سے فائدہ اٹھاتے ہوئے پورے صوبے جلیقیہ پر قبضہ کے ساتھ ساتھ موجودہ پرتگال کے کچھ علاقے بھی دبا لئے اور اپنے لئے بادشاہ کا لقب اختیار کر لیا۔ مسلم ریاست کے پہلو بہ پہلو عیسائیوں نے اپنی حکومت قائم کر لی جو روز بروز بڑھتی اور طاقتور ہوتی گئی بالآخر پورے اسپین پر چھا گئی مسلمانوں کو خود اپنی خانہ جنگیوں سے فرصت نہیں تھی کہ اس کے خلاف کارروائی کر سکتے۔

افریقیہ کی بربر بغاوت کو بزور شمشیر دبانے کے لئے خلیفہ ہشام بن عبدالملک نے ۳۰ ہزار فوج افریقیہ روانہ کی اور اس کا سردار کلثوم بن عیاض کو مقرر کیا اور ہدایت کی کہ اس کے مارے جانے کے بعد بلج بن بشر قشیری اور اس کے بعد ثعلبہ بن سلامہ عجلی کو سپہ سالار بنایا جائے۔ یہ لشکر ۱۲۳ھ میں افریقیہ میں داخل ہوا یہ موقع تھا کہ عربوں کو اپنی قبائلی عصبیت کو ختم کر کے متحدہ طور پر بربر قوس کی بغاوت کو کچل ڈالنا چاہئے تھا لیکن شامی افواج کو اپنی کثرت تعداد اور فن سپاہ گری پر ناز تھا اس لئے انہوں نے افریقیہ کے قدیم عرب باشندوں کو جن میں بڑی تعداد مدنیوں اور حجازیوں کی تھی منہ نہ لگایا جس سے یہ لوگ شامیوں سے بدظن ہو گئے چنانچہ بقدورہ کے میدان میں

ایک غلط فوجی حکمت عملی کے سبب سات ہزار عرب سپاہ نے بربروں کے ہاتھوں شکست کھائی اور کلثوم بن عیاض مارے گئے۔ بلج بن بشر نے کمان سنبھالی اور باقی ماندہ ہزیمت خوردہ فوج لیکر سبتہ میں قلعہ بند ہو کر بیٹھ گیا۔ بربروں نے اس کا تعاقب کیا اور سبتہ کے آس پاس کے تمام علاقے کو تباہ و برباد کر کے واپس آگئے تاکہ بلج کو غذا میسر نہ آسکے۔ اور وہ اور اسکے ساتھ سب بھوکوں مر جائیں ورایسا ہی ہوا بلج اور شامی سپاہ بھوکوں مرنے لگی مجبوراً انہوں نے نہ صرف آپین سے غلہ کی امداد چاہی بلکہ اس بات کی اجازت بھی مانگی کہ ان کو آپین آنے دیا جائے عبدالملک بن قطن ایک تو خود شامیوں سے بدظن تھا پھر ان شامیوں کے دشمن بربر اس کے دوست تھے اس لئے اس نے نہ تو بلج کی کوئی مدد کی اور نہ ان کو آپین آنے کی اجازت دی۔ بلج بن بشر اور شامی لشکر کی مصیبتیں روز بروز بڑھتی چلی گئیں۔ جن عربوں نے آپین سے ان کی امداد کرنی چاہی عبدالملک نے ان کو سزا دی جس کی بنا پر دوسروں کو ان کی مدد کرنے کی ہمت نہ ہوئی چنانچہ بلج کے لئے اس کے سوائے اب کوئی دوسرا راستہ نہ تھا کہ وہ زبردستی آپین میں داخل ہو جائے۔

آپین کی اندرونی سیاست میں ایک اور انقلاب رونما ہوا فریقین۔ بربروں کی کامیابی نے آپین کے بربروں کے دماغ آسمان پر چڑھا دئے اور وہ اس بات کی کوشش کرنے لگے کہ جزیرہ نما آپین سے عربوں کو فنا کر کے اپنا ہی امیر مقرر کریں۔ چنانچہ جہاں جہاں بربروں کی تعداد زیادہ تھی مثلاً اشتورقہ اور جلیقیہ وہاں سے پوری عرب آبادی کو مجبور کر کے نکال باہر کیا۔ عرب آبادی سمٹ کر یکجا ہو گئی اس طرح پورا وسطی آپین عربوں سے خالی ہو گیا عبدالملک بن قطن نے پہلے تو بربروں کو دوست بنانا چاہا لیکن جب وہ نہ مانے تو ان کے خلاف لشکر کشی کی جس میں عربوں کو ہی شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ اپنی شکست اور عربوں کے قتل عام کو دیکھتے ہوئے عبدالملک کے پاس اب کوئی چارہ نہ رہا۔ کہ وہ بلج بن بشر اور اس کی سپاہ کو آپین میں بلالے لیکن ان کی طرف سے اطمینان نہ تھا اس لئے ایک طرف تو اس نے غلہ اور کپڑوں سے لدے ہوئے جہاز سبتہ بھیجے اور دوسری طرف مندرجہ ذیل دو شرائط پر انہیں آپین آنے کی دعوت دی۔

(۱) ملک میں امن و امان رکھنے اور حکومت کے فرمانبردار رہنے کی ضمانت میں ہر قبیلے سے دس دس آدمی بطور یرغمال بھیجے جائیں۔

(۲) شامی ایک سال تک اسپین میں رہیں گے اور حکومت کی مدد کریں گے پھر مع اپنے ساز و سامان کے اس ملک سے واپس چلے جائیں گے اور اپنے یرغمال بھی ساتھ لے جائیں گے اس کے ساتھ ہی شامیوں نے یہ شرط رکھی کہ ان کی اسپین سے واپسی ایک ساتھ ہوگی۔ ایسا نہ ہو کہ وہ واپسی کے وقت بربروں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیئے جائیں۔[1]

ان شرائط کے ساتھ بلج بن بشر دس ہزار شامیوں کے ساتھ اسپین میں داخل ہوا چند ہی دن میں وہ سب خوشحال ہو گئے۔ بربروں نے بھی اپنی تجویز کے مطابق ابن بدین نامی ایک سردار کی سرکردگی میں طاقت فراہم کر لی تھی۔ بربروں اور شامیوں کی پہلی لڑائی مدینہ شذونہ پر ہوئی جس میں بربروں کو شکست ہوئی دوسرا لشکر قرطبہ پر چڑھائی کے لئے آیا تھا اس کو بھی پسپا ہونا پڑا۔ سب سے بڑا اور اہم تیسرا لشکر تھا جس نے طلیطلہ کے قریب وادی سلیط میں عربوں اور شامیوں سے بُری طرح شکست کھائی اور پورا لشکر برباد ہو گیا۔ شامیوں نے بربروں کے اسلحہ پر قبضہ کر کے اپنی طاقت کو مستحکم کر لیا۔ اس کے بعد عبدالملک بن قطن نے تمام ملک میں بربروں کا قتل عام کیا اور ان کی جمعیت کو منتشر کر دیا۔

ایک سال گذرنے پر عبدالملک نے شامیوں کی واپسی کا مطالبہ کیا بلج نے اپنی شرائط پر واپسی منظور کی لیکن جزیرۂ خضراء جو اس وقت بحری جہازوں کا اڈہ تھا بربروں کی زبردست آماجگاہ تھا جہاں سے شامیوں نے جانے سے انکار کر دیا اگر جہازوں کو الخضراء سے ہٹا کر کسی اور بندرگاہ پر لیجایا جاتا تو بربر سبتہ پر قبضہ کر لیتے بہرحال نہ شامیوں کو جانا تھا نہ عبدالملک ان کو نکال سکا۔ اختلافات بڑھتے گئے یہاں تک کہ شامی ایک دن اس کے محل پر ٹوٹ پڑے عبدالملک کو معزول کر کے اس کو اس کے اپنے مکان دارابی ایوب میں بند کر دیا اور بلج بن بشر کو اس کی جگہ امیر اسپین بنا لیا۔

بلج بن بشر قشیری (مستولی) بلج نے زبردستی ولایت پر قبضہ کیا تھا گو عبدالملک بھی مستولی تھا لیکن اس کو عوام کی ہر دلعزیزی حاصل تھی۔ بلج کے لئے بھی ضروری تھا کہ وہ عوام میں ہر دلعزیزی حاصل کرے لیکن شامیوں کے زور پر وہ حکمرانی کرنے لگا۔ اس نے سب سے پہلے جزیرۂ ام حکیم سے جو جزیرۂ خضراء کے والی کے ماتحت تھا اپنے یرغمالوں کو آزاد کیا جو وہاں پر مصائب میں مبتلاء تھے۔ اور ایک عیسائی رئیس ان مصائب کی وجہ سے مر بھی گیا تھا۔ اسپین آتے ہی ان یرغمالوں نے دیگر شامیوں سے مل کر عبدالملک کے قتل کے لئے شور

[1] ریاست علی ندوی: تاریخ اندلس ج ۱ ص ۱۸۱

مچانا شروع کیا۔ بلج نے ان کو بہت سمجھایا لیکن وہ نہ مانے اور ایک دن نہایت توہین آمیز طریقے سے عبدالملک کو سولی پر چڑھا دیا۔ عبدالملک کے مارے جانے سے قبائلی دشمنی کی وہ آگ بھڑکی کہ جس نے آئندہ چند سالوں تک اسپین کی سرزمین کو انسانی خون سے لالہ زار کیا۔

عبدالملک کے لڑکے اُمیّہ اور قطن نے بلج کے خلاف بغاوت کا نعرہ بلند کیا۔ بلج کا ایک سپہ سالار عبدالرحمٰن بن حبیب مع غیر شامی عربوں کے لشکر کے ان کے ساتھ مل گیا۔ بربروں نے بھی شامیوں کے خلاف موقع غنیمت سمجھا اور اُمیّہ اور قطن کے ساتھ مل گئے۔ صوبہ ناربون میں عبدالملک کا متعین کردہ والی عبدالرحمٰن بن علقمہ بھی معہ ۴ ہزار فوج کے ان کے ساتھ شامل ہو گیا اور اس طرح ایک لاکھ کا لشکر ۱۰ ہزار شامیوں کی سرکوبی کے لئے روانہ ہو گیا۔ قرطبہ کے قریب وقبہ میں دونوں فوجیں آمنے سامنے آگئیں۔ بلج میدان جنگ میں ابن علقمہ کے ہاتھوں زخمی ہو کر ۱۲۴ھ/۷۴۲ء میں مر گیا۔ شامیوں نے ثعلبہ کو اپنی فوج کا امیر منتخب کیا۔ [1]

ثعلبہ بن سلامہ عاملی

۱۲۴ھ/۷۴۲ء میں ثعلبہ کو اس بنا پر امیر مقرر کیا گیا کہ خلیفہ ہشام بن عبدالملک نے کلثوم کے بعد بلج کو اور اس کا جانشین ثعلبہ بن سلامہ کو مقرر کیا تھا۔ لیکن شامیوں کے علاوہ باشندگانِ مسلم اسپین نے اس کو والی تسلیم نہیں کیا۔

وقبہ کے میدان میں بلج کے مارے جانے کے بعد شامیوں کو پسپا ہونا پڑا۔ چنانچہ انہوں نے مع ثعلبہ کے ماردہ میں پناہ لی۔ اُمیّہ اور قطن بھی اپنی فوج لیکر ماردہ پہونچ گئے۔ اور شہر کا معاصرہ کر لیا ثعلبہ سخت پریشانیوں میں گھر گیا۔ اسے اپنی تباہی نظر آنے لگی اتفاق سے عید کا دن آگیا اور عرب اور بربر عید منانے میں مشغول ہو گئے۔ ثعلبہ نے موقع غنیمت جانا اور دفعتاً شہر سے نکل کر بے خبری کی حالت میں عربوں اور بربروں پر ٹوٹ پڑا اور زبردست قتل عام کیا۔ عرب اور بربر خوف و پریشانی میں اِدھر اُدھر بھاگنے لگے اور بہت سے گرفتار ہو گئے۔ ثعلبہ قیدیوں کو قرطبہ لایا اور ان کو سرعام نیلام کیا جن میں مختلف قبائل کے شیوخ بھی تھے۔ جو نیلام سے بچ گئے قید خانے میں ڈال دیئے گئے۔ ثعلبہ نے گو مخالفین کی قوت ختم کر دی تھی لیکن خود اس کی حکومت کی حدود قرطبہ اور ماردہ سے آگے نہ بڑھ سکیں۔ اہل اسپین اس خانہ جنگی اور خونریزی سے عاجز آگئے تھے۔ چنانچہ انہوں

[1] یہ سب حالات ابن اثیر ج ۵ ص ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۴، ۱۹۵ سے ماخوذ ہیں

نے والیٔ افریقیہ حنظلہ بن صفوان کلبی سے کسی ایسے شخص کو امیر مقرر کرنے کی درخواست کی جو ملک میں ہر دلعزیزی پیدا کر کے امن وامان قائم کر سکے۔ حنظلہ نے ابوالخطار حسام بن ضرار کلبی کو امیر مقرر کیا۔ جو ماہ رجب ۱۲۵ھ / ۷۴۳ء میں اسپین میں داخل ہوا۔ ثعلبہ بن سلامہ صرف دس ماہ حکومت کر سکا۔[1]

ابوالخطار حسام بن ضرار کلبی

درحقیقت والیٔ افریقیہ نے ایک ایسے شخص کو بھیجا تھا جو صاحب الرائے، ہوشمند، بہادر اور نیک تھا اور دمشق کے ممتاز رؤساء میں سے تھا۔ جس وقت اس نے اسپین میں قدم رکھا عرب بربر اور شامی قرطبہ کے مغرب میں مصارہ کے میدان میں نبرد آزمائی کی تیاریاں کر رہے تھے۔ ابوالخطار نے عین میدان جنگ میں اپنا علم گاڑ دیا دونوں طرف کے سرداراس کی پیشوائی کے لئے آگے بڑھے ابوالخطار نے ان سے خطاب کیا۔

"تم سنو گے؟..... اطاعت کرو گے؟" سب نے گردنیں جھکا دیں قدیم عرب باشندوں نے بلند آواز سے کہا: "ہم اطاعت کرتے ہیں لیکن ان شامیوں کے لئے ہمارے پاس کوئی جگہ نہیں" ابوالخطار نے انہیں تسلی دی اور قرطبہ روانہ ہو گیا۔ تمام حریف سرداراس کے ساتھ تھے۔ اس نے قرطبہ پہنچ کر پہلا کام یہ کیا کہ تمام بربر قیدیوں کو جن کو ثعلبہ موت کی سزا دے چکا تھا رہا کر دیا جس سے بربر بھی اس کے ہمنوا ہو گئے۔ اس کے بعد اس نے اسپین میں دس شامی عمائدین کو اپنے محل میں بلا کر اتنی دانشمندی اور دوراندیشی سے ان کو سمجھایا کہ وہ اسپین سے جلاوطن ہونے پر رضامند ہو گئے۔ اور ان کو افریقیہ بھیج دیا گیا۔ عبدالملک کے لڑکے اُمیّہ اور قطن کو نشیب و فراز سمجھا کر اسپین میں پرامن شہری کی زندگی گذارنے کی اجازت دیدی۔ عبدالرحمٰن بن حبیب جو حکومت افریقیہ کا باغی تھا اور اسپین میں روپوش تھا وہ ان حالات سے پریشان ہو گیا اور تیونس کی طرف راہ فرار اختیار کی۔ یہی بعد میں افریقیہ کا والی بنا۔

ابوالخطار کے سامنے نو وارد شامیوں کا مسئلہ تھا وہ ان کو ملک سے باہر بھیجنا نہ چاہتا تھا۔ کیونکہ وہ حکومت کی طاقت کا بڑا حصہ تھے اس نے اکابرین اسپین کی ایک مجلس مشاورت بلائی اور یہ سوال پیش کیا گیا تھ شہزادہ ارطباش بھی ان میں موجود تھا۔ اس نے یہ رائے دی کہ ان شامیوں کو ملک کے ان مختلف علاقوں میں آباد کر دیا جائے جہاں کی آب وہوا ان کے مزاج کے موافق ہو۔[2]

---

[1] ابن اثیر ج ۵ ص ۱۹۳-۵

[2] تاریخ اندلس ج ۱ ص ۱۹۳

خود ابوالخطار بھی یہی چاہتا تھا چنانچہ اس منصوبہ کے مطابق حسب ذیل شہروں میں شامیوں کو آباد کیا اور ان کو اس بات کی اجازت بھی دیدی کہ وہ ان شہروں کے نام بھی شامی شہروں پر رکھ سکتے ہیں۔

اہل دمشق کو ـــــ البیرہ میں
اہل اردن کو ـــــ الریہ میں
اہل قنسرین کو ـــــ جیان میں
اہل حمص کو ـــــ اشبیلیہ میں
اہل فلسطین کو ـــــ شذونہ میں
اہل مصر کو ـــــ باجہ تدمیر اور اخشنبہ میں

شامی ان علاقوں میں خوب پھلے پھولے اور آئندہ چل کر اسپین کے ممتاز باشندوں میں ان کا شمار ہوا۔[1] ابوالخطار کی اس مدبرانہ کارروائی سے ملک میں تقریباً چار سال امن و امان رہا اور معاشی، اقتصادی و تجارتی ترقی بھی ہوئی۔

لیکن ابوالخطار کے بھی چار ایسے دشمن پیدا ہو گئے جو ایک طرف تو عمائدین شمار ہوتے تھے اور دوسری طرف قبائلی عصبیت کے بدترین شکار تھے۔ ان میں سے ایک تو حضرت حسین رضؓ کے قاتل شمر کا پوتا صمیل بن حاتم تھا جو اہل قنسرین کے ساتھ جیان میں آباد ہو گیا تھا اور قبیلہ قیس اس کا گرویدہ تھا۔ ابوالخطار قبائلی حیثیت سے کلبی تھا اس لئے صمیل قیسی ہونے کی وجہ سے اس سے دیرینہ عناد رکھتا تھا۔ دوسرا ابوالعطاء قیسی تھا جو ابوالخطار اور صمیل دونوں کے خلاف بغض رکھتا تھا۔ تیسرے عبدالملک بن قطن کے دونوں لڑکے امیہ اور قطن تھے جو اپنے سابقہ اقتدار کے چھن جانے سے خوش نہ تھے۔ چوتھا ثوابہ بن سلمہ حذامی تھا جس کو ابوالخطار نے اشبیلیہ کا والی بنا دیا تھا لیکن جب وہ اپنے فرائض صحیح انجام نہ دے سکا تھا تو اس کو معزول کر دیا تھا۔ یہ لوگ ابھی تک دیرینہ مخالف تھے اسی دوران ابوالخطار اور صمیل کے درمیان ایک کنائی کے ساتھ ناانصافی ہونے پر سخت کلامی ہو گئی۔ ابوالخطار نے غصہ میں صمیل کو دھکے دے کر اپنے کمرے سے باہر نکلوا دیا۔ صمیل قبیلۂ مضر میں آیا اور ان کو ابوالخطار کے خلاف بغاوت پر آمادہ کر کے خود جنگی تیاریوں کے لئے

[1] ابن اثیر ج ۵ ص ۲۰۴ ابن عذاری ص ۷۳ (اردو) مجموعہ اخبار الاندلس ص ۴۵

قرطبہ سے باہر چلا گیا۔ صمیل نے تدبر اور ذہانت پائی تھی چنانچہ اس نے ابوالخطار کے تمام دشمنوں کو یکجا کرنے کی کوشش کی اور وہ اس کوشش میں کامیاب ہو گیا۔ ابوالعطاء قیسی کے پاس وہ خود گیا اور اس کو مع لشکر کے لیکر مورور روانہ ہوا۔ مورور میں ثوابہ بن سلمہ خدانی موجود تھا صمیل نے اس کو اسپین کی مسند امارت پر بٹھانے کا وعدہ کر کے اپنے ساتھ ملا لیا۔ ابوالخطار کو صمیل کی ان تیاریوں کی اطلاع ہوئی اور اس کا علم ہوا کہ باغیوں نے ثوابہ بن سلمہ کو اپنا امیر نامزد کر لیا ہے۔ چنانچہ وہ تیزی کیساتھ قرطبہ میں اپنا قائم مقام مقرر کر کے صمیل کی سرکوبی کو روانہ ہوا۔ قرطبہ کے خالی ہوتے ہی امیہ بن عبدالملک بن قطن نے قرطبہ پر حملہ کر دیا اور دارالامارت کو لوٹ لیا۔ ادھر شنذونہ میں دریا کے کنارے دونوں فوجوں کا آمنا سامنا ہوا۔ ابوالخطار نے شکست کھائی اور بھاگا مگر پکڑا گیا اور قرطبہ کے قید خانے میں بند کر دیا گیا۔ صمیل اور ثوابہ قرطبہ میں داخل ہوئے معاہدے کے مطابق ثوابہ کو اسپین کا امیر مقرر کیا گیا۔ ابوالخطار چار سال چار ماہ حاکم رہا ماہ رجب ۱۲۸ھ میں اس کی حکومت کو زوال آگیا۔

ثوابہ بن سلمہ حدانی

۱۲۸ھ بزور شمشیر حاکم بنا لیکن والی افریقہ عبدالرحمن ابن حبیب نے اس کی امارت کی توثیق کر دی لیکن قبیلہ بنو کلب نے اس کی اطاعت نہ کی بنو خزاعہ بھی بنو کلب کے ساتھ ہو گئے۔ پرتگال کے شہر باجہ کو انہوں نے اپنا مرکز بنایا۔ بنو خزاعہ کے ۲۴۰ سوار عبدالرحمن بن حسان کلبی کی ماتحتی میں ایک رات قرطبہ پر چڑھ آئے اور ابوالخطار کو قید سے چھڑا کر لے گئے جنگ کی تیاریاں ہونے لگیں لیکن صمیل کی حکمت عملی اس موقع پر بھی کام آئی اس نے ابوالخطار کے لشکر میں ایک منادی کرنے والے کو بھیجا جس نے پکار کر فوجیوں کو بتایا کہ وہ جنگ ثوابہ کے خلاف نہیں کر رہے ہیں بلکہ خود اپنے آپ سے دشمنی کر رہے ہیں کیونکہ ثوابہ بھی ان ہی کے قبیلے کا آدمی ہے۔ غرض ابوالخطار کی فوجیوں کی عصبیت کو ابھار دیا گیا۔ اور انہوں نے جنگ سے ہاتھ کھینچ لیا۔ ابوالخطار اپنی جان بچا کر باجہ میں پناہ گزیں ہوا۔

ثوابہ ایک سال تک حکمرانی کرتا رہا ماہ شعبان ۱۲۹ھ میں اس کی وفات ہو گئی اور منصب امارت خالی ہو گیا۔ صمیل کے لئے جانشینی کا مسئلہ کھڑا ہو گیا۔ صمیل بذات خود کچھ وجوہات کی بنا پر امیر بننا نہ چاہتا تھا لیکن اپنے مطلب کے آدمی کو مسند امارت پر دیکھنا چاہتا تھا۔

ثوابہ کے لڑکے عمرو نے اور ایک دوسرے شخص یحییٰ بن حریث جذامی نے اپنے آپ کو امارت کا مستحق قرار دیا۔ ایک جماعت نے ابوالخطار کو دوبارہ امیر بنانے کی مہم شروع کر دی اسی لیت ولعل میں کچھ دن گذر گئے لوگوں نے ایک عالم فقیہہ عبدالرحمٰن بن کثیر کو چار ماہ کے لئے احکام وقضایا کے لئے عارضی طور پر مقرر کر لیا۔ صمیل کی نظرِ انتخاب سرحدی حکومت ارطبونہ کے سابق والی اور مشہور قائد یوسف بن عبدالرحمٰن پر ٹھہری۔ اس کا باپ اس وقت افریقہ کا والی تھا اس لئے قوی امید تھی کہ صمیل کو اس سے زیادہ فائدہ پہونچے گا۔ یوسف ایک نیک اور صلح جو شخص تھا خانہ جنگی کے دوران البیرہ میں خانہ نشین ہو گیا تھا۔ قرطبہ کے معززین کا ایک وفد اس کو سمجھا بجھا کر اور ملک کی امن وسلامتی کا واسطہ دیکر قرطبہ لے آیا۔

یوسف بن عبدالرحمٰن الفہری

۱۲۹ھ/۷۴۷ء میں یوسف نے اسپین کی امارت سنبھالی وہ فاتح افریقہ عقبہ بن نافع کے خاندان سے تھا اور اس وقت اس کا باپ افریقہ کا والی تھا۔ اس کا خاندان افریقہ اور اسپین کا معزز ترین خاندان شمار کیا جاتا تھا اور لوگ اس کی بڑی عزت کیا کرتے تھے خود یوسف بھی بڑی قابلیتوں کا مالک تھا۔ برشلونہ اور ارطبونہ (نربون) کا والی بھی رہا تھا۔ اس نے فتنہ وفساد کو ختم کرنے کے لئے امارت کے ایک دعویدار یحییٰ بن حریث جذامی کو صوبہ رَیّہ کا والی بنا دیا لیکن وہ اس منصب کی ذمہ داریاں نہ سنبھال سکا جس کی بنا پر یوسف نے اس کو معزول کر دیا اس کا معزول کرنا تھا کہ اسپین میں قبائلی جنگ کی ایسی آگ بھڑکی جو اس سے پہلے کبھی نہ دیکھی گئی تھی یحییٰ نے بغاوت کی اور ابوالخطار بھی اس کے ساتھ مل گیا اور اس بغاوت کو یمانی تحریک کا نام دیا گیا۔ یوسف اور صمیل نے مضریوں کو اکٹھا کیا اور قریب تھا کہ یہ جنگ چھڑ جائے کہ چند اکابرین قبائل نے بیچ میں پڑ کر اس بات پر صلح کرا دی کہ ایک ایک سال کیلئے فریقین کا امیر مقرر کیا جائے اور اس سال یوسف کو متفقہ طور پر امیر تسلیم کر لیا گیا۔ اس معاہدے کی رو سے ایک سال بعد یمانی امیر کو زمام حکومت ملنی چاہئے تھی۔ جب انہوں نے اس کا مطالبہ کیا تو صمیل حسب عادت معاہدے سے منحرف ہو گیا۔ یوسف نے انحراف معاہدے کی مخالفت کی اور احتجاج کے طور پر امارت سے دست کش ہو کر اپنے وطن البیرہ چلا گیا۔ شقندہ کے میدان میں ایک بار پھر مضر ویمانیوں

کا یہ دست جنگی اجتماع ہوا اس قبائلی اجتماع کو دیکھکر یوسف پھر البیرہ سے آکر صمیل کے ساتھ مل گیا یہ لڑائی ایک ہفتہ تک جاری رہی۔ لڑنے والوں کے ہتھیاروں اور گھوڑوں نے جواب دیدیا تو لاتوں گھونسوں اور مکوں کا نمبر آیا اور ایک دوسرے پر خاک اٹھا اٹھا کر ڈالنے لگے۔ مورخین کا کہنا ہے کہ اسلامی تاریخ کی یہ پہلی لڑائی تھی جو قبیلہ کے نام پر اس طرح لڑی گئی جس طرح عرب جاہلیت کے دور میں لڑی جاتی تھی۔ نوبت یہاں تک پہونچی کہ یوسف نے صمیل کے مشورے پر قرطبہ کے بازار والوں کو بھی اس لڑائی میں طلب کرلیا اور ان ہی بازار والوں نے جنگ کا فیصلہ کر دیا یمانیوں نے شکست کھائی۔ ابوالخطار اور یحییٰ بن حریث میدان جنگ سے بھاگے مگر پکڑے گئے اور صمیل کے کہنے پر قتل کر دیئے گئے۔ یوسف پھر البیرہ میں خانہ نشیں ہوگیا۔

لڑائی کے بعد صمیل البیرہ پہونچا اور یوسف بن عبدالرحمٰن کو راضی کرکے دوبارہ قرطبہ لے آیا اب چاروں طرف صمیل ہی صمیل تھا۔ یوسف کنارہ کش ہونے کی وجہ سے بڑی حد تک اپنی ہر دلعزیزی کھو چکا تھا لیکن اس کے باوجود چند قبائلی مصلحتوں کی بنا پر صمیل اپنی امارت کا اعلان نہ کرسکا اب بقول ابن اثیر امارت یوسف کی تھی اور حکم صمیل کا۔ یہ صورت حال زیادہ دنوں تک قائم نہ رہ سکی۔ یوسف کو صمیل کے اقدامات کی بجا آوری گراں گذر رہی تھی۔ وہ اقتدار اعلیٰ اپنے ہاتھ میں لینے کی فکر کرنے لگا۔ گو قبائلی جنگ ختم ہو چکی تھی۔ لیکن بعض علاقوں سے اب بھی السلاح السلاح کی آوازیں بلند ہو رہی تھیں۔ سرقسطہ میں بھی یمانیوں کے خروج کی خبریں مل رہی تھیں۔ یوسف نے موقع غنیمت جان کر صمیل کو ولایت سرقسطہ پر بھیجدیا۔ صمیل بھی معاملے کی تہ تک پہنچ گیا تھا اسلئے اس نے کوئی مخالفت نہ کی اسکے سرقسطہ پہنچتے ہی بغاوت فرو ہوگئی۔

۱۳۲ھ مطابق ۷۴۹ء میں پورے اسپین میں شدید قحط اور خشک سالی کی بلا نازل ہوئی۔ بہت سے لوگ اسپین چھوڑ کر افریقہ چلے گئے۔ صمیل کی ولایت صوبہ سرقسطہ میں قحط کا بڑا زور تھا۔ صمیل نے بھی ایسی ہمدردی سے دوست دشمن سب کی مدد و اعانت کی کہ سارے کا کلمہ پڑھنے لگے۔ اس طرح قحط و خشک سالی بھی صمیل بن حاتم کی سیاسی برتری کی موجب بنی۔

اسپین میں تو مسلمانوں کی خانہ جنگی جاری تھی۔ عیسائیوں کو اپنے آپ کو منظم کرنے اور مسلمانوں کے شہروں پر قبضہ کرنے کا موقع مل گیا۔ جلیقیہ کے الفانسو نے مشرق و جنوب کے بہت سے علاقے پر قبضہ کرلیا جس میں لیون، سمورہ، اشتورقہ اور قشتالیہ شامل تھے ان شہروں کے مسلمانوں نے گوسخت

مقابلہ کیا لیکن کچھ نہ کر سکے بہت سے ہجرت کر گئے اور جو نو مسلم تھے انہوں نے دوبارہ عیسائیت قبول کر لی۔ فرانس کا پورا علاقہ سوائے ناربون (اربونہ) کے مسلمانوں کے ہاتھوں سے نکل گیا الفانسو نے چوتھائی اسپین مسلمانوں سے چھین لیا مسلمانوں کو غلام بنایا اور مسلمان عورتوں کو اپنے محل میں داخل کیا۔ قحط و خشک سالی نے اس کے بھی بڑھتے ہوئے قدموں کو روک دیا ورنہ وہ تمام اسپین کو آزاد کرانے کا خواب دیکھ رہا تھا ۱۴۷ھ میں الفانسو مر گیا اور اس کا بیٹا تخت پر بیٹھا۔ یہ وہ زمانہ ہے جبکہ اموی شہزادہ عبدالرحمٰن الداخل اسپین میں داخل ہوا اور ایک نئی اموی حکومت کی بنیاد ڈالی۔

مشرق میں خلافت بنو امیہ کو زوال آچکا تھا اور عباسی پرچم لہرا رہا تھا عباسیوں کی کامیابی کی خبریں افریقہ سے اسپین پہونچ چکی تھیں۔ یوسف اور صمیل بنو امیہ سے خاص تعلق رکھتے تھے اس لئے عباسیوں کی طرفداری کا کوئی سوال ہی نہ تھا۔ البتہ جو لوگ ان دونوں کے مخالف تھے ان کو اس بات کا موقع مل گیا کہ عباسیوں کی طرفداری کا بہانہ بنا کر ان دونوں کے خلاف کارروائی کریں یمانی قدرۃً عباسیوں کے طرفدار تھے۔ ان ہی کے ایک قائد حباب زہری نے اسپین میں سب سے پہلے عباسی علم لہرایا اور یمانیوں کی مدد حاصل کرنے کے لئے سرقسطہ کی طرف چل پڑا۔ دوسری طرف قرطبہ میں حضرت مصعب رضؓ بن عمیر صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خاندان کا ایک فرد عامر عبدری نے خاموشی سے عباسی خلیفہ المنصور کو خط لکھ کر اپنے لئے فرمان ولایت اسپین اور عباسی علم منگوا لیا۔ اس کے بعد اس نے قرطبہ کے مغربی حصے میں بتدریج ایک مستحکم قلعہ کی تعمیر کی تاکہ قلعہ بند ہو کر عباسی علم بلند کرے۔ یوسف کی فوجی طاقت اس وقت نہ ہونے کے برابر تھی صمیل نے اس کو مشورہ دیا کہ عامر کو فوراً قتل کروا دے۔ عامر کو جب یہ اطلاع ہوئی تو وہ بھاگ کر سرقسطہ چلا گیا تاکہ یمانیوں کی مدد حاصل کرے حباب زہری اور عامر ایک دوسرے سے مل گئے اور عباسی خلافت کی دعوت دینا شروع کر دی ان کے گرد لوگوں کی ایک کثیر تعداد جمع ہو گئی صمیل نے انہیں ایک دفعہ تو منتشر کر دیا لیکن دوبارہ عامر اور حباب نے شہر سرقسطہ کا محاصرہ کر لیا۔ صمیل نے کمک کے لئے یوسف کو لکھا جو خود ہی مجبور بیٹھا تھا۔ صمیل نے بنو قیس کو مدد کے لئے بلایا بنو قیس کے سردار عبداللہ بن علی کلابی کی انتہائی کوششوں سے بہت سے قبائل عامر عبدری یعنی خلافت بنو عباس کے داعی کے خلاف ہو گئے۔ اس زمانے میں اموی شہزادہ عبدالرحمٰن کا قاصد بدر بھی آیا ہوا تھا اور

بنوامیہ کے خیر خواہوں سے امداد و اعانت کا وعدہ لے رہا تھا۔ بنوامیہ کے اکابر ابوعثمان عبیداللہ بن عثمان، عبداللہ بن خالد اور یوسف بن بخت تھے۔ کیونکہ یہ لوگ آپس میں بنوامیہ کی حکومت کی تاسیس کے خواہش مند تھے۔ اور شہزادہ عبدالرحمن کو بلانے کی راہ ہموار کر رہے تھے چنانچہ ان کا ان سے عباسی علمبرداروں کو ختم کرنے میں ساتھ دینا ضروری تھا تاکہ بنوامیہ کی حکومت کی تاسیس میں کوئی رکاوٹ نہ رہے۔ انہوں نے بھی یوسف اور صمیل کا ساتھ دیا اور ایک بڑا لشکر صمیل کی مدد کیلئے سرقسطہ کی طرف چلا عامر کو جب اس لشکر کی خبر ہوئی تو وہ محاصرہ اٹھا کر چلا گیا اور اس طرح صمیل کو محاصرین سے نجات ملی۔ اس اثنا میں یوسف نے صمیل کو ولایت طلیطلہ پر روانہ کر دیا جیسے ہی صمیل سرقسطہ سے ہٹا عامر اور حباب نے شہر پر دوبارہ قبضہ کر لیا اور عباسی پرچم سرقسطہ پر لہرانے لگا۔

جیسا کہ بتایا جا چکا ہے کہ شہزادہ عبدالرحمن بن معاویہ بن ہشام کا قاصد بدر اس وقت بنوامیہ کے اکابرین کے پاس آیا ہوا تھا تاکہ شہزادے کے لئے راہ ہموار کرے علاوہ ازیں بنوامیہ کے موالی بھی شہزادے کو بلانے کے خواہشمند تھے لیکن ان کو یوسف کی طرف سے ڈر تھا کہ وہ ایسا نہ ہونے دیگا۔ البتہ صمیل چونکہ خود بھی بنوامیہ کا قدیم جانثار تھا اس لئے اس پر اعتماد تھا کہ وہ اول تو یہ کہ شہزادے کے بلانے میں مدد دیگا اور اگر مدد نہ بھی دی تو کم از کم یہ راز افشاء نہ کریگا چنانچہ صمیل سے تخلیہ میں ان سرداروں نے بات کی صمیل نے جواب دیا کہ معاملہ اہم ہے غور کر کے جواب دیگا اسی اثنا میں یوسف نے اپنی فوجی طاقت بہتر کر لی اور وہ سرقسطہ کو بنو عباس کے علمبرداروں سے نجات دلانے کے لئے روانہ ہوا اس نے بنوامیہ کے اکابرین ابوعثمان اور عبداللہ بن خالد کو بھی اس لڑائی میں شامل ہونے کے لئے طلب کیا اس وقت تک اموی شہزادہ کو اسپین میں تخت نشیں کرنے کی تحریک منظم ہو چکی تھی لیکن یوسف اس سے ناآشنا تھا۔ ابوعثمان اور ابن خالد نے بہانہ بنایا کہ ان کی حالت صمیل کی مدد کرنے کی وجہ سے بہت ابتر ہو چکی ہے اور ان پر فاقہ کشی کی نوبت ہے اس لئے وہ کسی نئی مہم کے لئے تیار نہیں یوسف نے دس ہزار دینار دیئے تاکہ وہ اپنی حالت درست کر کے لڑائی میں شریک ہوں۔ یہ لوگ رقم لیکر اور لڑائی میں شرکت کا وعدہ کر کے چلے گئے۔ یوسف قرطبہ سے چلا اور حسب وعدہ جیان میں اموی سپاہ کا انتظار کیا ابوعثمان اور ابن خالد تنہا حاضر ہوئے اور فوج کے دیر سے آنے کا بہانا بنایا۔ یوسف

نے سادگی سے ان کو واپس کر دیا اور فوج کے ساتھ آنے کی ہدایت کی۔ پھر یہ لوگ صمیل سے ملنے گئے اور اس سے عبدالرحمٰن بن معاویہ کے معاملے پر رازدارانہ گفتگو کی۔ پہلے تو صمیل راضی ہو گیا پھر انکار کر دیا۔ صمیل کی اس متذبذب کیفیت نے اس تحریک کو پھولنے پھلنے کا خاصا موقع فراہم کر دیا۔[1]

یوسف نے طلیطلہ پہنچ کر پھر بنو امیہ کا انتظار کیا۔ صمیل کو ہر چیز کا علم تھا۔ لیکن رازداری کا وعدہ کر چکا تھا اور یوسف سے ناراض تھا اس لئے خاموش رہا اور یوسف کو وقت کی کمی کا احساس دلا کر سرقسطہ کی طرف لے چلا۔ یوسف جیسے ہی سرقسطہ پہونچا سرقسطہ والوں نے اطاعت پر آمادگی ظاہر کی یوسف نے باغی سرداروں عامر اس کے بیٹے وہب اور حباب زہری کو اہل سرقسطہ سے طلب کیا اہل سرقسطہ نے ایسا ہی کیا۔ یوسف نے ان قریشی سرداروں کو قتل کرنا چاہا لیکن بنو قیس کے سرداروں نے ان کے قتل کی مخالفت کی جس کی بنا پر ان کو صرف قید کر دیا گیا۔ یوسف اور صمیل کی بقیہ تفصیل عبدالرحمٰن الداخل کے باب میں ملاحظہ کیجیے۔

---

[1] تاریخ اندلس۔ ج ۱ ص ۲۱۵

دورِ ولایت کا جائزہ

سیاسی نوعیت

ولایتِ اسپین کی حیثیت حکومت افریقہ کے ایک صوبے کی سی تھی کیونکہ افریقہ ہی سے اسے فتح کیا گیا تھا اور افریقہ کے قریب بھی تھا اس لئے خلافتِ دمشق نے اس کو والیِ افریقہ کے تحت کر دیا تھا یہاں کے گورنر کو امیر کہتے تھے۔ امیروں کا تقرر افریقہ ہی سے ہوتا تھا لیکن منازعہ کی صورت میں خلافت دمشق سے بھی امیر مقرر کر دیا جاتا تھا جس طرح عبدالرحمٰن بن عبداللہ غافقی کا ہوا تھا۔ کبھی ایسا بھی ہوتا کہ اسپین کے مسلمان کسی شخص کو اپنا امیر بنا لیتے تو اس امارت کی توثیق افریقہ سے ہو جاتی ورنہ کوئی دوسرا امیر مقرر کر کے بھیج دیا جاتا۔ بعض اشخاص طاقت کے بل بوتے پر مستولی (زبردستی قبضہ کرنا) ہو جاتے۔ عموماً ان کی توثیق بھی افریقہ سے ہو جاتی۔ امیر اپنے صوبے کا آزاد حکمران ہوتا تھا لیکن اس کو اقتدارِ اعلیٰ حاصل نہ ہوتا تھا۔ اکثر امیر حکومت چلانے کے لئے مجالسِ مشاورت بھی قائم کر لیتے لیکن وہ مجالسِ مشاورت کے فیصلوں کے پابند نہ ہوتے تھے افریقہ کی حکومت کو اسپین پر آمرانہ حقوق حاصل تھے اس طرح سے اسپین خلافت اور ولایت افریقہ دونوں کے ماتحت تھا چنانچہ امیرِ اسپین کو آزاد سیاست کا موقع نہ ملتا تھا جس کی وجہ سے ملکی ترقی کے منصوبے پایۂ تکمیل تک نہ پہنچ پاتے۔

قبائلی کشمکش

بنو امیہ نے اپنی ابتدا قبائلی عصبیت سے کی تھی اور انہوں نے عربی تہذیب کو پورے عروج پر پہنچایا تھا۔ عربی دورِ جاہلیت

کی روایات بھی از سر نو زندہ ہو چکی تھیں۔ سارے خلفائے بنو امیہ کا یہ دستور رہا تھا کہ مختلف قبائل کو آپس میں متحد نہ ہونے دیتے تھے کسی ایک قبیلے کو سہارا دیکر دوسرے قبیلے کے خلاف بھڑکا دیتے۔ خود بنو امیہ بھی قبائلی عصبیت سے پاک نہ تھے۔ یہاں پر عربی عصبیت کا جائزہ لینا ضروری ہوگا۔ تاکہ اسپین کی قبائلی کشمکش کی وضاحت ہو سکے ہزاروں سال سے شمالی عرب اور جنوبی عرب کے درمیان رقابت چلی آتی تھی اس کی کیا وجوہات تھیں؟ اس کا تذکرہ مختصراً بیان کیا جا چکا ہے۔ البتہ ابن خلدون کے قول کے مطابق عربوں کی قبائلی عصبیت کے یہ سارے کرشمے تھے۔ یہ قبائلی اور طبقہ واری عصبیت مختلف زمانوں میں مختلف نام اختیار کرتی گئی۔ ابتدا میں اس کا نام قحطانی (جنوبی عرب کے قبائل) اور عدنانی (شمالی عرب کے قبائل) تھا عہد جاہلیت تک یہ اسی نام سے موسوم رہے۔ ان دونوں قبیلوں کی عصبیت کی وجہ سے آپس میں اس قدر خون آشام جنگیں ہوتیں کہ بہت سے چھوٹے چھوٹے قبیلوں کا نام و نشان تک مٹ گیا اور بہت سی چھوٹی چھوٹی حکومتیں فنا ہو گئیں۔ قبائلی عصبیت میں کچھ عجیب قسم کا سرور تھا کہ عاقل سے عاقل اور ہوشمند سے ہوشمند شخص بھی اس سے اپنے آپ کو نہ بچا سکتا اور وہ تمام اخلاق، انسانیت اور اوصاف حمیدہ کو ایک طرف رکھکر قبائل آن بان اور عزت و حرمت پر اپنا سب کچھ قربان کرنے پر آمادہ ہو جاتا۔ یہی حال قبائل کا ہوتا۔ اگر کسی قبیلے کے کسی فرد پر کوئی آنچ آتی تو سارے قبیلے کی عزت کا سوال بن جاتا اور پورا قبیلہ اس فرد کی طرفداری میں اٹھ کھڑا ہوتا۔ اسلام نے قبائل کی عصبیت کو مذہب کی عصبیت کا رنگ دیدیا لیکن دعویٰ نہیں کیا جا سکتا کہ عرب کے سارے قبائل اپنی عصبیتوں کو چھوڑ کر مذہبی عصبیت اختیار کر چکے تھے اس کا ثبوت خلیفہ راشد اول کے زمانۂ خلافت میں عرب کی عام بغاوت تھی۔ البتہ یہ ضرور کہا جا سکتا ہے کہ اسلام کی یہ اصلاحی کوشش بڑی دور رس اثرات کی حامل تھی جس پر عمل پیرا ہو کر خلیفہ راشد دوم نے اپنے عہد میں عظیم فتوحات کر کے یہ ثابت کر دیا کہ مذہبی عصبیت کو قابل عمل بنایا جا سکتا ہے اس عہد کی عظیم فتوحات نے جہاں اسلام کو چار دانگ عالم میں پھیلا دیا وہاں عربی تہذیب کو بھی جنم دیا لیکن یہ عربی تہذیب ابھی نوزائیدہ تھی اور اس میں عربی تفوق کا بڑا ہاتھ تھا اس وقت تک دور جاہلیت کی روایات اور عصبیت سے اس کا کوئی خاص تعلق نہ تھا۔ لیکن دشمنانِ اسلام، منافقین اور وہ افراد جو نوزائیدہ عربی تہذیب کے شکار تھے

اس فکر میں تھے کہ عربوں کے اتحاد کو پارہ پارہ کرکے ان کی روز افزوں ترقی کو روک دیں انہوں نے اپنی مکروہ اور گندی سیاست کے ذریعے اس نوزائیدہ عربی تہذیب میں دور جاہلیت کا رنگ بھرنا شروع کیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عربوں کے ذہنوں سے دولت، عصبیت اور عربی قومیت کے تصور نے اس بات کو نکال دیا کہ وہ اسلامی تہذیب کے علمبردار ہیں۔ اس قبائلی عصبیت کی شدت خلیفہ راشد سوم کی شہادت کی صورت میں ظاہر ہوئی اس کے بعد اس قبائلی عصبیت نے اس قدر رنگ بدلے کہ جس کی مثال مشکل سے ملتی ہے۔ قحطانی اور عدنانی سے اب وہ کلبی اور قیسی بن گئے اور مسلمانوں کی تلواریں خود مسلمانوں کی گردنوں پر چلنے لگیں یہاں تک کہ خلافت راشدہ ختم ہوئی اور بنو امیہ کے سیاستدانوں نے مسلمانوں کی سیاسی باگ ڈور سنبھالی۔ یہ خود بری طرح عصبیت کا شکار اور عربی تہذیب کے دلدادہ تھے۔ عہد جاہلیت میں بھی یہ کسی سے پیچھے نہ تھے اس لئے عربوں نے خصوصاً قریش نے شروع ہی سے انہی کو سرداری سونپی تھی۔ بنو امیہ خوب جانتے تھے کہ خلافت راشدہ کو قائم رکھنا ان کے بس میں نہیں کیونکہ اس سے ان کی دنیاوی خواہشات پوری نہیں ہوتی تھیں دوسرے یہ کہ خود ان کے اپنے قبیلے قریش کے تمام افراد ان کے طرفدار نہیں تھے جس کی وجہ سے بنو امیہ اقلیت میں رہ جاتے اور ان کی خواہشات پوری نہ ہوتیں۔ صرف یہ ایک راستہ نہیں اپنی امارت کو قائم رکھنے کا ملا تھا کہ وہ قحطانی اور عدنانی میں سے کسی ایک کو وقتاً فوقتاً دوست رکھیں اس سے دو فائدے تھے ایک تو دونوں قبیلوں کے درمیان ہمیشہ کے لئے اختلافات قائم رہیں گے جو بادشاہت کے لئے ہمیشہ فائدہ مند ثابت ہوں گے دوسرے یہ کہ حلیف قبیلے کی افرادی طاقت سے فائدہ اٹھانے کا موقع مل جائے گا اور ہر آنے والے خطرے پر اور دیگر ممالک کی فتوحات میں ان سے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔

غرض اس طرح بنو امیہ نے سیاست کو قبائلی عصبیت کے سہارے چلایا۔ انہوں نے عربی تہذیب کی پوری نشوونما کی یہاں تک کہ غیر عربوں کا خون تک اس کی بنیادوں میں ڈالنے سے دریغ نہ کیا اس طرح بقول ولہاوزن "بنو امیہ کی حکومت نہ تو اسلامی رہی اور نہ مسلمانوں کی بلکہ عربوں کی ہو کر رہ گئی جس میں غیر عرب مسلم کا کوئی حصہ نہ تھا"۔ یہی وجہ تھی کہ جب کہیں اور جہاں کہیں بھی غیر عرب مسلم، نو مسلم یا غیر مسلم کو موقع ملا انہوں نے صرف بنو امیہ کے خلاف ہی نہیں بلکہ عربوں کے خلاف بھی بغاوت کرنے میں جھجک محسوس نہ کی۔ بنو امیہ کی داستان زوال کا دیباچہ بھی یہی قبائلی منافرت اور کشمکش تھا۔

جس طرح ایران، خراسان، سندھ، عراق اور دیگر اسلامی حکومت کے صوبے عہد بنو امیہ کے بڑے حصے میں قبائلی جنگ کی آماجگاہ بنے رہے۔ اسی طرح نومفتوحہ صوبہ اسپین بھی اس سے الگ نہ رہ سکا اسپین کے ساتھ ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ اس ملک کو فتح کرنے والوں میں عرب اتنے نہ تھے جتنے کہ افریقہ کے بربر۔ یہ بربر عربوں سے آزادی و حریت میں کسی طرح پیچھے نہ تھے البتہ بربروں میں قبائلی عصبیت اس قدر وحشیانہ انداز میں موجود نہ تھی جس قدر کہ عربوں میں تھی اس کی دو وجوہ ہو سکتی ہیں یا تو یہ کہ وہ فطرۃً اتحاد پسند تھے اور اسلام سے قبل بھی ایک بادشاہ کے تحت متحد ہو جاتے تھے یا پھر یہ کہ عربوں کے تحقیر آمیز رویے نے ان کی عصبیت کو وقتی طور پر دبا کر ان کو اتحاد پر مجبور کر دیا تھا اسی اتحاد کی بدولت بربروں نے عرصہ دراز تک عربوں کے خلاف بغاوتوں کا سلسلہ جاری رکھا لیکن جب حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے ان کو اسلام کی طرف بلایا تو حق تو یہ ہے کہ ان کا اسلام بھی اس وقت کے عربوں سے کہیں زیادہ پختہ تھا بہرحال اسپین کی فتح انہی کے ہاتھوں ہوئی تھی اور طارق بن زیاد بھی انہی میں سے تھا اس لئے وہ مساویانہ حقوق کے صحیح معنوں میں حقدار تھے۔ برخلاف اس کے ان کو عربوں کی طرف سے نفرت اور ذلت کے سوا کچھ نہ ملا جس کی وجہ سے انہوں نے اکثر عربوں کے خلاف تلوار اٹھانے سے دریغ نہ کیا اگر عرب بربروں کو مساویانہ حقوق دیدیتے اور ان سے تحقیر آمیز سلوک نہ کرتے تو یورپ کی تاریخ کچھ اور ہوتی۔ عربوں نے ایسا کیوں نہ کیا؟ کیا وہ اتنی معمولی بات نہ سمجھتے تھے؟ اس کی وجوہات اوپر بیان کی گئی ہیں کہ

(۱) وہ خود آپس میں قبائلی منافرت اور کشمکش کا شکار تھے۔

(۲) حکومت کی پالیسی قبائلی عصبیت کی بنیاد پر تھی۔

(۳) کچھ ایسے واقعات بھی ہو چکے تھے جن کے سبب عربوں میں گروہ بندیاں شروع ہو گئیں مثلاً واقعہ کربلا، واقعہ حرّہ وغیرہ۔ ان واقعات نے ان گروہوں کو بھی عربی عصبیت کے سہارے پروان چڑھنے میں مدد دی۔ الغرض عرب کے قبائل کا اتحاد مفقود تھا قیسی و کلبی تو الگ رہے۔ اسپین میں آتے ہی وہ یمانی، مضری، مدنی یا حجازی و شامی اور نہ جانے کیا کیا بن گئے حکومت افریقیہ کیونکہ براہ راست اسپین کے معاملات کی مالک تھی اس لئے اسپین پر اس کے اثرات کا پڑنا لازمی تھا چنانچہ ہم نے دیکھا کہ کس طرح امرائے اسپین کی تقرری اور معزولی افریقیہ کے والیوں کے ہاتھوں

ہوتی رہی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ کسی ایک امیر کو اس قدر موقع نہ مل سکا کہ ملک کی ترقی اور استحکام میں انہماک سے کام کرتا۔ سلیمان بن عبدالملک کے ہاتھوں موسیٰ بن نصیر، طارق بن زیاد اور عبدالعزیز بن موسیٰ کے عبرتناک انجام نے باصلاحیت افراد کو میدان عمل سے دور کر دیا چنانچہ ۱۲ کے قریب اسپین کے امیروں میں چند گنتی کے امیر ایسے نظر آتے ہیں جو باصلاحیت کہے جا سکتے ہیں لیکن وہ بھی قبائلی عصبیت کا شکار ہوئے بغیر نہ رہے۔

اس عرب قبائلی کشمکش اور منافرت نے جہاں اسپین کے ولاۃ کے عزل نصب پر اثر ڈالا وہاں آگے چل کر ایسی خوفناک قبائلی دشمنی قائم ہوئی کہ جس کی مثال عرب جاہلیت کے سوا اسلام میں نہیں ملتی ۔ اس قبائلی دشمنی کے دوسرے نتائج نکلے ایک تو بربروں کی بغاوت اور ان کا حلقۂ اطاعت سے نکل جانا تھا جس کے نتیجے میں بڑی خونریز لڑائیاں ہوئیں۔ اور اسپین کو فتح کرنے والے یہ بہادر بھیڑ بکریوں کی طرح ذبح کر دیئے گئے جس سے اسپین کی فوجی طاقت میں ایک زبردست خلا پیدا ہو گیا اور ایک وقت تو ایسا بھی آیا کہ امیر یوسف بن عبدالرحمٰن کو اپنے حفاظتی دستے کے لئے پچاس سپاہی بھی ملنا مشکل ہو گئے۔ دوسرے یہ کہ اسی کشمکش کے دوران عیسائیوں کو اپنی تنظیم کا موقع مل گیا اور وہ پلایو کی قیادت میں متحد ہو گئے۔ گو ابتدا میں ان کی طاقت کو منتشر کر دیا گیا تھا لیکن جب مسلمانوں کی خانہ جنگیاں عروج پر پہنچیں تو حکومت جلیقیہ کے بانی پلایو کے جانشیں الفانسو نے اسپین کے چوتھائی حصہ تک قبضہ کر لیا جس کے اثرات آئندہ ہونے والی دولت امویہ پر بھی قائم رہے اور شمالی اسپین کا پہاڑی حصہ عیسائیوں کے قبضے میں اور جنوبی حصہ مسلمانوں کے پاس رہا جب کبھی مسلم حکومت کمزور ہوتی عیسائی جنوب کے علاقے کو تاخت و تاراج کرنے لگتے جب کوئی طاقتور حکمراں تخت اسپین پر آجاتا تو عیسائیوں کو پیچھے ہٹا دیتا۔ اس طرح دو متوازی حکومتیں اسپین میں قائم رہیں۔ بالآخر جیت عیسائیوں کی ہوئی۔ اور انہوں نے جنوبی اسپین سے مسلمانوں کو نکال باہر کیا۔

نظم و نسق اسپین میں مقرر کردہ امیر سیاسی اور عسکری دونوں شعبوں کا مقتدر اعلیٰ ہوتا تھا۔ انتظام حکومت اس طور پر قائم کیا گیا تھا جس طرح کہ دیگر خلافت دمشق کے صوبوں کا تھا۔ یہ سارا نظام امیر کے ماتحت ہوتا تھا جنہوں نے ملک کو مختلف صوبوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ ہر صوبے میں ایک حاکم اور نائب حاکم مقرر کیا جاتا اور ان کا کام

آمدنی وصول کرنا، امن وامان قائم رکھنا اور وقت ضرورت مرکز کو فوج فراہم کرنا تھا۔ علماء و فضلاء کا تقرر کتابت کے محکمے سے کیا جاتا تھا تحصیل وصول کرنے کے لئے عام طور پر مقامی لوگوں کو ہی مقرر کیا جاتا تھا جن کو قومش کہتے تھے[1]۔ شہروں میں پولیس کا بھی خاصا انتظام تھا اور شہر کوتوال کا بھی عہدہ موجود تھا البتہ محتسب کے عہدے کا پتہ نہیں چلتا کہ آیا قائم تھا یا نہیں۔ قباؔس یہی کہتا ہے کہ موجود نہ تھا اس لئے کہ مذہبی معاملات سے امیرانِ آسپین کا کوئی تعلق نہ تھا بڑے شہروں میں عدالتیں قائم تھیں جن میں دیوانی و فوجی مقدمات فیصل ہوتے تھے۔ عدالت میں مسلمان جج کے ساتھ ایک عیسائی پادری کو بھی بٹھایا جاتا جو مسیحی قانون کے مطابق جج کو مشورہ دیتا تھا البتہ بہت سے شہر ایسے بھی تھے جہاں عیسائیوں کی عدالتیں بھی جدا ہوتی تھیں۔ امیر اندلس خود بھی مقدمات فیصل کرتے تھے اپیل کرنے کے لئے افریقہ کے والی کی طرف رجوع کرنا پڑتا تھا۔

ولایت کا مالیاتی نظام مکمل طور سے مرکزی نظام کا چربہ تھا۔ آمدنی کے ذرائع حسب ذیل تھے۔

(۱) خمس (مال غنیمت کا پانچواں حصہ) زکوٰۃ، عشر، خراج۔ جزیہ، فئے اور دیگر محاصل جیسے کہ بندرگاہ پر محاصل یا کلیسائی اوقاف کے محاصل وغیرہ، سب سے بڑی آمدنی خمس کی تھی لیکن جب جہاد رک گیا تو یہ آمدنی تقریباً نہ ہونے کے برابر ہو گئی۔ زکوٰۃ صاحب مال مسلمانوں پر فرض تھی اور انہیں سالانہ ادا کرنی پڑتی تھی۔ عشر مسلمانوں کی زراعت شدہ زمینوں پر وصول کیا جاتا تھا یہ ان کی کل پیداوار کا ۱/۱۵ ہوتا تھا لیکن یہ بہت کم تھا اس لئے کہ مسلمان زراعت کی طرف بہت کم توجہ دیتے تھے البتہ مسلمانوں کی حکومت نے صرف کاشتکاروں کے حقِ کاشت کو محفوظ رکھا۔ یہ بتایا جا چکا ہے کہ صرف اور غلاموں کو مسلمانوں کی حکومت سے جس قدر فائدہ پہنچا۔ وہ کسی دوسرے کو نہیں پہنچا وہ زمینوں کے موروثی مالک قرار پائے۔ بقول ڈوزی صرف کو حکم دیا گیا تھا کہ وہ جس طرح زراعت کرتے آئے ہیں اسی طرح اپنا کام جاری رکھیں اور جو فصل پیدا کریں اس کے پانچ حصے کر کے ۴ حصے مسلمانوں کو دیں اور ایک حصہ اپنے صرف میں لائیں[2]۔ لیکن شاہی زمینوں پر جو صرف آباد تھے ان کے لئے یہ اصول نہ تھا بلکہ وہ پیداوار کا ایک تہائی ادا کرتے تھے۔ پہلے تو یہ رقم بیت المال میں جمع ہو جاتی تھی۔ لیکن بعد میں یہ قاعدہ بدل دیا گیا کیونکہ بہت سی شاہی زمین بطور جاگیران

[1] عبرت نامہ اندلس۔ ج ۱ ص ۲۱۱ / [2] عبرت نامہ اندلس۔ ج ۱ ص ۲۱۱

عربوں میں تقسیم کر دی گئی تھیں جو بعد میں آئین میں آکر آباد ہوئے تھے مثلاً وہ عرب جو امیر آئین سمح ابن مالک خولانی کے ساتھ آئے تھے یا وہ شامی عرب جو بلج بن بشر کے ساتھ آئے تھے۔ چنانچہ یہ تہائی حصہ ان جاگیرداروں کو ادا کیا جانے لگا۔ یہ محصول صرف فصلوں پر تھا باغات اس سے مستثنیٰ تھے خراج ہر علاقے میں زمین کی حیثیت کے مطابق لگایا گیا تھا جو عیسائی مسلمان ہو جاتے ان پر جزیہ معاف ہو جاتا لیکن خراج وہ بدستور دیتے تھے۔ فوجی خدمات کے معاوضے میں عیسائیوں کو جزیہ ادا کرنا پڑتا تھا جس کی شرح امیروں کے لئے ۴۸ درہم سالانہ متوسط الحال لوگوں کے ۲۴ درہم سالانہ اور مزدوروں اور پیشہ وروں کے لئے ۱۲ درہم سالانہ تھی۔ عورتیں، بچے، عیسائی راہب اپاہج اس سے مستثنیٰ تھے۔ جو عیسائی مسلمان ہو جاتے ان سے جزیہ کی رقم نہیں لی جاتی تھی لیکن ایسا کوئی ثبوت نہیں ملتا کہ آیا وہ یہود جو فوجی خدمات ادا نہیں کرتے تھے ان سے بھی جزیہ لیا جاتا تھا یا نہیں کیونکہ یہود نے عیسائیوں کے خلاف مسلمانوں کی مدد کی تھی اور مکمل اطاعت کا اظہار کیا تھا اس لئے ممکن ہے ان کو جزیہ سے مستثنیٰ قرار دیدیا گیا ہو۔ البتہ خراج ان سے لیا جاتا تھا۔

بیت المال صرف قرطبہ میں قائم تھا جہاں ساری وصول شدہ رقم جمع کی جاتی تھی۔ دیگر شہروں میں بیت المال کا پتہ نہیں چلتا البتہ محصلین زکوٰۃ و خراج کی نامزدگی کا پتہ چلتا ہے۔ یہاں تک کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کے کہنے پر حبب سمح بن مالک خولانی نے مالیات کو شرعی حدود میں رکھا تب بھی بیت المال صرف قرطبہ ہی میں تھا جہاں تک کہ اخراجات کا تعلق تھا ملک کے کسی صوبے کے حاکم کو اس کے اختیارات نہ تھے کہ وسیع پیمانے پر اخراجات کرے اس کو وسیع اخراجات کے لئے امیر آئین سے اجازت لینی ضروری تھی البتہ امیر آئین حسب ضرورت رقم تعمیرات، فوجی اخراجات اور کارکنوں کی تنخواہیں وغیرہ میں خرچ کر سکتا تھا۔ موسیٰ بن نصیر کے بعد کوئی رقم آئین سے نہ تو افریقیہ بھیجی گئی اور نہ دمشق۔ البتہ سمح بن مالک نے بہت بڑی رقم دمشق بھیجنے کے لئے جمع کی تھی لیکن حضرت عمر بن عبدالعزیز کے انتقال کی خبر سن کر وہ بھی روک لی گئی اور تعمیرات وغیرہ پر خرچ کر دی گئی۔ اس سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ آئین کی آمدنی آئین پر خرچ کر دی جاتی تھی یہ دوسری بات ہے کہ حسب ضرورت والی افریقیہ کوئی رقم طلب کر لے جیسا کہ افریقیہ میں بربروں کی بغاوت کے وقت والی افریقیہ نے عقبہ بن حجاج سلولی کو مع زر کثیر کے طلب کیا تھا تاکہ بغاوت فرو

---

[1] عبرت نامہ اندلس۔ ج ۱ ص ۴۱۲

کی جائے۔

ملک کی زرخیزی کے لئے عبدالعزیز بن موسیٰ کے زمانہ ہی سے ایسے طریقے اختیار کئے گئے تھے کہ جس سے زراعت میں ترقی ہو اور کاشتکار محنت سے کام کریں۔ اسپین کیونکہ ایک زرعی ملک تھا اس لئے اس کی آمدنی کا دارومدار زراعت ہی پر تھا۔ صرف کاشتکاروں کو وہ زمینیں جن پر وہ پہلے ہی سے کاشت کرتے تھے بطور پر دیدی گئی تھیں۔ البتہ جن کی جاگیریں وہ زمینیں ہوتی تھیں وہ ان سے خراج وصول کرتا تھا لیکن ان کو برطرف نہیں کر سکتا تھا قحط یا خشک سالی کے دور میں حکومت کی طرف سے تقاوی اور نقد امداد بھی دی جاتی تھی حکومت کے کارندے خود جاکر ان سے لگان وصول کرتے تھے پیداوار کو شہروں تک لانے کے لئے ذرائع نقل وحمل کی ذمہ داری حکومت کی تھی جس کے لئے سڑکیں، پل حکومت کی طرف سے تعمیر کئے گئے تھے شہروں میں بڑی بڑی منڈیاں بنوائی گئی تھیں جن میں کاشتکاروں کے ٹھہرنے کا انتظام بھی کیا گیا تھا۔ اس سے تجارت کو بھی فروغ ہوا اور اندرون ملک تجارت ترقی کر گئی۔ ملک میں صنعتی ترقی کی بنیاد ڈالی گئی۔ اسلحہ خانے، کپڑا بنانے کے کارخانے، سوت بنانے کے کارخانے اور برتن وغیرہ بنانے کے کارخانے بھی کھولے گئے۔ ساحلی علاقوں پر جو شہر تھے ان میں خاص طور پر مختلف النوع کارخانے کھولے گئے بحری تجارت بھی ہوتی تھی اور الخضراء کے بندرگاہ سے جہازوں پر سامان لادا جاتا تھا۔ اس بات کا پتہ نہ چل سکا کہ الخضراء کے علاوہ بھی کوئی ایسی بندرگاہ تھی۔ جہاں سے بحری تجارت ہوتی تھی لیکن الخضراء اور افریقہ کے شہر تنجیر کے درمیان بحری تجارت کا پتہ ملتا ہے۔ [1]

عسکری تنظیم

دور ولایت میں اسپین بڑی حد تک فوجی صوبہ تھا اس لئے تنظیم ونسق میں فوج کو خاص طور پر خیال رکھا جاتا تھا۔ فوج کا پورا نظام قبائلی طرز پر تھا اس لئے حسب ضرورت قبائل کے سردار اپنی فوج لیکر آجاتے تھے۔ اسپین کے صوبوں کے حاکم بھی اپنی فوج رکھتے تھے جو عند الطلب امیر اسپین کے پاس بھیجی جاسکتی تھی فوج دو حصوں میں منقسم تھی ایک پیدل اور دوسری سوار۔ دونوں میں عرب اور بربر شامل ہوتے تھے البتہ بعد میں مولدین (نو مسلم عیسائی) بھی فوج میں شامل کئے جانے لگے تھے۔ ہر قبیلہ میں ایک صاحب الرجالہ

[1] تجارت اور زراعت کی تفصیل کے لئے دیکھئے "اندلس کا تاریخی جغرافیہ" از عنایت اللہ

اور ایک صاحب الخیل اور ایک علمبردار بھی ہوتا تھا۔ صوبہ کا حاکم اکثر ان ہی افراد کو بنا دیا جاتا تھا۔ جن کا قبیلہ اس صوبے میں آباد ہوتا اور وہ ہی سپہ سالار بھی ہوتے تھے البتہ مشترکہ فوجی مہم میں سپہ سالار امیر آپیین ہوتا تھا یا وہ اپنی جگہ کسی ممتاز شخصیت کو نامزد کر دیتا۔ عربی اور بربر عصبیت کا خاص طور پر لحاظ رکھا جاتا تھا تاکہ سپاہ بگڑنے نہ پائے جنگ کرنے کا طریقہ پرانا ہی تھا۔ مقدمۃ الجیش میمنہ میسرہ قلب اور ساقہ کی ترکیب استعمال کی جاتی تھیں۔ سردار کے شہید ہوتے ہی عموماً فوج پسپا ہو جاتی تھی۔ جہاد میں جہاد کا شوق کم اور مال غنیمت کا شوق زیادہ تھا۔ یہ مال غنیمت ہی کا لالچ تھا کہ بعض مواقع پر مسلمان جیتی ہوئی جنگ بھی ہار گئے تھے۔ باقاعدہ فوج کم تھی جو عموماً قرطبہ ہی میں رہتی تھی عام طور پر فوج کو تنخواہیں نہ دی جاتی تھیں بلکہ مال غنیمت ہی ان کو ملتا تھا۔ البتہ باقاعدہ فوج کو تنخواہ دی جاتی تھی۔ مرنے کے بعد سپاہی کے ورثاء کو پنشن وغیرہ دینے کا دستور نہ تھا جس قبیلے کا وہ فرد ہوتا وہ قبیلہ اس کے ورثاء کا کفیل ہوتا تھا کیونکہ عرب و بربر پیدائشی جنگجو ہوتے تھے۔ اس لئے کسی قسم کی فوجی مستقروں یا پریڈ کا کوئی طریقہ نہ تھا البتہ سرحدی قلعوں میں جو فوج متعین کی جاتی تھی اس کی تربیت کا خاص خیال رکھا جاتا تھا۔ جگہ جگہ قلعہ تعمیر کئے گئے تھے اور مسلمانوں کو ان قلعوں میں آباد کیا گیا تھا۔ سرحدی قلعے کے حاکم کو وسیع اختیارات اور مراعات دی جاتی تھیں تاکہ غنیم سے نمٹ سکے۔

موسیٰ بن نصیر نے کچھ فوجی قوانین بھی وضع کئے تھے مثلاً ملک کو تاخت و تاراج نہ کیا جائے حملے فوجی طریقے کے مطابق صرف ملک گیری کے لئے ہوں۔ رعایا کے مذہبی جذبات کا پورا احترام کیا جائے۔ لوٹ مار اور ظلم و تشدد کے طریقوں سے باز رہا جائے۔ مسلمان سپاہیوں کو عدول حکمی کی صورت میں موت کی سزا دی جائے۔ ان قوانین پر کچھ عرصے تک عمل بھی ہوتا رہا لیکن بعد میں جب عرب بربر خانہ جنگی شروع ہوئی تو سارے قوانین ایک طرف رکھ دیئے گئے۔ البتہ سمح بن مالک خولانی اور عبدالرحمٰن الغافقی نے جہاد کو وسیع کرنے کی خاطر کچھ نظم و ضبط قائم کرنے کی کوشش کی تھی جو انہی تک محدود ہو کر رہ گئی۔ چنانچہ اس فوجی بدنظمی سے عیسائیوں نے ہمیشہ فائدہ اٹھایا۔

رعایا میں مسلم، نومسلم اور غیر مسلم تھے۔ مسلم حکومت میں مسلمانوں کو تو ظاہر ہے کہ فائدہ پہنچا تھا۔ مسلم معاشرے کی تنظیم میں بلاشبہ ولایت اندلس نے بڑا حصہ لیا تھا اور اس امر کی کوشش

کی تھی کہ مسلمان اسپین کو اپنا وطن بنالیں۔ عربوں اور بربروں کی بہت سی نئی بستیاں بسائی گئی تھیں شہروں میں ان کے محلے جدا کر دیئے گئے تھے اور اس بات کا لحاظ رکھا گیا تھا کہ ہر بستی اور محلہ میں ایک ہی قبیلے کے افراد آباد کئے جائیں۔ یہاں تک کہ عربوں نے شام و عرب کے شہروں کے ناموں پر ان بستیوں کے نام رکھ لئے۔ جگہ جگہ مساجد تعمیر کرائی گئیں اور ہر مسجد کے ساتھ ایک مدرسہ تعمیر کیا گیا۔ ان مدارس و مساجد کو بڑے بڑے اوقاف دیئے گئے اور حکومت کی طرف سے اس امر کا اہتمام کیا گیا کہ مسلمانوں کی دینی تعلیم میں رخنہ نہ پڑنے پائے البتہ کسی بڑے مدرسے یا جامعہ کا پتہ نہیں چلتا۔ یحییٰ بن مالک خولانی اپنے ساتھ بڑے بڑے علماء کو بھی لائے تھے جن کو مسلمانوں کی دینی تعلیم و تربیت پر معمور کیا گیا تھا اس سب کے باوجود کسی اسلامی معاشرے کی نشاندہی نہیں ہوتی بلکہ عرب معاشرہ اور بربر معاشرہ ضرور نشو و نما پاتا نظر آتا ہے مسلمانوں میں قبائلی عصبیت نے اپنی جڑیں اس قدر مضبوط کر رکھی تھیں کہ اسلامی معاشرہ کے گذر کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا عربوں کی مساجد اور مدارس میں بربر علماء، حفاظ یا قاریوں کا داخلہ ناممکن تھا بلکہ اس بات تک کا اہتمام کیا گیا تھا کہ عربوں اور بربروں کی مساجد و مدارس بھی جدا جدا ہوں۔

البتہ غیر مسلموں کے ساتھ رواداری میں مثال قائم کر دی گئی تھی یہودیوں کو مسلمانوں کی اعانت کے سلسلے میں کافی مراعات دی گئیں اور حکومت کی طرف سے ان کو مختلف شہروں میں آباد کیا گیا ان کے مذہبی معاملات میں دخل اندازی نہ کی گئی اور ان کو کامل طور پر تجارتی شہری اور مالیاتی مراعات حاصل رہیں۔ عیسائیوں پر گو ابتدائی دور میں تو جنگ کی وجہ سے مظالم ہوتے اور وہ بھی ان پر جنہوں نے مسلمانوں کے خلاف جنگ میں حصہ لیا تھا جنہوں نے جنگ نہ کی تھی اور مصالحت یا معاہدہ کر لیا تھا ان سے کوئی تعرض نہ کیا گیا ہمیشہ معاہدوں کا احترام کیا گیا اور والیوں نے بھی مسلم اور غیر مسلم میں تمیز نہ ہونے دی شہری سہولتیں جو ایک مسلم کو حاصل تھیں وہ ان کو بھی دی گئیں۔ کلیساؤں کا احترام مذہبی روایات کا تقدس، پادریوں اور اسقفوں کی عزت کو ہمیشہ پیش نظر رکھا گیا۔ عام مسلمان بھی عیسائیوں سے میل ملاپ رکھتے اور ان کی لڑکیوں سے نکاح بھی کرتے تھے البتہ مسلمان لڑکی کا ان کے قانون شرع اسلامی عیسائی کے نکاح میں نہیں جا سکتی تھی۔ کلیساؤں کے نظم و ضبط کے قواعد بھی بنے اور طلیطلہ کے اسقف اعظم کو عیسائیوں کے مذہبی معاملات کا نگران اعلیٰ بنایا گیا۔ پادریوں کی بدقماشی

اور بداعمالیوں کو ختم کر دیا گیا۔ مسیحی مجالس کے انعقاد کی عام اجازت دیدی گئی۔ البتہ مذہب کی تبلیغ ممنوع تھی ان کی اپنی مذہبی عدالتیں بھی تھیں جن شرائط پر معاہدہ ہوتا ان کا احترام ہر قیمت پر کیا جاتا۔ مثلاً گاتھ شہزادوں سے شرائط کا احترام تھیوڈومیر سے شرائط کا احترام وغیرہ۔ یہاں تک کہ مسلمانوں کی خانہ جنگی کے دوران بھی کوئی واقعہ ایسا رونما نہ ہوا جس سے عیسائیوں پر ظلم و تشدد ظاہر ہوتا ہو۔ برخلاف اس کے عیسائیوں نے اس رواداری کا غلط فائدہ اٹھایا اور مسلمانوں کے خلاف منظم ہونے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ پلایو اور الفانسو کے واقعات اس بات کا ثبوت ہیں البتہ معاشرت کے اعتبار سے نومسلموں کا حال اچھا نہ تھا۔ گو مسلمان ہونے کے بعد ان کو اسلامی حقوق تو مل گئے تھے لیکن عرب اور بربر ان کو کبھی اپنے میں شامل ہونے کا موقع نہ دیتے تھے۔ ڈوزی کے کہنے کے بموجب عرب ان کو ایسے سرکاری عہدوں سے جن کی تنخواہیں زیادہ ہوتی تھیں معمولاً محروم رکھتے تھے اور ان کی طرف سے بدگمان رہتے تھے کہ وہ دل سے مسلمان نہیں ہوئے ہیں اس لئے ان کو حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے کیونکہ ان نومسلموں میں بہت سے لوگ ایسے تھے جن پر عیسائی حکومت کے زمانے میں غلامی کی مہر لگائی گئی تھی۔ اور اب تک ان کی پیشانیوں پر موجود تھی۔ اس لئے عرب ان کو غلام یا ابن غلام کہا کرتے تھے بعد میں ان نومسلموں کو بھی شامل کر لیا گیا جو غلام نہ تھے..... پس نومسلموں کو گوارا نہ ہوا کہ وہ زیادہ دن ذلت کی حالت میں رہیں..... نومسلموں یعنی مولدوں کی بغاوتیں جن میں عیسائی بھی شامل ہوتے بہت سی شکلیں اختیار کرتی رہیں۔ ہر ایک صوبہ اور بڑے شہروں نے مختلف وقتوں میں عربوں سے بغاوت اختیار کی۔"[1] عیسائی مورخ کا اس میں تعصب بھی ہے ورنہ حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں کو اس دور ولایت میں آپس کی خانہ جنگیوں نے اور قبائلی تعصب نے اس قابل نہ چھوڑا تھا کہ وہ خود متحد ہو جاتے۔ کجا کہ نومسلم جن سے فاتح نے روادارانہ سلوک تو کیا مگر ان کو فاتح کے برابر حقوق نہ دے سکے۔ اس تفریق پر تعجب نہیں کرنا چاہیئے۔ رومیوں اور گاتھ نے آپین کے باشندوں کے ساتھ برسہا برس کیا سلوک روا رکھا تھا باوجود اس کے کہ وہ ان کے ہم مذہب ہو گئے تھے تو اگر اس ۷۵ سالہ دور میں عصبیت کے مارے مسلمانوں نے کچھ زیادتیاں بھی کیں تو قابل معافی ہیں۔ البتہ کسی امیر آپین اور اس کی حکومت کی طرف سے ان پر کسی قسم کی زیادتی یا ظلم کا پتہ نہیں چلتا۔ حکومت کی طرف سے ان کے لئے علیحدہ مساجد و مدارس

---

[1] عبرت نامہ اندلس۔ ج۔ صـ۴۲۱

کھولے گئے جن میں اشبیلیہ کی مثال دی جا سکتی ہے۔ ان کو تجارتی، زراعتی اور اقتصادی مراعات میں مساویانہ حصہ دیا گیا۔ اس کا ثبوت یہ کافی ہوگا کہ دور ولایت میں مولدین کی کوئی بغاوت نہیں ملتی بجز اس کے جہاں وہ عیسائیوں کے بہکاوے میں آگئے ہوں۔ جیسا کہ پلایو (صخرہ پلائی) کے معاملے میں ہوا۔ اگر یہ کہنا کہ اچھی ملازمتیں ان کو نہ دی گئیں اور عربوں نے ان کے حق کو غصب کیا حکومت کی زیادتی کو ثابت کرنا ہے تو یہ بات ذہن نشیں رکھنی چاہیئے کہ عرب فاتح تھے اور فاتح کبھی اہم عہدے غیروں کے قبضے میں نہیں جانے دیتے۔ دوسرے یہ کہ اسپین کا نظم ونسق عسکری اور قبائلی تھا جس میں مولدین سے پہلے بربروں کا کھپانا ہی مشکل ہو رہا تھا اور آئے دن ان کی شکایات بڑھتی چلی جا رہی تھیں۔

چوتھا باب

بنو امیہ دمشق کا زوال

زوال کے اسباب

آپین کی تاریخ کا سنہری دور بنو امیہ دمشق کے زوال سے شروع ہوتا ہے کیونکہ بنو امیہ دمشق کے زوال کے اسباب کا خاکہ ہمیں آپین میں بھی نظر آتا ہے چنانچہ آپین میں مسلمانوں کے عروج و زوال کو سمجھنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ بنو امیہ دمشق کے زوال کی وجوہات کا بنظر غائر مطالعہ کیا جائے اس سلسلے میں سب سے پہلا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ زوال کیوں ہوا؟ ابن خلدون نے تو اس کا جواب صرف ایک جملے میں دیدیا ہے کہ "جو قومیں اپنی عصبیت کھو دیتی ہیں ان کا زوال ضروری ہے" اور عصبیت کھو جانے کے زمانے کا اندازہ اس نے ۴۰ سے ۴۰ سال تک لگایا ہے۔ یہ علامہ ابن خلدون کا نظریہ ہے۔ اس کے صحیح یا غلط ہونے سے ہمیں یہاں کوئی سروکار نہیں۔ البتہ ان اسباب کی تلاش ضروری ہے جن کی بنا پر بنو امیہ میں عصبیت کا فقدان ہوتا چلا گیا اور وہ زوال پذیر ہوئے۔

مشرق میں بنو امیہ کے زوال کی ابتدا ہم ان کی اس ذہنی کج روی کو قرار دے سکتے ہیں جس کے تحت انہوں نے شروع ہی سے اسلامی تہذیب کو مساجد و مدارس میں مقید کر کے عربی تہذیب کو پروان چڑھایا۔ یہ اوپر لکھا جا چکا ہے کہ سسکتی ہوئی عربی تہذیب نے ایک بار پھر خلافت راشدہ کی عظیم فتوحات کے زمانے میں سنبھالا لیا۔ اور عربوں نے دیگر مفتوح اقوام پر اپنے تفوق و برتری

کو برقرار رکھنے کے لئے اس تہذیب کو پروان چڑھایا حالانکہ عظیم اسلامی فتوحات کا یہ مقصد ہرگز نہ تھا کہ قبائلی عصبیت کسی تہذیب کی شکل اختیار کرلے بلکہ یہ تھا کہ اسلامی تہذیب کو اتنا عام کردیا جائے کہ تمام اقوام وملل اپنے آپ کو اسلامی معاشرے کے سانچے میں ڈھال لیں اور اسلام کی بنیادی تعلیمات کی رو سے عربی اور عجمی کا فرق مٹ جائے لیکن دولت کی فراوانی کی وجہ سے خلیفۂ راشد رضؓ سوم جاگیرداری نظام کے احیاء کو نہ روک سکے جس سے گروہ بندیاں شروع ہوگئیں اور ہر گروہ زیادہ سے زیادہ حلیف و دوست بنانے کی فکر میں مشغول ہوگیا اسی اثنار میں مسلمانوں میں آپس میں خانہ جنگی شروع ہوگئی جس سے ان گروہوں کو مضبوط سے مضبوط تر ہونے کا موقع مل گیا۔ عرب جاگیرداروں اور سرمایہ داروں کا جو طبقہ تھا اس نے قبائلی عصبیت کی بنا پر اپنے دوستوں کو اکٹھا کرنا شروع کیا جس سے عہد جاہلیت کی عصبیت کی آگ ایک بار پھر بھڑک اٹھی۔ اس مرتبہ یہ ایسی بھڑکی کہ بجھ نہ سکی ادھر سیاسی کشمکش شروع ہوئی۔ ادھر قبائلی عصبیت ایک فیصلہ کن مرحلہ میں داخل ہوئی۔ بنو امیہ کے ہوشمند سیاستداں اس بات کو خوب جانتے تھے کہ قبائلی عصبیت کو بنیاد بنانے اور اس کو ہوا دینے ہی میں حکومت کو مستحکم کرنے اور کامیابی کے ساتھ حکومت کرنے کا راز مضمر ہے۔ اس کو اتفاق کہئے یا تاریخ کا المیہ کہ یزید کی تخت نشینی اور کربلا کے المناک واقعہ نے بنو امیہ کو پھر اس بات پر مجبور کردیا کہ وہ عصبیت کی بنیاد پر قبائل کو لڑاتے اور حکومت کرتے رہیں۔ اور خود کو حجازیوں اور عراقیوں کی دست درازیوں سے محفوظ رکھیں۔ بنو امیہ عصبیت کے خود بھی بری طرح شکار تھے خصوصاً حکومت کے معاملے میں کسی غیر عرب کا مخل ہونا عربی شان کے خلاف سمجھتے تھے چنانچہ ایک طرف تو وہ اپنی حکومت کی بقا کا انحصار عربوں پر رکھتے تھے جس کے لئے وہ کسی نہ کسی قبیلے کی ہمدردیاں ہمیشہ اپنے ساتھ رکھتے اور دوسری طرف وہ عربوں کو اپنے خلاف متحد بھی نہ ہونے دینا چاہتے تھے قحطانیوں اور عدنانیوں کی دشمنی ایک عرصہ دراز سے چلی آتی تھی۔ گو جزوی طور پر اسلامی اقدار نے اسے دبا دیا تھا لیکن جوں جوں اسلامی اقدار کے والا وشیدا رضؓ اس جہاں سے رخصت ہوتے گئے یہ دشمنی پھر ابھرتی گئی اور نئے نئے چولے بدل کر سامنے آتی رہی۔ بنو امیہ کے پورے دور میں کلبی اور قیسی کے نام سے بہت سی خونریز جنگیں ہوئیں۔ البتہ دور دراز کے علاقوں میں جو دار الخلافہ دمشق سے کافی فاصلے پر تھے ان کے نام بدلتے رہے کہیں پر مضری اور ربیعی کہلائی کہیں پر ربیعہ اور مضر کہلائی۔ کہیں پر حجازی اور شامی۔ غرض اس عصبیت کی بلا نے بنو امیہ کے پورے دور

میں مختلف ناموں سے زبردست خونریزیاں کیں۔ واقعۂ کربلا، واقعۂ حرّہ مدینہ ہوا۔ زیاد و حجاج جیسے ظالم و سفاک پیدا کئے۔ محمد بن قاسم، موسیٰ بن نصیر، طارق بن زیاد، قتیبہ بن مسلم کو جنم دیا۔ زید بن علی بن حسین، یحییٰ بن زید بن علی، ابو ہاشم عبداللہ، سعید بن مسیب جیسی قابل احترام ہستیوں تک کو نہ چھوڑا۔ لیکن جس وقت یہ عصبیت خود بنو امیہ کے لئے دردسر ہوئی تو انہوں نے نہایت چالاکی سے اس کو فتوحات میں مصروف کر دیا۔ لیکن انجام یہی ہوا کہ بنو امیہ کا زوال پھر بھی نہ رک سکا۔ یہاں تک کہ خراسان میں تحریک بنو عباس کی کامیابی کا بڑا سبب یہی قبائلی عصبیت بن گئی اور مروان ثانی باوجود اپنی پوری کوشش کے اس زوال کو نہ روک سکا۔

عربی تہذیب کے تفوق و برتری کے جذبے نے ایک طرف تو غیر عربوں کو ناراض کر دیا۔ دوسری طرف وہ تمام افراد بھی اس سے بری طرح بدظن ہو گئے جو کسی نہ کسی طرح اسلامی تہذیب کی علمبرداری اور اسلامی سیاست کو دوبارہ قائم کرنے کے خواہش مند تھے۔ ان میں خوارج، شیعہ (شیعہ اس وقت تک مذہبی فرقہ نہ تھا) ایرانی، بربری، غرض تمام عرب اور عربی تہذیب کی مخالف طاقتوں نے کہیں متحد ہو کر اور کہیں انفرادی طور پر عربی عوام اور حکومت دونوں کا مقابلہ کیا۔ اکثر جگہ وقتی طور پر کامیابی بھی ہوئی جیسے افریقہ کے بربروں کی کامیابی لیکن حکومت کے ذرائع نے پھر ان کو دبا دیا۔ بنو امیہ کو سب سے زیادہ نقصان خارجیوں نے دیا اور بنو امیہ کی فوجی طاقت کو اپنی گوریلا جنگوں سے ناقابل تلافی نقصان پہنچایا۔ یہاں خارجیوں کے عقیدے اور نظریات سے بحث نہیں لیکن یہ امر مسلّمہ ہے کہ یہ لوگ شیخین رضی اللہ عنہما کے طرز کی حکومت چاہتے تھے۔ اور عوام کو خلیفہ منتخب کرنے کا حق دلانے کے خواہشمند تھے تاکہ اسلامی تہذیب کا بول بالا ہو۔ یہ بات بنو امیہ کی عربی حکومت کسی طرح برداشت نہ کر سکتی تھی۔ دوسرا نقصان شیعان اہل بیت سے پہنچا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مخالف اور حضرت علیؓ کے طرفداروں کو شیعان علی رضی اللہ عنہ کے نام سے موسوم کیا گیا۔ ان لوگوں کا مقصد حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کے گھرانے کو برسر اقتدار دیکھنا تھا۔ لیکن بار بار کوششوں کے باوجود جب ایسا نہ ہو سکا تو انہوں نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو اس بات پر آمادہ کر لیا کہ وہ حکومت وقت کے خلاف خروج کر کے اپنے دوستوں کی مدد سے سیاست کو پھر اہل بیت کے گھرانے میں لے لیں۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ تو اعلائے کلمۃ الحق (کلمۂ حق کو بلند کرنا) کی خاطر ایسا کرنے پر تیار ہو گئے لیکن شیعان اہل بیت ہونے کا دعویٰ کرنے والے کوفی اور عراقی خود

اس قدر بزدل اور نکمے ثابت ہوئے کہ شامیوں کی ایک ذرا سی دھمکی اور لالچ نے ان کے ارادوں کو متزلزل کر دیا اور اپنے خون سے عہد نامہ لکھنے والے یہ نام نہاد شیعان اہل بیت شمشیر و سناں سے لیس ہو کر اہل بیت سے جنگ کرنے کربلا کے میدان میں نکل آئے۔ اور حضرت حسینؓ کی شہادت کے بعد ایک بار پھر تاریخ اسلام کا خونین باب لکھا گیا جس نے ایک طرف تو اسلامی تہذیب کو پست اور خوار کیا تو دوسری طرف عربی تہذیب کو بالائے بام پہنچا دیا۔ اس واقعہ کے بعد اہل بیت کے مددگاروں کی سعی پیہم نے ایک تحریک کی شکل اختیار کر لی جس نے کبھی فرقہ کیسانیہ کی شکل میں مختار بن عبید ثقفی کو جنم دیا کبھی تحریک ہاشمیہ کی شکل میں ابھر کر ابو ہاشم عبداللہ کو اپنا سردار بنایا۔ کبھی زید بن علی بن حسین نے خروج کیا۔ اور شہید ہوئے اور یحییٰ بن زید نے میدان عمل میں قدم رکھا۔ یہاں تک کہ اس کی آخری شکل تحریک عباسیہ ہوئی جس نے بنو امیہ کی عربی حکومت اور عربی تہذیب دونوں پر وہ ضرب کاری لگائی کہ ایک طرف تو عربی حکومت کو نیست و نابود کیا اور دوسری طرف عربی تہذیب کو مشرق وسطیٰ سے نکال کر بحر روم کے پار آسپین میں دھکیل دیا اس کے بعد ایشائے وسطیٰ اور افریقہ میں عربی تہذیب کو احیاء کا موقع نہ مل سکا۔ البتہ آسپین میں اس نے بڑے گل کھلائے جس کے نتیجے میں بربریوں نے اس بری طرح عربی تہذیب کے ٹکڑے کئے کہ حکومت کے آثار تک باقی نہ چھوڑے (جس کا تذکرہ آگے آئے گا)

بنو امیہ کے زوال کے سلسلے میں جہاں بنو امیہ کی داخلی بے راہ روی کو دخل تھا مثلاً ولی عہدی تخت نشینی کے ذریعے ایک ہی نسل میں خلافت کو محدود کر دینا۔ نا کارہ اور نا اہل افراد کا تخت پر آنا۔ حدود سلطنت کا وسیع اور مرکز سے دور ہونا۔ انتظام حکومت کا کمزور ہو جانا۔ صوبوں کے عاملوں کا وسیع الاختیارات ہونا وغیرہ۔ وہاں پر زوال کا سب سے اہم اور تاریک پہلو یہ بھی تھا کہ اس حکومت نے شعائر اسلام سے پہلو تہی کر کے نو مسلموں اور آزاد شدہ غلاموں سے نا روا اور ناجائز سلوک کیا جس کے وہ کسی طور پر مستحق نہ تھے۔ عربی تہذیب کے جنون میں قبائلی عصبیت کے بل بوتے پر مفتوحہ علاقوں کے باشندوں سے ایسا سلوک کرنا جس کے وہ مستحق نہ ہوں۔ اسلامی شعائر کے قطعاً منافی تھا یہ نا روا سلوک اس وقت تو قطعی بے انصافی اور انسانیت سوزی ہی تھا جبکہ مفتوحہ اقوام کی اکثریت اسلام قبول کر رہی تھی۔ اور اس بات کی امید کر رہی تھی کہ ان سے دیگر مسلمانوں کی طرح سلوک کیا جائے گا۔ مفتوحہ اقوام میں صرف شامی ایسے تھے جن سے روادارانہ سلوک کیا گیا کیونکہ مرکز

حکومت خود ان کے درمیان تھا۔ اور انہوں نے اپنے خون سے اس حکومت کی بنیادوں کو سینچا تھا۔ ورنہ ایرانی و خراسانی، ترکستانی، افریقی، غرض کوئی بھی ایسا نہ تھا جس کو دائرۂ اسلام میں آنے کے بعد بھی سکون و اطمینان میسّر آیا ہو۔ افریقہ میں مسلسل بغاوتیں اسی احساس کمتری کا نتیجہ تھیں۔ جو عربی تہذیب کے علمبرداروں نے ان میں پیدا کی تھیں کیونکہ افریقہ کے بربر بھی بڑی حد تک عصبیت کے پروردہ تھے اس لئے انہوں نے حکومت کے خلاف تلواریں اٹھائیں ایرانی و خراسانی تہذیب یافتہ تھے اور ان کی تہذیب عربی تہذیب سے کہیں زیادہ اعلیٰ اقدار کی حامل تھی۔ اگر کوئی ان کو تہذیبی شکست دے بھی سکتا تھا تو وہ اسلامی تہذیب تھی کیونکہ اسلامی تہذیب ان اقدار کی حامل تھی جو فارس کی تہذیب میں مفقود ہو چکی تھیں۔ مگر عربی تہذیب طاقت کے ذریعے اپنا لوہا منوانا چاہتی تھی کبھی زیاد بن ابوسفیان کے ذریعے ان کو دبایا جا رہا تھا تو کبھی حجاج بن یوسف کے مظالم و تشدد ان کا سر جھکا رہے تھے کبھی یزید بن مہلب ان کو تباہ کرنے پر آمادہ تھا تو کبھی یوسف ان کو لوٹ کھسوٹ رہا تھا۔ وہ اسلام لائے تھے اور مساوات اور عدل کے متلاشی تھے لیکن ان سے خراج اور جزیہ بھی وصول کیا جا رہا تھا تاکہ حکومت کے خزانے میں کمی نہ آنے پائے۔ ان کی جاگیریں اور جائدادیں عربوں کو دیدی گئی تھیں تاکہ وہ بغاوت کا خیال تک نہ لا سکیں اہم سرکاری عہدوں سے ان کو الگ رکھا گیا تاکہ وہ فاتح کے برابر نہ ہو جائیں کس قدر ناانصافی تھی کہ ان کی تہذیب مٹ رہی ہو اور ان سے کہا جائے کہ بس تماشہ دیکھو۔ سرکاری زبان عربی کو بنا کر فارسی کو ایک طرف کر دیا گیا۔ عربی سکّے ڈھالے گئے اور رومی و ایرانی کے رائج سکّوں کو منسوخ کر دیا گیا۔ غرض اقتصادی، ثقافتی و سماجی زندگی کا کوئی شعبہ ان کے لئے باقی نہ رکھا جس سے وہ اپنی تہذیبی انفرادیت کو فنا ہونے سے بچا سکتے موالیوں کو غلامی سے آزادی ملی تو ان پر اس سے بدتر پابندیاں عائد کر دی گئیں جس نے ان کی زندگی کو تعزیرات میں گرفتار کر دیا وہ گھوڑے پر سوار نہیں ہو سکتے تھے۔ ان علاقوں میں نہیں رہ سکتے تھے جن میں عرب شرفاء کی سکونت تھی۔ انہیں خاص قسم کی ٹوپی پہننی پڑتی تھی تاکہ آسانی کے ساتھ پہچانے جا سکیں۔ عربوں کا لباس استعمال نہیں کر سکتے تھے نہ اونچے مکان بنا سکتے تھے اور نہ جانے کتنی پابندیاں تھیں جو ان پر ٹھونسی گئی تھیں۔ وہ سب کے سب کوئی نسلاً غلام تو نہ تھے جو ان پابندیوں کو برداشت کر لیتے۔ مالِ غنیمت میں آئے ہوئے اور جنگ میں ہارے ہوئے تھے جن میں شرفاء بھی تھے اور امراء

بھی بشروع میں شکایات کا سلسلہ جاری رہا اور خلافت سے انصاف کے طلبگار رہے۔ اس کے بعد بغاوت کرنے والوں کو بھی امداد پہنچائی تاکہ جابر اور ظالم حکمرانوں سے نجات مل سکے جیسے عبدالرحمن ابن اشعث مختار ثقفی وغیرہ کی بغاوتیں۔ لیکن من حیث القوم وہ کوئی ایسی بغاوت نہ کر سکے جو ان کو نجات دلا دیتی۔ بقول ابن خلدون "جس قوم کی تہذیب عروج پر پہنچ جاتی ہے تو اس قوم کی برائیاں عود کر آتی ہیں اور وہ بزدل و نکمی ہو جاتی ہے" یہی ایرانیوں اور موالیوں کے ساتھ بھی تھا آخر میں انہوں نے اسلامی تہذیب کا ہی دامن تھاما اور جو اسلامی تہذیب کی برتری کے خواہشمند نظر آتے ان کی خفیہ اور علانیہ امداد بھی کرتے خواہ وہ کوئی فرد واحد ہو یا اجتماعی تحریک۔ یہی وجہ تھی کہ اہل بیت کی ہر تحریک نے ایران میں نشو و نما پائی تحریک عباسیہ بھی انہی تحریکوں میں سے ایک تھی۔ ابو مسلم خراسانی کا یہ کارنامہ تھا کہ اس نے اس انتہائی مہذب، بزدل اور نکمی قوم کو اپنے حقوق کے لئے تلوار اٹھانا سکھا دیا۔ الغرض بنو امیہ کی عربی حکومت نے عربیت کے جنون میں مفتوحہ اقوام کے ساتھ جو ناانصافیاں اور مظالم کئے تھے۔ وہ ان کی اپنی تباہی کا سبب بنے لیکن عربوں نے اس سے پھر بھی کوئی سبق حاصل نہ کیا اور مابین میں اس کا اعادہ کرنے سے باز نہ آئے جس کا انجام تاریخ میں ایک مثال چھوڑ گیا۔

تحریک عباسیہ

تاریخ اس تحریک کے حق میں خواہ کتنے ہی جواز پیش کرے پھر بھی یہ حقیقت ہے کہ یہ تحریک اپنے آغاز سے محروم ہے۔ اچانک عرب و شام کی سرحد کے ایک گاؤں حمیمہ سے اس تحریک کے حق میں آواز بلند ہوئی یہ کہاں سے آئی؟ کس طرح ابھری اور اس کا لائحہ عمل کیا تھا؟ یہ سب اس وقت معلوم ہوا بلکہ ترتیب دیا گیا جبکہ عباسیوں کو اپنی کامیابی کا یقین ہو گیا۔ تاریخ کے مطالعہ سے اس کا آغاز محمد بن حنفیہ کے صاحبزادے ابو ہاشم عبداللہ کے حمیمہ پہنچنے سے ہوتا ہے۔ ابو ہاشم عبداللہ نے اس بات کا صحیح اندازہ کر لیا تھا کہ اہل بیت یا بنو ہاشم کے حق میں جو بھی آواز اٹھے گی ہمیشہ ہمیشہ کے لئے دبا دی جائیگی۔ جابر حکمرانوں کو صرف اس وقت ہٹایا جا سکتا ہے جبکہ قوت کا توازن فریقین کے مابین یکساں ہو چنانچہ قوت حاصل کرنے کے لئے ایک خفیہ تحریک چلائی جائے جو خاص ان علاقوں میں ہو جو عربی ذہنیت کے خلاف ہوں۔ ایسے علاقوں میں قریب ترین ایران و خراسان تھے جنکی سرزمین ایسی تحریکوں کی نشو و نما کے لئے

بہت زرخیز تھی۔ ابوہاشم نے اپنے داعی ان علاقوں میں بھیجے جو ایک عرصے تک ایرانیوں کے قلوب کو اہل بیت کے حق میں مسخر کرتے رہے کہ اسی اثناء میں سلیمان بن عبدالملک نے ابوہاشم عبداللہ کو دمشق بلوا کر دھوکے سے زہر دلوا دیا۔ واپسی پر ابوہاشم کو جب زہر کا احساس ہوا تو اس قریب ترین مقام کی طرف چلے جس میں بنوہاشم کا خاندان آلِ عباس مقیم تھا۔ ایک عرصہ ہوا کہ بنوعباس یمن سے یہاں آکر آباد ہو گئے تھے اور علم و حکمت کی تحصیل میں مصروف تھے گو سیاست سے بظاہر کنارہ کش معلوم ہوتے تھے لیکن حمیمہ کے تجارتی مرکز ہونے کی وجہ سے سیاست ملکی سے بے خبر نہ تھے۔ ابوہاشم جب حمیمہ پہونچے تو اس وقت محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس بن عبدالمطلب اس خاندان کا سرخیل تھا۔ وہ ایک زیرک، دانا، عالم زاہد اور بڑی حد تک شہرت یافتہ شخصیت تھا۔ ابوہاشم نے موت کو قریب دیکھ کر محمد ہی کو اپنی تحریک ہاشمیہ کا ورثہ سونپا اور تمام رازوں سے آگاہ کر کے خود واصل بحق ہوئے۔ اس طرح تحریک بنوعباس کا آغاز بتایا جاتا ہے لیکن اب بھی یہ تحریک بنوعباس نہ تھی بلکہ تحریک اہل بیت تھی تاکہ اہل بیت کی مظلوم کے گرد عربی حکومت کے تمام مظلوموں کو اکٹھا کیا جا سکے۔ بہرحال محمد نے اس تحریک کی قیادت سنبھالتے ہی اس میں نئی جان ڈالدی اور خفیہ طریقے پر اسے ایسی نہج پر چلایا کہ جس سے یہ بات ثابت ہو سکے کہ یہ تحریک اسلامی تہذیب کی علمبردار ہے اور عربی تہذیب کے جنون آمیز رویہ کے خلاف چلائی جا رہی ہے محمد کے بعد ان کے لڑکے ابراہیم نے قیادت سنبھالی۔ کیونکہ یہ زمانہ عربی تہذیب کے بحران کا زمانہ تھا اور عربی عصبیت شدت اختیار کر چکی تھی افریقہ کے بربروں نے عربی تفوق کے خلاف وہ عظیم بغاوت کی تھی کہ قیادت عربی بھی لرز کر رہ گئی تھی۔ ایسے وقت میں ابراہیم کو کچھ ایسے ہمدرد اور اطاعت گذار رفقاء مل گئے جو ایک طرف تو عرب ذہنیت کے ستائے ہوئے تھے تو دوسری طرف اسلامی تہذیب اور اہل بیت کے سیاسی تفوق و برتری کو تسلیم کرتے تھے ان رفقاء میں ابومسلم خراسانی سرفہرست تھا ابومسلم ذہین و مدبر شخص تھا اس نے ہر وہ طریقہ اختیار کیا جس سے عربی تہذیب اور عربی حکومت پر ضرب لگ سکے۔ اس نے عربی عصبیت کو ہوا دیکر عرب قبائل کو آپس میں لڑایا۔ عربوں کے مظالم کی لرزہ خیز داستانیں گھڑی گئیں۔ تاکہ اہل ایران و خراسان میں ان کی طرف سے شدید نفرت پیدا ہو اہل بیت کے مرثیے سینوں کو گداز کرنے کے لئے پُر درد لہجہ میں پڑھوائے گئے۔ مظلوم طبقہ سے ایک فوج بنائی گئی۔ تاکہ وہ جان کی پرواہ نہ کر سکیں۔ پہلے لوٹ مار کی پھر گاؤں اور شہروں پر قبضہ کیا اور اس طرح

ایک بڑا علاقہ اپنے زیر اثر کر لیا۔ عربوں کی خانہ جنگی نے اس کے ارادوں کو اور تقویت پہنچائی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ بنو عباس کے ہر رفیق و مددگار نے جان توڑ کوشش کی لیکن ابو مسلم نے ایک ترا لاہی طریقہ اختیار کیا۔ یہ اس کا کارنامہ ہے کہ "اس نے اہل بیت اور اسلامی تہذیب کی آڑ لیکر نہ صرف یہ کہ مخالفین بنو امیہ کو یکجا کر دیا۔ بلکہ صحیح معنوں میں اہل ایران و خراسان کو اپنے حق کے لئے تلوار اٹھانا سکھایا"۔ صرف یہ کہنا کہ وہ ایرانی تہذیب کو دوبارہ برسر اقتدار لانا چاہتا تھا اس کے ساتھ بے انصافی ہوگی۔ ابراہیم عباسی تو عرب تھے ان میں بھی عصبیت موجود تھی لیکن ان کا وہ خط جس کی بنا پر وہ مارے گئے تھے تاریخ نے محفوظ رکھا ہے جس میں انہوں نے لکھا تھا کہ "خراسان میں ایک بھی عربی بولنے والا باقی نہ رہے"۔ حالانکہ خود اس تحریک میں بہت سے عرب سرداروں کا نام آتا ہے خصوصاً ابو سلمہ خلال کا جس کا حکومت عباسیہ کے قیام میں بڑا ہاتھ تھا ظاہر ہے ایسے میں ہر عرب کو مار ڈالنا مقصود نہ تھا۔ بلکہ اسی خط سے صاف پتہ چلتا تھا کہ ابراہیم صرف ان عربوں سے نجات حاصل کرنا چاہتے تھے جو اسلامی تہذیب کی بجائے عربی تہذیب و عربی حکومت کے تفوق و برتری کے نشہ میں چور تھے۔ ابو مسلم نے ایسا ہی کیا۔ ابراہیم بن محمد آخری اموی خلیفہ مروان ثانی کے ہاتھوں مارے گئے بنو عباس کے لئے اب سوائے اس کے کوئی چارہ نہ رہا کہ وہ خروج کر کے حکومت پر قبضہ کر لیں۔ ابو مسلم پہلے ہی ایران و خراسان پر قابض ہو چکا تھا ابو سلمہ خلال عراق کے قلب کوفہ اور اس کے نواح پر قابض ہو گیا۔ خلیفہ مروان ثانی خارجیوں سے نبرد آزمائی میں اس قدر مشغول تھا کہ باوجود عباسیوں کی حرکات سے مطلع ہونے کے کچھ نہ کر سکا۔ مروان کی اس مجبوری کی سب سے بڑی وجہ یہی تھی کہ قبائل عرب عصبیت کے سیلاب میں بری طرح بہہ چکے تھے۔ قریہ قریہ شہر شہر قحطانیوں اور عدنانیوں کی تلواریں آپس میں ٹکرا رہی تھیں۔ عباسیوں نے حالات سے پورا پورا فائدہ اٹھایا اور عربی تفوق و تفخر کے بت کو ۱۳۲ھ/۷۴۹ء میں زاب کے میدان میں پارہ پارہ کر دیا۔ مروان ثانی کے قتل نے عربی حکومت کے چراغ کو ہمیشہ کے لئے گل کر دیا۔ اس کے بعد تمام اموی شہزادوں کو تلاش کر کے تہ تیغ کیا گیا تاکہ ان میں کوئی شخص نہ تو کبھی حریف سلطنت بن سکے نہ عرب اس کو بہکا کر خروج پر آمادہ کر سکیں۔ اس دار و گیر میں بنو امیہ کے جس فرد کو جہاں سر چھپانے کا موقع ملا وہ وہاں روپوش ہو گیا۔ انہی میں آئین کی حکومت بنو امیہ کا بانی عبدالرحمٰن بھی تھا۔

عبدالرحمٰن کا فرار

عبدالرحمٰن مشہور اموی خلیفہ ہشام بن عبدالملک کا پوتا اور اس کے لڑکے معاویہ کا بیٹا تھا۔ ۱۱۳ھ میں دمشق کے نواح مقام علیا میں پیدا ہوا تھا اس کی کنیت ابوالمطرف، ابوسلیمان اور ابوزید بیان کی جاتی ہے خلیفہ ہشام کی زیر نگرانی اس کی تعلیم و تربیت شاہی محل میں ہوئی تھی جس وقت یہ ہنگامہ شروع ہوا اس کی عمر ۱۸ یا ۱۹ برس کی بیان کی جاتی ہے وہ اپنے بھائی یحییٰ بن معاویہ کے ساتھ ایک گاؤں میں روپوش ہو گیا تھا۔ عبدالرحمٰن کا ایک بھائی ابان بن معاویہ اور ایک پھوپی زاد بھائی عبدہ بن ہشام کے مارے جانے کے بعد عباسیوں نے دھوکہ دیکر پورے شام میں بنوامیہ کو امان دیدی جس سے مطمئن ہو کر چھپے ہوئے اموی خاندان کے افراد باہر نکل آئے اور رملہ سے ۱۲ میل کے فاصلے پر مقام نہر ابی فطرس میں جہاں عباسیوں کا پہلا خلیفہ ابوالعباس السفاح ٹھہرا ہوا تھا وہاں پر جمع ہو گئے۔ السفاح نے اپنے عہد کو توڑ دیا اور ستر سے زیادہ امویوں کو بیدردی سے قتل کرا دیا گیا۔ قنسرین کے ایک گاؤں میں عبدالرحمٰن اور یحییٰ چھپے ہوئے تھے انہوں نے باہر نکلنے میں عجلت نہ کی اور تفتیش حال کے لئے ایک قاصد بھیجا یہ قاصد عین اس وقت پہنچا جبکہ بنوامیہ قتل کئے جا رہے تھے۔ وہ دوڑ کر واپس آیا لیکن عباسیوں کا ایک دستہ بھی اس کے عقب میں آ گیا۔ اور قبل اس کے کہ یحییٰ فرار ہوتا پکڑا گیا اور قتل کر دیا گیا۔ عبدالرحمٰن اس وقت شکار کھیلنے گیا ہوا تھا اس کو جب اس واقعہ کی اطلاع ہوئی تو وہ غلاموں سے یہ کہتا ہوا فرار ہوا کہ اس کے اہل و عیال کو بھیجدیا جائے۔ بنوامیہ کے جو افراد باقی بچ گئے تھے خاموشی سے افریقیہ کی طرف جانے لگے۔ کیونکہ عبدالرحمٰن بن حبیب فہری والی افریقیہ نے ان کو پناہ دینے کا وعدہ کر لیا تھا۔ عبدالرحمٰن بن معاویہ بھی افریقیہ کے ارادے سے نکل پڑا۔ دریائے فرات کے کنارے ایک گاؤں میں جو گھنے جنگلوں میں آباد تھا چھپ گیا۔ اور یہیں اس کے اہل و عیال بھی آ گئے۔ ایک دن عبدالرحمٰن کا لڑکا سلیمان گاؤں کے باہر کھیل رہا تھا اور عبدالرحمٰن گھر میں آنکھوں کی تکلیف میں مبتلا تھا کہ سلیمان دہشت زدہ گھر میں آیا عبدالرحمٰن نے بہت تسلی دی لیکن اس کی دہشت نہ گئی تو عبدالرحمٰن خود حقیقت حال کی دریافت کے لئے مکان سے باہر آیا اس کا ایک ۱۳ سالہ بھائی بھاگا ہوا آیا اور عباسی فوج کے آنے کی اطلاع دی۔ عبدالرحمٰن اپنے اہل و عیال کو اپنے غلام بدر کے سپرد کر کے اپنے تیرہ سالہ بھائی کے ساتھ بھاگا۔ دونوں دریائے فرات میں کود گئے۔ عباسیوں نے کنارے سے ان

کو امان امان کا شور مچا کر واپس بلانا چاہا۔ عبدالرحمٰن کا بھائی تیر تے تیرتے تھک گیا تھا اس نے واپس جانا چاہا عبدالرحمٰن نے لاکھ سمجھایا اور اس کا دل بڑھایا لیکن وہ واپس چلا گیا۔ اور عباسی سواروں نے اس کے ٹکڑے کر دیئے عبدالرحمٰن نے دوسرے کنارے سے اس خونین منظر کو دیکھا۔ یہاں سے وہ فلسطین کے ایک گاؤں میں چھپ گیا جب اس کو یقین ہو گیا کہ اس کا تعاقب نہیں کیا جا رہا ہے تو وہ افریقہ کی طرف چلا آیا وہاں پہنچ کر اس نے دم لیا یہیں پر بدر اور ابوالشجاع سالم غلام بھی اس کے اہل و عیال اور کچھ زر و مال کے ساتھ اس سے آملے۔

افریقہ میں عبدالرحمٰن کے مصائب کا دوسرا دور شروع ہوا عبدالرحمٰن بن حبیب والیٔ افریقہ نے اس وقت تک دعوتِ عباسی کو قبول نہ کیا تھا اور اس فکر میں تھا کہ اپنی آزاد حکومت قائم کرے۔ اس زمانے میں نجوم و رمل کی پیشین گوئیوں پر کافی بھروسہ کیا جاتا تھا ویسے بھی پُر آشوب دور میں ذرا ذرا سی باتوں سے بڑی بڑی باتیں اخذ کر لی جاتی ہیں۔ اسی طرح والیٔ افریقہ بھی رمل و نجوم پر کافی بھروسہ کرتا تھا۔ عبدالرحمٰن بن معاویہ کو بظاہر یہاں پر کوئی خطرہ نظر نہ آتا تھا۔ مگر اس کے بچپن میں ایک واقعہ ایسا ہوا تھا جو اس کے دل میں امید کی شمع روشن کئے ہوئے تھا۔ ایک دن وہ اپنے دادا ہشام بن عبدالملک کے دربارِ خلافت میں بیٹھا ہوا تھا کہ ہشام کے بھائی مسلمہ بن عبدالملک نے جو ایک زبردست عالم و فاضل شخص تھا اس کو دیکھا اور اس کی پیشانی کا بوسہ لیکر ہشام سے کہا کہ میں اس لڑکے میں بادشاہ بننے کی نشانیاں پا رہا ہوں۔ عبدالرحمٰن کو یہ واقعہ یاد تھا۔ افریقہ پہونچکر اسے معلوم ہوا کہ ایک یہودی عالم نے یہاں کے والی عبدالرحمٰن الفہری کو یہ بتا رکھا ہے کہ ایک شہزادہ جس کے دو لٹیں ہوں گی اور اس کا نام عبدالرحمٰن ہوگا اندلس کا بادشاہ بنے گا جس کی وجہ سے والیٔ افریقہ کے دل میں اس کی طرف سے کھٹک موجود ہے۔ چنانچہ عبدالرحمٰن نے والیٔ افریقہ کی نظریں تاڑ لیں اور وہ وہاں سے نکلنا ہی چاہتا تھا کہ اسی اثنا میں والیٔ افریقہ اور حامیانِ بنو امیہ کے درمیان سے اختلافات پیدا ہو گئے۔ اور والیٔ افریقہ نے بہت سے بنو امیہ کو قتل اور بہت سوں کو قید کر دیا۔ اس نے عبدالرحمٰن کو بھی تلاش کرایا لیکن وہ پہلے ہی وہاں سے نکل گیا تھا۔ والیٔ افریقہ نے اس کی تلاش میں جاسوس مقرر کر دیئے۔ عبدالرحمٰن سب سے پہلے مقام باری میں بربر قبیلہ مکناسہ کے پاس جا چھپا پھر وہاں سے نکل کر مختلف بربر قبائل میں پناہ لیتا ہوا قبیلۂ نفزاوہ میں پہونچا۔ یہ قبیلہ اس

کی ماں کا تھا۔ اس لئے اس قبیلے نے اس کی مخلصانہ حمایت کی لیکن ابن حبیب کے آدمی یہاں بھی سے پہونچ گئے۔ عبدالرحمٰن یہاں سے بھی بھاگا اور قبائل مغیلہ اور زناتہ میں چھپتا پھرا اس طرح علاقہ برقہ میں پانچ سال گذر گئے۔ وہ گھومتے پھرتے ساحل سمندر تک پہونچ گیا اور ایک مقام سبرہ میں مقیم ہوا جہاں اس کے ننہالی قبائل نفزہ یا نفزاوہ مقیم تھے اس طرح عباسیوں اور والی افریقیہ ابن حبیب کی تمام کوششیں بے کار گئیں اور وہ عبدالرحمٰن کو گرفتار نہ کر سکے۔

یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ دورانِ سفر کی پیشن گوئیاں اور معجزانہ طریقہ سے اپنی جان بچتی رہنے کی وجہ سے عبدالرحمٰن کے دل میں اسپین میں دولت امویہ قائم کرنے کا خیال جڑ پکڑ گیا تھا کیونکہ ابن حبیب والیٔ افریقیہ کی مستحکم حکومت کی وجہ سے افریقیہ میں اس نے اپنے قدم جمتے نہ دیکھے دوسرے یہ کہ افریقیہ عباسیوں کی زد سے باہر نہ تھا چنانچہ جب وہ ساحل سمندر پر پہنچا تو اس نے اسی خیال کے ماتحت اسپین میں حامیانِ بنو امیہ سے خفیہ خط و کتابت کرنا شروع کر دی۔ پہلے ان کو اپنے آنے کی اطلاع دی پھر ان کو اپنی طرف آنے کی دعوت دی جب کچھ آثار مناسب دکھائی دیئے تو اپنے معتمد غلام بدر کو فضا ہموار کرنے کے لئے اسپین بھیجدیا۔ [1]

اسپین میں بنو امیہ کے مددگاروں اور موالیوں کی تعداد چار یا پانچسو کے درمیان تھی ابو عثمان عبیداللہ بن عثمان اور عبداللہ بن خالد بن آبان جو حضرت عثمانؓ کے موالیوں میں تھے ان میں سرِ آور دہ تھے اور یہ سب شامی آبادی البیرہ میں آباد تھے۔ عبدالرحمٰن بن معاویہ نے ابو عثمان ہی کے نام بدر کو ایک خط دیکر بھیجا تھا اور اپنی انگشتری بھی دی تھی خط میں اس نے خاندان بنو امیہ کے مصائب و آلام بیان کر کے والیٔ افریقیہ عبدالرحمٰن بن حبیب الفہری کی سرد مہری اور برتاؤ کا ذکر کیا اور لکھا کہ اس کے لڑکے یوسف سے جو اسپین کا والی ہے کسی اچھے برتاؤ کی توقع نہیں رکھنی چاہئے اس کے بعد خلیفہ ہشام بن عبدالملک کی عظمت و بزرگی بیان کر کے بتایا کہ وہ اسی کا پوتا ہے اور اسپین میں اپنی سلطنت کو قائم کرنے کا آرزومند ہے اور یہ بھی لکھا کہ تمام حامیوں اور موالیوں سے رائے لے لی جائے اور انہیں ہموار بنا کر قبائل یمانیہ کو اپنا طرفدار بنا لیا جائے کیونکہ وہ آسانی سے دعوت قبول کر لیں گے۔ بدر یہ خط لیکر ابو عثمان کے پاس مقام طرش میں پہونچا۔ ابو عثمان نے معاملہ کی اہمیت محسوس کر کے عبداللہ بن خالد سے مشورہ کیا اور ایک دوسرے مشہور اموی ہوا خواہ

[1] ابن اثیر۔ ج ۵۔ ص ۳۷۶

یوسف بن بخت کو بھی اس میں شریک کر لیا اور طے پایا کہ صمیل بن حاتم بن شمر سے مشورہ کئے بغیر بدر کو جواب نہ دیا جائے۔

صمیل اس زمانے میں یوسف بن عبدالرحمٰن والیٔ آبین کی ناک کا بال اور مسلم آبین کے سیاہ و سپید کا مالک تھا۔ ابوعثمان سے گہری دوستی تھی بیان کیا جا چکا ہے کہ صمیل نے سرقسطہ سے ابوعثمان سے مدد طلب کی تھی اور ابوعثمان اسی موقع سے فائدہ اٹھا کر بدر کو سرقسطہ لیکر پہونچا تھا۔ تعلقات کی نوعیت سے ابوعثمان اور عبداللہ بن خالد کو یقین تھا کہ صمیل ان کی ہمنوائی کرے گا اور ہمنوائی نہ بھی کی تو اس راز کو کسی سے نہ کہے گا لیکن احتیاط کا تقاضا یہی سمجھا کہ اس کو صرف یہی بتایا جائے کہ عبدالرحمٰن آبین میں پناہ لینا چاہتا ہے اور اس کو امان دی جائے اور آمدنی کا کچھ حصہ اس کے گذارے کے لئے وقف کر دیا جائے ایسا اس لئے کیا گیا کہ صمیل اور والیٔ آبین یوسف میں گہرے تعلقات تھے جس سے یہ بھی شبہ تھا کہ کہیں وہ اس سے تذکرہ نہ کر دے لیکن جب گفتگو ہوئی تو ان لوگوں کو اندازہ ہو گیا کہ صمیل اور یوسف کے تعلقات کشیدہ ہو گئے ہیں جس سے ان کو موقع ملا کہ بات صاف طور پر کر لیں۔ صمیل نے اس معاملے پر غور کرنے کے لئے وقت مانگا اور قرطبہ کی طرف چلا گیا اور یہ لوگ اپنے مقام پر واپس آ گئے۔ دوسری ملاقات صمیل اور رحامیانِ بنو امیہ کی طلیطلہ میں ہوئی انہوں نے صمیل کی رائے معلوم کی۔ صمیل نے کہا کہ میں نے خوب غور کر لیا ہے اور میں نے یہی محسوس کیا کہ ابن معاویہ بلاشبہ ہماری امداد کے مستحق ہیں اور حکومت کے اہل بھی اس کو یہاں بلوا لو اور پھر یوسف سے اس کی ملاقات کرا دیں گے۔ اور یوسف کو مجبور کر دیں گے کہ اس کو قرطبہ میں اپنے پہلو میں جگہ دے اور اپنی لڑکی بھی اس کی زوجیت میں دیدے۔ اگر اس نے ان باتوں کو مان لیا تو ٹھیک ہے ورنہ عبدالرحمٰن کی حمایت میں ہماری تلواریں اس کے سر پر ہوں گی۔ ابوعثمان اور ابن خالد اس کا تہ دل سے شکریہ ادا کر کے طلیطلہ سے واپس چلدیئے۔ لیکن ابھی کچھ ہی دور پہونچے ہوں گے کہ صمیل کے قاصد نے آ کر کہا ابوالخطار آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔ یہ دونوں شک و شبہ میں مبتلا طلیطلہ واپس ہوئے۔ صمیل سے ملے تو اس نے کہا کہ میں نے تمہارے جانے کے بعد مزید غور کیا تو اس نتیجہ پر پہونچا کہ ابن معاویہ کا بلانا قرین قیاس نہیں۔ اس لئے کہ یوسف پر ہم حکومت کرتے ہیں اور جو چاہتے ہیں کرتے ہیں۔ ابن معاویہ ایسی قوم سے تعلق رکھتا ہے کہ اگر اس کا کوئی فرد بھی جزیرہ میں آ کر پیشاب

بھی کر دے تو ہم اور تم سب اس میں ڈوب جائیں گے چنانچہ میں تمہیں آگاہ کر دیتا ہوں کہ سب سے پہلی تلوار جو اس نوجوان پر اٹھے گی وہ میری ہوگی۔ ابو عثمان اور ابن خالد دونوں حیران رہ گئے انہوں نے موقع کی نزاکت محسوس کر کے یہی بہتر سمجھا کہ صمیل پر یہ ظاہر کر دیں کہ آپ کی رائے سے ہمیں اتفاق ہے اور اب ہم بھی اس معاملے سے دست کش ہوتے ہیں۔

یہ لوگ صمیل سے مایوس ہو کر البیرہ واپس ہو گئے لیکن اپنے مقصد کو نہ چھوڑا پہلے البیرہ کے ممتاز افسروں کو عبدالرحمٰن کی حمایت پر آمادہ کیا اس علاقے کے شامیوں کو ہمنوا بنا کر دوسرے مقامات کے شامیوں اور دوسرے قبائل سے باری باری ملتے گئے اور اس طرح رفتہ رفتہ فضا ہموار کی جانے لگی۔ اس کے بعد یہ یمانیوں کی طرف متوجہ ہوئے۔ یمانیوں اور مضریوں کے اختلافات موجود تھے جس کو نہایت ہوشیاری کے ساتھ ایک سازش کے ذریعے بھڑکا دیا گیا۔ یمانیوں کا سردار ابوالصباح بن یحییٰ یحصبی تھا۔ اشبیلیہ سے کچھ فاصلے پر قریہ مورہ میں سکونت پذیر تھا اس کو ہمنوا بنانے کے لئے ابو عبیدہ حسان بن مالک کو بھیجا۔ ابوالصباح پر ہشام بن عبدالملک کے بڑے احسانات تھے ابو عبیدہ نے انہی کو یاد دلا کر ہشام کے پوتے کی امداد پر اس کو تیار کر لیا اور وہ اس تحریک میں شریک ہو گیا۔ اس کے بعد شذونہ کے ممتاز رؤسا کو اپنا بنایا گیا یہاں تک کہ بنو قحطان اور بنو عدنان میں بیشتر قبیلے ہمنوا ہو گئے۔ چنانچہ بدر کو عبدالرحمٰن بن معاویہ کے پاس بھیجا کہ وہ اس کو لیکر جلد آئیں واپس آئے۔ لیکن عبدالرحمٰن کو مصائب و آلام نے جہاندیدہ بنا دیا تھا اس نے بدر کو یہ کہکر واپس کر دیا کہ جب تک اس کے مددگاروں میں کوئی ساتھ نہ ہوگا اسپین میں داخل ہونے کی اس کو مسرت نہ ہوگی بدر دوبارہ اسپین واپس چلا آیا۔ اور عبدالرحمٰن کا یہ پیغام حامیان و موالیان بنو امیہ کو سنایا۔[1]

ابو عثمان نے یہ پیغام سن کر ایک جہاز خریدا اور اس میں گیارہ معززین کو بدر کے ساتھ عبدالرحمٰن کو لانے کے لئے بھیجا۔ ان میں تمام بن علقمہ لقفی، وہب بن اصفر، شاکر بن ابوالاسمط اور ابوالفرعیہ وغیرہ تھے۔ اور ضروری مصارف کے لئے کچھ رقم تمام کے حوالے کی۔ مغرب کے وقت یہ جہاز ساحل پر لگا۔ لوگ پیشوائی کو دوڑے لیکن عبدالرحمٰن نماز پڑھتا رہا کہ بدر نے آن کر کامیابی کی خوشخبری سنائی وفد کے لوگ بھی آگئے جن کا عبدالرحمٰن نے خندہ پیشانی سے استقبال کیا سب سے

---

[1] نفح الطیب۔ ج ۲ ص ۶۴۔ وابن القوطیہ ص ۲۲، ۲۳

پہلے اس نے تمام سے نام اور کنیت پوچھی۔ یہ بتایا جا چکا ہے کہ عبدالرحمٰن قیافہ، پیشن گوئی اور فال و رمل کا قائل تھا چنانچہ تمام نے جواب دیا "ابو غالب تمام" عبدالرحمٰن بہت خوش ہوا اور کہا "انشاء اللہ ہم ضرور غالب ہوں گے"۔ دوسرے سے پوچھا اس نے جواب دیا کہ "ابو فرقعہ" عبدالرحمٰن نے کہا "ابو فرقعہ نے ملک کو ہمارے لئے فتح کیا"۔ عبدالرحمٰن جہاز پر سوار ہوا۔ تمام نے جمع ہونے والے بربر قبائل کو کافی رقم دی اور ان سے پیچھا چھڑا کر جہاز کو روانہ کر دیا۔ آپ جہاز کو البیرہ کے ساحلی شہر المنکب پر کھڑا کیا گیا۔ اور ۱۴ ربیع الاول یا آخر ۱۳۸ھ میں شہزادہ عبدالرحمٰن بن معاویہ آپ کی سرزمین پر اترا۔ ابو عثمان اور عبداللہ بن خالد نے دیگر حامیان بنو امیہ کے ساتھ اس کا بڑی گرمجوشی سے استقبال کیا اور ابن خالد کی قیام گاہ الفنسین میں اترا۔ پھر یہاں سے ابو عثمان کے وطن طرش روانہ ہوئے۔ یہاں پر سب سے پہلے ابو الحجاج یوسف بن بخت اس سے آکر ملا۔ پھر سارے ملک سے خاندان بنو امیہ کے افراد یہاں پہنچنے لگے۔ مختلف شہروں سے وفود کے آنے کا سلسلہ جاری ہوا اور لوگ آ آ کر بیعت کرنے لگے۔ اس طرح اس کی طاقت میں بقول مقری روز بروز کیا لمحہ بہ لمحہ ترقی ہوتی گئی۔ اور قیام حکومت کی عملی کوششیں شروع ہو گئیں۔[1] ان بیعت کرنے والوں میں عمائدین اور بہت سے صوبوں کے والی بھی تھے جیسے اشبیلہ اور مغربی اندلس وغیرہ کے ولاۃ۔

یوسف اس زمانے میں سرقسطہ اور استریاس کی مہموں میں مشغول تھا ملک میں قحط و خشک سالی تھی۔ عامر اور حباب زہری کے قتل کی وجہ سے یمانی اس کے سخت خلاف ہو چکے تھے اسی اثناء میں یوسف کی بیوی ام عثمان کا قاصد قرطبہ سے ایک خاص پیغام لیکر پہنچا جس میں یہ تشویشناک خبر درج تھی۔

"خلیفہ ہشام کا پوتہ عبدالرحمٰن بن معاویہ اندلس میں داخل ہو چکا ہے اور قریہ طرش کے فاسق و فاجر ابو عثمان عبیداللہ کے پاس مقیم ہے۔ بنو امیہ کے موالی اور بہت سے قبائل اس کے گرد جمع ہو چکے ہیں۔ البیرہ کے نائب حاکم نے اس کا مقابلہ کیا مگر شکست کھائی اس کے تدارک کے لئے جلد کارروائی مناسب ہو عمل میں لائی جائے"۔

یوسف نے صمیل سے مشورہ کیا اور طے پایا کہ ابھی ابن معاویہ کی جماعت تھوڑی ہے اس کے خلاف فوراً کارروائی کی جائے اور قرطبہ جانے کے بجائے عبدالرحمٰن کے مقابلے پر چلا جائے۔ یوسف کی فوج میں عبدالرحمٰن کی دعوت کی خبر آناً فاناً پھیل گئی اور لوگ جوق در جوق یوسف کو چھوڑ کر عبدالرحمٰن

[1] نفح الطیب ج ۲ ص ۶۴۵

کے گرد اکٹھا ہونے لگے۔ یوسف دل برداشتہ قرطبہ واپس چلا آیا کیونکہ برسات کے موسم کے شروع ہو جانے کی وجہ سے کسی فوج کشی کا موقع نہ رہا تھا۔ قرطبہ میں یوسف کے خیر خواہوں نے عبدالرحمٰن سے مصالحانہ خط و کتابت کرنے کا مشورہ دیا۔ یوسف قطرۃً صلح جو تھا اور ہنگاموں سے بچنا ہی چاہتا تھا اس کے لئے بخوشی تیار ہو گیا اور تین آدمیوں کا ایک وفد تحفہ تحائف اور اس پیغام کے ساتھ روانہ کیا کہ وہ قرطبہ میں آرام کی زندگی بسر کرے۔ عبدالرحمٰن نے اس پیغام کو سنا۔ کچھ لوگوں نے یوسف کی اس مصالحانہ پیش کش کو قبول کرنے کی رائے دی لیکن عبدالرحمٰن نے وہ خط ابو عثمان کے حوالے کر دیا کہ وہ جیسا چاہے جواب دیدے۔ ابو عثمان اس خط کا جواب مصالحانہ تحریر کر دیتا لیکن وفد کے ایک رکن نے اس پر طنز کیا جس سے وہ آگ بگولہ ہو گیا اور اس رکن کو قید کر لیا باقی دو ارکان وفد اپنی جان بچا کر قرطبہ پہنچے اور ساری کیفیت بیان کی لیکن اب جاڑے شروع ہو چکے تھے اور برسات نے تمام راستے مسدود کر دیئے تھے چنانچہ فوری کارروائی کا موقع نہ تھا۔ عبدالرحمٰن نے اس فرصت کو غنیمت جان کر اپنی دعوت کی اشاعت میں سارا وقت صرف کر دیا۔ اور بہت سے یمانی و قیسی قبائل کو اپنا ہمنوا بنانے میں کامیاب ہو گیا۔ موسم کی سازگاری کے ساتھ ساتھ یوسف بھی البیرہ پر فوج کشی کی تیاریوں میں مشغول ہو گیا۔

عبدالرحمٰن کی بیعت

یوسف کی تیاریوں کی خبروں پر عبدالرحمٰن نے بھی فوج اکٹھا کرنے کی کوششیں شروع کر دیں۔ کورِ ریہ سے اس کا آغاز ہوا جہاں اہل اردن آباد تھے۔ وہاں کے عرب قائد جدار بن عمر مذحجی کو اپنا شریک بنا لیا جدار ابن عمر کی ہمت کی بدولت یکم شوال ۱۳۸ھ کو عید گاہ میں عبدالرحمٰن کی بیعت ہوئی اور اس کے نام کا خطبہ پڑھا گیا۔ اقلیم ریہ کا والی عیسیٰ بن مساور بھی بیعت میں شریک تھا۔ الریہ کے تمام قبائل یمن و قضاعہ نے بیعت کر لی۔

پانچواں باب

امارت بنو امیہ اسپین

عبدالرحمٰن الداخل ابن معاویہ

۱۳۸ھ/۷۵۵ء ——— ۱۷۱ھ/۷۸۷ء

یہ بیان کیا جا چکا ہے کہ کس طرح اچانک عبدالرحمٰن الداخل کی توقع کے برخلاف کورہ ریہ کے مقام پر عین عید کے روز اس کی امارت کا اعلان کر کے اس کی بیعت کی گئی تھی۔ امیر بن جانے کے بعد عبدالرحمٰن کو جن مسائل کا سامنا تھا ان میں سب سے اہم یوسف کا مسئلہ تھا۔ چنانچہ اس نے فوج جمع کرنے کے لئے کورہ ریہ کی طرف پیش قدمی کی جہاں کا حاکم عینی بن مساور اس کی بیعت کر چکا تھا چنانچہ یہ صوبہ بغیر کشت وخون کے اس کا مطیع ہو گیا۔ چند دن عبدالرحمٰن اس صوبے کے صدر مقام جندونہ میں جدار بن عمرو مذحجی کا مہمان رہا۔ یہیں پر رندہ یا تاکرنا میں بسنے والے خلیفہ یزید بن عبدالملک کے موالی جنکی تعداد چار سو سوار تھی اس کے ساتھ آملے۔ اب وہ رندہ ہوتا ہوا اقلیم شذونہ میں داخل ہوا۔ جہاں پر اہل فلسطین آباد تھے۔ پھر ایک قریہ کنانہ میں جہاں بنو کنانہ آباد تھے چند دن مقیم ہوا۔ اس صوبے کے والی غیاث بن علقمہ لخمی اور بہت سے ممتاز رؤسا نے اس کی بیعت کر لی۔ بنو کنانہ کے کچھ لوگ یوسف کے ساتھ مل گئے تھے ان کو چھوڑ کر تمام عربوں نے اس کی اطاعت

کی اور وہ اشبیلیہ کی سمت روانہ ہوا جہاں اہل حمص آباد تھے یہاں داخل ہوتے ہی عربوں نے بلا امتیاز مضری و شامی اس کی بیعت کر لی۔ اس طرح خونریزی کے بغیر ہی جنوب مغربی اسپین کے وسیع علاقے محض دعوت و تبلیغ سے اس کے حلقۂ اطاعت میں آگئے اور عبدالرحمٰن کے گرد ایک زبردست فوج اکٹھا ہو گئی۔

میدان مصارہ میں

عبدالرحمٰن کی تیاریوں اور روانگی کی اطلاع یوسف کو ملی تو وہ طلیطلہ کی طرف روانہ ہوا اور یہاں سے تازہ دم فوج لیکر اشبیلیہ کا رُخ کیا ابھی وہ حصن یابسہ تک پہونچا تھا کہ عبدالرحمٰن نے قرطبہ کا رخ کیا یوسف نے بھی قرطبہ کیطرف رخ موڑ دیا۔ اب وادی الکبیر کے ایک کنارے پر عبدالرحمٰن کی فوج اور دوسرے کنارے پر یوسف کی فوج ساتھ ساتھ چل رہی تھیں۔ دونوں فوجیں سامان رسد سے محروم تھیں اور قحط سالی سے پریشان حال ہو گئی تھیں۔ چنانچہ کنارہ کے کھیتوں پر ہی گذر ہو رہی تھی۔ فرق صرف اتنا تھا کہ ایک اپنے اقتدار کو بچانے کے لئے لوگوں کو جمع کر لایا تھا اور دوسرے کے ساتھ وہ لوگ تھے جو نئے جذبات اور نئی امنگوں سے سرشار تھے اور ایسے خاندان کے فرد کے لئے کوشاں تھے جس کے آباؤ اجداد سو برس تک دبدبہ و شان کے ساتھ حکومت کرتے رہے تھے۔ ان لوگوں کو یہ بھی امید تھی کہ قرطبہ پہونچنے کے بعد وافر مال غنیمت کے مالک بن جائیں گے۔ یوسف قرطبہ کے مغرب میں مصارہ کے میدان میں اترا۔ عبدالرحمٰن قرطبہ سے ابھی ۵ میل دور تھا اس جگہ امیر اسپین کا پرچم ایک عابد و زاہد فقیہہ فرقد سرقسطی نے اپنے ہاتھوں سے بنا کر زیتون کے درخت پر نصب کیا اور شب کی تاریکی میں یہ لشکر چل کر قرطبہ کے قریب اور مصارہ کے مقام بائش پر پہنچا۔ دونوں لشکروں کے درمیان وادی الکبیر حائل تھا۔ عبدالرحمٰن کی فوج اس امید کے ساتھ چلی تھی کہ قرطبہ پہنچ جائیگی لیکن جب اسے بائش کے میدان میں اترنا پڑا تو اس میں پست ہمتی کے آثار نمایاں ہونے لگے۔ اس اثنا میں قرطبہ کے یمانی اور اموی بھی میدان بائش میں لشکر سے آملے جس سے فوج کی ہمتیں ایک بار پھر بڑھ گئیں دونوں سرداروں نے لشکر کی تربیت کی اور اپنی اپنی فوج کی بہادر شخصیتوں کو سامنے رکھا۔ یوسف نے فوج کی تربیت کی اور خود قرطبہ آگیا۔ لڑائی سے پہلے اس نے کوشش کی کہ صلح جوئی سے معاملہ ٹل جائے عبدالرحمٰن چونکہ دریا کی دوسری طرف تھا اور وہ مصارہ کے میدان میں پہونچنا چاہتا تھا

اس لئے اس نے بظاہر صلح پر آمادگی کا اظہار کیا۔ یہ عرفہ کا دن تھا دونوں طرف کے لوگ سکون و اطمینان سے عید منا رہے تھے کہ اسی اثنا میں عبدالرحمٰن کے پاس جیان والبیرہ سے تازہ دم کمک آ گئی جس سے اس کی بڑی حوصلہ افزائی ہوئی اور وہ دغا عبور کرنے کے لئے بڑھا۔ یوسف کی افواج صلح کی آس میں مگن تھی۔ اس لئے کسی نے اس کی مزاحمت نہ کی اور عبدالرحمٰن آسانی سے میدان مصارہ میں اتر گیا۔ عبدالرحمٰن نے یہ فیصلہ حیلہ جوئی سے کیا تھا سب لوگ عید منانے میں مصروف تھے اور یوسف کو صلح کی اس قدر امید تھی کہ دونوں لشکروں کا کھانا اپنے باورچی خانے ہی میں تیار کروالیا تھا۔ اور مہمانوں کے خیر مقدم کا منتظر تھا کہ خبر پہنچی کہ عبدالرحمٰن نے حملہ کر دیا۔ پہلے ہی ہلّے میں عبدالرحمٰن کے سواروں نے یوسف کے میمنہ اور قلب کو شکست دیکر پیچھے ہٹا دیا اس حملے میں یوسف کا لڑکا عبداللہ اور صمیل کا لڑکا جوشن کام آئے اور یوسف اور صمیل دونوں جان بچانے کے لئے میدان چھوڑ کر بھاگے جنگ جیتی جا چکی تھی۔ عبدالرحمٰن الداخل فاتحانہ قرطبہ میں داخل ہو کر قصر حکومت میں گیا جو خالی پڑا ہوا تھا۔ اس کا لشکر بھی قرطبہ میں داخل ہو گیا اور سپاہی یوسف کے محل پر ٹوٹ پڑے جو جس کے ہاتھ لگا لے گیا حتیٰ کہ عورتوں کے کپڑے تک اتروا لئے گئے لیکن عبدالرحمٰن نے تمام لوٹا ہوا مال واپس کروا دیا اور یوسف کی لڑکی اور بیوی کو "صاحب الصلاۃ" کے سپرد کیا کہ ان کی حفاظت کرے۔ جس کے شکریے میں یوسف کی لڑکی نے ایک باندی حلل نامی عبدالرحمٰن کو پیش کی جو بعد میں ولیعہد ہشام کی ماں بنی۔

یمانیوں کو یوسف کے اہل و عیال کے ساتھ عبدالرحمٰن کا یہ نرم رویہ ناگوار گذرا اور ان میں چہ میگوئیاں ہونے لگیں۔ یہاں تک کہ ان کے جذبات امیر کے خلاف بھی ابھر آئے چنانچہ ابوالصباح نے تو یہاں تک کہا کہ کیوں نہ ہم ایک فتح سے دو فتحیں حاصل کر لیں۔ یوسف کا قصہ تو ختم ہوا۔ عبدالرحمٰن کو بھی راہ سے ہٹا دیں۔ لیکن بنو قضاعہ کی مخالفت کی بنا پر یہ تحریک دب گئی عبدالرحمٰن کو جب یہ اطلاع ملی تو اس نے پیش بندی کے طور پر اپنے موالیوں کی شیرازہ بندی کر کے عبدالرحمٰن بن نعیم کو ان کا افسر مقرر کیا اور قرطبہ کے خالی محلات میں آباد کیا اور یہ عبدالرحمٰن کے خاص محافظین بن گئے۔ یہ سب کام امیر نے رازداری سے کیا جمعہ کے دن ۱۰ ذی الحجہ ۱۳۸ھ کو قرطبہ فتح ہوا۔ خود عبدالرحمٰن نے جمعہ کی نماز پڑھائی اور خطبہ میں قرطبہ والوں سے حسن سلوک کا وعدہ کیا۔

یوسف میدانِ عمل میں

یوسف قرطبہ سے نکلا تو تھوڑے فاصلے پر اس کا لڑکا عبدالرحمٰن پانچسو سواروں کے ساتھ اس سے مل گیا جو سرحدی علاقے سے کمک لیکر آرہا تھا لیکن وہ ایک روز کی تاخیر سے پہونچا تھا۔ یوسف اس کو ساتھ لیکر باردہ پہونچا اور وہاں سے طلیطلہ روانہ ہوا۔ طلیطلہ ہی میں باقی ماندہ فوج اس سے آملی۔ صمیل بھی وہیں آگیا جس کے ساتھ قبیلہ مغر کے کچھ لوگ تھے۔ امیر عبدالرحمٰن صوبوں کے انتظام سے غافل نہ تھا اس نے طلیطلہ کے لئے بن وجن کو والی بنا کر بھیجا تاکہ فوج اکٹھی کرکے اس علاقے پر اپنا تسلط قائم کرلے۔ دیگر صوبوں کے لئے دیگر امراء کو بھی مختلف علاقوں میں نامزد کیا اور یہ لوگ اپنے اپنے علاقوں پر قبضہ کرنے کے ذمہ دار قرار دیئے گئے۔ یوسف اور صمیل معہ لشکر جیان پہونچے اور قلعہ منتیشہ کو مرکز بنا کر البیرہ پر قبضہ کرلیا۔ امیر عبدالرحمٰن کا والی جابر بن علاجان بچا کر پہاڑوں میں روپوش ہوگیا۔ امیر عبدالرحمٰن البیرہ کے ہاتھ سے جانے کی خبر سن کر فوج جمع کرکے یوسف کے مقابلے کے لئے قرطبہ سے روانہ ہوا۔ ابوعثمان کو قرطبہ میں اپنا نائب مقرر کیا۔ یوسف کو جب قرطبہ سے عبدالرحمٰن کی روانگی کی اطلاع ملی تو اس نے اپنے لڑکے ابوزید عبدالرحمٰن کو ایک فوج دیکر قرطبہ پر قبضہ کرنے کے لئے ایک دوسرے راستے سے روانہ کیا اور خود قلعہ منتیشہ میں قلعہ بند ہوگیا۔

ابوزید عبدالرحمٰن ایک دوسرے راستے سے قرطبہ پہونچا ابوعثمان اس کا مقابلہ نہ کرسکا اور جامع مسجد کے حجرے میں محصور ہوگیا ابوزید نے اسے جان کی امان دیکر اطاعت کرنے کی دعوت دی۔ ابوعثمان نے خود کو ابوزید کے حوالے کردیا لیکن ابوزید کے پاس اتنی طاقت نہ تھی کہ مستقل طور پر قرطبہ پر قابض رہتا چنانچہ وہ اپنے اہل وعیال اور ابوعثمان کو لیکر البیرہ چلا گیا۔ امیر عبدالرحمٰن کو جب اس کی اطلاع ملی تو نیو فہر کے جدّ اعلیٰ عامر بن علی کو اپنا نائب بنا کر قرطبہ روانہ کیا۔ عامر قرطبہ پہونچ کر قصر امارت میں فروکش ہوا۔ اور قرطبہ کا انتظام سنبھال لیا۔

امیر عبدالرحمٰن کو ابوعثمان کی زیادہ فکر تھی چنانچہ وہ خود البیرہ روانہ ہوا اور شہر سے دور ایک قریہ آرمنہ پہونچا لیکن ابوعثمان کے سبب سے وہ فوج کشی سے باز رہا اور یوسف سے سلسلۂ معاہدت و مراسلت شروع کیا جس میں مندرجہ ذیل شرائط سے پیش کی گئیں۔ اور انہی شرائط پر یوسف سے ایک بار پھر حکومت عبدالرحمٰن کے حوالے کردینے کے لئے کہا گیا۔

(۱) یوسف اور صمیل کی جاگیریں، جائیداد اور دولت کو کسی قسم کا نقصان نہ ہوگا۔
(۲) سب لوگوں کو بلا امتیاز امان دی جائے گی اور بطریق احسن حکومت چلائی جائیگی۔
(۳) جب تک اعتماد بحال نہیں ہوتا یوسف کے دونوں لڑکے ابوزید عبدالرحمٰن اور ابوالاصبغ محمد بطور یرغمال قرطبہ میں نظر بند رہیں گے حالات سدھر جانے پر دونوں کو آزاد کر دیا جائیگا۔
(۴) یوسف قرطبہ کے مشرقی حصے میں قیام کرے گا اور روزانہ دربار میں حاضری دیگا۔ یوسف اور صمیل نے ان شرطوں کو قبول کرلینا مناسب سمجھا اور معاہدہ صلح لکھا گیا۔ یہ معاہدہ ۱۳۹ھ میں عمل میں آیا جس میں ایک فریق یوسف اور صمیل تھے۔ اور دوسرا فریق امیر عبدالرحمٰن خود تھا۔ خالد بن زید اور ابوعثمان رہا کر دیئے گئے۔ اس کے بعد یہ سب لوگ اس طرح قرطبہ میں داخل ہوئے۔ کہ دائیں بائیں یوسف اور صمیل اور درمیان میں امیر عبدالرحمٰن تھا۔ اس کے بعد بڑی شان و شوکت سے قرطبہ میں امیر عبدالرحمٰن کی تاجداری کا بالاتفاق اعلان کیا گیا۔ [1]

یہ وہ زمانہ تھا جبکہ عالم اسلام کے ہر امیر و سلطان کے لئے یہ ضروری خیال کیا جاتا تھا کہ کم از کم نظریاتی طور پر ہی خلیفۃ المسلمین کی سیادت کو ضرور قبول کرے۔ اور خلیفۃ المسلمین وہی تسلیم کیا جاتا تھا جو مکہ اور مدینہ پر قابض ہو۔ بنو عباس کی خلافت چونکہ مکہ و مدینہ دونوں شہروں میں تھی اس لئے عامۃ المسلمین کا خیال رکھتے ہوئے امیر عبدالرحمٰن نے نہایت دانشمندی سے خلیفۃ المنصور عباسی کی خلافت تسلیم کرلی اور مسجد قرطبہ میں خود اس کے نام کا خطبہ پڑھا اور تمام آئین میں جاری کرا دیا۔ [2]

امیر عبدالرحمٰن کے آئین میں قدم جماتے ہی بنو عباس کے ہاتھوں سے بچے ہوئے خاندان بنو امیہ کے افراد اور حامیان و موالی بنو امیہ آئین کی طرف آنے لگے۔ آنے والوں میں عبدالملک بن عمر بن مروان اور خیری بن عبدالعزیز بن مروان جیسی مشہور شخصیتیں شامل تھیں۔ عبدالرحمٰن نے ان سب کو قرطبہ میں ٹھہرایا۔ اور انہیں اطمینان سے زندگی گذارنے کے لئے جاگیریں اور جائدادیں دیں اور کچھ کو صوبوں کا والی بھی بنایا۔ قرطبہ میں قریش، بنو ہاشم اور بنو فہر کے رؤسا اور عمائد میں بھی آباد تھے جن کے بڑے بڑے محلات تھے۔ عبدالرحمٰن نے امویوں اور اموی موالیوں کے بسنے کے لئے ان کے محلات کو خالی کروالیا۔ ان کی جاگیروں اور جائدادوں میں کانٹ چھانٹ کی جس کو عمائدین و رؤسا قریش

---

[1] ابن اثیر ج ۵ ص ۳۷۸۔ ابن قوطیہ ص ۳۰۲۔ مقری۔ ج ۱ ص ۱۵۱ [2] ابن اثیر۔ ج ۵ ص ۳۷۸

نے محسوس کیا اور اس طرح عبدالرحمٰن کا پہلا مخالف گروہ پیدا ہو گیا۔

یوسف نے قرطبہ میں چند دن سکون سے گذارے عبدالرحمٰن گو اس سے مطمئن نہیں تھا لیکن معاہدے کی خلاف ورزی بھی نہ کرنا چاہتا تھا چنانچہ اس نے ایسے طریقے اختیار کئے جس سے یوسف کو اسپین میں رہنا دوبھر ہو جائے۔ اس ضمن میں اس نے سب سے پہلے اس کے خلاف کئی جھوٹے دعویدار کھڑے کر دیئے جس سے یوسف کی بڑی سبکی اور بے عزتی ہوتی تھی۔ یوسف عبدالرحمٰن سے شکایت کرتا تو وہ کان نہ دھرتا یہی سب کچھ صمیل کے ساتھ ہوا۔ الغرض ہر طریقے سے دونوں کو پریشان کیا جانے لگا۔ یوسف نے عبدالرحمٰن کی اس روش سے اس کے ارادوں کا اندازہ کر لیا۔ ادھر ہاشم و فہر کے موالی اور قریش جنکے مناصب ان سے چھین لئے گئے تھے اور ان کی جاگیریں امویوں اور ان کے موالیوں کو دیدی گئی تھیں۔ یوسف کے پاس آتے اور غلط معاہدہ کرنے پر لعن طعن کرتے۔ یوسف پہلے ہی دل برداشتہ تھا ان لوگوں کے کہنے سننے پر ایک مرتبہ پھر قسمت آزمائی کرنے پر تیار ہو گیا۔ اس سلسلہ میں قرطبہ کے فوجیوں سے اس نے مراسلت کی لیکن ناکامی ہوئی۔ صمیل اور بنو قیس نے امن و امان کے زمانے میں جنگ کرنا اچھا نہ سمجھا۔ البتہ اہل مارده اور اہل طلیطلہ نے یوسف کی ہمت افزائی کی اور یوسف قرطبہ سے روپوش ہو کر مارده فرار ہو گیا جہاں اسے بیس ہزار مددگاروں کی جمعیت مل گئی۔ عبدالرحمٰن نے اس کے تعاقب میں لشکر بھیجا مگر بے سود۔ صمیل سے پوچھ گچھ ہوئی۔ جب اس نے کچھ نہ بتایا تو اس کو قید کر دیا گیا اور یوسف کے دونوں لڑکے بھی قید کر دیئے گئے۔ یوسف مارده سے تغلبت پہونچا لیکن عبدالرحمٰن کے آنے کی اطلاع پاکر اشبیلہ کی طرف روانہ ہوا۔

اشبیلہ کا والی عبدالملک مروانی تھا۔ حمص کے نوآبادشاہی اس کے طرفدار تھے۔ لیکن تمام قدیم عرب دیربرو باشندے یوسف کے ساتھ مل گئے۔ مروانی ان حالات کو دیکھتے ہوئے اپنے تحفظ کی خاطر قلعہ بند ہو گیا۔ یوسف نے محاصرہ کر لیا لیکن فوجی نقطۂ نظر سے اس سے ایک بڑی غلطی سرزد ہوئی اور وہ یہ تھی کہ مروانی کی طاقت کو ختم کرنے کے بجائے وہ برج اسامہ کی طرف عبدالرحمٰن سے نبرد آزما ہونے کے لئے روانہ ہو گیا۔ اسی اثناء میں مروانی کا لڑکا عمرو بن عبدالملک باپ کی مدد کے لئے مورور سے اشبیلہ آیا۔ اس نے باپ کو یوسف کے محاصرہ اٹھانے کی اطلاع دی۔ مروانی ایک چھوٹا سا شاہی لشکر لے کر یوسف کے تعاقب میں چلا۔ امیر عبدالرحمٰن بھی برج اسامہ سے المدور آیا یوسف کو جب مروانی کی آمد کی

---

[1] ابن اثیر ج ۵ ص ۳۰۔ [2] مجموعہ اخبار اندلس ص ۹۴، ۹۵

اطلاع ہوئی تو اس نے امیر عبدالرحمٰن سے مقابلہ کرنے کے بجائے مروانی سے مقابلہ کرنے کی ٹھانی۔ تاکہ امیر اور مروانی کے درمیان پس کر نہ رہ جائے گو مروانی کی فوج یوسف کی فوج کے مقابلے میں قلیل تھی۔ لیکن مقابلے کے لئے تیار تھی۔ یوسف جب مروانی کے لشکر پر حملہ آور ہوا تو اس کو اپنی فوج کی بزدلی کا احساس ہوگیا چنانچہ معمولی جھڑپ کے بعد اس کی فوج بھاگ کھڑی ہوئی اور مروانی کامران و فتح مند عبدالرحمٰن کے پاس چلا گیا امیر نے اس کا شاندار استقبال کرکے اس کی خدمات کو سراہا۔ دوسری طرف اس چھوٹے سے لشکر کی فتح مندی نے عبدالرحمٰن کے ساتھیوں کے حوصلے بلند کر دیئے۔

یوسف کے لئے اب کوئی جائے پناہ نہ تھی وہ ادھر ادھر سر چھپاتا پھرا ایک شخص عبداللہ بن عمرو انصاری نے اس کو طلیطلہ کے قریب ایک گاؤں میں دیکھا اور اس نے اس کو مار ڈالنا ہی بہتر سمجھا تاکہ ملک میں امن و امان قائم ہوسکے چنانچہ وہ چند سواروں کو لے کر اس کے تعاقب میں چلا یوسف ابھی طلیطلہ میں داخل بھی نہ ہونے پایا تھا کہ عبداللہ نے اس کو قتل کر دیا یہ قتل ماہ رجب ۱۴۲ھ / ۷۵۹ء میں ہوا۔ عبداللہ یوسف کا سر لے کر عبدالرحمٰن کے پاس قرطبہ پہونچا امیر نے یوسف کے بڑے لڑکے عبدالرحمٰن کو بھی جیل سے نکلوا کر قتل کرا دیا۔ دونوں باپ بیٹوں کے سر قصر حکومت کے پھاٹک پر لٹکا دیئے گئے۔ ابوالاسود محمد بن یوسف ابھی کم عمر تھا اس لئے اس کو چھوڑ دیا گیا۔ یوسف کے ساتھ ہی صمیل کو بھی زوال آگیا۔ وہ پہلے ہی گرفتار کر لیا گیا تھا۔ عبدالرحمٰن نے یوسف کے قتل کے بعد اس کو بھی قتل کرنے کی کوشش کی لیکن جب جیل کا دروازہ کھولا گیا تو وہ کوٹھری میں مردہ پڑا ہوا تھا اور اس کے پاس ہی زہر کا پیالہ پڑا ہوا تھا۔[1]

خاندان یوسف فہری کا خاتمہ

ابوالاسود محمد بن یوسف ۱۸ برس تک جیل میں رہا اس دوران اس نے چالاکی سے اپنے آپ کو اندھا بنائے رکھا پہریداروں نے اس پر تقریباً نگرانی ختم کر دی جس سے فائدہ اٹھا کر وہ ۱۶۸ھ / ۷۸۲ء میں جیل سے فرار ہوگیا۔ فرار ہو کر سیدھا طلیطلہ پہونچا۔ یہاں پہ فہریوں اور قیسیوں کے علاوہ وہ لوگ بھی اس [illegible] کھلم کھلا طور پر امیر عبدالرحمٰن کے مخالف تھے اور ان اٹھارہ برسوں میں مختلف [illegible] تھے۔ ابوالاسود ایک عظیم الشان لشکر لے کر طلیطلہ سے قرطبہ کی طرف چلا ابھی صوبہ جیان کے مقام فسطلونہ تک ہی پہونچا تھا کہ امیر عبدالرحمٰن ان

[1] ابن اثیر ج ۵ ص ۳۸ نفح الطیب ج ۲ ص ۶۶ مجموعہ اخبار الاندلس ص ۱۰۹

پہونچا اور دریائے احمر پر دونوں کا مقابلہ ہوا۔ مقابلہ سخت ہوا لیکن ابوالاسود کو شکست ہوئی اور وہ فرار ہو گیا۔ امیر عبدالرحمن نے قلعہ باجہ تک تعاقب کیا پھر واپس چلا آیا۔ دوسرے سال ۱۶۹ھ میں ابوالاسود پھر فوج جمع کر کے میدان میں آیا لیکن امیر کو دیکھتے ہی راہ فرار اختیار کی شاہی لشکر نے تعاقب کیا اور سینکڑوں فراریوں کو قتل کیا جس میں ابوالاسود کے اہل و عیال بھی شامل تھے۔ اس کے بعد ابوالاسود کو سر اٹھانے کا موقعہ نہ ملا اور وہ ۱۷۱ھ/۷۸۷ء میں طلیطلہ میں انتقال کر گیا اس کے مرنے کے بعد اس کے ایک دوسرے بھائی قاسم نے جرأت کی لیکن امیر کے ہاتھوں شکست کھا کر گرفتار ہوا اور قتل کر دیا گیا۔ آخری خاندان کا یہ آخری فرد تھا اس کے بعد اسپین میں یوسف کے خاندان کا چراغ گل ہو گیا اس طرح ۳۲ برس تک یہ خاندان عبدالرحمن سے اقتدار کے حصول کی جنگ کرتا رہا [illegible] ختم ہو گیا۔

بغاوتیں اور ان کا انسداد

امیر عبدالرحمن نے جس جانفشانی اور محنت سے بنو امیہ کی سلطنت کی اسپین میں بنیاد ڈالی تھی اس کا تقاضا تو یہ تھا کہ وہ چین و سکون سے حکمرانی کرتا لیکن برخلاف اس کے امیر تمام زندگی مخالفتوں اور بغاوتوں سے نبرد آزما رہا امیر کی شہرت ان کے آنے کے بعد اس تیزی سے پھیلی تھی کہ اس وقت کسی کو سوچنے اور سمجھنے کا موقعہ مل ہی نہ سکا۔ گو قبائلی اختلافات اس وقت بھی موجود تھے لیکن وقتی جوش اور جذبے نے کسی کو مہلت نہ دی کہ اس طرف دھیان دیتا لیکن جب امیر عبدالرحمن یوسف اور صمیل کو ختم کر کے اپنی حکومت قائم کرنے میں کامیاب ہو گیا تب قبائل کو ہوش آیا اور ان کی عصبیت نے جوش مارا سب سے پہلے شورش یمنی جماعت کے سردار ابوالصباح نے پھیلائی جو اشبیلیہ کی ولایت پر معمور تھا۔ عبدالرحمن کو گو اس کی سرکشی کی اطلاع مل گئی تھی لیکن پھر بھی اس نے حکومت کے استحکام اور وقت کے تقاضے کی وجہ سے اس سے کوئی باز پرس نہ کی جب اس کو کچھ اطمینان ہوا تو اس نے ابوالصباح کو اشبیلیہ کی ولایت سے معزول کر کے عبدالملک مروانی کو وہاں کا والی بنا دیا۔ ابوالصباح کی معزولی سے یمنی قبیلہ امیر سے برگشتہ ہو گیا۔ ادھر بنو امیہ اور ان کے موالیوں کو جو اعزاز اور جاگیریں دی جا رہی تھیں اس نے عام بربر و عرب قبائل میں بے اطمینانی پھیلا دی تھی جس کا نتیجہ یوسف کی فوج کشی کی صورت میں نکلا تھا۔ یوسف کی شکست کے بعد یہ لوگ ملک کے گوشے گوشے میں پھیل گئے اور جب اور جہاں جہاں موقعہ ملتا گیا اپنی جمعیت فراہم کر کے بغاوتیں کرنے لگے ان بغاوتوں کا سلسلہ یوسف

کے قتل ہونے کے سوا سال بعد شروع ہوا۔

امیر عبدالرحمٰن الداخل بھی حالات سے غافل نہ تھا اس نے بنوامیہ موالی بنوامیہ اور ہمدردانِ بنوامیہ پر مشتمل ایک زبردست فوج تیار کر لی تھی اس کارروائی کی وجہ سے وہ لوگ بھی امیر سے علیحدہ ہونے لگے جو قیام حکومت میں ان کے مددگار تھے جن میں ابوعثمان، عبداللہ بن خالد، تمام بن علقمہ اور ابوالصباح ممتاز تھے چنانچہ امیر نے سب سے پہلے ابوالصباح پر چند الزامات لگا کر قتل کرا دیا عبداللہ ابن خالد کو بھی ولایت سے معزول کر دیا گیا اور اس نے سیاست سے کنارہ کشی اختیار کر لی۔ اسی طرح رفتہ رفتہ امیر کا ہر جاں نثار یا تو خود علیحدہ ہو گیا یا امیر یا اس کے ولی عہد کے ہاتھوں مارا گیا امیر کے اس طرز عمل سے بغاوتوں کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع ہو گیا جو امیر کے مرنے تک ختم نہ ہو سکا۔ ان بغاوتوں کا مختصر حال درج ذیل ہے۔

یوسف کے قتل کے بعد سب سے پہلی بغاوت ۱۴۳ھ/۷۶۰ء میں ارزق بن نعمان غسانی نے جزیرہ خضرا میں کی، مدینہ، شذونہ اور اشبیلیہ پر قبضہ کر کے جنوبی اسپین کے بہت سے علاقے پر قابض ہو گیا امیر عبدالرحمٰن خود فوج لے کر اشبیلیہ پہونچا۔ اور شہر کا شدید محاصرہ کر لیا شہر والوں نے مجبور ہو کر غسانی کو امیر کے حوالے کر دیا جو قتل کر دیا گیا شہر والوں کو امان دے کر امیر واپس ہو گیا۔[1]

اس کے ایک سال بعد ۱۴۴ھ/۷۶۱ء میں ہشام بن عروہ فہری نے طلیطلہ میں بغاوت کی بہت سے عمائدین بھی اس کے ساتھ مل گئے امیر خود فوج لے کر گیا اور طلیطلہ کا محاصرہ کر لیا جب محاصرہ کی سختیاں زیادہ بڑھیں تو ہشام نے اطاعت قبول کرنا چاہی۔ امیر عبدالرحمٰن نے اس کے لڑکے کو بطور یرغمال رکھ کر اس کو امان دیدی امیر کے واپس ہوتے ہی ہشام نے پھر بغاوت کی چنانچہ امیر دوبارہ واپس ہوا لیکن اس مرتبہ ہشام نے اطاعت قبول نہ کی جس کے نتیجہ میں اس کے لڑکے کو امیر نے قتل کرا دیا اور محاصرہ اٹھا کر واپس آ گیا اور طلیطلہ چند سالوں کے لئے بغاوت کا مرکز بن گیا۔[2]

عباسیوں کی ناکام کوشش

جیسا کہ ابن اثیر کے حوالے سے بتایا جا چکا ہے کہ عبدالرحمٰن نے فتح قرطبہ کے بعد مسجدوں میں عباسیوں کا خطبہ جاری کر دیا تھا اور روایۃً عباسیوں کی سیادت تسلیم کر لی تھی۔ لیکن بنوامیہ کے ایک فرد عبدالملک نے اسپین میں آتے ہی اس رسم کو بند کرنے کا مشورہ

---

[1] ابن اثیر ج ۵ ص ۳۹۰ [2] مجموعہ اخبار اندلس ص ۱۰۱

دیا اور عبدالرحمٰن کو عباسیوں کے مظالم سنا کر اس کے جذبات کو بھڑکایا چنانچہ عبدالرحمٰن نے المنصور عباسی کا خطبہ پڑھوانا بند کر دیا لیکن پھر بھی اپنے لئے خلیفہ کے بجائے "امیر" کا لقب اختیار کیا المنصور عباسی کو جب اس بات کا علم ہوا تو اس کو سخت ناگوار گذرا اس نے اپنے ایک معتمد علاء ابن مغیث بجیبی کو جو افریقہ کا ایک ممتاز قائد تھا اس بات پر آمادہ کر لیا کہ وہ اسپین پر حملہ کرے اور اس کو فرمان ولایت خلعت اور سیاہ علم بھی دیا۔ علاء ان دنوں افریقہ میں مقیم تھا ۱۴۶ھ/۷۶۳ء میں اپنے وطن مغربی اسپین کے شہر باجہ میں آیا[1] اس شہر میں اس نے سیاہ عباسی علم بلند کیا اور سیاہ لباس اختیار کیا اور خلیفہ المنصور عباسی کی بیعت لینا شروع کر دی یہ وہ دور تھا جبکہ اسپین میں ایک بار پھر قبائلی کشمکش شروع ہو چکی تھی۔ اور امیر عبدالرحمٰن چاروں طرف بغاوتوں میں گھر چکا تھا چنانچہ علاء کی آواز پر لبیک کہنے والوں کی تعداد میں کثیر اضافہ ہوتا چلا گیا۔ عباسی دعوت کی تائید و حمایت کا جوش و جذبہ اسپین کے مسلمانوں میں پھیلتا چلا گیا یہاں تک کہ مسلم اسپین کی مساجد میں خلیفہ عباسی کے لئے دعائیں مانگی جانے لگیں۔ اور عبدالرحمٰن الداخل کو خلافت کا باغی قرار دے کر اس کو مرتد اور غاصب کے لقب سے یاد کیا جانے لگا حقیقت یہ ہے کہ اگر امیر عبدالرحمٰن جیسا مستقل المزاج اور عزم و ہمت والا شخص امیر اسپین نہ ہوتا تو بنو امیہ کی سیادت ختم ہو چکی ہوتی۔ اور اسپین بھی ایک عباسی صوبہ ہو جاتا لیکن امیر موصوف بیس یاس، گھبراہٹ اور بدحواسی کا دور دور تک نام و نشان نہ تھا۔ نوبت یہاں تک پہونچ چکی تھی کہ بجز بنو امیہ اور موالی بنو امیہ کے تقریباً پورا مسلم اسپین عباسی جھنڈے کے نیچے جمع ہو چکا تھا اور قریب تھا کہ نہ صرف بنو امیہ کی نوخیز حکومت ختم ہو جائے بلکہ بنو امیہ اور ان کے مددگار بھی صفحہ ہستی سے مٹا دیئے جائیں۔ اس وقت امیر عبدالرحمٰن نے ایک بار پھر اپنے آپ کو عباسیوں کے خلاف تیار کر لیا اور اپنے جاں نثاروں کی مختصر فوج لے کر قرطبہ سے باہر نکلا۔

علاء بن مغیث باجہ میں کامیابی کے بعد ایک لشکر کثیر لے کر اشبیلیہ کی طرف بڑھا۔ اشبیلیہ میں

---

[1] ابن عذاری۔ ابن اثیر۔ ابن خلدون۔ اور مقری کا بیان ہے۔ کہ علاء بن مغیث افریقہ سے باجہ آیا تھا اور یہیں سے بغاوت شروع کی تھی۔ البتہ ابن القوطیہ کا بیان ہے کہ باجہ کا باشندہ تھا اور عباسی علم اور فرمان ولایت و خلعت یہیں آیا تھا۔

یمنیوں کا زور تھا جو امیر عبدالرحمٰن کے دشمن جان بنے ہوئے تھے انہوں نے علاء کا ساتھ دیا اور اشبیلہ کو اس کی تحویل میں دے دیا۔ امیر عبدالرحمٰن بھی اشبیلہ کی طرف بڑھا اور اس کے نواح میں قلعہ اعوانق میں اترا اسی اثنا میں علاء بن مغیث نے قرمونہ کا رُخ کیا لیکن امیر نے رات کی تاریکی میں بدر کو بھیج کر اس پر پہلے ہی اپنا قبضہ کرلیا اور صبح تک خود بھی اس قلعہ میں داخل ہوگیا۔ علاء نے قلعہ قرمونہ کا محاصرہ کرلیا قلعہ بلندی پر واقع تھا اور ناقابل تسخیر سمجھا جاتا تھا دو ماہ تک علاء قلعہ کا محاصرہ کئے رہا لیکن بے سود یہاں تک کہ خود اس کی فوج میں رسد کی کمی اور بیکاری سے بد دلی پھیلنا شروع ہوگئی اور آہستہ آہستہ بڑی تعداد میں لوگ اس کی فوج سے بھاگنے لگے امیر عبدالرحمٰن نے یہ موقعہ غنیمت جانا اور اپنے ساتھ سر جان نثاروں کو لے کر علاء کی فوج پر شب خون مارا۔ علاء اور اس کے ساتھیوں کے دل ٹوٹ چکے تھے چنانچہ امیر کے زبردست حملہ کی تاب نہ لاسکے۔ سات ہزار عباسی مارے گئے اور علاء بھی کام آیا امیر عبدالرحمٰن کی اس کامیابی نے اموی حکومت کی بنیاد چار سو برس کے لئے مستحکم کردی امیر نے علاء بن مغیث اور مقتول عباسیوں کے سروں میں نمک اور کافور بھرا اور ان کے ساتھ عباسی علم، فرمان ولایت، خلعت سب کو تھیلوں میں بند کرکے خلیفہ المنصور عباسی کے پاس مکہ معظمہ روانہ کردیا۔ المنصور ان کو دیکھ کر چلا اٹھا۔

"یہ انسان نہیں کسی شیطان کا کام ہے خدا کا شکر ہے کہ اس نے ہمارے اور ایسے دشمن کے درمیان سمندر حائل کردیا" اور اس کے بعد کبھی عباسیوں کی ہمت اسپین کی طرف نظر اٹھانے کی نہ ہوئی۔[1]

عباسی بغاوت کو ختم کرنے کے بعد امیر عبدالرحمٰن نے ملک میں دیگر بغاوتوں کی طرف توجہ کی۔

اس مہم کا آغاز اس نے طلیطلہ ہی سے شروع کیا ۱۴۴ھ میں طلیطلہ میں بغاوت ہوچکی تھی امیر نے یہ دو مرتبہ فوج کشی بھی کرچکا تھا لیکن یہ فرو نہ ہوئی تھی ۱۴۷ھ میں امیر نے بدر اور تمام بن علقمہ کو طلیطلہ کی طرف روانہ کیا شاہی فوج نے شہر کا سختی سے محاصرہ کرلیا یہاں تک کہ اہل شہر مجبور ہوکر اطاعت قبول کرنے پر آمادہ ہوگئے۔ بدر نے سرکش سرداروں کو طلب کیا چنانچہ ہشام بن عروہ فہری، حیات بن ولید تجیبی اور حمزہ بن عبداللہ کو بدر کے حوالے کردیا شہر طلیطلہ فتح ہونے کے بعد تمام بن علقمہ کو وہاں کا والی بنا دیا گیا۔ اور بدر مع قیدیوں کے قرطبہ واپس ہوا ان قیدیوں کو امیر عبدالرحمٰن نے ذلت اور رسوائی کے ساتھ سولی پر لٹکا دیا۔[2]

طلیطلہ کے واقعہ نے ایک بار پھر یمنیوں کو بھڑکا دیا اور وہ لبلہ کے سعید یحصبی مطری کی معیت

---

[1] ابن اثیر ج ۵ ص ۴۴ ابن خلدون ج ۴ ص ۱۲۳ نفح الطیب ج ۲ ص ۶۶ [2] مجموعہ اخبار الاندلس ص ۱۰۱، ۱۰۴

میں بغاوت پر آمادہ ہوگئے۔ سعید لبلہ سے اشبیلیہ آیا اور اس پر قابض ہوگیا عبدالرحمٰن خود فوج لے کر روانہ ہوا سعید مطری نے اپنے آپ کو قلعہ اعوانہ میں محصور کرلیا۔ ۱۴۸ھ/۷۶۵ء میں امیر نے اس قلعہ کا سختی سے محاصرہ کرلیا اور مطری کی امداد کو آنے والے لشکروں کو روکنے کے لئے اپنے فوجی دستے علاقوں میں پھیلا دیئے۔ مطری یمانیوں کا بہادر ترین فرد تھا وہ ایک دن قلعہ سے نکل کر معہ فوج کے امیر پر حملہ آور ہوا اور اسی حملے میں مارا گیا۔ قلعہ والوں نے خلیفہ بن مروان کو اپنا امیر بنالیا اور مقابلے پر ڈٹے رہے جب محاصرہ کی سختیاں زیادہ ہوگئیں تو اہل قلعہ نے امان طلب کی امیر عبدالرحمٰن نے ان سے خلیفہ بن مروان اور چیدہ چیدہ لوگوں کو طلب کرکے قلعہ حوالے کردینے کا مطالبہ کیا جو اہل شہر نے پورا کردیا اور خلیفہ اور اس کے ساتھی قتل کردیئے گئے اور قلعہ حوالہ کردیا گیا اشبونہ کے رئیس غیاث بن علقمہ لخمی نے بھی مطری کا ساتھ دیا تھا چنانچہ امیر نے شذونہ کا بھی محاصرہ کیا یہاں تک کہ اہل شہر نے غیاث اور دیگر سرداروں کو امیر کے حوالے کیا اور امیر ان کو ساتھ لے کر قرطبہ واپس ہوا۔ قرطبہ پہونچ کر کورۂ جیان کے ایک باغی عبداللہ بن خراشہ کے خروج کی اطلاع ملی۔ امیر نے ایک فوج اس کی سرکوبی کے لئے بھیجی اس نے امان طلب کرلی امیر نے اس کو امان دیدی اور اس کے بعد ابن خراشہ نے کبھی بغاوت نہ کی ۱۵۱ھ/۷۶۸ء میں ایک یمانی سردار غیاث بن یسر اسدی نے خروج کیا۔ لیکن باجہ کے عامل نے اس کی بغاوت ختم کردی اور اس کو قتل کرکے اس کا سر قرطبہ بھیجدیا۔[1]

بربروں کی کوشش

اب تک بربروں نے امیر عبدالرحمٰن کے خلاف کوئی ہنگامہ نہ کیا تھا۔ صرف عرب قبائل ہی امیر سے بغاوت کررہے تھے ۱۵۱ھ/۷۶۸ء میں بربر قبیلہ مکناسہ کے ایک فرد عبداللہ یا سفیان بن عبدالواحد المعروف بر شقنا نے آل رسول ہونے کے رشتہ سے تخت سپین کا دعویٰ کیا۔ بربر آل رسول کا بڑا احترام کرتے تھے چنانچہ کثرت سے اس کے ساتھ مل گئے۔ اور اس نے مشرقی اسپین کے شہر شنت بریہ میں اپنی حکومت کا اعلان کردیا۔ شنت بریہ صوبہ طلیطلہ کا ایک شہر تھا اور چاروں طرف سے پہاڑوں سے گھرا ہوا تھا عبدالرحمٰن نے اپنے لڑکے سلیمان کو جو ۱۴۷ھ/۷۶۴ء میں شام سے آگیا تھا اپنا نائب قرطبہ میں مقرر کیا اور ایک فوج کثیر لیکر شنت بریہ روانہ ہوا۔ شقنا نے جونہی شاہی لشکر کی آمد کی خبر سنی پہاڑی درّوں اور غاروں میں جا چھپا۔ ان پہاڑوں پر چڑھ کر تعاقب کرنا آسان اور خطرے سے خالی نہ تھا مجبوراً امیر نے یہ معاملہ وہاں کے والی کے سپرد کیا اور خود قرطبہ چلا آیا۔ شقنا کی یہ بغاوت نو برس تک جاری رہی۔ طلیطلہ کے والی حبیب

---

[1] ابن اثیر ج ۵ ص ۴۴۹ ابن خلدون ج ۴ ص ۱۲۳

ابن عبدالملک نے سلیمان بن مروان کو فوج دیکر اس سے سرد آزما ہونے کے لئے بھیجا۔ سلیمان کو شکست ہوئی اور قتل کر دیا گیا۔ شقنا کے حوصلے بڑھ گئے اور اس نے ایک اہم شہر فوریہ پر قبضہ کر لیا۔ یہ آبادی بھی بربری قبائل پر مشتمل تھی چنانچہ وہ لوگ بھی اس کے ساتھ بغاوت میں شامل ہو گئے کچھ دن بعد شقنا وہاں سے لوٹ آیا اور اموی عامل نے اس پر قبضہ کر لیا۔ ۱۵۲ھ/۷۶۹ء میں امیر عبدالرحمن نے دوبارہ اس پر فوج کشی کی لیکن کامیابی نہ ہوئی۔ ۱۵۳ھ/۷۷۰ء میں بدر کو فوج دے کر بھیجا۔ بدر جیسے ہی شنطران میں جہاں شقنا مقیم تھا پہونچا شقنا قلعہ بند ہو گیا اور بدر ناکام واپس آیا اس کے بعد ۱۵۴ھ/۷۷۱ء میں امیر عبدالرحمن نے پھر ناکام فوج کشی کی پھر ۱۵۵ھ/۷۷۲ء میں ابوعثمان کو ایک لشکر دیکر بھیجا۔ ابوعثمان کو بری طرح شکست ہوئی اور وہ اپنی جان بچا کر بمشکل تمام فرار ہو سکا۔ شقنا کی ہمت بلند ہو چکی تھی اس نے اسی سال اطراف کے ایک قلعہ بالائن پر تاخت کی اور اس کے اموی عامل کو دھوکہ سے قتل کر دیا پھر بارہ کے والی ابوزعبل پر اچانک حملہ کر کے قتل کر دیا۔ ۱۵۶ھ/۷۷۳ء میں امیر عبدالرحمن نے قلعہ شنطران کا محاصرہ کیا مگر شقنا پھر پہاڑوں میں چھپ کر فرار ہو گیا۔ ۱۵۸ھ/۷۷۵ء میں شہر فوریہ کے لوگوں نے جو شقنا کی اطاعت کر چکے تھے اموی عامل کو گرفتار کر کے شقنا کے حوالے کر دیا۔ عبدالرحمن فوراً لشکر لے کر فوریہ پہونچا مگر شقنا فرار ہو چکا تھا امیر نے فوریہ کے بہت سے قائدین اور سرداروں کو تہ تیغ کرا دیا۔ ۱۵۹ھ/۷۷۶ء میں ایک بار پھر شنت بریہ پر فوج بھیجی وہ بھی ناکام رہی آخری مرتبہ ۱۶۰ھ/۷۷۷ء میں ابوعثمان اور تمام بن علقمہ فوج لیکر گئے۔ دو ماہ تک قلعہ شنطران کا محاصرہ کئے رہے لیکن پھر بھی شقنا چھپ کر نکل گیا۔ ابوعثمان نے وجیہہ غسانی کو شقنا کے سمجھانے کے لئے بھیجا لیکن خود وجیہہ بھی اس کے ساتھ مل گیا دونوں فوجوں میں بالآخر جنگ ہوئی اور اس بار بھی شاہی فوج کو شکست ہوئی۔ اس طرح شقنا کا مل نو برس تک دربار قرطبہ کے لئے بلائے بے درماں بنا رہا۔ آخر کار خود اس کے ساتھی اس خانہ بدوشانہ زندگی سے عاجز آ گئے اور اس کو قتل کر کے اس کا سر عبدالرحمن الداخل کے پاس بھیجدیا اس طرح امیر کو اس سے نجات ملی۔ اس کے مارے جانے کے بعد وجیہہ غسانی نے ساحل البیرہ پر فوج جمع کر کے بغاوت کی امیر نے شہید اور عبدوس بن عثمان کو لشکر دیکر بھیجا جنہوں نے عین عید کے دن اسے گرفتار کر کے قتل کر دیا۔[1]

ابوالصباح کا قتل

یمانیوں کا سردار ابوالصباح اشبیلیہ کی ولایت پر مامور تھا۔ فتح قرطبہ کے موقع پر اس نے جو کچھ امیر عبدالرحمن کی مخالفت

---

[1] ابن اثیر ج ۵ ص ۴۶۳، ۴۶۴ ابن خلدون ج ۴ ص ۱۲۳ نفح الطیب ج ۲ ص ۷۳

ہیں کہا تھا اس کا علم امیر کو ہو چکا تھا۔ امیر نے اپنی حفاظت کا سامان تو کر لیا لیکن حالات کی ناسازگاری کی بنا پر ابوالصباح کو نہ چھیڑا کچھ عرصہ بعد اس کو ولایت اشبیلیہ سے ہٹا کر عبدالملک مروانی کو اس کی جگہ نامزد کر دیا۔ ابوالصباح خاموش رہا یہاں تک کہ اس بات کا بھی ثبوت نہیں ملا کہ اس نے عباسی دعوت کے سلسلے میں شرکت کی تھی۔ لیکن کہا جاتا ہے۔ کہ فوج کے قائدین سے خط و کتابت کر کے ان کو بغاوت پر آمادہ کیا تھا لیکن بعض مورخین اس الزام کو غلط قرار دیتے ہیں۔ بہرحال عبدالرحمن اس کی طرف سے مشکوک ہو چکا تھا۔ ادھر علاء بن مغیث کی بغاوت میں یمانیوں نے کیونکہ عبدالرحمن کے خلاف حصہ لیا تھا اس لئے اس نے یمانیوں کے سردار ابوالصباح کو راستہ سے ہٹانے کا تہیہ کر لیا تھا چنانچہ اسے حیلے سے قرطبہ بلا کر قتل کرا دیا گیا۔ اس کے ساتھ جو یمانی آئے تھے وہ حکومت کے رعب سے اس قدر مرعوب ہو گئے تھے کہ خاموشی سے قرطبہ سے نکل گئے۔[1]

ابوالصباح کے قتل نے یمانیوں کے جذبات کو اور مشتعل کر دیا۔ عبداللہ بن خالد جو امیر کا دست راست تھا اس کے قتل سے اس قدر متاثر ہوا کہ سیاست سے کنارہ کش ہو کر گوشہ نشیں ہو گیا اور پھر اسپین میں بغاوتوں کا ایک نیا سلسلہ شروع ہو گیا۔ حیات بن ملاس رئیس اشبیلیہ اور ابوالصباح کے دو چچازاد بھائی عبدالغفار بن حمید یحصبی رئیس لبلہ و عمر بن طالوت رئیس باجہ اور کلثوم بن بحصب وغیرہ بغاوت پر آمادہ ہو گئے اور اشبیلیہ میں جمع ہوئے۔ عبدالرحمن الداخل اس زمانہ میں شقنا کا محاصرہ کئے ہوئے تھا سلیمان نے قرطبہ سے اس بغاوت کی اطلاع بھیجی۔ امیر فوراً قرطبہ واپس آ گیا اور ایک لمحہ بھی ضائع کئے بغیر عبدالملک مروانی کو فوج دیکر اشبیلیہ بھیجا اور خود کمک [illegible]

عبدالملک نے اپنے لڑکے امیہ کو شہر کے حالات معلوم کرنے کے لئے بھیجا امیہ نے اہل اشبیلیہ کو جمع ہوتے پایا تو خاموشی سے لوٹ آیا عبدالملک نے اس کی واپسی کو بزدلی سمجھا اور غصے میں [illegible] پھر تمام فوج قبائل اور اہل خاندان کو جمع کر کے کہا۔

"ہم لوگ مشرق سے اٹھا کر مغرب میں پھینک دیئے گئے ہیں مگر لوگ [illegible] کرتے ہیں کہ یہ لقمہ بھی ہمارے ہاتھوں میں باقی نہ رہے۔ تلوار کی نیاموں کو توڑ ڈالو بس موت ہے یا فتح و نصرت۔"[2]

دونوں فوجوں میں شدید جنگ ہوئی یمانیوں کو شکست ہوئی اور بے شمار یمانی مارے گئے۔

---

[1] مجموعہ اخبار اندلس صفحہ ۱۰۵، ۱۰۶ [2] تاریخ اندلس ج ۱ صفحہ ۲۸۷

لیکن قائدین لشکر جان بچانے میں کامیاب ہوگئے البتہ عبدالملک مروانی شدید زخمی ہوگیا عبدالرحمٰن الداخل خود اس کی عیادت کو گیا اور اس قدر متاثر ہوا کہ دفور محبت میں عبدالملک کی پیشانی چوم لی اور اس کی خدمات کے اعتراف میں کہا۔

"میں نے اپنے لڑکے اور ولی عہد ہشام کو تمہاری لڑکی کے حبالۂ عقد میں دیا اور اس لڑکی کو جہیز میں یہ دیا اور وہ دیا اور تمہاری دوسری اولاد کو یہ دیا اور یہ جاگیریں دیں اور تمہیں وزارت کے عہدہ پر سرفراز کیا۔"[1]

۱۵۷ھ میں یمانی قائدین جو اشبیلیہ کی جنگ میں بچ گئے تھے دوبارہ فوجی تیاریاں کر کے قرطبہ کی طرف بڑھے اس مرتبہ بربر بھی ان کے ساتھ تھے۔ امیر عبدالرحمٰن عیسائیوں کی سرکوبی کے لئے سرحد پر گیا ہوا تھا۔ شہر قرطبہ میں اس کا نائب تھا اس نے باغیوں کے اس اجتماع کی خبر امیر کو دی اور امیر فوراً قرطبہ واپس آکر بلاناخیر اس مہم کی طرف روانہ ہوگیا باغیوں نے دریائے بیسر کے کنارے اسی نام کے ایک قلعے میں اپنی چھاؤنی قائم کی اور اس کے چاروں طرف خندق کھود کر اس کو مستحکم کر لیا امیر عبدالرحمٰن نے اس قلعہ کے قریب ایک گاؤں بنبشتر کے ایک حصہ میں قیام کیا دونوں فوجیں صف بستہ ہوئیں اور چند دن تک لڑائی کا سلسلہ جاری رہا امیر عبدالرحمٰن نے مغربی اندلس کے بربری قبائل کے سرداروں کو جو اس کے ساتھ تھے بلایا اور ان کو باغیوں کے ساتھ جو بربر قبائل تھے ان کو سمجھانے کے لئے اور اپنی طرف ملانے کے لئے روانہ کیا تاکہ وہ ان کو سمجھائیں کہ اگر موجودہ حکومت کا خاتمہ ہوگیا اور عرب جیت گئے تو ایک بھی بربر اسپین کی سرزمین میں باقی نہ رہے گا چنانچہ بنو میمون نے باغی بربروں سے خط و کتابت کی پھر ایک رات ان سے ملاقات بھی کی اور ان کو اپنی طرف ملانے میں کامیاب ہوگئے۔ اور اس سازش کو کامیاب بنانے کے لئے دوسرے دن میدانِ جنگ کے متعلق بھی چند باتیں طے کر لی گئیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ دوسرے دن بربروں نے یمانیوں کو دھوکہ دیا اور ان کا ساتھ چھوڑ دیا اور باغیوں کو شکست ہوگئی۔ عرب سپاہ بڑی بے دردی سے قتل ہوئی۔ کہا جاتا ہے کہ ۲۰ ہزار یمانی اس میں مارے گئے۔ ابن القوطیہ کہتا ہے کہ "وادی بنبشتر کے پیچھے وہ گڑھا جس میں ان کے سر جمع کئے گئے تھے ہمارے زمانہ تک موجود تھا۔" حیات ابن ملابس اور دیگر سردار بھی اس جنگ میں مارے گئے صرف عبدالغفار جان بچانے میں کامیاب ہوگیا۔ اور اس نے ہمیشہ کے لئے اسپین کو چھوڑ کر مشرق میں سکونت اختیار کر لی اس طرح ہمیشہ کے لئے یمانیوں کی طاقت ختم ہوگئی۔ امیر عبدالرحمٰن الداخل فتحمند قرطبہ واپس ہوا اس جنگ کے بعد امیر کا اعتبار عربوں

---

[1] تاریخ الاندلس ج ۱ ص ۲۸۷

سے اٹھ گیا۔ اور اس نے بربر قبائل موالی اور غلاموں کو مزید اپنے سے قریب کر لیا اور اپنی فوج میں ان سے چالیس ہزار کا ایک مسلح لشکر تیار کیا۔ [1]

چنداور باغی ابھی ملک کے دوسرے حصوں میں موجود تھے ان میں سے ابراہیم بن شجرہ اور یربنی مزانی نے دوسرے بربر قبیلوں کو اپنے گرد اکٹھا کر لیا تھا جس وقت وجیہہ غسانی کی سرکوبی کے لئے عبدوس کو بھیجا گیا تھا اس وقت بدر کو ابراہیم بن شجرہ کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا گیا چنانچہ بدر نے ایک لڑائی میں ابراہیم کو شکست دے کر قتل کرا دیا۔ [2]

رماحس بن عبدالعزیز کنانی جزیرہ خضراء کا والی تھا اس کے سر میں بھی بغاوت کا سودا سمایا عبدالرحمٰن خود فوج لے کر پہونچا اور ابھی بغاوت کا اعلان ہوئے دس دن بھی نہ گذرے تھے کہ اس شورش کو ختم کر دیا گیا اور رماحس اپنے اہل وعیال کو لے کر سبتین سے فرار ہو کر ابوجعفر منصور کے پاس چلا آیا اور یہیں سکونت اختیار کر لی۔

قائد سلمی کو دربار قرطبہ میں ایک اچھا مقام حاصل تھا لیکن نشہ کی حالت میں اس نے دربان باب قنطرہ کو قتل کر دیا اور پھر امیر عبدالرحمٰن سے خوفزدہ ہو کر طلیطلہ بھاگ گیا۔ طلیطلہ میں مخالفین حکومت موجود تھے انہوں نے اس کو چڑھا کر امیر سے بغاوت پر آمادہ کر دیا عبدالرحمٰن نے اس کی سرزنش کے لئے حبیب بن عبدالملک کو بھیجا سلمی اس جنگ میں مارا گیا اور حبیب فتحمند واپس آگیا۔ [3]

امیر عبدالرحمٰن الداخل کے شہزادوں کا خروج

امیر عبدالرحمٰن الداخل نے بڑی محنت اور جانفشانی سے ملک کو باغیوں سے پاک کر کے حکومت کو مستحکم کیا تھا جس سے ملک میں امن وامان کی صورت کچھ کچھ پیدا ہو چکی تھی خاندان بنو امیہ کے افراد گو ناز ونعم سے زندگی بسر کر رہے تھے لیکن ان کو یہ زندگی بھی پسند نہ آئی ان میں سے بعض نوجوان ایسے بھی تھے جن کے دل میں سلطنت کی ہوس موجود تھی چنانچہ انہوں نے ملک کے ممتاز لوگوں سے ساز باز کر کے امیر عبدالرحمٰن کے خلاف بغاوت کرنے کا ارادہ کیا چنانچہ ۱۵۶ھ/۷۷۳ء میں عبدالرحمٰن کے ایک چچا زاد بھائی یحییٰ بن یزید بن ہشام المعروف بہ یزیدی اور اس کے بھتیجے عبیداللہ بن ابان بن معاویہ بن ہشام نے عبدالرحمٰن الداخل کی حکومت کو ختم کرنے کے لئے سازش کی ان میں سے ایک نے البیرہ میں اور دوسرے نے جیان میں بغاوت کرنے کا ارادہ کیا۔ ان کو ابوعثمان سے

---

[1] یہ تمام واقعات ابن اثیر ابن خلدون، ابن القوطیہ اور نفح الطیب سے ماخوذ ہیں [2] مجموعہ ص ۱۱۳-۱۱۱ ابن خلدون ج ۴ ص ۱۲۳ [3] ابن خلدون ج ۴ ص ۱۲۳

خاص مدد ملی کیونکہ امیر عبدالرحمٰن کی نظر التفات ابوعثمان سے پھر چکی تھی اس لئے ابوعثمان نے امیر کو اپنا اثر و رسوخ دکھانا چاہا اس سازش میں دیگر عمائدین اور رؤسا بھی شریک تھے لیکن عبیداللہ بن آبان کے ایک غلام نے حکومت قرطبہ کو اس صورت حال سے مطلع کر دیا عبدالرحمٰن الداخل اس زمانے میں وادی آش میں شکار کھیل رہا تھا وہ بدر قرطبہ میں اس کا نائب تھا۔ بدر نے امیر کو فوراً اس واقعہ کی اطلاع کی۔ امیر عبدالرحمٰن نے وہیں سے سواروں کے افسر مولیٰ سماعہ کو اور پیادہ فوج کے افسر عبدالحمید بن غانم کو دونوں دعوے داروں کو گرفتار کرنے کے لئے بھیجا یہ لوگ کیونکہ ابھی پوری طرح تیار نہ ہو سکے تھے اس لئے آسانی کے ساتھ گرفتار ہو گئے اس کے بعد ان کے مددگاروں کو بھی پکڑ لیا گیا اور سب کو ایک جگہ جمع کر کے قتل کر دیا گیا ان کی لاشوں کی تشہیر کی گئی اور لوگوں کی عبرت کے لئے ان کو بازاروں میں گھسیٹا گیا۔[1] لوگوں نے ابوعثمان کو بھی سزا دلانا چاہی لیکن امیر عبدالرحمٰن نے اس کو ظاہری سزا نہ دی بلکہ اس کے ظاہری مراتب کو برقرار رکھ کر نظر التفات ہٹائے رکھی اور تہدید و وعید سے اس کو روحانی اذیت میں مبتلا رکھا۔

۱۶۷ھ/۷۸۳ء میں امیر کے سگے بھتیجے مغیرہ بن ولید بن معاویہ کے دماغ میں بغاوت کا سودا سمایا اس سازش میں صمیل کے لڑکے بدیل کا ہاتھ تھا لیکن قبل از خروج امیر کو اس کی اطلاع مل گئی۔ دونوں کو مع ان کے رفقاء کے گرفتار کر کے قتل کرا دیا۔

سرقسطہ کی بغاوت

امیر کے خلاف اب تک جس قدر بغاوتیں ہوئی تھیں۔ ان کا زیادہ زور جنوبی اور مغربی آبپین میں تھا۔ ابھی شمال مشرقی حصہ ان بغاوتوں سے محفوظ تھا برشلونہ، جرونڈہ سرقسطہ وغیرہ میں سلیمان بن یقظان اعرابی[2] اور یحییٰ بن حسین انصاری اپنا تسلط جمائے ہوئے تھے۔ ان لوگوں کے تعلقات اموی حکومت سے ابھی اچھی طرح قائم نہ ہو سکے تھے امیر عبدالرحمٰن نے جس طرح آبپین کی بغاوتوں کا خاتمہ کیا تھا اس کو دیکھتے ہوئے ان دونوں کی ہمت پست ہو گئی تھی اس لئے ان کے دل میں بیرونی امداد حاصل کر کے بغاوت کرنے کا خیال پیدا ہوا۔ اس زمانہ میں فرانس میں شارلیمین کا بڑا زور تھا اور اس نے ایک بڑی حکومت قائم کرنے کا سلسلہ شروع کر دیا تھا بیرونی ممالک سے بھی وہ اپنے تعلقات بڑھا رہا تھا۔ خلافت عباسیہ سے بھی دوستی کی پینگیں بڑھ رہی تھیں۔ اور ہارون الرشید سے اس کی خط و کتابت

---

[1] مجموعہ ص ۱۰۹/۱۱۰ نفح الطیب ج ۲ ص ۷۱/۷۲ [2] ابن القوطیہ نے اس کا نام مطرف بن ابی لکھا ہے ص ۳۲

جاری تھی۔ اس وقت تک شارلمین نے امیر عبدالرحمٰن کی حکومت کو بھی تسلیم نہیں کیا تھا سلیمان بن یقطان نے ۱۶۰ھ/۷۷۷ء میں شارلمین سے ساز باز کی اور اس کو اسپین کی حکومت ختم کرنے کی دعوت دی اور اس بات کا بھی وعدہ کیا کہ سرقسطہ اس کے حوالے کر دیا جائے گا چنانچہ شارلمین ۱۶۱ھ/۷۷۸ء میں ایک بڑی فوج لیکر اسپین میں داخل ہو گیا سلیمان نے اس کا خیر مقدم کیا اور اس کو سرقسطہ کی طرف پیش قدمی کا موقعہ دیا حسین بن یحییٰ انصاری سلیمان کے اس اقدام سے خوش نہ تھا چنانچہ اس نے پہلے ہی سرقسطہ پر قبضہ کر لیا اور قلعہ بند ہو کر بیٹھ گیا۔ شارلمین کو اس حرکت پر سخت طیش آیا اور اس کو سلیمان کی سازش سمجھ کر اس کو گرفتار کر کے اپنے ساتھ لے کر فرانس واپس ہوا لیکن راہ میں سلیمان کے لڑکوں نے شارلمین کی فوج پر حملہ کر کے اپنے باپ کو چھڑا لیا فرانس کی اس فوج پر واپسی میں پمپلونہ سے ۲۰ میل کے فاصلے پر وادی نبرہ میں قوم بشکنس اور مسلمانوں نے مل کر حملہ کر دیا۔ فرانسیسی فوج کا بڑا حصہ غارت ہو گیا اور بڑے بڑے آزمودہ کار جنرل اس لڑائی میں مارے گئے جس میں عیسائیوں کا مشہور ہیرو رولینڈ بھی شامل تھا اس تباہی سے شارلمین کو ایسا سبق ملا کہ اسے براہ راست اسپین پر حملہ کرنے کی پھر ہمت نہیں پڑی بلکہ وہ صرف اپنی باج گذار عیسائی ریاستوں کے حکمرانوں کو اکساتا رہا۔ شارلمین کی واپسی کے بعد یحییٰ اور سلیمان پھر ایک ہو گئے اور ان لوگوں نے نئے سرے سے اموی حکومت کے خلاف اپنی تیاریاں شروع کر دیں۔[1]

عباسی خلافت کے قیام کی کوشش

۱۶۱ھ/۷۷۸ء میں عبدالرحمٰن بن حبیب فہری المعروف بہ صقلبی افریقہ سے بربروں کی ایک فوج لے کر اسپین کے جنوب مشرقی ساحل (مرسیہ) میں اترا اور بغیر مزاحمت کے اس پر قابض ہو گیا اسے خلیفۂ عباسی کی طرف سے عباسی علم اور اس کی ولایت کا تقرر نامہ مل چکا تھا اس نے سلیمان بن یقطان کو عباسی دعوت قبول کرنے کا پیغام دیا لیکن سلیمان نے اس کو قبول کرنے سے انکار کر دیا صقلبی اس انکار سے مشتعل ہو گیا اور وہ اموی حکومت کا خیال ترک کر کے سلیمان کی سرزنش کے لئے برشلونہ روانہ ہوا سلیمان نے اس کو بری طرح شکست دی اور صقلبی تدمیر واپس چلا آیا۔ امیر عبدالرحمٰن الداخل اس کی قوت کا اندازہ کر کے تدمیر آیا اور صقلبی کے جو جہاز ساحل پر کھڑے تھے ان کو آگ لگا دی اس کی فوج پہلے ہی سے سلیمان سے شکست کھا کر

---

[1] ابن اثیر ج ۶ ص ۷ اسٹوری آف دی نیشنز (اسپین) ج ۳۶ ص ۳۲

کمزور ہو گئی تھی جہازوں کے جل جانے سے اور ہراساں اور بد دل ہو گئی اور شاہی لشکر کے آمد کی خبر پا کر صقلبی اور اس کا لشکر لبنیہ کے پہاڑوں میں چھپ کر بیٹھ رہا۔ عبدالرحمٰن نے تعاقب کرنا بیکار سمجھا اس نے صقلبی کے سر کی قیمت ایک ہزار دینار مقرر کر دی چنانچہ قبیلہ برانس کے ایک شخص نے ۱۶۲ھ میں اس کو قتل کر دیا۔[1]

اسپین پر عباسیوں کی حمایت میں جس قدر بھی حملے اور بغاوتیں ہوئیں ان میں گو براہ راست خلافت عباسیہ نے شرکت نہ کی تھی مگر اس میں بھی شبہ نہیں کہ یہ حملے ان کی تائید اور شہ پر ہوئے تھے۔ بلکہ بعض مورخین نے تو شارلیمین کے حملے کو بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی بتایا ہے حقیقت بھی یہ تھی کہ بنو عباس اسپین کی اس اموی حکومت کے درپے آزار تھے چنانچہ امیر عبدالرحمٰن نے بھی شام پر حملہ کر کے عباسی سلطنت کو ختم کرنے کا ارادہ کر لیا۔ ۱۶۳ھ میں اس نے اپنے اس ارادہ کا اعلان کر کے فوجی تیاریاں بھی شروع کر دیں لیکن ابھی کوچ نہیں کیا تھا کہ سرقسطہ کے نواح میں حالات زیادہ خراب ہو گئے اور ملک کے گوشہ گوشہ میں حامیان بنو عباس نے بھی شورشیں مچانا شروع کر دیں چنانچہ امیر عبدالرحمٰن نے شام کا ارادہ ترک کر کے اپنے ملک میں کامل امن و امان قائم کرنے کا ارادہ کر لیا۔

اسی سال یعنی ۱۶۳ھ میں امیر عبدالرحمٰن نے اپنے ایک سردار ثعلبہ کی سرکردگی میں ایک فوج سرقسطہ کی طرف روانہ کی حسین اور سلیمان دونوں نے مل کر اس کا مقابلہ کیا اور ایک دن اچانک ثعلبہ پر چھاپہ مار کر اس کو پکڑ لیا اس کے بعد سلیمان کو امیر عبدالرحمٰن کے حملے کا پھر خوف ہوا اور اس نے پھر شارلیمین کو مدد کے لئے بلایا۔ اور ثعلبہ اور سرقسطہ دونوں کو اس کے حوالے کر دینے کا وعدہ کیا۔ حسین نے پھر شارلیمین کی آمد کی مخالفت کی اور شارلیمین کا مقابلہ کیا۔ یہاں تک کہ ایک بار پھر سلیمان نے ثعلبہ کو شارلیمین کے حوالے کر کے اس کو فرانس واپس جانے پر آمادہ کر لیا۔ انہی حالات کے باعث عبدالرحمٰن الداخل نے شام کی مہم ترک کر دی تھی ادھر حسین سلیمان سے عاجز آ چکا تھا چنانچہ جمعہ کے دن جامع مسجد میں سلیمان پر حملہ کروا کر اسے قتل کرا دیا اور سرقسطہ کی حکومت کا تنہا مالک بن بیٹھا شام کی مہم کے سلسلہ میں امیر عبدالرحمٰن کے پاس کافی فوج جمع ہو گئی تھی۔ اس لئے امیر نے ملک کے گوشہ گوشہ میں فوج بھیج کر بغاوتوں کو ختم کرنے کا ارادہ کر لیا۔ فوج کے کئی حصے کئے اور ان کو اپنے لڑکوں کی سرکردگی میں دے کر ہدایت کی کہ جا بجا باغیوں کا قلع قمع کرتے ہوئے سرقسطہ میں اس سے

[1] ابن اثیر ج ۶ ص ۳۶ ابن خلدون ج ۴ ص ۱۲۳

آملیں اور خود ایک بڑا لشکر لے کر سرقسطہ کی طرف چلا۔ اسی نے سختی سے سرقسطہ کا محاصرہ کر لیا۔ سلیمان کا لڑکا عیسیٰ اپنے باپ کے قاتل کی تلاش میں تھا چنانچہ تلاش کر کے قتل کر دیا اور خود امیر عبدالرحمٰن سے آن ملا اسی اثنا میں امیر کے لڑکے ملک کے گوشہ گوشہ سے بغاوتوں کا استیصال کر کے اور بہت سے باغیوں کو گرفتار کر کے سرقسطہ لائے جس سے اہل سرقسطہ پر بہت رعب پڑا اور وہ خوفزدہ ہو کر صلح کے طالب ہوئے حسین بن یحییٰ نے صلح کی درخواست کی جس کو امیر نے منظور کر لیا اور اس کے لڑکے سعید کو یرغمال کے طور پر رکھ لیا۔

سرقسطہ سے فارغ ہو کر امیر عبدالرحمٰن لشکر کے ساتھ عیسائیوں کو سزا دینے کے لئے سرحد پار کر کے چلا گیا اور کچھ دن تک وہاں تاخت و تاراج کر کے قرطبہ واپس آ گیا۔

حسین والی سرقسطہ کی اطاعت چند روزہ ثابت ہوئی اس کا لڑکا سعید شاہی لشکر سے فرار ہو گیا اور سرقسطہ پہونچ گیا۔ امیر عبدالرحمٰن کے لئے اس کی یہ بغاوت خلاف توقع نہ تھی چنانچہ اس کے مقابلے کے لئے غالب بن شمامہ کو ایک بڑی فوج کے ساتھ بھیجا حسین اس کا مقابلہ نہ کر سکا اور شکست کھائی پھر بھی سرقسطہ نہ چھوڑا غالب اس کا محاصرہ کئے رہا ۱۶۸ھ/۷۸۴ء میں امیر عبدالرحمٰن خود سرقسطہ آیا اور قسم کھائی کہ اس کی اینٹ سے اینٹ بجا دے گا۔ بہت سی منجنیقیں نصب کر کے شہر پر اس غضب کی سنگ باری کی کہ اہل شہر گھبرا اٹھے اور انہوں نے حسین کو گرفتار کر کے امیر کے حوالہ کیا اور صلح کے خواہشمند ہوئے۔ امیر نے شہر والوں کو شہر سے جلاوطن کر کے فصیل شہر کو منہدم کرا دیا۔ اور حسین کو قتل کر کے قرطبہ لوٹ آیا۔[1]

امیر عبدالرحمٰن کی زندگی میں آخری بغاوت یوسف فہری کے لڑکے ابوالاسود نے کی تھی جس کا ذکر اوپر آ چکا ہے۔ اس کے خاتمہ کے بعد آئین میں خواہ عرب ہوں یا بربر کوئی بھی ایسا نہ رہا جو امیر کی مخالفت کی ہمت کرتا۔ آئین کی فوجی طاقت، امیر کے گرد جمع ہو چکی تھی۔ اور موالی غلاموں اور بربروں پر مشتمل ایک زبردست لشکر تیار ہو چکا تھا جو امیر کے اشارے کا منتظر رہتا تھا۔ گو امیر کی پوری زندگی ہی ان بغاوتوں کے کچلنے میں گذر گئی لیکن اپنے جانشینوں کے لئے وہ ایک ایسی مستحکم حکومت چھوڑ گیا کہ وہ اطمینان اور سکون کے ساتھ حکومت کر سکتے تھے۔

عیسائی ریاستوں سے تعلقات

یہ بتایا جا چکا ہے کہ مسلمانوں کی آپس کی خانہ جنگی سے فائدہ اٹھا کر کس طرح

---

[1] مجموعہ اخبار اندلس ص ۱۱۳ تا ۱۱۶ ابن اثیر ج ۶ ص ۴۲، ۴۳، ۴۵

الفانسو اول جو صخرہ بلائی کا نسبی جانشین تھا۔ اپنی حکومت کے زمانہ میں چوتھائی اسپین پر قابض ہو چکا تھا۔ جب عبدالرحمٰن الداخل کا دور آیا تو ایک بار پھر مسلمان آپس میں لڑنے لگے اور دو گروہوں میں بٹ گئے۔ ایک گروہ عبدالرحمٰن کی حکومت قائم کرنا چاہتا تھا۔ دوسرا اس کو ملک سے نکالنے یا ختم کرنے پر آمادہ تھا۔ اس سے فائدہ اٹھا کر حکومت اشتوریاس نے اپنی حدود حکومت کو اور وسعت دی۔ چنانچہ ۱۱۳ھ کے واقعات میں الفانسو کی موت کے تذکرے میں ابن اثیر نے لکھا ہے کہ

"اسی سال ازفنش شاہ جلیقیہ ہلاک ہوا اور اس کے بعد اس کا لڑکا تدویلیہ بادشاہ بنا.....

..... اس نے مسلمانوں کو سرحدی ملکوں سے نکال دیا اور شہر لک، سلمنقہ، شمورہ، ایلہ، شقوبیہ، اور قشتالیہ پر قبضہ کر لیا۔ اور یہ سب شہر اندلس کے ہیں"[1]

ابن خلدون نے لکھا ہے۔

"جب مسلمان عبدالرحمٰن کے ساتھ اس کی حکومت کے ابتدائی زمانہ میں مشغول تھے۔

..... تو فرویلہ بن ازفونش نے لشکر کشی کی اور سرحدی شہروں پر دھاوے کئے اور وہاں سے مسلمانوں کو خارج البلد کیا اور شہر لک، برتغال، شمورہ، سلمنقہ، قشتالہ، اور سقونیہ کو چھین لیا اور یہ شہر جلالقہ کی ملکیت میں داخل ہو گئے یہاں تک کہ المنصور نے ان کو فتح کیا"[2]

اور تقریباً یہی بیان مقری نے ابن حیان کے حوالے سے نقل کیا ہے[3]۔ ان حوالوں سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ عیسائی حکومت اشتوریاس نے عبدالرحمٰن کے دور مشکلات میں مسلمانوں سے چھیڑ چھاڑ جاری رکھی۔ اور اسپین کے بہت سے علاقے بھی دبا لئے۔ پھر بھی کسی خاص وجہ سے یا اپنے حالات کی ناسازگاری کی بنا پر عبدالرحمٰن الداخل نے جلیقیہ پر ۱۶۷ھ/۷۸۳ء تک کوئی حملہ نہیں کیا۔ اور اس درمیان جلیقیہ میں ایک سے زیادہ حکمران بدل گئے۔ امیر عبدالرحمٰن نے ۱۶۷ھ/۷۸۳ء کے بعد ادھر توجہ کی اور فتوحات حاصل کیں دوسری طرف ایک مشہور عیسائی مورخ ایڈورڈ ڈوزی کی تحریر سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ اس پورے زمانہ میں صلح ناموں کے ذریعہ ان دونوں حکومتوں کے تعلقات خوشگوار رہے۔ اور ایک طرح سے حکومت جلیقیہ پر اموی حکومت کی سیادت[4] قائم رہی اور عبدالرحمٰن کو اپنے پورے دور میں ہمسایہ عیسائی ریاست جلیقیہ سے کبھی بھی نبرد آزما ہونے کا موقع نہ آیا۔ عرب مورخین کے بیانات بھی کچھ اسی طرح ہیں البتہ

[1] ابن اثیر ج ۵ ص ۳۸۲ [2] ابن خلدون ج ۴ ص ۱۲۱ [3] نفح الطیب ج ۱ ص ۱۵۵ [4] تاریخ اندلس ج ۱ ص ۳۰۶-۳۰۸

ابن خلدون واحد شخص ہے جس نے جلیقیہ پر عبدالرحمٰن کی فوج کشی کے متعلق تحریر کیا ہے۔[1]

بہرحال یہ امیر عبدالرحمٰن کی خوش قسمتی تھی کہ ایسے نازک موقع پر جبکہ ملک میں اس کے قدم جمنا مشکل ہو رہے تھے۔ ایک ہمسایہ طاقت ور دشمن سے اس کے تعلقات خوشگوار رہے جس کو امیر کا حسن تدبر اور دانائی کہا جا سکتا ہے۔

شمالی اسپین کے پہاڑی علاقوں میں عیسائیوں نے اپنے نوابوں کے ماتحت آزاد حکومتیں قائم کر رکھی تھیں جو مسلمانوں کی کمزوری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اکثر مسلم سرحدات پر حملے کرتی رہتی تھیں جب تک عبدالرحمٰن الداخل اپنے داخلی معاملات میں الجھا رہا اس وقت تک اس نے ادھر کا رخ نہ کیا لیکن ۱۶۴ھ میں جب سرقسطہ مطیع ہو گیا اور پورے ملک میں امن و امان قائم ہو گیا تو اس نے ان حکومتوں کی طرف توجہ کی اور قرطبہ واپس آنے کی بجائے سیدھا شمالی اسپین کی طرف بڑھ گیا اور بڑے کارنامے انجام دیئے جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ شمالی اسپین کے بیشتر علاقے اس کے مطیع اور باج گذار ہو گئے اور اکثر نے جزیہ دینا قبول کیا۔[2]

وفات امیر عبدالرحمٰن الداخل نے ۵۸ سال کی عمر میں ماہ ربیع الاول ۱۷۲ھ میں وفات پائی اس کے لڑکے عبداللہ نے نماز جنازہ پڑھائی قرطبہ کے قصر میں دفن کر دیا گیا۔

اولاد و جانشین امیر عبدالرحمٰن کی بیس اولادیں تھیں جن میں گیارہ بیٹے اور نو بیٹیاں تھیں۔ لڑکوں میں سب سے بڑا سلیمان تھا جو عباسیوں کے غلبہ اور عبدالرحمٰن بن معاویہ کے فرار کے وقت ۴ سال کا تھا عبدالرحمٰن اس کو چھوڑ کر مغرب چلا آیا تھا اور اسپین میں اپنی حکومت کے قیام کے بعد اس کو ۱۷۳ھ میں شام سے بلوا لیا تھا لیکن اسے ولی عہدی سے محروم رکھا اور اپنے دوسرے لڑکے ہشام کو اپنا ولی عہد بنایا اور اپنی نیابت اور قائم مقامی کے تمام فرائض اس کے سپرد کر دیئے کیونکہ عبدالرحمٰن الداخل کی دور رس نظر میں ہشام کے اندر تمام وہ صلاحیتیں اور لیاقتیں دیکھ رہی تھیں جو ایک حکمران میں لازمی ہوتی ہیں۔

اسپین میں عبدالرحمٰن الداخل کی کامیابی کے اسباب اسپین میں عبدالرحمٰن کی کامیابی کے اسباب میں جہاں اس کے عزم و استقلال، تدبر و دانائی، ذہانت و ذکاوت، ہمت اور شجاعت کو دخل ہے۔

---

[1] ابن خلدون ج ۴ ص ۱۸۰ [2] تفصیل کے لئے دیکھئے ابن اثیر ج ۶ ص ۶۳ و تاریخ اندلس ج ۱ ص ۳۱۲

وہاں اسے وقت، زمانہ اور ماحول سے بھی بڑی مدد ملی اس کی کامیابی کے مندرجہ ذیل اسباب تھے۔

(۱) قبائلی عصبیت اپنے شباب پر تھی یمنی اور قیسی عرب و بربر حجازی و شامی ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہو رہے تھے جس کی وجہ سے عبدالرحمٰن کی دعوت میں وہ تمام افراد شریک ہو گئے جو کسی نہ کسی طرح اس عصبیت کے شکار ہوتے تھے یا غیر جانبدار تھے۔

(۲) چونکہ اسپین خلافت بنو امیہ دمشق کا ایک صوبہ تھا اور ہر طرح اس کا سیاسی تعلق اسی خلافت سے رہا تھا۔ اس لئے قدرتی طور پر عوام کی ہمدردیاں اس کے ساتھ تھیں چنانچہ مشرق میں جس وقت بنو امیہ پر زوال آیا اور ان پر مظالم کی شدت ہوئی تو اسپین کے مسلمانوں کو بھی اس کا رنج ہوا اور ان کی نظری ہمدردیاں مظلوم کی طرف ہو گئیں۔ عبدالرحمٰن کی دعوت پر لبیک کہنے والوں میں بھی بڑا حصہ بنو امیہ کا تھا۔

(۳) بنو امیہ دمشق کے موالی۔ غلام اور اہل خاندان بھی اسپین میں کافی موجود تھے جن کی ہمدردیاں مشکوک نہ تھیں اور بلا شبہ انہوں نے عبدالرحمٰن کا پورا ساتھ دیا۔

(۴) اسپین میں امارت گو یوسف بن عبدالرحمٰن فہری کی تھی لیکن حکم صمیل بن حاتم کا چلتا تھا اس طرح حکومت کی کارکردگی پر یوسف اور صمیل کی شکر رنجی کا اثر ہوا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ باوجود اس کے کہ صمیل کو عبدالرحمٰن بن معاویہ کے بلانے کی سازش کا علم تھا لیکن اس نے یوسف کو اس سے لاعلم رکھا اور اسی لاعلمی کی وجہ سے یوسف کی طاقت کو زوال آیا اور وہ مارا گیا۔

(۵) صمیل کی وجہ سے قیسیوں کا بڑا زور تھا اور انہوں نے یمانیوں پر بڑے مظالم کئے تھے اس لئے یمانی جو اکثریت میں تھے عبدالرحمٰن کے زیر اثر آ گئے جس سے اس کی عسکری قوت میں اضافہ ہو گیا اور اسے کامیابی کے وافر مواقع فراہم ہوئے۔

(۶) قحط، وبا، خشک سالی، بدنظمی، شورش اور عیسائیوں کی متواتر یلغار نے اسپین کے مسلمانوں کو ایک شدید بے چینی میں مبتلا کر دیا تھا جس کے نتیجہ میں وہ حکومت کی تبدیلی کے خواہشمند تھے۔

(۷) عبدالرحمٰن کی ماں بربری تھی اور خود اس کو بھی عباسیوں سے بچنے کے لئے بربری قبائل

میں پناہ ملی تھی۔ عبدالرحمٰن الداخل نے اسپین کی سرزمین پر جب قدم رکھا تو بہت سے بربری سردار اس کے ہمراہ تھے ان کو اطمینان تھا کہ وہ ہمیشہ ان کا ہوا رہے گا اسپین کی بدانتظامی اور اقتدار کی کشمکش نے بربروں اور نومسلموں کو عربوں سے سخت متنفر کر دیا تھا اور وہ کسی بھی صورت میں عربوں کا اقتدار کو پسند نہیں کرتے تھے چنانچہ انہوں نے عبدالرحمٰن کا ساتھ دینے ہی میں اپنی بہتری خیال کی۔

(۸) عبدالرحمٰن الداخل کی صلاحیتیں اس کے عزم اس کے حسن اخلاق نے عوام کو اس کا گرویدہ بنا دیا تھا اس میں سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ وہ ہمیشہ لوگوں کے اچھے مشوروں کو قبول کر لیتا تھا اور عوام سے براہِ راست رابطہ کی وجہ سے ان میں مقبول ہو چکا تھا۔

(۹) حکومت کے قیام کے بعد اس نے اپنے آپ کو یمانیوں کے اثرات سے آزاد کر لیا اسلئے کہ وہ قبائلی عصبیت سے اپنا دامن الگ رکھنا چاہتا تھا اس کے بعد اس نے اپنی عسکری قوت موالی اور غلاموں کی مدد سے بڑھائی جس کے نتیجہ میں کم از کم فوج کو اس نے قبائلی عصبیت کے جنون سے دور ہی رکھا اس کے علاوہ اس فوج سے عربوں کی طاقت کو ختم کرنے میں بھی مدد ملی۔

(۱۰) زمانے اور حالات نے اس کو پختہ کار بنا دیا تھا اور سیاسی ریشہ دوانیوں اور حیلہ جوئی سے بھی بخوبی واقف کر دیا تھا چنانچہ جنگ مصارہ میں اسی سیاسی حیلہ جوئی کی وجہ سے کامیابی ہوئی اور اسی کے ساتھ ساتھ اس نے استحکام حکومت کے لئے انتظامیہ پر سختی کرنے سے بھی دریغ نہیں کیا اور فوری طور پر بذات خود باغیوں کے خلاف سخت اقدامات کئے اس کی اس کارکردگی کی وجہ سے اسے کامیابی نصیب ہوئی۔ اور اس کی حکومت کو استقلال ہوا۔

نظم مملکت

امیر عبدالرحمٰن الداخل نے ملک کو چھ صوبوں میں تقسیم کر دیا تھا اور ان کو گورنروں کے ماتحت کر دیا جو سپہ سالار بھی ہوتے تھے جن کے ماتحت وزراء اور عمال ہوتے تھے محکمہ پولیس، قضاۃ (عدالت) اور قید خانہ کا انتظام علحدہ تھا اور ان سب کا تعلق براہ راست مرکز سے ہوتا تھا جہاں وہ اپنی کارگذاریوں کی رپورٹ بھیجتے رہتے تھے اور وہیں سے ان کو احکامات جاری کئے جاتے تھے۔

مرکزی حکومت چند شعبوں میں تقسیم تھی جن میں حاجب، وزیر، کاتب، قاضی، صاحب

شرطہ پیہ سالار اور قاضی عساکر تھے جن کا علیحدہ علیحدہ دفتر قائم کیا گیا تھا۔ حاجب کے عہدہ پر سب سے پہلے تمام بن علقمہ کو مقرر کیا گیا اس کے بعد یوسف بن بخت فارسی کو مقرر کیا اور کچھ دن تک یہ عہدہ وراثتہً اس کے خاندان میں رہا پھر عبدالکریم بن مہران اس عہدہ پر آیا پھر عبدالرحمٰن بن مغیث فاتح قرطبہ مغیث رومی کا لڑکا اس عہدہ پر آیا اور بعد میں منصور خصی کا تقرر عمل میں آیا۔

وزراء امیر نے وزیر کا لقب عہدہ کی حیثیت سے مقرر نہیں کیا۔ بلکہ وہ ایک قسم کی مجلس مشاورت تھی جس میں وزارت اور اہم امور کی کارکردگی کے لئے مخصوص عمائدین کا تقرر عمل میں لایا جاتا تھا۔ مورخین نے اس مجلس کے اراکین کے نام وزیر کی حیثیت سے لکھے ہیں۔ ان میں ابوعثمان عبداللہ بن خالد، ابوعبدہ، شہید بن عیسیٰ بن شہید، عبدالسلام رومی ثعلبہ بن عبید بن نظام جذامی اور عاصم بن مسلم ثقفی تھے۔ عبدالملک مروانی کو ان سب پر تقدم حاصل تھا۔

کتّاب شروع میں اس عہدہ پر ابوعثمان اور عبداللہ بن خالد متعین رہے جب حکومت کے دیگر شعبے اور عہدے قائم ہو گئے تو سب سے پہلا کاتب امیہ بن یزید کو مقرر کیا گیا۔ یہ یوسف فہری کے زمانہ میں بھی کاتب تھا یہ امیر کے خاص مشیروں میں تھا اور اس کی رائے اکثر صحیح ثابت ہوئی۔ اور امیر اس کی رائے کا احترام کرتا تھا لیکن اپنی موت سے کچھ پہلے امیر کے باغیوں سے مل گیا تھا۔

قضاۃ دور ولایت ہی سے اسپین میں قضاۃ کے دو منصب ہوتے تھے ایک "قاضی الجماعت" اور دوسرا "قاضی العساکر" یعنی ایک عدالت شہری آبادی کے لئے تھی اور دوسری صیغۂ فوج کے لئے۔ قاضی الجماعت کے عہدہ پر یوسف کے زمانہ سے یحییٰ بن یزید بحصبی مامور تھے جو اس دور کے بزرگ ترین شخصیت تھے عبدالرحمٰن نے ان کو اس عہدہ پر برقرار رکھا۔[1] یحییٰ کے انتقال کے بعد مجلس مشاورت کے مشورے پر المدور کے شیخ مصعب بن عمران کو مقرر کیا گیا جو قاضی الجماعت تھے۔ اور عبدالرحمٰن کے زمانہ میں آخر تک اس عہدہ پر مامور رہے۔ قاضی عساکر کے عہدہ پر جدار بن عمرو مامور تھے۔[2] یہ قاضی عموماً مالی معاملات کے متعلق فیصلے کرتے تھے لیکن انہیں ہر قسم کے مقدمات کی سماعت کا حق بھی حاصل تھا۔ عدالت کے اس جداگانہ انتظام کے باوجود عبدالرحمٰن الداخل چند خاص اوقات میں انصاف کے لئے خود بھی بیٹھتا تھا۔ ہر خاص و عام کو حاضری کی اجازت تھی اور اکثر لوگ راہ راست

---

[1] نفح الطیب ج ۱ ص ۲۷۰ [2] ایضاً

پہنچ سکتے تھے۔ وہ اپنے معاملات پیش کرتے تھے جن کا وہ فوری فیصلہ کر دیا کرتا تھا۔

فوج امیر عبدالرحمٰن کو فوج کی تنظیم کی سب سے زیادہ فکر تھی۔ عربوں کی مسلسل بغاوت کے باعث عربوں پر سے اس کا اعتماد اٹھ گیا تھا اور اس نے بربروں اور غلاموں کی عظیم الشان فوج تیار کر لی تھی۔ بربروں اور موالی کی فوج کی تنظیم قبائلی تھی۔ یعنی ہر قبیلہ اپنے سردار کے ماتحت امیر کے حکم پر حاضر ہوتا تھا لیکن جب امیر کو عربوں کی بغاوتوں کے تلخ تجربات ہوئے تو انہوں نے اس تنظیم کو بدل کر باقاعدہ سرکاری افواج میں اضافہ کر دیا چنانچہ جب وہ البیرہ کی اطاعت کے بعد روانہ ہوئے تو ان کی فوج کی تعداد صرف چھ سو سوار تھی لیکن بعد میں اسی میں اس تیزی کے ساتھ اضافہ ہوا کہ ان کی تعداد ایک لاکھ تک پہونچ گئی۔ اسی مناسبت سے پیدل سپاہ بھی تھی۔[۱] فوج دو حصوں میں منقسم تھی۔ پیدل سپاہ کا افسر اعلیٰ (صاحب الرجالہ) عبدالحمید بن غانم تھا اور سواروں کا افسر اعلیٰ (صاحب الخیل) سماعہ تھا۔[۲] سپہ سالار عموماً امیر خود ہوتے تھے یا کسی کو نامزد کر دیتے تھے۔ آئین کی مسلم حکومت کے پاس بحری بیڑا پہلے سے موجود تھا۔ امیر عبدالرحمٰن نے شام پر حملہ کی تیاری کے سلسلہ میں اسے اور مضبوط بنایا جس نے آگے چل کر غیر معمولی ترقی حاصل کی۔

فوج میں تولیت لوار (علمبرداری) ایک مستقل اعلیٰ اور اہم عہدہ تھا۔ عبدالرحمٰن الداخل کے زمانہ میں ابوسلیمان داؤد الصفاری علمبرداری پر مامور تھا اس کے مرنے کے بعد یہ عہدہ اس کے خاندان میں وراثتہً ہو گیا۔ چنانچہ اس کا لڑکا امیر محمد بن عبدالرحمٰن دوم کے زمانہ تک اس عہدہ پر مامور تھا۔[۳] فوج کی رسد مہیا کرنے کے لئے ایک مستقل افسر تھا جو "صاحب ارزاق الاجناد" کہلاتا تھا۔[۴]

شرطہ یہ محکمہ مستقل طور پر قائم تھا امیر عبدالرحمٰن کے زمانہ میں عبدی اس محکمہ کا افسر اعلیٰ تھا اس کے وہی فرائض تھے جو موجودہ زمانے کی پولیس کے ہوتے ہیں۔

خاتم امیر نے سرکاری کاغذوں پر مہر کرنے کے لئے ایک انگوٹھی تیار کی تھی جس کا نقش یہ تھا "باللہ ثق عبدالرحمٰن وبہ یعتصم"۔

کردار۔ عادات و اخلاق و مشاغل

امیر عبدالرحمٰن کا قد لمبا جسم نحیف۔ گال پچکے ہوئے اور ناک چپٹی تھی۔ اور ایک چشم واقع ہوا تھا چہرہ پر ایک تل تھا۔ بال سنہرے تھے اور گندھی ہوئی دو

---

[۱] مجموعہ اخبار الاندلس صفحہ ۱۱۰ [۲] ایضاً [۳] نفح الطیب ج ۲ صفحہ ۷۵ [۴] مجموعہ صفحہ ۷۹

لٹیں دائیں بائیں چھٹی رہتی تھیں۔[1] عرب مورخین نے اس کے اخلاق و عادات فضل و کمال۔ دیانت و ہوشمندی کو بہت سراہا ہے۔ ابن اثیر لکھتا ہے

"وہ نہایت فصیح زبان آور شاعر بردبار عالم۔ ہوشمند تھا خروج کرنے والوں پر عجلت سے اٹھتا تھا آرام نہ لیتا تھا اپنے کاموں کو دوسروں پر نہ چھوڑتا تھا اپنی رائے پر مصر رہتا تھا۔ بہادر سخی اور فیاض تھا سفید لباس پسند کرتا تھا۔"[2]

علامہ مقری نے لکھا ہے کہ وہ عام لوگوں کے ساتھ بیٹھتا تھا ان کی شکایتیں سنتا تھا ان کے جھگڑے چکاتا تھا۔ کھانے کے وقت مجلس میں جتنے لوگ موجود ہوتے سب کو اپنے ساتھ شریک طعام کرتا تھا۔ پھر ابن حیان کا قول نقل کیا ہے کہ

"عبدالرحمٰن بردبار، بہترین علم اور اعلیٰ ذہن رکھنے والا پختہ ارادے کا مالک اپنے عزم کو پورا کرنے والا۔ عجز سے بے نیاز۔ جلد کوچ کرنے والا۔ مستقل حرکت میں رہنے والا راحت میں نہ پڑے رہنے والا۔ تکلیف سے گھبرا نہ اٹھنے والا۔ اپنے کاموں کو دوسروں پر نہ چھوڑنے والا۔ ہر کام کو پورا کرنے والا۔ شجاع۔ بہادر۔ ہر معاملہ پر غور و فکر کرنے والا۔ بلیغ۔ بلند آواز شاعر، احسان کرنے والا۔ فیاض اور زبان آور تھا وہ سفید لباس پہنتا تھا اور سفید عمامہ باندھتا تھا اور اس لباس کو ترجیح دیتا تھا اس کے دوست و دشمن سب اس سے ڈرتے تھے۔ لوگوں کے جنازوں کے ساتھ جاتا۔ جمعہ اور عید میں آتا اور امامت خود کرتا تھا۔ منبر پر اور بڑے مجمعوں میں خطبے دیتا اور میل جول رکھ کر سب کو اپنی طرف مائل رکھتا تھا۔"[3]

خود اعتمادی اس میں بلا کی پائی جاتی تھی۔ بہت سے ایسے نازک لمحات اسکی زندگی میں آئے جبکہ خود اعتمادی ہی کی بنا پر کامیابی حاصل کی اس کے مزاج میں غصہ تھا لیکن غصہ میں اندھا نہ ہوتا تھا اور اکثر صبر و برداشت سے کام لیتا جیسا کہ ابوالصباح رئیس یمانی کے ساتھ ہوا لیکن جب موقعہ ملتا قرار واقعی سزا دینے سے بھی باز نہ آتا تھا اس کے نزدیک سیاسی معاملات میں تساہل یا غرور سخت ناقابل معافی تھا۔ رشتہ داری و قرابت داری کی بنا پر کوئی رعایت دینے کا قائل نہ تھا۔ جیسا کہ ابوعثمان اور عبداللہ بن خالد کے ساتھ ہوا۔ اس کے خاص موالی بدر کو یہ خیال پیدا ہو گیا کہ حصول سلطنت میں امیر

---

[1] تاریخ الاندلس ج ۱ ص ۳۳۴ [2] ابن اثیر ج ۶ ص ۷۶ [3] نفح الطیب ج ۲ ص ۷۹-۷۴-۷۰-۶۸ و ج ۱ ص ۱۵۶، ۱۵۷

اس کا رہینِ منت ہے تو اس کو اسی لمحہ اپنے سے جدا کر دیا۔ یہاں تک کہ اس کو سرحدی علاقوں میں چلے جانے کا حکم دیدیا۔ اپنے مطالب کے حصول کے لئے اس کے پاس کوئی رو رعایت نہ تھی اور ہر جائز و ناجائز فعل اس کے نزدیک روا تھا۔

امیر عبدالرحمٰن صاحب علم و فضل تھا۔ ادب و شعر کا صحیح مذاق رکھتا تھا۔ مشرق کی یاد اس کے دل سے کبھی محو نہ ہوئی تھی اور اس کی یاد میں بڑی پر اثر نظمیں اس نے لکھی تھیں دربار میں شعراء و علماء کا اجتماع رہتا۔ علم و ادب کی مجلسیں گرم رہتیں۔ خلعت و خاصے عطا کئے جاتے اور شعراء منہ مانگی مرادیں پاتے تھے۔

اپنے اعزّہ و اقربا سے محبت کرتا تھا اور افریقہ سے اپنے بہت سے اعزّہ کو اور خاندان بنو امیہ کے دیگر افراد کو اپنے پاس بلوا لیا تھا اس کی بنا پر عربوں نے اس کے خلاف بغاوت بھی کی تھی کیونکہ عبدالرحمٰن نے ان کی جاگیریں اور محلات اپنے اعزہ میں تقسیم کر دیئے تھے اس کو اپنی بہنوں سے بڑا انس تھا۔ مراسلت کا سلسلہ جاری رکھتا تھا اکثر اپنے جذبات کی ترجمانی منظوم کر کے ان کو بھیجا کرتا تھا وہ نظمیں شوق وطن اور درد و فراق سے معمور ہوتی تھیں اور شیرینی برجستگی اور فصاحت و بلاغت کا نمونہ سمجھی جاتی تھیں۔[۱]

علامہ مقری نے ابن حیان کے حوالہ سے لکھا ہے کہ علماء و فضلاء دور دور سے قرطبہ آتے اور مہمان شاہی ہوتے تھے امیر کی مجلس میں بیٹھتے اپنی اپنی فصاحت و بلاغت کے نمونے پیش کرتے اور موقع بہ موقع امیر سے خلعت خاصے اور عطیات حاصل کرتے تھے۔ چاروں طرف امیر کی داد و دہش قدر دانی خوش گفتاری کا چرچا رہتا تھا۔ لوگ کبھی نظموں میں اور کبھی فصیح و بلیغ مراسلوں میں عبدالرحمٰن الداخل کو خطاب کرتے تھے جس کا جواب امیر ان سے زیادہ فصیح و بلیغ تحریر میں دیتا تھا۔ مسہب میں ہے کہ عبدالرحمٰن الداخل کو بلاغت میں ایسا بلند درجہ حاصل تھا جو بنو مروان میں بہت کم لوگوں کو نصیب ہوا۔[۲]

عبدالرحمٰن الداخل کے زمانہ میں جو ممتاز شعراء و ادباء گذرے ہیں ان کا تذکرہ تو تفصیل سے آگے آئے گا۔ البتہ ابو المحشی کا نام اس زمانہ میں شاعر اسپین کی حیثیت سے مشہور تھا وہ عبدالرحمٰن الداخل کے دربار سے وابستہ تھا اور قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ عبدالرحمٰن کیونکہ علماء اور شعراء کا قدر داں تھا اور ان کی خدمات کو سراہتا تھا جس کی وجہ سے اس عہد کے ممتاز علماء و فضلاء اسکے دربار سے منسلک ہو گئے تھے جن میں شیخ غازی اور شیخ ابو موسیٰ ہواری کا نام سر فہرست تھا یہ دونوں اصحاب علم دین کے ماہر اور دیگر علوم میں بھی یکتا تھے۔ شیخ غازی ہی کی بدولت اسپین میں مالکی فقہ کا رواج ہوا تھا۔

---

[۱] [illegible] ص ۷۷ [illegible] ص ۷۶ [۲] نفح الطیب [illegible] ص ۶۹

اور وہ فن لغت کے ماہر تھے بعض مورخین نے ان کو علم نجوم کا ماہر بھی بتایا ہے غرض امیر عبدالرحمٰن نے اس بات کی ہر ممکن کوشش کی کہ اس کا دور ایک بے مثال دور بن جائے اور مسلم اسپین دینی اور دنیاوی علوم میں کسی سے پیچھے نہ رہے۔

امیر عبدالرحمٰن کو تعمیرات سے بھی بڑا لگاؤ تھا اور اس نے قرطبہ کی تعمیری ترقی پر بڑی توجہ دی اس کی تزئین و آرائش کے متعلق علامہ مقری رقمطراز ہیں۔

"بعض مورخین نے عبدالرحمٰن کے سوانح حیات میں لکھا ہے کہ جب اس کی حکومت قائم ہو گئی تو اس نے قرطبہ کی عظمت بڑھانا شروع کی چنانچہ اس کی بنیادوں کو مستحکم کیا اس کی عمارتوں کی تجدید کی اس کو فصیلوں سے مضبوط کیا۔ قصر حکومت اور جامع مسجد کی تعمیر کی اس کے رقبہ کو بڑھایا محلوں کی مسجدوں کو درست کیا شہر رصافہ کو اپنی تفریح گاہ کے طور پر تعمیر کیا اس میں ایک خوبصورت قصر بنایا اور وسیع باغ لگایا جس میں عجیب و غریب پودے اور بہترین درخت شام اور دیگر ممالک سے منگا کر لگائے۔[1]

اس نے ۱۵۶ھ میں قرطبہ کی فصیل تعمیر کرائی جس میں حسب ضرورت آٹھ دروازے لگائے اور ان پر دربان مقرر کئے قصر شاہی جو گاتھ قوم کے زمانہ سے تھا اور "بلاط رزریق" کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ امیر نے اس کی از سر نو تعمیر و تجدید کی۔[2] قرطبہ کے قریب مغرب کی طرف اس نے ایک تفریح گاہ تعمیر کرائی اور اس کا نام رصافہ رکھا اس میں پر فضا باغ لگوائے اور لذیذ پھلوں کے بیج اور پودے منگوا کر لگوائے۔[3] امیر عبدالرحمٰن کی تعمیرات میں اہم ترین اور نفیس ترین تعمیر جامع قرطبہ ہے مسلمانوں نے امیر سے پہلے قرطبہ کے بڑے گرجا شنت منجبت کے نصف حصہ کو جامع مسجد بنا لیا تھا اور نصف حصے کو گرجا ہی رہنے دیا تھا لیکن جب قرطبہ میں مسلمانوں کی آبادی بڑھی اور جامع مسجد مسلمانوں کے لئے تنگ ہوئی تو اسپین کے والیوں نے اس پر متعدد بار تعمیر کر دیں۔ لیکن پھر بھی نمازیوں کی مشکلات ختم نہ ہوئی۔ امیر نے اس کو وسیع کر کے از سر نو تعمیر کرنا چاہا تو اس نے گرجا کا نصف حصہ بھی عیسائیوں سے چند شرائط اور بڑی قیمت پر حاصل کر لیا ۱۶۸ھ میں یہ اراضی حاصل کی گئی اور ۱۷۰ھ میں نہایت خوبصورت اور عالی شان مسجد تعمیر ہو گئی اس پر اسی ہزار دینار خرچ ہوئے اور اس نے اس میں سب سے پہلے خود جمعہ کا خطبہ پڑھا اور خود بھی نماز پڑھائی اس مسجد کے ساتھ ایک عالیشان مدرسہ بھی تعمیر کرایا جو آگے چل کر ایک بڑے ادارے کی شکل اختیار کر گیا جس میں دنیا کے تمام علوم و فنون کی تعلیم دی جاتی تھی۔ (تفصیل آگے آئے گی) اس طرح عبدالرحمٰن اسپین میں نہ صرف

---

[1] نفح الطیب ج ۱ ص ۲۵۵ [2] ابن اثیر ج ۵ ص ۳۷۹ ابن خلدون ج ۴ ص ۹۲۱

ایک عظیم الشان مسلم حکومت کا بانی بنا بلکہ مغرب میں ایک ایسی تہذیب و تمدن کی بنا ڈالی جو قرون وسطیٰ میں دنیا کی عظیم ترین معیاری تہذیب کی حیثیت سے تسلیم بھی کی گئی۔

الغرض امیر عبدالرحمٰن الداخل کی اس قدر خوبیاں اور صفات تھیں کہ دوست تو دوست دشمن بھی اس کے مداح تھے۔ عباسیوں سے زیادہ اس کا کون دشمن ہوگا لیکن امیر نے اپنے دشمنوں سے بھی اپنی تعریف کروائی۔ خلیفہ المنصور عباسی اس کے متعلق یہ کہا کرتا تھا۔

"اگر ہماری سلطنت سخت گیری اور تائید الٰہی سے قائم رہ جائے تو تعجب نہ کرو اصلی تعریف کا مستحق تو وہ یگانہ و فرزانہ قریشی نوجوان ہے جو اپنے اہل و عیال سے جدا ہوا اور مصائب کی پرواہ نہ کی وہ اپنی دھن کا پکا تھا یہاں تک کہ اپنی عزت کی گھاٹیوں پر چڑھنے کے لئے اس نے اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال دیا اور ایک دور دراز جزیرہ میں جا نکلا جہاں صف بستہ فوجیں اس کے مقابلہ کے لئے موجود تھیں مگر اس نے اپنی ہمت اور فرزانگی سے انہیں شکست دی اپنے حملوں سے ان کی صفیں ایک دوسرے پر الٹ دیں اور اپنی سیاست و دانائی سے ملک کے بسنے والوں کے دل موہ لئے۔ اور ملک کے اکابر اس کے فرمان کے تابع ہو گئے اور سارے ملک پر اس کی بادشاہی قائم ہو گئی وہ شخص اپنے دشمنوں کے لئے مجسم قہر ہے اپنے عہد کا پکا ہے اپنی سرحد کے پاس کسی کو پھٹکنے نہیں دیتا۔ لوگ اس سے محبت بھی کرتے ہیں اور ڈرتے بھی ہیں وہ جوان ہے جوان ہمت ہے اگر کوئی اس کے مدح میں قصائد پڑھے تو اسے جھوٹا نہ سمجھو خود منصور پر عبدالرحمٰن کی شخصیت کا اتنا اثر تھا کہ وہ اسے "صقر قریش" (قریش کا باز) کے نام سے پکارتا تھا۔"

ہشام بن عبدالرحمٰن الداخل

۱۷۱ھ / ۷۸۷ء — ۱۸۰ھ / ۷۹۶ء

تخت نشینی ہشام اوّل امیر عبدالرحمٰن کا منجھلا بیٹا تھا جو یوسف فہری کی بہن کی دی ہوئی کنیز حلل کے بطن سے پیدا ہوا تھا اس کی کنیت ابوالولید تھی اس کا بڑا بھائی سلیمان اور چھوٹا عبداللہ تھا امیر عبدالرحمٰن نے ہشام کو اپنی زندگی ہی میں اپنا ولی عہد مقرر کر دیا تھا یہ تقرر اس نے اس وقت کیا جبکہ اس نے سلیمان اور ہشام کو مختلف قسم کی آزمائشوں اور امتحانوں کے ذریعہ موازنہ کر لیا اور اس نے ہر صورت میں ہشام کو حکومت کے لئے مناسب سمجھا۔ سلیمان کو اس کی نامزدگی سے بہت ملال ہوا۔ لیکن وہ وقت کا منتظر تھا۔

امیر عبدالرحمٰن الداخل کی وفات کے وقت ہشام ماردہ کا اور سلیمان طلیطلہ کا والی تھا قرطبہ میں چھوٹا بھائی عبداللہ موجود تھا جس نے باپ کے جنازے کی نماز پڑھائی اور ہشام کی طرف سے امارت کی غائبانہ بیعت کی۔ ہشام ماردہ سے چھٹے دن قرطبہ پہونچا اور زمام حکومت اپنے ہاتھ میں لے لی۔[1]

برادرانہ جنگ سلیمان طلیطلہ میں تھا اور طلیطلہ والے امیر عبدالرحمٰن الداخل کے بھی مشکوک طور پر اطاعت گذار تھے چنانچہ سلیمان نے جب ان کو ہشام کے خلاف اکسانا چاہا تو وہ بخوشی تیار ہو گئے۔ عبداللہ بھی اپنے بھائی ہشام سے ناراض ہو گیا اور موقع پا کر قرطبہ سے طلیطلہ بھاگ گیا اور سلیمان کے پاس پہونچ کر بغاوت میں اس کے ساتھ شریک ہو گیا۔ ہشام کو جیسے ہی اس

---

[1] ابن اثیر ج ۶ ص ۷۷

بغاوت کی اطلاع ملی فوراً فوج لیکر پہونچا اور طلیطلہ کا محاصرہ کرلیا۔ سلیمان کے پاس اتنی جمعیت نہ تھی کہ وہ امیر کا مقابلہ کرتا چنانچہ شہر کی حفاظت اپنے لڑکے اور بھائی عبداللہ کے سپرد کی اور خود فوج لیکر ایک دوسرے راستہ سے قرطبہ کی طرف روانہ ہوگیا امیر ہشام نے پھر بھی محاصرہ نہ اٹھایا۔ صرف اپنے لڑکے عبدالملک کو فوج دے کر سلیمان کے تعاقب میں روانہ کیا تاکہ ایک طرف وہ سلیمان کو روکے اور دوسری طرف اہل قرطبہ کی مدد کرسکے۔ اہل قرطبہ نے سلیمان کو شقندہ پر ہی روک لیا چنانچہ سلیمان دونوں کے درمیان گھر گیا اور معمولی مقابلہ کے بعد پسپا ہوگیا۔ امیر ہشام دو ماہ تک طلیطلہ کا ناکام محاصرہ کرکے واپس قرطبہ آگیا۔ البتہ چھوٹا بھائی عبداللہ امیر ہشام سے مقابلہ کئے بغیر اور امان طلب کئے بغیر بلا اطلاع قرطبہ چلا آیا۔ امیر ہشام نے اس کو محبت سے سینہ سے لگایا اور حسن سلوک سے پیش آیا امیر ہشام نے ۱۷۹ھ میں اپنے لڑکے معاویہ کو تدمیر کی طرف بھیجا جہاں سلیمان نے ایک فوج اکٹھا کرلی تھی دونوں کا مقابلہ ہوا سلیمان نے اس مرتبہ بھی شکست کھائی اور بلنسیہ کے علاقے میں پناہ گزیں ہوا۔ معاویہ علاقہ تدمیر کی تاخت کے بعد واپس ہوگیا۔ سلیمان اس علاقے میں کچھ دن روپوش رہا اس کے بعد امیر ہشام سے اس کی صلح ہوگئی۔ امیر نے اس کو اپنے اہل وعیال اور مال و دولت کے ساتھ اسپین سے ہجرت کرنے کی اجازت دیدی اور باپ کے ترکہ سے بھی اس کو ساٹھ ہزار دینار دیئے عبداللہ نے بھی بڑے بھائی کے ساتھ ہجرت کی اور دونوں بھائی اسپین کو چھوڑ کر مغرب اقصیٰ میں قبائل بربر کے درمیان سکونت پذیر ہوگئے اس طرح اسپین میں برادرانہ جنگ کا خاتمہ ہوگیا۔[1]

عام بغاوتیں

برادرانہ جنگ کے دوران ملک کی فتنہ پرداز جماعتوں کو اس بات کا موقع مل گیا کہ وہ حکومت کے خلاف سر اٹھائیں۔ چنانچہ سب سے پہلے عبدالرحمٰن الداخل کے زمانہ کے مشہور باغی حسین بن یحییٰ الانصاری کے لڑکے سعید نے ۱۷۲ھ میں صوبہ طرطوشہ کے ایک مقام رشانت میں بغاوت کی اور اپنے ساتھ قبائل یمانی کو شریک کرلیا۔ اور کوچ کرکے طرطوشہ پر قبضہ کرلیا اور وہاں کے اموی عامل یوسف فہری کو شہر بدر کردیا۔ امیر ہشام نے اس طرف خاص توجہ نہ دی لیکن یمانیوں کے اس خروج نے قیسیوں اور مضریوں کو ان کے خلاف جمع کردیا اور مضر موسیٰ بن خرتون کی سرکردگی میں سعید کے مقابلہ پر آئے جس میں موسیٰ نے فتح پائی اور سعید قتل ہوا موسیٰ طرطوشہ پر قبضہ کرکے سرقسطہ میں داخل ہوا۔ سعید کے مارے جانے کے بعد اس کے مولیٰ احمد رازی نے علم بغاوت بلند کیا۔ دوسری طرف عبدالرحمٰن

[1] ابن اثیر ج ۶ ص ۷۹-۸۰-۸۳ ابن خلدون ج ۴ ص ۱۲۴

الداخل کے زمانہ کے ایک دوسرے مشہور باغی سلیمان بن یقطان کے لڑکے مطروح نے برشلونہ میں بغاوت کی موسیٰ پسپا ہو کر فرار ہو گیا اور باغیوں نے طرطوشہ، برشلونہ، سرقسطہ اور وشقہ پر قبضہ کر کے اپنی حکومت قائم کر لی۔ اس طرح پورا مشرقی مسلم اسپین امیر ہشام کے ہاتھ سے جاتا رہا۔ اور باغیوں کی ایک متوازی حکومت قائم ہو گئی۔

۱۹۱ھ میں امیر ہشام کو جب اپنے بھائیوں کی طرف سے سکون ہوا تو اس نے ان باغیوں کی سرکوبی کی طرف توجہ کی اور ایک عظیم الشان لشکر ابو عثمان عبید اللہ بن عثمان کی سرکردگی میں سرقسطہ روانہ کیا ابو عثمان نے سرقسطہ کا محاصرہ کیا لیکن کچھ عرصہ بعد قریب کے ایک قلعہ طرسونہ میں آکر مقیم ہو گیا اور فوج کے چھوٹے چھوٹے دستے اہل سرقسطہ کو تنگ کرنے اور ان کی رسد کو ختم کرنے کیلئے بھیجتا رہا۔ اسی اثنا میں مطروح ابن سلیمان کو اس کے دو ساتھیوں نے قتل کر کے اس کا سر ابو عثمان کے پاس بھیج دیا مجبور ہو کر اہل سرقسطہ نے ہتھیار ڈال دیئے اور پورا مشرقی اسپین دوبارہ امیر ہشام کے زیر اطاعت آگیا۔[1] امیر ہشام نے سرقسطہ کے ایک عالی نسب عیسائی خاندان کی جس نے ایک زمانہ سے اسلام قبول کر لیا تھا اور جو بنو قسی کے نام سے مشہور تھا خدمات حاصل کیں ان کے قائد موسیٰ بن قرتون کو سرقسطہ کا صوبہ دار بنا دیا اس وقت سے تقریباً سو برس سے زیادہ عرصہ تک بنو قسی اس علاقہ پر صاحب اقتدار رہے۔ کبھی یہ بنو امیہ کے خیر خواہ رہتے اور کبھی ان سے باغی اور نبرد آزما اور یہ سلسلہ ہشام کے بعد بھی کئی امیروں کے زمانہ تک چلتا رہا اہل طلیطلہ سلیمان کے جانے کے بعد اور سرقسطہ کی بغاوت ختم ہونے کے بعد مایوس اور بے سہارا ہو گئے تھے انہوں نے ۱۷۸ھ میں امیر ہشام سے اطاعت قبول کرنے کی درخواست کی امیر نے ان کی درخواست قبول کر لی اور ان کو امن کا پروانہ دے کر ۱۷۶ھ میں اپنے لڑکے حکم کو وہاں کا والی مقرر کیا۔ حکم نے یہاں نئے سرے سے نظم و نسق قائم کیا اور یہیں مقیم ہو گیا۔[2]

۱۷۸ھ میں بربروں کے سر میں بغاوت کا سودا سمایا اور انہوں نے تاکرنا میں بغاوت کر دی پورے علاقہ میں سخت شورش مچائی اور لوٹ مار اور غارت گری کا بازار گرم کیا۔ امیر ہشام نے عبد القادر بن آبان کو ان کی سرکوبی کے لئے بھیجا۔ اس نے اس بغاوت کو سختی کے ساتھ کچل دیا بکثرت بربری قتل یا گرفتار ہوئے اور اس پورے علاقے میں ایسی دہشت پھیلی کہ تقریباً سات برس تک تاکرنا اور اس کے آس پاس کا علاقہ غیر آباد پڑا رہا۔ رفتہ رفتہ لوگ یہاں آباد ہوئے اور امن و امان سے زندگی بسر کرنے لگے۔[3]

---

[1] ابن اثیر ج ۶ ص ۸۴-۸۲-۸۰ [2] ابن اثیر ج ۶ ص ۸۴-۱۹۰ [3] ابن اثیر ص ۹۹

عیسائیوں سے جھڑپیں

۱۷۳ھ/۷۸۸ء میں حکومت جلیقیہ کے عیسائی فرمانروا موریکاب نے انتقال کیا۔ اس کا جانشین برمند ہوا۔ ابن آثیر بتاتا ہے کہ اس نے چند ہی دنوں میں حکومت کو خیرباد کہکر راہبانہ زندگی اختیار کرلی اور اپنے بھتیجے کو ۱۷۵ھ/۷۹۱ء میں الفانسو دوم کے لقب سے تخت نشیں کر دیا وہ ہشام اول کا ہم عصر تھا اس نے کامل پچاس برس حکومت کی مغربی مورخین لکھتے ہیں کہ اس کے دور حکومت میں عربوں سے کوئی لڑائی نہیں ہوئی۔[1] لیکن عرب مورخین کے نزدیک ہشام اول کے دور میں حکومت جلیقیہ پر ایک سے زیادہ مرتبہ فوج کشی کی گئی۔

۱۷۵ھ/۷۹۱ء میں سرقسطہ کے مطیع ہو جانے کے بعد ابوعثمان اپنے لشکر کو لیکر عیسائی ممالک کی طرف روانہ ہوا اور البہ اور قشتالیہ کی عیسائی حکومتوں کی حدود میں تاخت و تاراج کی جس میں بہت سے عیسائی مارے گئے اور وافر مال غنیمت ہاتھ آیا۔ امیر ہشام نے اسی سال یوسف بن بخت کو جلیقیہ کی طرف روانہ کیا۔ اس زمانہ میں برمند حکمران تھا اس نے اسلامی لشکر کا مقابلہ کیا اور شکست کھائی ۱۷۶ھ/۷۹۲ء میں دوسرا حملہ البہ پر عبدالملک بن واحد کی قیادت میں کیا گیا یہ لشکر بھی کامیاب رہا اور بہت سا مال غنیمت لیکر واپس لوٹا۔ ان حملوں کا مقصد یہ تھا کہ سرقسطہ کی بغاوت کے دوران جن چند اہم سرحدی مقامات اربونہ اور جرندہ وغیرہ پر عیسائیوں نے قبضہ کر لیا تھا ان کو دوبارہ حاصل کیا جائے ۱۷۷ھ/۷۹۳ء میں عبدالملک بن واحد نے شہر جرندہ پر حملہ کیا اور محاصرہ کر لیا۔ فصیل شہر پر پے در پے حملے کر کے اس کو گرا دیا۔ اربونہ کا عیسائی حکمران بھاگ گیا اور شہر جرندہ پر ایک بار پھر اسلامی پرچم لہرانے لگا اس کے بعد یہ لشکر اربونہ پہونچا اور جلد ہی اس شہر پر بھی قابض ہو گیا۔ شہر والوں کو یہ سزا ملی کہ فصیل شہر کے ملبہ کو قرطبہ پہونچائیں جس سے یادگار کے طور پر قرطبہ کے باب الجنا کے قریب ایک مسجد تعمیر کی گئی اربونہ کا خمس وصول کیا گیا اور اس سے جامع مسجد قرطبہ کی تعمیر کی گئی اس کے بعد بھی مسلمانوں نے کئی ماہ تک آس پاس کی عیسائی آبادیوں پر چھاپے مارنے کا سلسلہ جاری رکھا بہت بڑی تعداد میں عیسائی مارے گئے اور کثیر مال و دولت ہاتھ لگا۔ بہت سے قلعے مسمار کر دیئے گئے اس قتل و غارت گری سے اس علاقے میں ایسی دہشت پھیلی کہ انہوں نے ایک مدت تک مسلمانوں کی سرحد کی طرف آنکھ اٹھا کے نہیں دیکھا۔[2]

۱۷۸ھ/۷۹۴ء میں امیر ہشام نے البہ کی طرف عبدالکریم کو بھیجا۔ اور عبدالملک بن واحد کو ایک بڑی فوج کے ساتھ جلیقیہ کی طرف روانہ کیا۔ عبدالکریم بن واحد یلغار کرتا ہوا فرانس کے علاقے سپٹیمینیا میں

---

[1] ابن اثیر جلد ۶ ص ۸۲ اسٹوری آف دی نیشنز ج ۳۶ ص ۳۱ [2] ابن اثیر ج ۶ ص ۹۲ — ۸۴ افتتاح الاندلس ص ۴۳

داخل ہوا۔ جرندہ اور اربونہ پر قبضے کے بعد اس علاقے کے اہم راستے مسلمانوں پر کھل چکے تھے چنانچہ وہ بڑی تیزی کے ساتھ آگے بڑھتے گئے۔ ڈیوک آف ٹولوس ایک فوج کے ساتھ مزاحم ہوا مگر بُری طرح شکست کھائی اور عبدالکریم کثیر مال غنیمت کے ساتھ واپس لوٹ آیا۔ پھر جلیقیہ کا رُخ کیا اور اس کے دارالخلافہ تک جا پہنچا۔ شہر کو بہت نقصان پہونچایا بہت سے کلیسے برباد کئے اور مال غنیمت لیکر واپس لوٹا۔ واپسی پر رہنما کی غلطی سے فوج شدید مصائب سے دوچار ہوئی اور بدقت تمام قرطبہ تک پہونچی۔

۱۷۹۵ھ میں امیر ہشام نے پھر دو لشکر تیار کئے ایک کو مشرقی اسپین کی سرحد کے پار بھیجا جو کامیابی کے ساتھ اور کثیر مال و دولت لیکر واپس ہوا دوسرا عبدالملک کی سرکردگی میں پھر جلیقیہ کی طرف بھیجا جو تاخت کرتا ہوا استرقہ تک پہونچ گیا الفانسو دوم دیگر عیسائی حکومتوں کی مدد سے مقابلہ پر آیا لیکن عرب مورخین کے بقول عبدالملک کا سامنا ہوتے ہی بھاگ کھڑا ہوا۔ عبدالملک نے اس کا تعاقب کیا اور اس طرح جلیقیہ کی پوری حدود حکومت پر ہشام کی فوجیں پھیل گئیں۔ شہروں کو برباد کیا گیا۔ بے شمار عیسائی قتل کئے گئے اور کثیر مال غنیمت جمع ہو گیا اس قتل و غارت گری کا افسوس ناک پہلو یہ ہے کہ الفانسو دوم کے حرم کی حرمت بھی قائم نہ رہ سکی۔[1] مسلمانوں کے اس آخری حملے کے بعد عیسائیوں کی پھر کبھی جرأت نہ ہو سکی کہ وہ مسلمانوں کی سرحدوں پر حملہ کریں۔ حکومت جلیقیہ اور آس پاس کی دیگر عیسائی ریاستوں نے مسلمانوں کی حکومت کی برتری کو تسلیم کر لیا۔ امیر ہشام کے زمانہ میں مسلمانوں کا ایسا رعب چھا گیا تھا کہ عیسائی مسلمانوں کی سرحد کے پاس بھی نہ آتے تھے اور ایک بھی مسلمان دشمنوں کے قبضہ میں نہ تھا۔[2]

دنیا سے کنارہ کشی اور وفات

امیر ہشام نے خود اعتمادی اور عزم کے ساتھ ملک میں بہت جلد امن و امان قائم کر دیا لیکن خود اس کی طبیعت میں دنیادارانہ زندگی کی وجہ سے دنیا سے مایوسی حد درجہ بڑھ گئی تھی اس کی وجہ ایک روایت بتائی جاتی ہے گو یہ روایت اس کی شرعی طبیعت کے خلاف معلوم ہوتی ہے لیکن چونکہ معتبر مورخین نے بیان کیا ہے کہ اس نے جزیرہ خضرا کے ایک بجومی مضبی کو بلا کر اپنے متعلق معلوم کیا جب مضبی کو یہ معلوم ہوا کہ امیر کی بُری خبر کے سنانے پر اس کو کوئی سزا نہ دے گا تو اس نے کہا کہ "سات آٹھ کے درمیان" یعنی دور حکومت سات آٹھ سال کے درمیان ہے امیر کی مایوس طبیعت پر اس بات کا بڑا اثر پڑا اور وہ اپنا

---

[1] ابن اثیر جلد ۶ صفحہ ۹۹ ابن خلدون جلد ۴ صفحہ ۱۲۵ اخبار الاندلس صفحہ ۱۴۳ [2] مجموعہ اخبار اندلس صفحہ ۱۲۵

زیادہ وقت عبادت ریاضت میں صرف کرنے لگا اور کسی حد تک انتظام مملکت سے بھی دل ہٹ گیا۔[1] یہ روایت درست ہو یا غلط لیکن امیر ہشام کی حد درجہ دیندارانہ زندگی نے اس کو دنیاوی معاملات سے کنارہ کشی پر ضرور اکسایا تھا یہاں تک کہ ماہ صفر ۱۸۰ھ/۷۹۶ء میں ۳۹ سال ۴ ماہ کی عمر پاکر وفات پائی۔

کردار و عہد حکومت کا جائزہ

ہشام اول کا رنگ سفید سرخی مائل تھا اور آنکھیں کچھ مائل تھیں۔[2] اپنے اخلاق و عادات سے لوگوں میں ہر دلعزیز تھا اکثر مریضوں کی عیادت کرتا اور جنازوں کے ہمراہ قبرستان تک جاتا تھا۔[3] سخاوت و فیاضی اور عفو و درگذر کی خوبیوں سے معمور تھا۔ ذاتی زندگی عیاشی سے خالی تھی کبھی کبھی محفلوں میں رقص دیکھ لیتا۔ البتہ شعر و شاعری سے کافی ذوق تھا اور اس کی محفلیں منعقد کی جاتی تھیں۔ امیر ہشام کی زندگی کا بہر طور نمایاں پہلو اس کا اتباع شریعت تھا وہ خود پاکبازی اور تقویٰ کے ساتھ زندگی گذارتا تھا اور دوسروں سے بھی اسی زندگی کا متقاضی تھا روزمرہ کے زیادہ اوقات عبادت میں صرف کرتا اور باجماعت نمازیں پڑھنے اور مسجدوں کو معمور کرنے کا اہتمام رکھتا تھا۔[4] مجموعہ اخبار اندلس میں ہے کہ

"ہشام درہم اور دیناروں کی تھیلیاں بھر بھر کر بارش کی اندھیری راتوں میں مسجدوں میں بھیجتا تھا اور جو لوگ مسجد میں موجود ہوتے تھے وہ ان کو دی جاتی تھیں اس سے اس کا مقصد یہ تھا کہ مسجدیں آباد رہیں۔"[5]

عبدالواحد مراکشی نے لکھا ہے۔[6]

"وہ نیک سیرت تھا عدل و انصاف کی جستجو میں رہتا تھا مریضوں کی عیادت کرتا تھا اور جنازوں میں شرکت کرتا تھا بہت زیادہ خیرات تقسیم کرتا تھا۔ کبھی کبھی اندھیری رات میں جبکہ موسلا دھار بارش ہوتی وہ درہموں کی تھیلیاں لیکر نکل جاتا اور بوڑھی اور پردہ نشین عورتوں میں تقسیم کرتا تھا اس کا یہ طریقہ اس کی وفات تک قائم رہا۔"

ابن خلدون کا قول ہے۔

"ہشام نہایت نیک مزاج، صلح پسند، سخی، دلیر، شجاع، بلند حوصلہ، صاحب الرائے اور کثرت سے جہاد کرنے والا تھا۔"[7]

---

[1] افتتاح الاندلس ص ۴۱ و نفح الطیب جلد ۱ ص ۱۵۷ [2] ابن اثیر جلد ۶ ص ۱۳۰ [3] افتتاح الاندلس ص ۴۲
[4] ص ۱۲۱-۱۲۰ [5] تاریخ اندلس جلد ۱ ص ۴۵۴ [6] ابن خلدون (اردو) جلد ۵ ص ۲۷۷

امیر ہشام کے طریقہ حکومت اور سیرت و کردار کی مثال حضرت عمر بن عبدالعزیز سے دی جاتی ہے اس سلسلہ میں ابن اثیر نے لکھا ہے۔

"اس کے فضائل کے بیان میں اہل اندلس نے اس حد تک کہا کہ وہ اپنی سیرت و کردار میں حضرت عمر بن عبدالعزیز کے مشابہ ہے"[1]

علامہ مقری نے بھی اپنی کتاب نفح الطیب میں اس بیان کی تائید کرتے ہوئے لکھا ہے۔

"ہشام اپنی سیرت و کردار میں حضرت عمر بن عبدالعزیز کے نقش قدم پر چلتا تھا"[2]

امیر ہشام خود بھی صاحب علم و فضل تھا۔ اور فقہ مالکی کا عالم اور اس کو پسند کرنے والا تھا کہا جاتا ہے کہ امام مالک بھی اس کی سیرت و کردار سے بڑے متاثر تھے اور انہوں نے اسپین کے مشہور عالم زیاد ابن عبدالرحمٰن لخمی سے ہشام کے حالات دریافت کرنے کے بعد فرمایا تھا۔

"کاش اللہ تعالیٰ ہمارے موسم (حج) کو ایسے لوگوں کے ورود سے زینت دیتا"[3]

یہی حال ہشام کا بھی فقہ مالکی سے محبت کرنے کا تھا شعر و ادب کا عمدہ مذاق رکھتا تھا۔ اور شعراء کو کافی داد و دہش سے نوازتا اس کا دربار علماء و فقہاء اور شعراء سے بھرا رہتا اور اس کی مجلس علم و دانش کی مجلس کہی جاتی تھی۔ اس کے دور کے ممتاز اہل علم میں عیسیٰ بن دینار، عبدالملک بن حبیب، یحییٰ بن یحییٰ، سعید بن حسان اور ابن ابو ہند وغیرہ ہیں۔ اور ہشام ان سب کی بڑی قدر کرتا اور ان کے مفید مشوروں پر عمل کرتا تھا بلکہ ڈوزی کے بقول یہ علماء اس پر حاوی تھے اور حکومت پر پوری طرح اثر انداز تھے۔

امیر ہشام کے کردار کی جھلکیاں پوری طرح نظام حکومت پر پڑ رہی تھیں۔ گو اس کا دور بہت مختصر ہے لیکن اگر بہ نظر غائر دیکھا جائے تو اسپین کے اموی دور میں بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ ملک میں امن و امان کا قائم ہونا عیسائی حکومتوں کی باجگذاری۔ عدل و انصاف۔ رعایا پروری اور احکام و قضایا اور تحصیل وصول میں قرآن و سنت کی پیروی اس کے عہد کی خاص خصوصیات ہیں ابن اثیر لکھتا ہے۔

"وہ صاحب عمل و حزم، صاحب الرائے، شجاع، عدل پرور، خیر، ارباب خیر و صلاح کا دوست دشمنوں کے لئے سخت گیر اور جہاد کا شوقین تھا۔۔۔۔۔۔ اس کے زمانے میں اسلام کو سربلندی اور کفر کو ذلت نصیب ہوئی۔۔۔۔۔ اس کے فضائل بکثرت ہیں جن کو اہل اندلس نے بیان کیا ہے"[4]

ابن القوطیہ نے لکھا ہے۔

---

[1] ابن اثیر جلد ۶ ص ۱۰۲ [2] افتتاح الاندلس ص ۴۳ و نفح الطیب جلد ۱ ص ۱۵۸ [3] ابن اثیر جلد ۶ ص ۱۰۱-۱۰۲

"ہشام نے اپنی رعایا پر ایسی نظر توجہ رکھی جس کو کسی دیکھنے والے نے اس سے پہلے نہیں دیکھا تھا۔ وہ ان سے نرمی، عدل اور خاکساری کے ساتھ پیش آتا تھا، مریضوں کی عیادت کرتا اور جنازوں میں شریک ہوتا تھا..... اور اپنے لباس اور سواری میں اعتدال قائم رکھتا تھا۔"[1]

مجموعہ اخبار اندلس میں ہے۔

"امیر ہشام بن عبدالملک صاحب خیر و فضل، سخی و کریم اپنی رعایا کے ساتھ حسن سیرت سے پیش آنے والا اور اپنی سرحدوں کی قلعہ بندی کرنے والا تھا۔"[2]

علامہ مقری رقمطراز ہیں۔

"صاحب خیر و صلاح تھا۔ بکثرت غزوات و جہاد کئے۔"[3]

امیر ہشام کا نظام حکومت تقریباً وہی رہا۔ جو عبدالرحمن الداخل کے زمانہ میں تھا۔ البتہ صوبوں اور شہروں کے والیوں اور عاملوں میں حسب ضرورت ردوبدل ہوتی رہتی تھی۔ اس کی نظر عمال حکومت کے طریق کار اور رعایا کے ساتھ ان کے سلوک پر رہتی تھی۔ اگر مظالم ہوتے تو ان کا تدارک فوراً کرتا اور ظالم عمال کو ہمیشہ کے لئے علیحدہ کر دیتا تھا۔ اپنے اعتماد کے لوگوں کو عمال کی نگرانی پر مقرر کر رکھا تھا جو ان کی تحقیقات کرتے اور امیر کو براہ راست مطلع کرتے۔ علامہ مقری نے اس سلسلہ میں لکھا ہے۔

"وہ معتبر لوگوں کو صوبوں (کوروں) میں بھیجتا تھا جو لوگوں سے عمال حکومت کے حالات پوچھتے تھے۔ اور واپس آکر ہشام کو مطلع کرتے تھے اگر عامل کے متعلق کوئی نامناسب بات معلوم ہوتی تھی تو اس کو موقوف کر دیتا تھا اور اس کی زیادتی کا تدارک کرتا تھا۔ پھر اس عامل کو کسی عہدہ پر مامور نہ کرتا تھا۔"[4]

مجموعہ اخبار اندلس میں ہے۔

"اس کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ وہ اپنے ظالم عاملوں اور کارکنوں کو ظلم سے نہایت سختی سے روکتا تھا..... عاملوں کو سزا دینے سے بھی باز نہ آتا تھا۔"[5]

امیر ہشام نے سب سے زیادہ اصلاحات صیغۂ محاصل میں کیں اور اپنے باپ سے مختلف روش اختیار کی۔ تمام غیر شرعی محاصل معاف کر دیئے گئے۔ کتاب و سنت کے مطابق ٹیکس لگائے گئے۔ اور اسی کے مطابق صدقات و زکوٰۃ کی وصولی کا حکم دیا اس کے لئے مصدق (صدقہ اور زکوٰۃ وصول کرنے والے)

[1] افتتاح الاندلس ص۴۴۲ [2] ص۱۲۶ [3] نفح الطیب جلد ۱ ص۱۵۸ [4] نفح الطیب جلد ۱ ص۱۵۸ [5] ص۱۲۱

خاص طور پر مقرر کئے۔ ابن القوطیہ لکھتا ہے۔

"تمام غیر شرعی محاصل اس نے معاف کر دیئے اور مصدق زکوٰۃ مقرر کئے"۔ ابن اثیر نے لکھا ہے۔ اس کے بہترین اعمال میں یہ ہے کہ اس نے مصدق مقرر کئے جو کتاب و سنت کے مطابق صدقات وصول کرتے تھے"۔ علامہ مقری کے مطابق۔

"اس کے محاسن میں یہ ہے کہ اس نے کتاب و سنت کے مطابق زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے مصدق مقرر کئے"۔

فوج کا شعبہ عبدالرحمٰن الداخل کا قائم کردہ طریقہ پر تھا البتہ فوج کی جملہ متعلقہ ہدایات و نگرانی کی خدمت ہشام خود اپنے ذمہ لئے ہوئے تھا اس لئے وہ کثیر الغزو الجہاد رہے یاد کیا گیا ہے۔ عدل و انصاف کا بڑا دلدادہ تھا اور بے انصافی کو قطعاً پسند نہ کرتا تھا اس کے لئے اس نے عہدہ قضاۃ پر مصعب بن عمران کو مقرر کیا تھا۔ حالانکہ مصعب الداخل کو قضا کے متعلق سخت جواب دے چکے تھے اور اس کو پسند نہ کرتے تھے لیکن ہشام کے شرعی خیالات و کردار کو دیکھ کر انہوں نے یہ عہدہ سنبھال لیا اور ہشام کے آخری دور حکومت تک اس عہدہ پر قائم رہے۔ محکمہ قضاۃ (عدالت) کی کتابت کا عہدہ بھی بڑا اہم ہوتا تھا اور اس منصب پر قاضی اپنے معتبر آدمی کو مقرر کرتا تھا چنانچہ مصعب بن عمران نے مشہور اہل علم محمد بن بشیر مغافری باجی کو اس پر نامزد کیا اور آخر وقت تک وہ اسی عہدہ پر فائز رہے۔

گو ہشام کا دور بہت مختصر تھا لیکن اس کے باوجود اس نے اسپین کی تعمیری ترقیوں میں برابر کا حصہ لیا جامع مسجد قرطبہ کی تعمیر جو الداخل نے شروع کی تھی اس کے زمانہ میں اختتام پذیر ہوئی۔ علاوہ ازیں دیگر مساجد بھی تعمیر کرائیں اور کثیر رقم ان کی تزئین و آرائش پر صرف کی قرطبہ کا مشہور پل جو سمح بن مالک خولانی نے تعمیر کرایا تھا اس کی نئے سرے سے تعمیر کی۔

الغرض امیر ہشام کا عہد مختصر ہونے کے باوجود عوام کی فلاح و بہبودی کا بے مثال دور رہے۔ اگر یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ امیر عبدالرحمٰن الداخل نے جس حکومت کی بنیاد رکھی اور دشمنوں سے اس کو محفوظ کیا اس کو امیر ہشام نے اپنی پاکباز سیرت و کردار سے اسلامی سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کی۔ اور حکومت کو عربی یا اسپینی تہذیب کے دائرہ سے نکال کر اسلامی تہذیب کے دائرہ میں لا ڈالا۔ بلاشبہ اگر عمر وفا کرتی تو مسلم اسپین ایک اسلامی حکومت بن کر روشن ستارے کی مانند چہار دانگ عالم میں چمکتا۔ اور کوئی تعجب نہیں کہ عمر بن عبدالعزیز کا دور واپس لوٹ آتا۔

افتتاح الاندلس ص۴۳۔ جلد ۶ ص۱۰۱۔ نفح الطیب جلد ۱ ص۱۵۹۔ نفح الطیب جلد ۱ ص۱۵۹۔

امیر حکم اوّل بن ہشام اوّل

۱۸۰ھ / ۷۹۶ء ——— ۲۰۶ھ / ۸۲۱ء

تخت نشینی امیر ہشام نے بھی اسی غلطی کا اعادہ کیا جو عمر بن عبدالعزیز سے ہوئی تھی جس کی وجہ سے ان کی تمام کوششوں پر پانی پھر گیا تھا یعنی ہشام نے اپنے بعد اپنے لڑکے حکم کو جانشین بنا دیا جو اس کی تمام اسلامی کوششوں پر پانی پھیرنے کے مصداق تھا۔

حکم نام ابوالعاص کنیت تھی ماں کا نام ازخرف ام ولد تھا عمر کا ابتدائی حصہ تعلیم و تربیت میں گذرا ۱۸ برس کی عمر سے حکومت کے کاموں میں حصہ لینا شروع کر دیا تھا ۳۰ سال کی عمر میں تخت پر آیا ۱۷۶ھ / ۷۹۲ء میں سرکش صوبہ طلیطلہ کا والی بنایا گیا جہاں اس کی صلاحیتوں کے جوہر کھلے۔

حکم کو حکومت ایک ایسے شخص سے ملی تھی جو خود بھی پاکباز اور متقی تھا اور دوسروں کو بھی پاکباز اور باشرع دیکھنا پسند کرتا تھا نہ صرف پسند کرتا تھا بلکہ باشرع رہنے پر سختی بھی کرتا امیر ہشام اپنی اولاد پر بھی شریعت کے معاملات میں بڑا سخت تھا اور تمام اولاد کو صوم و صلوٰۃ پر پابند کر دیا تھا ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں شہزادوں کو عیاشی اور رنگ رلیاں کہاں ملی ہونگی اور ان کے ابھرتے ہوئے عیاشانہ جذبات کو تسکین نہ مل سکی ہوگی حقیقتاً ایسا ہی کچھ حکم کے ساتھ بھی ہوا تھا چنانچہ جب وہ عین جوانی میں برسر حکومت آیا تو ایک طرف تو جوانی کی خام عقلی اور ضد دوسری طرف باپ کی مذہبی سختیوں نے مذہب سے بیزاری کے آثار اس میں نمایاں کر دیئے تھے چنانچہ جلد ہی

عیش و عشرت میں پڑ گیا اور غیر محتاط زندگی گذارنے لگا اہل قرطبہ عہد شام کو دیکھے ہوئے تھے اور تقریباً انہوں نے اپنے امیر کی اقتدا میں اپنے آپ کو دینداری کے سانچے میں ڈھال لیا تھا علماء فقہا اور صلحاء سے قرطبہ بھرا ہوا تھا اور ان کا عوام پر اور دربار پر بھی کافی اثر تھا چنانچہ حکم کی اس رندی اور عیاشی کو وہ برداشت نہ کر سکتے تھے۔ ابتداءً تو انہوں نے اس کو راہ راست پر لانے کی کوشش کی پھر رائے عامہ کا دباؤ ڈالا لیکن جب بھی وہ ضدی نوجوان نہ مانا تو اس کو معزول کرنے کی سازشیں کرنے لگے۔ انہی حالات کی بنا پر حکم کو اپنے دور حکومت میں زبردست بغاوتوں کا سامنا کرنا پڑا اور حفاظت خود اختیاری اور طبیعت کے ضدی پن کی وجہ سے اس کو جابر و ظالم سلاطین کی صف میں لا کھڑا کیا جس کی تفصیل آگے آئے گی۔

بغاوتیں

حکم نے اپنے دور میں پہلی فوجی مہم عیسائیوں کے حدود حکومت کی طرف بھیجی ۱۸۰ھ/۷۹۶ء میں یہ مہم سر ہوئی لیکن اس کے بعد اس کو جاری نہ رکھ سکا اور ملتوی کر کے داخلی بغاوتوں کی طرف توجہ دینا پڑی یہ بغاوتیں مشرقی اسپین میں رونما ہوئیں جن کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

۱۸۱ھ/۷۹۷ء میں ابوالحجاج بہلول بن مرزوق نے بغاوت کر کے سہ قطر پر قبضہ کر لیا عبیدہ بن حمید نے طلیطلہ میں خود مختاری اختیار کی حکم کا جلاوطن چچا عبداللہ اسپین میں داخل ہوا اور اس نے اپنی جماعت تیار کر کے بہلول کو بھی ساتھ ملا لیا اور شمالی اسپین کے شہر بلنسیہ پر قبضہ کر لیا اور آس پاس کے علاقے کو فتح کر کے بلنسیہ کو اس کا دارالحکومت بنایا۔ حکم نے سب سے پہلے طلیطلہ کی طرف توجہ کی اور اپنے ایک معتمد عمروس بن یوسف کو جو طلیرہ کا والی تھا طلیطلہ پر حملہ کرنے کی ہدایت کی۔ عمروس فوج لیکر طلیطلہ پہونچا اور شہر کا محاصرہ کر لیا چند لڑائیاں بھی ہوئیں لیکن عمروس کو کامیابی نہ ہوئی۔ چنانچہ اس نے طلیطلہ کے ایک بااثر خاندان بنو مخشی سے سازش کر کے عبیدہ بن حمید کو قتل کرا دیا اور بغاوت فرو ہو گئی۔ عمروس نے اپنے لڑکے یوسف کو وہاں کا والی بنا دیا۔ چند دنوں کے لئے یہ شورش دب گئی لیکن اس کے بعد یہ شہر فتنہ و فساد کا مرکز بن گیا۔[1]

۱۸۲ھ/۷۹۸ء میں حکم کا دوسرا چچا سلیمان بھی حکومت کا دعویدار بن کر طنجہ سے اسپین آیا بربروں سے اس کے تعلقات اچھے تھے چنانچہ بربروں نے اس کا ساتھ دیا عربوں میں پہلے ہی سے اس کے وفادار جماعت اس کی موجود تھی حکم خود فوج لیکر اس کی طرف قرطبہ سے چلا۔ دونوں فوجوں میں سخت مقابلہ ہوا سلیمان نے شکست کھائی اور پہاڑیوں میں چھپ گیا حکم واپس لوٹ آیا سلیمان نے ایک بار پھر اپنی طاقت جمع کی اور راستہ پر قبضہ کرنے کے لئے بڑھا۔ حکم اس کی تاک میں لگا ہوا تھا خبر سنتے ہی فوج لیکر آیا ۱۸۳ھ/۷۹۹ء میں دونوں میں پھر

---

[1] ابن اثیر ج ۶ ص ۱۰۸-۱۰۹

مقابلہ ہوا اور سلیمان اپنے لشکر کے ساتھ ایک گاؤں میں محصور ہو گیا۔ حکم نے محاصرہ کیا لیکن سلیمان بچ کر نکل گیا اور صوبہ قرطبہ کے ایک مستحکم قلعہ قریۂ خرلیش میں پناہ گزیں ہوا۔ حکم اس وقت تو واپس چلا گیا۔ لیکن ۱۸۵ھ میں پھر فوج لیکر قریۂ خرلیش پر حملہ آور ہوا۔ سلیمان نے پھر مقابلہ کیا اور شکست کھا کر بھاگا لیکن گرفتار ہو کر قتل ہوا۔ اس کے اہل و عیال کو حکم نے سرقسطہ سے بلا کر قرطبہ میں ٹھہرا دیا۔[1] چار سال تک سلیمان اور حکم میں کشمکش جاری رہی۔

مشرقی اسپین کے باغیوں میں اتحاد نہ تھا اس لئے وہ آپس میں ہی لڑنے لگے۔ سرقسطہ بہلول کے قبضہ میں تھا اس سے ۲۵ میل کے فاصلے پر ایک عرب قائد ابوعمران وشقہ پر قابض تھا۔ لبلہ عبداللہ بن عبدالرحمن الداخل کے قبضہ میں تھا۔ ۱۸۳ھ میں ابوعمران اور بہلول کے درمیان اختلاف ہوا اور نوبت لڑائی تک پہونچی۔ عبداللہ اموی نے ابوعمران کا ساتھ دیا اور بہلول کو شکست ہوئی۔ ۱۸۴ھ میں بہلول نے وشقہ پر حملہ کیا اور ابوعمران کو شکست دیکر شہر پر قبضہ کر لیا۔ عبداللہ اموی بچ کر بلبلہ پہونچ گیا اور یہیں قیام پذیر ہو گیا۔[2] حکم کو سلیمان سے فرصت نہ ملی تھی کہ توجہ دیتا لیکن باغی آپس میں لڑ کر کمزور ہو چکے تھے۔ عبداللہ نے حالات کو دیکھ کر اور پھر سلیمان کا انجام سن کر امن و امان کی زندگی گذارنے کے لئے حکم سے گفت و شنید کی۔ مشہور اہل علم یحیی بن یحیی نے بیچ میں پڑ کر دونوں چچا بھتیجے میں صلح کرا دی اور ۱۸۶ھ میں عبداللہ قرطبہ چلا آیا۔ اس کا سالانہ وظیفہ مقرر کر دیا گیا اور اس کے لڑکوں کو حکومت کے اہم عہدوں پر مامور کیا گیا۔[3]

یوم الخندق

اس کے بعد امیر حکم نے دوبارہ طلیطلہ کی طرف توجہ کی کیونکہ یہی شہر بغاوتوں کا مرکز بنا ہوا تھا۔ طلیطلہ کی بغاوت فرو کرنے کا واقعہ یوم الخندق کے نام سے مشہور ہے جو ۱۹۱ھ میں پیش آیا۔ اصل وجہ بغاوتوں کی یہ تھی کہ یہ شہر عربوں، بربروں، نومسلموں اور عیسائیوں کی مخلوط آبادی کا تھا۔ آئے دن فتنہ و فساد و ہنگامہ کرنا ان کا مشغلہ بن چکا تھا۔ فتنہ پروری میں یہاں کے عیسائی اور نومسلم پیش پیش تھے کیونکہ ان کو اپنے شہر کی قلعہ بندی اور اپنی دولت پر بڑا گھمنڈ تھا۔ اس لئے وہ لوگ ہمیشہ یہ کوشش کرتے کہ یہاں کے والیوں کو اپنی مرضی کا پابند کر لیں چنانچہ ذرا ذرا سی بات پر اطاعت کا جوا اتار پھینکتے اور مرکزی حکومت سے ذرا بھی خائف نہ تھے۔ ان کا ایک مشہور شاعر عبید طلیطلی تھا جس کا اہل طلیطلہ بڑا اعتماد کرتے کیونکہ وہ ہوشیاری سے حکومت کے خلاف ان کی رہنمائی کرتا تھا جبتک وہ زندہ رہا حکم کو اہل طلیطلہ پر کوئی کامیابی نہ ہوئی لیکن اس کے مرنے کے بعد اس نے طلیطلہ کو

[1] ابن اثیر ج ۶ ص ۱۰۹ - ۱۱۰ و ۱۱۴ [2] ابن اثیر ج ۶ ص ۱۱۳ تا ۱۱۴ [3] ابن اثیر ج ۶ ص ۱۱۹ تا ۱۲۰

طیع کرنے کا فیصلہ کرلیا۔ حکم نے ایک اسکیم تیار کی اور عمروس بن یوسف کو اس میں شریک کرلیا۔ عمروس
شیقہ کا ایک نومسلم تھا اور بنوامیہ کا دل سے خیرخواہ تھا اس نے اس مہم کو انجام دینے پر آمادگی ظاہر کردی
ر باہمی مشورہ کرکے اس اسکیم کو عملی جامہ پہنانے کی تیاریاں شروع ہوگئیں عمروس کو طلیطلہ کا والی بنا کر
ل طلیطلہ کے نام حکم نے یہ خط بھیجا۔

"میں نے عمروس کو تمہارے لئے منتخب کیا ہے جو تم ہی میں سے ہے تاکہ تمہارے دلوں کو پورا
اطمینان حاصل ہوجائے تم ہمارے جن عمال اور والیوں کو ناپسند کرتے ہو ان کو وہاں سے
ہٹا لیا ہے مجھے امید ہے کہ میرے اس عمل سے تم اپنے حق میں میرے مخلصانہ جذبات کو سمجھ سکو گے"۔

عمروس نے طلیطلہ پہونچکر اہل شہر کو رفتہ رفتہ اپنی طرف مائل کرنا شروع کردیا اور بنوامیہ کیخلاف
اپنی رائے ظاہر کی جس کے نتیجہ میں اہل شہر اس کو اپنا رہنما تصور کرنے لگے۔ طلیطلہ میں حکومت کے دفاتر
ور عہدہ داروں کی جگہ شہر کے سکونتی مکانوں سے گھری ہوتی تھی جس کی وجہ سے نہ تو وہاں کوئی بڑی فوج ٹھہر
تھی اور نہ ہی اس کی حفاظت کا کوئی بندوبست کیا جا سکتا تھا۔ عمروس نے سب سے پہلے اہل طلیطلہ
س بات پر آمادہ کیا کہ سرکاری عمال کے لئے ایک جداگانہ آبادی قائم کردی جائے تاکہ شہر والے ان کی
انگیری سے محفوظ ہوسکیں اور کچھ اس طریقہ سے شہر والوں کو رام کیا کہ وہ اس تجویز پر رضامند ہوگئے
نچہ شہر سے باہر ایک پہاڑی پر قلعہ تعمیر کیا گیا۔ اور جلد ہی خود بھی مع دفاتر کے اسی قلعہ میں چلا گیا۔ اس کے
حکم نے ایک عظیم الشان لشکر اپنے لڑکے عبدالرحمن کی قیادت میں بظاہر سرحدوں کی طرف روانہ کیا تین
وزراء بھی اس کے ساتھ شریک کردیئے کیونکہ عبدالرحمن صرف ۱۴ برس کا لڑکا تھا۔ اور ایک خط اپنے ایک
کو دیا کہ جب عمروس اور وزراء ایک جگہ جمع ہوجائیں تو یہ خط وزراء کے حوالہ کیا جائے۔ سرحدی
بہ کا راستہ طلیطلہ ہوکر گذرتا تھا جب لشکر طلیطلہ کے قریب پہونچا تو ایک دوسرے قاصد نے
طلاع دی کہ سرحد سے عیسائی بھاگ گئے ہیں فوج کی اب ضرورت نہیں۔ اس مکتوب کے ملتے ہی عبدالرحمن
کے قریب ایک مقام جیارین میں ٹھہر گیا۔ اس کے بعد اس خوفناک سازش کی تدبیریں سوچی جانے
عمروس نے شہر والوں کے سامنے شہزادہ کی خدمت میں باریاب ہونے کا ارادہ کیا اور شہر والوں کو
سمجھایا کہ سلطنت کا ولی عہد ہمارے شہر کے پاس مقیم ہے اس کی خدمت میں جانا ضروری ہے تاکہ
ری وفاداریاں مشکوک نہ سمجھی جائیں۔ طلیطلہ والوں نے نادانی سے اس مشورہ کو قبول کیا اور

شہر کے ممتاز و معززین عمروس کے ساتھ شہزادے کے پاس آئے۔ شاہزادے نے بھی ان کی خوب خاطر و مدارات کی اور قدر و منزلت کی۔ عمروس اور وزراء نے مل کر مشورہ کیا اور طے پایا کہ عبدالرحمٰن کو شہر میں لے کر پر اہل شہر کو آمادہ کیا جائے اور شہزادہ ان کے اصرار کرنے پر اس کو قبول کرے۔ اور فوج کے ساتھ شہر میں داخل ہو۔

عمروس نے اس کے مشورہ کے مطابق معززین شہر کو علیحدہ لیجا کر عبدالرحمٰن کو شہر میں داخل ہونے دعوت دینے کا مشورہ دیا تاکہ شہزادہ اپنی آنکھ سے شہر کی حالت دیکھ لے اور اس کی عظمت کا اندازہ لگا شہر والوں نے اس مشورہ کو قبول کیا اور عبدالرحمٰن کو شہر میں آنے کی دعوت دی۔ عبدالرحمٰن نے تجویز کے مطابق پہلے تو انکار کیا لیکن جب شہر والوں نے زیادہ اصرار کیا تو دعوت قبول کر لی اور اس طرح یہ عظیم لشکر شہر کی نئی سرکاری عمارت میں داخل ہو گیا۔

طلیطلہ واپس آنے کے بعد عمروس نے پہلے تو مہمانوں کی ضیافت کی جو تمام اہل شہر کی طرف سے تھی۔ دن حکومت کی طرف سے اہل شہر کی دعوت کا اہتمام کیا گیا۔ اور سرکاری عمارت کے صحن میں کھانے پکانے کا انتظام کیا گیا۔ شاہی ضیافت کے لئے شام کا وقت مقرر تھا کثیر تعداد میں لوگ مدعو کئے گئے انتظام یہ کیا گیا گروہ در گروہ لوگ داخل ہوں اور پشت کے دروازے سے نکل جائیں وسط صحن میں بڑے بڑے گڑھے کھودے گئے اور وہاں جلاد کھڑے دیئے گئے۔ آنے والے جلادوں کے حوالے کر دیئے جاتے جو ان کی گردن اڑا دیتے۔ اور جسم گڑھے میں دھکیل دیتے۔ عبدالرحمٰن مہمانوں کی پذیرائی کے لئے پاس ہی بیٹھا تھا شام سے صبح یہی تماشا ہوتا رہا۔ اور پانچ ہزار تین سو سے اوپر معززین شہر و دیہات مار ڈالے گئے صبح کے وقت لوگوں کو شبہ ہوا کہ جانے والے باہر نہیں آتے چنانچہ جلد ہی لوگوں پر راز منکشف ہو گیا شہر میں کہرام مچ گیا جنہوں نے "السیف السیف" پکارا وہ بھی پکڑ کر قتل کر دیئے گئے۔ جلد ہی آبادی میں کوئی فرد ایسا باقی نہ بچا جو مخالفت کی آواز اٹھا سکتا اس کے بعد ایک عرصہ تک اہل طلیطلہ خاموشی سے زندگی گذارتے رہے۔ قتل کئے جانے والوں کی مجموعی تعداد سات ہزار بتائی جاتی ہے۔ عبدالرحمٰن کیونکہ تمام رات یہ تماشا دیکھتا رہا اس لئے تلوار کی چمک سے اس کی آنکھوں میں غمزہ پیدا ہو گیا جو تمام عمر باقی رہا۔[1]

مشرقی اسپین کی بغاوتیں فرو ہوتی ہی تھیں کہ مغربی اسپین کا شہر مارِدہ بغاوتوں کا مرکز بن گیا اصبغ بن عبداللہ نے ۱۹۱ھ/۸۰۷ء میں اہل شہر کی حمایت سے شہر پر قبضہ کر کے اموی گورنر کو نکال باہر کیا۔

[1] ابن اثیر ج ۶ ص ۱۳۵ تا ۱۳۷ — اقتباس الاندلس ص ۴۵ تا ۴۹

حکم بلاتہ فوج لیکر پہنچا۔ ابھی شہر کا محاصرہ ہی کیا تھا کہ قرطبہ میں شورش کی اطلاع ملی۔ اور حکم فوراً واپس قرطبہ چلا آیا۔ اسی اثنا میں طلیطلہ کے قتل عام کا واقعہ پیش آیا جس کا الزامی اثر اہل ماردہ پر بھی پڑا اور ان کے دل میں بھی اطاعت کا خیال پیدا ہو چلا۔ حکم بھی برابر فوجی دستے بھیجتا رہتا تھا۔ صبغ کبھی اطاعت کر لیتا اور کبھی مقابلہ کرتا بالآخر اہل شہر عاجز آگئے اور صبغ کا ساتھ چھوڑ دیا۔ صبغ نے ۱۹۲ھ/۸۰۸ء میں حکم کی اطاعت قبول کر لی اور قرطبہ میں ہی امن سے زندگی گذارنے چلا آیا[1]۔ اس کے باوجود اہل ماردہ پھر بھی کچھ نہ کچھ شورش برپا کرتے رہے حکم بھی ان پر وقتاً فوقتاً فوجی دستے بھیجتا رہا۔ بہرصورت حال ۱۹۳ھ/۸۰۹ء سے ۱۹۶ھ/۸۱۱ء تک قائم رہی اس کے بعد اہل شہر نے اطاعت قبول کر لی[2]۔

بغاوت کا دوسرا مرکز باجہ تھا جو پرتگال کے موجودہ پایہ تخت لسبن (اشبونہ) سے جنوب مشرق میں ۹۵ میل کے فاصلہ پر تھا یہاں پر حزم بن وہب ایک سردار نے خود مختاری اختیار کی اور اشبونہ پر قبضہ کرنے کا ارادہ کیا۔ اسی اثنا میں حکم کے لڑکے ہشام نے باجہ کا محاصرہ کیا اور اس شدت سے کیا کہ باغی امان کے طالب ہوئے ہشام نے امان دی اور واپس چلا گیا[3]۔ حکم کے آخری عہد حکومت میں ۲۰۲ھ/۸۱۷ء میں شہر باجہ میں ولدنامی ایک شخص نے دعوئ حکومت کیا لیکن جلد ہی باغیوں نے ہتھیار ڈال دیئے اور ولد کو گرفتار کر لیا گیا[4]۔

۲۰۰ھ/۸۱۵ء میں شہر مورور میں ایک بربری نے سر اٹھایا لیکن حکم نے چالاکی اور تدبر سے ایک شخص کو بھیج کر اس کو قتل کرا دیا[5]۔

حکم کے زمانہ میں خارجیوں نے بھی سر اٹھایا ۱۹۰ھ/۸۰۶ء میں جزیرہ خضرا میں خوارج کے عقائد کی عام اشاعت ہونے لگی۔ حکم خود فوج لیکر پہنچا اور اس عقیدہ کو قبول کرنے والوں میں سے اکثر کو قتل کیا۔

عیسائی ریاستوں سے تعلقات

ہشام اول کی وفات کے ساتھ ہی شارلیمین شاہ فرانس اور لوئی شاہ ایکوٹین نے سرحدوں پر چھیڑ چھاڑ شروع کر دی تھی اور لوئی نے تو شہر جرندہ پر قبضہ بھی کر لیا تھا۔ حکم نے فوراً عبدالکریم بن مغیث کو ایک طاقتور لشکر کے ساتھ روانہ کیا جس نے شہر جرندہ پر قبضہ کر کے عیسائی حدود میں اپنے لشکر کو پھیلا دیا اور پورے علاقہ کو تاخت و تاراج کیا۔ یہاں تک کہ فوج کا ایک

---

[1] ابن اثیر جلد ۶ ص ۱۲۸ [2] ایضاً ص ۱۶۳ [3] ابن اثیر جلد ۶ ص ۱۳۸ [4] ایضاً ص ۲۵۲
[5] تفصیل دیکھئے مجموعہ اخبار الاندلس ص ۱۳۱-۱۳۲

دستہ خلیج بسکے کو عبور کر کے فرانس میں داخل ہوا اور بے شمار دولت حاصل کر کے واپس عبدالکریم کے پاس آگیا اس حملے میں کوہ البرانس کے پار کی عیسائی آبادی اور جنوبی فرانس کو اس بری طرح برباد کیا گیا تھا کہ اگر عبداللہ اور سلیمان کی بغاوت نہ ہوتی تو عیسائیوں کو پھر کبھی بھی حملہ کرنے کی ہمت نہ ہوتی لیکن عبداللہ اور سلیمان کی بغاوت نے ان کو پھر سنبھلنے کا موقعہ دیدیا اور انہوں نے مسلمانوں کے شہروں پر تاخت و تاراج شروع کر دی اس وقت حکم نے مجبوراً ان جارحانہ حملوں کا کوئی جواب نہ دیا[1] البتہ شاہ فرانس شارلیمین نے مسلمانوں کے جارحانہ حملوں سے سبق حاصل کیا اور کبھی سپین پر حملہ آور ہونے کا خیال تک نہ کیا لیکن اس نے فرانس کو مسلمانوں کے حملوں سے محفوظ رکھنے کی ایک ترکیب ضرور کی چنانچہ ۷۹۸ء میں الفانسو دوم سے اس نے دوستی کا معاہدہ کیا اور شاہ لوئی کے مشورہ سے کوہ البرانس کے اس پار مسلم سپین کی سرحد سے ملی ہوئی زمین پر ایک نئی ریاست بغیر اسٹیٹ کے طور پر قائم کی اور اس کا نام "اسپینش مارچ" رکھا۔ ایک فرانسیسی رئیس بوریل کو اس ریاست کا حکمران بنا کر شاہ لوئی کی سیادت میں دیدیا اور جا بجا مستحکم قلعے بھی تعمیر کئے۔ یہاں کی فوج نے مسلمانوں کے علاقے پر لوٹ مار کرنا شروع کر دی۔ امیر حکم اس وقت داخلی فتنوں میں پھنسا ہوا تھا اس لئے اس کا تدارک نہ کر سکا چنانچہ شارلیمین کے اشارے پر عیسائیوں کے ایک متحدہ لشکر نے ۱۸۵ھ/۸۰۱ء میں برشلونہ کا محاصرہ کر لیا تاکہ اس نو زائدہ حکومت اسپینش مارچ کے لئے ایک بندرگاہ فراہم ہو جائے۔ برشلونہ والوں نے قرطبہ سے امداد طلب کی لیکن کوئی امداد نہ آسکی اور محاصرے کی سختیاں شدت اختیار کرتی گئیں والی برشلونہ خود چپکے سے قرطبہ جانے کے لئے برشلونہ سے نکلا لیکن اتفاق سے گرفتار ہو گیا۔ بالآخر مسلمانوں نے عیسائیوں سے صلح کا نامہ و پیام کیا اور اس شرط پر مسلمانوں نے شہر کے دروازے کھول دینے کہ ان کو اس شہر سے ہجرت کرنے دی جائے چنانچہ مسلمانوں نے برشلونہ سے اپنا سب کچھ چھوڑ کر دیگر علاقوں کی طرف ہجرت کر گئے برشلونہ کے سقوط کے بعد اس نو زائدہ فرانسیسی حکومت کا پایہ تخت یہ شہر قرار پایا۔ اور سلیمان اور عبداللہ کی بغاوت کی بدولت یہ زرخیز علاقہ مسلمانوں کے قبضہ سے نکل گیا۔[2]

۱۸۷ھ/۸۰۳ء میں عیسائیوں نے ایک دوسرے سرحدی شہر تطیلہ کا رخ کیا۔ یہ شہر عمروس بن یوسف کی ولایت میں تھا اور اس کا لڑکا یوسف یہاں کا والی تھا تطیلہ کے کچھ نمدداروں نے عیسائیوں سے کچھ ساز باز کر کے شہر ان کے سپرد کر دیا یوسف گرفتار کر لیا گیا اور صخرۂ قیس میں قید کر دیا گیا عمروس کو جب اس کی اطلاع ملی تو ایک زبردست فوج بھیجی جس نے عیسائیوں کو بڑی تعداد میں قتل کیا اور تطیلہ پر قبضہ کر کے صخرۂ قیس

---

[1] ابن اثیر ج ۶ ص ۱۰۲ [2] اخبار الاندلس ج ۱ ص ۴۵۴-۴۵۰ ابن اثیر ج ۶ ص ۱۰۲، ۱۱۵

پر بھی قبضہ کر لیا اور یوسف کو آزاد کرا لیا کچھ دنوں کے لئے اس علاقہ پر عمروس کی دھاک لوگوں کے دلوں میں بیٹھ گئی۔

۱۹۱ھ/۸۰۷ء میں شاہ نوبی نے شمال مشرقی یمین کے شہر طرطرہ کی طرف پیش قدمی کی حکم نے عبدالرحمٰن کی سرکردگی میں ایک لشکر روانہ کیا اور عبدالرحمٰن نے راستہ ہی میں شاہ نوبی کو روک کر زبردست شکست دی اور بہت سے عیسائیوں کو قتل کیا اور کثیر مال غنیمت حاصل کیا[1] ان سختیوں کے باوجود سرحدی علاقوں میں عیسائیوں کی قتل و غارتگری جاری رہی اور امیر حکم داخلی بدامنیوں کی وجہ سے اس پر کوئی خاص توجہ نہ دے سکا البتہ ۱۹۶ھ/۸۱۱ء میں ایک ایسا اتفاقی واقعہ ہوا کہ حکم کی توجہ اس طرف مبذول ہو گئی۔ مسلمانوں کے ایک قافلہ پر وادی الحجارہ کے قریب عیسائیوں نے حملہ کر کے سب کو قتل کر دیا صرف ایک عورت کو زندہ پکڑ کر لے گئے اس عورت نے حکم کی دہائی دی جس کی اطلاع ایک شاعر عباس نے قصیدہ کے ذریعہ امیر تک پہونچائی حکم اس سے بہت متاثر ہوا اور فوراً جہاد کے لئے کوچ کیا اور عیسائی حکومت کی حدود میں شدید قتل و غارتگری کی اور بہت سے لوگوں کو گرفتار کر کے لایا اس کے بعد قیدیوں کا تبادلہ ہوا جن میں وہ فریاد کرنے والی عورت بھی واپس آئی۔ اس طرح حکم کا غصہ ٹھنڈا ہوا اس مہم کے بعد تو حکم نے مہمات کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع کر دیا اور خشکی و سمندر سے پے در پے مہمیں روانہ کرنا شروع کیں۔ ۲۰۲ھ/۸۱۷ء میں عبدالکریم بن مغیث عظیم الشان لشکر لیکر جنوبی فرانس پر چڑھ دوڑا۔ سارے جنوبی فرانس میں اپنی فوجیں پھیلا دیں جنہوں نے قتل و غارتگری کا ایک طویل سلسلہ جاری کیا اور عیسائیوں کے لئے سر چھپانے کو جگہ نہ چھوڑی۔ یہ حال دیکھکر تمام عیسائی حکمرانوں کا متحدہ لشکر دریائے آبر پر جمع ہو گیا اب دونوں فریقین کے درمیان دریا تھا عبدالکریم نے تدبیر سے اپنے آپ کو پیچھے ہٹا لیا۔ عیسائی سمجھے کہ وہ بھاگ رہا ہے اور وہ دریا عبور کر کے مسلمانوں پر حملہ آور ہوئے مسلمانوں نے فوراً پلٹ کر اتنی بے دردی سے ان کا قتل عام کیا کہ ان میں سے چند ہی بچ سکے وہ بھی گرفتار کر لئے گئے۔ لیکن اس کے باوجود بھی عیسائیوں نے پھر اپنی جمعیت اکٹھی کی اور مسلمانوں کو دریا عبور کرنے سے روکے رکھا یہاں تک کہ دریا میں طغیانی آ گئی جس کی وجہ سے عبدالکریم اپنے لشکر کے ساتھ اس سال کے ماہ ذی الحجہ میں قرطبہ واپس لوٹ گیا[2] اس کے بعد حکم کے عہد حکومت میں عیسائیوں سے کوئی لڑائی نہ ہوئی البتہ اسپانیہ کا لوپیڈ یا برطانیہ کا بیان کے مطابق شارلیمین اور حکم میں دوستانہ معاہدہ ہو گیا دونوں کی حالت جنگ کی کیفیت ختم ہو گئی۔[3]

---

[1] نفح الطیب جلد ۱ ص ۱۵۹ [2] ابن اثیر جلد ۶ ص ۱۶۳ [3] ابن اثیر جلد ۶ ص ۲۲۳-۲۲۴ [4] جلد ۵ ص ۸۹۳
(اشاریمن طبع یازدہم)

قرطبہ کا ہنگامہ اور اس کا المناک انجام

یہ بتایا جا چکا ہے کہ ہشام اوّل کی مذہبی سخت گیری نے جہاں ایک طرف اسلامی تہذیب کو ابھارا تھا وہاں پر نوجوان شہزادوں کی امنگوں اور جذبات کو کچل کر رکھ دیا تھا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جیسے ہی حکم امیر ہوا اس نے بے راہ روی اختیار کی اور اپنی خواہشات کے احترام کو مذہبی احترام پر ترجیح دی عوام ایک طرف اگر اسلامی تہذیب کے آہستہ آہستہ دلدادہ ہو رہے تھے تو دوسری طرف قرطبہ کے علما نے ان پر اپنا سکہ جما لیا تھا اور ان کے مذہبی جذبات کو اپنی مٹھی میں لے رکھا تھا حکم کی بے راہ روی پر جب کانا پھوسی شروع ہوئی اور عوام نے اس کو برے ناموں سے یاد کرنا شروع کیا تو اس کی خدا کی طبیعت میں جوش پیدا ہوا اس نے ایک طرف تو اپنی حفاظت کے لئے زبردست سامان کرنا شروع کئے۔ اور دوسری طرف علانیہ شراب نوشی اور دیگر معاصی کا ارتکاب کرنا شروع کیا جس سے عوام میں اس کے خلاف نفرت کے جذبات جڑ پکڑتے گئے۔ علماء اور صلحاء نے خاص طور پر امام مالک کے شاگرد یحییٰ بن یحییٰ لیثی نے حکم کو راہ راست پر لانے کی کوشش کی لیکن بے سود۔ عوام کا جذبۂ نفرت اس قدر بڑھا کہ ۱۸۷ھ/۸۰۳ء میں ایک مرتبہ حکم عوام کے سامنے آیا تو لوگوں نے اس پر لعنت کی اور اس کے خلاف نعرے لگائے اور پتھر برسائے اور اس کے قصر میں گھس کر قتل کرنا چاہا لیکن محافظ دستہ کی وجہ سے مجمع پر قابو پا لیا گیا۔

اب قرطبہ کے علماء و صلحاء اور بہت سے ارکان حکومت نے حکم کی بیعت سے خلع کرنا ضروری سمجھا اور ایک اموی شہزادے محمد بن قاسم معروف بہ ابن الشماش کو جو منذر بن عبدالرحمٰن الداخل کی اولاد میں تھا۔ امیر بنانے پر رضامند کر لیا۔ محمد نے تفصیل معلومات کے لئے جمعرات کو سب کو اپنے محل میں بلوایا تاکہ اطمینان سے گفتگو کی جائے۔ لیکن اس اموی شہزادے نے ان علماء و صلحاء کو دھوکہ دیا تھا ایک طرف تو وہ ان سے ملا ہوا تھا تو دوسری طرف اس نے حکم کو اس سازش کی اطلاع کر دی تھی حکم کو اس کا یقین نہ آیا اس نے محمد بن قاسم سے اس بات کا ثبوت مانگا بصورت دیگر گردن مارنے کی دھمکی دی اس نے جمعرات کو اپنے کسی معتمد کو بھیجنے کو کہا تاکہ ثبوت مل سکے حکم نے مقررہ رات کو غلام برنت اور کاتب کو بھیجا یہ جن کو محمد نے مشورہ والے کمرے کی برابر چھپا دیا تاکہ آواز آسانی سے سنی جا سکے۔

مقررہ وقت پر تمام علماء و صلحاء ابن قاسم کے محل پر جمع ہونا شروع ہوئے ابن قاسم نے ہر ایک کا نام فرداً فرداً پوچھنا شروع کیا سب لوگ اپنا نام بتاتے گئے اور کاتب اندر ان کو لکھتا گیا جب

ناموں کی تعداد غیر معمولی حد تک پہونچ گئی تو کاتب نے اتنی زور سے قلم چلایا کہ اس کی آواز باہر والوں نے سن لی اور سب کے سب ابن قاسم پر لعنت، ملامت کرتے ہوئے عجلت کے ساتھ نکل بھاگے اس وقت جو فرار ہو گیا بچ گیا ورنہ دوسری صبح تک جو اپنے گھر میں رہ گیا گرفتار کر لیا گیا۔ فرار ہونے والوں میں عیسیٰ بن دینار اور یحییٰ بن یحییٰ لیثی بھی تھے۔ گرفتار ہونے والوں میں یحییٰ بن نصر حبیبی، موسیٰ بن سالم خولانی۔ ابن ابی کعب۔ ابو یحییٰ زکریا مطرغشانی تھے۔ جو آئمہ دین میں دین کے ستون سمجھے جاتے تھے۔ علاوہ اس کے ۷۲ اور علماء و فقہاء تھے جن کو شاہی محل کے سامنے سولی پر چڑھایا گیا۔ اور مسلمانان اندلس ان بزرگوں کی برکات و فیوض سے ہمیشہ کے لئے محروم ہو گئے۔

اہل قرطبہ کے لئے یہ سانحہ عظیم تھا اور اس سے ان کے اور حکم کے درمیان اختلافات کی خلیج اور وسیع ہو گئی کیونکہ حکم نے اپنے حفاظتی دستے کی تعداد میں کافی اضافہ کر لیا تھا اور دو ہزار سوار ہر وقت محل کو گھیرے رکھتے تھے۔ اس لئے اہل قرطبہ اس بات کے منتظر رہے کہ حکم شہر سے باہر جائے اور وہ اسکے لئے شہر کے دروازے ہمیشہ کے لئے بند کر دیں چنانچہ ۱۹۸ھ میں حکم بارہ کی بغاوت فرو کرنے کے لئے گیا اور بظاہر اس کے جلد واپس آنے کے امکانات نہ تھے چنانچہ اہل قرطبہ نے بغاوت کی حکم خلاف توقع بارہ کی بغاوت کو ناتمام چھوڑ کر تیسرے دن قرطبہ واپس آگیا۔ بغاوت پر قابو حاصل کیا اور بہت سے باغیوں کو سولی پر چڑھا کر وقتی طور پر سکون کر دیا اب عوام میں اشتعال اور بڑھ گیا حکم کے فوجیوں کو نفرت کی نگاہ سے دیکھنے لگے جس سے فوج بھی عوام کے خلاف ہو گئی۔ نوبت یہاں تک پہونچی کہ مسجد کے مینار سے اذان کے بعد "الصلاۃ یا عمور" کی ندا بلند کی جانے لگی حکم کی دشمنی بھی اہل شہر سے بڑھتی گئی۔ اور وہ ان کو ستانے اور پریشان کرنے کے بہانہ ڈھونڈھنے لگے۔ مسلح غلاموں کی فوج میں اضافہ کرتا گیا۔ قرطبہ کی قلعہ بندی اس طرح کرائی کہ مخالف گروہ کے محلے حوالی قرطبہ بن گئے۔ انہی محفوظ حد بندیوں کے گرد اگرد خندقیں کھدوائیں پہلے پیداوار کا عشر وصول کیا جاتا تھا اس نے ہر اس بورے پر جو قرطبہ میں باہر سے لایا جائے عشر لگایا۔ لوگوں نے اس پر شورش کی۔ تو کچھ لوگوں کو پکڑ کر سولی پر لٹکا دیا گیا۔ آخر کار جوالا مکھی پھٹ پڑا رمضان کے مہینے ۱۹۸ھ/۸۱۳ء میں ایک فوجی اور صیقل گر کے اختلاف میں صیقل گر قتل ہو گیا عوام مشتعل ہو گئے اور "السلاح" پکارتے ہوئے شاہی محل کی طرف دوڑ پڑے اور عوام کا ایک جم غفیر محل کے محافظ فوج پر حملہ آور ہوا فوج نے کچھ دیر مقابلہ کیا پھر پیچھے ہٹتی ہوئی قصر امارت تک پہونچ گئی حکم قصر کے اندر سے تماشہ دیکھ رہا تھا اس نے بھی ہتھیار لگائے اس کے بعد مشک کی شیشی طلب کی خادم حیران ہوا تو حکم نے عزم و استقلال سے

بھر پور ایک تاریخی جملہ کہا۔ "آج کوت یا دشمنوں پر ظفر مندی کا دن ہے اگر میں مارا گیا تو میرے سر کو مقتولین کے سروں سے لیے پہچانا جائے گا۔" اس کے بعد ایک دستہ فوج لے کر میدان جنگ میں آن کود اتھوڑی دیر بعد اس نے اپنے چچازاد بھائی عبداللہ کے کان میں کچھ کہا چنانچہ وہ شہر پناہ کی پشت سے نکل کر حملہ آوروں کی پشت پر پہونچ گیا پہلے تو حوالی قرطبہ کے محلوں میں آگ لگائی اور پھر پیچھے سے حملہ آوروں پر ٹوٹ پڑا۔ لوگوں نے جب اپنے محلوں میں آگ دیکھی تو اپنے اہل وعیال کی فکر میں بدحواس ہو کر دوڑے تھوڑی دیر میں میدان صاف ہو گیا۔ فوج درندوں کی طرح آگے بڑھی۔ اور شہر کے ان محلوں پر ٹوٹ پڑی تین دن تک قتل عام، آتش زدگی اور لوٹ مار کا سلسلہ جاری رہا۔ بالآخر عبدالکریم بن مغیث کے سمجھانے سے حکم نے قتل عام موقوف کرنے کا حکم دیا۔ اور تین دن کے اندر ان محلوں کو خالی کر دینے کا حکم دیا۔ اس ہنگامہ کے سلسلہ میں علماء قرطبہ نے بیچ میں پڑ کر ناحق خونریزی کو روکنے کی ایک بار پھر کوشش کی لیکن حکم کے جذبات مشتعل تھے اس نے ان سب کو گرفتار کر کے قید میں ڈال دیا اور ایک دن ان کو قتل کرا دیا۔ بہر حال قرطبہ کے ان مصیبت زدوں کو شہر چھوڑ دینے کا حکم ہوا اور تقریباً پندرہ ہزار کے قریب مہاجرین راہ کی صعوبتوں کو برداشت کرتے لٹیروں سے لڑتے اور مرتے مارتے مغرب کے شہر فاس اور مصر کی طرف چلے گئے ان مہاجروں کے ساتھ کیا گذری یہ خلافت عباسیہ کے تذکروں میں پڑھئے۔

حکم نے قرطبہ کی بربادی کے بعد اطمینان کا سانس لیا جن لوگوں نے نمایاں کارگذاری دکھائی تھی انہیں انعامات دیتے گئے۔ وفور مسرت میں ایک طویل رجزیہ نظم خود اس واقعہ پر لکھی جو اس کے مفاخر میں شمار ہوتی ہے۔ لیکن جب اس کا غصہ ٹھنڈا ہوا تو اس کو اپنے کئے پر سخت ندامت اور افسوس ہوا اس کے بعد ہی اس کو بیماریوں نے آگھیرا۔ گو سات برس تک اور زندہ رہا لیکن ندامت و توبہ کے آنسو بہاتا رہا۔ ابن القوطیہ لکھتا ہے۔

"اس حادثہ کے بعد اس کو بیماریوں نے گھیر لیا اور سات برس تک اس کا پیچھا کیا جو اس سے سرزد ہو چکا تھا۔ اس پر توبہ و استغفار کرتا ہوا ساتویں سال کے آخر میں وفات پائی بیماری سے اس میں رقت پیدا ہو گئی تھی۔ وہ قرآن مجید کی تلاوت میں رات گذار دیتا۔"

وفات و کردار امیر حکم نے ۲۲ ذی الحجہ ۲۰۶ھ کو ۵۲ سال کی عمر میں حسرت و ندامت کے ساتھ وفات پائی اور ۲۶ سال حکمرانی کی۔ حکم دبلا پتلا لمبے قد اور

---

۱ تفصیل کے لئے دیکھئے تاریخ الاندلس ج ۱ ص ۳۸۳ ۲ افتتاح الاندلس ص ۵۱ ۳ ایضاً ص ۵۲ تا ۵۵

گندمی رنگ کا تھا طبیعت میں ضدی پن اور سخت گیری تھی۔ اور رعب داب رکھنے کا شوقین تھا۔ شان و شوکت کثرت سے بڑھاتا اور لڑکوں کو خصی کرکے خواجہ سرا بنایا کرتا تھا۔ ابن خطیب کا کہنا ہے کہ

"وہ بہت دانشمند صاحب عزم اور بڑے دبدبے کا فرماں روا تھا۔ نہایت اچھا شاعر نحوی، فصیح و بلیغ بادشاہ تھا۔"[1]

گو سخت گیری طبیعت میں تھی لیکن نرمی بھی موجود تھی ..... وہ طبعاً بہادر اور بہادری کے کاموں میں پیش پیش رہنے والا تھا کبھی کبھی لوگوں کی عیادت کو جاتا تعزیت کرتا اور جنازہ میں بھی شریک ہوتا تھا۔ لیکن علانیہ غیر شرعی حرکات کرنے سے اس کی خوبیوں پر پردہ پڑ گیا۔ اس کا دامن جلیل القدر علماء و صلحاء کے خون سے داغدار ہے علامہ ابن حزم کی روایت ہے۔

"آخر میں وہ گناہوں سے بیزار ہو گیا تھا اور توبہ کر لی تھی۔ اللہ اس کے گناہوں کو معاف کرے۔"

اس کو شعر و ادب سے بھی دلچسپی تھی۔ اچھی شاعری کرتا تھا اور اچھے اور فصیح شعراء میں اس کا شمار تھا۔[2] اس کی کئی نظمیں تاریخ میں محفوظ ہیں۔ اگرچہ زبان میں لکنت تھی جس کی وجہ سے اخرس گونگا بھی کہا جاتا تھا دینی علوم سے اس کو کوئی زیادہ مناسبت نہ تھی اور علماء سے اس کا شدید اختلاف رہ چکا تھا لیکن پھر بھی علماء و صالحین کی صحبت کو اچھا سمجھتا تھا انہیں عزت و احترام سے مجلس میں جگہ دیتا اور ان کی صحبت سے فیض اٹھاتا تھا۔ حضرت زیاد بن عبدالرحمٰن سے خاص عقیدت تھی ابن اثیر لکھتا ہے۔

"وہ فقہا اور اہل علم کو قریب رکھتا تھا۔"

دورِ حکومت حکم اندلس کا پہلا حکمران ہے جس نے فوج کے دستے شمار کے ساتھ بنائے شان و شوکت بڑھانے اپنے محل کی حفاظت کے لئے سوار مقرر کئے۔ اور جابر بادشاہوں کی طرح شاہانہ زندگی اختیار کی لیکن ساتھ ہی ساتھ جور و ظلم کا انسداد کیا۔ ڈکیتی اور چوری کو ختم کیا۔ اور حکومت کے معاملات پر پوری توجہ رکھی۔ ابن اثیر لکھتا ہے۔

"حکم صاحب حزم و مستقل مزاج تھا۔ وہ پہلا حکمران ہے جس نے اندلس میں مالیہ کی کثرت کی اور اپنے دروازوں پر سوار متعین کئے اور جابر بادشاہوں کی مانند ہو گیا۔ وہ کاموں

---

[1] احاطۃ فی اخبار غرناطہ ج ۱ ص ۳۸۰ (اردو ترجمہ) [2] ابن اثیر ج ۶ ص ۱۰۲

پر بذات خود توجہ دیتا تھا۔[1]

ابن خلدون کہتا ہے۔

"اس نے ممالیک کثرت سے جمع کئے۔ سواروں کے دستے بنائے۔ اس کی سلطنت نے ترقی کی وہ کاموں پر بذات خود توجہ رکھتا تھا..... فوجی دستے بنائے۔ اسلحہ جمع کئے۔ تعداد کا شمار رکھا حزم و حشم بڑھائے۔ اپنے دروازے پر سوار متعین کئے..... اس کے پاس چند دیکھنے والی آنکھیں تھیں۔ وہ لوگوں کے حالات سے اس کو مطلع کرتی تھیں۔ یہ وہی ہے جس نے اندلس کو اپنے جانشینوں کے لئے اچھی حالت میں سپرد کیا۔[2]

مجموعہ اخبار اندلس میں لکھا ہے۔

"امیر حکم بن ہشام شجاع۔ صاحب عزیمت اور اپنی لڑائیوں میں کامیاب ہونے والا تھا اس نے اندلس سے فتنوں کی آگ بجھا دی اور نفاق کی بنیادیں اکھیڑ دیں۔ اہل کفر ہر طرف ذلیل ہوئے وہ اپنی بہادری اور عزت نفس کے ساتھ حق کے سامنے جھکنے والا اور انصاف کے لئے اس کا اطاعت کرنیوالا خود اپنی ذات کے لئے تھا۔ پھر اس کی اولاد و خواص کا کیا شمار تھا۔ بہترین حکام کو منتخب کرتا جو پاکبازی سے حکومت کرتے تھے اور حق کے ساتھ انصاف کرتے تھے۔"[3]

ابن القوطیہ نے اپنی رائے لکھی ہے۔

"حکم بن ہشام اپنی رعایا کے لئے نیک سیرت تھا حکام و عمال کا بہتر انتخاب کرتا راستوں کو قزاقوں سے محفوظ رکھتا تھا اور پے در پے جہاد کرتا تھا۔"[4]

وزارت کے عہدہ پر عبدالکریم مغیث سرفراز تھا اور بقول ابن القوطیہ "وہ اپنی عقل و دانش و حسن رائے اور بہادری کی وجہ سے حکم پر حاوی تھا۔[5] حکم صوبوں اور شہروں کے والیوں اور عمال کی حسب ضرورت رد و بدل کرتا رہتا تھا اور چھوٹے چھوٹے معاملات پر بھی نظر رکھتا تھا۔ کچھ ایسے معتمد لوگوں کو بھی رکھا تھا جو اس کو خفیہ طور پر حالات سے آگاہ کرتے رہتے تھے ظلم کا تدارک کرتا۔ ظالم کو سزا دیتا اور مظلوم کے ساتھ انصاف کرتا تھا۔ ابن اثیر نے اس بات کی شہادت دی ہے کہ مظالم کا تدارک اور مظلوم کے ساتھ انصاف کرتا تھا۔"[6]

---

[1] ج ۶ ص ۱۰۲ [2] ابن خلدون ج ۴ ص ۱۲۷،۲۵ [3] ص ۱۲۴ [4] افتتاح الاندلس ص ۴۵ [5] ایضاً
[6] ابن اثیر ج ۶ ص ۲۶۸

عساکر

امیر حکم اپنے دادا عبدالرحمن الداخل کی طرح عربوں پر اعتماد نہ کرتا تھا اسی بناء پر اس نے غلاموں کی فوج بڑھانے میں سعی کی چنانچہ غلاموں کی پانچ ہزار فوج دارالسلطنت میں ہمہ وقت مستعد رہتی تھی۔[1] اس کے علاوہ دو ہزار سوار دریا کے کنارے شاہی محل کے سامنے کھڑے رہتے تھے۔ صاحب مجموعہ نے بیان کیا ہے۔

"اسکے دو ہزار سوار تھے جو دریا کے کنارے قصر کے بالمقابل ایستادہ رہتے تھے یہ سوار دو چھاؤنیوں میں رہتے تھے اور ہر چھاؤنی میں دس دس "عریف" مقرر تھے۔"[2]

اس کے علاوہ فوجی ساز و سامان اور فوج کے شمار و قطار کا خاص اہتمام کیا گیا فوج کی سپہ سالاری یا تو خود دیا شہزادہ عبدالرحمن یا وزیر عبدالکریم کے پاس رکھی۔ اگر حکم ان غلاموں کی فوج تیار نہ کرتا تو قرطبہ ہنگامہ میں زندہ بچنا مشکل ہوتا۔ بہرحال یہ بات قابل تعریف ہے کہ اس نے اپنی خشکی اور تری کی فوجی برتری سے فرانکس کے شارلیمین کو شکست دے کر اس بات پر مجبور کیا کہ آئین کی مسلم حکومت کی سیادت تسلیم کرلے اور معاہدہ امن کرے اس طرح آئین کی یہ مسلم حکومت اس زمانہ کی دنیا کی ایک زبردست حکومت بن گئی۔

محاصل کی وصولی کے سلسلہ میں اس نے اپنے باپ ہشام کی روش کو بدل کر کتاب وسنت کی پیروی ختم کر دیا۔ اور حسب ضرورت ٹیکس لگائے جس سے عوام اس کے خلاف ہو گئے۔ اور قرطبہ کی عظیم تباہی ایک سبب یہ بھی ہوا البتہ سب سے زیادہ حکم کی توجہ قضاء (عدالت) کی طرف تھی اور وہ اس بات کا دل سے خواہشمند رہتا تھا کہ انصاف کے معاملے میں کسی فرد و بشر سے بھی رعایت نہ برتی جائے خواہ اس میں وہ خود ہی کیوں نہ ہو۔ چنانچہ ایسے قاضی مقرر کرتا جو کسی قیمت پر انصاف فروخت نہ کرتے اس کے شروع دور میں قاضی مصعب بن عمران اس عہدہ پر تھے۔ جو کسی بھی حالت میں عدل و انصاف، دیانت داری اور جرأت کو ہاتھ سے نہ جانے دیتے ان کے مرنے کے بعد قاضی محمد بن بشیر باجی کو اس عہدے پر فائز کر دیئے گئے۔ جو بقول صاحب مجموعہ اخبار اندلس اپنے عدل اور زہد سے اپنے تمام پیشروؤں پر فضیلت لے گئے۔ حکم ان پر بڑا اعتماد کرتا تھا جب قاضی محمد بن بشیر نے ۸۱۲ھ میں وفات پائی تو ان کے بعد ان کے لڑکے سعید بن محمد بن بشیر کو قاضی بنا دیا گیا ان کا شمار بہترین قضاۃ میں ہوتا ہے۔

مختصر یہ کہ حکم بن ہشام اول کا دور پرامن نہ تھا وہ اپنے پورے زمانے میں بغاوتوں اور

---

[1] ابن خلدون ج ۴ ص ۱۲۷ [2] مجموعہ اخبار اندلس ص ۱۲۱-۱۲۰

اور لڑائیوں میں الجھا رہا صرف سات برس بیماری کی وجہ سے خاموش رہا۔ عوام کو اس سے زیادہ آرام نہ پہنچا۔ اور اس نے ابھرتی ہوئی اسلامی تہذیب کے خاکہ کو مٹا دیا وہ ایک ظالم، جابر اور عیاش حکمران تھا جس کے غندمی پن اور طبیعت کی سخت گیری نے اس کو ہزاروں انسانوں کا قاتل بنا دیا۔ لیکن سیاسی حیثیت سے وہ ایک کامیاب حکمران تھا اس نے امن و امان قائم کیا۔ فوج کو مضبوط کیا اور ممالیک سے اس کو مزید تقویت دی۔ اور حکومت کی بنیادوں کو اس قدر مضبوط کر دیا کہ آنیوالا جانشین آرام سے حکومت کر سکا۔

امیر عبدالرحمٰن الاوسط بن حکم اوّل

۲۰۶ھ / ۸۲۱ء — ۲۳۸ھ / ۸۵۲ء

تخت نشینی حکم نے مرنے سے پہلے ہی اپنے لڑکے عبدالرحمٰن کو جانشین مقرر کر دیا تھا اس لئے مرنے کے بعد اس کو ہی حکومت ملی۔ اس کا نام عبدالرحمٰن تھا اور ابوالمطرف کنیت تھی حکم جب طلیطلہ کا گورنر تھا تو یہ وہیں پر ۱۷۶ھ / ۷۹۲ء میں پیدا ہوا تھا اور ۳۱ سال کی عمر میں تخت پر بیٹھا۔ اپنے زمانہ کے خوبصورت ترین جوانوں میں شمار کیا جاتا تھا قد لمبا۔ رنگ گندمی آنکھیں بڑی اور گہری اور ڈاڑھی گھنی اور لمبی تھی۔

بغاوتیں اور ہنگامے امیر عبدالرحمٰن دوم کو اپنے باپ سے کیونکہ مستحکم حکومت ملی تھی اس لئے اس کا قوی امکان تھا کہ اس کا دور بغاوتوں اور ہنگاموں سے خالی رہے گا لیکن بدقسمتی سے اس کے آغاز حکومت ہی سے بغاوتیں اور ہنگامے شروع ہو گئے۔ لیکن یہ ہنگامے اور بغاوتیں اس نوعیت کی نہ تھیں جیسا کہ حکم کے زمانہ میں ہوئی تھیں حکم کے تقریباً ۲۰ لڑکے تھے لیکن سب ہی نے بے دل سے عبدالرحمٰن اوسط کی امارت کو تسلیم کر لیا تھا اور پورے خلوص سے اس کی رفاقت اور معاونت کی تھی اور جس بات کا ان کی طرف سے خوف تھا وہ انہوں نے نہ کی۔ عبداللہ بن عبدالرحمٰن الداخل ابھی زندہ تھا اور بلنسیہ میں اپنی جاگیر میں آرام و سکون کے دن گذار رہا تھا کہ اس کے دماغ میں ایک بار

پھر امارت کا سودا سمایا اور اس نے اپنے پوتے کے مقابلے میں اپنے استحقاق کا دعویٰ کیا اور وہ باغیوں کی ایک فوج لے کر تدمیر کی طرف بڑھا کہ اس پر قبضہ کر کے قرطبہ پر قابض ہو جائے۔ عبدالرحمٰن اوسط نے اس کو روکنے کے لئے فوراً ایک زبردست فوج بھیجی جس کو دیکھ کر وہ پھر لبلیسہ کی طرف لوٹ گیا۔ اور ابھی مزید کارروائی کیلئے سوچ رہا تھا کہ قضا آپہونچی۔ امیر عبدالرحمٰن اس کی آل اولاد کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آیا اور اس کے لڑکوں کو اہم عہدوں پر فائز کیا۔[1]

امیر حکم نے البیرہ کے حاکم کو اسکے مظالم کی وجہ سے سولی دیدی تھی کیونکہ وہ اہل ذمہ سے مال و دولت جبراً وصول کرتا تھا لیکن حکم کی موت نے اس بات کا موقع نہ دیا کہ وہ ان ذمیوں کا مال واپس کر دیتا۔ امیر عبدالرحمٰن بھی ابتدا میں بہت مصروف رہا اور اس کام کی طرف توجہ نہ کر سکا اس لئے ۲۰۷ھ میں البیرہ کے یہ مظلوم ذمی اور دیگر لوگ ایک جتھے کی شکل میں قرطبہ آئے۔ اور اپنا مطالبہ پیش کیا۔ امیر نے کچھ لوگوں کو بھیجا۔ کہ اس وقت تو سمجھا کر واپس کر دیں جلد ہی ان کا تصفیہ کر دیا جائے گا لیکن یہ لوگ شاہی خدام قصر حکومت سے الجھ پڑے اور نوبت قتل و غارت گری تک پہونچی اور بہت سے بیرونی قتل ہوئے۔

۲۰۸ھ میں اشبیلیہ میں ایک بار پھر یمانیہ و مضریہ کی [illegible] ہوئی عصبیت جاگ اٹھی اور [illegible] میں کا طویل سلسلہ شروع ہو گیا۔ دونوں فریق لادقہ میں جمع ہوئے اور دل کھول کر کشت و خون کیا جب کبھی شاہی لشکر پہونچتا یہ لوگ منتشر ہو جاتے اور شاہی فوج کے ہٹتے ہی پھر لڑائی شروع ہو جاتی تقریباً تین سال اسی طرح گذر گئے ۲۱۰ھ میں امیر نے دوبارہ اس فتنہ کو ختم کرانا چاہا اور قبائل یمانیہ کے سردار ابوالشماخ محمد بن ابراہیم سے یرغمال طلب کئے ضمانت کے باوجود بھی لڑائی نہ رکی۔ پھر امیر نے تدمیر کی مرکزیت توڑ کر مرسیہ کے صوبہ کو مرکز بنایا اور تمام سرکاری دفاتر عمال یہاں منتقل کر دیئے۔ لیکن بے سود۔ لڑائی پھر بھی جاری رہی بالآخر ۲۱۳ھ میں ایک زبردست لشکر بھیجا گیا جس نے اس خونریزی کا خاتمہ کیا ابوالشماخ کو ایک لشکر کی عہدہ دے کر تدمیر سے باہر بھیجدیا اس طرح سات سال تک یہ خونریزی جاری رہی۔[2]

طلیطلہ اور آرہ ایک عرصہ سے بغاوتوں کا مرکز بنے ہوئے تھے جس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ یہ علاقہ عیسائیوں کی کثرت کا تھا اور شمال کی عیسائی حکومتیں بھی ان کو بغاوت پر اکساتی رہتی تھیں حکم کے زمانہ میں ان علاقوں پر زبردست مظالم کئے گئے تھے لیکن یہاں کے رہنے والے اس قدر فتنہ پرور تھے۔ کہ پھر بھی بغاوتوں سے باز نہ آئے ..... موروں میں ایک۔

---

[1] ابن خلدون ج ۴ ص ۱۲۷ [2] ابن اثیر ج ۶ ص ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳

شخص تعصب نے بغاوت کی جب یہاں پر اس کی خاصی سرزنش ہوئی تو مارِدہ چلا آیا اور یہاں کے بربریوں اور نومسلموں میں خانہ جنگی کرادی لیکن خود اس میں مارا گیا اس کے خاتمہ کے بعد محمود بن عبدالجبار نے اس فتنہ کی قیادت سنبھال لی اور اس کا رُخ حکومت کیطرف موڑ دیا ۲۱۳ھ/۸۲۸ء میں باغیوں نے مارِدہ کے اموی عامل کو قتل کر دیا امیر نے ایک فوج بھیجی جس نے شہر کا محاصرہ کر لیا اور آس پاس کے علاقے کو ویران کرنا شروع کر دیا اہل مارِدہ نے عاجز آکر اطاعت قبول کی۔ امیر نے چند یرغمال لینے کے بعد ان کو امان دیدی اور آئندہ کی بغاوتوں کو ختم کرنے کے لئے فصیل شہر کو گرا دیا گیا لشکر کے واپس ہوتے ہی اہل مارِدہ نے پہلے سے زیادہ مستحکم فصیل بنالی۔ اور دوبارہ حاکم مارِدہ کو گرفتار کر کے بغاوت کر دی عبدالرحمن ۲۱۴ھ/۸۲۹ء میں خود فوج لیکر مارِدہ پہونچا لیکن ناکام واپس لوٹا البتہ اس بات کا انتظام کر دیا کہ پے در پے فوجیں اہل مارِدہ کو ہراساں اور خوفزدہ کرنے کے لئے آتی رہیں ۲۱۸ھ/۸۳۳ء میں جبکہ مارِدہ کی بغاوت کو تقریباً سات برس گذر گئے تھے عبدالرحمن خود فوج لے کر پہونچا اور اس مرتبہ کامیاب رہا۔ قریب تھا کہ فوج شہر میں داخل ہو کر قتل و غارت گری کرے کہ شہر کی عورتوں اور بچوں کی آہ و بکا نے امیر کے بندۂ رحم کو ابھار دیا اور اس نے اس بارے میں مشورہ کیا ابھی مشورہ ہی کر رہا تھا کہ اہل شہر کی طرف سے اطاعت قبول کرنے کا پیام لیکر قاصد پہونچا۔ امیر نے ان کو امان دی اور شہر کے دروازے کھول دیئے گئے۔ لیکن محمود بن عبدالجبار اور دیگر باغیان حکومت شہر سے فرار ہو گئے۔ تنہا ہی فوجی دستہ نے اس کا تعاقب کیا لیکن وہ شہر در شہر اپنے آپ کو چھپاتا پھرا یہاں تک کہ ایک قلعہ منت سالوطیں پناہ گزیں ہوا ۲۲۵ھ/۸۴۰ء میں پھر ایک لشکر اس کی سرکوبی کے لئے بھیجا گیا۔ اور محمود پھر اپنی جان بچانے کے لئے اِدھر اُدھر بھاگا۔ آخر کار اس نے مسلم سپین چھوڑ دیا۔ اور حکومت جلیقیہ کی حدود میں ایک قلعہ پر قبضہ کر لیا یہاں پر اس نے پانچ سال قیام کیا الفانسو دوم نے ۲۲۵ھ/۸۴۰ء میں اس پر فوج کشی کر کے اس کا خاتمہ کر دیا [1]

طلیطلہ بھی بغاوت کرنے میں مارِدہ سے پیچھے نہ رہا حالانکہ یہاں حکم کے ہاتھوں سخت خونریزی ہو چکی تھی۔ طلیطلہ کے باغیوں میں سے ایک شخص ہاشم ضرب کسی صورت سے امیر حکم کے ہاتھ سے بچ گیا تھا اس نے کچھ دن تو اپنی زندگی امن پسند شہری کی حیثیت سے قرطبہ میں گذارے لیکن واقعہ ربض میں باغیانہ سرگرمیوں میں حصہ لینے کی وجہ سے پھر اس کی جان کے لالے پڑ گئے۔ اور وہ طلیطلہ بھاگ آیا اہل طلیطلہ کو حکومت سے عناد تو تھا ہی ادھر سرحد کی عیسائی حکومتیں بھی ان کو بھڑکاتی رہتی تھیں۔ ہاشم نے در پردہ

[1] ابن اثیر ج ۶ ص ۲۹۰-۲۸۹ مجموعہ ص ۱۳۰-۱۳۱ ابن خلدون ج ۴ ص ۱۲۵

حکومت کے خلاف اپنی تحریک شروع کی چنانچہ ایک بار پھر باغی عناصر نے زور پکڑا طلیطلہ اور اس کے نواح کے عیسائیوں کا مذہبی تعصب بھی بڑھتا چلا گیا۔ ہاشم ضرایب نسلاً عیسائی تھا اور اس نے طلیطلہ کی پہلی تباہی دیکھی تھی چنانچہ اسی انتقامی جذبہ کے تحت آسانی کے ساتھ ایک باغی لشکر تیار کرنے میں کامیاب ہو گیا امیر اس وقت مادہ کی بغاوت میں مصروف تھا چنانچہ ہاشم نے ۲۱۴ھ/۸۲۹ء میں بعض حکومت کے وفادار قبائل پر حملہ کیا طلیطلہ کے آس پاس کے علاقوں کو لوٹا ابتدائی کامیابی نے اس کی شہرت کو دوچند کر دیا اور اس کی طاقت بڑھتی گئی۔ اس نے شنت بریہ پر بھی حملہ کر کے بربروں سے کئی لڑائیاں لڑیں۔ عبدالرحمن دوم نے ایک فوج اس کی سرکوبی کے لئے روانہ کی لیکن کوئی خاص نتیجہ برآمد نہ ہوا اور ہاشم نے موقعہ پا کر کئی اور علاقوں پر قبضہ کر لیا۔ امیر عبدالرحمن دوم نے ۲۱۶ھ/۸۳۱ء میں ایک عظیم الشان لشکر لے کر اس کی سرکوبی کے لئے آیا اور ہاشم نے حصن سمسطا کے مغرب میں اس کا مقابلہ کیا ایک خونریز لڑائی کے بعد ہاشم مارا گیا اور اس کی فوج کا بڑا حصہ برباد ہو گیا۔[1] امیر نے اب اپنی توجہ طلیطلہ شہر کی طرف مبذول کی۔ اور ۲۱۹ھ/۸۳۴ء میں اپنے بھائی امیہ بن حکم کو اس طرف بھیجا جس نے شہر کا سختی سے محاصرہ کر لیا لیکن اہل شہر پر اس کا کوئی اثر نہ ہوا چنانچہ امیہ نے قلعہ رباح میں اپنی فوج کو ٹھہرایا۔ ابوایوب بلیسرہ کو جو نومسلم تھا اس کا افسر مقرر کر کے خود قرطبہ چلا آیا محاصرہ کے اٹھ جانے کے بعد اہل طلیطلہ نے قلعہ رباح پر حملہ کیا لیکن شاہی فوج نے ان کا بری طرح قتل عام کیا۔ باقی ماندہ پھر طلیطلہ میں آکر محصور ہو گئے۔ ابن اثیر کا کہنا ہے کہ عیسائیوں کے اس قتل عام نے ابوایوب بلیسرہ کے دل پر برا اثر کیا اور وہ اس غم میں چند ہی دن کے بعد مر گیا۔[2] امیر نے ایک اور فوج بھیجی لیکن ناکام ہو کر وہ بھی قلعہ رباح میں ٹھہر گئی اور اہل شہر نے بدستور اپنی سرکشی قائم رکھی ۲۲۲ھ/۸۳۶ء میں طلیطلہ والوں نے دوبارہ قلعہ رباح کے شاہی لشکر پر حملہ کیا لیکن پھر ناکام واپس طلیطلہ آ گئے ۲۲۳ھ/۸۳۷ء میں ولید بن حکم کی سرکردگی میں ایک اور مہم بھیجی گئی جس نے نہایت سختی سے طلیطلہ کا محاصرہ کیا اہل شہر بھی اب تھک چکے تھے اور امن کے خواہاں تھے چنانچہ ایک دو مقابلوں کے بعد لشکر شاہی شہر میں داخل ہونے میں کامیاب ہو گیا اور ایک بار پھر طلیطلہ اموی حکومت کی زیر اطاعت آ گیا ولید ماہ شعبان ۲۲۳ھ/۸۳۸ء تک یہاں رہا اور ایسے انتظامات کئے کہ حالات پوری طرح پرسکون ہو گئے۔

ابن اثیر نے دو ایک اور چھوٹی چھوٹی بغاوتوں کا تذکرہ کیا ہے جن میں باجہ اور تاکرنا کی بغاوتیں بھی شامل تھیں جنہیں بالترتیب ۲۱۲ھ/۸۲۷ء میں فرو کر دیا گیا۔ ۲۳۵ھ/۸۴۹ء میں تدمیر میں محمد بن عیسیٰ کی سرکردگی

---

[1] ابن اثیر ج ۶ ص ۲۹۳، ۲۹۴ ابن خلدون ج ۴ ص ۱۳۸ [2] ج ۶ ص ۳۱۳-۱۴

میں بغاوت ہوئی جس کو عباس بن ولید نے فرو کیا ۲۳۶ھ/۸۵۰ء میں جزیرہ خضرا میں حبیب بربر نے بغاوت کی جس کو آسانی سے دبا دیا گیا ۲۳۷ھ/۸۵۱ء میں سرحدی علاقہ میں نبوت کا ایک کاذب مدعی ظاہر ہوا جو قرآنی آیات سے اپنے نبی ہونے کا ثبوت پیش کرتا تھا ایک جماعت اس کی معتقد ہو گئی۔ اس کی شریعت میں بالوں کا کٹوانا اور ناخون کا ترشوانا ممنوع تھا اس علاقے کے حاکم نے اس کو گرفتار کر کے ارتداد کے جرم میں سولی پر لٹکا دیا۔

نارمن قزاق

اس زمانہ میں شمالی یورپ اسکنڈی نیویا کی قوم قزاقی میں بہت مشہور تھی وہ بت پرست تھے اور چھوٹی چھوٹی کشتیوں میں بیٹھ کر سمندری چھاپے مارتے پھرتے تھے۔ انگلستان اور فرانس پر وہ حملہ کر چکے تھے ۲۲۹ھ/۸۴۳ء میں انہوں نے آبین کا رخ کیا پہلے جلیقیہ کو لوٹا۔ اور پھر مسلم آبین میں داخل ہو کر اشبونہ (لزبن) پر حملہ آور ہوئے اور ۱۳ دن تک اس کو تاخت و تاراج کیا پھر مغربی آبین کے جزیرہ قادس میں آ کر پھر شذونہ کو لوٹا مسلمانوں سے دونوں جگہ لڑائیاں ہوئیں بھر یہ لوگ دریا کبیر کے دہانے سے گذر کر اشبیلہ کے نواح میں آئے مسلمان اشبیلہ مقابلے کو نکلے لیکن شکست کھائی اور بڑی تعداد میں شہید ہوئے۔ قزاق اشبیلہ کی اندرونی اور بیرونی آبادی میں گھس گئے اور بڑی بے دردی سے قتل عام کیا انہوں نے اشبیلہ کی جامع مسجد کو بھی آگ لگانے کی کوشش کی اس خونریزی کے بعد وہ واپسی میں شاہی فوجی دستہ سے لڑتے ہوئے اپنی کشتیوں پر سوار ہونے میں کامیاب ہو گئے۔ غرض ان کی اسی غارت گری سے مغربی اور جنوبی آبین میں تہلکہ مچ گیا۔ عام دہشت پھیلی اور اشبیلہ والوں نے شہر کو خالی کرنا شروع کر دیا یہاں تک کہ حکومت نے توجہ کی اور سرحدی صوبہ کے والی موسیٰ بن قسی کو ان قزاقوں کی سرکوبی پر مامور کیا اس نے قرمونہ آ کر لوگوں کی دلدہی کی اور ان کی حفاظت کا وعدہ کیا اس کے بعد موسیٰ نے اپنی فوج کے ساتھ چھوٹے چھوٹے دستے جا بجا بھیجے۔ اشبیلہ کے نواح میں تقریباً ۱۶ ہزار قزاق قتل کئے گئے۔ اور اہل اشبیلہ کو اطمینان نصیب ہوا۔ کئی مقامات پر ان قزاقوں سے قیدیوں کو فدیہ دیکر آزاد کرایا گیا۔ اس کے بعد بھی یہ لوگ مختلف ساحلی مقامات پر لوٹ مار کرتے رہے۔ چنانچہ عبدالرحمٰن دوم نے انکا خاتمہ کرنے کے لئے ایک عظیم فوج بھیجی اس فوج نے اور علاقوں کے مسلمانوں نے ان قزاقوں کو بری طرح شکست دی اور ان کو قتل کیا۔ اسی اثنا میں آبین کا بحری بیڑا بھی مسلمانوں کی مدد کو پہونچ گیا اور یہ لوگ راہ میں لوٹ مار کرتے ہوئے آبین چھوڑ کر بھاگ گئے[1]۔ امیر عبدالرحمٰن دوم نے لوگوں کے نقصانات کی تلافی کر دی اور شہروں کے نقصانات کو پورا کر دیا۔ اشبیلہ کی فصیل کو از سر نو تعمیر کرایا اور مستحکم کیا۔

---

[1] تفصیل کے لئے دیکھئے تاریخ اندلس ج ۱ ص ۴۱۵-۴۱۴ نفح الطیب ج ۱ ص ۱۶۱ ابن خلدون ج ۴ ص ۱۲۹

عیسائی ریاستوں سے تعلقات

امیر کی تخت نشینی کے فوراً ہی بعد عیسائی حکومتوں نے اپنی ارشد دوانیاں شروع کر دی تھیں برشلونہ کی نوزائیدہ عیسائی حکومت "اسپنش مارچ" کے حکمران برن ہارڈ نے مسلمانوں کی حدود پر کئی جارحانہ حملے کئے۔ اور وادی ثغر کے شہر لاردہ میں خوب لوٹ مار مچائی۔ اور بہت سی آبادیوں کو تباہ و برباد کیا یہاں مسلم حکومت کی کوئی باقاعدہ فوج نہ تھی اس لئے مقابلہ نہ ہو سکا اور عیسائی لوٹ مار کر کے واپس لوٹ گئے[1]۔ امیر عبدالرحمٰن نے انہیں سزا دینے کے لئے اپنے حاجب عبدالکریم بن عبدالواحد کی سرکردگی میں ایک زبردست لشکر برشلونہ کی طرف روانہ کیا یہاں عیسائیوں نے مقابلہ کیا لیکن مقابلہ کی تاب نہ رکھتے ہوئے شہر میں محصور ہو گئے۔ مسلمانوں نے برشلونہ کا محاصرہ کیا لیکن فتح نہ کر سکے۔ البتہ اس نوزائیدہ سلطنت کے پورے علاقہ میں تباہی و بربادی پھیلا دی۔ بہت سے شہروں کو تباہ کیا۔ بہت سے قلعے فتح کئے اور بہت سی عیسائی آبادی نے جزیہ دینے کی شرط پر اطاعت قبول کر لی۔ تمام مسلمان قیدی کو آزاد کرا لیا گیا۔ عیسائیوں سے وافر مال غنیمت حاصل کر کے یہ مہم ۲۰۸ھ/۸۲۳ء میں بخیر و خوبی واپس آئی[2]۔

۲۱۰ھ/۸۲۵ء میں امیر نے ایک بڑی فوج عبداللہ بن عبدالرحمٰن الداخل کے لڑکے عبیداللہ کی سرکردگی میں اسی مہم پر روانہ کی جس نے تباہی مچانے اور قتل و غارت گری میں کوئی کمی نہ کی۔ اسی سال ایک اور مہم بھیجی گئی جس نے بعض قلعوں پر قبضہ کیا اور ایک عیسائی لشکر کا مقابلہ کر کے اس کو شکست بھی دی[3]۔ اس کے بعد ۲۱۳ھ/۸۲۷ء میں پھر برشلونہ پر فوجکشی کی گئی اور جیرندہ پر بھی حملہ کیا گیا اور عیسائیوں کو مجبور کر دیا گیا کہ وہ شہر میں محصور رہیں چنانچہ فوج دو ماہ تک قتل اور غارت گری مچاتی رہی[4]۔ ان حملوں سے یہ نوزائیدہ حکومت اپنے دارالحکومت میں محصور ہو کر رہ گئی۔ اور جن ارادوں سے شارلیمین نے اس حکومت کو بنایا تھا وہ خاک میں مل کر رہ گئے۔

شمالی اسپین کے ایک دوسرے صوبے نبرہ میں مسلمانوں کی حکومت نہ تھی ابتداً یہ علاقہ لشکنس کے علاقہ میں شامل رہا وشقہ و سرقسطہ کے مسلم صوبوں سے اس کی سرحدیں ملتی تھیں یہاں کے حکمران نے فرانس سے سرکشی کی اور اپنی آزاد حکومت قائم کر لی چونکہ اسے فرانس سے خوف تھا اس لئے عبدالرحمٰن دوم کی اطاعت میں ہی اپنی خیریت سمجھی۔ چنانچہ اس نے قرطبہ ایک سفارت بھیجی جس کا استقبال امیر

[1] اخبار الاندلس ج ۱ ص ۴۸۱ [2] نفح الطیب ج ۱ ص ۱۶۱ ابن خلدون ج ۴ ص ۱۲۶ [3] ابن اثیر ج ۶ ص ۲۸۲ [4] ابن اثیر ج ۶ ص ۲۸۶

کی طرف سے اس کے رتبے کے مطابق ہوا۔ دونوں حکومتوں نے تعلقات استوار کرنے کے لئے ایک معاہدہ کیا جس کی رو سے اگر حکومت نبرہ پر کوئی حملہ کرے تو حکومت مسلم اسپین اس کی مدد کرے گی اور حکومت نبرہ مسلمانوں کو کوہ البرانس کے اس پار جانے کے لئے گذرگاہ کی آسانیاں بہم پہونچائیگی۔ اس معاہدہ سے طرفین کو فائدہ ہوا اور جب حکومت نبرہ پر کاونٹ ابلس حملہ آور ہوا تو مسلمانوں نے اور نبرہ کے عیسائیوں نے مل کر اس کی فوج کو اس طرح تباہ کیا جس طرح شارلیمین کی فوج برباد کی جا چکی تھی۔[1] ایک گاتھ افسر ایزون (Aixon) سلطنت فرانس سے ناراض ہو کر اسپنش مارچ چلا آیا اور فرانسیسیوں اور کاونٹ آف برشلونہ کے خلاف مہم کا آغاز کیا اس نے اپنے بھائی کو قرطبہ بھیجا تاکہ امداد طلب کرے۔ امیر عبدالرحمن نے عبیداللہ اموی کو لشکر کثیر کے ساتھ اس کی مدد کو روانہ کیا۔ اس لشکر نے اسپین کے شمال مشرق کے اس حصہ کو جو فرانس کے ماتحت تھا بری طرح تاخت و تاراج کیا اور بہت سے قیدی اور وافر مال غنیمت لیکر واپس آیا۔ ۲۲۴ھ ۸۳۹ء میں ان ہی مقامات پر دوبارہ فوجکشی کی گئی اور لاتعداد عیسائیوں کو تہ تیغ کیا گیا۔ یہاں تک کہ کاونٹ آف برشلونہ کے قبضہ میں ایک بار پھر برشلونہ اور جرندہ باقی رہ گئے۔ فرانسیسی لشکر مقابلہ کے لئے چلا لیکن جب قرطبہ سے مزید امداد طلب کر لی گئی تو فرانسیسی فوج بغیر مقابلہ کے واپس چلی گئی۔

مسلمانوں کے ان حملوں اور عیسائیوں کے قتل عام نے عیسائی حکمرانوں میں حرکت پیدا کر دی چنانچہ ۲۲۴ھ ۸۳۹ء میں شاہ لوئی مدینہ سالم پر حملہ کرنے کے لئے روانہ ہوا۔ سرحدی صوبہ کے گورنر فرتون بن موسیٰ نے راہ میں اس کو روک کر مقابلہ کیا۔ ایک خونریز لڑائی کے بعد عیسائی فرار ہوئے۔ مسلمان تعاقب کرتے ہوئے عیسائی حدود میں داخل ہو گئے اور ایک جنگی قلعہ کو فتح کر کے مسمار کر دیا۔[2] اس کے بعد امیر عبدالرحمن نے اس عیسائی فتنہ کو ختم کرنے کے لئے فرانس پر عام فوج کشی کرنے کا ارادہ کر لیا لیکن ملک کے داخلی معاملات کی وجہ سے یہ مہم ملتوی کر دی گئی۔[3]

حکومت جلیقیہ اور مسلم اسپین کے درمیان جو تعلقات قائم ہوئے تھے وہ جلد ختم ہو گئے اور امیر عبدالرحمن دوم نے شوق جہاد میں ۲۲۵ھ ۸۴۰ء میں بلاد جلیقیہ کے بہت سے قلعوں پر قبضہ کر لیا اور فوجوں کو تمام حدود حکومت جلیقیہ میں پھیلا دیا جنہوں نے سخت تباہی مچا دی۔ بہت سے قیدی اور مال غنیمت جمع کیا گیا۔ ایک عرصہ تک اس غارت گری کا سلسلہ قائم رہا بالآخر یہ فوجیں واپس بلا لی گئیں۔[4] الفانسو دوم کی زندگی میں اس سلطنت پر یہ آخری حملہ تھا اس نے ۲۲۷ھ ۸۴۲ء میں وفات پائی اور رومیرو II

---

[1] اخبار الاندلس ج ۱ ص ۴۸۴ [2] ابن اثیر ج ۶ ص ۳۶۱ [3] اخبار الاندلس ج ۱ ص ۴۸۸ [4] ابن خلدون ج ۴ ص ۱۲۹

(Ramiro) اس کا جانشیں ہوا۔[۵]

۲۳۶ھ یا ۲۳۷ھ/۸۴۱ء یا ۸۴۲ء میں سرحدی قلعہ تطیلہ کے عامل موسیٰ بن موسیٰ کو عیسائی علاقوں میں فوج کشی کی خدمت سونپ دی گئی۔ اس کی وجہ شاہ لوئی کا حملہ تھا جس کے جواب میں عبدالرحمٰن دوم نے موسیٰ بن موسیٰ کو منتخب کیا تھا موسیٰ نے سرحد پار کر کے اربونہ پر قبضہ کر لیا اربونہ اور شریطانیہ کے درمیان عیسائیوں کو شکست دی۔ اور وہ فرار ہو گئے۔ مسلم افواج زر کثیر اور وافر مال غنیمت کے ساتھ واپس لوٹ آئیں۔[۱] اس عرصے میں لشکر کے ایک افسر جریر بن موفق سے موسیٰ کا اختلاف ہو گیا اور جریر نے اپنے اثر و رسوخ کو استعمال کر کے موسیٰ کو دربار قرطبہ میں نیچا دکھایا۔ موسیٰ بغاوت پر آمادہ ہوا اور تطیلہ میں اپنی خودسری کا اعلان کر دیا۔ موسیٰ نے اس کا ساتھ دربار قرطبہ سے موسیٰ کی سرزنش کے لئے ۲۲۸ھ/۸۴۳ء میں حارث بن بریغ کو بھیجا گیا حارث نے برجہ کے مقام پر موسیٰ کو شکست دی۔ موسیٰ نے اپنے لڑکے الب کو برجہ پر قبضہ کرنے کے لئے روانہ کیا۔ حارث دوبارہ آیا اور شہر پر قبضہ کر لیا۔ اس لڑائی میں الب مارا گیا۔ حارث تطیلہ پہونچا لیکن موسیٰ نے صلح کر لی۔ اور تطیلہ چھوڑ کر اربیط چلا گیا۔ چند دن کے بعد حارث نے اربیط پر حملہ کر دیا۔ موسیٰ نے حکومت نبرہ کے بادشاہ غرسیہ سے مدد مانگی۔ دونوں نے مل کر حارث کو شکست دیکر گرفتار کر لیا اور تطیلہ پر قبضہ کر کے بنو قسی کی آزاد حکومت کا اعلان کر دیا۔ امیر عبدالرحمٰن نے اپنے لڑکے محمد کو ایک فوج دیکر بھیجا جس نے ۲۳۹ھ/۸۵۳ء میں تطیلہ کا محاصرہ کر لیا موسیٰ نے اطاعت کر لی اور محمد نے اس کا قصور معاف کر کے اس کو دوبارہ تطیلہ کا والی بنا دیا۔ محمد نے پھر نبرہ کے شاہ غرسیہ کو معاہدہ کی خلاف ورزی کی سزا دینے کے لئے فوراً اسد کے دارالحکومت پمپلونہ پر حملہ کیا۔ عیسائیوں نے جنگ کی اور غرسیہ مارا گیا۔ موسیٰ نے پھر سرکشی کی لیکن شاہی لشکر کے آتے ہی اطاعت قبول کر لی۔ اور اپنے لڑکے اسماعیل کو بطور یرغمال امیر کے پاس بھیجدیا۔ چند سال بعد اسماعیل قرطبہ سے فرار ہو کر موسیٰ سے آملا اس کی آمد کے بعد ہی موسیٰ نے پھر بغاوت کر دی ۲۲۲ھ/۸۴۶ء میں محمد نے پھر ایک زبردست لشکر لے کر اس پر فوج کشی کی لیکن موسیٰ نے اطاعت قبول کر لی۔ اور اس کے بعد اس کے ذہن میں بغاوت کا خیال تک نہ آیا۔ اسلامی سرحدات کی حفاظت ایک بار پھر اس کو سونپ دی گئی۔[۲]

عیسائی حکومتوں سے آویزش بدستور قائم رہی ۲۳۱ھ/۸۴۵ء میں حکومت جلیقیہ پر حملہ کیا گیا یہاں تک کہ مسلمان شمالی اسپین کے شہر لیون تک جا پہونچے شہر پر سخت تباہی آئی اور شہر والے شہر چھوڑ کر بھاگ گئے۔ کثیر دولت مسلمانوں کے ہاتھ آئی۔ اور شہر کو برباد کر کے فصیل کو جگہ جگہ سے توڑ دیا گیا۔ مسلمان کثیر مال غنیمت

---

[۱] ابن اثیر ج ۶ ص ۳۷۰ [۲] نفح الطیب ج ۱ ص ۱۶۱ [۳] ابن اثیر ج ۶، ص ۳۳۰-۳۳۶ ابن خلدون ج ۴ ص ۱۲۹

لے کر واپس آگئے۔ امیر عبدالرحمٰن دوم اور رومیرو دونوں کی زندگی میں جلیقیہ پر یہ آخری حملہ تھا۔ رومیرو نے ۸۴۹ء/۲۳۵ھ میں وفات پائی اور اس کا جانشین اورڈینو ہوا جس نے لیون کو پھر آباد کر کے مستحکم کیا۔[1] ۲۲۵ھ سے ۲۳۸ھ تک یعنی امیر عبدالرحمٰن کی وفات تک مندرجہ بالا مہمات کے علاوہ دیگر مہمات بھی سر کی گئیں۔ ۲۳۵ھ/۸۲۹ء میں المنذر بن عبدالرحمٰن نے کوہ البرانس کے علاقہ اور البہ (الارہ) میں غارت گری مچائی۔[2] مسلم اسپین کے بحری بیڑے نے بھی فرانس پر فوج کشی کی ساحل فرانس پر فوجوں نے اتر کر اندرونی حصہ کو خوب لوٹا اور مارسیلز کے مضافات کو بھی تاخت و تاراج کیا۔[3]

۲۳۶ھ/۸۵۰ء میں عبدالکریم نے برشلونہ پر قبضہ کر لیا اور جرندہ اور اس کے مضافات کو خوب تاخت و تاراج کیا۔ امیر عبدالرحمٰن کے زمانہ میں آخری حملہ ۲۳۷ھ/۸۵۱ء میں ہوا جس میں مسلمانوں کو کامیابی حاصل ہوئی۔ برشلونہ اور اس کے نواح کا علاقہ عبدالرحمٰن کے زمانہ میں گو پوری طرح اقتدار میں آگیا تھا لیکن یہ قبضہ بھی دیرپا ثابت نہ ہو سکا اور جلد ہی یہ علاقہ مسلمانوں کے قبضہ سے نکل گیا۔[4]

عیسائیوں کی جنونی تحریک

کسی بھی تحریک کے بیان کرنے سے پہلے یہ بہتر ہوتا ہے کہ اس تحریک کے پس منظر پر بھی تاریخی نظر ڈالی جائے جس سے اس تحریک کے حال و مستقبل کو سمجھنے میں آسانی ہو جاتی ہے۔ عیسائی تحریک کے سلسلے میں یہ بات دلچسپی سے خالی نہیں کہ جہاں عرب مورخین نے اسکا اجمالی تذکرہ کیا ہے وہاں عیسائی مورخین نے اسکو تفصیل سے بیان کیا ہے اگر تاریخی لحاظ سے اس تحریک کا غائر مطالعہ کیا جائے تو عیسائیوں کے اس جنونی موقف پر تعجب نہیں ہوتا۔ یہ ضرور ہے کہ اس تحریک میں شرکت کرنے والوں کی تعداد زیادہ نہ تھی اور نہ ہی اسکو مقبولیت عام حاصل ہو سکی لیکن کیونکہ اسکا تعلق ایک خاص مذہبی فرقہ سے تھا اور اسکے اثرات بھی دور رس نکلے اس لئے اس کا بیان کرنا بے معنی نہ ہوگا۔ یہ تحریک عیسائیوں کی تحریک کہی جاتی ہے۔ یہ کیونکر ابھری؟ اس کی تفصیل اس طرح ہے جیسا کہ دوسرے باب میں بیان کیا جا چکا ہے کہ عربوں کے اسپین میں مستقل قیام اور حکومت کے استحکام کی وجہ سے وہ عیسائی جو یہ توقع لئے بیٹھے تھے کہ عرب لوٹ مار کر کے واپس لوٹ جائیں گے سخت مایوس ہوئے لیکن بعد میں انہوں نے مسلمانوں کی رواداری اور حسن سلوک سے یہ اندازہ کر لیا کہ نئے آقا، پرانے گاتھ اور رومی آقاؤں کی نسبت بہتر ہیں۔ چنانچہ انہوں نے مسلمانوں کی سیادت کو تسلیم کر کے حکومت کے معاملات میں پورا پورا ہاتھ بٹایا۔ کثرت سے عیسائی مسلمان بھی ہو گئے۔ اسلام کی تعلیمات نے ان کو مسلمان تو بنا دیا لیکن جب انہی تعلیمات

---

[1] ابن اثیر جلد ۷ صفحہ ۱۶ [2] ایضاً جلد ۷ صفحہ ۱۳۷ [3] اخبار الاندلس ج ۱ صفحہ ۴۹۲ [4] ابن خلدون ج ۴ صفحہ ۱۳

کی روشنی میں نہوں نے عربوں سے اپنے اسلامی حقوق طلب کئے۔ اور ان کے حصول میں جب ناکامی ہوئی تو انہوں نے بھی یہ وطیرہ اختیار کر لیا کہ عرب مسلمانوں کو اپنے معاملات میں دخل نہ ہونے دیا۔ وہ یہ دیکھ رہے تھے کہ عرب زندگی کے ہر شعبہ میں خواہ وہ سیاست ہو یا معاشرت یا ملکی محکمے سب طرف پھیلے ہوئے ہیں۔ فوج میں عربی نیابت کی کثرت اور تجارت میں عربوں کی بہودنوازی سے ان نومسلموں میں عربوں کے خلاف مزید بے چینی پھیل گئی۔ ایک عرصہ تک نومسلم اور دل برداشتہ عیسائی خاموشی سے حالات کا جائزہ لیتے رہے اور جب ان کو اچھی طرح یہ پتہ چل گیا کہ یہ عرب جبری طرح عصبیت کے شکار ہیں۔ خود بھی کبھی امن و سکون سے نہیں رہتے۔ تو ان کو حقوق کہاں سے دیں گے۔ چنانچہ ادھر عربوں میں خانہ جنگی شروع ہوئی اور ادھر انہوں نے ایک دور دراز پہاڑی علاقے میں اپنی بستی آباد کر کے اپنی حکومت قائم کر لی۔ یہ حُر بن عبدالرحمٰن ثقفی کا دور ولایت تھا۔ اس نوزائدہ کمزور حکومت پر آگے چل کر آزاد عیسائی حکومت اسٹریاس (اشتوریہ) کی بنیاد پڑی جس نے بعد میں حکومت جلیقیہ کا نام پایا۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو اسپین میں عیسائیوں کے جذبات کی نمائندگی اس حکومت کے قیام سے ہوتی ہے عربوں نے اپنی عصبیت کے زعم اور خود سری میں اس اہم مسئلہ کی طرف کبھی دھیان نہ دیا اور وہ بدستور اس فکر میں رہے کہ عرب تہذیب کی بنیادوں کو مستحکم کر دیں بلاشبہ ایسا ممکن ہو جاتا لیکن وہ خود بھی شدید اختلافات میں الجھے ہوئے تھے اس لئے اجتماعی طور پر ان سے کارکردگی کا اظہار ممکن نہ تھا چنانچہ ایسے ملک میں جہاں رنگ، نسل اور مذہبی اختلاف کی خلیج حائل ہو اس وقت قدیم ثقافتی اور سیاسی زندگی کو یک لخت ختم کر کے ایک نئی تہذیب کا ارتقاء کوئی آسان کام نہ تھا صرف اسلامی تہذیب میں ہی وہ صلاحیتیں تھیں کہ قومیت کے بجائے مذہب کی بنیادوں پر تمام مختلف النوع اقوام و ملل کو یکجا و متحد کر سکتی تھی لیکن وہ بھی مسجدوں، مدرسوں یا عالموں کے گھروں میں مقید تھی..... عربوں اور بربروں کی آپس کی کشمکش سے حکومت جلیقیہ کے عیسائیوں نے جو فائدہ اٹھایا اس کے متعلق ہم یوسف اور عبدالرحمٰن الداخل کے دور میں پڑھ آئے ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ اگر عبدالرحمٰن الداخل اسپین میں وارد نہ ہوتا اور حکومتیں بنو امیہ کی بنیادیں نہ ڈالی جاتیں تو کوئی تعجب نہ تھا کہ سو برس کے اندر اندر عیسائی مسلمانوں کو واپس افریقہ پہونچا دیتے۔

عبدالرحمٰن نے عیسائیوں کی اچھی طرح گوشمالی کی تھی اور ان کی طاقت کو تقریباً ختم کر کے رکھ دیا تھا۔ الداخل ہی نے سب سے پہلے اس بات کا اندازہ کر لیا تھا کہ عیسائیوں اور نومسلموں کی خفگی کے اسباب

کیا ہیں؟ چنانچہ اس نے عربوں کے ساتھ ساتھ بربروں، غلاموں اور اس ملک کے قدیم رہنے والوں کو حکومت کے معاملات میں کسی طور پر شریک کر لیا تھا اس وقت کسی صورت میں یہ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ اسپین کی حکومت بنو امیہ خالص عربی حکومت تھی ہشام اول کے دور میں علماء و فقہا نے مدرسوں و مسجدوں سے نکل کر ایک بار پھر یہ کوشش کی کہ اسلامی تہذیب کو بلند کیا جائے۔ جیسا کہ عمر بن عبدالعزیزؒ کے دور میں ہوا تھا لیکن حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے زمانہ کی غلطی کو یہاں پھر دہرایا گیا وہ یہ کہ حکومت موروثی رہی اور جمہور کے انتخابی اختیارات کو واپس نہ دلایا گیا جس کا لازمی نتیجہ حکم اول کے ردعمل میں ظاہر ہوا اور اسلامی تہذیب کے علمبردار بے دردی سے قتل کئے گئے اور ان کی اہمیت کو بجز ختم کرنے کی کوشش کی گئی ہشام اول کے دور میں اسلام کی زبردست تبلیغ نے اور حکم اول کی شدید تادیبی کارروائیوں نے نومسلموں اور عیسائیوں دونوں کو اپنے مستقبل کے بارے میں سوچنے پر مجبور کر دیا۔ اندرون ملک تو یہ حالات رہے بیرونی ممالک سے اندرون ملک کے عیسائیوں کی ہمدردیوں اور امداد کا سلسلہ جاری رہا شمالی عیسائی حکومتوں میں عیسائیوں کے بے دریغ قتل عام نے بھی مسلم اسپین کے عیسائیوں کو غم و غصہ سے بھر دیا۔ طلیطلہ اور اردہ عیسائیوں کے مراکز تھے۔ ان دونوں شہروں میں جو قتل و خونریزی ہوئی اس کا تذکرہ کیا جا چکا ہے غرضکہ حکومت کی پالیسیوں اور مسلمانوں کے تشدد اور تساہل نے ان نومسلموں اور عیسائیوں کو شدید طور پر احساس کمتری میں مبتلا کر دیا۔ ان کے پاس اتنی طاقت نہ تھی کہ حکومت سے مقابلہ کرتے۔ اس لئے غم و غصہ میں ایسی حرکتیں کرنے لگے جو مذہبی کم اور جنونی زیادہ تھیں۔ عیسائی مورخ لین پول عیسائیوں کی اس جنونی تحریک کے سلسلے میں رقمطراز ہے کہ "اندلس میں عیسائیوں کو اپنے مذہبی مراسم آزادی کے ساتھ انجام دینے کی جو رعایتیں حاصل تھیں اس کا نتیجہ برعکس نکلا۔ اندلس کے پادری کلیساؤں کے عہد رفتہ کے اقتدار کو پھر بحال کرنا چاہتے تھے کیونکہ مسلمانوں کے اقتدار نے ان کی مذہبی بے راہ روی کو ختم کر دیا تھا لیکن مسلم حکومت کی رواداری سے ان کو اس بات کا موقعہ نہ مل سکا کہ وہ عام عیسائی رعایا کے جذبات کو بھڑکا سکیں چنانچہ اب انہوں نے یہ رخ اختیار کیا کہ غالی عیسائیوں کی ایک جماعت میں یہ خیالات پیدا کئے کہ مذہب کی اصل روح ریاضت اور تکالیف اٹھانے سے پیدا ہوتی ہے۔ اس لئے حکمرانوں کے مذہبی جذبات کو مشتعل کر کے اپنے جسم اور گوشت پوست کو تکالیف پہونچائی جائیں تاکہ روح کا تزکیہ ہو سکے اور گناہوں کی تلافی بھی ہو اس تحریک کا بانی قرطبہ کا ایک خاندانی راہب یولوجیس (Euloguis) تھا۔ وہ اپنی شقت، مجاہدہ

اور راہبانہ زندگی کی وجہ سے عیسائیوں میں عقیدت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا اس نے چند نوجوان فدائی تیار کئے کہ اپنی روح کو پاک کریں اور دین اسلام اور اس کے بانی حضرت (علیہ السلام) پر سب وشتم کریں اسلامی قانون کی رو سے ایسا کرنے والے کی سزا قتل تھی چنانچہ حکومت سب وشتم کے بدلے میں انہیں گرفتار کرلے گی جو عین سنت عیسیٰ ہے۔ اور وہ اپنی جانوں کو قربان کرکے شہادت کا مرتبہ حاصل کریں گے۔ یولوجیس کی یہ تحریک کامیاب نہ ہوئی اگر قرطبہ کا ایک دولت مند نوجوان الوارو (Alvaro) اور ایک حسین دوشیزہ فلورا اس میں شریک نہ ہوتے۔ فلورا کا باپ مسلمان اور ماں عیسائی تھی باپ کا انتقال ہوگیا تھا ماں نے بچوں کو تعلیم و تربیت دلائی۔ فلورا کا بھائی تو اسلام پر قائم رہا لیکن ماں نے فلورا کو عیسائیت کی وہ پرورش تعلیم دی تھی یولوجیس کی تبلیغ اور انجیل کے مطالعہ نے فلورا کے عیسائی جذبات کو برانگیختہ کردیا اور وہ بھاگ کر عیسائیوں کے پاس پناہ گزیں ہوگئی جب اس کے فرار کی ذمہ داری عیسائی پادریوں پر ڈالی گئی اور ان پر سختی کی گئی تو فلورا واپس گھر آگئی اور اپنے عیسائی ہونے کا برملا اعلان کردیا بھائی نے اس کو بہت سمجھایا اور ڈرایا مگر بے سود چنانچہ معاملہ شرعی عدالت میں آیا اور قاضی نے اسے دنے لگوائے اور اس کو گھر واپس کیا کہ وہ اسلام کی تعلیم حاصل کرے گھر واپس آنے کے کچھ دن بعد فلورا پھر بھاگ کر کسی عیسائی کے یہاں روپوش ہوگئی۔ یہاں پہلی مرتبہ اس کی ملاقات یولوجیس سے ہوتی اور کہا جاتا ہے کہ دونوں کے دلوں میں مسیحی رشتوں کی معصوم اور پاک محبت پیدا ہوگئی لیکن فلورا کے حسین ہونے کے بعد یہی کہا جاسکتا ہے کہ فلورا نے اس کو مسیحی رشتے کی پاک محبت سمجھا ہو تو خیر ورنہ یولوجیس درحقیقت اس کے عشق میں مبتلا ہوگیا تھا اس کے تاثرات جو پہلی ملاقات کے بعد ہوئے ان سے اس کا ثبوت مل سکتا ہے۔

"اے مقدس ہیں۔ تو نے مجھ پر یہ کرم کیا کہ تو نے مجھ کو اپنی وہ گمراہی دکھائی جو دروں کی چوٹ سے پاش پاش ہوچکی تھی اور وہ خوبصورت بیٹیں کاٹ دی گئی تھیں جو کبھی اس پر لٹکا کرتی تھیں۔ یہ اس لئے کہ تو نے مجھے اپنا روحانی باپ سمجھا اور تو نے مجھے اپنی طرح پارسا اور مخلص یقین کیا میں نے ان زخموں پر آہستہ سے اپنا ہاتھ رکھا میں نے چاہا کہ میں انہیں اپنے لبوں سے اچھا کردوں۔ کیا میں جسارت کرسکتا تھا..... جب میں تجھ سے جدا ہوا تو میں اس شخص کی مانند تھا جو خواب میں جیل قدمی کرتا ہو اور نہ ختم ہونے والی آہ وزاری کرتا ہو۔"

اب اس تحریک کی تعلیمات کا عملی نتیجہ شروع ہوا۔ ایک شخص پادری پرفکٹس نے عین عید کے دن مسلمانوں کے مجمع میں گھس کر دین اسلام اور بانیٔ اسلام کی شان میں ناروا الفاظ کہے۔ مسلمان مشتعل ہو گئے اور اس کو مار ڈالا۔ قرطبہ کا پادری اس کی لاش اٹھا کر لے گیا۔ اور عیسائیوں کی طرف سے اس کو ولی کا درجہ عطا ہوا۔ اسی دن دو مسلمان دریا میں ڈوب گئے جس کو عیسائیوں نے خدائی انتقام قرار دیا۔ پھر اسی سال عبدالرحمٰن اوسط کے مقرب خادم نصر کی موت ہوئی اور نعوذ باللہ یہ مسلمانوں سے خدا کا دوسرا انتقام تھا۔

ایک دوسرے پادری اسحاق (Isaac) نے قاضی عدالت کے سامنے اسلام کو برا بھلا کہنا شروع کیا۔ قاضی نے طرا پچہ مار کر تنبیہ کی تو جواب دیا کہ خدا فرماتا ہے کہ "مبارک ہیں وہ لوگ جو دینداری کے لئے ستائے جاتے ہیں" آسمان کی بادشاہت ان ہی کے لئے ہے" چنانچہ اپنے کئے کی سزا پائی اور عیسائیوں میں ایک دوسرے ولی کا اضافہ ہوا۔

اس کے بعد قصر شاہی کے ایک پہرے دار سینکو کے دماغ میں یہ سودا سمایا۔ اور شان رسالت مآب میں گستاخیاں کیں۔ اور قتل ہوا اس کے بعد یہ سلسلہ شروع ہو گیا اور ۸۵۱ء کے سال میں گیارہ عیسائیوں نے اپنی گندہ ذہنی اور بدزبانی کو نجات کا ذریعہ بنا کر اپنی جانیں ضائع کیں۔ لین پول کا یہ بیان ہے اگرچہ گیارہ آدمیوں نے اپنی جانیں اس احمقانہ تحریک کے لئے دیں لیکن پھر بھی قرطبہ کے عیسائیوں کی اکثریت نے اس کو ناپسند کیا چنانچہ یہ تحریک پادریوں سے نکل کر عوام میں مقبول نہ ہو سکی۔ سمجھدار عیسائیوں نے اسلامی حکومت کی رواداری اور ان کے ساتھ مسلمانوں کے شریفانہ طرز عمل کو یاد دلایا اور یقین دلایا کہ مسلمان اپنی وسعت قلب کے باوجود اس بدزبانی کو برداشت نہ کریں گے علاوہ ازیں ایسی خودکشی عیسائیت کے نقطہ نظر سے روا نہیں۔ انجیل مقدس کی یہ تعلیم بھی ہے کہ "بدزبانی کرنے والے آسمانی بادشاہت میں داخل نہ ہوں گے" یوحنا جیسی اعتراضات کے جوابات دیتا رہا۔ لیکن پھر بھی متعصب پادریوں کے علاوہ کوئی اور اس کا ہمنوا نہ بن سکا یہاں تک کہ پادریوں نے بھی اس تحریک کی مخالفت شروع کر دی۔ اشبیلیہ کے اسقف اعظم نے ایک مجلس منعقد کر کے اس تحریک کی مذمت کی اس کے بعد اس تحریک کے سرگرم ارکان قید کر لئے گئے بظاہر یہ تحریک بڑی حد تک دب گئی لیکن اتفاق سے فلورا کی ملاقات اسحاق پادری کی بہن میری سے ہوئی جس نے ایک بار پھر اس کو آسمانی بادشاہت میں جانے کے لئے تیار کر لیا چنانچہ دونوں لڑکیاں قاضی کے سامنے آئیں اور شان رسالت مآب میں گستاخی کرنا شروع کی۔ قاضی نے پہلے تو بار بار

منع کیا پھر قید کر کے جیل خانہ بھیجدیا کہ شاید جوش ٹھنڈا ہونے کے بعد راہ راست پر آجائیں۔ قید خانہ میں یوبو بھی موجود تھا اس نے ان دونوں کو اپنے مقصد میں ثابت قدم رہنے کی تلقین کی اور نیز ان کے لئے شہادت کے فضائل پڑھے۔ رسالہ بھی لکھا۔ غرض یہ دونوں لڑکیاں اپنے عزم پر قائم رہیں اور ۲۴ نومبر ۸۵۱ء میں قتل کر دی گئیں۔ اس کے بعد حالات پر سکون ہو گئے اور پھر یوبو جیل وغیرہ بھی رہا کر دیئے گئے۔ اس کے دوسرے سال عبدالرحمن دوم نے بھی انتقال کیا۔

اس سلسلہ میں لین پول کا خیال ہے کہ امیر عبدالرحمن دوم نے بڑی نرم خوئی اور رواداری سے کام لیا اور اس نے باوجود پادریوں کی مذمت کے یوبو جیس وغیرہ کو صرف تیار کرنے پر اکتفا کیا ورنہ اسے قتل بھی کیا جا سکتا تھا جیسا کہ امیر محمد کے زمانہ میں ہوا۔ امیر عبدالرحمن دوم نے اس مجنونانہ حرکت پر کسی تحریک کا گمان نہ کیا اگر وہ ایسا کرتا تو یقیناً بہت سے بے گناہ بھی مارے جاتے البتہ اس تحریک کے اثرات برے نکلے اور عام عیسائی رعایا نے گو بظاہر مسلم حکومت کا ساتھ دیا اور تحریک میں عام شرکت سے باز بھی رہے لیکن پھر بھی گیارہ آدمیوں کی شہادت نے ان کو رنج و افسوس میں ضرور مبتلا کر دیا جس کے نتائج بعد میں ظاہر ہوئے جن کا ذکر آئندہ آئے گا۔ [1]

امیر عبدالرحمن کی وفات و کردار

امیر عبدالرحمن الاوسط نے ربیع الآخر ۲۰۶ھ میں ۶۲ برس کی عمر میں وفات پائی اور ۲۷ سال حکمرانی کی امیر عبدالرحمن طبعاً حسن پرست نفاست پسند اور فنون لطیفہ سے رغبت رکھتا تھا۔ حسین عورتوں سے غیر معمولی دلچسپی تھی خرد، مدثرہ، شفاء، قلم اس کی محبوبہ اور حسین و جمیل کنیزیں تھیں۔ ابن بشکوال لکھتا ہے۔ "وہ ادیب اور شاعر تھا وہ ان چند بادشاہوں میں سے تھا جنہوں نے کنیزوں سے عشق کیا اور اس کے عشق کی داستانیں مشہور ہیں۔" [2]

مقری لکھتا ہے "اس کی طبیعت کا میلان عورتوں کی جانب بہت تھا۔ اپنی کنیز طروب کا دلدادہ و شیدا تھا اور اس راہ میں اس نے بہت تکالیف اٹھائیں۔"

جب یہ سفر میں جاتا تو کنیزوں کی جدائی اس پر شاق گذرتی۔ چنانچہ سے میدان جنگ سے اس نے طروب کو بہت سی عشقیہ نظمیں لکھ کر بھیجیں۔ اس کا حسن انتخاب ہمیشہ قابل ترین کنیزیں ہوتی تھیں۔ جو ادیبہ شاعرہ اور فن خطاطی میں کمال رکھتی تھیں لیکن اس کے باوجود اس نے سیاسی معاملات میں کنیزوں کی مداخلت کبھی برداشت نہ کی۔ ولی عہد کی نامزدگی کا معاملہ اس کا ثبوت ہے۔

---

[1] یہ سارے واقعات لین پول کی کتاب "مورس ان سپین" MOORS IN SPAIN سے ماخوذ ہیں۔ [2] ابن اثیر ج ۶ ص ۴۵

امیر عبدالرحمٰن دوم کو فن موسیقی اور ثقافت سے کس قدر لگاؤ تھا اس کو لین پول نے ان الفاظ میں زریاب کے تذکرے میں لکھا ہے۔

"عبدالرحمٰن دوم زریاب کی لیاقت اور دانائی سے اس قدر خوش تھا کہ اکثر اپنے ساتھ کھانا کھلاتا اور گھنٹوں بڑے ذوق سے گانا سنتا تھا۔ زریاب بھی صرف گویا ہی نہ تھا بسا اوقات امیر کو گذشتہ زمانے کے عجیب و غریب فسانے دلچسپ حکایات اور حکمت آموز کلمات سنا کر خوش کرتا۔ ہزار سے زیادہ راگنیاں اس کو حفظ یاد تھیں جن میں سے ہر ایک نرالے سروں اور نئی سرتیوں میں ادا کرتا تھا طنبورہ پر پانچوں تار اسی کا لگایا ہوا ہے۔ اس کے الاپ بھرنے اور گانے کا طریقہ سب سے اچھوتا اور کچھ ایسا محو اور خود رفتہ کر دینے والا تھا کہ جس نے ایک بار سن لیا پھر وہ دوسرے گانے کبھی خاطر میں نہ لاتا تھا۔ اس کا طرز تعلیم بھی تمام استادوں سے جداگانہ تھا..... زریاب تہذیب و شائستگی و ذکاوت کی وجہ سے ہر محفل کی جان سمجھا جاتا تھا وہ اس وقت کے معاشرہ میں منفرد مقام رکھتا تھا اس کی چال ڈھال طرز گفتگو نشست و برخاست تک کا طریقہ جدا تھا اس نے بال رکھنے کا عام طریقہ بدل کر اپنا طریقہ ایجاد کیا۔ اسپین میں شامی لباس اور ہر قسم کی ترکاریوں کا ہر محل استعمال اسی سے منسوب ہے ایک قسم کی پلیٹ اسی کے نام پر "قاب الزریاب" کے نام سے مشہور تھی۔ دھات کے بجائے شیشہ کے برتن چمڑے کے بستر چمڑے کے دسترخوان اور بہت سی چیزوں کا استعمال اسی نے لوگوں کو سکھایا تھا موسمی لباس تبدیل کرنے کا طریقہ اسی نے ایجاد کیا یعنی ہر موسم کے ساتھ لباس بھی تبدیل ہوتے رہتے تھے۔ زریاب کا نام علی بن نافع تھا وہ مشہور زمانہ مغنی تھا اور مشرق سے آیا تھا۔

اس کی مندرجہ بالا کوششوں میں امیر عبدالرحمٰن دوم کی ستائش اور سرپرستی حاصل تھی عبدالرحمٰن کے جمالیاتی ذوق میں موسیقی کا بڑا حصہ تھا اور وہ گانا سننے کا بڑا شوقین تھا امیر کی ان دلچسپیوں کے اثرات شہری زندگی پر بھی مرتب ہوئے چنانچہ عام تہذیب و معاشرت، وضع قطع، سیر و شکار، خوراک و لباس میں نئے تکلفات اور شان و شکوہ پیدا ہوئے دربار کو اہتمام کے ساتھ سجایا گیا امیر کی دستار میں طرۂ امتیاز بڑھایا گیا۔ غلاموں اور خواجہ سراؤں کو خوبصورت لباس دیئے گئے اور اہل دربار کے بھی لباس متعین کئے گئے۔ عرب مورخین کا کہنا ہے کہ وہ شاہانہ شان و شکوہ میں ولید بن عبدالملک کے مانند تھا۔

---

۱ MOORS IN SPAIN. ۲ جنرل ہسٹری ج ۵ ص ۱۳۵

امیر عبدالرحمٰن سخی اور فیاض تھا وہ ہیشم پوشی اور درگذر سے بھی کام لیتا تھا۔ دوسروں کے عیبوں کو ظاہر نہ کرتا حلم و رواداری میں بے مثال تھا بڑے سے بڑے حادثہ کو سن کر بھی ہراساں نہ ہوتا تھا دوستوں میں کبھی کوتاہی نہ کرتا اور وہ اپنے انہی فضائل کی وجہ سے رعایا کی نظروں میں محبوب تھا۔

باوجود اس کے کہ وہ رنگین مزاج تھا لیکن صوم وصلوٰۃ کی پابندی رکھتا تھا شریعت پر عمل پیرا ہوتا اور دوسروں کو بھی عمل پیرا ہونے کی تلقین کرتا تھا ایک مرتبہ رمضان کا ایک روزہ قضا ہوا تو یحییٰ بن یحییٰ نے ۶۰ دن کے روزے کفارہ میں رکھواتے۔ اس کے اس عمل نے عوام میں بھی دینداری کا چرچا کر دیا تھا۔ لوگوں نے عشق بازی کو اس کی کمزوری اور دینداری کو اس کا جوہر سمجھا۔ اور عوام نے اس کے نقش قدم پر چل کر زہد و تقویٰ کو اپنا شعار بنایا۔

علمی و ادبی زندگی

امیر کو علم دین۔ علوم عقلیہ ادب و شعر سے کافی مناسبت تھی۔ ابن اثیر لکھتا ہے۔

"وہ ادیب و شاعر تھا۔ علوم شرعیہ و ان کے علاوہ علوم فلاسفہ کا عالم تھا۔"

مجموعہ اخبار الاندلس میں ہے۔

"اس کو ادب۔ فقہ۔ حفظ قرآن اور روایت حدیث میں حصہ عطا ہوا تھا۔"

ابن القوطیہ نے تحریر کیا ہے۔

"اس نے اپنی حکومت میں اہل علم و اہل ادب و شعر کی عزت افزائی کی اور ان کی حاجت روائی کرنا اپنا شعار بنا لیا تھا۔"

اس لئے وہ اہل علم و ادب و شعر کی قدر افزائی کرتا اور کثیر داد و دہش سے کام لیتا تھا۔ اس کے دور کے مشہور اہل علم شیخ ابو محمد یحییٰ بن یحییٰ کو غیر معمولی حیثیت حاصل تھی۔ یہ وہی یحییٰ بن یحییٰ ہیں جو حکم کے زمانہ کے حادثہ قرطبہ میں ملوث تھے۔ عبدالرحمٰن ان کی ہر رائے پر عمل کرتا اور مسلمانوں کے معاملات بھی ان کی رائے سے طے کئے جاتے تھے۔ اسی لئے عام طور پر کہا جاتا ہے کہ اس کا عہد اسلام کے خلاف نہ تھا۔ اہل ادب میں عبید اللہ کو امتیاز حاصل تھا۔ یہ عبداللہ بن محمد بن اسد کے مولیٰ بادیہ کا پوتا تھا۔ عبدالرحمٰن ثانی اس کو اپنے قریب رکھتا تھا۔ وہ ان آٹھ کے اس دور کے قادر الکلام شعراء میں شمار کیا جاتا اس عہد کا دوسرا مشہور شاعر عبدالرحمٰن بن شمر تھا اس کو بھی امیر کے دربار میں رسوخ حاصل تھا۔ اسی قدر دانی کے علاوہ امیر عبدالرحمٰن کو عوام

---

۱ اخبار الاندلس ص ۳۵-۳۶ ۲ نفح الطیب ج ۱ ص ۱۶۲ ۳ جلد ۲ ص ۴۶ ۴ ص ۵ نتاح الاندلس ص ۵۸ ۶ مقری ج ۱ ص ۱۶۲

کی تعلیم و تدریس کی بھی بڑی فکر تھی۔ اس نے علوم و فنون کی ترقی کے لئے درسگاہوں کی سرپرستی کی اور جگہ جگہ نئے نئے مدارس قائم کر کے دینی اور عقلی علوم کے اساتذہ مقرر کئے اور ان کو بڑے بڑے وظائف دیئے گئے۔ جامع قرطبہ میں دور دور سے اساتذہ کو بلا کر متعین کیا۔ بڑے بڑے اوقاف مدارس کے ساتھ لگائے تاکہ اخراجات پورے کئے جا سکیں۔ اس طرح عوام بھی دینی و عقلی علوم سے بہرہ اندوز ہونے لگے۔ مجموعی حیثیت سے اس عہد میں مختلف علوم و فنون کو غیر معمولی ترقی حاصل ہوئی۔[1]

تعمیرات ذوق جمالیات اور حسن پرستی نے امیر عبدالرحمٰن کو ہر شعبۂ حیات میں ایک نکھار اور جدت بخشی تھی یہاں تک کہ تعمیرات بھی اس کی جدت طرازی حسن پرستی اور ذوق جمالیات کا مظہر تھیں اس نے تعمیرات میں بیش بہا اضافہ کئے عالی شان محلات، حمام، حوض اور سیر گاہیں جن میں جا بجا فوارے چلتے تھے بنوائیں۔ بڑے اہتمام سے پہاڑوں کے چشموں سے پانی بہایا گیا جس سے بکثرت باغ لگوائے تمام ملک میں کچی پکی سڑکوں کا جال بچھا دیا گیا دریاؤں کے پل تعمیر کئے گئے اور شہروں اور فصیلوں کو تعمیر کر کے ان کو مضبوط اور مستحکم کیا گیا۔ لین پول نے لکھا ہے۔

"نئے سلطان نے قرطبہ کو رشک بغداد بنا دیا ..... اس نے محلات تعمیر کئے۔ باغ لگوائے اور قرطبہ کو مسجد و شان عمارتوں سے زینت دی اور پانی تعمیر کرائے۔"[2]

امیر ہشام کے تعمیر کردہ جامع مسجد قرطبہ کے حصے پر مزید اضافہ کیا یہ اضافہ قبلہ کی سمت میں ہوا تھا اس لئے قبلہ کی دیوار آگے بڑھا کر بنائی گئی اور محراب مقصورہ اور بادشاہ کے داخلے کا دروازہ بھی نیا بنوایا گیا۔[3] جامع قرطبہ کا یہ اضافہ امیر عبدالرحمٰن کے عہد ہی میں تقریباً پورا ہو گیا تھا پھر بھی جو تھوڑا کام باقی تھا وہ امیر محمد نے مکمل کرایا۔ امیر نے اشبیلیہ کی فصیل کی تعمیر کرائی۔[4] ۲۱۵ھ میں اس نے جیان میں ایک مسجد تعمیر کرائی تھی۔[5]

اندرونی ملک پالیسی امیر عبدالرحمٰن نے ۳۱ سال تین ماہ حکمرانی کی اس کا زمانہ امن و امان اور عافیت کا دور کہا جاتا ہے۔ اس کے زمانہ میں دولت و ثروت کی بہتات تھی اور رعایا خوشحال تھی۔ ابن خلدون نے لکھا ہے "اس کا زمانہ عافیت و سکون کا تھا۔ اس کے پاس دولت کی بہتات تھی۔"[6]

ابن القوطیہ نے لکھا ہے "وہ اپنی رعایا اس کے ساتھ خیر و صلاح کے ساتھ تھی"[7] امیر عبدالرحمٰن نے سلطنت کے قوانین نئے سرے سے مرتب کئے۔[8] اور اس ترتیب میں اس بات کا خاص خیال رکھا گیا کہ ملک کے

---

[1] اخبار مجموعہ ص ۱۱۷ [2] مورس ان اسپین ص ۷۸ [3] ابن خلدون ج ۴ ص ۱۲۰
[4] افتتاح الاندلس ص ۶۲-۶۵ [5] ابن خلدون جلد ۴ ص ۱۳۵ [6] مقری ج ۱ ص ۱۶۲

مختلف الخیال لوگوں کے جذبات کی ترجمانی ہوتی رہے۔ اس کے ساتھ ساتھ سلطنت کے رعب و داب اور شان و شکوہ کو بھی ملحوظ خاطر رکھا گیا۔ وزراء کے اختیارات و مناصب مقرر کئے گئے۔ معاملات میں مشورہ دینے کے لئے باقاعدہ قصر حکومت میں ایک مشاورتی کونسل بلائی جاتی تھی۔ اور بحث و مباحثہ کے بعد ان کی رائے کو اہمیت بھی دی جاتی تھی۔ ابن القوطیہ کا بیان ہے کہ

"عبدالرحمن وہ پہلا شخص ہے جس نے وزراء کے قصر میں آنے جانے اور معاملات پر گفتگو کرنے کے وہ طریقے اختیار کئے جو آج تک رائج ہیں۔ اس نے اپنے چاروں طرف ایسے ذکی اور ذہین اشخاص کو جمع کیا تھا جو اس سے پہلے جمع نہ ہوئے تھے وزیر اعظم کو حاجب کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا جو انہی وزراء میں سے بنایا جاتا تھا۔ اس کے وزراء انہی شخصیتوں پر مشتمل تھے جو اس سے پہلے اور اس کے بعد کے حکمرانوں کے پاس جمع نہیں ہوتی تھیں۔"[1]

حجابت کے عہدہ پر شروع میں عبدالکریم بن مغیث فائز رہا اس کے مرنے کے بعد دیگر وزراء کو یہ عہدہ دیا گیا۔ بعد میں ایک اور وزیر کا اضافہ ہوا اور یہ والی قرطبہ تھا جس کو وزارت کی ذمہ داریوں اور آراء میں بھی شریک کر لیا گیا تھا۔[2] ان وزراء کو پوری آزادی کے ساتھ امیر کے سامنے اپنی رائے پیش کرنے کا حق تھا بعض اوقات امیر کے احکامات کو بھی یہ وزراء کالعدم کر دیا کرتے تھے۔ حکم ادارک دور کے اہم ترین واقعات کیونکہ امیر عبدالرحمن دوم کے پیش نظر تھے اس لئے اس نے حکومت کی پالیسیوں کا تعین اسی کے مطابق کیا چنانچہ علماء صلحاء کو مشوروں میں شریک کیا اپنے آپ کو عوام سے پوشیدہ کر لیا تاکہ رعب شاہی قائم رہے اور اہم موقعوں پر بھی ان کے سامنے نہ آتا تھا۔ سلطنت کے تمام معاملات براہ راست وزراء کے ذریعہ سے طے پاتے تھے۔

سلطنت کے اہم عہدوں پر تقرر براہ راست امیر کرتا تھا اور وہ کسی کا تقرر کرتے وقت اس کے احوال و کوائف کو پورے طور پر اپنے سامنے رکھتا تھا اس نے صاحب الشرطہ کا مستقل شعبہ قائم کیا اور نیک دیانتدار اور دانشمند لوگوں کو افسر خزانہ بنایا۔ افسر خزانہ کو خزانہ کہتے تھے ان کے افسر اعلیٰ کو "شیخ الخزان" کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ یہ افسران خزانہ اپنے فرائض میں آزاد تھے اور ان کو یہ حق دیا گیا تھا کہ وہ امیر کے احکام کی رد و قدح کریں ایسا ہی ایک واقعہ مشہور مغنی زریاب کے ساتھ پیش آیا جبکہ شیخ الخزان موسیٰ بن حدیر نے امیر کی عطا کردہ ایک بڑی رقم کو نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ دینے سے انکار کر دیا اور امیر کو وہ رقم اپنی جیب خاص سے دینا پڑی۔[3] اس کے زمانے میں مسلم آبین کا سالانہ خراج ۶ لاکھ دینار تھا ۱۵ لاکھ دینار تک پہنچ گیا تھا۔

---

[1] نفح الطیب ص۱۱۳ [2] ایضاً ص۶۹ [3] ایضاً ص۶۹ [4] ایضاً ص۶۹ [5] نفح الطیب ص۱۱۳

باوجودیکہ اس کے دور حکومت میں ملک پر کئی مرتبہ آفات سماوی وارضی نازل ہوئیں لیکن اس کے حسن انتظام کی وجہ سے ان تمام آفات کے باوجود آئین میں دولت کی ایسی بہتات رہی کہ اس کی نظیر اس سے پہلے نہیں ملتی۔[1]

فوج کے معاملات بدستور حسب سابق رہے اس میں کوئی خاص تبدیلی نہ ہوئی البتہ شامی محافظتی دستے کی زیب وزینت میں اور اضافہ ہوگیا داخلی طور پر تو حقیقتاً صرف دو مرتبہ فوج کو کام میں لگایا گیا ایک بار وہ اور دوسری طلیطلہ کی بغاوت میں، لیکن جہاد اور غیر ملکی مہمات بہت زیادہ ہوئیں۔ باوجودیکہ وہ خود عوام سے پردہ میں رہتا تھا لیکن اکثر و بیشتر فوجی مہمات میں شرکت کرتا تھا۔ ابن القوطیہ کہتا ہے۔ "دارالحرب میں اس کی لڑائیاں جاری رہتی تھیں۔ ایک مرتبہ بذات خود فوج لے کر جاتا اور ایک مرتبہ اپنے کسی سپہ سالار کو روانہ کرتا تھا۔[2]

نارمنوں کے اچانک حملے اور اس کے نقصانات سے امیر نے اپنے بحری بیڑے کی کمی کا اندازہ لگایا۔ چنانچہ اس کمی کو پورا کرنے کے لئے اشبیلیہ میں ایک دارالصناعت (جہاز سازی کا کارخانہ) قائم کیا اور تیزی کے ساتھ بحری قوت میں اضافہ کیا جانے لگا یہاں تک کہ چند ہی سال میں آئین کا بحری بیڑا دنیا کی عظیم بحری طاقتوں میں شمار کیا جانے لگا۔ ابن القوطیہ نے لکھا ہے۔

"اس واقعہ کے بعد (نارمنوں کا حملہ) امیر عبدالرحمن مستعد ہوگیا۔ اور اشبیلیہ میں ایک دار الصناعت قائم کرنے کا حکم دیا چنانچہ کشتیاں تیار کرائیں اور ساحل اندلس کے رہنے والے بحری ماہرین کو جمع کیا ان کے معاوضہ میں توسیع کی اور آلات واقعیت مہیا کئے۔"[3]

چنانچہ امیر کی اس بحری تیاری سے بہت فائدہ پہونچا۔ اور جب امیر محمد کے زمانہ میں نارمنوں نے دوبارہ ساحلی علاقوں پر حملہ کیا تو ان کو بری طرح شکست دی گئی۔ پھر وہ ایک عرصہ تک ادھر کا رخ نہ کرسکے۔

امیر عبدالرحمن دوم کو عدالت کی خاص فکر رہتی تھی تاکہ عوام کو صحیح اور بروقت انصاف مل سکے۔ اسی لئے وہ متدین متقی اور عالم فاضل اشخاص کو صیغۂ قضاء پر مامور کرتا تھا۔ اسی نقطۂ نظر کے تحت اسے قرطبہ کے علماء وصلحاء کو جو حکومت سے ناراض تھے راضی کرلیا تھا اور ان سے تعلقات استوار کرلئے تھے۔ خاص طور پر یحیی بن یحیی مالکی سے بڑی عقیدت رکھتا تھا اور قاضیوں کے تقرر

---

[1] ابن اثیر جلد ۶ صفحہ ۴۶۔ وابن خلدون جلد ۴ صفحہ ۱۳۰ [2] افتتاح الاندلس صفحہ ۵۵ [3] ایضاً صفحہ ۶۵

میں ان سے نہ صرف مشورہ کرتا بلکہ ان کے کہنے پر معزول بھی کر دیتا تھا تقریباً ۱۲ قاضی اس کے دور میں عدالت کی کرسی پر فائز رہے۔ لین پول کے اس بیان سے امیر عبدالرحمٰن کی حکومت پر کچھ روشنی ضرور پڑ سکتی ہے۔

"مدت العمر جمیع معاملات حکومت چار اشخاص کی آرا پر منحصر رہے۔ زریاب فن موسیقی کا مشہور زمانہ استاد یحییٰ بن یحییٰ ایک مشہور عالم اور فقیہہ طروب سلطان کی دلربا ملکہ نصر سلطان کا خاص حبشی غلام یحییٰ ہندیحی وہی شخص تھے جنہوں نے امیر حکم کے زمانہ میں فرقہ علماء کو سلطان کے خلاف برانگیختہ کیا تھا۔ لیکن اب وہ سلطان کے عزیز ترین مشیر کاروں میں سے تھے۔ بلکہ باعتبار امور سلطنت اگر ہم ان کو اندلس کا نفس ناطقہ کہیں تو زیبا ہے۔ غلام نصر اور ملکہ طروب بھی قریب قریب اسی قدر معتمد الیہ اور مشاراً الیہ تھے۔ لیکن زریاب نے اپنے حوصلوں کو عام تکلفات اور جسمانی آرائش تک محدود رکھا اور ملکی سیاست کے ذیل قضیوں میں الجھنا پسند نہیں کیا۔"

خارجہ پالیسی امیر عبدالرحمٰن الاوسط نے جس طرح ملک کی اندرونی حالت پر توجہ دی اسی طرح اس نے خارجہ پالیسی پر بھی دھیان دیا۔ کیونکہ امیر کے نزدیک یہ بڑی اہم بات تھی کہ ملک کو خارجی عناصر سے پاک رکھا جائے تاکہ ملک میں فتنہ و فساد برپا نہ ہو سکے۔ اور سرحدیں بھی محفوظ رہیں۔ اس سلسلہ میں ان لڑائیوں کا تذکرہ اوپر آ چکا ہے جو پڑوسی عیسائی حکومتوں سے لڑی گئی تھیں جن کا مقصد صرف ملک گیری ہی نہ تھا بلکہ سرحدوں کی حفاظت اور طلیطلہ اور مارِدہ کی بغاوتوں میں باغیوں کے مددگاروں کو قرار واقعی سزا بھی دینا تھا۔ یہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ اس نے دارالصناعت قائم کر کے ایک زبردست بحری بیڑا تیار کرایا تھا جس نے نہ صرف نارمن قزاقوں کی غارت گری سے ملک کو بچایا بلکہ جنوبی فرانس کے ان ساحلی علاقوں کو بھی تاخت و تاراج کیا جو مسلم سرحدوں پر ہمیشہ چھیڑ چھاڑ کیا کرتے تھے۔ اس بیڑے نے فرانس کے شارلیمین کے ارادوں کو خاک میں ملا دیا۔ بحیثیت ایک عظیم سلطنت کے امیر ہونے کے عبدالرحمٰن دوم اس بات کا بھی خواہشمند تھا کہ دور دراز کی بڑی بڑی حکومتوں سے اس کے تعلقات قائم ہوں۔ اتفاق سے یہ موقعہ فرانس کے شارلیمین اور عباسی حکومت کے مابین معاہدہ دوستی نے فراہم کر دیا عباسی حکومت نے امیران آئبین کے خلاف جو رشیہ دوانیاں کیں تفصیل جن کا اوپر بیان ہو چکا ہے اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ خلافت عباسیہ آئبین کی مسلم حکومت کی ترقی کو حاسدانہ نظروں سے دیکھتی تھی اور اس کے پامال کرنے کے درپے تھی لیکن جب آئبین کے امیروں نے اپنی طاقت و ہوشمندی کا لوہا ایک دنیا سے منوا لیا تو

خلافت عباسیہ کو اپنے افریقی مقبوضات کی فکر لاحق ہوئی چنانچہ شارلمین کی طرف خلافت عباسیہ نے دوستی کا ہاتھ بڑھایا تاکہ شارلمین حکومت اسپین کو ایسا الجھائے رکھے کہ ان کے دل میں افریقہ کی فتح کا خیال نہ آسکے۔ ادھر خود شارلمین کو اسپین کی مسلم حکومت سے سخت خطرہ لاحق تھا اس لئے اس نے عباسی خلافت کی دوستی کو اپنا پشت پناہ بنایا تاکہ ضرورت کے وقت اسپین کے خلاف امداد حاصل کر سکے۔ گو امیر عبدالرحمٰن الاوسط کو ان دونوں کے معاہدہ دوستی کی کوئی پرواہ نہ تھی لیکن قسطنطنیہ کی بیزنطینی حکومت کو عباسی خلافت سے اپنی موت نظر آرہی تھی۔ اور شارلمین کی بڑھتی ہوئی طاقت کا بھی خوف تھا چنانچہ امیر عبدالرحمٰن دوم کی تخت نشینی کے دوسرے ہی سال شاہ قسطنطنیہ میکائیل دوم نے سلطنت اسپین کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا چنانچہ ۲۰۸ھ ۸۲۳ء میں بیزنطینی سفارت آئی جس میں بے شمار قیمتی تحفہ تحائف کے ساتھ بہترین نسل کے گھوڑے بھی تھے۔ امیر نے اس سفارت کا پرتپاک خیر مقدم کیا۔ کہا جاتا ہے کہ اس سفارت کا مقصد بنو امیہ کے کھوئے ہوئے وطن شام کو واپس لینے کی ترغیب دینا تھا جس میں بیزنطینی حکومت نے اپنی پوری امداد کا یقین دلایا تھا لیکن حکومت اسپین خود اپنے داخلی معاملات میں اس بری طرح الجھی ہوئی تھی۔ کہ اس سفارت کا مقصد پورا نہ ہو سکا اور وفد واپس چلا گیا۔[1]

دوسری سفارت ۲۲۵ھ ۸۴۰ء میں حکومت بیزنطینی کے شہنشاہ تھیوفلس کی طرف سے آئی اور اس کا بھی یہی مقصد تھا کہ عباسی قلمرو پر حملہ کیا جائے جس میں بیزنطینی حکومت پوری طرح ساتھ دے گی۔ اصل وجہ اس سفارت کی یہ تھی کہ عباسی ایشیائے کوچک کو فتح کر کے قسطنطنیہ کا دروازہ کھٹکھٹا رہے تھے جس سے خوفزدہ ہو کر تھیوفلس نے سلطنت اسپین کی ہمنوائی اور دوستی حاصل کرنا چاہی تاکہ عباسیوں کے خلاف امداد حاصل کر سکے۔ اس کے جواب میں امیر عبدالرحمٰن ثانی نے بھی ایک سفارت یحییٰ غزال کی ماتحتی میں بھیجی اور یحییٰ نے دولت بنو امیہ اسپین اور حکومت بیزنطین کے مراسم کی بنیاد کو مضبوط کیا۔[2] لیکن پھر بھی ان سفارتوں کا عین مقصد پورا نہ ہو سکا۔ باوجود اس کے کہ امیر عبدالرحمٰن ثانی عباسیوں سے بیزار تھا اور اس نے ۲۲۹ھ ۸۴۳ء میں افریقہ کے شہر عباسیہ کو جلا ڈالنے پر ایک خارجی افلح بن عبدالوہاب اباضی کو حسن خدمت کے صلے میں ایک لاکھ درہم بھی عطا کئے تھے۔[3] لیکن پھر بھی اس میں اتنی اسلامی حمیت و غیرت ضرور موجود تھی کہ وہ غیر مسلموں کے اکسانے پر اپنے ہم مذہبوں کا قتل عام کرنا پسند نہ کرتا تھا۔ دوسرے یہ کہ حکومت اسپین اس قدر مستحکم نہ تھی کہ کسی دور دراز علاقہ پر حملہ کیا جاتا۔ چنانچہ امیر

---

[1] اخبار الاندلس جلد ۱ ص ۴۸۲ [2] ابن خلدون جلد ۴ ص ۱۳۰ [3] ابن اثیر جلد ۶ ص ۳۶۹

عبدالرحمٰن دوم نے حکومت بیزنطین سے دوستانہ مراسم تو ضرور قائم کرلئے لیکن عباسی خلافت کے خلاف کوئی قدم نہ اٹھایا۔

شمالی اسپین کی ایک عیسائی ریاست نوآر (نبرہ) کی سفارت کا تذکرہ اوپر کیا جا چکا ہے جس میں دونوں حکومتوں کے درمیان ایک معاہدۂ امن و دوستی بھی طے پایا تھا لیکن چند سال بعد حکومت نبرہ کا ایک باغی کو مدد دینے کی وجہ سے یہ معاہدہ منسوخ ہو گیا اور شاہی فوجوں نے نبرہ پر حملہ کر کے قرار واقعی سزا بھی دی تھی۔

الغرض داخلی اور خارجی دونوں حیثیت سے امیر عبدالرحمٰن الاوسط کا دور حکومت شاندار اور پرامن رہا جس کے اثرات عوامی زندگی پر براہ راست پڑے اور وہ تہذیب جس کی ابتدا عبدالرحمٰن الداخل نے کی تھی۔ اپنے دور شباب میں داخل ہوئی۔ یہ تہذیب نہ تو خالص اسلامی تھی اور نہ خالص عربی۔ بلکہ اگر ہم اس کو اسپینی تہذیب کا نام دیں تو بے جا نہ ہوگا۔ اس لئے کہ اسپین کی مختلف اقوام اسی تہذیب کے سانچے میں ڈھلتی جا رہی تھیں جن کو مسلمان تو کہا جا سکتا تھا لیکن کسی خاص طبقہ یا گروہ سے ان کو مناسبت نہیں دی جا سکتی تھی۔ عیسائیوں کی جنونی تحریک کا ایک بڑا سبب ابھرتی ہوئی یہ نئی تہذیب بھی تھی جس نے متعصب عیسائیوں کو بوکھلا دیا تھا اور انہوں نے عام عیسائیوں کے مذہبی جذبات کو از سر نو زندہ کرنے کے لئے اس تحریک کو چلایا تھا تاکہ یہ نئی تہذیب عیسوی مذہب کو ان کے دلوں سے محو نہ کر دے۔

چھٹا باب

بنو امیہ اسپین زوال کے دروازے پر

امیر محمدؒ بن عبدالرحمٰن الاوسط

۲۳۸ھ / ۸۵۲ء — ۲۷۳ھ / ۸۸۶ء

تخت نشینی امیر عبدالرحمٰن الاوسط نے اپنی حیات ہی میں اپنے بڑے لڑکے محمدؒ کو اپنا جانشین مقرر کر دیا تھا لیکن طروب کو اس کی مخالفت تھی لیکن چونکہ امیر مرحوم نے کبھی عورتوں کو سیاسی معاملات میں دخل اندازی کا موقعہ نہ دیا اس لئے وہ اپنی رائے پر اٹل رہا۔ ملکہ طروب نے غلام نصر کو اپنے ساتھ ملا کر اس بات کی سازش کی کہ محمدؒ کو زہر دلوا دیا جائے۔ امیر عبدالرحمٰن دوم کے انتقال سے دو سال قبل شہزادہ محمدؒ بیمار پڑا اس وقت نصر نے طبیب کو رشوت دیکر اس کی دوا میں زہر ملوا دیا مگر طبیب نے خوف کی وجہ سے امیر عبدالرحمٰن دوم کو اس امر کی اطلاع کر دی چنانچہ امیر مرحوم نے وہی دوا غلام نصر کو پلوا دی جس سے وہ جان بحق ہو گیا اور ملکہ طروب کی تمنائیں دل ہی میں رہ گئیں۔ امیر عبدالرحمٰن دوم کے مرنے کے بعد ایک بار پھر غلامان قصر شاہی نے محمدؒ کے چھوٹے بھائی عبداللہ کو تخت نشیں کرنے کے لئے زور لگایا اور امیر مرحوم کی موت کو پوشیدہ رکھا۔ ڈوزی کا کہنا ہے کہ

"امیر عبدالرحمٰن دوم نے دو لڑکے چھوڑے تھے ایک کا نام محمدؒ اور دوسرے کا نام عبداللہ تھا۔ چونکہ امیر مرحوم نے اس بات کا فیصلہ نہیں کیا تھا کہ کونسا بیٹا تخت نشیں ہوگا اس لئے جانشیں کا انتخاب کنا قصر امارت کے خواجہ سراؤں پر منحصر ہو گیا..... چنانچہ جیسے ہی امیر کی موت ہوئی خواجہ سراؤں نے قصر کے پھاٹک بند کر لئے اور موت کی خبر مشہور نہ ہونے دی۔"[1]

---

[1] عبرت نامہ اندلس جلد ۲ ص ۴۹۴

ڈوزی کا یہ بیان جو عرب مورخین کے بیان سے جدا ہے صحیح نہیں معلوم ہوتا۔ تمام مسلم مورخین اس بات پر متفق ہیں کہ امیر مرحوم نے محمد کو اپنا جانشین مقرر کر دیا تھا لیکن عبداللہ چونکہ ملکہ طروب کا لڑکا تھا اور قصر شاہی کے خواجہ سراؤں کی اکثریت ملکہ طروب کی طرفدار تھی اس لئے وہ عبداللہ کو تخت نشیں کرنے کے خواہشمند تھے۔ ایسا کرنے کے لئے ان غلاموں نے یہ جواز پیش کیا تھا کہ "محمد بن عبدالرحمن بے شک پرہیزگار ہے اور اس کے حسن اخلاق میں کسی کو کلام نہیں ..... مگر وہ سخت مزاج اور بخیل ہے"۔ اس لئے وہ بے راہ رو اور بداخلاق عبداللہ کو تخت پر لاکر اپنی من مانی کرنا چاہتے تھے لیکن ابوالمفرح غلام کے سمجھانے پر وہ سب محمد کو تخت پر لانے پر راضی ہو گئے۔ دو غلام سعدون اور قاسم ملکہ طروب کی خیر خواہی میں عبداللہ کے طرفدار تھے لیکن جب پانسہ پلٹا دیکھا تو محمد کے حامی بن گئے۔ یہاں تک کہ سعدون نے اپنی خیر خواہی دکھلانے کے لئے امیر عبدالرحمن دوم کے انتقال کی خبر محمد کو جا سنائی اور اس کی تخت نشینی پر اس کو مبارکباد بھی پیش کی اس طرح محمد بن عبدالرحمن دوم کو تخت حکومت پر آنا نصیب ہوا۔

بغاوتیں اور ہنگامے

امیر محمد کا پورا دور فتنہ سامانی اور بغاوتوں کا دور ہے ان بغاوتوں اور سرکشیدوں کے اسباب آگے بیان کئے گئے ہیں یہاں صرف تذکرہ کیا جاتا ہے۔ امیر محمد کے تخت پر آتے ہی سب سے پہلی بغاوت طلیطلہ میں ہوئی۔ طلیطلہ ہمیشہ سے ہی بغاوتوں اور فتنوں کا شہر تھا۔ یہاں کے عیسائی فتنہ انگیزی میں سب سے آگے تھے۔ گو ان کی کئی مرتبہ بری طرح سرزنش کی جا چکی تھی لیکن پھر بھی یہاں کے رہنے والے اپنی ناروا حرکات سے باز نہ رہتے تھے۔ ادھر قرطبہ میں عیسائیوں کی جنونی تحریک نے عام عیسائیوں اور نو مسلم رعایا کو خوف زدہ اور ہراساں کر دیا تھا گو یہ تحریک عبدالرحمن دوم کے دور ہی میں تقریباً ختم ہو چکی تھی لیکن اس تحریک کا سرغنہ یوحنا جیس ابھی زندہ تھا اور قید خانہ سے باہر تھا۔ یوحنا جیس قید سے رہا ہو کر بنزہ چلا گیا تھا۔ وہاں سے واپسی میں طلیطلہ آیا اور یہاں کے عیسائیوں کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکایا اس نے قرطبہ کے واقعات نمک مرچ لگا کر یہاں کے عیسائیوں سے بیان کئے جس سے عیسائیوں کے جذبات بھڑک اٹھے۔ اور انہوں نے اپنے ایک سردار سندرد کی ماتحتی میں بغاوت کر دی اور قرطبہ میں اپنے یرغمال کے بدلے میں طلیطلہ کے حاکم کو گرفتار کر لیا۔ جب امیر محمد نے ان کے یرغمال واپس کر دیئے تو انہوں نے بھی طلیطلہ کے حاکم کو رہا کر دیا اور حکومت کے خلاف باقاعدہ اعلان جنگ کر دیا۔ امیر نے پہلے تو دو فوجیں ان کے مقابلے کے لئے بھیجیں جو شکست کھا گئیں اس کے بعد امیر محمد ۲۴۰ھ/۸۵۴ء میں خود فوج لے کر سندرد کی طرف چلا۔ سندرد نے اندازہ کر لیا کہ اس لشکر کا مقابلہ ممکن نہیں چنانچہ اس نے لیون کے بادشاہ اردون اول

سے مدد مانگی۔ اردون نے بی آرزو کے رئیس گاتون کے ماتحت ایک لشکر اس کی مدد کو بھیجا۔ ابن خلدون کا بیان ہے کہ شاہ جلیقیہ اور بشکنس بھی مدد کو آیا تھا۔[1] دونوں فوجیں وادی سلیط میں مقابل ہوئیں امیر موصوف نے عیسائیوں کی کثرت دیکھ کر اپنی کچھ فوج کمینگاہ میں چھپا دی تاکہ وقت ضرورت کام آسکے چنانچہ جب عیسائی آزو پر آئے تو ان پوشیدہ فوج نے اس کو گھیرے میں لے لیا۔ عیسائیوں کا زبردست قتل عام ہوا۔ اور ڈوزی کے کہنے کے بموجب ایسا قتل عام ہوا کہ "عیسائی فوجوں کا ایک بھی متنفس زندہ نہ چھوڑا۔[2] امیر محمد نے اپنے لڑکے منذر کو طلیطلہ کے انتظام پر معمور کیا اور قلعہ رباح اور طلبیرہ کے حاکم کو اس کا مددگار بنایا۔ طلیطلہ کے بہت سے لوگوں کو سخت سزائیں دی گئیں۔ منذر نے انتظام حکومت کو دوبارہ منظم کیا اور طلیطلہ کے سربرآوردہ لوگوں پر مشتمل ایک کمیٹی تشکیل دی جو شہری انتظام میں معاونت کرتی تھی لیکن کچھ عرصہ بعد اہل طلیطلہ پھر سرکش ہو گئے۔ اور امیر محمد کی ہزار کوششوں کے باوجود نہ دب سکے۔ چنانچہ مجبور ہو کر امیر محمد نے ۲۶۰ھ ۸۷۳ء میں ایک عہد نامہ کی رو سے ان کی جمہوری طرز حکومت کو منظور کر لیا جس سے اہل طلیطلہ کو آزاد سیاسی زندگی تو حاصل ہو گئی لیکن خراج ضرور ادا کرنا پڑتا تھا۔[3]

قرطبہ کے جنونی عیسائی

امیر محمد نے طلیطلہ سے واپس آتے ہی قرطبہ کے جنونی عیسائیوں کے خلاف سخت اقدامات کئے۔ سب سے پہلے اس نے تبانوس کی خانقاہ کو منہدم کرا دیا کیونکہ یہ خانقاہ عیسائی متعصبین کی آماجگاہ اور سازشوں کا اڈہ بن چکی تھی۔ فلورا کے واقعہ کے بعد گو یہ تحریک دب گئی تھی لیکن پھر بھی کہیں خفیہ اور کہیں علانیہ اس کا کام جاری تھا۔ عیسائی جوش و خروش سے اب بھی اپنی گردنیں کٹوا رہے تھے اور الوارو اور یولوجیس ان کی حمایت اور ان کی ان حماقتوں کی ستائش پر کمربستہ تھے یہاں تک کہ عیسائیوں نے باوجود امیر محمد کی مخالفت کے یولوجیس کو اپنا مطران مقرر کر لیا تھا جو سب سے بڑا مذہبی عہدہ تھا جس سے یہ بات عیاں ہو چکی تھی کہ حکومت کی مخالفت کرنا مقصود ہے۔ اس کے ساتھ ہی یہ جنونی عیسائی شاہ فرانس سے بھی مذہب کے نام پر امداد کے طالب ہوئے تھے۔ شاہ فرانس نے حالات کا صحیح جائزہ لینے کے لئے اپنے دو راہب اسپین میں بظاہر تبرکات لینے کے لئے بھیجے۔ یہ دو راہب اسوارو اور لی آرو تھے یہ دونوں ۸۵۸ء میں قرطبہ بھی آئے تھے اسی زمانہ میں یولوجیس کیساتھ ایک لڑکی لکریتیا کا واقعہ بھی پیش آیا اس لڑکی کے ماں باپ مسلمان تھے چنانچہ جب قاضی کی عدالت میں یہ معاملہ پہونچا تو یولوجیس نے اس لڑکی کو کلیسائی تعلیم دینے کے جرم کا اقرار کر لیا۔ قاضی نے اس کے اقرار پر اس کو تازیانے لگانے کی سزا دی۔ یولوجیس نے اس سزا میں اپنی بے عزتی محسوس کی کیونکہ وہ اس قدر شہرت پا چکا تھا کہ یہ معمولی سزا اس کی شہرت پر حرف زنی کا باعث بن سکتی تھی چنانچہ اس

---

[1] ابن خلدون جلد ۵ ص ۲۹۳ (اردو ترجمہ) [2] عبرت نامہ اندلس جلد ۲ ص ۵۰۵ [3] ایضاً ص ۵۲۰

نے دشنام طرازی کا پرانا طریقہ استعمال کیا۔ اس کو اس بات کا پورا یقین تھا کہ اس کے قتل ہونے کے بعد عام عیسائی رعایا بغاوت کر دے گی اور اس کا کچھ نہ کچھ نتیجہ ضرور نکلے گا لیکن قاضی نے ہوشمندی دکھائی اور اس کو قصر خلافت بھیج دیا تاکہ وزرا اور امیر محمد اس کا فیصلہ کرے۔ یولوجیس نے قصر خلافت میں بھی اپنی بدگوئی و دشنام طرازی جاری رکھی۔ چنانچہ اس کو پھانسی کا حکم ہوا اور اس کو ۲۴۴ھ/۸۵۹ء میں پھانسی دیدی گئی اس کے ساتھ ہی الوآرد اور لکریتیا بھی قتل کر دیئے گئے۔ جیسا کہ یولوجیس کا خیال تھا اس کے قتل کے بعد کافی کہرام مچا اور عیسائی رعایا نے شدید غم و غصہ کا اظہار کیا لیکن بے سود وہ کچھ نہ کر سکے اور بقول ڈوزی "کچھ زمانہ گذرنے کے بعد شہادت کا یہ جنون ایک قصۂ پارینہ ہو گیا۔"[1]

بنو قسی کی آزاد حکومت

شمالی سرحد اسپین پر ایک اور آزاد ریاست علاقۂ ارغون میں قائم ہوئی۔ یہ مسلم ریاست تھی اور اس کے موسس بنو قسی تھے یہ خاندان قوم قوط (گاتھ) سے تعلق رکھتا تھا جو کسی زمانہ میں عیسائی تھا لیکن ایک مدت سے مسلمان ہو گیا تھا۔ نویں صدی عیسوی (تیسری صدی ہجری میں) یہ نو مسلم خاندان اپنے سردار موسیٰ ثانی کی لیاقت سے ایسا صاحب اختیار ہو گیا کہ حکمرانوں کا مقابلہ کرنے لگا تھا۔ امیر محمد کے زمانہ میں موسیٰ ثانی نے سرقسطہ، تطیلہ و شقہ اور تمام علاقۂ ارغون پر قبضہ کر لیا تھا۔ طلیطلہ کے عیسائیوں نے موسیٰ سے دوستی کر لی اور اس کے لڑکے لب بن موسیٰ کو اپنے لشکر کا سپہ سالار بنا لیا۔ شمالی سرحد کے تمام باشندے موسیٰ کے ماتحت ہو گئے۔ اس نے برشلونہ پر حملہ کیا اور کوہ البرانس پار کر کے فرانس کی حدود پر بھی اس قدر حملے کئے کہ شاہ فرانس کو اس سے معاہدہ کرنے اور خراج ادا کرنے پر مجبور ہونا پڑا۔ اس کی طاقت بے انتہا بڑھ گئی اور اسپین و فرانس کے کثیر باشندوں نے اس کی اطاعت کا دم بھرنا شروع کر دیا۔ شاہ فرانس نے اس کو تحفے تحائف بھی بھیجے اور موسیٰ اپنے آپ کو اسپین کا تیسرا بادشاہ کہلوانے لگا۔[2] ۲۴۸ھ/۸۶۲ء میں موسیٰ ثانی کی اچانک موت ہو گئی۔ اس کے مرنے کے بعد امیر محمد نے سرقسطہ اور تطیلہ پر دوبارہ اپنی حکومت قائم کر لی لیکن دس برس بھی نہ گذرنے پائے تھے کہ موسیٰ ثانی کے لڑکوں نے شاہی فوج کو پھر اپنے علاقہ سے نکال باہر کیا اور اپنی آزادی کا اعلان کر دیا۔ انہوں نے قرطبہ کی حکومت کے خلاف شاہ لیون الفانسو سوم سے دوستانہ تعلقات قائم کر لئے۔ اور امیر محمد کی تمام کوششوں کو بے کار کر دیا۔

ابن مروان کا اعلان آزادی

سرقسطہ میں بنو قسی کے حالات دیکھتے ہوئے ماردہ کے ایک نو مسلم عیسائی عبدالرحمٰن بن مروان نے ۲۵۱ھ/۸۶۵ء

---

[1] عبرت نامہ اندلس جلد ۲ صفحہ ۵۱۴ [2] Political History of Muslim Spain صفحہ ۷۴

مارِدہ میں اپنی آزادی کا اعلان کر دیا۔ اس کا باپ مروان بن یونس عبدالرحمٰن اوسط کے زمانہ میں مارِدہ کا گورنر جسکی وجہ سے عوام میں عبدالرحمٰن بن مروان کو ہر دلعزیزی حاصل تھی جس نے بغاوت میں اسکو بڑا فائدہ پہونچایا بحکومت سے ایک فوج فوراً اس کی سرکوبی کو روانہ ہوئی جس نے اس کو شکست دیکر گرفتار کر لیا امیر محمد نے اس خطا معاف کر کے اس کو اپنے محافظ دستے کا سردار مقرر کر دیا لیکن ۲۶۲ھ/۸۷۵ء میں وزیر ہاشم بن عبدالعزیز نے کہ "تجھ سے تو کتا بھی بہتر ہے۔ اس کے منہ پر طمانچہ بھی مارا[1] اپنی اس توہین کا بدلہ لینے کے لئے وہ قرطبہ سے گ کر مارِدہ کے قریب قلعہ المنت پہونچا اور اس پر قبضہ کر کے بیٹھ رہا شاہی فوج نے اس کا محاصرہ کیا اور عرصہ کے بعد اس کو مجبور کر دیا کہ وہ صلح کرے جس کی رو سے اس کو المنت سے بطلیوس جانے کی اجازت مل گئی۔ س اجازت سے فائدہ اٹھا کر اس نے اپنے آپ کو از سر نو منظم کیا اور ایک دوسرے باغی سعدون کو بھی اپنے ساتھ ملا ان دونوں نے نومسلموں کو خاص طور پر اکسایا اور بقول ڈوزی "ایک نئے مذہب کا وعظ کہنا شروع کیا۔ ں اسلام اور عیسائیت کو خلط ملط کرنا چاہا تھا"[2] ابن مروان نے لیون کے بادشاہ الفانسو سوم سے بھی و کر لی۔ اور اس کی مدد سے عرب اور بربر علاقوں میں لوٹ مار شروع کر دی۔ امیر محمد نے منذر اور ہاشم کو ایک فوج ے کے ساتھ بھیجا لیکن ابن مروان، سعدون اور شاہ لیون تینوں نے ملکر اس فوج کو شکست دی اور ہاشم کو فتار کر لیا۔ امیر محمد کی بخیل طبیعت کی وجہ سے ہاشم دو سال تک قید میں پڑا رہا کیونکہ شاہ لیون نے اس کا زر یہ ایک لاکھ دینار لگایا تھا۔ بالآخر ۵ ہزار دینار امیر نے دیئے اور باقی کی ادائیگی کی ضمانت ہاشم نے خود دی تب س کو رہا کیا گیا۔ ان دو برس میں ابن مروان نے لبلہ اور رشتیلہ کے علاقوں کو خوب لوٹا۔ امیر محمد کی بار بار فوج کا خاطر خواہ نتیجہ نہ نکلا جس کے بعد امیر نے اس باغی سے وہ شرائط معلوم کیں جن کے پورا ہونے کے بعد وہ ان علاقوں کی تاخت و تاراج بند کر دے گا۔ ابن مروان نے متکبرانہ جواب دیا۔ "بطلیوس کا شہر اس حوالے کیا جائے خراج معاف کیا جائے اور کسی قسم کی اطاعت پر اس کو مجبور نہ کیا جائے۔ تو وہ لوٹ مار سے باز آجائے گا۔ اور امیر محمد کے نام کا خطبہ پڑھوائے گا"[3] امیر محمد نے یہ شرائط منظور کر لیں چنانچہ بطلیوس اور مارِدہ کے علاقے آزاد حکومت بن گئے۔ اور اس وقت تک حکومت قرطبہ کے پاس واپس نہ آئے جب تک کہ عبدالرحمٰن الناصر تخت پر نہ آگیا۔

نارمنوں کے حملے ۲۴۵ھ/۸۵۹ء میں نارمن بحری قزاق ایک بار پھر ساحل اسپین پر وارد ہوئے۔ وہ نشر کے قریب جہازوں پر سوار تھے۔ اس سے قبل وہ عبدالرحمٰن اوسط کے زمانہ میں

---

[1] عبرت نامہ اندلس جلد ۲ صـ۵۲۳ [2] ایضاً صـ۵۲۳ [3] ایضاً صـ۵۲۴

سالم آپہنچے کے علاقوں کو لوٹ کر چلے گئے تھے لیکن اس بار جب انہوں نے مالقہ اور اشبیلیہ کے اطراف میں لوٹ مار کی تو شاہی بیڑہ حرکت میں آگیا جو پہلے حملے کے پیش نظر مستحکم اور مضبوط بنا لیا گیا تھا چنانچہ ان نازمن قزاقوں پر شاہی بیڑے نے شدید حملے کئے۔ اور زبردست تباہی مچائی یہاں تک کہ وہ بھاگنے پر مجبور ہو گئے۔

عیسائی حکومتوں سے تعلقات

فرانس نے ۲۳۳ھ/۸۴۷ء میں عبدالرحمن اوسط سے امن کا معاہدہ کیا تھا لیکن جب ملک میں جگہ جگہ بغاوتوں اور بدنظمی کا زور دیکھا تو معاہدہ سے روگردانی کر کے سرحدات پر مسلمانوں سے چھیڑ چھاڑ شروع کر دی۔ اس کی دیکھا دیکھی جلیقیہ اور نبرہ کی ریاستوں نے بھی گڑبڑ مچائی اور مسلمانوں کا بہت سا علاقہ دبا لیا۔ امیر محمد اس زمانہ میں مالکی اور حنبلی مذہب کے ماننے والوں کے درمیان ہنگامے میں الجھا ہوا تھا لیکن پھر بھی اس نے مارڈہ کے گورنر کو ہدایت کی کہ وہ فوج جمع کر کے سرحدوں کی حفاظت کرے اور عیسائیوں کی گوشمالی کرے اس درمیان وہ خود بھی قرطبہ سے فوجیں بھیجتا رہا جو لیون اور نبرہ میں کامیابی حاصل کرتی رہیں۔ اسپینش مارچ Spanish March ایک بار پھر میدان کارزار بن گیا۔ مسلمانوں نے لیون، نبرہ اور دیگر عیسائی علاقوں کو خوب تاخت و تاراج کیا یہاں تک کہ عمیلو نہ پر بھی قبضہ کر لیا۔ وقتی طور پر عیسائیوں نے پسپائی اختیار کی لیکن جیسے ہی منذر فوج لیکر ان علاقوں سے واپس ہوا یہ علاقہ پھر خودسری پر آمادہ ہو گیا اور عیسائیوں نے مسلمانوں کے بہت سے شہروں کو برباد کیا جلا ڈالا اس مرتبہ امیر محمد نے خود جلیقیہ کی طرف پیش قدمی کی اور مارڈہ کی فوجوں کو بھی اپنے ساتھ لے لیا۔ ۲۵۱ھ/۸۶۵ء میں شاہ لیون نے ہتھیار ڈال دیئے اور غیر مشروط صلح کر لی جس سے اس علاقے میں امن و امان قائم ہو گیا۔

کردار

محمد بن عبدالرحمن اوسط کا پورا دور مصائب و ابتلا کا دور تھا سارا ملک بغاوت اور سرکشی کی آگ میں جل رہا تھا جگہ جگہ آزاد حکومتیں قائم ہو رہی تھیں ان تمام حالات کی ذمہ داری بڑی حد تک اس کے کردار پر بھی عائد ہوتی ہے۔ ابن اثیر نے ۲۱۲ھ کے متعلق لکھا ہے: "امیر محمد کا رنگ سفید مائل بہ سرخی تھا وہ ذکی ہوشیار اور سخی تھا"[1] لیکن ڈوزی کے بیان سے اس کی صریح مخالفت ہوتی ہے اس نے لکھا ہے: "امیر محمد تنگ خیال، سرد مہر اور خود غرض آدمی تھا۔ باپ کے مرنے تک کا اس کو کوئی رنج نہ

اگر ڈوزی کے بیان پر یقین کر لیا جائے تو اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ امیر محمد میں بے انتہا کردار کی خرابیاں

---

[1] ابن اثیر جلد ۷ صفحہ ۱۷۔ [2] عبرت نامہ اندلس جلد ۲ صفحہ ۵۰

تھیں جو عربی مورخین کے خلاف ہے۔ دراصل غلاموں نے اس کی تخت نشینی کے موقعہ پر جو اعتراض کئے تھے۔ وہ
تھے وہ فطرۃً بخیل اور دولت کا حریص تھا۔ اسی وجہ سے نظام حکومت میں بدنظمی پیدا ہوئی تھی مسند امارت پر
ہی اس نے عہدہ داروں اور فوجیوں کی تنخواہیں کم کرنا شروع کر دیں پھر اپنے باپ کے دور کے وزیروں کو برطرف
کر کے نوجوان وزراء کو مقرر کیا۔ گو وہ ناتجربہ کار تھے لیکن اس شرط پر وزیر بنائے گئے تھے کہ اپنی اوپر کی آمدنی میں
امیر موصوف کا حصہ مقرر کر دیں گے اور صرف خاص کی آمدنی میں جمع کر دیں گے ان حرکات سے عام ناراضگی کا پھیلنا
اور انتظام حکومت کا خلل انداز ہونا ضروری تھا۔ علاوہ اس کے محمد بڑی سختی اور موشگافی سے تمام مالی معاملات
میں دخل دیتا تھا حساب کی جانچ پڑتال میں اس قدر سخت تھا کہ ایک ایک درہم پر خزانے کے عہدہ داروں سے
حجت کرتا تھا۔ اس کے اس بخل اور تشدد سے تمام اہل کاران حکومت اس سے ناراض تھے لیکن فقہا اس سے بہت
خوش تھے۔ اس لئے کہ اس نے عیسائیوں کے معاملے میں ان کی توقعات کو پورا کر دکھایا تھا اور عیسائی تحریک کا قلع قمع
کر دیا تھا۔ اس نے ان کے اصرار پر اپنی فوج اور دیگر شعبہ ہائے حکومت سے عیسائیوں کو الگ کر دیا تھا۔

یہ تو اس کے کردار کا ایک تاریک پہلو تھا لیکن باقی ماندہ کرداری پہلو بہت روشن تھے۔ ایک عمدہ شاعر
تھا اور علم و ادب سے خاص شغف رکھتا تھا۔ علماء، فضلاء اور شعراء کا احترام کرتا۔ اور ان پر داد و دہش
سے بھی کام لیتا تھا۔ امورات سلطنت میں علماء کی رائے لینا ضروری سمجھتا تھا۔ اس کے مشیر اعلیٰ میں قرطبہ کے
قاضی کا نام سرفہرست آتا ہے۔ مذہباً وہ آزاد منش انسان تھا لیکن پھر بھی اسلام کے مخالفین پر تشدد سے
باز نہ آتا تھا۔ اس نے بقائی بن مخلد جیسے آزاد خیال محدث کو اظہار رائے کی آزادی دے رکھی تھی اور اس امر میں اس
کی ہمت افزائی کرتا تھا کہ وہ ابن ابی شیبہ فقیہہ کے اصولوں پر بحث کرے۔ حالانکہ اس وقت علماء فقہاء آئین
حدیث پر نکتہ چینی برداشت نہ کرتے تھے۔[1]

امیر محمد اپنے باپ کی طرح حسن پرست اور ذوق جمالیات کا حامل تھا لیکن عیش و عشرت سے سخت نفرت
کرتا تھا۔ عمارات بنانے کا شوق بھی اسے ورثہ میں ملا تھا بہت سی عمارتیں تعمیر کرائیں جس میں جامع قرطبہ کی نامکمل
تعمیر کی تکمیل کرنا بھی شامل ہے۔ عوام کا بہت خیال رکھتا تھا۔ اور اس بات میں ذرہ برابر کوتاہی نہ کرتا کہ عوام کو
زیادہ سے زیادہ آرام و سکون ملے چنانچہ جب ملک میں قحط و زلزلے سے تباہی ہوئی تو اس نے عوام کی ہر طرح مدد
کی۔

بحیثیت مجموعی چند خامیوں کے ساتھ امیر محمد ایک نیک دل، صالح اور لہو و لعب سے نفرت کرنیوالا شخص

---

[1] نفح الطیب جلد ۲ ص ۱۲۰

تھا اسکا پورا دور فتنہ و فساد، ہنگاموں اور مصائب و ابتلا کا دور تھا۔ امیر نے اپنے دور کو پُرامن و پرسکون بنانے کی حتی المقدور کوشش کی اور تساہل و کاہلی سے کام نہ لیا جس کی بنا پر اس کا ۳۲ سالہ دور انہی کوششوں سے بھرا ہوا ہے۔ وہ بہادر شجاع اور مستقل مزاج تھا۔ ہنگاموں اور مصائب کی کبھی پرواہ نہ کی اور ڈٹ کر ان کا مقابلہ کیا۔ البتہ تدبر سے بہت کم بہرہ ور تھا چنانچہ اپنے بدترین دشمنوں تک کو معاف کر دیتا۔ اور کو ڈھیل دیتا تھا جس کی بنا پر کئی آزاد ریاستیں معرض وجود میں آچکی تھیں۔ دولت کی محبت نے اس کو بنا دیا تھا۔ اگر ایک معنی کر اس کے اس فعل کو کفایت شعاری پر محمول کریں تو شاید بے جا نہ ہوگا۔ بہرحال کی اس کمزور پالیسی کے نتائج اچھے نہ نکلے اور خاندان بنو امیہ کو اسپین میں موت و زیست کی کشمکش میں مبتلا پڑا۔ اس کے دور کی سب سے اہم بات عمر ابن حفصون کی بغاوت ہے جس نے ایک تحریک کی شکل میں عروج حاصل اور بعد کے حکمرانوں کے لئے سخت امتحان و آزمائش کا سبب ثابت ہوئی جس کا تذکرہ ہم نے علیحدہ کیا ہے۔

عمر بن حفصون

عمر ۲۴۶ھ ۸۶۰ء میں رونڈا کے قریب حصن اوطی کے گاؤں میں پیدا ہوا تھا اس کا حفص اس علاقہ کا ایک زمیندار تھا یہ نو مسلم خاندان تھا اور قوم گا سے اس کا تعلق بتایا جاتا ہے۔ ابن خلدون کے مطابق عمر کا نسب اس طرح تھا۔ عمر بن حفصون بن عمر بن جعفر بن دمیان بن فرغوش بن الفانسو۔[1] ڈوزی نے لکھا ہے کہ اس خاندان کا مسلمان ہونے والا پہلا شخص جعفر تھا۔ جعفر امیر حکم اول کے زمانہ میں رندہ کی سکونت چھوڑ کر حصن اوطی کے قریب بس گیا تھا۔ حفص نے اپنی محنت اور مشقت سے کافی دولت جمع کر لی جس کی بنا پر اس علاقے کے لوگ اس کو حفصون کے نام پکارنے لگے تھے۔ حفص بذاتہ ایک نیک شریف امن پسند اور رحمدل شخص تھا لیکن اس کا لڑکا عمر ایک مغرور بے ہودہ اور مفسد لڑکا نکلا جو ذرا ذرا سی بات پر لڑنے مرنے پر آمادہ ہو جاتا تھا۔ ایک دن اس کی انہی حرکات نے اس کو قاتل بنا دیا۔ اپنے اکلوتے لڑکے کو پھانسی سے بچانے کے لئے حصن اوطی کو چھوڑ کر رندہ کے پہاڑی سلسلے کے ایک حصے کو بہشتر نیچے ایک مکان میں رہنے لگا۔ یہاں پر سوائے پہاڑوں اور جنگلات کے کچھ نہ تھا۔ عمر نے یہاں بھی اپنی حرکات اور جنگل میں رہنے والے قزاقوں کی صحبت میں رہنے لگا۔ اور خود بھی رہزنی کرنے لگا باپ نے تنگ آکر اس کو گھر سے نکال دیا اور عمر آوارہ گردی کرتا ہوا افریقہ کے شہر تاہرت میں پہونچا اور ایک درزی کی دکان میں ملازمت کر لی۔ کچھ دن بھی نہ گذرے تھے کہ ایک عیسائی راہب نے اس کو پہچان لیا اور ایک جھوٹی پیشنگوئی کی اس کو اس بات کے لئے آمادہ کر دیا کہ وہ اسپین واپس جائے اور بنو امیہ کے لئے قہر ثابت ہو کر حکومت حاصل کر

---

[1] ابن خلدون جلد ۴ صفحہ ۱۳۴ [2] تفصیل کے لئے دیکھئے عبرت نامہ اندلس جلد ۲ صفحہ ۵۲۹

عمر بن حفصون کچھ تو اس مکار بوڑھے کی پیشنگوئی کے شوق میں اور کچھ پہچان لئے جانے پر گرفتاری کے خوف سے بھاگ کر رندہ پہونچا اور اپنے چچا مظاہر کے یہاں مقیم ہوا چچا نے جب پیشنگوئی سنی تو اس کو بغاوت کی صلاح دی۔ اور اپنی امداد کا پورا یقین دلا کر چالیس کاشتکاروں کی ایک فوج اس کے حوالے کی۔ عمر بن حفصون نے کوہ ببشتر پر ایک قلعہ کو اپنا مرکز بنایا۔ اور آس پاس کے علاقوں کو لوٹنا شروع کیا آہستہ آہستہ اسکی طاقت بڑھنے لگی۔ اور بہت سے نومسلم اس کے ساتھ شریک ہو گئے طاقت بڑھتے ہی ابن حفصون نے شاہی رسدگاہ اور فوج پر بھی حملے شروع کر دیئے۔ اقلیم ریہ کے حاکم نے سختی سے اس کو دبانا چاہا لیکن ابن حفصون نے اس کو شکست دیکر اس سے کافی دولت حاصل کر لی۔ امیر محمد کو جب اس کی اطلاع ملی تو اس نے فوج پر فوج بھیجنا شروع کی لیکن ببشتر کا یہ قلعہ فتح نہ ہو سکا۔ آخر کار وزیر سلطنت ہاشم کی سخت کارروائی نے ابن حفصون کو مجبور کر دیا کہ وہ مشروط طور پر ہتھیار ڈالدے۔ ہاشم اس کو اپنے ساتھ قرطبہ لے آیا اور فوج میں افسر بنا دیا اس نے بنوقسی اور شاہ لیون کے خلاف بہت کارنامے انجام دیئے خاص طور پر پان کا دور کی جنگ جیتنا اسی کا کارنامہ تھا جس سے اس کی قدر و منزلت کافی بڑھ گئی لیکن اس مرتبہ جب وہ قرطبہ واپس آیا تو والی قرطبہ محمد بن ولید بن غانم سے اس کی جھڑپ ہو گئی۔ ابن غانم وزیر ہاشم سے حسد رکھتا تھا اور اس کے آدمیوں کو تنگ کیا کرتا تھا۔ اس نے ابن حفصون کو بھی خراب غلہ فراہم کر کے تنگ کرنا شروع کیا جب ابن حفصون نے اس سے گفتگو کی تو ابن غانم نے اس کو سخت و سست کہا جس کی شکایت ابن حفصون نے ہاشم سے کی لیکن ہاشم نے اس معاملے میں اپنی مجبوری ظاہر کی۔ ابن حفصون دل برداشتہ ہو کر اپنے آدمیوں کے ساتھ اپنے پرانے پیشے کی طرف لوٹ جانے کے لئے قرطبہ سے ببشتر کی طرف چلا گیا۔ (۲۷۱ھ / ۸۸۴ء) اس نے ایک زبردست گروہ اکٹھا کر کے ببشتر اور اس کے گرد و نواح پر قبضہ کر لیا جلد ہی وہ جنوبی اسپین کے اسپینیوں اور نومسلموں کا سردار بن گیا اس نے بار بار ان الفاظ سے لوگوں کو بھڑکایا۔

"تم اس امیر کا زمانہ بہت برداشت کر چکے۔ اس امیر نے تمہیں بہت لوٹا ہے اور محصولوں کی چکی میں پیس ڈالا ہے۔ عرب تمہیں غلام سمجھتے ہیں۔ کیا تم یہ چاہتے ہو کہ وہ تمہیں پاؤں تلے روندتے رہیں۔ یہ نہ سمجھو کہ میں کسی ذاتی غرض یا لالچ کے خیال سے ایسا کہتا ہوں۔ میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ جو بدسلوکیاں تمہارے ساتھ ہوتی ہیں ان کا بدلہ لوں اور تم کو غلامی سے آزاد کراؤں۔"[1]

طاقت بڑھنے کے ساتھ ہی ساتھ عمر ابن حفصون کی عادات و اخلاق میں بھی زبردست تبدیلی ہو گئی۔ اس نے اپنے آپ کو صحیح معنوں میں راہبر ثابت کرنے کے لئے اپنی قائدانہ صلاحیتوں سے کام لیا۔ وہ ہر ایک سے نرمی

---

[1] عبرت نامہ اندلس جلد ۳ صفحہ ۵۳۲

سے پیش آنے لگا تھا۔ میدان جنگ میں سب سے آگے ہوتا تھا۔ سخت ترین خطرات میں پہلے خود آگے بڑھتا پھر دوسروں کو بڑھنے کی اجازت دیتا۔ جب تک لڑائی جیت نہ لیتا پیچھے نہ ہٹتا تھا لوگوں کی بہادری کا صلہ فیاضی سے دیتا تھا جو بہادر دشمن گرفتار ہوتا تو اسکو آزاد کر دیتا تھا مجرموں کو سزا دینے میں کبھی کوتاہی نہ کی۔ اس نے انصاف کو قائم کیا۔

عرب مورخین کے بیان کی رو سے اس کے علاقہ میں امن و امان کا یہ حال تھا کہ ایک بوڑھی عورت بہت سی دولت کیساتھ اس کے علاقہ میں گھوم پھر سکتی تھی ایسی حالت میں اس کے ساتھی بھی اس پر اپنی جانیں قربان کرنے سے دریغ نہ کرتے تھے۔ اس کا حکم مذہبی حکم کی طرح مانا جاتا تھا۔

امیر محمد نے اس کے خلاف کارروائی کرنے کے لئے زید بن قاسم کو بھیجا۔ ابن حفصون نے اس سے دو بدو مقابلہ نہیں کیا بلکہ دھوکے سے اس پر حملہ کر کے اس کو قتل کر دیا جب الحمہ کے والی عبدالملک نے ابن حفصون کی طرفداری کا اعلان کیا تو امیر محمد نے مجبور ہو کر اپنے لڑکے منذر کو ۲۷۳ھ/۸۸۶ء میں ان دونوں کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا منذر نے پہلے الحمہ پر حملہ کیا ابن حفصون والی الحمہ کی مدد کو آیا۔ معرکہ دو ماہ تک جاری رہا جس میں باغیوں کو شدید نقصان پہونچا قریب تھا کہ عبدالملک اور ابن حفصون شکست کھا جائیں کہ منذر کو امیر محمد کے انتقال کی خبر ملی اور وہ فوراً محاصرہ اٹھا کر قرطبہ کی طرف روانہ ہوا۔

منذر بن محمد

۲۷۳ھ / ۸۸۶ء تا ۲۷۵ھ / ۸۸۸ء

کردار اور کارنامے

امیر منذر اپنے باپ کی وفات کے بعد تخت پر آیا۔ اس نے اپنے باپ ہی کے زمانہ میں اپنی بہادری، شجاعت اور تدبر کی دھاک بٹھادی تھی۔ اور بہت سی جنگوں میں شرکت کرکے یہ بات ثابت کردی تھی کہ وہ صحیح معنوں میں حکومت کا اہل ترین فرد ہے۔ لیکن یہ اس کی بد قسمتی کہ جو حکومت اس کو ملی تھی اس کا انتظام کوئی آسان کام نہ تھا۔ ڈوزی کا بیان ہے۔

"منذر جفاکش اور بہادر تھا۔ مزاج میں احتیاط رکھتا تھا۔ اس زمانہ کے موالی بنو امیہ یقین کے ساتھ کہا کرتے تھے کہ منذر کی عمر اگر دو سال اور وفا کرتی تو جنوبی اسپین کے تمام باغی اس کے مطیع و فرمانبردار ہوجاتے۔"[1]

ابن اثیر نے لکھا ہے۔

"امیر منذر ۲۴ برس کی عمر میں تخت پر بیٹھا۔ چہرے پر چیچک کے داغ تھے۔ داڑھی گھنی اور بڑی تھی۔ شعر و شاعری کا شائق اور شاعروں کا قدرداں تھا اس کا زمانہ حکمرانی بہت کم ہوا تاہم اسے بغاوتوں اور خود سرداروں نے ایک دم کو مہلت نہ دی۔"[2]

اس میں کوئی شک نہیں کہ منذر کی بہادری، شجاعت اور تدبر سے یہ پوری امید تھی کہ وہ ملک کے تمام باغیوں کو ختم کردے گا لیکن اسکی عمر نے وفا نہ کی پھر بھی اس نے دو سال کے اندر اندر باغیوں کو اچھی خاصی سزا دی۔ ملک کا

---

[1] عبرت نامہ اندلس جلد ۲ صفحہ ۵ [2] ابن اثیر جلد ۷ صفحہ ۱۷۲

بیشتر حصہ آزاد ہو چکا تھا۔ عوام و خواص دونوں میں حکومت سے غداری کی وبا پھوٹ چکی تھی۔ فرانس نے اسپینش مارچ Spanish March کی نو زائدہ ریاست کو اپنے قبضہ میں کر لیا تھا۔ ایون۔ ارغون اور قشتالیہ مکمل عیسائیوں کے قبضہ میں جا چکے تھے۔ ۲۷۴ھ/۸۸۷ء میں منذر خود ایک بڑی فوج لیکر باغیوں کی سرزنش کو نکلا۔ نبرہ البیرہ اور جیان کے علاقوں میں باغیوں کی گوشمالی کی۔ بہت سے قلعوں کو فتح کرتا ہوا آگے بڑھا اور ربشتر کے قریب باغیوں کا صفایا کیا۔ شہر ارشذونہ پر قبضہ کیا اور وہاں کے نومسلم حاکم عبشتوں کو صلیب پر چڑھایا۔ اس کے بعد بنی مطرف کے تین باغی رئیسوں کو جو باغہ کے علاقہ میں بغاوت کر رہے تھے۔ گرفتار کر کے بہت سے دیگر باغیوں کے ساتھ قتل کر دیا۔ پھر ابن حفصون کی گوشمالی کے لئے قلعہ بشتر کی طرف روانہ ہوا۔ ابن حفصون نے اندازہ کر لیا۔ کہ اس وقت اس سے جیتنا آسان نہ ہوگا چنانچہ مکر و فریب سے کام لے کر صلح کر لی اور خود امیر منذر کے روبرو حاضر ہوا۔ امیر نے اس کو دیانت دار سمجھ کر چند شرائط پر اس سے صلح کر لی۔ لیکن جب امیر منذر واپس لوٹا تو ابن حفصون نے غفلت میں اس کے لشکر پر حملہ کیا امیر فوراً ہی سزا دینے کے لئے پلٹ پڑا لیکن اس کے بھائی عبداللہ نے سازش کر کے زہر دلوا دیا۔ اس طرح یہ بہادر متحمل مزاج اور مدبر امیر ابھی اپنے کام کو پورا بھی نہ کر سکا تھا کہ سازش کا نشانہ بنا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ "منذر ایک مدبر اور دانشمند حکمران تھا" جس سے بہت سی توقعات تھیں جو افسوس کہ پوری نہ ہو سکیں۔

---

[1] مورس ان اسپین ص ۹۸ تا ۱۰۱

عبداللہ بن محمد

۲۷۵ھ / ۸۸۸ء تا ۳۰۰ھ / ۹۱۲ء

تخت نشینی امیر منذر کے کوئی نرینہ نہ تھا اس خوف سے کہ اس کا جانشین ہیلانہ ہو جائے منذر کے بھائی عبداللہ نے اس کو زہر دلوا دیا جس کے بعد تخت اس غدار اور سازشی بھائی کے حصہ میں آیا۔

عبداللہ نے غداری اور سازش سے تخت حاصل بھی کیا لیکن بے سود۔ یہ تخت وہ تخت نہ تھا کہ جس پر بیٹھ کر آسانی و سکون سے حکمرانی کی جاتی ہے۔ اگر عبداللہ میں ذاتی صلاحیتیں ہوتیں تو کوئی تعجب نہیں کہ وہ اتنے لمبے عرصہ حکمرانی کے دوران کوئی نہ کوئی کارنامہ ضرور انجام دیتا اور امن و امان قائم کرنے کی کوشش کرتا لیکن اس میں خود کوئی صلاحیت نہ تھی صرف تخت پر بیٹھ کر امیر کہلانے کا شوق تھا۔ اس کو نہ صرف آپنیوں کی مخالفت کا سامنا کرنا پڑا بلکہ عرب رئیسوں کی بغاوت کا بھی سامنا کرنا پڑا جنہوں نے عام انتشار سے فائدہ اٹھا کر جگہ جگہ آزادی کا اعلان کر دیا تھا ملک کے تمام چھوٹے بڑے علاقوں میں بغاوت اور سرکشی پھیل چکی تھی امیر کا حکم قرطبہ اور حوالی قرطبہ تک محدود ہو کر رہ گیا تھا۔ نو مسلم یا مولدین کی تحریک بھی زور پکڑ چکی تھی۔ اور ان نو مسلموں سے الویرہ اور اشبیلیہ میں عربوں کی زبردست چھڑپیں ہو رہی تھیں۔ یمانیوں اور مضریوں کا پرانا جھگڑا پھر ابھر آیا تھا۔ حجازی اور شامی ایک دوسرے کا گلا کاٹ رہے تھے۔ مجموعی حیثیت سے تمام ملک حکومت قرطبہ کے دریے آزار تھا۔ ایسی حالت میں کسی زبردست مدبر اور شجاع کی ضرورت تھی نہ کہ کمزور اور بزدل عبداللہ کی۔

البیرہ میں آسپینیوں کا خروج

عبداللہ کے شروع دور میں ہی آسپینیوں اور عرب رؤسا میں سخت ہنگامہ برپا ہوا۔ عربی سرداروں نے امیر عبداللہ سے سرکشی اختیار کر لی تھی۔ اور ایک بہادر اور شجاع عرب یحییٰ بن سخالہ کو اپنا سردار بنا لیا تھا۔ صوبہ البیرہ کے عرب زیادہ تر شامی عربوں کی اولاد تھے اور البیرہ کے تنگ گلی کوچوں سے گھبرا کر اس علاقہ کے کھلے میدانوں میں آباد ہو گئے تھے۔ یہ عرب آسپینیوں کو سخت ناپسند کرتے تھے خواہ وہ مسلمان ہوں یا عیسائی ان کی اس حقارت سے آسپینی بھی ان سے ناراض تھے اور اس فکر میں تھے کہ موقعہ ملتے ہی عربوں کو البیرہ کے علاقہ سے باہر کر دیں جیسے ہی عربوں نے امیر عبداللہ سے سرکشی کی آسپینیوں نے امیر کی حمایت میں ان عربوں کو اس علاقہ سے نکال باہر کیا۔ عربوں نے ابن سخالہ کی سرکردگی میں قلعہ منت شقر میں جا کر پناہ لی جو غرناطہ کے شمال مشرق میں وادی برتونہ کے قریب واقع تھا لیکن آسپینیوں نے یہاں بھی پیچھا نہ چھوڑا یہاں تک کہ ۲۷۶ھ/۸۸۹ء میں ابن سخالہ مارا گیا اور عربوں کی شدید غارت گری ہوئی۔ گو مضری اور یمانی کا جھگڑا زندہ ہو چکا تھا لیکن پھر بھی یمانیوں نے باوجود اکثریت میں ہونے کے ابن سخالہ کے قتل کے بعد ایک مضری سوار القیسی کو خاموشی سے اپنا سردار مان لیا۔ سوار بڑا بے جگر آدمی تھا اور اپنی شجاعت و بہادری میں بے مثال تھا۔ اس کا پہلا کام ابن سخالہ کا بدلہ لینا تھا اور دوسرے اس نے اپنے لڑکے کو منت شقر کے معرکے میں آسپینیوں کے ہاتھوں قتل ہوتے دیکھا تھا جس کا انتقام لینا بھی اس کے ذمہ تھا اس نے تمام عربوں کو جمع کر کے منت شقر کے قلعہ پر حملہ کیا اور نہایت بہادری اور دلیری سے اس قلعہ کو فتح کر کے قلعہ میں مقیم آسپینیوں کو جن کی تعداد ۶ ہزار بتائی جاتی ہے قتل کرا دیا۔ اس مصیبت میں آسپینیوں نے صوبہ البیرہ کے حاکم جاد سے امداد مانگی اور وعدہ کیا کہ ہم ہمیشہ تمہارے اطاعت گذار رہیں گے۔ جاد فوراً فوج لے کر مدد کو پہونچا اور سوار پر حملہ آور ہوا سوار اس کا انتظار کر ہی رہا تھا سخت معرکہ ہوا جس میں عربوں کو فتح ہوئی اور جاد گرفتار کر لیا گیا۔ اس فتح کے بعد سوار نے ریہ، جیان اور قلعہ رباح کے عربوں سے دوستانہ تعلقات معاہدوں کے ذریعہ قائم کر لئے اور بہت سے ویران و برباد قلعوں کو دوبارہ مستحکم کیا۔ آسپینیوں کے دل ٹوٹ چکے تھے اور اب ان کے پاس سوائے اس کے کوئی چارہ نہ رہا تھا۔ کہ امیر عبداللہ کی پناہ میں آجائیں۔ امیر گو اس وقت خود مجبور محض تھا لیکن پھر بھی ان کی درخواست کو رد نہ کیا اور ان ہنگاموں کا حل یہ تلاش کیا کہ سوار القیسی کو کہلوایا کہ "میرے مطیع ہو کر رہو گے اور آسپینیوں کو بھی امن سے رہنے دو گے تو حکومت میں تم کو بڑا درجہ دیا جائے گا" سوار نے امیر عبداللہ کا کہنا مان لیا اور عربوں اور آسپینیوں نے حلف لئے کہ آئندہ ہمیشہ دوستی سے رہیں گے۔ غرض اس طرح ملک میں امن و امان قائم ہو گیا جو عارضی

تھا کیونکہ فریقین کے دل میں غم و غصہ ابھی تک بھرا ہوا تھا۔[1]

سوار نے اپنا رخ ابن حفصون کی طرف موڑا ہی تھا کہ اسپینیوں نے دوبارہ اپنے ہتھیار سنبھال لئے۔ سوار کو بری طرح شکست ہوئی اور وہ قلعہ الحمہ کے کھنڈرات میں پناہ گزیں ہوا۔ تقریباً ۳۰ ہزار اسپینیوں نے اس قلعہ پر یلغار کی لیکن سوار نے تدبیر و حکمت سے ان کو شکست دی اور ۱۳ ہزار کے قریب اسپینی مار ڈالے گئے اس قتل عام سے اسپینیوں کی حالت نازک ہو گئی۔ اور انہوں نے ابن حفصون کو اپنا سردار مان کر اس سے امداد طلب کی۔ ابن حفصون البیرہ میں داخل ہوا اور اس کو فوجی حیثیت سے مستحکم کیا۔ سوار کو بھی ریّہ اور جیان کے عربوں سے امداد مل چکی تھی۔ اس لئے ابن حفصون سے خوف زدہ نہ ہوا ابن حفصون کو کئی لڑائیوں میں شکست ہوئی بالآخر البیرہ والوں سے بھاری رقمیں وصول کر کے اور اپنے ایک ساتھی فوجی سردار حفص کو البیرہ کی حفاظت پر چھوڑ کر خود قلعہ بشتر واپس چلا گیا۔ ابن حفصون اپنے ساتھ مشہور عرب شاعر سعید بن جودی کو گرفتار کر لایا تھا۔ لیکن کچھ عرصہ بعد اس کو رہا کر دیا۔ سوار القیسی کو اسپینیوں نے ایک جگہ پھنسا کر قتل کر دیا۔ عربوں نے سوار کے بعد سعید بن جودی کو اپنا سردار بنا لیا جو عربوں میں عالی نسب اور بے مثال لڑنے والا تھا۔ اس کے اندر وہ اوصاف بتائے جاتے تھے جو وہ عرب تھا جس کے سامنے آتے ہوئے ابن حفصون بھی ڈرتا تھا۔ اس میں کوئی شبہ نہیں۔ کہ شرفاء عرب کی تمام خوبیاں سعید میں موجود تھیں لیکن سوار القیسی جیسے کھرے اوصاف اس میں نہ تھے۔ اس لئے سوار کی موت سے جو نقصان عربوں کو پہنچا تھا اسکی کمی سعید پوری نہ کر سکا بجز چند قلعوں کے دوبارہ مرمت کے اس نے کوئی خاص کامیابی نہ حاصل کی۔ عربوں نے جب البیرہ پر دوبارہ قبضہ کیا تو اس وقت عربوں کے دو گروہ تھے۔ ایک گروہ سعید بن جودی کو اور دوسرا گروہ محمد بن اضحیٰ اصدانی کو اپنا سردار مانتا تھا۔ نہ صرف یہ کہ دونوں سرداروں میں بلکہ دونوں گروہوں میں سخت عداوت تھی۔ اور ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے۔ سعید کی بے احتیاطی اور برے چال چلن نے اکثر دساکر عرب کو اس کا دشمن بنا دیا تھا چنانچہ ایک رئیس ابو عمر عثمان نے ۲۸۴ھ/۸۹۷ء میں سعید کو قتل کر دیا۔ محمد بن اضحیٰ نے امیر عبداللہ کی اطاعت کر لی لیکن پھر بھی ایک عرصہ تک سعید اور محمد بن اضحیٰ کے حامیوں میں خونریزی جاری رہی جو عربوں کی طاقت کو کمزور کرنے میں مکمل ثابت ہوئی۔

اشبیلیہ میں بغاوت

اشبیلیہ اور اس کے گرد و نواح میں رہنے والوں کے بھی کئی فریق تھے ایک تو اسپینی جو بنو انجلینو کہلاتے تھے اور دوسرے دو عرب قبائل بنی حجاج

[1] عبرت نامہ اندلس جلد ۲ ص ۵۴۷

اور بنی خلدون۔ بنی حجاج گو عرب تھے لیکن نہال کی طرف سے وہ گاتھ بادشاہ وٹیزا کی نسل سے تھے یعنی اس کی پوتی سارا کی اولاد تھے جو ایک عرب رئیس عبدالعزیز کے نکاح میں آئی تھی بنو خلدون یمانیہ تھے اور حضرموت سے ان کا تعلق تھا اور نواح اشبیلیہ میں ان کی بڑی جائداد تھی ان دونوں قبیلوں کا شمار اشبیلیہ کے بڑے زمیندار اور تاجر میں ہوتا تھا خاص طور پر بحری تجارت انہی کے قبضہ میں تھی۔ تمام صوبہ اشبیلیہ میں ان کے قلعے تھے جو برج کہلاتے تھے اور خاص اشبیلیہ تو آدھے سے زیادہ ان کے قبضہ میں تھا۔ امیر عبداللہ کے شروع دور میں بنی خلدون کا سردار کریب تھا جو بڑا ہوشیار اور چالاک تھا اور اس کو بنو امیہ کی مطلق العنانی سے سخت نفرت تھی وہ چاہتا تھا کہ یمانیوں میں سے کوئی شخص امیر آفرین ہو اور بنو امیہ کو ہٹا دیا جائے شروع میں اس نے شہر اشبیلیہ کے عربوں کو سرکشی پر ابھارا لیکن جب وہ قابو میں نہ آئے تو نواح اشبیلیہ میں آکر اپنے قبیلے کو ہتھیار اٹھانے پر آمادہ کر لیا اس کے بعد اس نے ایک گروہ قائم کیا جس میں بنو حجاج کو ابراہیم بن حجاج کی سرکردگی میں لبلہ اور رشدونہ کے دو دیہ اور قرمونہ کے بربروں کو اس گروہ میں شامل کر لیا۔ اس گروہ کا مقصد یہ تھا کہ اشبیلیہ پر قبضہ کر کے اسپینیوں کو خوب لوٹا جائے کریب نے ماردہ اور بدائیں کے وحشی بربریوں کو یہ کہکر کہ اشبیلیہ سرکاری فوجوں سے خالی ہو گیا ہے۔ اگر کثرت سے مال غنیمت حاصل کرنا ہو تو اشبیلیہ کو لوٹ لو، حملہ کرنے پر آمادہ کر لیا چنانچہ ان بربروں نے حملہ کر کے طلیاطہ کی بستی کو خوب لوٹا حاکم اشبیلیہ نے ان کو روکنے کے لئے ایک فوجی مہم بھیجی جس میں کریب نے بھی خفیہ طور پر اپنے آدمی شامل کر دیئے۔ جب جنگ ہوئی تو سازش کے مطابق کریب اپنے آدمیوں کو لے کر میدان جنگ سے بھاگ نکلا جس سے تمام فوج میں بھگدڑ مچ گئی۔ اور حاکم اشبیلیہ کو شکست ہوئی چنانچہ طلیاطہ اور اس کے گرد و نواح کو بربروں نے خوب تاخت و تاراج کیا اور کثیر مال غنیمت لے کر واپس چلے گئے۔ اس کے فوراً ہی بعد ابن مروان جلیقی نے جو اس وقت بطلیوس کا خود مختار حاکم تھا طلیاطہ پر حملہ کیا اور اس کو خوب لوٹا اس حاکم اشبیلیہ کی شکایت جب امیر عبداللہ سے ہوئی تو اس نے دوسرا حاکم امیہ ابن الغافر کو بنا کر بھیجا۔ حالانکہ یہ شخص دیانتدار اور بہادر تھا لیکن بگڑے ہوئے حالات کو نہ سنبھال سکا۔ اور لوٹ مار سے علاقہ کو نہ بچا سکا۔ حاکم اشبیلیہ کو مجبور دیکھکر استجہ کے ایک بہادر نو مسلم محمد بن غالب نے اس شر پسند قزاقوں کو ختم کرنے کا بیڑا اٹھایا۔ کہ اس کو اشبیلیہ اور استجہ کے درمیان سرحد پر ایک قلعہ بنانے کی اجازت دیدی جائے۔ امیر عبداللہ نے اس کی یہ شرط منظور کر لی اور محمد بن غالب نے ایک سرحدی قلعہ بنا کر اس

میں فوج محفوظ رکھی۔ اس طرح ایک عرصہ کے لئے اس علاقہ میں امن وامان قائم ہوگیا۔ بنو خلدون نے کسی بات پر ناراض ہو کر محمد بن غالب پر یورش کی جس میں بنی خلدون کا ایک آدمی مارا گیا۔ بنی خلدون نے دربار قرطبہ میں استغاثہ دائر کیا جس کے تصفیہ کے لئے شہزادہ محمد کو دربار قرطبہ سے مقرر کیا گیا۔ شہزادہ نے بہت کوشش کی کہ کچھ فیصلہ کرے۔ لیکن معاملہ الجھتا گیا اور فیصلہ میں تاخیر ہوگئی۔ ایک غلط فہمی کی بنا پر کریب اور اس کے گروہ والے اشبیلیہ چھوڑ کر چلے گئے۔ اور بنی خلدون بنی حجاج اور قبائل حضرموت بغاوت پر آمادہ ہوگئے۔ کریب اور عبداللہ بن حجاج نے حصن توریا اور قرمونہ پر قبضہ کر لیا۔ حاکم اشبیلیہ فرار ہوا۔ شہزادہ محمد نے بغاوت کی اطلاع اپنے باپ کو دی اور آگے کارروائی کے لئے مزید فوج طلب کی۔ لیکن امیر عبداللہ حزم اور غلط تدابیر کا پتلا تھا بجائے اس کے کہ فوج بھیج کر اس فتنہ کو دبا دیتا ایک وزیر کے غلط مشورے پر یہ طے کر لیا کہ محمد بن غالب کو قتل کر کے عربوں کی حمایت حاصل کی جائے۔ امیر عبداللہ نے ناعاقبت اندیشی سے اپنے خاص آدمی جاد کو حکم دیا کہ قرمونہ پر قبضہ کر کے ابن غالب کو قتل کر دے اور عربوں کو اطاعت گذار بنانے کی کوشش کرے۔ مصالحت اور نرمی سے کام لے اور عربوں کے خلاف ہتھیار اٹھانے میں جلدی نہ کرے۔

ابن غالب کو بھی گو اس کی اطلاع مل گئی تھی اور وہ ہوشیار ہوگیا تھا لیکن جاد نے مکاری اور فریب سے اس کو اپنے پاس بلا کر قتل کرا دیا جس کے بعد عربوں نے قرمونہ خالی کر دیا۔ ابن غالب کے قتل نے اسپینیوں کو سخت غیض وغضب میں مبتلا کر دیا اور انہوں نے طے کر لیا کہ ابن غالب کا بدلہ جاد کے بھائی امیہ کے قتل سے لیا جائے گا۔ لیکن جاد کی بروقت امداد سے یہ ہنگامہ بڑی خونریزی اور غارت گری کے بعد فرو ہوا اور امیہ کی جان بچی۔ عمر بن حفصون نے امیر عبداللہ سے ابن غالب کے قاتل جاد کا سر مانگا۔ جاد امیر کی حماقتوں سے واقف تھا اور جانتا تھا کہ وہ ابن حفصون کی بات رد نہ کریں گے۔ اس نے قرطبہ سے اپنے دو بھائیوں ہاشم اور عبدالغافر کے ساتھ اشبیلیہ کی طرف بھاگا لیکن راستہ میں تینوں بھائی ابن غالب کے ساتھیوں کے ہاتھوں قتل کر دیئے گئے۔ امیہ حاکم اشبیلیہ کو جب اپنے بھائیوں کے مارے جانے کا علم ہوا تو وہ قاتلوں سے تو کچھ نہ کہہ سکا۔ البتہ اشبیلیہ کے اسپینیوں کو قہر وغضب کا نشانہ بنایا۔ اور شہر کو بنی حجاج اور بنی خلدون کے حوالے کر کے ان کو اجازت دیدی کہ اسپینیوں کا قتل عام کریں۔ چنانچہ خوب قتل عام ہوا۔ ۲۰ ہزار اسپینی مارے گئے۔

اشبیلیہ میں اسپینیوں کی تباہی کے بعد بنی خلدون اور بنی حجاج صوبہ کے مالک بن گئے۔ امیر عبداللہ

میں اتنی ہمت نہ تھی کہ وہ ان یمانیوں سے مقابلہ کرتا چنانچہ امیہ حاکم اشبیلیہ نے امیر کی بجائے یہ خدمت انجام دینا چاہی اور اس بات کی کوشش کی کہ عربوں کو آپس میں لڑا دے لیکن اس کی تمام کوششیں بیکار ثابت ہوئیں۔ البتہ وہ عبداللہ بن حجاج کو قرمونہ کے ایک بربر رئیس جنید سے قتل کرانے میں کامیاب ہو گیا۔ اس کا یہ حربہ بھی بے کار رہا اور بنی حجاج نے عبداللہ کے بھائی ابراہیم بن حجاج کو اپنا سردار بنا لیا جو اپنے بھائی سے بھی زیادہ ہوشیار اور دانشمند تھا۔ کریب بن خلدون بھی امیہ کے دھوکے میں نہ آیا۔ اور امیہ کو منہ کی کھانا پڑی۔ عرب ہوشیار ہو چکے تھے اور امیہ کی ایک ایک حرکت کی نگرانی کرتے تھے۔ ان دونوں کے درمیان اختلافات بڑھتے گئے یہاں تک کہ ایک دن عربوں نے قصر حکومت پر حملہ کر کے امیہ کو قتل کر دیا۔ اور امیر عبداللہ کو یہ اطلاع بھیجی کہ امیہ آپ کے خلاف بغاوت کرنا چاہتا تھا اس لئے اس کو قتل کر دیا گیا۔ امیر قرطبہ میں اتنا دم کہاں تھا کہ عربوں کے خلاف تحقیقات کراتا یا ان کو سزا دیتا۔ چنانچہ اپنے چچا ہشام کنیۂ حاکم اشبیلیہ کے ساتھ بھیجا تاکہ حالات کو بہتر بنانے کی کوشش کریں۔ لیکن جلد ہی دونوں کو یہ پتہ چل گیا کہ وہ کٹھ پتلی ہیں اور حکومت یمانی سرداروں کے ہاتھ میں ہے۔ اسی اثنا میں ہشام کا لڑکا مطرف کریب کے بھائی مہدی کے ہاتھوں قتل ہوا حاکم اشبیلیہ نے امیر عبداللہ کو حالات سے باخبر کرنے اور مزید امداد طلب کرنے کے لئے خط لکھا تاکہ مطرف کے قتل کا بدلہ لیا جا سکے لیکن یہ خط بنی خلدون کے ہاتھ لگ گیا انہوں نے حاکم کو گرفتار کر کے سزا کے طور پر قید میں ڈال دیا۔

غرض امیر عبداللہ کے چوتھے سال جلوس میں اسپین کی یہ حالت تھی کہ اشبیلیہ عربوں کے قبضہ میں تھا اور بہت سے علاقے افریقی اور اسپینی سرداروں نے دبا رکھے تھے۔ بربر جیان اور البیرہ کے قلعوں پر قابض تھے۔ نو مسلم اسپینیوں نے شنت مریہ۔ شلب۔ باجہ۔ مرتلہ اور پریگو کے پہاڑی علاقہ پر اپنی طاقت مجتمع کر لی تھی۔ اور حکومت کے قبضہ اقتدار سے باہر ہو گئے تھے ۲۸۶ھ/۸۹۹ء میں امیر عبداللہ کے لڑکے مطرف نے اشبیلیہ پر قبضہ کرنے کی کوشش کی اور دھوکے سے ابراہیم بن حجاج اور کریب کے بھائی خالد بن خلدون کو گرفتار کر کے کریب کو اطاعت کرنے پر مجبور کرنے کی کوشش کی۔ لیکن کریب نے ایک مدت تک اطاعت نہ کی۔ مطرف نے نواح اشبیلیہ میں ابراہیم اور کریب کی جاگیر کو خوب لوٹا اور ان کے کئی مضبوط قلعے توڑ ڈالے اور قرطبہ واپس چلا گیا۔ امیر عبداللہ نے اپنے وزیروں کے مشورہ سے اشبیلیہ کے قیدیوں میں سے ابراہیم اور خالد کو رہا کر دیا لیکن ابراہیم کے لڑکے عبدالرحمن کو بطور یرغمال قرطبہ ہی میں رکھا۔ ان رہا شدہ

قیدیوں نے اشبیلیہ پہنچکر اپنی قسموں کو توڑ دیا۔ خراج دینا بند کر دیا اور اعلانیہ باغی ہو گئے۔ ابراہیم بن حجاج اور کریب ابن خلدون نے اشبیلیہ کو دو حصوں میں تقسیم کر لیا۔ ان کی یہ تقسیم مہلک ثابت ہوئی اور وہ دونوں آپس میں برسرپیکار ہو گئے۔ یہاں تک کہ ابراہیم، کریب اور خالد کو قتل کر کے پورے صوبہ اشبیلیہ کا حاکم بن بیٹھا۔ ابراہیم نے امیر عبداللہ کو کریب کی بدعنوانیاں بیان کر کے ان کے قتل کرنے کی وجہ تحریر کی اور درخواست کی کہ اشبیلیہ کی سند حکومت اس کو دی جائے تو وہ سات ہزار دینار سرخ سالانہ خراج ادا کرے گا۔ امیر قرطبہ نے قاسم کو ابراہیم کا شریک حاکم بنا کر بھیجا لیکن ابراہیم نے اس کو تنگ کر کے نکال دیا ابراہیم نے بار بار یہ کوشش کی کہ اپنے لڑکے عبدالرحمن کو امیر عبداللہ کے ہاتھوں سے نکال لے لیکن امیر نے اس کو رہا نہ کیا جس پر برہم ہو کر ابراہیم نے خراج دینا بند کر دیا۔ اور ابن حفصون سے دوستی کر لی۔ اس بنا پر قریب تھا کہ اس کے لڑکے عبدالرحمن کو قتل کر دیا جاتا کہ چند وزراء نے ابراہیم کو احسان مند کرنے کے لئے عبدالرحمن کو امیر کے ہاتھوں سے آزاد کرا دیا۔ اور حقیقتاً ابراہیم اس فعل سے امیر عبداللہ کا احسان مند ہو گیا۔ اس نے بغاوت سے ہاتھ کھینچ لیا۔ اور امیر کی دشمنی چھوڑ دی۔ وقت پر خراج ادا کرنے لگا اور حسب ضرورت امدادی فوج بھی بھیجنے لگا۔ اس وقت وہ امیر عبداللہ کے ماتحت ایک آزاد ریاست کا والی تھا۔ ریاست کی حدود میں اس کو مکمل اختیارات حاصل تھے فوج رکھتا تھا جس کے سپاہی مستقل تنخواہ دار ہوتے تھے۔ اشبیلیہ میں قاضی اور صاحب الشرطہ کے عہدے سے لے کر معمولی عہدہ دار تک کا عزل و نصب اسی کے اختیار میں تھا۔ ایک مجلس شوریٰ بھی تھی اور اس کا ذاتی محافظ دستہ بھی تھا۔ اپنے وقت کا آزاد حکمران ہی نہ تھا بلکہ بہت بڑا تاجر بھی تھا۔ بڑا عالم اور علم دوست تھا۔ دور دور سے عالم اور شاعر اس کے دربار میں جمع ہو گئے تھے۔ اس زمانہ کی مشہور مغنیہ اور شاعرہ قمر بھی اسی کے پاس تھی جو بغداد سے بلوائی گئی تھی۔ قرطبہ کے درباری شعراء کی کثیر تعداد اس کے پاس چلی گئی تھی۔ ملک الشعراء ابن عبدربہ بھی قرطبہ سے بھاگ کر اس کے پاس چلا آیا تھا اس طرح عالموں اور فن کاروں کو ابراہیم کے پاس پناہ ملنے لگی۔

عمر ابن حفصون

ابراہیم کے علاوہ بہت سے ایسے علاقے تھے جو اپنی آزادی کا اعلان کر چکے تھے۔ اور اپنے پرانے قبائلی نظام کی طرف لوٹ

چکے تھے خواہ ان کے سردار نومسلم اسپینی ہوں یا عرب یا بربر۔ ان سب نے اپنے اپنے علاقے تقسیم کر لئے تھے البتہ کسی نہ کسی طور پر اپنے تعلقات امیر قرطبہ سے ضرور قائم رکھے کیونکہ ایک تو ان کو اپنی کمزوری کا احساس تھا۔ دوسرے امیر سے ایک نہ ایک دن مصالحت ہو جانے کا بھی خیال تھا۔ ان میں منتیشہ۔ لاردہ مدینہ سڈونا اور سرقسطہ کے عرب حاکم تھے۔ الغرب۔ باجہ۔ جیان۔ مرسیہ اور کئی دیگر علاقے بربروں اور نومسلم اسپینیوں کے قبضہ میں تھے۔ دربار قرطبہ کا یہ حال تھا کہ ہر امیر اور وزیر اپنے اپنے احاطۂ اقتدار کو بڑھانے کی خاطر امیر عبداللہ کے اقتدار کو صدمہ پہونچانے سے دریغ نہ کرتا تھا۔ عبدالرحمن ابن مروان جلیقی نے جنوب مشرقی اسپین کو خوف و دہشت میں مبتلا کر رکھا تھا۔ اشتورلاش کے عیسائی آزادی کے مزے لوٹ رہے تھے لیکن ان سب میں خوفناک اور خطرناک ترین دشمن جو دربار قرطبہ کا سب سے زیادہ دور پے آزار تھا اور تحریک مولدین کا سردار سمجھا جاتا تھا۔ اور جس سے امیر عبداللہ بھی بہت خائف تھا۔ وہ عمر ابن حفصون تھا۔ ابن حفصون کی بغاوت کا حال امیر محمد کے دور میں بیان کیا جا چکا ہے۔ امیر عبداللہ کے زمانہ میں تو اس کا عروج تھا۔ اس نے ملک کے اندرونی خلفشار سے بہت فائدہ حاصل کیا تھا۔ اور بہت سے علاقوں پر قبضہ کر کے اپنے حدود اقتدار کو بڑھا لیا تھا۔ ۲۷۶ھ/۸۸۹ء میں امیر عبداللہ نے اس کے خلاف کارروائی کی لیکن چالیس دن کی یہ فوجکشی بغیر کسی فائدے کے ختم ہو گئی۔ امیر جیسے ہی قرطبہ واپس ہوا۔ ابن حفصون نے پھر گڑبڑ شروع کر دی۔ امیر عبداللہ پھر اس کی سرکوبی کے لئے قرطبہ سے نکلا۔ اس مرتبہ ابن حفصون نے امیر سے صلح کر لی اور امیر نے اس کو تمام علاقہ پر جس پر وہ قابض تھا اپنی طرف سے والی مقرر کر دیا اور سند حکومت دیدی لیکن ابن حفصون کے ہمراہی قزاق اور لٹیرے تھے اور کسی صورت میں صلح و امن پسند نہ کرتے تھے۔ چنانچہ ابن حفصون کے گھریلو دوستوں میں سے ایک شخص ابن مستنہ ابن حفصون سے علیحدہ ہو کر قلعہ بحصیب کے عرب لٹیروں کے ساتھ مل کر رعایا کو لوٹنے لگا۔ رعایا نے امیر عبداللہ سے فریاد کی تو امیر نے ایک شخص ابراہیم بن حجاج اموی کو ایک فوج دیکر اس کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا اور ابن حفصون کو بھی لکھا کہ وہ ابراہیم کی اس مہم میں مدد کرے۔ اور لٹیروں کو سزا دلائے۔ ابن حفصون نے خفیہ طور پر ابن مستنہ سے سازش کر کے ابراہیم اور اس کے بہت سے سرداروں کو قید کر لیا۔

ابن حفصون نے اب قرطبہ کے عیسائیوں کو بھی بغاوت پر آمادہ کیا چنانچہ ایک شخص کاؤنٹ سراونڈو (شرنڈ) جو کبھی امیر عبداللہ کا ممدوح اور ممنون احسان تھا۔ اور عیسائیوں میں شیطان کے نام سے مشہور تھا۔ امیر سے باغی ہو کر قرطبہ سے نکلا اور حصن بلائی پر قبضہ کر کے ابن حفصون کی سرداری کو تسلیم کر لیا۔ سراونڈو نے سخت خونریزی اور لوٹ مار کی۔ اسی طرح کے ایک ڈاکہ میں سراونڈو مارا گیا۔ ابن حفصون نے حصن بیانہ پر قبضہ کر لیا۔ اور وادی الکبیر سے جنوب میں جس قدر بڑے قلعے تھے ان کا وہ مالک بن بیٹھا۔ اور اس تمام علاقے کی رعایا نے اس کی سیادت تسلیم کر لی۔ حکومت قرطبہ کی طرف سے البیرہ اور جیان کے صوبوں کے حاکم مقرر ہونا بند ہو گئے۔

ابن حفصون کو اب اپنی طاقت کا غرور ہو گیا تھا اور وہ اپنی مسلمانوں پر ہمیشہ کے لئے اپنی حکومت قائم کرنے کے خواب دیکھنے لگا۔ حقیقت بھی یہی تھی کہ اب صرف قرطبہ اس سے باقی تھا۔ لیکن اس کے باوجود وہ خوب سمجھتا تھا کہ اسپین کے عرب اس کی سیادت کو تسلیم نہ کریں گے چنانچہ عربوں کو اپنے قابو میں کرنے کے لئے اس نے ابن اغلب والی افریقہ کے ذریعہ خلیفہ عباسی معتضد باللہ سے امارت اسپین اور عباسی علم کی درخواست کی۔ ابن اغلب نے اس سے یہ وعدہ بھی کر لیا تھا کہ وہ اس کی خواہشات پوری کرا دے گا اس درخواست کے بعد ابن حفصون جواب کا انتظار کرنے لگا اور اس نے اسی عرصہ کو اپنا مستقر بنایا اور حصن بلائی کو جہاں سے قرطبہ پر حملہ کرنے کا منصوبہ تھا خوب مضبوط اور مستحکم کرنا شروع کر دیا۔

جنگ حصن بلائی

بلاشبہ حکومت قرطبہ پر یہ وقت بہت سخت تھا عرب مورخین لکھتے ہیں کہ "قرطبہ کی ایسی حالت ہو رہی تھی کہ جیسے کسی سرحدی شہر کی ہوتی ہے کہ معلوم نہیں کس وقت دشمن حملہ کر بیٹھے"۔ اس دور کا ایک عربی مورخ ابن حیان لکھتا ہے: "سلطنت غارت ہو چکی ہے۔ مصیبت پر مصیبت آنا بند نہیں ہوتی۔ لوٹ مار اور چوری کا بازار گرم ہے ہمارے اہل و عیال غلام بنائے جا رہے ہیں"۔ امیر عبداللہ کی کمزوری اور پست ہمتی پر ہر طرف ملامت ہو رہی تھی۔ خزانہ خالی تھا اور سپاہیوں کو کئی ماہ سے تنخواہیں نہ ملی تھیں۔ منڈیاں اور بازار ویران پڑے تھے اور تجارت بند ہو چکی تھی۔ امیر عبداللہ کو سخت ہراساں اور پریشان تھا اور اس نے کئی بار کوشش بھی کی تھی کہ ابن حفصون سے صلح ہو جائے۔ لیکن اس کو ہر طرف سے مایوسی ہوئی

آخر تنگ آکر ایک بار پھر قریشی خون جوش میں آیا۔ اور اس نے طے کر لیا کہ میدان جنگ میں عزت کی موت مرنا زیادہ بہتر ہے۔ اس نے جنگ کی تیاریاں شروع کر دیں۔ ۱۵ اپریل ۸۹۱ء مطابق ۱۲ محرم ۲۷۸ھ میں امیر عبداللہ خود ۱۴ ہزار فوج لے کر حصن بلائی کی طرف روانہ ہوا۔ ابن حفصون کے پاس ۳۰ ہزار سپاہ تھی۔ جو فتح و کامرانی کے نشہ میں چور تھی۔ ابن حفصون فتح کی خوشی میں پاگل ہوا جا رہا تھا۔ اور اس کو کامل یقین تھا کہ آج قرطبہ پر اس کا قبضہ ہو جائے گا۔ امیر عبداللہ اور اس کی فوج پر اداسی چھائی ہوئی تھی اور ان کو یقین تھا کہ آج بنو امیہ اسپین کی قسمت کا فیصلہ ہو جائے گا۔ ساتھ ہی ساتھ یہ بھی خوف تھا کہ آج کے بعد کہیں پناہ نہ ملے گی۔ عبدالملک بن امیہ افواج قرطبہ کا سپہ سالار نا اہل اور ناتجربہ کار تھا اور قریب تھا کہ اس کی غلط تدابیر سے قرطبہ کی فوج تباہ ہو جائے کہ عبیداللہ افسر مقدمۃ الجیش نے آگے بڑھ کر حالات سنبھال لئے۔ ابن حفصون کو طاقت اور فوجی برتری کے باوجود شکست ہوئی اور اس نے حصن بلائی میں پناہ لی جو لوگ استجہ کی طرف بھاگے تھے قرطبہ کی فوج نے ان کا تعاقب کیا۔ اور ہزاروں کو قتل کر دیا۔ ابن حفصون نے حصن بلائی کو غیر محفوظ خیال کر کے ابن مستنہ کے ساتھ قلعہ کو چھوڑ کر ارشذونہ کا رخ کیا۔ پھر وہ دونوں وہاں سے بھی قلعہ بیشتر کی طرف بھاگ نکلے۔

امیر عبداللہ نے حصن بلائی پر قبضہ کر لیا جہاں سے اس کو ایک بڑا خزانہ اور بے تعداد اسلحے ملے۔ امیر نے استجہ پر قبضہ کر لیا۔ اور آگے بڑھ کر قلعہ بیشتر کا محاصرہ کر لیا۔ لیکن مشورہ دینے والوں نے مشورہ دیا کہ اس تھکی ماندی فوج سے اس مضبوط قلعے کو تسخیر کرنا آسان نہ ہوگا اور واپس جانا ہی بہتر ہوگا۔ امیر عبداللہ نے یہ مشورہ قبول کر لیا اور قرطبہ واپس ہوا واپسی میں البیرہ۔ ارشذونہ اور جیان کو دوبارہ اپنی اطاعت میں داخل کر لیا۔ اسطرح جنوبی اسپین پر پھر امیر عبداللہ کا اقتدار قائم ہو گیا۔

حصن بلائی کی جنگ نے ایک طرف بنو امیہ کی مردہ لاش میں جان ڈالی اور حکومت قرطبہ کی عزت و عظمت کو ایک بار پھر عوام کے دلوں پر بٹھا دیا تو دوسری طرف ابن حفصون کی شہرت و ناموری کو کافی صدمہ پہنچا اور اس کے خواب منتشر ہو کر رہ گئے۔ والی افریقہ ابن اغلب بھی حالات دیکھتے ہوئے ابن حفصون کے ایلچی سے سرد مہری سے پیش آیا اور معذرت کے ساتھ عباسی امداد دینے سے انکار کر دیا۔ چنانچہ ابن حفصون نے امیر عبداللہ سے صلح کرنے میں ہی عافیت سمجھی تاکہ مہلت کے دوران مزید تیاریاں کر سکے۔ امیر نے بطور یرغمال ابن حفصون کے لڑکے کو طلب کیا۔ ابن حفصون

نے اپنے بیٹے کے لڑکے کو بھیجا جس کو امیر عبداللہ نے قبول نہ کیا اور اس کے اپنے سلبی لڑکے کو طلب کیا۔ ابن حفصون نے اس مطالبے کو قبول نہ کیا اور جنگ دوبارہ شروع ہوگئی ابن حفصون نے حیرت انگیز پھرتی کے ساتھ وہ تمام علاقے دوبارہ اپنے قبضہ میں کرلئے جن کو امیر عبداللہ نے اس سے چھینا تھا۔ البتہ حصن بلائی اور استجہ پر قبضہ نہ کرسکا۔ اور آئندہ پانچ برس تک اس کی قوت میں کوئی کمی نہ ہوئی بجز اس کے کہ البیرہ اس کے ہاتھ سے جاتا رہا۔

عمر ابن حفصون کی طاقت اب بہت بڑھ چکی تھی جس پر وہ بڑا متکبر اور مغرور ہوگیا تھا۔ جیسا کہ بتایا جاچکا ہے کہ وہ عباسیوں سے امداد اور سند امارت حاصل کرنا چاہتا تھا جس میں اس کو ناکامی ہوئی تھی اس ناکامی کی بنا پر وہ عیسائیوں کی طرف مائل ہوگیا۔ اور اسپین کو دوبارہ عیسائی ریاست بنانے کے خواب دیکھنے لگا۔ شمال کی اور گرد و نواح کی عیسائی ریاستوں کی امداد حاصل کرنے کا اس کے پاس صرف یہی ایک ذریعہ تھا کہ وہ عیسائیت قبول کرے۔ لو مسلم تو وہ پہلے ہی تھا چنانچہ اس نے مع اپنے اہل و عیال کے عیسائیت قبول کرلی۔ (۲۸۶ھ/۸۹۹ء) مذہب کی یہ تبدیلی اس کے زوال کا پیش خیمہ ثابت ہوئی۔ اسپینی مسلمان اس سے الگ ہونے لگے یحییٰ بن انکر اس کا ایک بڑا سردار تھا۔ الگ ہوگیا۔ اس کا عزیز دوست ابن خلیع جو بربر تھا اور القنیطرہ کا حاکم تھا نہ صرف یہ کہ اس سے الگ ہوگیا بلکہ اس سے لڑائی بھی چھیڑ دی اور امیر عبداللہ کی اطاعت کا اعلان کردیا۔ ہوئل نے ابن حفصون کی اس سیاسی غلطی کے متعلق لکھا ہے: "اس کا یہ عمل سخت غلطی تھا۔ اور اس نے ایسا کرکے نہ صرف یہ کہ کچھ حاصل نہ کیا بلکہ بہت کچھ گنوا دیا"۔ ابن حفصون کے عیسائی ہوتے ہی امیر عبداللہ کے خلاف بغاوتوں اور ایک اسپینی حکومت کے قیام کا تصور ختم ہوگیا۔ اور اب جنگ براہ راست عیسائی اور مسلمانوں کے درمیان چھڑ گئی۔ چنانچہ عیسائیوں نے ابن حفصون کی حمایت کا بیڑہ اٹھایا تو مسلمانوں نے اس کے خلاف متحد ہونا بہتر سمجھا۔ تاکہ اسپین میں عیسائی حکومت کے قیام کی کوششوں کو ناکام بنا دیا جائے۔ ابن حفصون کو بھی اپنی غلطی کا احساس ہوچکا تھا۔ اس لئے جب ابراہیم بن حجاج والی اشبیلیہ نے اس سے دوستی کا معاہدہ کیا تو اس نے اس معاہدہ کو اپنے حق میں غنیمت جانا۔ لیکن پھر بھی وہ اس فکر میں رہا کہ امیر قرطبہ سے مصالحت کا موقعہ ہاتھ سے نہ جانے دے۔ کیونکہ عوام الناس اس طویل ہنگامی دور سے عاجز آچکے تھے۔ اور امن و سلامتی کے متلاشی

تھے۔ اس لئے امیر عبداللہ نے ایک بار پھر ۲۸۹ھ/۹۰۱ء میں ابن حفصون سے صلح کرلی۔ ابن حفصون نے بطور یرغمال اپنے چار معزز افراد قرطبہ بھیج دیئے جن میں ابن مستنہ اور خلف افسر خزانہ تھا۔ یہ معاہدہ بھی عارضی ثابت ہوا اور ایک سال بھی نہ گذرا تھا کہ ابن حفصون نے ابراہیم کے ساتھ مل کر حکومت قرطبہ کے خلاف جنگ چھیڑ دی اور افواج قرطبہ کے سپہ سالار ابن ابی عبدہ پر حملہ کیا لیکن زبردست شکست کھائی۔ ادھر امیر عبداللہ نے اپنے عقلمند وزیر بدر کے کہنے پر ابراہیم بن حجاج کے لڑکے عبدالرحمن کو رہا کرکے ابراہیم کو ممنون احسان بنالیا جس سے ابراہیم ابن حفصون کی شراکت سے نکل گیا اور امیر قرطبہ کا اطاعت گذار بن گیا۔ اس واقعہ نے تاریخ اسپین کا رخ موڑ دیا۔ اشبیلیہ کی بغاوت ختم ہوتے ہی مغربی اسپین کے باقی صوبوں نے الخضرا سے لے کر لبلہ تک امیر عبداللہ کی اطاعت کرلی اور حکومت قرطبہ کی طاقت میں اضافہ ہونے لگا۔

آخری نو برس

امیر عبداللہ کی حکومت کے آخری نو سال حکومت بنو امیہ کے اقتدار کو مستحکم کرنے میں گذرے۔ دراصل امیر عبداللہ کی چوبیس سالہ دور حکومت کے یہی نو سال بہترین سال کہے جاسکتے ہیں۔ اطاعت گذار علاقوں سے خراج وقت پر مل جاتا تھا۔ اور خراج وصول کرنے کے لئے فوج بھیجنے کی ضرورت نہ رہی تھی جس کی وجہ سے تمام فوجی قوت کو ملک کے جنوبی باغی اضلاع میں روانہ کرنے میں آسانی ہوگئی۔ یہ نتیجہ وزیر سلطنت بدر کے عاقلانہ مشورہ کا تھا۔ امیر قرطبہ اس وفادار وزیر کا بے حد ممنون تھا اور اس کے ساتھ ہمیشہ سلوک سے پیش آتا تھا۔ بدر نے بھی پوری طرح حق نمک ادا کیا۔ اس نے مغربی حصے سے مطمئن ہوکر تمام شاہی افواج کو ملک کی جنوبی حصے کی بغاوت ختم کرنے پر لگا دیا۔ اور اس میں حکومت کو زبردست کامیابی حاصل ہوئی ۲۸۹ھ/۹۰۲ء میں جیان فتح ہوا۔ ۲۹۱ھ/۹۰۵ء میں ابن حفصون کو وادی بلوں میں شکست دی ۲۹۲ھ/۹۰۶ء میں القنیط کا قلعہ ابن خلیع سے چھین لیا۔ ۲۹۳ھ/۹۰۷ء اردشذونہ مطیع ہوا اسی سال ابن مستنہ سے نقوش کا قلعہ لے لیا۔ ۲۹۷ھ/۹۱۰ء میں شہر بیاسہ پر قبضہ کیا۔ ۲۹۸ھ/۹۱۱ء میں حصن اشر کے لوگوں نے فضل بن سلامہ کو قتل کرکے امیر عبداللہ کی اطاعت کرلی۔ ملک کے شمالی حصہ میں بھی حکومت قرطبہ کو کافی کامیابی حاصل ہوئی۔ ابن حفصون اور خاندان بنو قسی کے سردار محمد بن لب کے درمیان حکومت قرطبہ کے خلاف ایک سازش ہوئی لیکن حاکم سرقسطہ سے لڑائی میں محمد بن لب مارا گیا۔

اس کے لڑکے لب بن محمد نے امیر عبداللہ کی اطاعت کر لی۔ اور امیر نے اس کو تطیلہ اور طرسونہ کی سند حکومت دیدی۔ لب بن محمد اپنے پڑوسی عیسائی ملکوں یعنی وشقہ۔ لیون۔ برشلونہ اور نبرہ کے بادشاہوں سے لڑنے میں مصروف رہا۔ اور کسی لڑائی میں مارا گیا۔ امیر عبداللہ نے اس کے بھائی عبداللہ ابن محمد کو اس کی جگہ حاکم بنا دیا۔ اور وہ بھی ان عیسائی ریاستوں سے مشغول رہا۔ اور بنو قسی بنو امیہ کے لئے خطرناک نہ رہے۔

وفات سیاسی مطلع آفات کے گرد و غبار سے پاک ہو چلا تھا۔ دار الامارت قرطبہ میں مستقبل کے لئے اچھی امیدیں قائم ہونے لگی تھیں مگر سلطنت کی ترقی کی رفتار بہت سست تھی۔ معاملات نے ابھی تک کوئی قرار واقعی صورت اختیار نہ کی تھی۔ کہ ۱۵ اکتوبر ۹۱۲ء مطابق ۲۹ صفر ۳۰۰ھ میں امیر عبداللہ نے اپنی عمر کے ۶۸ ویں سال ۲۴ برس حکومت کر کے انتقال کیا۔

محمد بن عبدالرحمٰن الاوسط سے عبداللہ بن محمد تک

اسپین میں بنو امیہ کا یہ ستر سالہ دور ہنگاموں، بغاوتوں اور فتنہ سامانیوں کا دور تھا۔ اس دور کی کئی خصوصیات سامنے آتی ہیں جن کو پیش کیا جاتا ہے۔

(۱) یہ دور عبدالرحمٰن الداخل سے عبدالرحمٰن الاوسط تک کے دور کا ردِ عمل تھا جس میں ان کی پالیسیوں کے عملی نتائج سامنے آئے۔

(۲) اس دور میں ایک طرف تختۂ بنو امیہ زوال پذیر دکھائی دیتا ہے اور دوسری طرف قریشی حمیت و شجاعت بھی جوش میں نظر آتی ہے۔

(۳) عیسائیوں کی جنونی تحریک نے اپنا زہریلا اثر چھوڑا اور عیسائیوں نے اپنے پورے ارمان نکال لئے یہاں تک کہ نومسلم بھی عیسائیوں سے پیچھے نہ رہے۔ اور انہوں نے حکومت پر قبضہ کرنے کی ہر امکانی کوشش کر لی جس کے بعد ان کے حوصلوں کا پست ہونا یقینی تھا۔

(۴) مسلسل ۷۰ سال مخالفانہ کوششوں کے باوجود بنو امیہ تختِ اسپین پر موجود رہے جس سے ان کے استقلال اور اعلیٰ عزم کا پتہ چلتا ہے۔ یہی شے تھی جس نے ان کے مستقبل کو تابناک بنا دیا۔

(۵) عرب۔ بربر۔ نومسلم اور عیسائی سب ہی بنو امیہ کے خلاف اپنی قوتوں کو آزماچکے یہاں تک کہ ان کی قوت زائل ہو گئی جس کے بعد تقریباً ایک صدی تک ان کو حکومت کے خلاف کسی زبردست کارروائی کی ہمت نہ پڑ سکی۔

(۶) اس دور کی فتنہ انگیزی کے خصوصی نتائج یہ نکلے۔ کہ عربی تہذیب اور اسلامی تہذیب کو زوال آگیا۔ اور ایک نئی مسلم اسپینی تہذیب کی داغ بیل پڑی جس نے پھر کبھی بھی کسی تہذیب کو

اسپین میں نہ پنپنے دیا۔ عربی تہذیب جو مشرق سے آئی تھی عربی عصبیت میں گم ہو کر محدود ہو گئی۔ اسلامی تہذیب خانقاہوں اور مدرسوں کی زیب و زینت ہو گئی۔

(۷) اس دور سے بعد کے آنے والے سلاطین نے جو سبق حاصل کئے وہ اسپین کی مسلم تاریخ کا اہم باب بن گئے۔ عرب، بربر اور دیگر اقوام اسپین قابل اعتماد نہ رہیں اور "تقسیم کرو اور حکومت کرو" کا طریقہ کار اختیار کر لیا گیا اور عوام سے مشورہ کرنے کے طریقہ کو ختم کر دیا گیا۔

(۸) اس دور کے ہنگاموں نے اسپین کے عوام کی آنکھیں کھول دیں اور وہ دل سے امن و امان کے خواہاں نظر آنے لگے۔

(۹) اگر یہ دور ہنگامہ خیزی نہ آتا اور سترہ برس تک قتل و غارتگری کا بازار گرم نہ ہوتا تو بعد کے آنے والے سلاطین اسپین کو شاید زیادہ عرصہ حکومت کرنے کا موقعہ نہ ملتا اور ملک ہمیشہ کے لئے چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں منقسم ہو جاتا جن کو ہضم کر جانا عیسائیوں کے لئے زیادہ مشکل نہ رہتا۔ اس طرح مسلمانوں کی ۸۰۰ سالہ تاریخ ۴۰۰ سالہ یا اس سے بھی کم پر ختم ہو جاتی۔

(۱۰) اس دور نے بنو امیہ کو وہ سبق سکھایا جو شاید وہ امن و سکون کی زندگی میں نہ سیکھ پاتے۔ ان کے اندر اتحاد، عزم و استقلال، شجاعت و دلیری، ذہانت و ذکاوت کو اس قدر اجاگر کر دیا کہ بڑی سے بڑی مصیبت بھی ان کے سامنے ہیچ ہو گئی۔ تاریخ اقوام عالم کا یہ کلیہ ہے کہ "بہادری سے بہادر قوم کو امن و آشتی کا طویل دور بزدل، نکما اور کمزور اور کمزوری سے کمزور قوم کو مصائب و ابتلاء کا مختصر ترین دور بہادر اور چست و چالاک بنا دیتا ہے"۔ یہی سب کچھ بنو امیہ کے ساتھ ہوا جس کا ثبوت بعد کے آنے والے سلاطین نے پیش کر دیا۔

قوموں کے عروج و زوال کی تاریخ میں ہنگامہ خیزی کے دور بہت سے نتائج کے حامل ہیں۔ اس ۷۰ سالہ دور کو بھی اگر بنظر غائر دیکھا جائے تو وہ نتائج ہمارے سامنے آئیں گے جو کافی نتیجہ خیز ہیں۔ اور جن کو فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ اس دور کے جائزے میں اگر بغاوتوں کے اسباب کا مطالعہ بھی کر لیا جائے تو بے جا نہ ہوگا کیونکہ ان بغاوتوں کے پس پردہ بھی بہت سے عوامل کارفرما تھے جو صرف سیاسی ہی نہ تھے بلکہ عوامی حیثیت بھی رکھتے تھے۔

جن کا مطالعہ کرنا ضروری ہوگا۔

(الف) اسپین کی سرزمین کے لئے یہ ہنگامے اور بغاوتیں کوئی نئی چیز نہ تھے۔ عربوں نے جب سے اس سرزمین پر قدم رکھا تھا تب ہی سے یہ وبائیں پھوٹ پڑی تھیں۔ گو اولوالعزم امیران بنو امیہ نے اپنی انتھک محنت اور تدابیر صحیحہ سے ملک کے سیاسی حالات پر بڑی حد تک قابو پالیا تھا پھر بھی وہ عوام کے قلوب کو مسخر نہ کر سکے تھے۔ عوام میں عرب۔ بربر۔ عیسائی اور نو مسلم تھے۔ عربوں اور بربروں کی تعداد عیسائیوں اور نو مسلموں کے مقابلہ میں بہت کم تھی لیکن پھر بھی عرب ان پر حکمران تھے۔ اوپر تذکرہ کر دیا گیا ہے کہ عربوں کے متکبرانہ رویے اور غیر عرب اقوام سے ان کی کج ادائی نے تقریباً سارے ہی ملک کے رہنے والوں کو ان سے بدظن کر دیا تھا۔ حکومت کا انداز کیونکہ فوجی تھا اس لئے اس کو فوج کی فراہمی کے لئے تمام قوموں سے یکساں سلوک کرنا پڑتا تھا۔ دور ولایت کے تجربات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے امیر آن قرطبہ نے اس بات کی ضرور کوشش کی کہ عربی تفخر و تکبر کو ختم کر کے عربی تہذیب کو نظر انداز کر دیا جائے۔ تاکہ غیر عرب اقوام کے قلوب مسخر کر لیں اور عربوں کی قبائلی کشمکش سے نجات مل سکے۔ یہ نظر اندازی ہمیں عبدالرحمٰن الاوسط کے زمانہ میں عروج پر نظر آتی ہے۔ جس میں زریاب اپنے نت نئے فیشنوں سے ایک نئی تہذیب کو جنم دے رہا تھا۔ اس سے ایک طرف تو عرب حکومت کے خلاف ہو گئے۔ اور موقع کی تلاش میں رہے کہ حکومت کا تختہ الٹ دیں۔ دوسری طرف اسپینی نو مسلم عربوں اور حکومت دونوں سے بیزار تھے کیونکہ ایک تو نو مسلم معاشرہ میں ان کو صحیح مقام نہ دیا گیا تھا۔ دوسرے عربوں کی طرف سے ان کی اہانت و تذلیل کا سلسلہ جاری تھا۔ باوجود اس کے کہ حکومت نے عیسائیوں سے کافی روادارانہ سلوک کیا تھا لیکن وہ بھی سخت ناراض تھے کیونکہ ان کے نزدیک ان کی مذہبی جنونی تحریک کو حکومت نے تشدد کے ساتھ دبایا تھا۔ حالانکہ یہ تشدد خود ان کی اپنی بے ہودہ حرکات اور متعصب راہبوں کی گمراہ کن باتوں کا نتیجہ تھا۔ الغرض سارے عوامی عناصر حکومت سے ناراض تھے اور کبھی جدا جدا اور کبھی متحد ہو کر امیر آن قرطبہ کے خلاف کارروائی کرنے سے باز نہ آئے۔

(ب) اس دور کی ہنگامہ خیزی کے پس پردہ امیر آن بنو امیہ کا وہ رویہ بھی کارفرما تھا جو وہ اپنے عوام سے روا رکھتے تھے۔ بادشاہ کو یہ اختیار تو ضرور رہتا تھا کہ وہ اپنی رعایا سے۔ جس چاہے

بیش آسکتا تھا لیکن اس کے اچھے بُرے اثرات کو مرتب ہونے سے نہیں روک سکتا۔ عبدالرحمٰن
الداخل اور اس کے لڑکے ہشام اوّل نے عوام سے اپنا رابطہ اچھی طرح قائم رکھا اور اسلامی تہذیب
و اس ملک میں مستحکم کرنے کے لئے زیادہ سے زیادہ عوامی نمائندوں کو اپنے قریب کیا لیکن حکم
وّل نے اپنے اعمال و افعال کی نگرانی سے بچنے کے لئے ان عوامی نمائندوں کو اپنے سے دور کر دیا جب
ن نمائندوں نے احتجاج کیا تو قرطبہ کا وہ عظیم فتنہ برپا ہوا جس کا تذکرہ اوپر کیا جا چکا ہے حکم
ول کی اس بے راہ روی اور عوام پر شدید ظلم و ستم نے نہ صرف یہ کہ مسلمان بلکہ نو مسلم اور غیر
سب کو خاندان بنو امیہ سے ناراض کر دیا جس کا ثبوت طلیطلہ کی عظیم بغاوت اور پھر قتل
م ہے جس میں عیسائیوں نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا اس کے بعد عیسائیوں کی آزاد ریاست
شتوریاس (Asturis) کا پلایو کے ہاتھوں قائم ہونا بھی اس بات کا ثبوت
اہم کرتا ہے کہ عیسائی اور نو مسلم بے اطمینانی کا شکار تھے۔ عبدالرحمٰن الاوسط ایک نرم طبیعت
قسم کا شخص تھا اور وہ ہر ایک کو خوش رکھنا چاہتا تھا لیکن پھر بھی عیسائیوں کی مذہبی جنونی
یک نے یہ بات ثابت کر دی کہ ملک کی غیر مسلم اکثریت حکومت کی مطیع نہیں۔ سلاطین اسپین
غلط پالیسیوں کے نتائج اس وقت تک سامنے نہ آسکے جب تک حکومت طاقتور رہی۔
ہی حکومت کو ضعف آیا سب دبے ہوئے فتنے ایک ایک کر کے باہر آنے لگے۔ اگر بنظر غائر
جائے تو امیر محمد ہی ان فتنوں کے ابھرنے کا باعث بنا تھا۔ گو وہ خود عیاش طبع نہ تھا۔
پرہیزگار، عادل اور عفو و درگذر والا تھا لیکن مدبّر نہ تھا۔ اس کی طبیعت کی کفایت
ری بخل کی شکل اختیار کر گئی تھی۔ اکثر ایسے واقعات بھی سامنے آئے کہ امیر محمد نے مال و
ولت خرچ کر کے فوجکشی کرنے کی بجائے باغیوں سے صلح کر لی۔ بڑی بڑی تنخواہ پانے والے
ے کار عہدہ داروں کو علیحدہ کر کے کم تنخواہ پر ناتجربہ کار افراد کو مقرر کیا جس سے انتظامی
نچہ کمزور ہو گیا۔ عیسائیوں سے فطری طور پر یا مذہبی طور پر سخت نفرت
تا تھا اور ان پر تشدد سے بھی باز نہ آتا تھا اور یہی وجہ تھی کہ عیسائیوں کی جنونی تحریک
خاتمہ اسی کے زمانہ میں ہوا۔ عمر ابن حفصون کو بھی چھوٹ صرف اس لئے دیدی کہ اس کے خلاف
روائی کرنے میں بڑے مصارف ہوتے تھے۔ جس کا یہ نتیجہ ہوا کہ ابن حفصون مرتے دم تک سر غنہ

بن گیا۔ منذر بن محمد ایک باصلاحیت شخص تھا۔ ممکن تھا کہ وہ حالات کو سدھارنے میں کامیاب ہو جاتا۔ لیکن ایک سال کے اندر ہی مار ڈالا گیا۔ عبداللہ بن محمد ایک ناکارہ اور بے صلاحیت فرد تھا۔ نہ مرد میدان تھا نہ مرد سیاست۔ عزم و استقلال سے بے بہرہ اور وزراء کے ہاتھوں میں کٹھ پتلی تھا۔ گو ریاضت و پرہیزگاری میں یکتا تھا لیکن جنگ سے جی چراتا تھا۔ اگر جنگ کی نوبت ہی آجاتی تو دور ہی سے جنگ کا تماشا کرتا رہتا۔ ایسی صورت میں بغاوتوں کا استیصال کیا ہوتا؟ چنانچہ بہت سی آزاد ریاستیں معرض وجود میں آگئیں۔ الغرض بنو امیہ آئین کا یہ ستر سالہ دور مرحوم سلاطین کے تشدد، بے جا داداری، تعصب۔ اور بد نظمی کے ردعمل کا صحیح نقشہ تھا۔

(ج) اس ہنگامی دور کے پس پردہ وہ جذبہ بھی کارفرما تھا جس کا ذکر اوپر کیا جا چکا ہے۔ یعنی اپنی اپنی تہذیب اور طرز معاشرت کی بقا۔ عرب اپنی اس تہذیب کو دوبارہ برسر اقتدار لانا چاہتے تھے جو دمشق میں تھی۔ لیکن ان کی آپس کی قبائلی جنگوں نے حکومت قرطبہ کو اس بات پر مجبور کر دیا کہ ان کو پیس کر رکھ دے تاکہ ان کے ہر قبیلہ کی یہ خواہش پوری نہ ہو سکے کہ اس کے ہی قبیلے کا کوئی فرد برسر اقتدار ہو۔ عرب قبائل کی خواہش کو دیکھتے ہوئے دیگر اقوام نے بھی اپنی خواہش کا احترام کرانا چاہا جس کے نتیجہ میں طویل خانہ جنگی کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ حکومت قرطبہ نے اپنے آپ کو بچانے کے لئے نئی نئی قوموں کا سہارا لینا شروع کیا۔ مثلاً حکم اول کو صقالبہ کا سہارا لینا اور عبدالرحمن الاوسط کو بربروں اور نو مسلموں کو اپنانا پڑا۔ عیسائیوں کو اپنی تہذیب اور مذہب کے مٹنے کا غم کھائے جا رہا تھا جس کو بچانے کے لئے انہوں نے ہاتھ پیر مارے۔ نو مسلموں نے کچھ عرصہ تک صبر کیا۔ اور اس بات کے منتظر رہے کہ مسلم معاشرہ میں کب ان کو مقام ملتا ہے۔ لیکن جب کوئی مثبت نتیجہ نکلتا نہ دیکھا تو تحریک مولدین کی شکل میں اٹھ کھڑے ہوئے۔ بربروں نے بھی اپنی انفرادیت کو بچانے میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ غرض ہر قوم کو اپنی بقا کی فکر دامنگیر تھی۔ اور وہ اپنے اپنے دائرہ عصبیت میں گھوم رہی تھیں۔ ایسی صورت میں حکومت سے وفاداریاں ختم ہونے لگیں۔ اور خود غرضانہ ماحول پیدا ہو گیا۔

اگر ان فتنوں اور بغاوتوں کا بغور مطالعہ کیا جائے تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ یہ ستر سالہ دور انفرادی، قبائلی اور قومی تحفظ کا دور تھا جس میں عامۃ الناس نے

تحفظ کی تمام تدابیر اختیار کر لی تھیں۔ ایسی حالت میں بغاوت جنگ۔ دھوکہ چالبازی بغرض ہر جائز و ناجائز روا کر لیا گیا تھا۔ یہ حقیقت ہے کہ یہ پرفتن دور بنو امیہ اسپین کا نزاعی دور تھا اور وہ فنا و بقاء کی کشمکش میں مبتلا تھے۔ اگر عبدالرحمٰن الناصر تخت اسپین پہ نہ آتا تو کوئی تعجب نہیں کہ بنو امیہ کا خاتمہ ہو چکا تھا اور پھر یہ بنو امیہ کی خوش بختی ہی تھی کہ ایک تو اس ملک کے ہوس اقتدار میں ڈوبے ہوئے افراد خود آپس ہی میں الجھ گئے دوسرے عمر بن حفصون کے اعلان عیسائیت نے اس کے ارادے باطل کر دیئے ورنہ اسپین کی تاریخ کا رخ کچھ اور ہی ہوتا۔

ساتواں باب

خلافت بنو امیہ اسپین

خلیفہ عبدالرحمٰن ثالث الناصر بن محمدؒ

۳۰۰ھ / ۹۱۲ء تا ۳۵۰ھ / ۹۶۱ء

تخت نشینی ۲۲ سال کی عمر میں عبدالرحمٰن ثالث اپنے دادا عبداللہ کی وفات کے بعد تخت قرطبہ پر جلوہ افروز ہوا۔ یہ محمد کا لڑکا تھا اور ذوذی نے ابن خلدون کے حوالے سے لکھا ہے کہ "امیرزادہ محمد وہی ہے جس کو باپ کے اشارے پر اس کے بھائی مطرف نے قتل کرادیا تھا۔" امام الدین صاحب نے بھی یہی تحریر کیا ہے کہ "عبداللہ نے محمد کو قتل کرادیا تھا۔" ابن خلدون نے اپنی رائے کا اظہار اس طرح کیا ہے کہ "محمد کے بھائی مطرف نے اس کی شکایتیں کرکے امیر عبداللہ کے کان بھرنا شروع کئے۔ یہاں تک کہ امیر عبداللہ کے دل میں محمد کی طرف سے عناد پیدا ہوگیا۔ محمد کو جب اس کا علم ہوا تو وہ جان کے خوف سے ابن حفصون کے پاس بھاگ گیا۔ کچھ روز بعد امیر عبداللہ سے امان حاصل کرکے پھر واپس آگیا۔ مطرف نے دوبارہ شکایتوں کا دفتر کھولدیا۔ حتیٰ کہ امیر نے محمد کو محل سرا میں قید کردیا۔ اتفاق سے انہی دنوں امیر عبداللہ کو قرطبہ سے باہر جانا پڑا چنانچہ مطرف کو نائب بنا کر چلا گیا۔ مطرف کو اپنی دلی خواہش پوری کرنے کا موقعہ مل گیا اور اس نے محمد کو کھانے میں زہر دیکر مروا ڈالا۔ امیر عبداللہ کو اپنے بیٹے محمد کے مارے جانے کا دلی صدمہ ہوا اور اس نے محمد کے لڑکے عبدالرحمٰن کو شاہی محل میں داخل کرلیا اور خاص اپنی نگرانی میں اس کی پرورش کرنے لگا۔ اس وقت عبدالرحمٰن کی عمر

صرف ۲۰ دن کی تھی[1]۔ ابن خلدون کی یہ روایت اس لئے صحیح معلوم ہوتی ہے کہ بعد میں امیر عبداللہ نے مطرف کو محمد اور وزیر السلطنت کے قتل کی سزا میں مار ڈالا اور عبدالرحمٰن کو اپنا جانشین مقرر کیا۔ تعجب یہ ہے کہ اس تقرری کی مخالفت میں کوئی آواز بلند نہیں ہوئی۔

عبدالرحمٰن بن محمد نے، اسی عمر ہی سے حکومت کے کاموں میں حصہ لینا شروع کر دیا تھا۔ وہ جلد ہی اپنی بے مثال شجاعت اور عمال حسنہ سے عوام کا منظور نظر ہو گیا تھا چنانچہ جس وقت تخت قرطبہ پر آیا تو گمان غالب تھا کہ اس کے عزیز دادا و چچا اس کی اطاعت نہ کریں گے اور خورد سالی پر محمول کر کے اس کو تخت سے ہٹا دیں گے لیکن برخلاف اس گمان کے کسی نے اس کے خلاف آواز تک نہ اٹھائی اور بخوشی اطاعت گذار بن گئے جس سے اس کی بے مثال صلاحیتوں حسن کارکردگی اور مقبولیت عام کا پتہ چلتا ہے۔

ملک کی حالت

جس حالت میں ملک کی باگ ڈور عبدالرحمٰن ثالث کے ہاتھوں میں آئی اس کو کسی بھی صورت میں اطمینان بخش نہیں کہا جا سکتا تھا۔ گو امیر عبداللہ کے آخری دور میں حکومت کو کچھ کچھ استحکام حاصل ہونے لگا تھا اور حالت قدرے معمول پر آنے لگی تھی لیکن ابھی تک ملک میں خود مختار آزاد حکومتیں قائم تھیں۔ صوبوں کے حاکم نیم آزاد تھے اور ایک دوسرے سے دست و گریباں تھے۔ عوام کی بے باکی اور غداری کا یہ حال تھا کہ جب بھی اور جہاں کہیں موقع ملتا ہتھیار سنبھال لیتے۔ اور صوبے کے حاکم کو قتل کر دیتے تھے۔ قزاقوں اور لٹیروں نے پہاڑوں کو اپنا مسکن بنا لیا تھا اور عوام کو ہراساں اور پریشان کرنے پر عامل تھے۔ حکومت کا رعب و داب قرطبہ اور حوالی قرطبہ میں کچھ واجبی سا رہ گیا تھا۔ زراعت تباہ ہو چکی تھی۔ صنعت قریب الختم اور تجارت نہ ہونے کے برابر تھی۔ جیان کے صوبہ میں زبردست قحط پڑ رہا تھا۔ جہاں کے عوام کثرت سے علاقہ چھوڑ کر افریقہ اور دیگر علاقوں میں جا بسے تھے۔ ملک کی ایسی حالت میں امیر عبدالرحمٰن ثالث نے تخت قرطبہ پر قدم رکھا۔ اس نے بغور اپنے دادا کے زمانہ کا مطالعہ کیا تھا۔ اور حکومت کی کمزوریوں سے پورے طور واقف تھا۔ اس نے بغاوتوں اور سرکشیوں کی وجوہات کا بھی مطالعہ کیا تھا جس کی بنا پر اس نے پہلے ہی سے حکومت کا ایک منصوبہ بنا لیا تھا۔ چنانچہ تخت پر آتے ہی امیر عبداللہ کی پیچیدہ اور متذبذب سیاست کی جگہ ایک بے باک اور صاف طرز عمل اختیار کیا جس میں عزم بھی تھا اور استقلال بھی۔ سب سے پہلے اس نے اعلان عام کرا دیا کہ کسی بھی قسم کی بغاوت برداشت نہ کی جائے گی۔ یہیں صرف خراج ہی نہ چاہئے بلکہ شہر اور قلعے بھی درکار ہیں۔ جو لوگ اطاعت قبول کریں گے۔

[1] ابن خلدون ج ۵ ص ۲۰۴ (اردو ترجمہ)

ان کو پوری معافی دی جائے گی۔ ورنہ بشکل دیگر عبرتناک سزا دی جائے گی اس بات کا پورا احتمال تھا کہ اس اعلان کے بعد پورا اسپین بنو امیہ کے خلاف متحدہ اٹھ کھڑا ہو گا۔ لیکن ایسا نہ ہوا ایک تو اس وجہ سے کہ باغیوں کے سرغنوں کی یا تو موت ہو چکی تھی یا وہ کمزور اور بوڑھے ہو چکے تھے مثلاً عرب سرداران جماعت سعید بن جودی کریب ابن خلدون ابراہیم بن حجاج مر چکے تھے اور انکے جانشین صاحب عقل و تدبیر نہ تھے ابن حفصون اور دیگر اسپینی باغی اسقدر کمزور اور بوڑھے ہو چکے تھے کہ تاب مقابلہ نہ رکھتے تھے۔ عوام الناس طوائف خانہ جنگی اور ملک کی اقتصادی حالت سے سخت پریشان تھے۔ اور امن و سلامتی کی راہ کے متلاشی تھے چنانچہ امیر عبدالرحمن ثالث کے اس اعلان کا ردعمل یہ ضرور ہوا کہ عوام میں خوشی کی لہر دوڑ گئی اور وہ زیادہ سے زیادہ امیر کی اطاعت میں داخل ہو گئے۔

بغاوتوں کا استیصال

امیر عبدالرحمن ثالث نے تقریباً تین ماہ سلطنت کے انتظام اور فوج کی ترتیب میں صرف کئے پھر یہ اولوالعزم امیر بذات خود باغیوں کی سرکوبی کو قرطبہ سے نکلا ایک عرصہ سے عوام اور سپاہ نے اپنے امیر کو اس طرح پیہم سالاری کرتے نہ دیکھا تھا جب عبدالرحمن ثالث کو اس طرح دیکھا تو ان کے حوصلے بلند ہو گئے ان کا حب الوطنی اور اطاعت گذاری کا جذبہ عود کر آیا اور وہ اپنی جان و مال کے ساتھ امیر کے ساتھ شریک ہو گئے۔ پہلا حملہ استجہ پر ہوا اور شہر والوں نے بغیر مزاحمت ہتھیار ڈال کر اطاعت قبول کر لی۔ دوسری مہم البیرہ اور رجیان کے صوبوں کے لئے روانہ ہوئی۔ صوبہ رجیانہ کے قلعہ منت لیون پر حملہ ہوا۔ گو وہاں کا حاکم سعید بن ہذیل ابن حفصون کا بڑا دوست تھا لیکن اس نے امیر سے لڑنے کی بجائے صلح کر لی اور قلعہ امیر کے حوالے کر دیا۔ ابن شالبہ۔ اسحاق بن ابراہیم حاکم منت لشہ اور دیگر سرداروں نے جو بہت سے قلعوں کے مالک بن بیٹھے تھے اطاعت کا طوق اپنی گردنوں میں بخوشی ڈال لیا۔ اور اس میں اس قدر جلدی کی کہ امیر عبدالرحمن ثالث کے پہونچنے کا بھی انتظار نہ کیا امیر نے ان سرداروں کو اہل و عیال کے قرطبہ روانہ کیا اور قلعوں میں اپنی فوج متعین کر دی۔ امیر پھر صوبہ البیرہ میں داخل ہوا اور بغیر کسی خاص مزاحمت کے قلعہ فنانہ تک پہونچ گیا۔ یہ مستحکم قلعہ ابن حفصون کے ساتھیوں کے قبضہ میں تھا اور سخت لڑائی کی امید تھی لیکن معمولی سی جھڑپ کے بعد اہل قلعہ نے اطاعت کر لی۔ باغیوں کے علاوہ تمام شہریوں کو امان دی گئی۔

صوبہ البیرہ کے باغی بربر قبیلے بنو جہاب نے بھی اطاعت قبول کر لی۔ البیرہ اور رجیان کی سرحد پر ایک مضبوط قلعہ مت رئیہ سرکش اور فتنہ پرداز عیسائیوں کا مسکن بنا ہوا تھا امیر نے اس پر بھی قبضہ کر کے باغیوں اور سرکشوں کا پوری طرح قلع قمع کر دیا۔ اس کے بعد تو یکے بعد دیگرے حصن شبیلیس، شلوبانیہ، شنت اشتبیان اور بنہ فراطر

کے قلعہ قبضہ میں آگئے یہ تمام علاقے قزاقوں اور لٹیروں کا مسکن تھے۔ اور البیرہ اور غرناطہ کے لئے مصیبت کا باعث بنے ہوئے تھے چنانچہ تمام قزاقوں اور لٹیروں کو ختم کر دیا گیا۔ جو حکومت کے خلاف تھے ان کو شدید سزائیں دی گئیں عام طور پر عفو و درگذر سے کام لیا گیا۔ اس تمام علاقہ میں امن قائم رکھنے کے لئے قلعوں میں تجربہ کار فوجی افسروں کو متعین کیا گیا ابھی تین ماہ بھی نہ گذرے تھے کہ یہ دونوں صوبے زیر کر لئے گئے۔ [1]

اشبیلہ کے نبو حجاج کی اطاعت

قبل ازیں بتایا جا چکا ہے کہ اشبیلہ پر ابراہیم بن حجاج آزاد اور خود مختار بن گیا تھا اس کے مرنے کے بعد اس کا بڑا لڑکا عبدالرحمن اشبیلہ پر اور چھوٹا لڑکا محمد قرمونہ پر حاکم ہوا تھا ۳۰۳ھ/۹۱۳ء میں عبدالرحمن کے مرنے کے بعد محمد نے چاہا کہ اشبیلہ پر بھی قبضہ کر لے لیکن اہل اشبیلہ محمد کو ناپسند کرتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے محمد کے چچا زاد احمد بن مسلمہ کو اپنا حاکم مقرر کر لیا محمد بن ابراہیم نے اس معاملے میں امیر عبدالرحمن ثالث کی مدد مانگی امیر نے اس کی درخواست منظور کر لی۔ اور جلد ہی شاہی افواج نے اشبیلہ کا محاصرہ کر لیا۔ احمد بن مسلمہ میں شاہی فوج سے لڑنے کی طاقت نہ تھی چنانچہ اس نے ابن حفصون سے مدد مانگی۔ عمر ابن حفصون فوراً کمک لیکر مدد کو پہنچا لیکن وقت بدل چکا تھا اور امیر قرطبہ عبدالرحمن ثالث کا ستارہ عروج پر تھا چنانچہ ابن حفصون اور احمد بن مسلمہ نے وادی الکبیر کے داہنے کنارے پر شاہی فوجوں کا مقابلہ کیا اور دونوں نے بری طرح شکست کھائی۔ ابن حفصون بار جواس ہو کر قلعہ بیشتر کی طرف بھاگ گیا۔ احمد بن مسلمہ نے بحالت مجبوری وزیر حکومت قرطبہ بدر کی معرفت امیر سے صلح کی بات چیت کی چنانچہ باعزت شرطوں پر صلح ہو گئی۔ اور شاہی فوج اسی سال کے دسمبر کے مہینے میں اشبیلہ میں داخل ہوئی۔ محمد بن ابراہیم اس صلح سے سخت مایوس ہوا اور غصہ کی حالت میں قرمونہ چلا گیا اور حکومت قرطبہ کے خلاف بغاوت کا علم بلند کر دیا۔ امیر عبدالرحمن ثالث نے اس سے لڑائی نہ چھیڑی بلکہ اپنے قاصد قاسم بن ولید کعبی کو اس کو سمجھانے کے لئے بھیجا۔ قاسم نے محمد کو نہایت ہوشیاری اور لیاقت سے ایسا شیشہ میں اتارا کہ محمد قرطبہ جانے کو تیار ہو گیا۔ مگر اس شرط پر کہ قرمونہ میں اس کا نائب حاکم ہو گا امیر نے اس کی یہ شرط قبول کر لی اور محمد بن ابراہیم قرطبہ چلا آیا۔ امیر عبدالرحمن ثالث نے اس کی بڑی آؤ بھگت کی اور اس کو قمدان وزارت و کبیر حاجب کبیر کا خطاب عطا کیا۔ اور ایک نئی مہم میں اس کو شریک ہونے کا حکم دیا۔ [2]

---

[1] عبرت نامہ اندلس ج ۲ ص ۶۲۹ [2] ایضاً ص ۶۳۷

عمر بن حفصون کا خاتمہ

یہ بیان کیا جا چکا ہے کہ عمر بن حفصون جنوبی اسپین کے عیسائیوں اور نو مسلموں کا رہبر اور سردار بن چکا تھا اور تحریک آزادی مولدین کا ہیرو تصور کیا جانے لگا تھا جس وقت امیر عبدالرحمٰن ثالث تخت پر رونق افروز ہوا اور اس امیر کا کردار اور عمل جب لوگوں کے سامنے آیا جس میں انصاف پسندی، رواداری اور عفو و درگذر کا پہلو نمایاں تھا۔ تو عوام بنو امیہ کے تخت کو ختم کرنے کے جذبہ کو بھلا بیٹھے۔ اور اس بات کے خواہشمند نظر آنے لگے کہ امن و سلامتی حاصل ہو جائے متواتر خانہ جنگیوں نے ان کو تھکا دیا تھا اور ان میں وہ پہلا سا جوش و جذبہ باقی نہ رہا تھا خستگی۔ بدحالی اور پست ہمتی کی علامات ان میں ظاہر ہونے لگی تھیں۔ ابن حفصون ایک ہوشیار آدمی تھا وہ حالات کو سمجھ گیا۔ چنانچہ اس نے پہلے تو قومی آزادی کے نام سے لوگوں کو اپنے ساتھ ملائے رکھا پھر یہ کوشش کی کہ عباسی خلافت سے مدد حاصل کرے اور اسپین کا امیر بن جائے۔ لیکن وہ ہر طرف سے ناکام و نامراد ہوا۔ اس کے بعد کوہستان ریہ کے باشندے بھی اس کی فوج میں کم داخل ہونے لگے۔ جس کی وجہ سے ابن حفصون نے افریقہ سے بربروں کو بڑی تنخواہ پر اپنی فوج میں بھرتی کیا۔ یہ بربر طامع اور لالچی تھے۔ جان لڑا کر لڑنا نہ جانتے تھے۔ ابن حفصون نے حالات کا رخ دیکھتے ہوئے ۲۹۷ھ/۹۰۹ء میں فاطمی عبیداللہ الشیعی کو اپنا بادشاہ تسلیم کر لیا۔[1] لیکن اس سے بھی اس کو کوئی خاص نفع نہ پہونچا۔

عمر بن حفصون نے اور اس کے دوست ابن مستنہ نے عیسائیت قبول کر لی جس کے بعد اس کی تمام لڑائیاں نہ قومی پیرائے پر تھیں اور نہ ہی ان کا تعلق آزادی اسپین سے رہ گیا تھا بلکہ ان جنگوں نے مذہبی حیثیت اختیار کر لی۔ کیونکہ ابن حفصون کی اب یہ ہی کوشش تھی کہ اسپین میں عیسائیت کا فروغ دوبارہ ہو جائے۔ اس نے اپنے علاقے میں بڑے بڑے گرجا تعمیر کئے اور اپنی فوج کے بڑے بڑے عہدوں سے نو مسلموں اور مسلمانوں کو ہٹا کر عیسائیوں کو مقرر کیا۔ چنانچہ بیشتر کا علاقہ نصرانی تعصب کا مرکز بن گیا۔ اسپینی مسلمانوں کا یہ حال تھا کہ عربوں سے عداوت رکھنے کے باوجود اسلام سے ان کو بے حد شغف تھا۔ دوسری طرف بقول البیان المغرب "سرف اور غلاموں کی اولادوں کو عیسائی گاتھ حکومت کے تلخ تجربات یاد تھے۔ اس لئے وہ کبھی بھی یہ پسند نہ کرتے تھے کہ عیسائی دوبارہ اسپین کے مالک ہو جائیں؛[2] کیونکہ ایسا ہونے کی صورت میں وہ ان تمام سہولتوں سے محروم ہو جاتے جو مسلمانوں نے ان کو دی تھیں چنانچہ ایک بار پھر مذہب ایک ایسی چنگاری بن گیا جس سے ہر طرف آگ لگائی جانے لگی۔ اسپینی عیسائی اور

---

[1] عبرت نامہ اندلس ج ۲ ص ۶۲۹ [2] Andalus – Hole p.164

اسپینی مسلمان ایک دوسرے کو عداوت کی نگاہ سے دیکھنے لگے اور بعض علاقوں میں تو سخت کشت و خون ہوا۔ ایسی صورت میں ابن حفصون کے طرفدار صرف عیسائی یا افریقہ کے تنخواہ دار ہی رہ گئے۔ اور اس کے بہت سے قریبی دوستوں نے امیر عبدالرحمٰن ثالث کی اطاعت کر لی۔ امیر نے وادی الکبیر پر ابن حفصون کو شکست دینے کے بعد کوہستان ریہ کا رخ کیا۔ جگہ جگہ پر ابن حفصون کے عیسائی ساتھیوں نے امیر کا مقابلہ کیا۔ لیکن پھر بھی شاہی فوجیں مقام طلوش تک پہونچ گئیں۔ جہاں پر خود ابن حفصون موجود تھا۔ اس نے زبردست مقابلہ کیا لیکن شکست کھائی اور طلوش اور دیگر قلعے اس کے ہاتھ سے نکل گئے۔ اور شاہی فوجیں ان پر قابض ہو گئیں۔ ان حالات میں ابن حفصون اس قدر تنگ رہنے لگا کہ کھانے پینے کی اشیاء تک اسکو افریقہ سے منگوانا پڑتی تھیں۔ شاہی بحری جہازوں نے اس کے کئی جہاز پکڑ لئے تھے جو افریقہ سے اس کے لئے رسد لا رہے تھے۔ بالآخر عمر ابن حفصون کو جس کا عیسائی نام شموئیل تھا ۲۰۴ھ/۹۱۷ء میں موت نے آدبوچا۔ ابن عذاری نے لکھا ہے کہ "اسی سال کافروں کا سردار۔ رئیس المنافقین۔ خانہ جنگیوں کو بھڑکانے والا۔ اور باغی اور سرکشوں کا پشت پناہ عمر ابن حفصون (شموئیل) مر گیا۔"[1]

عمر ابن حفصون بلاشبہ ایک بہادر اور مدبر شخص تھا اس نے بڑی شجاعت و مردانگی سے اسپین کے چار فرمانرواؤں کا مقابلہ کیا تھا۔ وہ دھوکہ بازی اور سیاست میں بھی کم نہ تھا لیکن پھر بھی اس نے اپنی قوم کے ہیرو ہونے کا وافر ثبوت فراہم کیا۔ اس کے زوال کا سب سے بڑا سبب عیسائی ہونا تھا۔ اگر وہ مسلمان رہتا تو بلاشبہ پوری قوم اسپین اس کی وفادار رہتی۔ اور کوئی تعجب نہیں کہ وہ اپنی نسلی حکومت قائم کرنے میں کامیاب ہو جاتا۔ اور پھر موجودہ تاریخ اسپین سے کچھ مختلف ہی تاریخ لکھی جاتی۔

بنی حفصون کا خاتمہ

عمر ابن حفصون نے چار لڑکے چھوڑے تھے جعفر، سلیمان، عبدالرحمٰن اور حفص۔ جعفر اپنے باپ کا جانشین ہوا لیکن جب امیر عبدالرحمٰن ثالث نے [illegible] کے محاصرے میں اس کو بالمشافہ گفتگو کرنے کا شرف بخشا تو اس نے خراج ادا کرنے پر [illegible] ۳۰۶ھ/۹۱۹ء جعفر نے اپنے باپ کے مسلمان دوستوں کو اپنے ساتھ ملانے کے لئے اور ان کی ناراضگی دور کرنے کے لئے دوبارہ مسلمان ہونے کا اعلان کر دیا جو ایک فاش سیاسی غلطی تھی۔ اب کوئی بھی امیر کی اطاعت سے باہر نہ تھا۔ اس طرح صرف یہ کہ جعفر اس کوشش میں ناکام رہا بلکہ ۳۰۷ھ/۹۲۰ء میں انتقاماً اپنے عیسائی سپاہیوں کے ہاتھوں قتل کر دیا گیا۔ سلیمان اس کا جانشین ہوا لیکن

---

[1] Andalus — Hole P.164

معاہدہ امن کو برقرار نہ رکھ سکا۔ اور شاہی لشکر سے لڑتا ہوا ۳۱۴ھ/۹۲۷ء میں مارا گیا۔ حفص اس کا جانشین ہوا لیکن اب اس خاندان کی تباہی قریب آچکی تھی ۳۱۵ھ/۹۲۸ء میں قلعہ بشتر کو امیر عبدالرحمن ثالث نے فتح کر لیا۔ اور حفص گرفتار کر لیا گیا۔ بعد میں اس نے شاہی فوج میں شامل ہو کر خدمات انجام دیں اس طرح خاندان حفصون کا خاتمہ ہو گیا اور وہ قلعہ بشتر بھی قبضہ میں آگیا جس نے پچاس برس تک اپنے رہنے والوں کو حکومت قرطبہ کی زد سے محفوظ رکھا تھا۔

علاقہ تدمیر کی اطاعت

جنوبی اسپین میں امن و امان قائم کرنے اور باغیوں کی سرکوبی کے بعد امیر عبدالرحمن ثالث نے ملک کے دوسرے حصوں کی طرف اپنی توجہ مبذول کی ۳۱۶ھ/۹۲۸ء میں ایک مہم علاقہ تدمیر کے ایک با نمی عرب شیخ اسلمی کے خلاف روانہ کی گئی۔ احمد ابن اسحاق شاہی فوج کا سردار تھا۔ احمد نے عبلدی اسلمی کے تمام قلعوں پر قبضہ کر لیا۔ شیخ نے مجبوراً اطاعت قبول کر لی۔ اور وہ اپنے اہل و عیال کے ساتھ قرطبہ بھیجا گیا۔ ماردہ شنتریں اور باجہ کے قلعے بھی اسی سال قبضہ میں آگئے۔ ایک اسپینی خلف بن بکر حاکم اکشنوبہ نے خراج ادا کرنے پر رضامندی ظاہر کر کے اطاعت قبول کر لی۔ امیر قرطبہ نے خلف میں مقبولیت عوام محسوس کر کے اس کو اس علاقہ کا حاکم برقرار رکھا۔ ابن مروان جلیقی کی اولاد بطلیوس پر حکمرانی کر رہی تھی۔ امیر عبدالرحمن ثالث نے جب بطلیوس کا رخ کیا تو اس کو سخت مزاحمت کا سامنا ہوا۔ لیکن ایک سال کے مسلسل محاصرے کے بعد یہ شہر بھی ۳۱۸ھ/۹۳۰ء میں فتح ہو گیا۔

طلیطلہ پر قبضہ

اب امیر کے سامنے طلیطلہ کی مہم تھی۔ امیر نے پہلے تو اہل طلیطلہ کو سمجھانے کے لئے ایک وفد بھیجا۔ کہ وہ دیگر علاقوں کی طرح امیر کی اطاعت کر لیں۔ لیکن طلیطلہ والے ۸۰ برس سے آزادی کے مزے اڑا رہے تھے۔ اور وہ اس کے اس قدر عادی ہو چکے تھے کہ کسی بھی صورت میں اس کو چھوڑنا پسند نہ کرتے تھے۔ چنانچہ امیر کا یہ وفد واپس آیا اور پھر امیر عبدالرحمن ثالث بذات خود فوج لے کر بڑھا اور طلیطلہ کا محاصرہ کر لیا۔ اہل طلیطلہ نے کافی رسد قلعے میں محفوظ کر لی تھی جس کی وجہ سے ابتدا میں محاصرین کو کوئی تکلیف نہ ہوئی۔ امیر نے محاصرہ کو شدید اور مستقل قائم رکھنے کے لئے طلیطلہ کے سامنے پہاڑی پر ایک نیا قلعہ تعمیر کرایا جس کا نام الفتح رکھا۔ دو برس تک محاصرہ قائم رہا جس کے دوران جھڑپیں بھی ہوتی رہیں۔ لیون اور جلیقیہ کے بادشاہ ردمیر دوم نے اہل طلیطلہ

کی مدد کرنا چاہی لیکن شاہی فوجوں کے ہاتھوں بری طرح شکست کھائی اہل طلیطلہ پر اب قحط مسلط ہو گیا۔ جس سے مجبور ہو کر انہوں نے شہر کے دروازے شاہی فوجوں کے لئے کھول دیئے۔ یہ آخری قلعہ تھا جو حکومت کے خلاف سرکشی اختیار کئے ہوئے تھا۔ اس کی فتح کے بعد اندرون ملک کوئی طاقت حکومت قرطبہ کے مقابلے میں باقی نہ رہی۔ چنانچہ عرب بربر اسپینی سب ہی نے اطاعت قبول کر لی اور امیر عبدالرحمٰن ثالث کی سطوت اور دبدبہ کے سامنے سر جھکا دیا اور وہ سب اس بات کے لئے مجبور کر دیئے گئے کہ پہلی حکومتوں سے زیادہ آمرانہ اور مطلق العنان حیثیت رکھنے والی اس حکومت کے وفادار بن کر رہیں۔

عیسائی ریاستوں سے تعلقات

امیر عبدالرحمٰن ثالث کو صرف اندرون ملک بغاوتوں کو ہی ختم کرنا نہ تھا بلکہ ان عیسائی ریاستوں سے بھی نبرد آزما ہونا تھا جو شمالی اسپین کے پہاڑوں میں موجود تھیں اور جن کو مسلمان حکمرانوں نے اپنے ابتدائی دور حکمرانی میں کمزور اور بزدل سمجھ کر صرف خراج لیکر چھوڑ دیا تھا جو مسلمانوں کی رواداری کی ایک مثال تھی لیکن یہی رواداری مسلمانوں کے لئے مصیبت بن گئی۔ یہ کمزور، بزدل اور ناقابل توجہ ریاستیں اسپین کے عیسائیوں کا مرکز بن گئیں جن کو مذہب کے نام پر یورپ کے عیسائیوں کی امداد بھی ملتی رہی جس زمانہ میں مسلمان مسلمان کا قاتل بن گیا تھا اور بغاوتوں اور سرکشیوں نے تخت قرطبہ کو ہلا دیا تھا۔ اس وقت ان ریاستوں کو اپنے حالات بہتر کرنے اور اپنی حدود میں توسیع کرنے کا موقعہ مل گیا تھا۔ عمر ابن حفصون نے ان ریاستوں کو مزید تقویت پہونچائی اور شمال سے نہ صرف ریاستوں کی بلکہ عام عیسائیوں کی بھی یلغار شروع ہو گئی۔ بشکنس۔ ارغون۔ اور قشتالہ کے عیسائیوں نے مسلمانوں پر حملہ کر دیا سینکڑوں بستیاں جلا کر خاک کر دیں اور بے دریغ مسلمانوں کو قتل کیا۔ یہاں تک کہ شمالی سرحدوں سے مسلمان بھاگنے لگے۔ جس وقت امیر عبدالرحمٰن ثالث کا ابتدائی دور تھا۔ لیون کے شاہ اردون ثانی نے ماردہ کے صوبہ میں ڈاکہ زنی اور قتل و غارت گری شروع کر دی۔ یہ شخص مسلمانوں کا شدید دشمن تھا جس قلعہ پر قبضہ کرتا تو لوٹ مار کر کے مرد مسلمانوں کو تہ تیغ کرتا اور عورتوں بچوں کو غلام بنا لیتا تھا۔ قلعہ الحنش میں اس نے ایسا ہی کیا۔ بطلیوس کا شہر قریب تھا لیکن اہل شہر نے اردون ثانی کو بہت

سامان دیکر امان مانگ لی۔ اردون ثانی نے اب تک جن قلعوں کو لوٹا تھا گو وہ ابھی تک امیر قرطبہ سے باغی تھے اگر امیران کی طرف توجہ نہ کرتا تو اس پر کوئی الزام عائد نہ ہو سکتا تھا۔ لیکن امیر عبدالرحمن ثالث نہ تنگ نظر تھا اور نہ تنگ دل۔ صوبے اور قلعے گو باغی تھے لیکن وہاں کی رعایا سلیمان تھی۔ اور بحیثیت ایک مسلمان بادشاہ کے امیر پر ان کی طرف توجہ کرنا لازمی تھا چنانچہ ۳۰۴ھ/۹۱۶ء میں احمد بن ابی عبدہ کو کثیر فوج کے ساتھ اردون ثانی کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا جس نے اہل لیون کو زبردست شکست دی۔ اس کے ایک سال بعد لیون کے فوجیوں نے دریائے تاجہ کے کنارے طلیرہ کے مضافات کو نذر آتش کر دیا۔ احمد بن ابی عبدہ پھر مقابلہ پر آیا اور اس نے قلعہ فاسطر مورش کا محاصرہ کر لیا۔ شاہ اردون ثانی بھی قلعہ والوں کی مدد کو آ گیا۔ احمد کی فوج میں بربروں اور اسپینیوں کی کثرت تھی۔ جو یا تو سازش کی بنا پر یا بزدلی کی وجہ سے میدان جنگ سے بھاگ پڑے۔ شاہی فوج کو شکست ہوئی۔ اور ابن ابی عبدہ میدان جنگ میں مارا گیا۔ اردون ثانی نے بنرہ کے رئیس شانجہ کے ساتھ مل کر ناجرہ اور تطیلہ کے علاقے کو خوب تاخت و تاراج کیا اور دلطیرہ پر قبضہ بھی کر لیا۔

لیون اور بنرہ کی اطاعت

امیر عبدالرحمن ثالث اس حادثہ عظیم کو سن کر تڑپ اٹھا۔ اور اس نے ایک زبردست فوج اپنے حاجب بدر کی سرکردگی میں ۳۰۵ھ/۹۱۷ء روانہ کی۔ بدر نے متونیہ کے مقام پر شاہ لیون کو دو مرتبہ شکست فاش دی جون ۳۰۸ھ/۹۲۰ء میں امیر بذات خود فوج لیکر قلعہ دشمہ کی طرف بڑھا اور ایک تدبیر سے قلعہ پر قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد یکے بعد دیگرے فاسطر مورش۔ العقبیلہ۔ شتیبان غراج اور قلنہ بغیر کسی خاص مزاحمت کے قبضہ میں آ گئے۔ شانجہ شاہ بنرہ اپنی جان بچاتا ہوا بھاگتا رہا یہاں تک کہ اربط میں پناہ گزیں ہوا۔ اور شاہی فوج دریائے ابرہ تک کے علاقے پر قابض ہو گئی۔ لیکن امیر عبدالرحمن ثالث نے اسی پر بس نہ کی اور دریا ابرہ پار کر کے بنرہ کے علاقے میں داخل ہو گیا۔ شانجہ نے جب پے در پے کئی شکستیں کھائیں تو لیون سے امداد مانگی۔ شاہ اردون ثانی بھی مع فوج کے اس کا شریک جنگ ہو گیا شاہی لشکر نے وادی قصب میں دونوں کو بری طرح شکست دی اور بے دریغ عیسائیوں کو قتل کیا۔ عیسائیوں نے بھاگ کر قلعہ مویہ میں پناہ لی۔ شاہی فوج نے آگے بڑھ کر اس پر بھی قبضہ کر لیا۔ اور جس قدر عیسائی وہاں تھے سب کو قتل کر دیا۔ امیر بنرہ کے علاقہ پر قابض ہو گیا۔

بہت سے قلعوں کو مسمار کر کے اور بے انتہا مال غنیمت لے کر امیر عبدالرحمٰن ثالث تین ماہ باہر رہنے کے بعد ستمبر ۹۲۰ء (جمادی الاول ۳۰۸ھ) میں قرطبہ واپس آگیا۔

گو عیسائیوں نے بری طرح پسپائی اختیار کی تھی جس کے بعد امید تھی کہ وہ پھر مسلمانوں کے علاقوں پر حملہ کرنے کی ہمت نہ کریں گے لیکن ابھی تک شانجہ اور اردون ثانی دونوں موجود تھے۔ اور ان کے حوصلے بھی پست نہ ہوئے تھے چنانچہ ان دونوں نے ۳۱۱ھ ۹۲۳ء میں پھر جنگ شروع کر دی اور اردون ثانی نے ناجرہ پر اور شانجہ نے بقیرہ پر قبضہ کر کے مسلمانوں کا بری طرح قتل عام کیا۔ امیر عبدالرحمٰن ثالث ۱ کو ایک بار پھر ان کی طرف توجہ دینا پڑی اور وہ سخت غصہ کی حالت میں اپریل ۳۱۱ھ ۹۲۳ء میں قرطبہ سے چلا اور جولائی میں ریاست نبرہ میں داخل ہو گیا اور قلعہ پر قلعہ فتح کرتا ہوا نبرہ کے دارالریاست بنبلونہ پر حملہ آور ہوا۔ شہر بغیر کسی لڑائی کے فتح ہو گیا۔ شانجہ اور دیگر عیسائیوں نے ملک کو بچانے کی بہت کوشش کی لیکن بے سود۔ شاہی فوج ان کو بار بار شکست دیتی رہی قشتالہ نے مدد بھیجی لیکن بے کار گئی۔ چنانچہ مجبور ہو کر شانجہ والی نبرہ کو امیر عبدالرحمٰن ثالث کے سامنے گردن جھکانی پڑی اور وہ ایک مدت تک مسلمانوں کا مقابلہ کرنے کے قابل نہ رہا۔

اردون ثانی ۳۱۲ھ ۹۲۴ء میں مر گیا اور اس کے بھائیوں اور بیٹوں میں خانہ جنگی شروع ہو گئی الفانسو نے اپنے بھائی شانجہ پر نبرہ کے شانجہ کی مدد سے فتح پائی اور لیون پر قابض ہو گیا۔ شانجہ جلیقیہ کی طرف چلا گیا اور شنت یاقب میں اپنی بادشاہت قائم کی اور پھر فوجی تیاریاں کر کے لیون پر قابض ہو گیا۔ ۹۲۵ء میں الفانسو چہارم نے پھر لیون پر قبضہ کر لیا۔ اور شانجہ پھر جلیقیہ میں آگیا۔ شمال کی ان خانہ جنگیوں سے امیر نے کوئی تعلق نہ رکھا اور وہ دیگر بغاوتوں کے استیصال میں مصروف ہو گیا جو ایک زبردست غلطی تھی۔ اگر ایسے وقت میں ان ریاستوں کو ختم کر دیا جاتا تو آئندہ کے حالات کچھ اور ہی ہوتے۔

خلافت کا قیام

خلافت کہاں اور کس طرح قائم ہوتی ہے؟ یہ ایک بحث طلب مسئلہ ہے جس کی اس موقع پر گنجائش نہیں۔ مختصر یہ کہ جمہور مسلمانوں کے نزدیک خلافت کا مستحق اسی خاندان یا حکومت کو سمجھا جاتا تھا جو حرمین الشریفین (مکہ و مدینہ) کا محافظ ہو۔ اس وقت یہ علاقے کیونکہ دولت عباسیہ کے پاس تھے اس لئے ان کو ہی خلافت

کا مستحق سمجھا گیا۔ امیران اسپین نے بھی ان کو ہی خلیفہ تسلیم کر لیا تھا۔ اور اپنے لئے وہ صرف امیر کا خطاب ہی کافی سمجھتے تھے۔ لیکن اب عباسی خلفاء اپنے وزیروں کے ہاتھوں میں کٹھ پتلی بن چکے تھے اور ان کی حکومت اور اختیارات شہر بغداد کی حدود سے باہر نہ رہے تھے۔ ہر جگہ شہروں اور صوبوں کے حاکم خود مختار بن رہے تھے اور حکومت عباسیہ میں اتنا دم نہ رہا تھا کہ حرمین الشریفین کی حفاظت کر سکے۔ دوسری طرف ایک متوازی خلافت مصر و افریقہ میں فاطمی خلافت کے نام سے وجود میں آچکی تھی جس سے اسپین کو زبردست خطرہ لاحق تھا۔ امیر عبدالرحمٰن ثالث نے اپنے کارناموں سے ایک دنیا پر اپنی سیادت کا سکہ جما لیا تھا۔ گو وہ حرمین الشریفین کا محافظ تو نہ تھا لیکن پھر بھی چند وجوہات ایسی تھیں جن کی بنا پر اس کو اپنی خلافت کا اعلان کرنے میں ہی بہتری نظر آئی۔ ان وجوہات کا جائزہ حسب ذیل تھا۔

(الف) امیر عبدالرحمٰن ثالث ایک زبردست حکمران ثابت ہو چکا تھا اور کافروں سے جہاد میں بڑی اور نمایاں کامیابی حاصل کر چکا تھا جس کی بنا پر اب وہ اپنے لئے اعلیٰ سے اعلیٰ مرتبہ حاصل کرنا چاہتا تھا۔

(ب) عباسی خلافت پارہ پارہ ہو چکی تھی اور خلیفہ عباسی نمائشی رہ گئے تھے۔ فاطمی خلافت کے قیام نے یہ بات ثابت کر دی کہ عباسی حکومت میں نہ صرف یہ کہ قوت مجادلہ بلکہ قوت مدافعت بھی ختم ہو چکی ہے۔ اس بنا پر عبدالرحمٰن ثالث کو خلیفہ بن جانے میں کوئی امر مانع نہ تھا۔

(ج) جمہور مسلمانوں میں خلافت کے ادارے سے وفاداری عام تھی اور بڑے سے بڑا بادشاہ بھی خلیفہ سے منسلک ہونا بقاء حکومت کے لئے ضروری خیال کرتا تھا۔ فاطمی خلافت کے قیام کے بعد مسلمانان اسپین کو مطیع رکھنے کے لئے یہ ضروری تھا کہ اسپین میں بھی خلافت قائم ہو ورنہ بصورت دیگر مسلمانان اسپین کی اکثریت کا فاطمی خلافت کا اطاعت گذار ہو جانا لازمی تھا۔

(د) اسپین میں طاقت کا ایک عنصر بربر تھے جن کی تعداد بھی کثیر تھی۔ ڈر تھا کہ وہ افریقہ کے بربروں کی حمایت میں فاطمی خلافت کے طرفدار نہ ہو جائیں جس سے نئی نئی مشکلات پیدا ہونے کا احتمال ہو سکتا تھا۔

(ہ) خارجہ پالیسی کے عمل دخل میں فاطمیوں سے جھڑپ کا ہونا ضروری تھا۔ خاص طور پر بحر روم

کی سیادت پران سے جھگڑے کا امکان موجود تھا چنانچہ ڈر تھا کہ لفظ "خلافت" کی وجہ سے اسپین کے مسلمان ان سے لڑنا گوارا نہ کرتے جس سے حکومت اسپین کو کافی نقصان اٹھانا پڑتا۔ ان چند وجوہات کی موجودگی نے امیر عبدالرحمٰن ثالث کو مجبور کر دیا کہ وہ اسپین میں بھی خلافت قائم کر دے چنانچہ ۲۳ ذیقعدہ ۳۱۶ھ (۱۲ جون ۹۲۹ء) میں جمعہ کے روز امیر نے حکم دیا کہ تمام خطبوں اور سرکاری کاغذات میں اس کا نام "امیرالمومنین عبدالرحمٰن الناصر الدین اللہ" پڑھا اور لکھا جائے۔ (ہم بھی آئندہ اس کو خلیفہ سے مخاطب کریں گے۔)

عیسائی ریاستوں کے گوشمالی

۳۱۹ھ/۹۳۱ء میں الفانسو چہارم جو لیون کے تخت پر قابض ہو گیا تھا تخت سے دستبردار ہو کر راہب بن گیا۔ اور اپنے بھائی رومیرو دوم کو اپنے بعد مقرر کر دیا۔ جس وقت رومیرو دوم اہل طلیطلہ کو خلیفہ ناصر کے خلاف امداد دے رہا تھا۔ الفانسو چہارم نے پھر دنیا طلبی میں تخت لیون پر قبضہ کر لیا۔ رومیرو فوراً واپس آیا اور بھائی کو گرفتار کر کے آنکھوں میں سلائیاں پھروا دیں۔ رومیرو دوم مسلمانوں کا شدید دشمن تھا۔ اور ان کے قتل عام سے باز نہ آتا تھا۔ خلیفہ الناصر خود فوج لے کر اس کی سرکوبی کو چلا اور اس کو نہ صرف یہ کہ مسلم حدود سے باہر کر دیا بلکہ قشتالہ کے دارالریاست برغش پر بھی قبضہ کر لیا اور اس کو پوری طرح مسمار کر دیا زیادہ عرصہ نہ گذرنے پایا تھا کہ شمالی سرحدی علاقوں میں ایک نئی صورت حال پیدا ہو گئی۔ اور ایک سازش خلیفہ الناصر کے خلاف تیار کی گئی جس کا بانی محمد بن ہاشم تجیبی والی سرقسطہ تھا۔ بنی ہاشم کا یہ خاندان ایک عرصہ سے حکومت کا وفادار تھا اور شمالی اضلاع کی ولایت اس کو نسلاً دیدی گئی تھی۔ خلیفہ ناصر نے گو تمام عربی خاندانوں کو حکومت کے اہم عہدے سے الگ کر دیا تھا لیکن اس خاندان کی خدمات دیکھتے ہوئے ان کو مدارج اعلیٰ پر برقرار رہنے دیا گیا تھا۔ محمد بن ہاشم تجیبی نے ۳۲۱ھ/۹۳۴ء میں خلیفہ ناصر سے بغاوت کی۔ اور شاہ لیون رومیرو دوم کو اپنا بادشاہ مان لیا۔ دونوں نے کوشش کر کے شاہ نبرہ غرسیہ کو بھی اپنے ساتھ شریک کر لیا۔ اس طرح پورا شمالی اسپین خلافت قرطبہ کے خلاف صف آرا ہو گیا۔ لیکن الناصر ان اشخاص میں سے نہ تھا۔ کہ جو ہراساں اور خوفزدہ ہو کر غلط تدابیر اختیار کر لیتے ہیں۔ اس کا عزم جوان اور ہمت بلند تھی۔ بڑے

سے بڑی مصیبت اور ابتلاء اس کے عزم راسخ کے آگے ہیچ تھی۔ چنانچہ یہ سازش بھی اس کے نزدیک کوئی اہمیت نہ رکھتی تھی ۳۲۷ھ/۹۳۹ء میں الناصر خود فوج لے کر اس سازش کو ختم کرنے کے لئے روانہ ہوا۔ اور قلعہ ایوب کے حاکم مطرف اور اس کے عیسائی دوستوں کو شکست دے کر قلعہ پر قابض ہو گیا اس کے بعد تقریباً ۳۰ قلعے اور فتح کئے پھر بنبرہ اور سرقسطہ کی طرف متوجہ ہوا۔ جب سرقسطہ میں محمد بن ہاشم کا محاصرہ شدید ترین ہو گیا تو اس نے تنگ آکر خلیفہ الناصر سے معافی مانگ کر امان حاصل کر لی۔ چونکہ ابن ہاشم سلطنت میں بڑا صاحب اقتدار اور منظور نظر تھا اس لئے خلیفہ نے بھی اس کو معاف کر کے اس کو پھر اسی کے عہدے پر بحال کر دیا۔ بنبرہ کی عیسائی ملکہ طوطہ کو جو غرسیہ کی سرپرست تھی پے در پے شکست ہوئی تو اس نے بھی خلیفہ الناصر سے امن کی درخواست کی اور سالانہ خراج کی ادائیگی پر خلافت قرطبہ کی سیادت کو تسلیم کر لیا۔ اب آئبیرین میں صرف لیون کا علاقہ اور صوبہ قطلونیہ کا ایک حصہ جو فرانس کی حدود میں تھا باقی رہ گیا تھا ورنہ کل آئبیرین خلافت قرطبہ کے احاطہ اقتدار میں آچکا تھا۔

جنگ خندق ۳۲۷ھ/۹۳۹ء میں لشکنش جلیقیہ اور لیون کے بادشاہوں نے پھر علم بغاوت بلند کیا۔ اس مرتبہ خلیفہ الناصر نے طے کر لیا کہ عیسائیوں کے اس فتنہ کو بالکل ہی ختم کر دے گا۔ چنانچہ ایک لاکھ کے قریب فوج جمع کی اور ایک صقلبی بجدہ کو اس کا سپہ سالار بنایا۔ ایک صقلبی کے سپہ سالار ہونے کی وجہ سے عرب امراء فوج سخت ناراض ہوئے اور اسی غصہ کی وجہ سے یہ طے کر لیا کہ اپنی اس توہین کا ضرور بدلہ لیں گے۔ چاہے اس سے خلیفہ الناصر کو شکست ہی کیوں نہ اٹھانا پڑے۔ شاہی افواج جیسے ہی شنبت مانکش کے نزدیک پہنچی رومیرو دوم اور بنبرہ کی فوجوں نے اس کا مقابلہ کیا۔ عرب امراء سازش کے تحت اپنی فوجوں کے ساتھ پیچھے ہٹے۔ لیون والوں نے تعاقب کیا۔ دریائے تاجہ کے کنارے سلمنکہ یا ظلمنکہ کے جنوب میں موضع الخندق میں شاہی فوج پھر جمع ہوئی اور دشمن کا مقابلہ کیا۔ لیکن شکست مقدر ہو چکی تھی۔ اور تمام فوج بے ترتیبی سے بھاگ پڑی جس کے نتیجہ میں تقریباً تمام فوج برباد اور قتل ہوئی۔ بجدہ مارا گیا۔ حاکم سرقسطہ محمد بن ہاشم گرفتار ہو گیا۔ صقالبہ نے مردانگی سے جنگ کی اور سارے کے سارے کھیت رہے۔ خلیفہ الناصر بڑی مشکل سے اپنی جان بچا کر ۴۹ آدمیوں کے ساتھ بحالت زار قرطبہ پہنچا۔ اس لڑائی کے بعد خلیفہ نے بذات خود جنگوں میں شریک ہونا بند کر دیا۔

اس جنگ کے بعد عیسائیوں کو ایک سنہری موقعہ ملا تھا کہ مسلمانوں سے بدلہ لیں لیکن خود ان کے درمیان کشمکش شروع ہوگئی۔ خلیفہ الناصر نے عیسائیوں کی اس خانہ جنگی سے فائدہ اٹھا کر اپنا لشکر درست کیا۔ اور پھر ۳۲۹ھ/۹۴۱ء میں حاکم طلیطلہ احمد بن یعلی کی سرکردگی میں لیون والوں کی پیش قدمی کو روکنے کے لئے بھیجا۔ ایک دوسری مہم جلیقیہ اور البشکنس کی سرکوبی کے لئے روانہ کی۔ ۹۴۴ء سے ۹۴۷ء تک شاہی فوجیں قشتالہ کے علاقوں میں اندر گھستی چلی گئیں۔ اسی زمانہ میں مسلمانوں نے مدینہ سالم کی شہر پناہ کو درست کیا۔ اور اس کو مستحکم کر کے قشتالیہ کے مقابلہ میں ایک مرکزی قلعہ بنا لیا۔ چند سال تک مسلمان شاہ لیون رومیرو دوم کو سخت ہراساں اور پریشان کرتے رہے۔ یہاں تک کہ ۲۳۹ھ/۹۵۱ء میں رومیرو مر گیا۔ اس کے مرنے کے بعد عیسائیوں میں پھر خانہ جنگی شروع ہوگئی۔ اردون سوم جو رومیرو دوم کا جانشین ہوا تھا۔ اپنے سوتیلے بھائی شانجہ کی بغاوت کے خوف سے مسلمانوں سے امن و امان چاہتا تھا۔ اور اس نے خلیفہ سے صلح کرنا ہی بہتر سمجھا۔ چونکہ خلیفہ الناصر اس وقت افریقہ کے علاقے میں فاطمی خلافت کے مقابلے میں اپنی پوری قوت صرف کرنا چاہتا تھا۔ اس وجہ سے اس نے شاہ لیون سے نرم شرائط پر صلح کر لی۔

شانجہ اور بلکہ طوطہ دربار خلافت میں

اردون سوم ۳۴۴ھ/۹۵۵ء میں مر گیا۔ جس کے بعد اس کا بھائی شانجہ تخت لیون پر آیا۔ شانجہ نے تخت پر آتے ہی۔ خلیفہ الناصر اور اردون سوم کے درمیان معاہدہ کو توڑ دیا۔ خلیفہ اس وقت افریقہ میں فوج کشی کی تیاریاں کر رہا تھا لیکن شانجہ کی بدعہدی کی وجہ سے اس کو افریقہ سے اپنی توجہ ہٹانا پڑی اور اس نے طلیطلہ کے حاکم احمد بن یعلی کو اس پر فوج کشی کا حکم دیا۔ احمد نے لیون والوں کو ۳۴۵ھ/۹۵۶ء میں زبردست شکست دی۔ عربی اور عیسائی مورخین نے متفقہ یہ بات لکھی ہے کہ شانجہ مغرور اور متکبر تھا۔ اور رؤساء کا زور توڑ کر ایک مطلق العنان حکومت قائم کرنا چاہتا تھا۔ جس سے تمام عیسائی رئیس اس کے دشمن ہو گئے تھے۔ خود شانجہ اس قدر موٹا ہو گیا تھا کہ اس میں تعدی پیدا ہو گئی تھی۔ فرولند شاہ قشتالہ نے جو شاہ سازی بننا چاہتا تھا۔ اہل لیون کو شانجہ کے خلاف بھڑکانا شروع کر دیا جس کا یہ انجام ہوا کہ فوج نے شانجہ کے خلاف ۳۴۷ھ/۹۵۸ء میں بغاوت کی اس کو لیون سے نکال باہر کیا اور اردون چہارم کو اپنا بادشاہ بنا لیا۔ شانجہ نے بھاگ کر بنبلونہ

میں ملکہ طوطہ کے پاس پناہ لی اور اس سے امداد کا طالب ہوا۔ ملکہ نے امداد کا وعدہ تو کر لیا لیکن ریاست نبرہ میں اتنا دم نہ تھا کہ لیون اور قشتالہ کی فوجوں سے جنگ کی جاتی۔ چنانچہ شانجہ کی امداد کا واحد راستہ یہ تھا کہ خلیفہ الناصر سے امداد طلب کی جائے اور شانجہ کے موٹاپے کا علاج بھی قرطبہ کے کسی حاذق حکیم سے کرایا جائے۔ چنانچہ ملکہ طوطہ نے خلیفہ سے امداد طلب کی اور حکیم بھی خلیفہ الناصر نے ایک حکیم حاذق اور تدبیر مملکت میں کمال کو پہنچے ہوئے شخص حسدائی کو بھیجا جس نے کمال ہوشیاری سے ملکہ اور شانجہ سے تمام شرائط بھی طے کر لیں۔ اور ان دونوں کو قرطبہ چلنے پر آمادہ کر لیا چنانچہ ملکہ طوطہ۔ شانجہ اور غرسیہ تینوں دربار قرطبہ میں آئے جن کا پرتپاک خیر مقدم کیا گیا۔ اور دس مشہور قلعے حکومت قرطبہ کے حوالے کرنے پر خلیفہ الناصر نے ان کی امداد کرنے کا وعدہ کر لیا۔ شاہی افواج نے ۳۴۸ھ/۹۵۹ء میں شہر سمورہ اور کچھ عرصہ کے بعد تمام ریاست لیون پر قبضہ کر کے شانجہ کے حوالے کیا شانجہ کا موٹاپا بھی ختم ہو گیا اور وہ پھر ایک چست و چالاک آدمی ہو گیا۔ اردون چہارم برغش بھاگ گیا۔ فرولند بھی ایک لڑائی میں گرفتار ہو گیا۔ اور شانجہ نے لیون۔ جلیقیہ اور نبرہ پر اپنا اقتدار دوبارہ بحال کر لیا لیکن اب وہ آزاد نہ تھا بلکہ خلافت قرطبہ کا باجگذار تھا۔ اس طرح وہ عیسائی خطرات جو آئے دن مسلمانوں پر منڈلاتے رہتے تھے ختم ہو گئے۔ اور امن و استحکام کا کام پورا ہو گیا۔ امیر عبداللہ کے زمانہ کی مختصر سی حکومت قرطبہ اب ایک زبردست سلطنت بن چکی تھی۔ جو طرکونہ سے بحر اوقیانوس تک اور دریائے ابرہ کے کنارے سے جبل الطارق تک پھیلی ہوئی تھی۔

فاطمیین سے مصر سے تعلقات

فاطمیین کون تھے؟ اور کس طرح برسر اقتدار آئے؟ اس کا تذکرہ ہمارے احاطہ تحریر سے باہر ہے۔ اجمالاً یہ بیان کیا جا سکتا ہے کہ خلافت عباسیہ کے انحطاط سے فائدہ اٹھا کر چھوٹی چھوٹی ریاستیں عالم وجود میں آ چکی تھیں۔ خلیفہ بغداد کا اثر و اقتدار صرف بغداد تک محدود ہو کر رہ گیا تھا۔ حکومت و سیاست کے تمام معاملات خلیفہ بغداد سے چھین کر چھوٹی بڑی سلطنتوں نے آپس میں تقسیم کر لئے تھے۔ اور خلیفہ محض ایک مذہبی ادارہ باقی رہ گیا تھا۔ ہر طاقتور شہ و ہوس اقتدار میں چور تھا۔ اور خلافت کو پارہ پارہ کرنے پر آمادہ نظر آتا تھا۔ ایسے میں اہل بیت کے طرفداروں نے بھی فائدہ اٹھانے

کا ارادہ کر لیا۔ کیونکہ اس وقت تک اہل بیت کے نام پر ذاتی فائدے حاصل کرنا کچھ مشکل کام نہ تھا۔ چنانچہ چند جھوٹی اور من گھڑت روایتوں کا سہارا لے کر ایک شخص عبداللہ الشیعی نے بھی افریقہ کے بربروں کو اہل بیت کی حمایت پر تیار کر لیا۔ بربروں میں ایک عرصہ سے اہل بیت سے محبت پائی جاتی تھی اس لئے وہ جلد ہی عبداللہ کا ساتھ دینے پر آمادہ ہو گئے۔ افریقہ کے پرانے حاکم اغالبہ اپنی طاقت کھو چکے تھے اور ان میں اتنا دم نہ رہا تھا کہ عبداللہ الشیعی کی ابھرتی ہوئی طاقت کا مقابلہ کرتے چنانچہ جلد ہی پورا افریقہ عبداللہ الشیعی کے تحت آگیا۔ اس نے امام جعفر صادق رضؓ کے لڑکے اسماعیل کی اولاد میں سے ایک شخص عبیداللہ کو مہدی کے خطاب سے تخت افریقہ پر بٹھا دیا۔ عبیداللہ مہدی ایک بیدار مغز حکمران تھا۔ اس نے عبداللہ الشیعی کو ختم کر کے اپنی حکومت کو خلافت فاطمیین کا نام دیا جس کے بعد یہ خلافت روز بروز طاقتور ہوتی چلی گئی یہاں تک کہ مصر بھی ان کی حکومت میں شامل ہو گیا اور صقلیہ و شام پر بھی ان کا قبضہ ہو گیا۔ پھر معاملات براہ راست حکومت اسپین سے پیش آنے لگے۔ فاطمیوں کا ایک یہ بھی عقیدہ تھا کہ وہ ساری دنیا کی بادشاہت کے حقدار ہیں۔ اس دعوٰی نے دوسری مسلمان حکومتوں کی نظر میں انکو خوفناک بنا دیا۔ اور اسپین کے لئے تو وہ مستقل خطرے کی شکل اختیار کر گئے تھے۔ اس لئے کہ اس خوبصورت اور زرخیز ملک پر مدت سے ان کا دانت تھا۔ عبیداللہ مہدی ابھی پوری طرح اپنی حکومت مستحکم نہ کر پایا تھا کہ عمر بن حفصون نے اس کو اپنا بادشاہ تسلیم کر لیا تھا گو اس کا کوئی خاص نتیجہ برآمد نہ ہوا لیکن بعد میں بھی فاطمیین نے اپنی ریشہ دوانیاں جاری رکھیں اور ان کے جاسوس تاجروں کے بھیس میں سارے اسپین میں پھرنے لگے۔ وہ اپنے اپنے سفرنامے اس طرح تحریر کرتے کہ ملک کی پوری معلومات مہیا ہو جاتی تھیں۔ اس کا ثبوت فاطمیوں کے مشہور جاسوس سیاح اور تاجر ابن حوقل کے سفرنامے سے ملتا ہے۔ خلیفہ عبدالرحمٰن الناصر بھی فاطمیوں کے ان ارادوں سے پوری طرح واقف تھا اور وہ خود اس فکر میں تھا کہ ان کی بڑھتی ہوئی طاقت سے اسپین کو بچا لے۔ گو بظاہر ابھی تک ان دونوں میں خبک نہ چھڑی تھی۔ لیکن جب فاطمیین نے ماریطانیہ (مارٹشیس) کو فتح کرنے کا ارادہ کر لیا تو خلیفہ الناصر اس بات کو سمجھ گیا کہ ماریطانیہ کی فتح کے بعد ان کی منزل مقصود اسپین ہو گی اس لئے الناصر نے ارادہ کر لیا کہ ماریطانیہ کی ریاستوں کی مدد کر کے فاطمیین کو یہ علاقہ فتح نہ کرنے دے اور یہ علاقہ فاطمیوں اور اسپین کے درمیان حد فاصل بن جائے۔ ۳۰۸ھ/۹۲۰ء میں فاطمیوں

نے ماریطانیہ کی ایک ریاست نکور پر حملہ کیا۔ یہ ریاست بہت پرانی تھی اور عربی نژاد بادشاہ سعید ثانی اس پر حاکم تھا۔ اس ریاست کے متعلقات سلاطین اسپین سے پرانے چلے آرہے تھے۔ حاکم تاہرت مصالہ نے عبید اللہ مہدی کے اشارے پر اس ریاست پر حملہ کیا اور ایک فوجی افسر کی سازش سے سعید ثانی میدان جنگ میں مارا گیا۔ سعید کے تین لڑکے تھے وہ بھاگ کر اسپین پہنچے اور ساحلی شہر المریہ میں پناہ گزیں ہو کر دوبارہ اپنی ریاست واپس لینے کی تیاریاں کرنے لگے۔ خلیفہ الناصر نے ان کی مہمانداری اور تواضع میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی اور ان میں سب سے چھوٹے بھائی صالح کی فوج سے مدد کر کے اس کو اس ریاست پر دوبارہ قابض کرا دیا۔ صالح نے الناصر کی مہمانداری اور امداد کے شکریے میں اس کو اپنا سرپرست اور بادشاہ تسلیم کر لیا۔ جس کے جواب میں الناصر نے بھی اس کو خوب نوازا۔ ۳۱۶ھ/۹۲۹ء میں بربر قبیلے مغراوہ کے سردار محمد بن خزر نے فاطمیوں کو کئی شکستیں دیکر ان کے سردار مصالہ کو قتل کر دیا اور مغرب اوسط سے فاطمیوں کو بے دخل کر دیا۔ خلیفہ الناصر نے محمد بن خزر سے بھی دوستی کر لی۔ اور ابن خزر نے مغرب اوسط کے باشندوں کو اس بات پر آمادہ کر لیا کہ وہ خلیفہ الناصر کو اپنا بادشاہ تسلیم کر لیں۔ الناصر نے ایک دوسرے بربر قبیلے مکناسہ کے سردار ابن ابی العافیہ کو بھی اپنے ساتھ ملا لیا جو فاطمیوں کی طاقت کا ایک بڑا عنصر تھا۔ اپنی اس افریقہ کی پالیسی کو کامیاب بنانے کے لئے خلیفہ الناصر کو ساحل افریقہ کے کسی علاقہ پر اپنا قبضہ رکھنا ضروری تھا چنانچہ ۳۱۹ھ/۹۳۱ء میں اس نے سبتہ کے قلعہ پر قبضہ کر کے ایک بڑی فوج وہاں متعین کر دی۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ الناصر کی افریقی پالیسی بڑی کامیاب تھی لیکن پھر بھی افریقہ میں الناصر کے زیر نگین والیان ریاست فاطمیوں سے برابر شکست کھاتے جا رہے تھے۔ الناصر نے بہت کوشش کی کہ وہ سب متحد ہو کر فاطمیوں کا مقابلہ کریں۔ لیکن متحد ہونا تو درکنار وہ اپنی آپس کی لڑائیاں بھی ختم نہ کر سکے۔ بہرکیف خلیفہ الناصر اس بات میں پوری طرح کامیاب تھا کہ فاطمیوں کو اتنی مہلت نہ ملے کہ وہ اسپین کا رخ کر سکیں۔ فاطمی خلیفہ قائم کے زمانہ میں ایک خارجی ابو یزید نے بغاوت کی اور مذہبی تعصب کی بنیاد پر فاطمیوں کے خلاف سنیوں کو متحد کر دیا۔ اس نے اپنی طاقت کو مستحکم کرنے کے لئے خلیفہ الناصر کی اطاعت قبول کر کے اس کو اپنا خلیفہ تسلیم کر لیا۔ ابو یزید نے افریقہ کے دارالحکومت قیروان پر بھی قبضہ کر لیا جس وقت ابو یزید یہ کامیابیاں حاصل کر رہا تھا اس وقت خلیفہ

الناصر اپنے افریقی خیر خواہوں کی مدد سے شمالی مغربی افریقہ پر اپنا اقتدار مضبوط کر رہا تھا۔ اور قائم کے خلاف فضا سازگار کر دی تھی۔ لیکن تین چار سال بھی نہ گذرے تھے کہ ابو یزید کی طاقت کو زوال آگیا۔ اور نئے فاطمی خلیفہ منصور نے اس کو گرفتار کر کے قید خانہ میں ڈال دیا اور وہ اسی میں مر گیا۔ ابو یزید کی موت اور خارجیوں کی شکست سے خلیفہ الناصر کو شدید نقصان ہوا اور آہستہ آہستہ اس کی ہی خواہ ریاستیں فاطمیوں کے قبضہ میں چلی گئیں اور ان ریاستوں کے حکمران بھاگ بھاگ کر قرطبہ پہنچنے لگے۔

۳۴۲ھ میں فاطمی تخت خلافت پر المعز آیا جو زبردست قوت ارادی اور تدبر کا مالک تھا خلیفہ الناصر کو بھی یہ یقین تھا کہ ایک دن فاطمی اسپین پر ضرور حملہ آور ہوں گے۔ اس لئے اس نے ایک زبردست فوج تیار کی جس کے ذریعہ وہ فاطمی خلافت کو افریقہ ہی میں الجھائے رکھنا چاہتا تھا۔ لیکن اتفاق سے یہ ساری تیاریاں شمالی عیسائی ریاستوں کی قوت کو توڑنے پر صرف ہو گئیں۔ المعز نے شمالی افریقہ کے تمام علاقوں سے اسپینی حکومت کے اثر و رسوخ کو مٹا دیا۔ اسی دوران خلیفہ ناصر کا ایک مال بردار بحری جہاز اسکندریہ جا رہا تھا کہ راستے میں جزائر صقلیہ سے مصر جاتے ہوئے ایک فاطمی جہاز سے مڈبھیڑ ہو گئی۔ اسپینی جہاز نے فاطمی جہاز کو پکڑ لیا۔ اس کو خوب لوٹا اسی میں وہ کاغذات بھی اسپینیوں کے ہاتھ آئے جن میں اسپین پر حملہ کرنے کی تجویز تھی۔ اس کے جواب میں المعز نے صقلیہ کے گورنر کو اسپین پر حملہ کرنے کا حکم دیا۔ گورنر صقلیہ نے ساحل اسپین کے بندرگاہ المریہ پر حملہ کر کے اس کو خوب لوٹا جہازوں میں آگ لگا دی اور بہت سے قیدی لے کر صقلیہ واپس چلا گیا۔ خلیفہ الناصر نے اپنے امیر البحر غالب کو حکم دیا کہ افریقہ کے ساحلی مقامات پر حملہ کرے لیکن یہ مہم زیادہ کامیاب نہ رہی۔ کیونکہ فاطمی اب پہلے سے زیادہ ہوشیار ہو چکے تھے۔ خلیفہ ناصر نے اب افریقہ پر باقاعدہ فوج کشی کا ارادہ کر کے تیاریاں شروع کر دیں۔ دن و رات جہاز بنائے جانے لگے۔ اور ہزاروں سپاہیوں کو بھرتی کیا گیا۔ لیکن یہ لشکر کشی بھی شمالی اسپین کے حالات بگڑنے جانے کی وجہ سے نہ کی جا سکی۔ البتہ اتنا ضرور ہوا کہ ۷ جہاز پر کا ایک بڑا احمد بن یعلی کی کمان میں شمالی افریقہ کے ساحل کی طرف ضرور بھیجا گیا۔ جس نے شمالی افریقہ کے کئی شہر مثلاً مرسا الخرز۔ قلبریہ۔ سوس طبارقیہ کو خوب لوٹا اور ان کو جلا دیا۔

وفات خلیفہ عبدالرحمٰن الناصر نے ۲ رمضان ۳۵۰ھ (مطابق ۱۵ اکتوبر ۹۶۱ء) میں وفات پائی۔ اس وقت اس کی عمر ۷۰ سال کے قریب تھی اور اس نے ۴۹ برس حکومت کی تھی۔

کردار خلیفہ عبدالرحمٰن الناصر ایک حسین اور خوبصورت انسان تھا۔ چہرے کا رنگ سرخ و سفید ملا جلا تھا۔ حسین اور عظیم الجثہ تھا۔ پنڈلیاں پتلی اور چھوٹی تھیں[1]۔ بچپن ہی سے مشکلات کا سامنا رہا اس لئے طبیعت میں عزم و استقلال کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ شجاعت و بہادری میں یکتا اور تدبر و حکمت میں بے نظیر تھا۔ ذاتی طور پر رحمدل اور منکسر المزاج تھا لیکن جب کبھی سیاست و حکمت کا مسئلہ ہوتا تو تشدد سے بھی کام لیتا تھا گو طبیعت جمالیاتی اور فنون لطیفہ کی طرف مائل تھی۔ لیکن سیاست کے معاملات میں اپنی اس طبیعت کی کیفیت پر جلد قابو پالیتا تھا۔ گو اس کا حرم بہت بڑا تھا اور بقول ڈوزی[2] "اس کے محل کی وسعت کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ اسکی محل سرا میں چھ ہزار مستورات رہتی تھیں"۔ لیکن حکومت کے معاملات میں کبھی اپنے حرم کو دخیل نہ ہونے دیا۔ مذہبی لحاظ سے ایک آزاد منش انسان تھا اور مذہبی تعصب سے بے گانہ تھا۔ بلکہ کہا جاتا ہے کہ اس نے ایک دفعہ ایک نومسلم کو عہدہ قضاۃ پر مامور کرنا چاہا تھا[3]۔ لیکن عامۃ الناس کی مخالفت کی وجہ سے ایسا نہ کیا۔ لین پول کے کہنے کے مطابق۔

"عبدالرحمٰن ثالث کی طرح سلیم الطبع اور روشن دماغ دنیا میں کوئی فرمانروا نہیں ہوا۔ اس کی حلیم المزاجی کریم النفسی عدل گستری زبان زد عوام تھی۔ شیرزم۔ زینت بزم اور حامی مذہب ہونے میں وہ اپنے اسلاف سے سبقت لے گیا تھا۔ ..... اکثر روایتیں مشہور ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کھرا اور بے لاگ شخص تھا"۔

خلیفہ الناصر میں وہ تمام خوبیاں موجود تھیں جن سے رعایا کو بادشاہ سے اور بادشاہ کو رعایا سے وابستگی پیدا ہوتی ہے۔ وہ رعایا کا دل رکھنے شاکر و فرد کھلنے اور حکومت کے چلانے کے فن میں طاق تھا۔ اس قدر پر اثر شخصیت کا مالک تھا کہ حاضرین محفل کے دل اس کی حرکات و سکنات سے مسخر ہو جاتے تھے جو شخص اس کی قربت میں رہتا۔ وہ اس کی لیاقت و قابلیت حسن اخلاق و مروت اور رعایا پروری کی تعریف کرتا تھا۔ گفتگو کے فن میں طاق تھا جس سے ایک بار گفتگو کر لیتا اس کو گرویدہ بنا لیتا تھا۔ غیض و غضب سے اندھا نہ ہو جاتا بلکہ معاملات کے ہر پہلو پر

---

[1] ابن اثیر ج ۸ ص ۲۷ [2] عبرت نامہ اندلس ج ۲ ص ۷۲۵ [3] نفح الطیب ج ۱ ص ۲۴۷/۲۴۶

خوب غور کر کے فیصلہ کرتا تھا۔" اکثر میدان جنگ میں سپہ سالار کی حیثیت سے خود جاتا تھا جس سے لشکریوں کے دل جوش و جذبہ سے معمور ہو جاتے اور وہ اپنے امیر کے جلو میں سرفروشی اور جانثاری کو عین سعادت سمجھتے تھے۔" [1]

"عہد ناصر کی تاریخ پڑھنے والوں کو جو چیز سب سے زیادہ تعریف و حیرت کی معلوم ہوتی ہے وہ حکومت کی عمارت نہیں بلکہ اس عمارت کا معمار ہے۔ کس بلا کا ہمہ گیر دماغ ہوگا جو چھوٹی سے چھوٹی چیز سے اعلیٰ سے اعلیٰ منصوبوں تک کو سوچنے اور عمل کرنے پر قادر تھا۔" [2]

علامہ مقری نے لکھا ہے: "اس کی حلیم المزاجی، فیاضانہ طبیعت اور عدل و انصاف مثالی بن چکے تھے۔" [3]

مذہبی رواداری میں خلیفہ الناصر مشہور زمانہ تھا اس نے ہر مذہب و ملت کو اس کی حدود میں آزادی دے رکھی تھی خاص طور پر عیسائی اپنی مذہبی رسومات کی ادائیگی میں بہت آزاد تھے اس نے ایک مجلس مشاورت بھی قائم کی تھی جس میں تمام مذاہب کے افراد کو شریک کیا جاتا تھا عوام سے اس کو بے حد محبت تھی اور اکثر آمدنی کے ایک بڑے حصہ کو عوام کی فلاح و بہبود پر خرچ کر دیتا تھا۔ عوام کو آرام و سکون مہیا کرنے کی حتی الامکان کوشش کرتا۔

اس کی علم دوستی اور علم پروری کا اس قدر شہرہ تھا کہ دور دور سے علماء و فضلاء اس کے پاس کھنچے چلے آتے تھے۔ کیونکہ خود بھی عالم اور شاعر تھا اور شاعری کا اچھا ذوق رکھتا تھا اس لئے شعراء کی بڑی قدر و منزلت کرتا تھا اور ان کو داد و دہش سے نوازتا رہتا تھا علماء و صلحاء کو اپنے قریب جگہ دیتا اور اپنے مشوروں میں شریک رکھتا تھا۔ "عالموں کا سرپرست اور ان سے بحث و مباحثہ کرنے کا ہمیشہ آرزومند رہتا تھا۔" قاضی منذر بن سعید اس کے زمانہ کے مشہور فقیہہ تھے اور دربار سے منسلک تھے مشہور مصنف مورخ اور ادیب صاحب عقد الفرید احمد بن عبد ربہ بھی اس کا ممنون کرم تھا مشہور زمانہ حکیم و طبیب ابو القاسم خلف ابن عباس الزہراوی اسی کے درباریوں میں تھا اور جامعہ قرطبہ میں درس بھی دیتا تھا۔ اسی علم پروری کی بدولت خلیفہ ناصر نے جامعہ قرطبہ کو عجیب شان بخشی تھی کہ دور دراز سے مسلم اور غیر مسلم اس میں تعلیم حاصل

[1] ابن اثیر ج ۸ ص ۲۷۱ [2] نفح الطیب ج ۱ ص ۲۴۶ [3] عبرت نامہ اندلس ج ۲ ص ۲۵۷

کرنے آئے تھے۔ (تفصیل آگے آئے گی)

الغرض خلیفہ عبدالرحمٰن الناصر ایک بہترین انسان، بہترین مدبر اور بہترین سپہ سالار تھا۔ اس کا دبدبہ و سطوت۔ اس کی عقل و دانش۔ اس کی دولت و عظمت کا شہرہ براعظم یورپ اور افریقہ سے نکل کر ایشیا کی مسلم حکومتوں کی آخری حدود تک پہونچ گیا تھا۔ "ایسا شخص محض معمولی خلیفہ نہیں بلکہ زمانہ موجودہ کا ایک عاقل و دانشمند بادشاہ معلوم ہوتا ہے"۔[1]

کارنامے عبدالرحمٰن ثالث کا دور مسلم اسپین کا ایک روشن ترین دور ہے۔ بلاشبہ وہ خاندان بنو امیہ اسپین کے حکمرانوں میں سب سے زیادہ قابل اور منفرد حیثیت کا مالک تھا۔ تخت حکومت پر جس وقت اس نے جلوس کیا اس وقت تمام ملک بدنظمی اور خانہ جنگی کا شکار ہو رہا تھا۔ ہر طرف فتنہ و فساد برپا تھا اور سلطنت چھوٹی چھوٹی خود ساختہ ریاستوں میں منقسم ہوتی جارہی تھی۔ شمال کے عیسائی لوٹ مار۔ ڈاکہ زنی اور قتل و غارت گری میں مصروف تھے۔ انسانی جان و مال کی قدر و قیمت ختم ہو چکی تھی۔ راستے غیر محفوظ اور تجارتیں ختم ہو چکی تھیں۔ کہا جاتا ہے کہ "سات برس تک قرطبہ سے سرقسطہ اور دیگر علاقوں میں کوئی کاروان تجارت نہ گیا تھا"۔[2] یہ عبدالرحمٰن الناصر ہی تھا جس نے ان تمام مشکلات و مصائب پر قابو پا کر حکومت اسپین کو استحکام اور اعلیٰ مقام بخشا۔ وہ جانتا تھا کہ کس طرح باغیوں اور سرکشوں سے نمٹا جا سکتا ہے اس نے اندرون ملک امن و استحکام اور بیرون ملک حکومت قرطبہ کی عزت و وقار کو بحال کیا۔ اٹھارہ برس کامل فوجی مہمات کے ذریعہ نہ صرف یہ کہ وہ اپنے اقتدار کو مکمل کرنے میں کامیاب ہوا بلکہ امن و سلامتی کے ایک نئے دور کا آغاز کیا۔ عرب امراء و رؤساء کی طاقت کو کچل کر ایک مضبوط اور انصاف پر مبنی نظم مملکت شہروں اور صوبوں میں قائم کیا۔

طرز حکومت خلیفہ عبدالرحمٰن الناصر پہلا اسپینی حکمراں ہے جس نے حکومت کے انتظام کو ایک نئی جلا بخشی اور ایسے اصول مدون کئے جو کسی خاص طبقہ، نسل یا قبیلے سے تعلق نہ رکھتے تھے بلکہ حکومت کی فلاح اور عوام کی بہتری کے لئے تھے۔ گویہ اصول کوئی نئے نہ تھے۔ بلکہ ہر دور میں مطلق العنان آمریت کی نشاندہی کرتے رہتے تھے البتہ الناصر نے ان کو زندہ و جاوید کر کے ان پر سختی سے عمل کر کے دکھایا اور ایک مضبوط حکومت اپنے بعد چھوڑ گیا۔ اس کے چند اصول یہ تھے۔

---

[1] Political History of Muslim Spain P.97 ۔ [2] عبرت نامہ اندلس ج ۲ ص ۲۷۵

(الف) شاہی اختیارات کا استعمال بجز خلیفہ کے کوئی دوسرا نہیں کر سکتا خواہ وہ خلیفہ کا کتنا ہی مقرب کیوں نہ ہو ایسا کرتے ہوئے اگر کوئی پایا گیا تو سخت سزا کا مستحق ہوگا۔ کیونکہ امراء سلطنت کا اختیارات میں وسعت کے معنی اس کے سوا کچھ نہیں ہوتے کہ ان کا غرور و تکبر بڑھ جائے اور ان کی اولاد بغاوتیں برپا کرے۔

(ب) اقتدار اعلیٰ صرف خلیفہ کو حاصل رہے گا اور اس کی مرضی کے بغیر حکومت کا کوئی بھی کام انجام پذیر نہیں ہو سکتا۔ اس کے اس اقتدار میں اس کا کوئی شریک نہ ہوگا۔

(ج) عہدہ اور اختیارات صرف انہی افراد کو تفویض کئے جائیں گے جو اپنے عمل سے حکومت کی خیر خواہی اور اطاعت گذاری ظاہر کریں گے اس میں مذہبی یا طبقہ واری تفریق نہیں برتی جائے گی۔

(د) باغیوں اور سرکشوں کو سخت سزا دی جائے گی اگر وہ اطاعت کریں گے تو امن میں رہیں گے سازش کرنا اور سازش میں شریک ہونے والے ناقابل برداشت ہوں گے اور عبرتناک سزا کے مستحق ہوں گے۔ جو لوگ مذہبی اور طبقہ واری عصبیت کے ذریعہ ملک کے امن کو برباد کریں گے ان کو سخت ترین سزا دی جائے گی۔

(ہ) رؤساء عرب کو کوئی فوقیت نہ ہوگی۔ اگر انہوں نے اپنے حسب و نسب پر غرور کیا تو ان کی جاگیریں اور جائدادیں ضبط کر لی جائیں گی اور اختیارات چھین لئے جائیں گے۔ اور اگر حکومت کے غیر عرب عہدہ داروں سے بدسلوکی کی تو سخت سزا کے مستحق ہوں گے۔

(و) شاہی رعب و داب قائم کرنے اور بغاوتوں کا استیصال کرنے کے لئے ایک زبردست فوج قائم کی جائے گی جو تنخواہ دار ہوگی جس میں حسب ضرورت اضافہ ہوتا رہے گا۔ یہ فوج کسی خاص قبیلے یا نسل پر مشتمل نہ ہوگی۔

(ز) شاہی حفاظتی دستہ کو منظم اور مضبوط بنایا جائے گا تاکہ خلیفہ کی حفاظت بھی ہوتی رہے اور احکامات اور فرامین کا اجراء بہ تعجیل ممکن ہو۔

(ح) سپاہ کو تنخواہ اور مال غنیمت کے ساتھ ساتھ زمینیں بھی دی جائیں گی۔ تاکہ وہ دل و

جان سے جنگ میں حصہ لیتے رہیں اور اہل و عیال کی فکر انکو فرائض کی ادائیگی سے نہ روک سکے۔

(ط) حسب حیثیت لوگوں کو جاگیریں بھی دی جائیں گی اور ان کو ایک محدود فوج بھی اپنے پاس رکھنے کا حق ہوگا تاکہ اپنے علاقوں میں امن و امان رکھ سکیں اور حسب ضرورت حکومت قرطبہ کو سپاہ بھی فراہم کر سکیں یہ فوج باقاعدہ ہوگی اور وقت ضرورت کسانوں اور غلاموں کو بے گار کے طور پر اس میں شامل نہ کیا جائیگا۔

(ی) عوام الناس پر محصول کا زیادہ بوجھ نہ ڈالا جائے گا اور نہ ان پر محصول وصول کرنے میں سختی برتی جائے گی۔

(ک) حکومت کے عہدہ دار زیادہ تر عوام کی بھلائی اور بہتری کے خواہاں رہیں گے ظلم و تشدد جبر و استبداد کبھی معاف نہ کیا جائے گا۔

ان تمام اصولوں سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ الناصر نے عوام اور حکومت میں رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی تھی جس کے دوسرے معنی یہ تھے کہ وہ ایک قومی حکومت کا تصور رکھتا تھا۔ وہ اپنی اس کوشش میں بڑی حد تک کامیاب رہا۔ اس نے اسی نظریہ کے تحت حاجب کا عہدہ بھی ختم کر دیا تھا۔ پرانے لوگوں کو حکومت سے علیحدہ کر کے نئے اور جوان العزم آدمیوں کو مقرر کیا جو اس کے مکمل اعتماد میں رہتے تھے اور اس کے ہر حکم کی تعمیل میں کوشاں رہتے تھے۔ اس نے خاص طور پر صقالبہ کو آگے بڑھایا کیونکہ ان کے اندر جاں نثاری کا جذبہ سب سے اعلیٰ تھا۔ گو الناصر شاہی کروفر کا خواہاں تھا لیکن بے جا ظلم و تعدی سے پرہیز کرتا تھا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ عوام کی فلاح و بہبود کی کوششیں اپنے شباب پر تھیں جن کا تفصیلی جائزہ درج ذیل ہے۔

اقتصادی اور مالی حالت

خلیفہ الناصر نے اپنی پوری توجہ اس بات پر مرکوز کر دی تھی کہ عوام اور حکومت دونوں کو زیادہ سے زیادہ اقتصادی فائدہ پہونچے اور محاصل کی زیادتی سے عوام کی کمر نہ ٹوٹے۔ کیونکہ اس سے پہلے ہی عوام پر نامناسب محاصل کا بڑا بوجھ تھا اور وہ تقریباً مالی طور پر بدحال ہو چکے تھے۔ خلیفہ نے ان کے بہت سے محاصل معاف کر دیئے جس سے عوام نے اطمینان کا سانس لیا۔ چنانچہ جو محاصل حکومت

کی طرف سے ان پر باقی تھے ان کی ادائیگی میں وہ کبھی کوتاہی نہ کرتے تھے۔ اس دور میں اسپین کے ذرائع آمدنی بہت وسیع تھے۔ کہا جاتا ہے کہ مسلم اسپین دولت مندی اور آمدنی کے لحاظ سے اس وقت دنیا کا امیر ترین ملک تھا۔ ابن اثیر کی تحریر کے مطابق "۵۴ لاکھ اسی ہزار دینار اسپین کا خراج تھا۔ بازاروں کی آمدنی سات لاکھ ۶۵ ہزار دینار تھی۔ باقی رہا مال غنیمت کا پانچواں حصہ وہ شمار سے باہر تھا"[1] ایک رپورٹ کے مطابق درآمد اور برآمد کے مال پر جو محصول لیا جاتا تھا وہ ملک کی مجموعی مالیت کا بڑا حصہ تھا جو آمدنی غیر مسلموں سے وصول کی جاتی تھی۔ وہ صرف خاص میں آتی تھی اور ذاتی خزانہ میں داخل ہوتی تھی۔ "اس آمدنی کو خلیفہ الناصر تین حصوں میں تقسیم کرتا تھا ایک حصہ فوج اور سامان جنگ پر خرچ کیا جاتا تھا۔ دوسرا حصہ تعمیرات پر لگتا تھا۔ باقی تیسرا حصہ بیت المال میں جمع کیا جاتا تھا۔"[2] ڈوزی کے کہنے کے مطابق "ایک ثلث جس کی رقم ۶۲ لاکھ ۴۵ ہزار دینار سرخ تھی مصارف سلطنت کے لئے دوسرا ثلث بیت المال میں محفوظ کر دیا جاتا اور تیسرا تعمیرات پر خرچ ہوتا تھا۔ ۳۴۰ھ/۹۵۱ء میں بیت المال میں دو کروڑ دینار سرخ موجود تھے۔"[3]

حکومت کی محاصل کی نئی پالیسیوں کی وجہ سے عوام مرفہ الحال ہو گئے تھے۔ اشیاء صرف کی قیمتوں میں کمی اور گداگری کے فقدان نے عوام کی خوشحالی کا ثبوت بہم پہونچا دیا تھا۔ ابن حوقل جس کا شمار خلافت اسپین کے دشمنوں میں کیا جاتا ہے وہ بھی یہ کہنے پر مجبور ہو گیا کہ "اسپین میں ضروریات زندگی اس قدر سستی ہیں کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مفت مل رہی ہیں۔"[4] چونکہ اسپین ایک زرعی ملک تھا اس لئے اس دور میں زراعت پر خصوصی توجہ دی گئی۔ کیونکہ خلیفہ الناصر نے اس بات کا بخوبی اندازہ لگا لیا تھا کہ اشیاء صرف کی ارزانی کا باعث صرف زراعت ہی ہو سکتی ہے چنانچہ زراعت کے نئے نئے طریقے اختیار کئے گئے۔ تاکہ بہتر سے بہتر فصل پیدا کی جائے۔ ملک میں جگہ جگہ بہتر فصل دینے والے باغات لگائے گئے جن کی فصلوں کی بہتات دیکھنے والوں کو حیرانی میں ڈال دیتی تھیں۔ قرطبہ اور مرسیہ کے علاقوں میں کاشت اور سبزیوں کی اس قدر فراوانی تھی کہ جن کی مثال فخریہ دی جاتی تھی۔ ایک انچ زمین بھی بنجر نہ چھوڑی گئی تھی وہ زمینیں جو برسہا برس سے بنجر اور غیر آباد تھیں کام میں لے آئی گئی تھیں۔ یہاں تک کہ پہاڑی علاقوں کو بھی زیر کاشت لے آیا گیا تھا اور زمینوں کے مطابق ان پر بھی کھیتی باڑی کی گئی تھی۔ جگہ جگہ نہریں کھدوائی گئیں۔ بند باندھے گئے اور آب رسانی

---

[1] ابن اثیر ج ۸ ص ۲۷۱ [2] ایضاً [3] عبرتنامہ اندلس ج ۲ ص ۷۲۳ [4] سفرنامہ ابن حوقل ترتیب فان کریمر ص ۱۱۴

کی بہترین سہولتیں مہیا کی گئی تھیں۔ مسلمانوں کی فن کارانہ صلاحیتوں کی وجہ سے ملک کی آمدنی اور زراعت میں نمایاں تبدیلی واقع ہوئی۔ ضروریات زندگی کی بہم رسانی اور ارزانی کے سبب آبادی میں کثیر اضافہ ہوا۔ ایک اندازے کے مطابق ملک کی آبادی تین کروڑ تک پہنچ گئی تھی[۵]۔ صرف قرطبہ کی آبادی دس لاکھ سے تجاوز کر چکی تھی اور واد الکبیر کے پار تین ہزار نئے گاؤں آباد ہو گئے تھے۔

تجارت و صنعت

زراعت کی ترقی کے ساتھ ساتھ صنعتی ترقی میں بھی انقلاب عظیم آچکا تھا۔ قرطبہ، اشبیلیہ اور دیگر شہر صنعتوں اور کارخانوں کا مرکز بن گئے تھے۔ خاص طور پر ریشم، سوت، اون اور چمڑے کے کارخانے وافر تعداد میں کام کر رہے تھے۔ جس سے نہ صرف یہ کہ عوام کی مالی حالت بہتر ہوتی جا رہی تھی۔ بلکہ اسپین کی قومی دولت میں بھی کثرت اور تیزی سے اضافہ ہو رہا تھا۔ اسپین کے صرف ایک صوبہ قرطبہ میں تین ہزار سے زیادہ دیہاتوں کے لوگ ریشم کے کیڑے پالنے کا کام کرتے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ ایک لاکھ تیس ہزار ریشم باف صرف قرطبہ ہی میں تھے[۱]۔ اور ۱۳ ہزار سے زیادہ جولاہے سوتی کپڑا بننے کا کام کرتے تھے لیکن اس صنعت میں المریہ اور اشبیلیہ قرطبہ سے بھی آگے نکل گئے تھے[۲]۔ تانبے، پیتل اور لوہے کا کام کرنے والے دنیا بھر میں اپنے حربی آلات مثلاً تلوار، زرہ، اور خود کی تیاری میں لیمپوں اور لوہے کے دروازے بنانے میں مشہور تھے۔ چمڑے کا کام بھی عروج پر تھا۔ اس زمانہ سے لے کر دور جدید تک قرطبہ کے چمڑے کے کام کی یورپ میں زبردست مانگ ہے۔ قالین اور دریاں کثرت سے برآمد کی جاتی تھیں جن کی غیر ممالک میں مقبولیت تھی۔ ملک کے بہت سے علاقوں میں تانبے، سونے، چاندی، لوہا اور شیشے وغیرہ کی کانیں تھیں۔ سنگ مرمر اور دیگر قیمتی پتھروں کی تلاش کا کام بھی جاری تھا۔ دانیہ اور جزیرہ مجورقہ مٹی کے برتن بنانے میں مشہور زمانہ تھا۔

جس وقت بغداد، دمشق اور دیگر مسلم ممالک میں تجارت کا بڑا ذریعہ کارواں تھے۔ اس وقت اسپین میں تجارت کا بڑا ذریعہ بحری جہاز تھے۔ اس زمانہ میں تجارتی بحری بیڑے میں ایک ہزار کے لگ بھگ جہاز تھے۔ دنیا کے ہر اہم مقام پر اسپینی تاجروں کی اپنی ایجنسیاں قائم تھیں۔ درآمدات و برآمدات اس قدر ترقی پذیر تھیں کہ ان پر لیا جانے والا محصول ملکی آمدنی کا بہت بڑا حصہ تھا۔ اندرون ملک تجارت کی آسانیوں کی خاطر صرف یہ کہ پرانی سڑکیں اور پل درست کئے گئے۔ بلکہ نئی سڑکیں بھی بنوائی گئیں۔ جگہ جگہ حفاظت کی غرض سے سڑکوں کے کنارے فوجی چوکیاں قائم کی گئیں شہروں

---

[۱] Moors in Spain P. 147 [۲] Political History of Muslim Spain P.100

میں پولیس کا نظام اس قدر عمدہ اور سخت تھا کہ تاجروں کی قیمتی سے قیمتی شے پر بھی کوئی آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھ سکتا تھا۔ باہر سے آنے والے تاجر کسی قسم کی پریشانی نہ اٹھاتے تھے۔ بلکہ ان کو اس قدر آسانیاں اور سہولتیں مہیا کی جاتی تھیں کہ وہ ملک میں دور دراز علاقوں میں بھی اپنے سامان کے ساتھ گھوم پھر سکتے تھے۔ زراعت اور صنعت و تجارت کی ترقی کے ساتھ ملکی آمدنی ۶ کروڑ ۲۵ لاکھ دینار سالانہ تک پہونچ گئی تھی جس سے عام معیار زندگی میں زبردست تغیر رونما ہو چکا تھا۔ ابن حوقل کے بیان کے مطابق "ایسے اضلاع میں بھی جہاں پر پہونچنا آسان نہ تھا۔ امن و انتظام موجود تھا اور یہ سب پولیس کی عمدہ کارکردگی کا نتیجہ تھا۔ اشیاء کی ارزانی بھی تعجب خیز تھی۔ لذیذ سے لذیذ پھل برائے نام قیمت پر مل سکتے تھے۔ لوگوں کے لباس میں صفائی اور پاکیزگی تھا۔ سب خوشحال تھے پیدل چلنے کی جگہ کوئی شخص ایسا نہ تھا جس کے پاس خچر سواری کے لئے نہ ہو۔"[1]

فوجی تنظیم اس سے قبل حکومت کی عسکری تنظیم قبائلی دستوں پر مشتمل ہوتی تھی جن کو جند کہا جاتا تھا۔ اس سے دو خرابیاں پیدا ہو گئی تھیں ایک تو یہ کہ ان میں عسکری تنظیم کا فقدان تھا دوسرے یہ کہ سپاہی حکومت کی بہ نسبت اپنے قبیلے کے سردار کے زیادہ مطیع اور فرمانبردار ہوتے تھے۔ جس سے مجبور ہو کر اکثر امیران اندلس نے اپنا ایک مستقل حفاظتی دستہ بنا لیا تھا۔ حکم اول کے زمانے سے ایسا شروع ہوا تھا اور اس میں صقلبی غلاموں کو کثرت سے بھرتی کیا جاتا تھا۔ باوجود اس کے کہ ان غلاموں کی تعداد میں وقتاً فوقتاً اضافہ ہوتا رہتا تھا پھر بھی یہ جند کے مقابلے میں بہت کم تھے۔ جس کی وجہ سے نہ تو یہ عرب قبائل کو اپنے قابو میں رکھ سکتے تھے اور نہ ہی ملک میں امن و امان قائم رکھ سکتے تھے البتہ امیر کی حفاظت بخوبی کرتے تھے۔ عبدالرحمٰن الناصر نے اس بات کو خوب اچھی طرح محسوس کر لیا تھا کہ عرب اقتدار کو ختم کئے بغیر امن و سکون کو بحال کرنا ممکن نہیں۔ اس لئے کہ اس ملک میں عربوں کی خود غرضی اور مطلب پرستی نے جس قدر ملک کو نقصان پہونچایا تھا وہ ڈھکی چھپی بات نہ تھی۔ چنانچہ خلیفہ الناصر نے ان کے زور کو توڑنے کے لئے صقالبہ اور بربروں کو زیادہ سے زیادہ اپنی فوج میں بھرتی کرنا شروع کیا اور خواجہ سراؤں کی حیثیت سے اپنے حرم سرا میں متعین کیا۔ حرم سرا پر متعین کئے جانے والوں میں صقالبہ کی کثرت تھی۔ ان میں بڑی تعداد ان عیسائی غلاموں کی تھی جو یورپ سے لائے گئے تھے اور جرمنی اور اٹلی کے تاجروں نے ان کو مسلمانوں کے ہاتھوں فروخت کیا تھا۔ ان کے ذریعہ خلیفہ الناصر نے عربوں اور ان کے قبائلی تفخر

---

[1] عبرت نامہ اندلس ج ۲ صفحہ ۳۳

کا زور ختم کر دیا ان سے ایک زبردست فوج اور حفاظتی دستہ تیار کیا گیا ایک بیان کے مطابق ان کا شمار ۳۷۵۰۔ دوسرے بیان کے مطابق ۶۰۸۷ اور بعضوں کے نزدیک ۱۳۷۵۰ تھا۔ ۸ ہزار کے قریب گھوڑے سوار تھے جن کی وردیاں بہت خوبصورت ہوتی تھیں۔ ان ہی صقالبہ میں سے بہت سے غلام فوج کی اعلیٰ کمان تک پہونچ گئے تھے مثلاً ۳۲۷ھ/۹۳۸-۹ میں بخجار صقلبی کو ایک مہم کی سپہ سالاری ملی تھی۔ فوج کی تقسیم اس طرح تھی کہ اس کو بہت سی بٹالین میں تقسیم کر دیا گیا تھا۔ ہر بٹالین میں ایک ہزار سوار ہوتے تھے ہر بٹالین کو پانچ حصوں میں تقسیم کر کے ۲۰۰ سواروں کی ایک کمپنی بنائی گئی تھی۔ ہر کمپنی کو ۵ پلٹنوں میں منقسم کر دیا گیا تھا اور ہر پلٹن میں ۴۰ نفر ہوتے تھے۔ پھر ہر پلٹن کو ۵ حصوں میں تقسیم کر کے آٹھ آٹھ سواروں کا ایک دستہ بنایا گیا۔ خلیفہ نے ان صقالبہ کو بھرتی کرنے پر ہی بس نہ کیا بلکہ ان کو بڑی جاگیریں بھی دی گئیں اور فوجی و دیوانی کے اہم عہدوں پر بھی ان کو مقرر کیا گیا جس سے عربی رئیسوں کو ان سے دشمنی ہو نا لازمی تھا۔ الناصر کے لشکر کی تعداد مقرر نہ تھی زیادہ سے زیادہ تعداد جو تاریخ سے پتہ چلتی ہے۔ ایک لاکھ تھی سپاہ کو تنخواہ دی جاتی تھی اور وہ ایک سپہ سالار کے ماتحت لڑتے تھے اور قبائلی طریقہ کار کو ختم کر دیا گیا تھا خلیفہ نے اپنی پالیسی یہ بنائی تھی کہ سپاہیوں کو تنخواہ کے علاوہ زمین بھی دی جاتی تھی تاکہ وہ اپنے اہل و عیال کی طرف سے مطمئن ہو کر فوجی خدمات ادا کر سکیں۔ کیونکہ ماضی میں ایسے واقعات ہو چکے تھے۔ کہ زیادہ تنخواہ اور انعام کے لالچ میں سپاہی دشمن سے مل جاتے تھے۔ بربروں میں یہ لالچ خصوصیت سے زیادہ پایا جاتا تھا تمام ملک میں اہم مقامات پر فوجی چوکیاں قائم تھیں جن کی مدد سے خبروں کو جلد سے جلد پہونچنا ممکن ہو گیا تھا۔ فوجیوں کو قواعد اور تنظیم کی تعلیم بھی دی جاتی تھی۔ سرحدی علاقوں میں ایسی فوج بھی متعین تھی جن کو پہاڑی لڑائیوں کی تربیت دی جاتی تھی (گوریلا طریقہ جنگ) زبردست بحری بیڑہ بھی تھا جس میں کئی سو جہاز اور ہزاروں سپاہی تھے۔ ان جہازوں میں جدید ترین آلات نصب کئے گئے تھے۔ تمام بحر روم پر اسپینی بحری بیڑہ حاوی تھا۔ دشمن کی نقل حرکت کی اطلاع جلد پہونچانے کے لئے تمام اسپینی ساحل اور بندرگاہوں پر جگہ جگہ روشنی کے مینارے نصب کئے گئے تھے بندرگاہوں کو ہر طرح محفوظ اور مضبوط بنایا گیا تھا۔ اشبیلیہ کے علاوہ مرسیہ میں اور الخضرا میں جہاز سازی کے کارخانے قائم کئے گئے تھے۔ غرض اسپین کو اس وقت دنیا کی ہر فوجی قوت پر برتری حاصل تھی۔

علم و ادب خلیفہ الناصر عالم اور علم شناس تھا۔ شعر و شاعری کا عمدہ ذوق رکھتا تاریخ نے اس کے بہت سے اشعار جو عشق و عاشقی سے معمور ہیں محفوظ کئے ہیں اس کے عہد میں "شاعری کا اس قدر چرچا تھا کہ خلیفہ سے لیکر ایک معمولی ملاح تک سب اور غزل کہہ لیا کرتے تھے"[1] علماء کی قدر کرتا تھا اور ان کے مشوروں اور مباحثوں میں شرکت کرتا اور ان پر غور کرتا تھا۔ الناصر سالانہ آمدنی کا تیسرا حصہ علم و فن و ادب پر خرچ کرتا تھا۔ عوام الناس میں علوم و فنون کا مذاق بڑھا ہوا تھا اس دور کے عظیم و شہرت یافتہ علماء فن و ادب قرطبہ میں جمع تھے۔ ابن مسرہ جیسے فیلسوف۔ ابن الاحمر جیسے مورخ۔ احمد بن نصر اور مسلمہ بن القاسم جیسے ماہران نجوم۔ عریب بن سعید اور یحییٰ بن اسحٰق جیسے حاذق طبیب اس وقت قرطبہ میں موجود تھے۔ خلیفہ الناصر ایک آزاد منش شخص تھا اور رواداری میں بے مثال تھا جس کی وجہ اس دور میں یونانی فلسفہ نے نمایاں ترقی حاصل کی۔ نکولس یونانی اور یہودی حسدائی جیسے فلاسفر اس کے دربار سے منسلک تھے بہت سی یونانی فلسفہ کی کتابوں کا ترجمہ عربی میں ہوا۔ ابوالرؤس بھی اس زمانہ کا ایک مشہور فلسفی اور ان جلیل القدر اور محسن زمانہ افراد میں سے تھا جن کی کاوشوں اور محنتوں نے قدیم یونانی فلسفہ کو جدید فلسفہ میں تبدیل کیا ہے۔ خلیفہ الناصر کے دور کی سب سے اہم چیز لین پول کے بقول سرجری اور طب کی ترقی ہے جس پر بذات خود خلیفہ توجہ دیتا تھا۔ جس کی بنا پر بہت سی طب کی کتابیں اس زمانہ میں تحریر کی گئیں اور تراجم بھی کئے گئے۔ سینکڑوں تعلیمی ادارے قائم تھے جو حکومت کے خرچ پر چلتے تھے۔ جہاں تعلیم علم اور مفت تھی۔ ضرورت مند طلبا کو وظائف بھی دیئے جاتے تھے۔ تمام مروجہ علوم کے ماہرین کو درس و تدریس پر ملازم رکھا جاتا تھا۔ کتابوں کی اشاعت کا کام حکومت کے ذمہ تھا۔ مصنفین کی حوصلہ افزائی کی جاتی اور انہیں انعامات سے نوازا جاتا تھا۔ جگہ جگہ مشاہدات کے لئے رصد گاہیں تعمیر کی گئیں جن میں ماہرین طب و نجوم نت نئے تجربات کرتے تھے۔ خلیفہ اور اس کے لڑکوں کے ذاتی کتب خانہ تھے جن میں ہر علم کی کتاب موجود تھی۔ بڑے بڑے شہروں میں عوامی کتب خانے بھی قائم کئے گئے تھے جن سے عوام استفادہ کر سکتے تھے۔ غرض ابن اثیر کے بقول۔

"قرطبہ اس زمانہ میں دنیا کے علوم و فنون کا مرکز بنا ہوا تھا۔ دور دراز ملکوں

---

[1] Moors in Spain P. 147.

سے طلباء تحصیل علم کے لئے یہاں آتے تھے۔ عروض۔ الٰہیات۔ قانون۔ فلسفہ۔ طب۔ تجارت اور صنعت غرض ہر شاخ علم کی تعلیم یہاں ہوتی تھی۔ ہر فن کے یگانۂ روزگار یہاں موجود تھے ..... ارباب قلم و اصحاب شمشیر یہاں کے قیام کو باعث ناموری و فخر سمجھتے تھے۔[1]

تعمیرات تعمیرات کے ذوق و شوق میں بھی خلیفہ الناصر کسی سے کم نہ تھا۔ فنون لطیفہ کے عاشق ہونے کی وجہ سے اس نے اپنے دور میں ایسی عمدہ اور نفیس تعمیرات کرائیں جو آج بھی زبان حال سے اپنے معمار کی عظمت کی گواہی دے رہی ہیں۔ ان تعمیرات سے قطع نظر جو عوام کی فلاح و بہبود کی خاطر بنائی گئی تھیں۔ الناصر نے چند ایسی تعمیرات بھی کرائیں جو نادر روزگار تھیں۔ نومبر ۹۳۶ء/۳۲۴ھ میں اس نے قرطبہ سے تین میل شمال میں ایک نئے شہر کی بنیاد رکھی جس کا نام اپنی چہیتی ملکہ الزہرہ کے نام پر قصر الزہرہ رکھا۔ اس کی تعمیر پر دس ہزار مزدور اور معمار اور ۱۰۰ اجالو زدن روزانہ کام کرتے رہے۔ اور ۲۵ برس تک اس کا کام جاری رہا لیکن پھر بھی اس کی تکمیل نہ ہو سکی۔[2] اس پر ۵ لاکھ دینار سے زیادہ صرف کئے گئے۔[3] اس کی تعمیر میں جو پتھر اور دیگر سامان استعمال کیا گیا تھا وہ دور دراز علاقوں سے لایا گیا تھا مثلاً ناربونہ طرکونہ۔ کارتھیج (قرطاجنہ) اور بیزنطین وغیرہ۔ المریہ کا مشہور سنگ مرمر استعمال کیا گیا تھا۔ قصر کے پندرہ ہزار دروازے تھے جن پر عمدہ قسم کے لوہے یا چمکدار پیتل کے غلاف چڑھے ہوئے تھے۔ خاص سلطان کے کمرے کی چھت اور دیواریں مطلا تھیں۔ اور اس میں ایک نہایت عجیب و غریب فوارہ نصب تھا جو سالم پتھر سے تراش کر بنایا گیا تھا اور شاہ یونان نے ایک بے مثال گوہر آبدار کے ساتھ ہدیتہً بھیجا تھا۔ کمرے کے عین وسط میں ایک چھوٹی سی حوض پارہ سے لبریز بنائی گئی تھی۔ کمرے کے چاروں طرف آٹھ آٹھ دروازے تھے جب آفتاب کی شعاعیں ان دروازوں سے اندر داخل ہو کر اپنی تمازت سے اس پارے کو متحرک کرتی تھیں تو گویا ہر طرف برق کا جلوہ نظر آتا تھا۔ اور اہل دربار کی آنکھیں خیرہ ہو جاتی تھیں۔ قصر زہرہ ایک میل لمبا اور نصف میل چوڑا تھا اسی میں تمام انتظام حکومت انجام دیا جاتا تھا اس شہر کو آباد کرنے کے لئے ہر آباد کار کو چار سو درہم دینے کا اعلان کیا گیا تھا جس سے ہزاروں افراد اس میں جا کر آباد ہو گئے۔ ابن خلدون نے خلیفہ الناصر کے دور کی تعمیرات کے متعلق لکھا ہے۔

---

[1] ابن اثیر ج ۸ ص ۲۷۱ [2] نفح الطیب ج ۱ ص ۲۳۴ [3] ابن عذاری ج ۲ ص ۲۴۶۔ حوالہ E-HOLIE

"جس وقت خلیفہ ناصر کی حکومت اندرونی اور بیرونی خدشات اور خطرات سے محفوظ ہوگئی اور [illegible] طور پر اس کی امارت اور حکمرانی کو استقلال اور استحکام حاصل ہوگیا تو اس وقت اس نے تعمیرات کی طرف توجہ کی..... چنانچہ قصر الزہرا کے قریب محل سرا تعمیر کرائی اور اس کا نام دارالروضہ رکھا۔ پہاڑ سے اس شاہی محل میں نلکوں کے ذریعہ پانی لایا گیا۔ مختلف ممالک اور سرزمینوں سے بڑے بڑے مہندسوں اور انجنیروں کو طلب کیا چنانچہ وہ لوگ دور دراز ملکوں سے قرطبہ آئے حتیٰ کہ بغداد اور قسطنطنیہ کے مشہور و معروف کاریگروں نے زحمت سفر گوارا کی اور قرطبہ پہنچے۔ محلسراؤں کی تعمیر کے بعد حماموں کی تعمیر کی طرف توجہ دی اور محلسراؤں کے باہر مینارناعورہ نامی حمام تعمیر کرایا جس میں پہاڑ کی بلند چوٹی سے پانی لایا گیا حالانکہ دونوں کے درمیان کافی فاصلہ تھا اس کے بعد مدینۃ الزہرہ کا سنگ بنیاد رکھا اور اس کی تکمیل و تعمیر کے بعد اس کو اپنا مرکز سلطنت قرار دیا۔ اس شہر میں بھی بڑی بڑی عمارتیں عمدہ عمدہ محلسرائیں اور اعلیٰ درجہ کے باغات بنوائے۔ ان باغات میں جانوروں کے رہنے کے لئے جال اور مکانات مع سائبان اس قدر وسیع بنوائے کہ ہر جانور اس کی فضا میں کود پھاند کر سکتا اور طبعی طور پر رہ سکتا تھا اسی شہر میں دارالصناعت۔ آلات حرب اور زیورات بنانے کا بھی کارخانہ بنوایا۔ صحن جامع قرطبہ میں بہت بڑا شامیانہ لوگوں کو تمازت آفتاب سے بچنے کے لئے نصب کرایا۔" [1]

ایک بہت بڑا مینارہ جس کی چوڑائی ۲۷ مربع فٹ اور لمبائی ۸۰ فٹ تھی۔ جامع مسجد قرطبہ کے نارنگی والے صحن میں تعمیر کرایا۔ ایسے چمکدار پتھر سے بنایا گیا تھا جو شمالی افریقہ سے لایا گیا تھا۔ یہ مینارہ دینا کی تعمیرات میں ایک نمایاں اور منفرد حیثیت کا حامل ہے۔ ان تمام تعمیرات کے علاوہ الناصر نے بہت سے مدارس سرائیں۔ پل سڑکیں۔ اور عوامی عمارتیں بھی تعمیر کرائیں جن سے عوام کو آرام و سکون حاصل ہوا۔

---

[1] ابن خلدون ج ۵ ص ۳۱۶ (اردو ترجمہ)

خارجی تعلقات

خلیفہ الناصر نے نہ صرف یہ کہ ملک میں امن و امان قائم کیا بلکہ اس نے اپنی حکومت کی دھاک دیگر ممالک پر بھی بٹھا دی تھی۔ اس کے رعب و داب اور عظمت شاہی کی یہ کیفیت تھی کہ عیسائی سلاطین اپنے جھگڑوں و تنازعوں کے فیصلے کرانے کے لئے دربار قرطبہ میں آتے تھے۔ بڑی بڑی اور دور دراز کی سلطنتوں بادشاہ مراسم و اتحاد قائم کرنے کے لئے سفراء کے ذریعہ مصالحتی درخواستیں بھیجتے تھے۔" اس زمانہ میں کسی ملک کا ایسا کوئی خطہ نہ تھا جہاں پر خلیفہ الناصر کی سطوت و جبروت کی ہیبت نہ بیٹھ گئی ہو۔ خلیفہ ناصر کی عقل و دانش اور دولت و عظمت کا شہرہ تمام یورپ و افریقہ میں عام ہو رہا تھا۔"[1] امیر محمد سے عبداللہ تک کہ دور انتشار میں بیرونی سفارتوں کے آنے کا منقطع ہو چکا تھا لیکن الناصر کے زمانہ میں پھر یہ سلسلہ بحال ہو گیا۔ قسطنطنیہ کے شاہ اور شاہان جرمنی، فرانس اور اٹلی نے خلافت آپیین سے اپنے تعلقات بہتر اور استوار کرنے کے لئے سفارتیں ۳۳۶ھ/۹۴۷ء میں قسطنطنیہ کی اور شاہ یونان کی سفارت آئی جن کو قصر الزہرہ میں شرف پذیرائی بخشا ابن خلدون نے اس سفارت کا حال اس طرح بیان کیا ہے۔

"قسطنطین شاہ قسطنطنیہ نے اظہار محبت اور نیازمندی کی غرض سے سفارت بھیجی۔ اور بہت سے نذرانے اور تحائف اس کی معرفت بھیجے خلیفہ نے دربار عام میں اس سفارت کو پیش کئے جانے کا حکم دیا۔ تمام افسران فوجی اور ملکی کے نام فرمین جاری کئے گئے کہ دربار عام میں مناسب ساز و سامان اور آلات حرب سے مسلح ہو کر آئیں۔ قصر خلافت شان و شوکت سے آراستہ کیا گیا۔ دروازوں اور محرابوں پر عمدہ عمدہ پردے لٹکائے گئے۔ وسط میں تخت خلافت سجایا گیا۔ تخت شاہی کے ارد گرد تمام شہزادوں اور امراء و وزراء کے تخت بچھائے گئے۔ جب سفیر دربار میں داخل ہوئے تو دربار کی شان و شوکت دیکھ کر حیرت زدہ رہ گئے۔ لیکن سنبھلے اور تخت خلافت کے قریب جا کر شاہ قسطنطین کا خطبا ادب پیش کیا خلیفہ ناصر نے خطباء اور مقربین کو اشارہ کیا کہ وہ حسب موقع تقریر کریں جس میں اسلام اور خلافت اسلامیہ کی عظمت بیان کی جائے اور ملت اسلامیہ کے اعزاز اور دشمنان دین کی ذلت

[1] ابن اثیر ج ۸ ص ۲۷۱

پر اللہ کا شکر ادا کیا جائے۔ حاضرین دربار میں بڑے بڑے خطیب و مقرر موجود تھے لیکن سطوت و جبروت خلافت اور رعب جلسہ کی بنا پر چند جملے بھی ادا کرنے نہ پائے تھے کہ زبان میں لکنت اور پاؤں میں لغزش پیدا ہو جاتی اور لڑکھڑا کر زمین پر گر پڑتے۔ انہی میں مشہور زمانہ عالم اور خطیب ابو علی القالی بغدادی بھی تھا جو اپنی خطابت اور ولیعہد سلطنت حکم کی قربت پر ناز تھا لیکن جب تقریر کرنے کھڑا ہوا تو چند جملوں سے زیادہ ادا نہ کر سکا۔ بالآخر ایک غیر مشہور شخص منذر بن سعید بلوطی جو نہ اس سے قبل کبھی ایسی محفلوں میں آیا تھا اور نہ تقریر کی تھی کھڑا ہوا اور نہایت متانت اور سنجیدگی سے حسب حال تقریر کی خلیفہ ناصر اس کی برجستہ تقریر اور فصاحت و بلاغت پر بہت خوش ہوا اور اس کو بعد میں قاضی القضاۃ کا عہدہ دیا گیا۔ اس واقعہ کے بعد اس کی بڑی عزت اور شہرت ہوئی۔" ⚠

ان سفارتی وابستگی کے بعد خلیفہ ناصر نے بھی ہشام بن کلیب جاثلیق کو مراسم اتحاد مضبوط اور رشتہ مستحکم کرنے کی غرض سے کچھ نذرانے اور تحائف دیکر قسطنطنیہ بھیجا۔ دو برس بعد ہشام واپس آیا تو شاہ قسطنطنیہ نے پھر اسی کے ساتھ اپنے سفیر تحفے تحائف کے ساتھ بھیجے اس سفارت کے بعد کوہ البرانس (Pyranees Mountains) کے پار والے فرانس کے علاقے کے بادشاہ اوفو (Hugo) اور مشرقی فرانس کے شاہ کلدہ (Kalboh) نے خلیفہ الناصر کے پاس سفارتیں بھیجکر دوستی کا اظہار کیا۔ جب جرمنی کی سفارت آئی اور ناصر نے دوستی منظور کر لی تو جواب میں اپنے سفیر ربیع بن زیاد اسقف کو جرمنی بھیجا۔ ربیع لاطینی اور عربی کا ماہر تھا۔ اس نے جرمن مورخ لیوڈ پرانڈ (Liub prand) کی تاریخ (The Antapodosis) کی تالیف میں مدد کی۔ خلیفہ کے درباری طبیب حسدائی کی خدمات جرمن اور بازنطینی سفراء کے استقبال میں لی گئی تھیں۔ اور یہی وہ شخص تھا جو نبرہ کی ملکہ طوطا اور لیون کے شاہ اردون کے پاس بھیجا گیا تھا۔ ابن خلدون ہی اس بات کا راوی ہے کہ

"اسی زمانہ میں بادشاہ برشلونہ اور طرکونہ کے سفراء بھی بغرض مصالحت و اتحاد دربار خلافت میں آئے تھے۔ خلیفہ الناصر نے سیر چشمی کا مظاہرہ کر کے ان کی درخواست کو رد نہ کیا۔ اور ان سے مصالحت و دوستی کر لی اس کے بعد روم کا سفیر اظہار محبت اور

⚠ ابن خلدون، ج ۵ ص ۳۱۴-۵ (اردو ترجمہ)

رسم دوستی جاری رکھنے کے لئے حاضر ہوا۔ خلیفہ نے اس سے بھی مراسم اتحاد جاری رکھنے کا وعدہ کر لیا۔[1]

جس سے اس امر کا واضح ثبوت ملتا ہے کہ یورپ کے تمام عیسائی سلاطین خلیفہ الناصر سے دوستی رکھنے کے خواہشمند تھے یہ امر بھی قابل غور ہے کہ خلیفہ کا یہ ارادہ کبھی نہ ہوا تھا کہ یورپ میں فتوحات کرے لیکن اس کے باوجود یورپ سے سفارتیں آئیں جن سے یہ پتہ چلتا ہے کہ یہ سفارتیں کسی دباؤ یا خوف کی بنا پر نہ آئی تھیں۔ اور نہ ان سفارتوں کو بلوانے میں خلیفہ کی کسی ذاتی کوشش کا پتہ ملتا ہے ایسا صرف اس لئے تھا کہ اسپین کے داخلی معاملات استوار ہو چکے تھے اور امن و امان اور قانون کی بالادستی قائم ہو چکی تھی۔ ملک کی داخلی اور خارجی تجارت میں بہت اضافہ ہوا تھا۔ زراعت و صنعت کی ترقی نے اسپین کے بازاروں میں مال کے ڈھیر لگا دیئے تھے جس سے قیمتیں بھی کم ہو گئی تھیں۔ دوسری طرف عباسی خلافت کے کمزور ہوتے ہی ترکوں کا عروج ہو چکا تھا اور سلجوقی ترکوں کی عظیم الشان کامیابیوں نے عیسائیوں کے مستقبل کو تاریک کر دیا تھا۔ چنانچہ عیسائی حکومتوں کو اپنی بقاء کا یہی ایک راستہ دکھائی دیا کہ وہ اسپین کی طاقتور حکومت کا سہارا لیں۔

خلیفہ عبدالرحمٰن الناصر کی عظمت اس کی اپنی صلاحیتوں کی ممنون تھی۔ وہ زبردست انتظامی قابلیت کا مالک تھا۔ تمام مسلم اور غیر مسلم مؤرخین اس کی صلاحیتوں پر رطب اللسان ہیں۔ وہ انسانی کی پوری صلاحیت رکھتا تھا۔ اس نے اپنے عزم و استقلال۔ بہادری و شجاعت اور ایجادات و اختراعات سے اپنے آپ کو اس وقت کا اہل ترین فرد ثابت کر دیا۔ اس کی عقابی نظروں سے معمولی سی معمولی فروگذاشت نہ بچنے پاتی تھی۔ تمام انتظامی معاملات کی نگرانی خود کرتا تھا۔ اس کے طرز جہانبانی کے اصولوں نے اس کو عہد وسطیٰ کے حکمرانوں کی صف سے نکال کر دور جدید کے سلاطین کی صف میں لا کھڑا کیا۔ وہ علم سے محبت کرتا تھا اور عوام ہمہ وقت اس پر اپنی جان نثار کرنے کو تیار رہتے تھے۔ الغرض تاریخ کے اوراق پلٹ کر دیکھتے رہیے لیکن عبدالرحمٰن الناصر جیسا عوامی بادشاہ کہیں نظر نہ آئے گا۔

اس نے اسپین میں قومیت کے تصور کو جنم دیا۔ تمام قبائلی۔ نسلی۔ مذہبی اور طبقہ واری کشمکش کو وقتی طور پر ختم کر کے ایک قوم اور ایک نئی تہذیب کی بنا ڈالی۔ جو اسپینی قوم اور تہذیب کے نام سے پکاری گئی۔ اس کا دور اسپین کے قدیم باشندوں کے لئے نعمت الٰہی سے کم نہ تھا۔ اور وہ فخریہ یہ کہا کرتے تھے

---

[1] ابن خلدون ج ۵ ص ۲۱۵ (اردو ترجمہ)

کہ "بلاشبہ الناصر ہمارا خلیفہ ہے۔ کیونکہ اس نے ہمیں عربوں کے ظلم و تشدد اور نفرت و تعصب سے بچالیا ہے"۔ عدل و انصاف اور مساوات کی ترازو میں سب کو تولا گیا۔ اور کسی کو کسی خاص سبب کی بنا پر اہمیت نہ دی گئی۔ ہر شخص کو اس کی اپنی صلاحیتوں اور حکومت سے وفاداریوں کی بنا پر نوازا گیا۔ ایڈون ہول نے لکھا ہے۔

"عوام جن پر حکمرانی کی جانے والی تھی اتحاد و یگانگت سے بیگانہ تھے جب وہ الناصر تخت پر آیا اس وقت گو اسپینی شعور کے بیدار ہونے کے آثار پوری طرح ظاہر ہو چکے تھے۔ لیکن اس قدر نہ تھے کہ ان کو قومی تصور سے پکارا جاتا۔ البتہ قومیت کے اس تصور نے اس کے طویل اور عظیم الشان دور میں ضرور نشو و نما پائی۔ گو ذات نسل اور طبقہ واری کشمکش اس وقت بھی موجود تھی جس نے بڑی حد تک عوام میں اتحاد و یگانگت کو پیدا نہ ہونے دیا لیکن پھر بھی خلیفہ کی کوشش کو ناکام نہیں کہا جا سکتا"۔[1]

جس سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ خلیفہ الناصر نے اچھی طرح یہ محسوس کر لیا تھا اور ماضی کے تجربات سے یہ نتیجہ نکال لیا تھا کہ اسپین پر کامیاب حکمرانی کا صحیح طریقہ یہی ہے کہ غیر ملکی بن کر یہاں کے عوام پر حکمرانی نہ کی جائے۔ بلکہ اسپینی بن کر عوام کے دلوں پر قابو پا لیا جائے۔ تہذیب و تمدن کی تاریخ میں خلیفہ عبدالرحمٰن الناصر کا نام اسپینی تہذیب کے موسسوں کی فہرست میں سر فہرست لکھا جانا چاہیئے۔ یہی ایک طریقہ ہے اس باعظمت بادشاہ کی عظمت و شان کی صحیح تعریف کرنے کا۔

خلیفہ الحکم ثانی بن عبدالرحمٰن الناصر

۳۵۰ھ/۹۶۱ء - تا - ۳۶۶ھ/۹۷۶ء

تخت نشینی خلیفہ الناصر نے گو گیارہ لڑکے چھوڑے تھے لیکن تخت خلافت الحکم ثانی کے حصہ میں آیا اور وہ المستنصر باللہ کے لقب کے ساتھ تخت خلافت پر جلوہ افروز ہوا۔ استاذ الحکم ثانی کی عمر ۴۶ برس کی تھی۔ باپ کے انتقال سے چند سال قبل ہی سے وہ حکومت کے معاملات میں حصہ لینے لگا تھا اور مسعودی کے قول کے مطابق "اس کی شہرت ایک عقلمند اور انصاف پسند شہزادہ ہونے کی وجہ سے دور دور پھیل چکی تھی"[1] لیکن اس وقت تک اس نے کسی فوجی مہم میں کارنامے نہ دکھائے تھے اس نے اپنے باپ کے مقرر کردہ وزیروں اور عہدہ داروں کو بحال رکھا البتہ جعفر صقلبی کو اپنا صاحب مقرر کیا جو مصحفی کے نام سے مشہور تھا۔

عیسائی یورشیں ریاست لیون کے بادشاہ شانجہ اور نبرہ کے شاہ غرسیہ کو خلیفہ الناصر سے معاہدات امن کر چکے تھے اور مرحوم خلیفہ نے ان کی بھلائی کے لئے بہت سے کام بھی کئے تھے لیکن اس کے مرنے کے فوراً بعد ہی دونوں بدعہد عیسائی حکمران اپنے اپنے معاہدوں سے پھر گئے۔ کیونکہ ان کو یقین تھا کہ الحکم ثانی جنگ جو طبیعت کا آدمی نہیں ہے۔ بلکہ وہ ایک کتابی کیڑا ہے۔ ممکن ہے کہ وہ اپنے باپ کے زمانے کے عہد و پیمان پر سختی سے عمل نہ کرے۔ دوسرے یہ کہ اگر اس نے جنگ بھی کی تو اپنے

---

[1] مروج الذہب۔ حوالہ امام الدین صاحب ص۱۰۱

باپ کی طرح اہل ثابت نہ ہوگا۔ یہ رائے الحکم ثانی پر جلد ہی آشکارا ہوگیا چنانچہ اسنے شانجہ سے وہ تمام قلعے مانگے جو اس نے معاہدے کی رو سے دینے کا وعدہ کیا تھا لیکن شانجہ ان کو حوالے کرنے میں حیلے حوالے کرنے لگا۔ غرسیہ شاہ نبرہ سے فرڈیننڈ کو طلب کیا گیا جو اس کے پاس قید تھا لیکن غرسیہ نے دینے سے انکار کر دیا۔ نہ صرف انکار کر دیا بلکہ اس کو اس شرط پر رہا بھی کر دیا۔ کہ وہ اپنے داماد اردون چہارم سے جو حکومت قرطبہ کا دوست تھا کوئی تعلق نہ رکھے گا۔ فرڈیننڈ نے رہا ہوتے ہی اردون چہارم کو برغش سے نکال باہر کیا اور اردون مسلمانوں کی حدود میں چلا گیا۔ فرڈیننڈ نے کیونکہ خلافت سے صلح نہ کی تھی اس لئے خلافت سے سرکشی اختیار کرنے میں کوئی شرم اس کی حائل نہ ہوئی الحکم کو جیسے ہی اس کی اطلاع ملی اس نے بلا پس و پیش جنگ کی تیاریاں شروع کر دیں اور ثابت کر دیا کہ علم و ادب کا متوالا میدان جنگ کا شیر بھی ہے۔ بجائے اس کے کہ وہ شمال کی ان تبدیلیوں کو محض تماشائی کی حیثیت سے دیکھتا اس نے اپنے باپ کی پالیسی اختیار کی اور اپنے والیان صوبہ جات اور سرداران لشکر کو جنگ کے لئے فوجیں آراستہ کرنے کا حکم دیدیا۔ فروری ۳۵۱ھ/۹۶۲ء میں وہ خود فوجیں لے کر فرڈیننڈ کی سرکوبی کو چلا اور عیسائیوں کو اسلامی سرحدوں سے نکال باہر کیا۔

اس مہم سے واپسی کے بعد الحکم ثانی کو پتہ چلا کہ اردون چہارم جس کو شانجہ اور فرڈیننڈ نے نکال باہر کیا تھا مسلمانوں کی امداد حاصل کرنے کا خواہشمند ہے۔ اردون نے یہ درخواست مدینہ سالم کے گورنر الحکم کے مولیٰ غالب کے ذریعہ سے روانہ کی تھی خلیفہ الحکم ثانی نے اس درخواست پر فوری عمل یہ کیا کہ غالب کو لکھا کہ اردون اگر قرطبہ آجائے تو کوئی وعدہ کیا جا سکتا ہے اس سے قبل وعدہ کرنا درست نہ ہوگا۔ غالب اردون چہارم کو لے کر قرطبہ پہنچا اور اس کو قصر ناعورہ میں ٹھہرایا گیا۔ عبید اللہ (بقول ابن خلدون عبد اللہ) بن قاسم مطران طلیطلا اور ولید بن خیزران نے اس کو آداب و قواعد دربار خلافت سکھلا کر قصر زہرہ میں خلیفہ کے روبرو پیش کیا۔ اردون چہارم نے بڑی عاجزی اور خوشامد سے شانجہ کے خلاف امداد کی التجا کی خلیفہ اور اردون کے درمیان ایک طویل مکالمہ ہوا جس کو رودزی نے تفصیل سے درج کیا ہے اس سارے مکالمے سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاتا ہے کہ ایک طرف شانجہ نے خلیفۃ الناصر سے کئے ہوئے وعدے کے مطابق عمل نہ کیا تھا۔ اور الحکم ثانی اس سے ناراض تھا دوسری طرف اردون چہارم نے خوشامد اور چاپلوسی کی انتہا کر دی اور اپنی اطاعت اور فرمانبرداری گفتگو اور عمل سے ظاہر کی جس کی بنا پر الحکم ثانی نے یہ طے کر لیا کہ شانجہ کو سزا دینے اور لیئون کو اپنے ماتحت کرنے کے لئے اردون کو تخت لیون حاصل کرنے کے لئے مدد دی جائے چنانچہ اردون چہارم کی درخواست منظور کر لی گئی۔

اور ایک معاہدہ پر اس سے دستخط کرالئے گئے جس کی رو سے اس کو امن و صلح کا ہمیشہ کے لئے پابند کر دیا گیا۔ اردون نے اپنے لڑکے غرسیہ کو بطور یرغمال قرطبہ میں خلیفہ کے سپرد کیا اور وعدہ کیا کہ فرڈیننڈ سے کبھی دوستی اور اتحاد نہ کرے گا۔ خلیفہ الحکم ثانی نے اپنے سپہ سالار غالب کو حکم دیا کہ وہ فوج لیکر جائے اور اردون چہارم کو تخت لیون پر متمکن کرے۔ شانجہ والی لیون کو جب ان حالات کا پتہ چلا تو اس نے حالات کی نزاکت کا اندازہ کر لیا۔ کیونکہ اہل لیون اس کو پسند نہ کرتے تھے۔ اس لئے اس کو یقین تھا کہ غالب اور اردون کے آتے ہی اس کو لیون سے نکالدیا جائے گا۔ اس نے فوراً ہی چند پادریوں اور عیسائی رئیسوں کو خلیفہ کے دربار میں بھیجا تاکہ وہ جاکر خلیفہ کو بتائیں۔ کہ وہ پرانے عہد نامہ کی تمام شرطیں پوری کرنے کو تیار ہے۔ اور تمام قلعے بھی واپس کر دیگا۔ خلیفہ الحکم ثانی کا اردون چہارم سے معاہدہ کرنے کا اصل مقصد یہی تھا کہ شانجہ کو سزا دی جائے سو وہ پورا ہو گیا چنانچہ دربار خلافت سے شانجہ کی معافی اور سابقہ معاہدہ کی توثیق ہو گئی۔ اردون چہارم ابھی قرطبہ میں ہی تھا۔ کہ اس کو حالات کی تبدیلی کا علم ہوا اس کو اس سے شدید صدمہ پہنچا اور بقول ڈوزی چند دن بھی زندہ نہ رہ سکا اور قرطبہ ہی میں مر گیا۔ اردون کی موت نے شانجہ کے تمام خطرات دور کر دیئے اور اس نے خلافت کی سپریمیسی میں اب کوئی فائدہ نہ دیکھا چنانچہ اس نے پھر سرکشی اختیار کر لی۔ اور عہد نامہ کی شرطوں کو پورا کرنے سے قطعاً انکار کر دیا عیسائیوں کے خلاف جنگ دوبارہ شروع کر دی گئی۔ غالب حاکم مدینہ سالم کو زبردست فوج لیکر قشتالہ پر چڑھ دوڑا قلعہ شنت استیبان غرماج کے قریب اہل جلیقیہ کو زبردست شکست دی اور قلعہ پر قبضہ کر لیا۔ فرڈیننڈ نے گھبرا کر صلح کر لی۔ لیکن جلد ہی اس صلح کو توڑ دیا غالب نے اس کو اشنیشر کے مقام پر بری طرح شکست دی۔ حاکم سرقسطہ یحییٰ بن احمد تجیبی بھی اپنی فوجیں لے کر غالب سے آملا اور دونوں نے مل کر علاقہ لشکش پر حملہ کیا بادشاہ نبرہ غرسیہ کو شکست دی اور اس کے مشہور شہر قلہرہ پر قبضہ کر لیا۔ قطونیہ کا سرحدی شہر بھی ان کی تباہ کاری سے محفوظ نہ رہ سکا۔ اور وہاں کے نوابان بورویل اور میرون کو پے در پے شکستیں ہوئیں ۳۵۶ھ/۹۶۶ء میں شانجہ خطا مان طلب کی اور خلیفہ کی اطاعت کر لی۔ اس کے بعد یکے بعد دیگرے قشتالہ کے فرڈیننڈ اور نبرہ کے غرسیہ نے بھی اطاعت کر لی۔ حالات کو دیکھتے ہوئے قطونیہ کے نوابان بورویل اور میرون نے خلیفہ سے معاہدے کر لئے اور وعدہ کر لیا کہ جس قدر قلعے انہوں نے مسلمانوں کے علاقہ میں تعمیر کئے ہیں۔ سب مسمار کر دیں گے اور مسلمانوں کے دشمنوں کو امداد کبھی نہ کریں گے۔ اس طرح یہ مہم تمام شمالی عیسائی ریاستوں کی کامیاب سرکوبی پر ختم ہوئی جس وقت شانجہ شاہ لیون خلیفہ الحکم ثانی سے امن و صلح کی گفت و شنید کر

رہا تھا اس نے جلیقیہ کے علاقہ پر حملہ کر دیا لیکن فرڈیننڈ نے دریائے ڈورو کے کنارے ایک ملاقات میں چالاکی سے شانجہ کو زہر دیکر مار ڈالا۔ شانجہ کا لڑکا ردمیر دوم جو اس وقت ۵ برس کا تھا اپنے خالہ زاد بھائی ردمیر کی سرپرستی میں اپنے باپ کا جانشین ہوا لیکن ریاست تین پارہ پارہ ہو گئی اور ہر رئیس اپنی اپنی خود مختاری کا اعلان کر کے اپنے اپنے علاقوں پر حاکم بن بیٹھا اس زمانہ میں نارمنڈی کے بادشاہ رچرڈ اول کے پاس ڈین قوم کا ایک گروہ اٹھارہ ہزار افراد کا موجود تھا۔ بادشاہ کو جیلان کی ضرورت باقی نہ رہی تو اس وحشی قوم کو سپین کی طرف نکال دیا۔ سپین آکر اس قوم نے جلیقیہ کے علاقہ کو تین برس تک خوب لوٹا اور غارت کیا اور کوئی ان کا سدباب نہ کر سکا[1] مسلمانوں کے حملے تھوڑے تھوڑے عرصہ کے بعد قشتالیہ پر جاری رہے۔ یہاں تک کہ ۳۵۸ھ/۹۶۹ء میں فرڈیننڈ کی موت ہو گئی جس کے بعد خلافت قرطبہ کو قشتالیہ کی طرف سے قدرے اطمینان ہو گیا۔

فاطمیین اور صنہاجہ سے جنگ

شمالی افریقہ میں بنو فاطمہ اور بنو امیہ سپین کی لڑائیوں کا سلسلہ بند نہ ہوا تھا خلیفہ الناصر نے شمالی افریقہ کے معاملات میں صرف اس لئے دلچسپی لی تھی کہ فاطمین کے حملہ سے سپین کو محفوظ رکھا جائے کیونکہ یہ بات اب ڈھکی چھپی نہ رہی تھی کہ فاطمین ساری اسلامی دنیا پر قبضہ کرنے کا فیصلہ کر چکے ہیں اور اس مقصد کی خاطر وہ ہر جائز و ناجائز طریقہ اختیار کرنے کو تیار ہیں۔ فاطمین کے جاسوس ساری اسلامی حکومتوں میں پھیلے ہوئے تھے۔ جو عوام کو بنی فاطمہ کی ہمدردی پر آمادہ کرتے رہتے تھے چنانچہ سپین بھی ان کے جاسوسوں سے خالی نہ تھا خلیفہ الناصر کے دور میں کئی فاطمی جاسوس گرفتار کئے گئے تھے۔ اسی طرح الحکم ثانی کے بھی دربار اور فوج دونوں میں فاطمی جاسوس موجود تھے اور اس بات کی کوشش کرتے رہتے تھے کہ زیادہ سے زیادہ فاطمیوں کے ہمدرد پیدا کریں لیکن اس وقت فاطمین کی طرف سے کسی براہ راست حملے کا خطرہ کم ہو گیا تھا کیونکہ فاطمین نے مصر فتح کر لیا تھا اور ان کا خلیفہ المعز مصر کے دارالحکومت قاہرہ میں آباد ہو چکا تھا لیکن اس نے شمالی افریقہ کا پورا علاقہ بربر قبیلہ صنہاجہ کے سردار ابوالفتح یوسف بن زیری کی ولایت میں دیدیا تھا۔ علوی خاندان ادریسی کے شہزادے افریقہ کے ساحلی علاقوں پر حکمرانی کر رہے تھے۔ ان شہزادوں میں حسن بن غنون جو طنجہ، اصیلا اور ساحل کے دیگر علاقوں پر حاکم تھا کبھی سپین کا طرفدار ہو جاتا۔ اور کبھی فاطمین کا لیکن دراصل وہ فاطمیوں کا طرفدار تھا اس لئے کہ اس کی حکومت کی حدود فاطمی خلافت سے زیادہ قریب تھیں۔ ابوالفتح صنہاجی جس وقت شمالی افریقہ کی طرف بڑھا تو ابن غنون پہلا شخص تھا جس نے اس کی اطاعت کی تھی۔

---

[1] عبرت نامہ اندلس ج ۲ ص ۷۳۸

خلیفہ الحکم ثانی کو ابن غنون کی اس حرکت پر سخت غصہ آیا۔ اور ابن طملوس کو اس کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا ابن طملوس نے ابن غنون کو شکست دیکر طنجہ پر قبضہ کر لیا۔ ابن غنون فاطمین کی امداد لے کر دوبارہ طنجہ پر حملہ آور ہوا جس میں بنو امیہ کو شکست ہوئی اور ابن طملوس مارا گیا۔ اس شکست کا یہ اثر ہوا کہ جو سردار اب تک بنو امیہ کے طرفدار تھے ابن غنون کے طرفدار بن گئے۔ اور چند شہروں کے علاوہ خلافت آپنے کے پاس کچھ باقی نہ رہا۔ خلیفہ الحکم ثانی نے اس خطرہ کو محسوس کر کے اپنے بہترین لشکر سپہ سالار غالب کی سرکردگی میں افریقہ روانہ کیا۔ غالب افریقہ کے ساحل پر اترا اور طنجہ اور سبتہ کے درمیان قلعہ مصمودہ کو اپنا مرکز بنا کر فوراً ہی ابن غنون کی طرف روانہ ہوا۔ غالب نے بربر سرداروں کو بڑی رشوتیں اور مال دولت دیکر اپنے ساتھ ملا لیا جس سے ابن غنون کی طاقت کم ہو گئی اور وہ کئی شکستیں کھا کر سبتہ کے قریب ایک پہاڑی قلعہ میں محصور ہو کر بیٹھ رہا۔ غالب کی کامیابیوں سے خلیفہ الحکم ثانی کو بہت مسرت ہوئی لیکن جب یہ پتہ چلا کہ غالب نے رشوتیں دینے میں بہت روپیہ صرف کر دیا ہے اور سرکاری خزانہ پر اس کا بار بڑھ گیا ہے تو اس کو غبن کا اندیشہ ہوا چنانچہ خلیفہ نے خفیہ محاسب بنا کر محمد بن ابی عامر کو بظاہر بلاد افریقہ کا قاضی القضاۃ بنا کر بھیجا تاکہ افسران فوج کے چال چلن اور ان کی مالی حالت پر نظر رکھے ۳۶۳ھ/۹۷۳ء میں خلیفہ الحکم ثانی نے مزید کمک افریقہ روانہ کی جس کا سپہ سالار یحییٰ بن احمد تجیبی کو مقرر کیا۔ ابن غنون نے کو بڑی بہادری سے کافی عرصہ تک مقابلہ کیا بالآخر صلح کر لی۔ اور ۳۶۴ھ/۹۷۴ء میں معہ اہل و عیال کے قرطبہ بھیج دیا گیا۔ جہاں سے ان کو اس شرط پر تیونس جانے کی اجازت مل گئی کہ وہ ماریطانیہ واپس نہ جائیں گے۔ وہ لوگ پھر تیونس سے اسکندریہ چلے گئے۔ بربر قبائل۔ زناتہ۔ مغراوہ۔ مکناسہ نے قرطبہ کی اطاعت قبول کر لی۔ اندرونی اور بیرونی علاقوں میں امن و امان قائم کرنے کے بعد خلیفہ الحکم ثانی المستنصر نے اپنی پوری توجہ علم و ادب کی ترقی اور ترویج کی طرف مبذول کر دی۔ اور اس ضمن میں وہ کارہائے نمایاں انجام دیئے جو مسلم تاریخ ثقافت میں سنہرے باب کا اضافہ کرتے ہیں۔

وفات یکم اکتوبر ۹۷۶ء (مطابق ۲ صفر ۳۶۶ھ) میں اس نیک دل اور ہر دلعزیز خلیفہ نے تقریباً ۱۶ سال حکمرانی کے بعد بعارضہ فالج انتقال کیا اس وقت اس کی عمر ۶۱ برس کی تھی۔ انتقال سے قبل ہی اس نے اپنے ۱۲ سالہ لڑکے ہشام ثانی کو اپنا جانشین بنا دیا تھا اور مصحفی اور محمد بن ابی عامر اس کے اتالیق مقرر کئے گئے تھے۔

کردار

خلیفہ الحکم ثانی المستنصر باللہ کثیر الاخلاق نفیس مزاج۔ عالم۔ علوم وفنون کا شائق۔ علماء اور اہل ہنر کا قدر داں تھا وہ ایک انصاف پسند اور روشن دماغ خلیفہ تھا عوام کا بہت خیر خواہ تھا اس نے ان تمام واجبات میں کمی کر دی جو صوبائی حکومتوں کی طرف سے عوام پر عائد کئے گئے تھے۔ ہر جمعہ کو جامع قرطبہ میں عوام کے ساتھ نماز ادا کرتا اور غریبوں کو خیرات بھی تقسیم کرتا تھا مذہبی ارکان کا سختی سے پابند تھا۔ اور اپنی رعایا کو سنت رسول ﷺ پر بجبر چلاتا تھا شراب کا استعمال قانوناً ممنوع تھا نہ خود استعمال کرتا اور نہ عوام کو استعمال کرنے کی اجازت تھی۔ البتہ اس نے فلسفہ کی تعلیم کی پوری اجازت دے رکھی تھی اور اس کی سرپرستی بھی کرتا تھا جو کہ ظاہر ہے کہ سنی علماء کو قطعاً پسند نہ تھی اس کے دربار میں متشدد اور آزاد مفکرین دونوں کی پذیرائی کی جاتی تھی۔ وہ ایک آزاد اور روادار حکمراں تھا اور رعایا کے مذہبی معاملات میں قطعاً دخل نہ دیتا تھا بڑی حد تک اپنے ملک کے ذرائع استعمال کرنے کا حامی تھا جس سے زراعت میں نمایاں ترقی ہوتی۔ کانوں میں سے کثیر خام مال نکالا جاتا تھا جس سے ملک کی تجارتی اور صنعتی ترقی میں اضافہ ہوا۔ اور ملک کے عوام امیر و خوشحال ہوتے گئے۔

الحکم ثانی کی فطرت میں شروع ہی سے عاجزی اور منکسر المزاجی تھی اور وہ اپنے باپ کی طرح بلا وجہ شان و شوکت اور کروفر دکھانا پسند نہ کرتا تھا۔ ذاتی طور پر نرم دل اور عفو و درگذر کرنے والا تھا۔ اپنے دشمن تک کو معاف کر دینے سے گریز نہ کرتا تھا۔ نمازی، پرہیزگار اور متقی تھا۔ عاشق رسول ﷺ تھا اور احیاء سنت میں اس نے بہت کوشش کی تھی طبیعت میں صاف گوئی تھی دھوکہ بازی اور چالبازی سے دور تھا البتہ تدبر نہ تھا۔ لین پول کا یہ کہنا کہ "..... صرف یہ بات اس کے لئے کافی تھی کہ وہ خلیفہ الناصر کا بیٹا تھا" درست نہیں وہ اپنی ذاتی صلاحیتیں بھی رکھتا تھا صرف الناصر کے لڑکے ہونے کی حیثیت ہی سے نہ پہچانا جاتا تھا۔ ڈوزی نے اس کے متعلق لکھا ہے "المستنصر باللہ فی الواقع جنگ و جدل سے پرہیز کرتا تھا اور لڑائی پر بہت تامل اور تذبذب کے بعد آمادہ ہوتا تھا۔ لیکن جب لڑائی شروع کر دیتا تھا تو اس شدت سے لڑتا تھا کہ دشمن کو پناہ مانگنے کے سوا کوئی چارہ نہ رہتا تھا"[1] اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ وہ مدبر نہ ہونے کے باوجود بزدل یا کاہل نہ تھا۔ اکثر مہمات میں بذات خود سپہ سالار رہتا تھا۔ سپہ سالار غالب کو جس وقت مقرب القضی کی مہم پر بھیجا تو یہ نصیحت کی "دیکھو احتیاط سے کام لینا اور فتح یاب ہو کر واپس آنا سمجھ لو کہ جو شکست ہم کو ہو چکی ہے اس کی تلافی میدان جنگ میں تمہارے مر جانے سے نہ ہوگی"[2] جس سے اس کے عزم و استقلال

---

[1] عبرت نامہ اندلس۔ ج ۲ ص ۲۷۰ [2] ایضاً ص ۲۵۵

کا پتہ چلتا ہے۔

الحکم ثانی عیاش نہ تھا اور نہ عیاشی کو پسند کرتا تھا۔ رقص و سرود کی محفلوں سے اس کو کوئی رغبت نہ تھی حرم اور کنیزوں میں کوئی خاص دلچسپی نہ رکھتا تھا۔ البتہ حرم کے اثرات اس پر کافی تھے اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ وہ زیادہ تر خود تو کتابوں میں مشغول رہتا اور سلطنت کے معاملات میں کم دلچسپی لیتا تھا چنانچہ وزراء اور حرم کے اختیارات بڑھ گئے تھے۔ الغرض خلیفہ الحکم ثانی کے ذاتی اوصاف اس قدر ہیں کہ جن کا سیر حاصل بیان اس جگہ ممکن نہیں اس کی ذات کا سب سے بڑا وصف اس کی علم و ادب سے شیفتگی تھی جس نے اس کو تاریخ اسلام میں زندہ جاوید بنا دیا۔

کارنامے الحکم ثانی کے کارناموں میں اہم ترین ترویہ ہے کہ اس نے ملک کے اندر امن و امان قائم رکھا۔ خارجی حملوں سے ملک کو محفوظ کیا۔ خاص طور پر عیسائیوں اور فاطمین کو اپنی سرحدوں تک نہ آنے دیا اس نے حاجب کا عہدہ دوبارہ قائم کیا جو اس کے باپ نے ختم کر دیا تھا۔ لیکن ان سب کے علاوہ اس نے علمی و ثقافتی کارنامے بھی انجام دیئے جن کو مندرجہ ذیل عنوانات میں منقسم کیا جاتا ہے ایک مورخ کے نزدیک اس کے یہی کارنامے اس کو عظیم بادشاہوں کی صف میں کھڑا کرنے کے لئے کافی ہیں۔

(الف) تعلیمی ادارے گو الحکم ثانی کے بزرگ عالم اور علم دوست اور کتابیں جمع کرنے کے شائق تھے لیکن اس ضمن میں اس نے جو ذوق اور شوق پایا تھا وہ کسی کو نہ ملا تھا۔ نہ علوم و معارف میں کسی کو اتنی قدرت حاصل ہوئی اور نہ کسی نے اتنی کتابیں جمع کیں اس کو علم کے پھیلانے اور عام کرنے کا اس قدر شوق تھا کہ کوئی شہر ایسا باقی نہ رہا تھا جہاں اس نے مدرسہ قائم نہ کیا ہو اپنے بھائی منذر بن عبدالرحمن کو تمام تعلیمی اداروں کا نگران اعلیٰ مقرر کیا۔ جامع قرطبہ میں بڑے اور وسیع پیمانہ پر درس و تدریس کا سلسلہ جاری کیا اور اسکو بعد میں قائم ہونے والی قاہرہ کی جامع الازہر اور بغداد کے مدرسہ نظامیہ کے ہم پلہ بنا دیا جامع قرطبہ میں نہ صرف مسلمان طلباء بلکہ عیسائی اور یہودی طلباء نہ صرف اندرون ملک سے بلکہ دور دراز علاقوں مثلاً یورپ افریقہ۔ ایشیا سے تعلیم حاصل کرنے کے لئے آتے تھے[1]۔ غریبوں کی تعلیم کے خیال سے خاص قرطبہ میں ۲۷ مدرسے ایسے کھولے گئے جن میں غرباء کو مفت تعلیم دی جاتی تھی۔ ان مدارس کے اخراجات کے لئے قرطبہ کے سب سے بڑے بازار زیتون بازار کی آمدنی مخصوص کر دی تھی اور معلموں کی تنخواہ خلیفہ کے صرف خاص سے دی جاتی تھی امیروں کے لئے علیحدہ مدارس تھے جہاں وہ اپنے خرچ سے تعلیم حاصل کرتے تھے کوئی شہر ایسا نہ تھا جہاں مدرسہ ہو اور نہ بڑے شہروں میں اعلیٰ تعلیم کیلئے جامع ہوتی تھی۔ اشبیلیہ، مالقہ، سرقسطہ اور جیان کی جامعات قرطبہ کی مانند تھی جو بعد کے زمانہ میں علیحدہ حیثیت

[1] ہٹی: تاریخ عرب ص ۵۳۰

کی مالک ہوگئی تھیں۔ تہذیب و ثقافت کا معیار اس قدر بلند ہو گیا تھا کہ بقول ڈوزی "اسلامی اسپین میں ہر متنفس لکھنا پڑھنا جانتا تھا"۔ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ اس دور کی اسپین کی علمی و ثقافتی ترقی ظلمت و تاریکی میں ڈوبے ہوئے یورپ کے لئے مشعل راہ تھی۔

(ب) جامع قرطبہ کے اساتذہ

الحکم ثانی نے علم پروری کے نقید المثال کارنامے انجام دیئے اس نے مشرق کے دانش کدوں سے عالم اسلام کے بے مثال علماء و فضلاء کو بڑی بڑی تنخواہوں پر عزت و اکرام کے ساتھ بلایا اور ان کو جامع قرطبہ میں درس و تدریس پر معمور کیا ان علماء میں صرف و نحو کے عالم اور بغداد کے مشہور نحوی ابو علی القرطبیہ تھے۔ جو نحو و تاریخ کا درس دیتے تھے ابو علی القالی البغدادی تھے جو قدیم عربوں کی زبان اور ضرب الامثال اور شاعری پر لیکچر دیتے تھے انہوں نے اپنی کتاب الامالی زبانی لکھوائی تھی جو آج تک عربی ادب میں درجہ اول رکھتی ہے۔ ابو عبداللہ محمد بن عبدالعزیز تھے جو دربار قرطبہ کے طبیب خاص اور مؤرخ تھے۔ اور محمد ابو بکر الزبیدی تھے۔ جو مشہور محقق اور عربی لغات کی بہترین کتابوں میں سے ایک کتاب العین کے مصنف تھے یہ شہزادہ ہشام کے اتالیق بھی تھے ابراہیم فقیہہ تھے فقہ کا درس دیتے تھے اور ابو بکر بن معاویہ قرشی تھے جو حدیث کا درس دیا کرتے تھے، دیگر علوم کے عالم بھی شہرت میں کم نہ تھے۔ ان علماء سے تحصیل علم کرنیوالوں کی تعداد ہزاروں سے متجاوز کر گئی تھی جن میں کسی مذہب، نسل اور طبقہ کی تفریق نہ تھی

(ج) کتب خانے

الحکم ثانی اور اس کے بھائی عبداللہ نے اپنے باپ الناصر کے زمانہ میں ہی اپنے ذاتی کتب خانے قائم کر لئے تھے جن کو تخت پر آنے کے بعد اپنے باپ کے چھوڑے ہوئے وسیع کتب خانہ سے ملا دیا تھا۔ اس نے زر کثیر نادر و نایاب کتب کی خرید پر خرچ کیا اس کے گماشتے قاہرہ۔ بغداد دمشق اور اسکندریہ میں ہر وقت موجود رہتے تھے یہ لوگ کتابیں مول لیتے یا ان کی نقل کرتے تھے۔ قطع نظر اس کے کہ یہ کتاب پرانی ہے یا نئی جس قیمت پر ملتی خرید لی جاتی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ الحکم ثانی کو وہ تحفہ سب سے زیادہ پسند ہوتا تھا جس میں کوئی نادر کتاب ہو جس کے نتیجہ میں اس کے کتب خانے میں اس قدر کتابیں جمع ہو گئی تھیں جو اس سے قبل کسی بادشاہ کے پاس نہ تھیں۔ کچھ روایتوں سے پتہ چلتا ہے کہ اس کے کتب خانہ میں چھ لاکھ کتابیں تھیں لیکن کم از کم ۴ لاکھ کتابوں کا حوالہ ہر ایک مورخ کے یہاں ملتا ہے۔ ڈوزی نے مورخین کے اس بیان کو باور کرتے ہوئے ۴ لاکھ کتابوں کی تعداد بتائی ہے[1]۔ لین پول نے بھی اس کی تائید کی ہے لیکن (Mccabe) نے

---

[1] عبرت نامہ اندلس ج ۲ ص ۲۹۷

تعصب کی بنا پر اس میں شک ظاہر کیا ہے اور لکھا ہے کہ "مورخین نے اپنے بیانات میں مبالغہ سے کام لیا ہے"[1] لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کا یہ شک قیاس پر مبنی ہے مطالعہ پر نہیں۔ اگر الحکم ثانی کی کتابوں کو جمع کرنے کی کوشش اور جد و جہد پر ایک غائر نظر ڈالی جائے تو تعجب نہ ہوگا کہ وہ اتنی کتابیں جمع کر سکتا ہے۔ ایڈون ہول (Edwyne Hole) نے لکھا ہے "کہ دیگر مورخین کے بیانات کی روشنی میں یہ بات بخوبی واضح ہو جاتی ہے کہ الحکم ثانی کے کتب خانہ میں ۴ لاکھ کتابیں اور مخطوطات تھے"[2] ابن خلدون نے ابن حزم کے حوالے سے لکھا ہے کہ "تلمیذ خواجہ سرا (الحکم کا آزاد کردہ غلام) نے جو خلیفہ کے کتب خانہ داروغہ دار نبو مروان کا داروغہ تھا۔ بتایا کہ شاہی کتب خانہ میں صرف دواوین کی فہرست کی ۴۴ جلدیں تھیں ہر فہرست میں بیس بیس اوراق تھے جن میں سوائے دواوین کے اسماء کے اور کتابوں کے نام نہ تھے"[3] ڈوزی نے لکھا ہے کہ کتب خانہ کی فہرست ۴۴ جلدوں میں تھی۔ اور ہر جلد میں بیس اور بقول بعض مورخین ۵۰ اوراق تھے۔ ان جلدوں میں صرف کتابوں کے نام تھے"[4] ان بیانات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ۴۴ جلدیں تو مورخین کے یہاں متفق علیہ ہیں البتہ ایک جلد کے اوراق میں اختلاف پایا جاتا ہے کہ جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جلد کے اوراق یکساں تعداد میں نہ تھے بلکہ مختلف التعداد تھے چنانچہ وہ تعداد بیس سے پچاس اوراق تک تھی۔ ابن خلدون نے تلمیذ کو کتب خانہ کا داروغہ لکھا ہے۔ لیکن (Mecabe) نے اس کو مہتمم کتب خانہ بتایا ہے۔[5] بظاہر دونوں بیانوں میں خاص فرق محسوس نہیں ہوتا۔ کتب خانہ کے لئے بڑی بڑی خوبصورت اور چمکدار الماریاں جو عام طور پر صندل کی یا کسی اور خوشبودار لکڑی کی بنی ہوتی تھیں فراہم کی گئی تھیں۔ ہر الماری پر ایک سونے کی تختی لگائی گئی تھی جو الماری کے اندر کی کتابوں کی تفصیل ظاہر کرتی تھی۔ محل کے بہت سے کمرے خوشنویسوں، نقل نویسوں اور جلد سازوں کے لئے مخصوص کر دیئے گئے تھے۔ امام الدین صاحب نے یہ بات خاص طور پر لکھی ہے کہ ان کاتبوں، نقل نویسوں اور جلد سازوں میں عورتیں اور مرد دونوں شامل تھے۔ جو اپنے فن میں ید طولیٰ رکھتے تھے[6] ملک کے بڑے بڑے شہروں میں حکومت کی طرف سے عوامی کتب خانے قائم کئے گئے تھے جن کے اخراجات کی ذمہ داری حکومت کی تھی (Mecabe) کے کہنے کے بموجب صرف قرطبہ میں نشر کے قریب عوامی کتب خانے موجود تھے"[7]

ذخیرۂ کتب خلیفہ الحکم ثانی کے زمانہ میں پورا قرطبہ ایک عظیم کتب بازار میں تبدیل ہو چکا تھا جہاں پر دنیا کے ہر ملک کی نادر و نادر کتاب اور ہر علم و فن کا شاہکار آسانی سے مل جاتا تھا۔ کاتبوں اور خوشنویسوں کی سینکڑوں دکانیں تھیں جن میں عورتیں بھی کام کرتی نظر آتی تھیں۔

---

[1] تاریخ ابن خلدون ج ۴ ص ۳۲۲
[2] Andalus P.36
[3] Political History of Spain P.112
[4] Splendour of Morish Spain P.81
[5] Splendour of Moorish Spain
[6] Spanish Islam P.454
[7] Splendour of Mooris P. 81

کتابوں کی دکانوں میں اس طرح خرید و فروخت ہوتی تھی جیسے کی جواہرات کی یا ریشم کی دکانوں پر ہوتی ہے۔ ہر وقت ایک جم غفیر کتابوں کی دکانوں میں موجود رہتا تھا۔ نادر و نایاب اور نئی کتابوں کو بہم پہنچانے کے لئے تما قریب و بعید کے علاقوں میں معتبر آدمیوں اور تاجروں کو حکومت کی طرف سے روانہ کیا جاتا تھا تاکہ جس قدر کتابیں دستیاب ہوں زر کثیر ان کی خریداری پر صرف کر کے انہیں حاصل کر لیں اور قرطبہ بھیجدیں خلیفہ الحکم کتابوں سے عشق کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ وہ جہاں کہیں سن پاتا کہ فلاں شخص نے فلاں کتا کہی ہے۔ فوراً اس شخص سے قبل اشاعت اس کتاب کو خرید کرا اپنے کتب خانے میں داخل کر لیتا۔[1] ڈوزی نے لکھا ہے کہ "ایران و شام میں جو کتابیں لکھی جاتی تھیں مشرق میں ابھی کوئی ان کو پڑھنے نہ پاتا تھا کہ خلیفہ کو ان کی ہو جاتی تھی چنانچہ جس وقت معلوم ہوا کہ مولف ابوالفرج اصفہانی عرب کے شعراء اور مغنیوں پر ایک کتاب لکھ رہا ہے جس کا نام کتاب الاغانی ہے تو اس کو ایک ہزار دینار سرخ اس درخواست کیساتھ بھیجے کہ کتاب ختم ہو ہی اس کی ایک نقل فوراً قرطبہ روانہ کی جائے۔ ابوالفرج نے اس کی تعمیل کی اور نہ صرف کتاب مذکور بلکہ اس کے ساتھ ایک قصیدہ بھی جس میں بنو امیہ کے شجرہ نسب سے بحث تھی الحکم کی خدمت میں روانہ کیا جس پر اس نے اس کو مزید انعام بھیجا۔[2] ابن خلدون نے ایسا ہی ایک واقعہ قاضی ابوبکر مالکی کے ساتھ تحریر کیا ہے جب کہ وہ مختصر ابن عبدالحکیم کی شرح لکھ رہے تھے۔[3] لین پول نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ "کبھی ایسا بھی اتفاق ہوتا کہ کتاب کا نفس مضمون ہنوز مصنف کے دماغ میں ہے اور خلیفہ نے اس سے مطلع ہو کر گرانبہا خلعت بھیجکر خواہش ظاہر کی کہ اس کا پہلا نسخہ شاہی کتبخانہ میں بھیجدیا جائے۔[4] ملک کے نامور مصنفین کو سالانہ پنشن دی جاتی تھی۔ امام الدین صاحب نے لکھا ہے کہ یونان میں بھی اس کے نمائندے کتابیں جمع کرنے کے لئے موجود رہتے تھے۔[5]

علم دوستی الحکم ذاتی طور پر ادبیات عرب خصوصاً فن رجال، انساب و انساب میں اپنا مثل نہ رکھتا تھا۔ اس کو صرف کتابیں جمع کرنے کا ہی شوق نہ تھا بلکہ وہ خود بھی عالم اور علم دوست تھا یہی وجہ تھی کہ اس کے دربار میں اہل علم کا مجمع رہتا تھا۔ خلیفہ نہ صرف علماء دین کو بلکہ فلسفیوں کو بھی اپنی سرپرستی میں لے لیتا تھا تاکہ وہ متعصب لوگوں سے بے خوف ہو کر تحصیل علم میں مصروف رہیں۔[6] اس کے زمانہ کے علماء دربار میں قاسم ابن اصبغ، احمد بن داہم، محمد بن عبدالسلام الخشانی، زکریا بن الخطاب اور ثابت ابن قاسم مشہور زمانہ تھے۔ خلیفہ بذات خود علم میں اس قدر انہماک رکھتا تھا کہ ہر قسم کی تفریحات اس کے

---

[1] ابن خلدون تاریخ (اردو) [2] Spanish Islam P.454 [3] ابن خلدون
[4] Moors in Spain P.155 [5] J.P.H.S. — VII 1959 P.108
[6] عبرت نامہ اندلس ج ۲ ص ۷۰

سامنے ہیچ تھیں۔ ابن فرضی اور ابن بشکوال کے حوالہ سے پتہ چلتا ہے کہ خلیفہ کے کتب خانے میں ایسی کتابیں بہت کم تھیں جس پر اس نے حاشیہ اور نوٹ نہ لکھے ہوں کم از کم اس نے ہر کتاب پر یہ ضرور لکھ دیا تھا کہ یہ کتاب فلاں فن کی ہے فلاں شخص کی تالیف ہے۔ مولف کی جائے پیدائش۔ اگر مر چکا ہے تو تاریخ وفات بھی لکھ دیتا تھا۔ علامہ مقری نے ابن الاحبار کے سے لکھا ہے "خلیفہ اپنے کتب خانے کی ہر کتاب کے نفس مضمون سے پوری طرح واقف تھا۔" ان تمام بیانات سے خلیفہ الحکم ثانی کے تبحر علمی کا اندازہ ہوتا ہے۔ بلاشبہ وہ ایک قدر داں مورخ اور ایک غیر جانبدار ناقد تھا اس کی تاریخی معلومات اس قدر صحیح اور اس کے فیصلے اس قدر جامع ہوتے تھے کہ دنیا اسلام کا کوئی عالم ان پر اعتراض نہ کر سکتا تھا۔ اس نے اسپین پر ایک تاریخی کتاب لکھی تھی جو زمانہ کی دست برد سے محفوظ نہ رہ سکی۔ اس نے ایک جماعت ایسے علماء کی بنائی تھی جو ارسطو اور اقلیدس پر مامور تھے۔ اس کے عہد میں ادویات اور طب پر بھی بہت کام ہوا تھا جس نے یونانی طب کو اس سے آگے بڑھایا جہاں پر سات سو سال قبل یونانیوں نے اس کو چھوڑا تھا۔ سائنس کی تمام شاخوں کی تعلیم و ترقی پر اس نے خاص توجہ دی تھی۔ اور اس [illegible] پر افریقہ۔ ایشیا۔ اور یورپ کی مایہ ناز شخصیتوں کو قرطبہ میں لا کر جمع کر دیا تھا۔

الحکم ثانی کا ذوق علمی اس کو عوام کی فلاح و بہبود کے کاموں سے نہ روک سکا۔ ملک کی تمام سڑکوں کی جدید تعمیر کی گئی۔ قریہ قریہ اور شہر شہر سڑکوں کا جال بچھا دیا گیا سڑکوں کے کنارے [illegible] چشمے راہگیروں کی سہولت کی خاطر کھود دیے گئے۔ ہر ایک روز کے سفر کے فاصلے پر سرائے بھی تعمیر کی گئی تاکہ مسافر آرام کر سکیں۔ غریبوں کی اقامت گاہیں، بیماروں کے دار العلاج اور طلباء کے اسکول و مدارس تعمیر کئے گئے۔ قرطبہ اور ہر بڑے شہر میں عوام کو پر امن اور پر سکون زندگی گذارنے کی تمام سہولتیں مہیا کی گئیں۔ مثلاً حمام۔ سرائے۔ بازار۔ چشمے اور شفاخانے وغیرہ۔ خلیفہ کو باغات لگانے کا اس قدر شوق تھا کہ ہر شخص کو یہ حکم تھا کہ اپنے مکان کے صحن میں باغ لگوائے۔ خود بھی شاہی باغ میں اپنے ہاتھوں سے کام کرتا تھا۔

الحکم ثانی کو اپنے آبا و اجداد کی طرح تعمیرات سے خاص دلچسپی تھی جس کا اظہار اکثر و بیشتر مختلف تعمیرات کی شکل میں ہوتا رہتا تھا۔ لین پول نے لکھا ہے۔ "کتب بینی کے علاوہ اس کو تعمیرات کا اس قدر شوق تھا کہ اس شوق نے بڑھتے بڑھتے اس میں فن معماری کا ایک خاص مذاق پیدا کر دیا تھا۔"[1] اس نے جامع قرطبہ کو آراستہ و مزین کیا اور اس کے صحن میں ایک پھولوں کا باغیچہ لگوایا۔ اور چار سنگ مرمر کے حوض تعمیر کئے۔ مسجد میں توسیع کی اور جنوب کی جانب ایک خاص مقصورہ اپنے لئے بنوایا جہاں تنہا بیٹھ کر عبادت کرتا تھا۔ مسجد کے کام میں

---

[1] Moors in Spain P.152

الکثر خود بھی ایک مزدور کی طرح کام کرتا تھا۔ سات سال کی محنت میں ایک بہت خوبصورت صندل کی لکڑی کا منبر تیار کرایا۔ شہر کی اور مسجد کی ضرورت کیلئے پہاڑ سے سیسہ کی پائپ لائنوں کے ذریعہ پانی لایا گیا جس کے آثار آج بھی پائے جاتے ہیں۔ ان تمام کاموں کے لئے اس نے ۲ لاکھ ۶۱ ہزار دینار خرچ کئے اس کے علاوہ بھی اس کی بہت سی تعمیرات ہیں۔

الغرض خلیفہ الحکم ثانی کا دور تہذیب و ثقافت کے لحاظ سے مسلم اسپین کا دور زریں تھا جس میں نہ صرف علوم فنون کو ترقی ہوئی۔ بلکہ ہسپانوی تہذیب پروان چڑھی جس میں عربی اور اسلامی تہذیب کی جھلکیاں موجود تھیں لیکن اگر بنظر غائر دیکھا جائے تو یہ تہذیبی اور ثقافتی عروج دراصل بنو امیہ اسپین کے زوال کی ابتدا تھی۔ تاریخ اس دور میں اپنے اس کلیہ کو دہرا رہی تھی۔ کہ تہذیب و ثقافت کا انتہائی عروج قوم اور معاشرہ کو سستی اور کاہل الوجودی کی طرف لیجاتا ہے۔ بشرطیکہ اس کا کوئی بنیادی مقصد متعین نہ ہو۔ اگر بنو امیہ اسپین کا کوئی بنیادی مقصد متعین ہوتا تو یقیناً تہذیبی و ثقافتی عروج ان کی ترقی و استحکام کا ضامن بن جاتا لیکن وہ کیونکہ اپنے بنیادی مقصد سے ہٹ کر صرف اپنی شان امارت و عظمت حکومت کی خاطر ایسا کر رہے تھے اس لئے یہ سب کارنامے ان کی ذاتی تعیشات اور آرام طلبی کا بڑا سبب بن گئے جس کے ساتھ ساتھ قوم بھی اسی راہ پر چل نکلی اور ایک دن ایسا آیا کہ یہ عروج زوال میں تبدیل ہو گیا اور زوال بھی ایسا کہ بنو امیہ اسپین کی مضبوط ترین حکومت کو تہس نہس کر کے رکھدیا۔ البتہ ان کی تہذیب و ثقافت کے باقیات ملوک الطوائفی اڑے۔ آئندہ کے صفحات ہمارے اس دعویٰ کی تائید کریں گے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

وزارتِ عظمیٰ

خلیفہ ہشام ثانی کے تخت نشین

۳۶۶ھ/۹۷۶ء میں ہشام ثانی اپنے باپ کے انتقال پر تخت پر بیٹھا اور المؤید کا لقب اختیار کیا۔ اس وقت اس کی عمر ۱۲ سال تھی صاحب اخبار الاندلس نے اس کی عمر ۱۴ سال بیان کی ہے[1] جعفر بن عثمان مصحفی اور محمد بن ابی عامر اس کے آتالیق مقرر کئے گئے تھے۔ بلکہ وہ ایک طرح سے وزیر بھی تھے۔ الحکم ثانی کی موت کو ان کے صقلبی غلاموں نے اس وقت تک کے لئے پوشیدہ رکھنا بہتر سمجھا جب تک کہ وہ اپنی طرف سے کسی کو خلیفہ مقرر نہ کر لیں۔ ان صقلبی غلاموں کے سردار فائق اور جوذر تھے جو ہشام المؤید کی تخت نشینی کے خلاف تھے کیونکہ وہ نابالغ تھا اور اس سے سارا انتظام حکومت وزیر اعلیٰ مصحفی کے ہاتھوں میں پہونچتا تھا اور صقالبہ مصحفی سے ناراض تھے چنانچہ تمام صقالبہ اس بات پر متفق ہو گئے۔ کہ الحکم ثانی کے بھائی المغیرہ کو تخت پر بٹھایا جائے اور ہشام المؤید کو اس کا جانشین بنایا جائے۔ صقالبہ نے حاجب مصحفی کو بلا کر اس کو بھی اپنا شریک بنانا چاہا۔ مصحفی نے اس وقت تو جان کے خوف سے حامی بھر لی لیکن جب اپنے دوستوں میں واپس آیا تو ساری صورت حال ان کے سامنے رکھی بسبب دوستوں نے بالاتفاق یہ طے کیا کہ اس سے قبل کہ صقالبہ اپنی کارگذاری دکھائیں مغیرہ کو قتل کر دیا جائے۔ ابن عامر کو یہ کام سونپا گیا جس نے شروع میں تو اس بے گناہ نوجوان کے قتل سے پرہیز کیا لیکن مصحفی کے اصرار پر بالآخر اس کو قتل کروا دیا۔ دوسرے دن ہشام المؤید کی عام بیعت لی گئی اور صقالبہ اپنی شکست کا تماشا دیکھتے رہے۔ خلیفہ کیونکہ نابالغ تھا اس لئے اس کی والدہ سلطانہ

---

[1] اسکاٹ ج ۱ ص ۶۶۶ (اردو ترجمہ)

صبح کو جس کو عیسائی عروہ کے نام سے یاد کرتے ہیں خلیفہ کا سرپرست بنایا گیا۔ مصحفی کو حاجب اور ابن ابی عامر کو وزیر مقرر کیا گیا۔

صقالبہ کا استیصال

جیسا کہ بتایا جا چکا ہے کہ صقالبہ کی اکثریت ہشام المؤید کی تخت نشینی کے خلاف تھی۔ لیکن مغیرہ کے قتل کے بعد ان کے نزدیک کوئی چارہ کار نہ رہا کہ وہ ہشام المؤید کی بیعت اور مصحفی کی سیادت کو تسلیم کر لیں چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا اور مصحفی نے بھی باوجود ان سے سخت نفرت کرنے کے وقتی طور پر ان کی اطاعت کو گوارا کر لیا۔ لیکن در پردہ ان کے استیصال کی کوششیں جاری رکھیں۔ ان صقلبی خواجہ سراؤں نے بھی حکومت کے خلاف اور مصحفی کے خلاف عوام میں زہر اگلنے میں کسر نہ چھوڑی اور انہوں نے اہل قرطبہ میں چپکے چپکے آگ لگانا شروع کی۔ تھوڑے ہی عرصہ میں انہوں نے حالات کو اس قدر بگاڑ دیا کہ کوئی دن جاتا تھا کہ بغاوت کی آگ بھڑک اٹھے۔ ابن ابی عامر کو ان حالات کا علم تھا چنانچہ اس نے عوام کے مرعوب کرنے کے لئے خلیفہ کو عوام کے روبرو لانے اور فوجوں کو شہر سے گذارنے کا مصحفی کو مشورہ دیا اس مشورے پر جب عمل کیا گیا تو عوام پر رعب بیٹھ گیا۔ اور وہ خلیفہ کو دیکھ کر ایک بار پھر اطاعت کا دم بھرنے لگے۔ اس موقعہ پر زیتون کے تیل پر محصول معاف کر دیا گیا جس سے عوام مطمئن اور پرسکون ہو گئے۔ صقالبہ کو اس کارروائی سے سخت مایوسی ہوئی پھر بھی وہ اپنی سازشی حرکات سے باز نہ آئے۔ ابن ابی عامر نے بڑی بڑی رشوتیں دیکر فائق اور جوذر صقلبی کے ۵ سو مسلح غلاموں کو اپنی فوج میں شامل کر لیا۔ جوذر نے غصہ اور مجبوری کی حالت میں اپنی ملازمت سے استعفیٰ دیدیا۔ اس کے ایک ساتھی وزری حاکم بیاسہ کو قتل کر دیا گیا۔ فائق اور اس کے ساتھیوں کو بددیانتی کا الزام لگا کر محل سے نکال دیا گیا اور پھر ان پر ایک بڑی رقم بطور جرمانہ عائد کی گئی جس کی ادائیگی کے بعد وہ سب مفلس و قلاش ہو گئے یہاں تک کہ فائق کو جزائر شرق الاندلس جلاوطن کر دیا گیا جہاں وہ گمنامی کی موت مر گیا۔ صقالبہ کی اس سرزنش سے ایک طرف تو عوام کو ان کے ظلم و جور سے نجات ملی دوسری طرف مصحفی اور ابن ابی عامر عوام میں اور مقبول ہو گئے۔

یہاں پر اب ایک ایسے شخص کے عروج کی داستان بیان کی جاتی ہے جس نے اسپین کی تاریخ کو ایک نیا باب دیا اور عوام الناس میں حاجب المنصور کے نام سے یاد کیا گیا۔ یہ شخص محمد بن ابی عامر تھا جس نے خلافت کو معطل کر کے وزارت عظمیٰ قائم کی۔ گو خود حکومت کا مختار کل بنا لیکن خلیفہ ہشام المؤید کو ہٹانے کی کبھی کوشش نہ کی جو اس کے تدبر کا معمولی سا کارنامہ ہے۔

محمد بن ابی عامر کا عروج

محمد بن ابی عامر قبیلہ یمانیہ کے خاندان معافر سے تعلق رکھتا تھا یہ خاندان شریف تو تھا لیکن نامور اور شہرت یافتہ نہ تھا۔ ابن ابی عامر کا جد اعلیٰ عبدالملک المعافری ان شرفاء عرب میں سے تھا جو طارق بن زیاد کی فوج کے ساتھ فتح اسپین میں شریک ہوا تھا۔ اس نے کارتیہ کے ساحلی شہر کو فتح کیا تھا۔ عبدالملک سے محمد بن ابی عامر کا شجرہ نسب حسب ذیل ہے۔ محمد بن ابی حفص عبداللہ بن محمد بن عبداللہ بن عامر بن ابو عامر محمد بن الولید بن یزید بن عبدالملک المعافری[1]۔ عبدالملک کو فوجی خدمات کے صلہ میں الخضراء کے علاقہ میں طرش (Torrix) کا قلعہ مع اراضیات کے جاگیر میں دیدیا گیا تھا لیکن اس کی اولاد میں سے کسی نے بھی اس قلعہ میں زیادہ سکونت اختیار نہ کی بلکہ زیادہ وقت قرطبہ میں گذارا تاکہ حکومت میں کوئی عہدہ حاصل کر سکیں چنانچہ عامر اور ابو عامر محمد نے منصب بھی حاصل کئے۔ عامر امیر محمد بن عبدالرحمٰن دوم کے اکابر مقربوں میں سے تھا۔ ابن ابی عامر کا دادا احمد آٹھ برس تک اشبیلہ کا قاضی رہا تھا اس کے باپ ابو حفص عبداللہ بڑے دیندار اور قابل فقیہہ تھے۔ محمد بن ابی عامر ۹۴۲ء میں پیدا ہوا تھا اس کی ماں کا نام بریہہ تھا جو ایک عالم شہر یحییٰ بن زکریا ابن برطال تمیمی کی لڑکی تھی۔ گو ابن ابی عامر کا خاندان معزز اور قدیم تھا لیکن یہ لوگ زیادہ تر اہل قلم تھے اہل سیف نہ تھے اسی وجہ سے ابن ابی عامر کی تعلیم بھی محکمہ قضاۃ کی مناسبت سے دی گئی تھی چنانچہ اس کو تلعہ طرش چھوڑ کر قرطبہ میں تعلیم حاصل کرنے کے لئے آنا پڑا۔ اور جامع قرطبہ کے نامور علماء سے اس نے تعلیم حاصل کی۔

محمد بن ابی عامر شروع میں قرطبہ یونیورسٹی کا ایک طالب علم تھا۔ "اس کا باپ جو شریف النسل مگر بلحاظ دنیاوی اعزاز ایک معمولی حیثیت کا آدمی تھا۔ جامع قرطبہ میں ایک مقنن مشہور تھا"[2] لیکن ابن ابی عامر کے حوصلے بلند تھے اول اس نے شروع ہی سے یہ ارادہ کر لیا تھا کہ باپ کی طرح وہ اپنے حوصلوں کو اس قدر پستی میں نہ رہنے دیگا بلکہ دوران تعلیم ہی اس کو حکومت و اقتدار کے خواب دکھائی دینے لگے اور وہ اکثر پورے یقین و عزم کے ساتھ کہا کرتا تھا کہ وہ ضرور ایک دن اسپین کا تاجدار ہوگا۔ یہاں تک کہ اپنے ساتھیوں سے اکثر پوچھا کرتا تھا کہ جب میں حکومت پر پہونچوں گا تو تم میں سے کون کیا عہدہ پسند کرے گا۔ بعد میں اس نے ان سے کئے ہوئے وعدوں کو پورا کر دکھایا۔ ابن ابی عامر نے علمی زندگی سے نکل کر ملازمین عدالت کی عرائض نویسی اور خطوط نویسی کا پیشہ اختیار کر لیا۔ ڈوزی نے لکھا ہے کہ "تعلیم سے فارغ ہو کر اس نے بسر اوقات کے لئے قصر خلافت کے قریب ایک دکان کر لی یہاں وہ ایسے سائلوں کی عرضیاں لکھا کرتا تھا جو بارگاہ خلافت میں کچھ

---

[1] یہ شجرہ نسب علامہ مقری۔ ابن خلدون اور ڈوزی نے بغیر کسی اختلاف کے اسی طرح بیان کیا ہے۔ [2] لین پول ص ۱۵۷

عرض کرنا چاہتے تھے۔"[1] سوائے ڈوزی کے کسی عربی اور غیر عربی مورخ نے صراحت سے یہ نہیں لکھا کہ ابن ابی عامر کو قرطبہ کے محکمہ قضاۃ میں ایک ماتحت کی ملازمت مل گئی تھی لین پول نے لکھا ہے کہ "عدالت کے معاملات اس وقت امیر بیت المال کے ہاتھ میں ہوتے تھے۔ ابن ابی عامر نے اس سے رسوخ پیدا کئے اور دفتر میں ایک چھوٹی سی آسامی حاصل کر لی۔"[2] علامہ مقری نے ابن حیان اور بہت سے لوگوں کی روایت پر تحریر کیا ہے: "کہ وہ محل سرائے کے قریب ایک دکان لے کر خطوط نویسی اور عرائض نویسی کرنے لگا۔ اتفاق سے "سیدہ صبح" مادر ہشام المؤید نے حساب لکھوانے کے لئے اس کو بلا بھیجا..... ملکہ صبح اس سے اس قدر خوش ہوئیں کہ بعض مواضعات کا اس کو قاضی مقرر کر دیا۔"[3] ابن خلدون نے لکھا ہے کہ محمد بن ابی عامر پہلے دفتر قضاۃ میں ملازم تھا خلیفہ الحکم ثانی نے اس کی ملازمت کو محکمہ وزارت میں تبدیل کر دیا۔"[4] ان بیانات کی روشنی میں اور ابن ابی عامر کے ارادوں کو دیکھتے ہوئے یہ بات صحیح معلوم ہوتی ہے کہ اس نے قصر خلافت کے دروازے کے سامنے اپنی دکان لگائی ہوگی اسلئے کہ وہ خوب جانتا تھا کہ سلطانہ صبح خلیفہ الحکم ثانی پر حاوی ہے اور آگے ترقی کرنے کے لئے سلطانہ صبح کا سہارا لینا ضروری ہوگا چنانچہ ایسا ہی ہوا سلطانہ صبح کی ایک لونڈی بھی خطوط لکھوانے وہاں آتی تھی وہ لونڈی ابن ابی عامر سے خاصی مانوس ہو گئی۔ اس نے ملکہ صبح سے ابن ابی عامر کی تعریف کی۔ ملکہ نے خلیفہ الحکم ثانی کو اس بات پر آمادہ کر لیا کہ وہ ابن ابی عامر کو شہزادہ عبدالرحمن بن الحکم ثانی کی جائداد کا منتظم بنا دے چنانچہ ۳۵۶ھ ۹۶۶ء میں ابن ابی عامر کو بمشاہرہ ۱۵ دینار سرخ ماہوار پر اس عہدہ پر مقرر کر دیا گیا۔ اس کی عمر اس وقت ۲۶ برس کی تھی اس نے ملکہ صبح کو خوش رکھنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی یہاں تک کہ ملکہ نے اس کو اپنی ذاتی جائداد کا نگران بھی بنا دیا۔ ۷ ماہ بعد اشبیلہ کی زکوٰۃ اور وراثت کا دفتر اس کے سپرد ہوا کچھ ماہ بھی نہ گذرے تھے کہ قرطبہ میں دار الضرب کا افسر اعلیٰ بنا دیا گیا۔ اس عہدہ پر آ کر ابن ابی عامر نے زر کثیر خرچ کر کے اپنے زیادہ سے زیادہ دوست اور ہوا خواہ بنانا شروع کر دیئے۔ دربار خلافت کے بیشتر امراء وزراء اس کے تحفوں اور حسب موقع امداد پر اس کے ممنون کرم بن گئے۔ یہاں تک کہ محمد بن افلح جیسا الحکم ثانی کا معتمد خاص بھی اس کا ممنون احسان ہو گیا۔ اسی کے ساتھ ساتھ ابن ابی عامر نے سلطانہ صبح کو بھی اپنا طرفدار بنائے رکھنے میں کوئی کسر چھوڑی چنانچہ قصر خلافت کا ایک چاندی سے تیار کردہ نمونہ ملکہ کو بھیجا جس سے وہ اس کی زبردست ہمنوا اور طرفدار بن گئی چنانچہ ابن ابی عامر کی اس فضول خرچیوں کی بنا پر الحکم ثانی کو اس پر غبن کا شک گذرا لیکن ایک وزیر ابن حدیر نے ابن ابی عامر کو ایک بڑی رقم دے کر غبن کے الزام سے بچا لیا اور خلیفہ کی تحقیقات کارآمد نہ ہو سکیں جن لوگوں نے ابن ابی عامر کی

---

[1] عبرت نامہ اندلس ج ۲ ص ۷۴۷ [2] لین پول ص ۱۵۷ [3] نفح الطیب (لندن) ج ۱ ص ۲۵۸-۶۰ [4] ابن خلدون اردو ج ۵ ص ۲۲۶

شکایات خلیفہ سے کی تھیں وہ سخت شرمندہ اور ذلیل ہوئے اور خلیفہ نے خوش ہو کر ابن ابی عامر کے مراتب میں مزید اضافہ کیا۔ ۳۵۷ھ/۹۶۸ء میں اس کو تمام الاوارث جائدادوں کا نگران مقرر کر دیا گیا۔ اس کے گیارہ ماہ بعد اشبیلیہ اور لبلہ کا قاضی بنایا گیا۔ ۳۵۹ھ/۹۷۰ء میں شہزادہ عبدالرحمٰن کے مرنے کے بعد جب ہشام المؤید ولی عہد ہوا تو ابن ابی عامر کو اس کا اتالیق مقرر کیا گیا۔ ۳۶۱ھ/۹۷۲ء میں اس کو قرطبہ کا صاحب الشرطہ مقرر کیا گیا اس جگہ آنے کے بعد ابن ابی عامر نے اس تندہی اور محنت سے کام کیا کہ اہل قرطبہ کا منظور نظر ہو گیا۔ الغرض ۳۱ سال کی عمر تک ابن ابی عامر نے کچھ تو خوشامد اور چاپلوسی سے اور کچھ اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر پانچ یا چھ بڑے مناصب پر خدمات انجام دیں۔

گو ابن ابی عامر کو بڑا درجہ مل گیا لیکن وہ اس سے مطمئن نہ تھا اس کے خیالات کی بلند پروازی اس کو مزید آگے بڑھنے پر اکساتی رہتی تھی۔ عوام میں وہ بڑی حد تک مقبول تھا۔ خلیفہ الحکم ثانی کی نظروں میں اس کی عزت تھی۔ درباری امراء اور وزراء اس کے دوست اور طرفدار تھے لیکن ایک جگہ اب بھی ایسی تھی جہاں اس کے اثرات نہ ہونے کے برابر تھے۔ اور وہ تھی فوج جس کے بغیر آگے ترقی کرنا اس کو ناممکن نظر آتا تھا۔ قدرت نے اس کو نوازنے کا تہیہ ہی کر لیا تھا۔ چنانچہ جلد ہی اس کو مغرب اقصیٰ (افریقہ) کے حالات نے یہ موقعہ بھی فراہم کر دیا جیسا کہ اوپر بتایا جا چکا ہے کہ سپہ سالار غالب افریقہ میں فاطمیوں کا زور توڑنے کے لئے بھیجا گیا تھا لیکن غالب نے اس مہم میں اس قدر زر و مال خرچ کیا کہ خلیفہ الحکم ثانی کو بد دیانتی کا شبہ ہوا۔ اور اس نے یہ طے کر لیا کہ ایک دیانتدار شخص کو محاسب خاص بنا کر بھیجا جائے۔ چنانچہ محمد بن ابی عامر کو محاسب اور مغرب اقصیٰ کا قاضی القضاۃ بنا کر بھیجا گیا۔ گو ابن عامر کی کی دلی تمنا پوری ہوئی اور فوج کے افسران سے ان کا براہ راست تعلق بھی قائم ہو گیا لیکن جس عہدے پر وہ بھیجا گیا تھا وہ اس قدر خطرناک تھا کہ کسی بھی وقت افسران فوج اس سے بدظن ہو سکتے تھے۔ یہاں پر ابن ابی عامر کے جوہر کھلے اور اس نے اپنی فراست۔ ذہانت اور تدبر سے ایسا کام کیا کہ اس کا اپنا ارادۂ دلی بھی پورا ہو گیا اور حکومت کی خدمت بھی بخیر و خوبی انجام پا گئی۔ ان خدمات سے ابن ابی عامر کو کئی قیمتی فوائد حاصل ہوئے۔

(الف) خلیفہ الحکم ثانی اس کی خوش تدبیری اور بہتر کارگذاری سے بہت خوش ہوا۔

(ب) فوجی سردار اس سے مانوس اور گرویدہ ہو گئے۔

(ج) افریقہ کے بربر قبائل کے سرداروں سے بھی اس کے مراسم ہو گئے جو آگے چل کر اس کے لئے فائدہ مند ثابت ہوئے۔

(د) بربروں کی جنگی صلاحیت اور ان کی فطرت کو قریب سے مطالعہ کرنے کا موقعہ ملا۔

اس طرح ابن ابی عامر اپنی ہر تدبیر میں کامیاب ہوتا چلا گیا۔ اسی اثنا میں خلیفہ الحکم ثانی نے وفات پائی۔ ہشام المؤید کو تخت ملا۔ اور ملکہ صبح اس کی سرپرست بنائی گئیں۔ ابن ابی عامر حاجب مصحفی کے ساتھ ہشام کے اتالیق کی حیثیت سے کام کرنے لگا۔ اسی زمانہ میں عیسائیوں نے پھر سر اٹھایا۔ مصحفی گو حاجب تھا لیکن رموز جنگ سے ناواقف تھا۔ ابن ابی عامر نے مصحفی کی قدر گھٹانے کے لئے اور عوام میں اپنی بہادری کا سکہ جمانے کے لئے اس مہم کو سر کرنے کی حامی بھر لی۔ اور فروری ۹۷۶ء (مطابق رجب ۳۶۵ھ) میں وہ عیسائیوں پر حملہ آور ہوا اور ان کو ایسا سبق سکھایا کہ وہ ایک عرصہ تک اس کو نہ بھولے۔ ماہ اپریل میں وہ بہت سا مال غنیمت لیکر قرطبہ واپس ہوا اس مہم سے اس نے ایک طرف اہل قرطبہ کے دل جیت لئے دوسری طرف اس کی فیاضی، لیاقت اور سپہ سالاری کی دھوم تمام فوج میں عام ہو گئی۔

ابن ابی عامر اور درباری امراء

ہشام المؤید کے تخت پر آنے کے بعد تو ابن ابی عامر کے حوصلے اور بلند ہو گئے اور اس نے طے کر لیا کہ ترقی کی راہ میں حائل ہر رکاوٹ کو دور کر کے رہے گا۔ اس کے لئے اس کو سب سے پہلے حاجب مصحفی سے مقابلہ کرنا تھا۔ حاجب مصحفی کسی خاص اہلیت کا مالک نہ تھا۔ الحکم ثانی کے استاد کے لڑکے ہونے کی حیثیت سے وہ اس عہدے تک پہونچا تھا۔ ایک تو وہ خود ادنی خاندان کا فرد تھا۔ دوسرے تخوت و تکبر خود ستائی اور خود نمائی اور بد دیانتی سے دولت کو جمع کرنے اور اقربا پروری کی وجہ سے عوام و خواص میں بری نظروں سے دیکھا جاتا تھا۔ سیاست و تدبر سے بھی زیادہ واقف نہ تھا کہ امور مملکت پر حاوی رہتا۔ جس کی وجہ سے وہ اکثر تصفیہ طلب معاملات کو دوسروں کے سپرد کر دیتا تھا۔ زیادہ تر یہ خدمت ابن ابی عامر کے سپرد تھی۔ بظاہر تو ابن ابی عامر مصحفی کے ساتھ اخلاق اور ادب سے پیش آتا لیکن جب بھی موقعہ ملتا وہ اس کی نا قابلیت اور غلط تدابیر کو سلطانہ صبح اور امراء پر ظاہر کرنے سے باز نہ رہتا تھا۔ مصحفی نادانی سے ابن ابی عامر کو اپنا گہرا دوست سمجھتا رہا۔ مصحفی کو سب سے زیادہ خوف سپہ سالار غالب سے تھا۔ کیونکہ غالب صرف اس بات پر ناراض تھا کہ ایک نااہل شخص حاجب بن جائے اور اس کو کوئی نہ پوچھے۔ دونوں کی کشمکش سے محمد بن ابی عامر بخوبی واقف تھا اس نے ان دونوں کے اختلافات دور کرانے کے بجائے ان کو اور ہوا دی اور سلطانہ صبح کی نظروں میں غالب کو اور چڑھا دیا۔ یہاں تک کہ سلطانہ نے غالب کو ذوالوزارتین کا خطاب دلوا دیا۔[1] سب سے بہتر ابن ابی عامر کے حق میں یہ بات تھی کہ غالب اور مصحفی دونوں اس کو اپنا دوست سمجھتے رہے ۹۷۶ء میں شمالی سرحد پر عیسائیوں سے لڑنے کے لئے ابن ابی عامر دوبارہ

[1] ابن خلکان ج ۱ ص ۱۳۰

روانہ ہوا اور مجریط میں غالب سے ملا اور اس کو اپنے ظاہری اخلاق اور چکنی چپڑی باتوں سے اپنا گہرا دوست بنالیا۔ دونوں کے درمیان مصحفی کو ختم کرنے کا معاہدہ ہو گیا اس مہم میں بھی عیسائیوں کو زک اٹھانا پڑی اور ابن ابی عامر مظفر و منصور واپس آیا گو یہ جنگ غالب نے جیتی تھی لیکن ابن ابی عامر حکمت عملی سے ایسے ڈھب پر لے آیا کہ غالب نے خود ہی یہ مشہور کر دیا کہ یہ جنگ ابن ابی عامر نے جیتی ہے اور اس میں اس قدر مبالغہ کیا کہ اراکین دربار اور عوام دونوں اس کے تدبر اور بہادری کے قائل ہو گئے۔

قرطبہ واپس آتے ہی ابن ابی عامر نے پہلا کام یہ کیا کہ مصحفی کے لڑکے محمد کو عامل قرطبہ کے عہدے سے علیحدہ کر کے خود عامل قرطبہ بن گیا اور اس عہدہ پر اس قدر خوش اسلوبی عمدگی اور محنت سے کام کیا کہ نہ تو اس سے قبل ایسا عمدہ انتظام قرطبہ کا ہوا تھا اور نہ قانون پر اس قدر پابندی عمل میں آئی تھی یہاں تک کہ اس کے لڑکے نے جب قانون کی خلاف ورزی کی تو اس کو بھی کوڑوں کی سزا دی حتیٰ کہ وہ کوڑے کھاتے کھاتے مر گیا جس سے ابن ابی عامر کی انصاف پسندی کی دھوم مچ گئی۔ مصحفی نے جب رنگ بدلا دیکھا تو غالب سے اپنے تعلقات استوار کرنا چاہے جس کے لئے اس نے غالب کو ایک خوشامدانہ خط لکھ کر اس کی لڑکی اسماء سے اپنے لڑکے محمد کا عقد کرنے کی خواہش کی لیکن ابن ابی عامر نے اسکو یہاں بھی زک دی اور غالب کی لڑکی سے خود عقد کر لیا۔ آہستہ آہستہ مصحفی سے اقتدار چھینا جاتا رہا۔ اس کے اقرباء سرکاری عہدوں سے ہٹا دیئے گئے اس کی جائیداد بحق سرکار ضبط کر لی گئی یہاں تک کہ وہ زاہرہ کے قید خانہ میں ڈال دیا گیا اور تقریباً پانچ ذہنی اور جسمانی تکالیف دینے کے بعد مار ڈالا گیا۔

ابن ابی عامر کا ستارہ اقبال عروج پر تھا وہ اپنے دشمنوں کو یکے بعد دیگرے اپنے راستہ سے ہٹاتا گیا مصحفی کے بعد صقالبہ کا ممبر آیا جنہوں نے ہشام المؤید کی تخت نشینی کی مخالفت کی تھی اور اب بھی بدستور دشمنی پر آمادہ تھے۔ ان صقالبہ نے ایک بار پھر جوذر صقلبی حاکم قرطبہ زیاد بن افلح اور قاضی عبدالملک بن منذر سے ملکر ایک سازش ہشام المؤید کو قتل کر کے عبدالرحمٰن الناصر کے ایک پوتے عبدالرحمٰن کو تخت نشین کرنے کی تیاری کی چنانچہ وقت مقررہ پر جوذر نے ہشام المؤید پر قاتلانہ حملہ کیا جو ناکام رہا اور جوذر پکڑا گیا۔ سازش کا پتہ چل گیا اور بہت سی سازشی پکڑ کر قتل کر دیئے گئے۔ اس طرح صقالبہ کی طاقت کا قلع قمع کر دیا گیا اس سلسلہ میں لین پول کا یہ خیال ہے کہ "یہ سازش دراصل ابن ابی عامر کو قتل کرنے کے لئے کی گئی تھی مگر کامیابی نہ ہوئی"[1]

اب ابن ابی عامر کا صرف ایک زبردست حریف میدان میں باقی رہ گیا تھا اور وہ تھا اس کا خسر سپہ سالار غالب لیکن قبل اس کے کہ وہ غالب کی طرف توجہ کرتا اسکو یہ اطلاعات ملیں کہ خلیفہ ہشام المؤید حکومت کے معاملات میں دخل انداز ہونے لگے ہیں اور لوگوں کی شکایات پر بھی غور کرتے ہیں۔ خلیفہ اب جوانی کی حدود میں داخل ہو چکے تھے۔ بقول ڈوزی[2] ہشام المؤید بچپن ہی سے بہت ذہین اور ہوشیار تھے ہر علم جلد اور آسانی سے حاصل کر لیتے تھے۔ قوت فیصلہ دیگر بچوں کے مقابلہ میں بہت تیز تھی لیکن سلطانہ صبح اور ابن ابی عامر نے ان کے قوائے عقلیہ کو کمزور کرنے کی ہر ممکن کوشش کی اور ان کو مذہبی امور کی پابندی میں مشغول کر کے ان کو دنیا کے کام

---

[1] Moors in Spain P. 16[illegible]

[2] Islam P.491

کا ذکر رکھا تھا۔ گو ہشام المؤید بہ وقت نیک کاموں اور ارکان مذہبی میں مشغول رہتے تھے لیکن اس وقت بھی ان میں اتنی عقل و ذہانت ضرور تھی کہ وہ ابن ابی عامر کی چالوں کو سمجھتے تھے۔ ابن ابی عامر کو بھی اس بات کا خوف رہتا تھا کہ کوئی شخص خلیفہ کو اس کے حالات سے باخبر نہ کردے کیونکہ اس وقت تک بہت سے انصار فوج اور شہری قصر خلافت میں آمد و رفت رکھتے تھے اس لئے اس خوف کو دور کرنے کے لئے ابن ابی عامر نے یہ ترکیب کی کہ قرطبہ کے شرق میں وادی الکبیر کے کنارے ایک نیا شہر مدینۃ الزاہرہ تعمیر کرایا۔ جس کی تعمیر کے بعد تمام دفاتر حکومت مع خلیفہ اس میں منتقل کر دیئے گئے۔ اس کے بعد خلیفہ سے عام ملاقات کا طریقہ بند کر دیا گیا اور معاملات حکومت سے ان کو بے نیاز کر دیا گیا جو شخص خلیفہ کے قریب جانے کی کوشش کرتا اسکو سخت سزا دی جاتی تھی اس طرح خلیفہ ہشام المؤید محل کی چار دیواری میں قید ہو کر رہ گیا اور اس کو قصر خلافت کے باہر ترک قدم نکالنے کی اجازت نہ تھی قصر خلافت کی ہر نقل و حرکت کی اطلاع ابن ابی عامر کو دی جاتی تھی۔

اس کے بعد غالب کو ختم کرنے کے لئے ابن ابی عامر نے فوج کو از سر نو منظم کیا (جیسا کہ ذکر آئے گا) غالب پہلے ہی خلیفہ کے قیدی ہونے کی وجہ سے ابن ابی عامر سے ناراض تھا۔ مزید یہ کہ فوج کی جدید تنظیم نے اسکو بھڑکا دیا۔ عیسائیوں سے ایک جنگ کے سلسلے میں ایک سرحدی قلعے کی دیوار پر غالب اور ابن ابی عامر میں تلخ کلامی ہوئی اور غالب نے ابن ابی عامر پر حملہ کر کے اسکو زخمی کر ڈالا لیکن ابن ابی عامر کی خوش بختی تھی کہ غالب عیسائیوں سے لڑتا ہوا میدان جنگ میں مارا گیا یہ واقعہ ۳۷۱ھ / ۹۸۱ء میں ہوا اور اس طرح ابن ابی عامر کو غالب سے نجات حاصل ہوئی۔ اسکے بعد ایک دوسرے حریف شاہ نواب جعفر کو بقول ڈوزی[1] ابوالاحوص معن تجیبی اور عبدالرحمٰن بن مطرف تجیبی اور بقول ابن خلدون[2] عبدالودود ابن جہور اور ابن ذوالنون کے ذریعہ ختم کرا دیا۔ سلطانہ صبح جب تک ابن ابی عامر کے شروں میں شریک رہتی تھی اور اسکی ہمنوا تھی اسکی مخالفت ہو گئی کیونکہ ابن ابی عامر تیزی سے بڑھتے ہوئے اقتدار نے اسکو اپنے اور ہشام المؤید کے مستقبل سے مایوس کر دیا تھا چنانچہ اس نے حاکم سبتہ وطنجہ زیری ابن عطیہ کے ساتھ ابن ابی عامر کو ختم کرنے کی سازش کی خلیفہ ہشام کو بھی اس سازش میں شریک کر کے عوام کو ابن ابی عامر کے خلاف بھڑکانے کی کوشش ہونے لگی ایسی صورت میں ابن ابی عامر نے اپنی حکومت کو جائز ٹھہرانے کے لئے کچھ حیلے حوالے اور چاپلوسی سے اور کچھ طاقت کے بل پر خلیفہ ہشام المؤید سے اپنے نام حکومت کے انتظام اور انصرام کا فرمان حاصل کر لیا۔ جس سے سلطانہ صبح کی تمام کوششوں پر پانی پھر گیا اور وہ دل شکستہ ہو کر سیاست ملکی سے علیحدہ ہو گئی اور اپنا باقی وقت عبادت الٰہی میں گذار دیا[3]۔

ابن ابی عامر اور علماء: ابن ابی عامر کی زود رنجی اور سلطانہ صبح سے اسکے بے تکلفانہ تعلقات کی نوعیت عام لوگوں میں اشتعال انگیزی کا باعث بنتی جا رہی تھی یہاں تک کہ جو لوگ اسکے طرفدار اور ہمنوا تھے وہ بھی اس پر ناراض

---

[1] Spanish Islam P. 498 [2] ابن خلدون ج ۵ ص ۳۳۰ (اردو ترجمہ) [3] تفصیل کے لئے دیکھئے عبرت نامہ اندلس ص ۸۲۶ تا ص ۸۳۲

کہنے لگے۔ ان مخالفین میں پیش پیش قرطبہ کے علماء وصلحاء کا طبقہ تھا جن کے نزدیک ابن ابی عامر شریعت و مذہب سے لاپرواہ۔ فلسفہ اور حکمت کا شائق اور فلسفیوں کا مربی تھا۔ اس زمانہ میں فلسفہ کی تحصیل ناقابل معافی جرم تھی۔ ابن ابی عامر کو ان حالات کا جب علم ہوا تو اسکے ہوش جاتے رہے کیونکہ وہ سمجھتا تھا کہ فلسفی اور آزاد منش ہونیکا الزام اسکے خلاف زبردست ہنگامہ کھڑا کرسکتا ہے چنانچہ اس الزام کو دور کرنے اور اپنے آپ کو ایک پکا مسلمان ثابت کرنے کے لئے اس نے یہ تدبیر کی کہ الحکم ابن ذکوان اور زبیدی وغیرہ کے ساتھ چند دیگر علماء کو لیکر الحکم ثانی کے کتب خانہ میں جو فلسفہ کی تمام کتب چن چن کر اس سے نکالی گئیں۔ اور ان کو نذر آتش کر دیا گیا۔ بہت سے فلسفیوں کو ملک بدر کیا گیا۔ اپنی شاورتی کونسل میں علماء کی تعداد بڑھا دی ان کی عزت کی جانے لگی اور احکام شرعیہ میں ان سے مشورے لئے جانے لگے۔ ابن ابی عامر نے خود اپنے ہاتھ سے قرآن پاک لکھا جو سفر میں اسکے ساتھ رہتا تھا۔ جامع قرطبہ میں توسیع بھی کی اور خود ایک مزدور کی طرح اس میں کام کیا حتیٰ کہ علماء فقہاء اور عوام میں اس کا اعتماد بحال ہوگیا۔ اور اسکو ایک دیندار مسلمان سمجھا جانے لگا۔ یہ بھی اسکے تدبر کی ایک اعلیٰ مثال جس نے اسکو منصور اعظم بنا دیا۔

فوج کی تنظیم نو۔ ابن ابی عامر نے اگرچہ سلطنت اور سرداران دولت کی اکھاڑ پچھاڑ سے فارغ ہو کر لشکر کی آراستگی کی جانب توجہ کی اور سرحدی باشندوں زناتہ اور بربر سے شاہی لشکر کو ترتیب دیا[1] جو حاجب منصور کے زوال کے بعد جب ابن ابی عامر کو سپہ سالار غالب سے چھٹکارا حاصل کرنے کی فکر دامن گیر ہوئی تو اس نے اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے فوج کو تنظیم نو کے ذریعہ اپنے اقتدار میں لینے کا تہیہ کرلیا۔ اس جدید تنظیم سے اس کے دو مقاصد تھے۔ ایک تو قومی مفاد کہ طاقتور فوج سے دشمن پر حکومت سہیل کا رعب بیٹھ جائے۔ دوسرا اپنا ذاتی مفاد کہ فوج پر پورا قابو حاصل کرکے غالب کو بے دست و پا بنا دیا جائے اس وقت فوج عرب۔ بربر اور مقامی لوگوں پر مشتمل تھی۔ عبدالناصر کی قائم کردہ تنظیم اور خارجی باشندوں پر مشتمل دستہ فوج ختم ہو چکا تھا کیونکہ الحکم ثانی نے جو بڑا قدامت پرست اور تاریخ قدیم کا عالم تھا۔ دوبارہ جداول النساب کی ترتیب کے لئے قبیلہ وار فوجوں کا طریقہ رائج کر دیا تھا اور پھر فوج کو سپہ سالار کے سپرد کر دیا تھا۔ جس کے نتیجہ میں غالب کی طرفدارانہ پالیسی اور چشم پوشی سے فوج کی تنظیم میں بڑا خلل پیدا ہوگیا تھا۔ فوج ایک تربیت یافتہ منظم لشکر کی بجائے مجاہدین کا ایک گروہ معلوم ہوتی تھی اور سرداران جند کے اختیارات کی بھی کوئی حد نہ رہی تھی۔ قومی یکجہتی اور اتحاد کے لئے ابن ابی عامر کے نزدیک یہ بات ضروری تھی کہ فوج ایسے عناصر پر مشتمل ہونی چاہیئے۔ جو اپنی ذاتی اغراض کو سلطنت پر قربان کرسکیں اور اطاعت و فرمانبرداری کے ساتھ ساتھ اس قدر منظم اور تربیت یافتہ بھی ہوں کہ جن کی مثال یورپ میں نہ مل سکے۔ لیکن ملک گیری اور محافظت میں کوئی دقت پیدا نہ ہو۔ ابن ابی عامر خود بھی اس بات سے ڈرتا تھا کہ عوام اور فوج کسی وقت اس کی مخالفت اور خلیفہ کی حمایت میں نہ اٹھ کھڑے

---

[1] ابن خلدون ج ۵ ص ۳۳۰ (اردو ترجمہ)

ہوں۔ اس لئے وہ اپنی ذاتی حفاظتی فوج ان افراد سے مرتب کرنا چاہتا تھا جو صرف اس ہی کے وفادار ہوں اور ان کی اکثریت غیر سپین ہو۔ جس زمانہ میں وہ افریقہ میں قاضی القضاۃ بنا کر بھیجا گیا تھا اسی وقت اس نے اس بات کا اندازہ کر لیا تھا کہ مغرب اقصیٰ کے لوگوں میں جو حربی صلاحیتیں ہیں وہ بے مثال ہیں۔ ان سے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے چنانچہ اس نے اس وقت ان علاقوں کے رہنے والے بربروں کو اپنی فوج میں شامل کرنے کے لئے اندرون افریقہ سے ہجرت میں پناہ لینے والے بربروں کو اپنی فوج میں ملازم رکھنا شروع کر دیا۔ انہی میں جعفر رئیس زاب بھی تھا جو بعد میں قتل ہوا یہ بربر جس وقت قرطبہ پہونچے تو ان کا شاندار استقبال کیا گیا۔ ان کے رہنے کے لئے عالی شان حویلیاں اور مکان دیئے گئے۔ بہترین لباس اور آلات حرب سے مزین کیا گیا اور سواری کے لئے اعلیٰ نسل کے گھوڑے دیئے گئے۔ ابن ابی عامر کی ان نوازشات اور انعام واکرام کو سن کر ہزاروں کی تعداد میں مزید بربر اور سوڈانی سپین آ کر فوج میں بھرتی ہونے لگے جس طرح بربروں کو فوج میں داخل کیا گیا تھا۔ اسی طرح عیسائیوں کو بھی داخل کیا گیا شمالی عیسائی ریاستوں کی، ۵ سالہ آپس کی خانہ جنگی نے بہت سے علاقے تباہ و برباد کر دیئے تھے۔ لیون، نبرہ اور قشتالیہ کے عیسائی مفلس اور تنگ دست ہو گئے تھے جس کی وجہ سے ایک بڑی تعداد ان علاقوں کے باشندوں کی مسلم علاقوں میں پناہ لینے آئی جن کو فوج میں ملازمت دیدی گئی۔ ابن ابی عامر کی فیاضی، لطف وکرم اور عدل وانصاف کی وجہ سے وہ سب اس کے گرویدہ ہو گئے اور اپنے آپ کو صرف اسی کا ملازم سمجھنے لگے۔

محمد ابن ابی عامر نے فوج میں غیر ملکیوں کی تعداد میں اضافہ کر کے فوج کی کل تنظیم بدل ڈالی اور مدتوں سے یہ طریقہ چلا آ رہا تھا کہ فوجیں اور فوجوں کی شاخیں قبائل اور قبائل کی شاخوں سے ترتیب دی جاتی تھیں۔ یہ طریقہ بند کر دیا گیا اور عربوں کو بلا امتیاز کہ وہ کس قبیلے سے تعلق رکھتے ہوں ان کو بربروں اور عیسائیوں کے دستوں میں منقسم کر دیا گیا۔ اس طرح اس نے "مختلف نسلوں اور قوموں کو متحد بنانے کا کام جو عبدالرحمٰن الناصر نے شروع کیا تھا اور مسلمانوں نے اسے پسند بھی کیا تھا تکمیل کو پہونچانا چاہا"۔ اس کام سے ابن ابی عامر عظیم قومی خدمت کرنا چاہتا تھا اسکے اس عمل سے غالب کی فوج منتشر ہو کر رہ گئی جس سے فوج پر غالب کی اجارہ داری جاتی رہی اور جس طاقت پر اسکو ناز تھا وہ ختم ہو گئی یہاں تک کہ وہ قتل ہو گیا۔ فوجوں کی تعداد میں اضافہ کیا تھا۔ اس لئے ابن ابی عامر نے سخت قسم کے فوجی قوانین بھی نافذ کئے اور ایسے لوگوں کو افسر مقرر کیا جو اس کے طرفدار اور قابل تھے فوجوں میں تواعد دانی کا طریقہ رائج کیا اور ان میں جذبۂ حب الوطنی کو بڑھانے اور حکومت کا وفادار رہنے کی تعلیم دی گئی آٹھ دن تمام سپاہ کے لئے تعطیل کا مقرر کیا گیا۔ اس کی فوجوں کی کل تعداد کا اندازہ شمال کی ایک مہم سے ہوتا ہے جس میں ۶ لاکھ کے قریب سپاہ شامل تھی۔ علاوہ ازیں ابن ابی عامر اپنی فوج کا بہت خیال رکھتا تھا اور انکے آرام وآسائش میں کمی نہ آنے دیتا تھا۔ عبدالرحمٰن

الناصر کی طرح وہ ایک طاقتور اور منظم فوج کا رکھنا ضروری خیال کرتا تھا۔ یہ ساری فوج براہ راست مرکزی حکومت کے ماتحت ہوتی تھی۔ اور سپاہیوں کو تنخواہ کے علاوہ زمین وغیرہ بھی دی جاتی تھی ہفتہ پندرہ روز میں فوج کا بذات خود معائنہ کرتا اور اگر کسی سپاہی سے کوئی کوتاہی غفلت اور غلطی پاتا تو فوراً سر قلم کر دیتا۔[1] ساتھ ہی ساتھ دادو دہش بھی خوب کرتا اور مال غنیمت میں ان کو پورا پورا حصہ دیتا تھا۔ الغرض ابن ابی عامر کے پاس اس وقت دنیا کی بہترین اور منظم فوج تھی۔ بلاشبہ اگر ملک کی بدامنی، بغاوتیں اور شمال کے عیسائی اس کو ذرا بھی سکون لینے دیتے تو وہ یورپ کی اینٹ سے اینٹ بجا دیتا۔

مہمات اور فتوحات

محمد بن ابی عامر نے اپنی صلاحیتوں اور لیاقتوں سے ثابت کر دیا تھا کہ وہ انتظام مملکت میں تدبر کے ساتھ فوجی تدبر کا بھی مالک ہے اور بہترین سپاہی اور سپہ سالار ہونے کی صلاحیت اس میں موجود ہے۔ ہٹی نے لکھا ہے کہ "فاطمی خلافت کے قاہرہ منتقل ہونے اور شمالی عیسائی ریاستوں کی آپس کی خانہ جنگی نے اس کو یہ موقعہ فراہم کر دیا کہ وہ شمالی اسپین سے لے کر فریقہ کے ساحل تک اپنی لاتناہی مہمات کا سلسلہ جاری رکھے۔"[2] اس کا یہ دستور تھا کہ وہ سال میں دو دفعہ یعنی گرمی اور جاڑے کے شروع میں عیسائیوں پر یلغار کرتا۔[3] جلیقیہ اور برشلونہ کے رہنے والوں نے الحکم ثانی کی وفات کے فوراً بعد ہی بغاوت کر دی تھی۔ اور مسلم علاقوں پر حملے بھی شروع کر دیئے تھے۔ غالب سے لڑائی کے سلسلہ میں لیون والوں نے غالب کا ساتھ دیا تھا چنانچہ ابن ابی عامر نے ان پر فوج کشی کی اور ۳۷۱ھ/۹۸۱ء میں شہر سمورہ کا محاصرہ کر لیا۔ بادشاہ لیون رومیر ثالث نے قومس قشتالیہ غرسیہ فرونسدا اور شاہ نبرہ سانچہ سے معاہدہ کر لیا اور تینوں نے مل کر ابن ابی عامر کا مقابلہ کیا۔ لیکن روطہ کے مقام پر شنت مانکش کے جنوب مغرب میں شکست کھائی۔ اور شنت مانکش پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔ اس کے بعد لیون میں خانہ جنگی شروع ہو گئی یہاں تک کہ رومیر ثالث مر گیا۔ اور اس کا چچازاد بھائی برمند لیون پر قابض ہو گیا۔ لیکن اس خوف سے کہ اسکے خلاف بغاوت نہ ہو جائے اس نے اسی میں بہتری سمجھی کہ ابن ابی عامر کو اپنا سرپرست تسلیم کر لے۔ اس طرح لیون اور نبرہ

---

[1] نفح الطیب ج ۱ ص ۲۵۷ تا ص ۲۷۶ Histoyry of the Arabs P.532

[2] Moors in Spain P. 164

کا علاقہ خلافت قرطبہ کا باجگذار بن گیا۔ اور ان کے دار الحکومت میں مسلمانوں کی فوج متعین کر دی گئی۔ اسی کامیابی کے بعد محمد بن ابی عامر نے "المنصور" کا خطاب اختیار کیا (ہم بھی اسے اب منصور کے نام سے تحریر کریں گے) اس کے بعد المنصور نے اسپین کے شمال مشرقی صوبے قشتالیہ کا رُخ کیا۔ ۳۷۴ھ/۹۸۵ء میں یہ مہم روانہ ہوئی۔ مسلمان قرطبہ سے کوچ کر کے البیرہ بیاسہ اور مورقہ کے شہروں سے گذرتے ہوئے صوبہ مرسیہ میں داخل ہوئے۔ یہاں کا حاکم ابن خطاب تھا۔ جو تدمیر کے خاندان سے تھا۔ اس نے المنصور کی بڑی خاطر مدارات کیں اور ۱۳ دن تک تمام فوج کو مہمان رکھا۔ یہاں سے منصور قشتالیہ کی طرف چلا۔ کاؤنٹ بوریل نے راستے میں مقابلہ کیا۔ لیکن شکست کھائی اور ۶ جولائی ۹۸۵ء (مطابق ۹ صفر ۳۷۵ھ) میں شہر برشلونہ پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔ ابن الابار کے مطابق منصور کی یہ ۲۳ ویں مہم تھی۔ ۳۷۷ھ/۹۸۷ء میں برمند ثانی والئی لیون نے بغاوت کر دی۔ منصور نے تیزی سے اس پر حملہ کیا اور شہر قلمریہ کو فتح کر کے اس کو بری طرح تباہ و برباد کر دیا۔ اس کے بعد شہر لیون پر حملہ آور ہوا اور کافی دن کی لڑائی کے بعد شہر پر قبضہ کر کے اسکو بھی تباہ و برباد کر ڈالا۔ بالآخر اس علاقے کے لوگوں نے اطاعت اختیار کر لی۔ اور سلطنت لیون کا وہ حصہ جو خلیج بسکے سے ملحق تھا۔ برمند ثانی کے پاس رہگیا باقی سب علاقہ مسلمانوں کے قبضہ میں آگیا۔ ۳۷۹ھ/۹۸۹ء میں منصور کے لڑکے عبد اللہ نے بغاوت کر کے غرسیہ والی قشتالیہ کے پاس پناہ لی تھی جسکی بنا پر منصور نے قشتالیہ پر دھاوا کیا اور اس کے کئی شہروں پر قبضہ کر کے غرسیہ کو اسقدر پریشان کیا۔ کہ وہ امان طلب کرنے پر مجبور ہوا اور عبد اللہ کو منصور کے حوالے کر دیا۔ برمند والی لیون نے ایک دوسرے باغی عبد اللہ اموی کو پناہ دی تھی۔ چنانچہ لیون پر دوبارہ فوجکشی کی جب منصور نے اشتورقہ کا شہر فتح کر لیا۔ تو برمند بھی امان کا طالب ہوا اور عبد اللہ اموی کو منصور کے حوالے کر دیا۔ منصور نے اسکو سالانہ خراج ادا کرنے پر معاف کر دیا۔ جلیقیہ کا وہ علاقہ بھی جو شنت یعقوب کے نام سے پکارا جاتا تھا اور جس کے متعلق یہ مشہور تھا کہ وہ راہبوں اور تارک الدنیا لوگوں کا مسکن ہے منصور کی فتوحات سے الگ نہ رہا۔ اس دلدلی علاقے میں عام انسانوں کا پہونچنا مشکل تھا۔ یہاں پر

ایک درگاہ سینٹ جیمس کی تھی جس سے متعلق بہت سی کرامات مشہور تھیں۔ منصور نے اس تمام علاقہ پر قبضہ کر لیا۔ البتہ درگاہ کو کوئی نقصان نہ پہونچایا۔[1]

شمالی عیسائیوں کے خلاف کارروائیاں کرنے کے علاوہ منصور نے ماریتانیہ اور مغرب اقصیٰ میں بھی فوجی کارروائیاں کیں۔ الحکم ثانی کے زمانہ میں غالب نے اس تمام علاقہ پر قبضہ کر لیا تھا لیکن بعد میں فاطمیوں نے اس کو پھر واپس لے لیا۔ اور اپنا ایک والی بلکین مستقل طور پر مقرر کر دیا۔ بلکین کے مرنے کے بعد اس علاقے میں پھر چھوٹی چھوٹی آزاد ریاستیں قائم ہو گئیں جن میں سے اکثر نے فاطمئین کا جوا اپنے کندھوں سے اتار پھینکا تھا۔ مثلاً فاس سجلماسہ وغیرہ۔ ابن غنون ادریسی نے دوبارہ فاطمئین کی مدد سے مغرب اقصیٰ میں طاقت حاصل کر لی۔ اور قریب تھا کہ پورے علاقہ پر قابض ہو جائے لیکن منصور نے اپنے چچا زاد بھائی عسقلیجہ کو اس کی سرکوبی پر مامور کیا۔ جس نے جلد ہی ابن غنون پر قابو پا لیا اور اس سے صلح کر کے اسکو قرطبہ روانہ کر دیا۔ منصور نے عسقلیجہ کی دی ہوئی امان کو قبول نہ کرتے ہوئے ابن غنون کو قتل کرا دیا۔ عسقلیجہ کو منصور کی عہد شکنی پر بڑا رنج ہوا۔ اور وہ منصور کے خلاف باتیں کرنے لگا۔ چنانچہ منصور نے اس کو اسپین واپس بلا کر اس پر بغاوت کا الزام لگا کر قتل کر دیا۔ زیری بن عطیہ نے سلطانہ صبح سے منصور کے خلاف سازش کی تھی۔ جب سلطانہ کی یہ سازش ناکام ہو گئی تو منصور نے زیری کی سرزنش ضرور خیال کی۔ ابن خلدون نے واقعہ اس طرح بیان کیا ہے۔

"..... منصور کا بیٹا عبدالملک ملوک مغراوہ کی سرکوبی کے لئے فاس پر چڑھ دوڑا۔ اس فوجکشی کا سبب یہ ہوا تھا کہ زیری بن عطیہ شاہ مغراوہ نے خلیفہ ہشام المؤید کو ناتجربہ کار سمجھ کر اس کے ممالک محروسہ کو اپنی حدود حکومت میں ملا لیا تھا۔ عبدالملک نے ۳۵۲ھ میں زیری پر فوجکشی کی اور پہونچتے ہی فاس پر کامیابی کے ساتھ قبضہ کر لیا۔ کامیابی کے بعد اپنی طرف سے ملوک زناتہ کو ملک مغرب اور صوبہ جات سلجماسہ پر مامور کیا۔ زیری بن عطیہ نے تاہرت میں پناہ لی اور اسی حالت میں مر گیا۔ اس کے بعد عبدالملک

---

[1] اس قصہ کی تفصیل عبرت نامہ اندلس میں دی گئی ہے صفحہ ۸۱ اور آگے) اور نفح الطیب میں بھی درج ہے۔

واضح کو مغرب اقصیٰ کی حکومت پر مامور کر کے قرطبہ واپس چلا آیا.....[1]

لیکن دیگر مورخین ابن خلدون سے اختلاف کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ منصور نے زیری ابن عطیہ کے باغی ہونے کا اعلان کر کے اپنے مولیٰ واضح کو زیری کے مقابلہ پر روانہ کیا تھا۔ واضح کو زیری کے مقابلہ پر چند فتوحات کے علاوہ زیادہ کامیابی نہ ہوئی اور ایک موقعہ پر شکست کھا کر طنجہ میں محصور ہو گیا۔ دوبارہ منصور نے ایک زبردست فوج اپنے لڑکے عبدالملک کی ماتحتی میں بھیجی جس نے واضح کے ساتھ مل کر ۳۸۸ھ/۹۹۸ء میں زیری کی طاقت کا قلع قمع کر دیا جن علاقوں میں زیری قابض ہو گیا تھا دوبارہ حکومت قرطبہ کے پاس واپس آ گئے۔ اس واقعے کے تین برس بعد زیری مر گیا۔

وفات منصور اپنی زندگی کی آخری جنگ قشتالیہ سے واپس آ رہا تھا کہ راہ میں بیمار پڑ گیا۔ اور ۲۷ رمضان المبارک ۳۹۲ھ (مطابق ۱۰ اگست ۱۰۰۲ء) میں ۶۱ سال کی عمر میں وفات پائی اور مدینہ سالم میں دفن کر دیا گیا۔ اس طرح بقول ابن خلدون اسلام کے اس ادنیٰ مجاہد نے جس نے اپنے کارناموں سے کافروں اور دشمنوں کے دل دہلا دیئے تھے۔ ۲۷ برس مطلق العنان حکمرانی کر کے اس سرائے فانی کو چ کیا۔

عروج۔ کردار اور کارنامے محمد بن ابی عامر المنصور مسلم اسپین کا ایک نادر روزگار فرد تھا جس کی صلاحیتوں اور قابلیتوں کا مقابلہ بڑے سے بڑا حکمران بھی نہیں کر سکتا۔ کہا جاتا ہے کہ عبدالرحمٰن الناصر تدبر اور شجاعت میں اس سے آگے تھا لیکن جس طور پر المنصور نے اپنی ذاتی کاوشوں سے عروج حاصل کیا۔ اور پھر جس حسن تدبیر سے کام انجام دیئے تھے۔ اس سے وہ الناصر سے آگے ہی نظر آتا ہے اور بلاشبہ وہ یورپ کی دسویں صدی عیسوی کی ممتاز ترین شخصیت تھا۔ اس نے ایک معمولی حیثیت سے ایک طاقتور شخصیت بنکر مسلم اسپین کو نہ صرف تباہی سے بچا لیا۔ بلکہ اسپین کی حکومت کو بام عروج تک پہنچایا۔ گو الحکم ثانی کے مرنے کے بعد ملک کے داخلی معاملات اس قدر کمزور نہ تھے کہ سلطنت یکدم زوال پذیر ہو جاتی۔ تاہم بلاشبہ ہشام المؤید

---

[1] ابن خلدون ج ۵ ص ۲۳۱ (اردو)

کا تخت نشینی مصحفی کی بے عملی۔ عیسائیوں کی یلغار۔ افتراق کی بغاوتیں سب مل کر یقیناً سلطنت امویہ کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتیں لیکن منصور کے عروج میں اس کے کردار کا بڑا ہاتھ تھا۔ اس کے کارنامے اس کے کردار کے ساتھ اس طرح منسلک ہیں کہ ان کو جدا کر کے بیان کرنا بہت مشکل نظر آتا ہے۔

المنصور کے ارادوں میں حد درجہ مستقل مزاجی اور عزم تھا جس بات کا ارادہ کر لیتا تھا اس کو ہر طور پورا کرتا خواہ اس میں کتنی ہی مشکلات درپیش ہوتیں۔ دور طالب علمی میں حکومت و سلطنت کا ارادہ اس کی بلند پروازی کی دلیل ہے۔ حالانکہ بظاہر ایسے آثار نہ تھے کہ اس کو حکومت مل سکتی۔ لیکن اس نے اپنے اس ارادہ کو پورا کرنے میں جو سعی اور تگ و دو کی وہ اس کے عزم پختہ کا کھلا ثبوت ہے۔ دیانت داری اور مستعدی سے کام کرنے کی صلاحیت نے اس کو جلد ہی حکومت کے بڑے مناصب تک پہنچا دیا۔ نہایت ہوشیاری اور چالاکی سے اپنے خیر خواہوں اور ہمدردوں کی تعداد میں اضافہ کرنا اس کی فطری صلاحیتوں کی نشاندہی کرتا ہے۔ اس میں داد و دہش کا مادہ بھی تھا اور عوام الناس کو اپنا گرویدہ اور مطیع بنانے کی صلاحیت بھی موجود تھی۔ کسی کو اپنی مردانگی اور دلاوری سے۔ کسی کو داد و دہش سے کسی کو پابندیٔ شریعت اور قانون سے تو کسی کو اپنی حسین تدابیر سے اپنا ہمدرد و خیر خواہ بنانا اس کا ادنیٰ کرشمہ تھا۔ جو لوگ مخالف بن کر اس کی راہ کا کانٹا بنے ان کو حرف غلط کی طرح مٹا دیا۔ مصحفی کو غالب سے۔ صقالبہ کو مصحفی کے ذریعہ سے۔ غالب کو جعفر "ملک الزناب" کے ہاتھوں اور جعفر کو عبدالرحمٰن ابن مطرف کے ذریعہ سے ختم کرا دیا جس سے اس کی اس صلاحیت اور ہوشیاری کا پتہ چلتا ہے کہ وہ اپنے مخالفین کو ہٹانے کی کس قدر قدرت رکھتا تھا۔ ابن خلدون نے اسکے عروج کے بارے میں لکھا ہے۔

"محمد بن ابی عامر نے اپنی حکمت عملیوں اور چالوں سے نو عمر خلیفہ ہشام المؤید کو شاہ شطرنج بنا کر قصر خلافت کی بساط پر بٹھا دیا اور خود حکمرانی کی عبا پہن کر حکومت کرنے لگا ..... اور محمد بن ابی عامر نے برد ہسپانیہ میں اپنی حکومت اور رعب و داب کا سکہ چلایا۔ امور سلطنت کا نظم و نسق خود کرتا تھا۔ سرحدی عیسائی شہزادوں پر ہمیشہ فوجکشی اور جہاد کرتا تھا۔ اہل

بربر کو لشکر کی سرداری اور بڑے بڑے مراتب دیتا تھا۔ اور عرب نژادوں کے اثر کو آہستہ آہستہ کم کرتا جاتا تھا حتیٰ کہ کمال استقلال اور استحکام کے ساتھ حکومت پر قابض ہو گیا۔ جہاں اکین حکومت اس کے سدِ راہ تھے ان کے نام و نشان کو مٹا دیا۔ خاص اپنی سکونت کے لئے ایک شہر موسوم بہ زاہرہ آباد کیا۔ شاہی خزانہ، میگزین اور ہر قسم کے اسباب وہیں اٹھا لے گیا۔ اور وہیں تخت حکومت پر بیٹھ کر حکمرانی کرنے لگا۔ اس نے اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ یہ حکم بھی صادر کیا کہ بادشاہوں کی طرح میری تعظیم و تکریم کی جائے اور انہی کی طرح مجھے آداب و القاب لکھے جائیں۔ الحاجب المنصور کے لقب سے اپنے آپ کو ملقب کرایا۔ خطوط فرامین اور سرکاری احکامات اسی کے نام سے جاری کئے جاتے تھے۔ منبروں پر اسی کے نام کا خطبہ پڑھا جاتا تھا۔ اور سکے تک اسی کے نام سے مسکوک کئے جاتے تھے..... اس کی فوج بربروں اور آزاد غلاموں پر مشتمل تھی غیر مسلموں اور غلاموں کو بڑے بڑے عہدے دیئے جاتے تھے۔ جوانمرد اور دلیر تھا۔ ——— جہاد پر اکثر بذات خود جاتا تھا۔ اپنے زمانہ حکومت میں باون[۵۲] جہاد کئے۔ ایک جہاد میں بھی اس کا جھنڈا سرنگوں نہ ہوا۔ اور نہ اسکی فوج برداشتہ خاطر اور بد دل ہوئی..... اس کی فوج ظفر موج سرحدی حدود سے تجاوز کر کے سواحل بربر تک پہونچ گئی تھی۔ اس نے اپنی مدبرانہ چالوں سے ملوک بربر کو باہم لڑا کر ان کی قوت کو فنا کر دیا تھا یہی اسباب تھے جن سے اس کی حکومت کا سکہ تمام ملک مغرب میں کامیابی کے ساتھ چلا.....[۱]

اپنے دور عروج میں المنصور نے اپنا مطلب حاصل کرنے کے لئے ہر جائز اور ناجائز طریقہ اختیار کیا لیکن اگر وہ ایسا نہ کرتا تو یقیناً خود غرض اور مطلب پرست لوگ سلطنت کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتے۔ المنصور نے صاحب اقتدار ہوتے ہی دشمنوں کو نیچا دکھایا۔ ۵۲ جہاد کئے۔ اور لیون۔ نبرہ۔ برشلونہ اور قشتالیہ کے عیسائیوں

---

[۱] ابن خلدون ج ۵ ص ۳۳۱، ۳۳۲ (اردو)

گردنوں کو اپنے آگے جھکنے پر مجبور کر دیا۔ یہاں تک کہ عیسائی اس کے نام سے کانپتے تھے اور کوشش میں رہتے تھے کہ زیادہ سے زیادہ اس سے میل ملاپ رکھیں۔ اور دغا و فریب سے م نہ لیں۔ کیونکہ المنصور کو دشمن کی دغا و فریب پر سخت غصہ آتا تھا۔ اس نے کبھی اپنے ں سے صلح نہیں کی بلکہ ان کو اپنے فولادی ہاتھوں سے کچل دیا۔ دشمنوں کو زک دینے ان کو اپنا مطیع بنانے میں المنصور اسپین کا وہ واحد شخص ہے جو عبدالرحمٰن الناصر سے آگے نظر آتا ہے۔

جس قدر دشمن المنصور سے ڈرتا تھا اسی قدر افواج شاہی اس پر اپنی جان فدا کرتی ۔ اور اس کو اپنے باپ سے زیادہ چاہتی تھیں۔ منصور کو بھی اپنی فوج کی تمام ضروریات حد خیال رہتا تھا لیکن فوجی قواعد کی پابندی میں بڑا سخت گیر تھا۔ اس کی شخصیت ۔ ہلا اور سپہ سالار اس قدر مرعوب کن تھی کہ اسکے دور میں اندرون ملک کسی س کے خلاف بغاوت کرنے کی جرأت نہ ہو سکی۔" یہ منصور کی تربیت دی ہوئی فوج جس نے اسپین کو سطوت و اقبال میں اس بلندی پر پہونچایا جو کبھی پہلے اس کو نصیب ئی تھی۔ یہاں تک کہ یہ عروج خلیفہ الناصر کے زمانہ میں بھی نہ ہوا تھا۔"[1] اس کے ہ اس نے اپنی بحری طاقت میں بھی بہت اضافہ کیا۔ اور اس کے ذریعہ خلیج بسکے اور بحر روم ۔ مرتبہ فوجکشی کی۔ اس بحری تحفظ سے تجارت میں نمایاں ترقی ہوئی۔

المنصور کو ملک کے مادی وسائل کی ترقی کا بھی بہت خیال تھا۔ مستعمل سڑکوں کو چوڑا ۔ اور ٹوٹی ہوئی سڑکوں کو درست کیا۔ یہاں تک کہ تمام ملک میں سڑکوں کا جال پھیلا دیا۔ پل تعمیر کئے جس سے عوام اور فوج کو گذرنے میں بہت آسانیاں ہو گئیں۔ اور تجارت ندرون ملک بڑی بار آور ہو گئی۔" اس میں سے ایک قرطبہ کی نہر اعظم کا پل ہے جس پر لاکھ ۴۰ ہزار دینار صرف ہوئے۔ دوسرا پل استجہ کا ہے جو بغرض رفاہ خلائق تعمیر کرایا جامع مسجد قرطبہ کی عمارت میں بھی معقول اضافہ کیا۔ تمام ملک میں سڑکیں بنوائیں۔ رگذار پہاڑوں کو کاٹ کر راستے نکالے جس پر ہر شخص بآسانی سفر کر سکتا تھا۔"[2] اس نیا شہر بنوایا۔ اور اسکو آباد کیا جس کا نام مدینۃ الزاہرہ تھا۔ ملک کی خوشحالی کے یہ

---

[1] نفح الطیب ج ۱ ص ۲۷۶ تا ۲۷۷ Spanish Islam Dozy P.526

اثرات پڑے کہ آبادی میں زبردست اضافہ ہوا۔ [1]

حاجب المنصور علم و ادب کا بھی سرپرست اور مربی تھا۔ اس نے ملک کی ثقافت کو اپنا ممنون احسان کیا۔ اہل ملک کی علمی صلاحیتوں کی قدر کر کے ہمیشہ ان کی ہمت افزائی یہ سچ ہے کہ سیاسی پیچیدگیوں کی وجہ سے وہ فلسفہ کی تعلیم کو فروغ نہ دے سکا لیکن سے بہت رغبت رکھتا تھا۔ اور جب کبھی بھی موقعہ ملتا فلاسفہ کی سرپرستی کرتا اس طرح علماء اور فقہاء کو ناگوار نہ گذرے۔ چنانچہ ایسے ہی ایک موقعہ پر قاسم بن محمد سنبسی کو بچایا۔ کو کافر ہونے کے شبہ میں گرفتار کر لیا گیا تھا۔ اور سزائے موت بھی تجویز ہو چکی تھی۔ دربار میں علماء و فضلاء کا ہمیشہ خیر مقدم کیا جاتا تھا جس کے نتیجہ میں ایک بڑی تعداد مشہور ترین علماء و شعراء کی قرطبہ میں جمع ہو گئی تھی۔ منصور ان علماء کے مباحثوں میں شریک ہوتا تھا۔ اور ان معقول تنخواہیں مقرر کر رکھی تھیں۔ شعراء کی ایک بڑی تعداد ہمیشہ سفر میں اپنے ساتھ رکھتا مثلاً قتلونیہ کے معرکہ میں ۴۱ شعراء اور مورخین اس کے ساتھ تھے۔ انہی شعراء میں ابوالعلا صاعد بن الحسن بغدادی بھی تھے۔ یہ علم و فضل میں اعلیٰ تھے۔ لغت۔ ادب اور تاریخ بڑے عالم تھے۔ حاضر جوابی میں مثال نہ رکھتے تھے۔ انہوں نے عربی ادب پر ایک بہا کتاب بھی تھی۔ دربار منصور میں شاعروں اور عالموں کا یہ اجتماع ایک خاص وجہ سے بھی تھا۔ منصور سلاطین بنو امیہ کی طرح امور علم میں اعلیٰ درجہ کا مذاق نہ رکھتا تھا۔ لیکن دربار شان و شوکت کا یہ تقاضا تھا کہ شعراء و علماء کا اجتماع کیا جائے۔ اس کے دربار کے کا شہرہ یورپ اور ایشیا تک میں ہو چکا تھا۔

المنصور کو عدل و انصاف کا بڑا خیال تھا۔ اور اس میں کسی قسم کی کوتاہی اس برداشت سے باہر تھی۔ جب عامل قرطبہ نے ایک جرم کی پاداش میں اپنے بیٹے کو اس سزا دی کہ وہ مر گیا۔ عہدہ قضا پر بہتر سے بہتر اور قابل ترین لوگوں کو مامور کرتا۔ جب ا کا قاضی بنا کر بھیجا گیا تھا تو وہاں پر عدل و انصاف کی وہ مثالیں قائم کیں کہ عوام خواص اس کے گرویدہ ہو گئے۔ اور کسی ایک فرد کو بھی اس سے شکایت کا موقعہ نہ مل دوسری طرف ایسی بھی مثالیں پائی جاتی ہیں جو عدل و انصاف کے سراسر منافی ہیں

[1] Splendour of Moorish P.163

لیکن سیاسی مصلحتوں نے اس کو ایسا کرنے پر مجبور کیا تھا۔ مثلاً اور کسی شہزادہ ابن ختون قتل اور اس کے بعد عسقلیجہ کا قتل ہونا۔ پھر بھی منصور کا انصاف ضرب المثل بن گیا تھا۔ اس کا یہ حکم تھا کہ بغیر کسی رعایت کے اور بغیر اس امتیاز کے کہ فریقین کس درجہ کے ذمی ہیں انصاف کیا جائے۔ خود منصور کا عزیز سے عزیز بھی قانون کی گرفت سے باہر نہ تھا۔ محافظ دستہ کے ایک صقلبی کا واقعہ ڈوزی نے لکھا ہے کہ باوجود کہ وہ صقلبی منصور کو بہت عزیز تھا۔ لیکن بعد ہو کر منصور نے اسکو سزا دلوائی۔ المنصور نے اس بات کا خاص اہتمام کیا تھا کہ حکومت کے عہدیداروں پر انصاف کی گرفت سخت ہو۔ اور اگر قاضی انصاف میں کوتاہی کرتا تو اسکو سزا دی جاتی تھی۔

بہرحال حاجب المنصور کے ہر چھوٹے اور بڑے کارنامے سے اس کی لیاقت۔ ذہانت و تدبر جھلکتا ہے۔ وہ معاملات سلطنت میں اکابرین سے مشورہ ضرور کرتا لیکن ان مشوروں پر عمل نہ کرتا تھا۔ اور ہر صورت میں اپنی رائے پر قائم رہتا۔ اس نے عروج حاصل کرنے اور کرسئ اقتدار پر پہونچنے کے لئے بلاشبہ وہ ذرائع استعمال کئے۔ جو غیر اخلاقی اور غیر انسانی کہے جاسکتے ہیں۔ بلکہ سیدھے لفظوں میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ جرائم کا مرتکب ہوا تھا لیکن برخلاف اس کے جب اس نے اختیار و اقتدار حاصل کر لیا تو پھر وہ حق العمل۔ فیاض اور عادل ثابت ہوا۔ حصول مقاصد میں شدت اختیار کرنا اس کی فطرت ثانیہ تھی۔ جب کسی بات کا ارادہ کر لیتا تو پھر اسی پر قائم رہتا۔ ہمت اور ارادے کی قوت اس قدر تھی کہ جسمانی اور دماغی دونوں اقسام کی اذیتیں بے تکلف برداشت کر لیتا تھا۔ ایک روز مجلس شوریٰ میں بیٹھا تھا۔ پاؤں میں کوئی مرض تھا۔ جراح نے نشتر چلانا شروع کیا۔ منصور جس طرح بحث کر رہا تھا کرتا رہا۔ جب گوشت کے جلنے کی بدبو پھیلی تب حاضرین کو پتہ چلا۔ ورنہ شاید کسی کو معلوم نہ ہو پاتا کہ کیا واقعہ ہوا۔ منصور کے ہر فعل سے حزم و استقلال ظاہر ہوتا تھا جس سے دوستی رکھتا تو پوری طرح نبھاتا اور جس سے دشمنی ہوتی تو اسکو ختم کر کے دم لیتا تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی اس میں وصف تھا کہ جب اس کو یہ علم ہو جاتا کہ اس نے واقعی کسی کے ساتھ بے انصافی

کی ہے تو اپنی خود رائی اور ضد سے باز آجاتا اور تلافی کی کوشش کرتا تھا۔

منصور فیاض رحمدل اور انصاف پسند تھا۔ اپنی دولت کا بیشتر حصہ غریبوں اور محتاجوں اور مسا۔ پر خرچ کر دیتا تھا۔ باغیوں اور سرکشوں کو کبھی معاف نہ کرتا اور سخت سزا دیتا تھا۔ اسکے لڑکے عبداللہ نے اسکے خلاف بغاوت کی۔ باوجود اسکے کہ بہت سے لوگوں نے اسکی معافی کی شفارش کی لیکن اس کو قتل کرا دیا علامہ مقری نے لکھا ہے۔

"منصور اعظم عفو و کرم اور پابندئ قوانین کا ایک مجسم پتلا تھا۔ جس میں دونوں رُخ نظر آتے تھے۔ اپنے ارادے میں مستقل اور مضبوط تھا جس کام کو شروع کرتا اس کو پورا کئے بغیر نہ چھوڑتا اس سے اسکی عالی حوصلگی پر کافی روشنی پڑتی ہے ..... اس کی واقف کاری، سیاست اور بیدار مغزی غیر معمولی تھی۔ اسے ملک کے چھوٹے بڑے ہر واقعہ کی واقفیت تھی ..... اس کے کارنامے ایسے ہیں جو آب زر سے لکھے جانے کے قابل ہیں مورخین نے اس کے زمانے کو اندلس کے لئے نمونہ رحمت الٰہی شمار کیا ہے۔"[1]

بحیثیت مدبر اور سیاستداں کے منصور کا مدمقابل کوئی تھا اور بحیثیت پیرسالار اسکو تمام معرکوں پر فوقیت حاصل تھی۔ المختصر یہ کہ وہ سلطان نہ ہونے کے باوجود بھی کسی صورت میں ایک سلطان سے کم نہ تھا اختیار حاصل کرنے کیلئے اس نے جو ناجائز ذرائع استعمال کئے اس کیلئے ہم اس کو بُرا کہتے ہیں لیکن اگر حقیقت کی نظر سے دیکھا جائے تو اس نے جس حیثیت سے عروج حاصل کیا وہ ناجائز طریقوں ہی سے حاصل کیا جا سکتا تھا اگر تقدیر اسکو شاہی گھرانے میں پیدا کرتی اور وہ وہاں سے تخت حکومت پر آتا تو تاریخ اسکو سلاطین عظا زمرے میں داخل کرتی اور پھر اس کے لئے ہر جائز و ناجائز روا کر دیا جاتا۔ لیکن وہ ایک معمولی جاگیردار کے فرد تھا۔ اس لئے مجبور تھا۔ کہ اپنا مقصد حاصل کرنے کے لئے ہر سنگ راہ کو راستے سے ہٹا دے۔ اس سلسلہ میں جو طریقے اس نے اختیار کئے ان کو ناجائز تو کہا جا سکتا ہے لیکن ان کے لئے اس کو مورد الزام نہ ہو گا کیونکہ اس وقت کی سیاسی صورت حال ایسے ہی اقدامات کی متقاضی تھی۔ یقیناً کوئی دوسرا بھی اس کی جگہ ہوتا تو وہ بھی یہی طریقے اختیار کرتا۔ منصور نے تو پھر بھی ارفع و اعلیٰ کارنامے دیکر اپنے جرائم کی پردہ پوشی اور تلافی کی ہر ممکن کوشش کی دوسرا کوئی ہوتا تو شاید ایسا نہ کرتا۔ البتہ یہ دوسری بحث ہے کہ اس کے ان اقدام اور طرائق کا اثر مستقبل پر کیا ہوا۔

---

[1] نفح الطیب ج ۱ ص ۲۵۷ تا ص ۲۷۶

آٹھواں باب

بنوامیہ آسپین کا زوال

حاجب عبدالملک المظفر

حاجب المنصور کی موت کے فوراً ہی بعد خاندان بنوامیہ پر زوال شروع ہو گیا۔ المنصور نے بلاشبہ شان و شوکت اور عظمت و رفعت سے خلافت بنوامیہ کو چار چاند لگا دیئے تھے۔ اور اس کے تمام دشمن زیر و زبر ہو چکے تھے۔ لیکن پھر بھی یہ تمام کارنامے منصور کے ذاتی کارنامے تھے خلافت کا ان سے کوئی تعلق نہ تھا بڑی حد تک عوام الناس منصور سے خائف تھے اور اس کے آہنی پنجہ سے ڈرتے تھے پھر بھی خود منصور کے زمانہ ہی میں کئی بار یہ مطالبہ سامنے آچکا تھا۔ کہ ہشام المؤید کو بذات خود زمام حکومت سنبھال لینا چاہیئے جس کو المنصور اپنی حکمت عملی سے ٹالتا رہا خلیفہ وقت کی پردہ نشینی اور وزارت عظمیٰ کے اقتدار نے عوام کو خلافت سے بری طرح بدظن کر دیا تھا۔ لیکن منصور کے جاہ و جلال کے سامنے کسی کی کچھ نہ چل سکی۔ المنصور کے بعد جب اس کے لڑکے عبدالملک المظفر نے باپ کی جگہ سنبھالی تو ایک بار پھر یہ مطالبہ کیا گیا کہ خلیفہ ہشام المؤید کو زمام سلطنت خود سنبھال لینا چاہیئے جب ہشام المؤید نے اس سے انکار کر دیا اور خلوت نشینی کو ترجیح دی تو رعایا نے بلوہ کر دیا جس کو عبدالملک المظفر نے بڑی مشکل سے دبایا۔ الناصر کے ایک اور پوتے ہشام نے عبدالملک المظفر کو قتل کرنے کی سازش کی جو طشت از بام ہو گئی اور ہشام قتل کر دیا گیا۔ المظفر ۹۳۹ھ/۱۰۰۲ء میں حاجب بنا اس نے اپنے باپ کے زمانہ ہی میں افریقہ کی مہم میں نمایاں کامیابی حاصل کی تھی جس سے

اس کی صلاحیتوں کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ المظفر نے سات برس تک آزادانہ حکمرانی کی۔ تاریخ کی کتابوں سے اس کے دور کی تفصیلات کا پورا پتہ نہیں چلتا۔ البتہ یہ ضرور معلوم ہوتا ہے کہ اس کے دور حجابت میں ملک میں خوشحالی کا دور دورہ تھا۔ تجارت، صنعت اور زراعت ترقی پر تھی۔ اس نے شاہی فوجوں میں مزید بربروں کو شامل کر کے فوج کو بہت مضبوط کر دیا تھا جس کی مدد سے شمال کی عیسائی ریاستوں پر اس نے کئی حملے کئے تھے۔ ۲۹۳ھ/۱۰۰۳ء میں اس نے قلونیہ پر حملہ کیا۔ ۲۹۵ھ/۱۰۰۵ء میں پمپلونہ پر یلغار کی اور ۲۹۷ھ/۱۰۰۷ء میں اس نے قشتالیہ کی فوج کو قلونیہ کے مقام پر شکست دی۔ اسی مہم کی کامیابی کے بعد اس نے المظفر کا خطاب اختیار کیا۔ اس کے پورے دور میں خاندان ابن ابی عامر کے خلاف مخالفت زور پکڑتی گئی۔ یہ بات علماء، فقہا، عوام اور اراکین دربار سے پوشیدہ نہ تھی کہ المنصور نے خلیفہ کے اختیارات حاصل کر کے اور ہشام المؤید کو بے دست و پا بنا کر دراصل اپنے خاندان کی حکومت قائم کرنے کی کوشش کی تھی۔ لیکن کیونکہ وہ رائے عامہ سے خائف تھا اس لئے اس نے یہ جرأت کبھی نہ کی اور نہ اس کے لڑکے المظفر نے اپنی حکومت کا براہ راست اعلان کیا۔ لیکن عوام کو اس خاندان سے یہ توقعات بدستور قائم رہیں جس کی بنا پر سب نے متحد ہو کر بنو عامر سے چھٹکارا پانے کی کوشش کی لیکن جب تک المظفر زندہ رہا اس نے ایسی تمام کوششوں پر پانی پھیر دیا۔ یہاں تک کہ المظفر نے ۲۹۹ھ/۱۰۰۸ء میں انتقال کیا۔

اسی دوران اسپین کی معاشرتی اور مذہبی حالت میں بھی عظیم تغیر رونما ہوا۔ عبدالرحمن الناصر اور حاجب المنصور کی یہ کوشش کہ اسپین کی ساری قومیں شیر و شکر ہو کر ایک قوم بن جائیں بڑی حد تک کامیاب رہی تھی۔ عربی خاندانوں سے اقتدار چھن چکا تھا اور وہ قریب قریب مفلسانہ زندگی گزار رہے تھے۔ متوسط الحال طبقہ بتدریج امیر کبیر بنتا جا رہا تھا۔ نو وارد بربر اور صقالبہ اور نوجوں میں بھرتی کئے جانے والے عیسائی دولت مند ہو گئے تھے۔ لیکن اہل اسپین کو ان نو واردوں سے نفرت تھی۔ اور اسی طرح ان کو بھی اسپین سے کوئی ہمدردی نہ تھی۔ ان تمام قوموں کے شیر و شکر ہونے اور عرب شرفاء کے اقتدار کے خاتمہ نے نہ تو عرب تہذیب ہی کو پنپنے دیا۔ اور نہ اسپین کی اپنی کوئی تہذیب اپنی اصلی شکل میں ابھر کر آ سکی۔ زیادہ سے زیادہ دولت مند بننے کی خواہش نے تمام اقوام اسپین کو ہوس اور اقتدار کی دوڑ میں مبتلا کر دیا۔ "گو سلطنت ظاہری طور پر بہت خوشحال اور پھلی پھولی تھی۔ مگر خرابی کے جراثیم اس میں مضمر تھے۔ قبیلوں کے نزاعات جو پہلے ہوا کرتے تھے۔ گو ختم ہو چکے تھے لیکن صرف اس لئے بند ہو گئے تھے۔ کہ ایک نئی شکل میں دوبارہ نمودار ہوں۔"

اسپین کی یونانی تہذیب نے مذہب اسلام اور اسلامی ثقافت پر بھرپور وار کیا مختلف العقائد قوموں کے نظریات اور حکومت کی لاپرواہی نے اسلام سے برگشتگی پیدا کرنے میں مزید امداد دی۔ فلسفہ یونان کے پوشیدہ اثرات دوبارہ زندہ ہونے لگے۔ علماء دین میں فرقہ بندی شروع ہو گئی اور اسلام پر اعلانیہ اعتراضات شروع ہو گئے چند مسلمانوں، عیسائیوں اور یہودیوں نے مل کر ایک نیا مذہب "الملت الکلیہ" کے نام سے ایجاد کیا جس میں وہ مذہب کے پردے میں بے پرواہی کا درس سیکھتے تھے۔ اس ہنگامی دور میں المظفر نے وفات پائی اور اس کے بھائی عبدالرحمن بن منصور نے حاجب کا عہدہ سنبھالا۔

عبدالرحمن بن منصور سنجول

یہ مشہور ہے کہ عبدالرحمن نے اپنے بھائی المظفر کو زہر دیکر مروا ڈالا تھا عبدالرحمن کی ماں شاہ قشتالیہ یا بنرہ شانجہ کی لڑکی تھی۔ اس لئے عبدالرحمن کو سنجول (عربی بنخول) کے نام سے پکارا گیا (یعنی چھوٹا شانجہ) یہ شخص ایک طرف تو حسب ونسب کا اچھا نہ سمجھا جاتا تھا دوسرے اس کا کردار اور افعال دونوں ناپسندیدہ اور برے تھے۔ وہ ایک زاد منش اور بے پرواہ شخص تھا علانیہ شراب نوشی کرتا تھا اور ارکان اسلام کا مذاق اڑاتا تھا جس سے علماء و فقہاء اس کے سخت خلاف ہو گئے تھے۔ مزید برآں اس نے ایک ایسا اقدام کیا جس سے عام طور پر اس سے ناراضگی ہو گئی۔ اس کے اندر منصور اور مظفر جیسی صلاحیت اور ہوشیاری نہ تھی۔ لیکن پھر بھی اس نے ایسا اقدام کیا کہ جو اس کا باپ اور بھائی نہ کر سکے تھے عبدالرحمن سنجول کو اپنے عہدہ پر آئے ہوئے ایک ماہ بھی نہ گذرا تھا کہ اس نے ہشام المؤید کی ولی عہدی کی خواہش ظاہر کی۔ ہشام دوم نے شروع میں تذبذب ظاہر کیا لیکن جب قاضی ابوذکوان اور دیگر لوگوں نے اس کو عواقب سے آگاہ کیا تو اس نے سنجول کی درخواست منظور کر لی اور ایک وثیقہ[2] کے ذریعہ اس کو اپنا ولی عہد مقرر کر دیا۔ اہل قرطبہ اور خاندان بنو امیہ میں اس نامزدگی سے سخت غم و غصہ پھیل گیا۔ لیکن کیونکہ قرطبہ میں بڑی تعداد میں فوج موجود تھی اس لئے عام بغاوت تو نہ ہو سکی لیکن درپردہ سازش کی جانے لگی۔ عبدالرحمن سنجول نے یہ خیال کر کے کہ عوام نے اس کی نامزدگی کو منظور کر لیا ہے۔ لیون پر فوج کشی کا ارادہ کر لیا۔ ۳۹۹ھ میں قرطبہ میں ابن حسقلیجہ کو اپنا نائب مقرر کر کے لیون کی طرف روانہ ہوا۔ اس نے چلتے وقت اپنے لباس میں ایک نئی بات یہ کی کہ نہ صرف اپنے سر پر عمامہ باندھا بلکہ اپنے سپاہیوں کو بھی بندھوایا۔ سر پر عمامہ باندھنا اس وقت کے علماء و فقہاء کے لئے مخصوص تھا اس لئے اہل قرطبہ اور علماء نے اس جدت کو بھی مذہب کی توہین خیال کیا۔ عبدالرحمن کی یہ مہم کامیاب ثابت نہ ہوئی اور جب وہ واپس میں طلیطلہ

---

[1] Spanish Islam P.336 آجکل کی فرنچ میسن تحریک اسی کی شکل ہے۔

[2] وثیقہ کا متن دیکھنے کے لئے ابن خلدون جلد ۵ (اردو) کا مطالعہ کیجئے۔

آیا۔ تو اس کو اطلاع ملی کہ قرطبہ میں اس کے خلاف بغاوت ہو چکی ہے۔

محمد بن ہشام المہدی

یہ محمد اسی ہشام کا لڑکا تھا جس کو المنظفر نے قتل کرا دیا تھا۔ اہل قرطبہ نے جب ہشام المؤید کو ایک بے کار محض سمجھ لیا تو انہوں نے سنجول کی غیر موجودگی میں محمد کو ہشام المؤید کی جگہ خلیفہ منتخب کر لیا اور محمد المہدی کے خطاب سے تخت قرطبہ پر بیٹھا۔ کیونکہ عوام نے اس کو خلیفہ بنایا تھا۔ اور اس نے اپنی فوج بھی قرطبہ کے عوام ہی سے ترتیب دی تھی۔ اس لئے عوام کو روکنا اب اس کے بس میں نہ رہا تھا۔ چنانچہ عوام نے بنو عامر کی دشمنی میں قصر الزاہرہ کو چار دن تک خوب دل کھول کر لوٹا۔ بے شمار دولت عوام کے اور المہدی کے ہاتھ لگی۔ اس کے "بعد قصر الزاہرہ کو آگ لگا دی گئی۔ اور یہ عالی شان قصر راکھ کا ڈھیر بن گیا"[1] اس بغاوت کی خبر سن کر سنجول کے ساتھ جو فوج تھی وہ بھی اس کو چھوڑ کر بھاگنے لگی۔ عبدالرحمٰن سنجول کے ساتھ اس کا دوست رئیس کاریون بھی تھا اس نے سنجول کو قرطبہ جانے کی بجائے کاریون چلنے پر اصرار کیا لیکن سنجول نہ مانا اور المہدی سے امان طلب کرنے قرطبہ کی طرف روانہ ہوا۔ لیکن راستہ ہی میں قتل کر دیا گیا۔ اور رئیس کاریون بھی اسی کے ساتھ مارا گیا۔ اس طرح بنو عامر کی وزارت کا ہمیشہ ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہو گیا۔ المہدی نہ لیاقت رکھتا تھا اور نہ خیر و نیکی۔ وہ فسق و فجور میں مبتلا رہتا۔ اور ظلم کا عادی تھا۔ عقل و تدبیر سے اس قدر عاری تھا کہ جلد ہی اس کے دوست بھی دشمن ہو گئے۔ اس نے سب سے پہلے سات ہزار اہل قرطبہ کو فوج سے نکال دیا۔ دوسری یہ حرکت کی کہ عامری مقاتلہ کو قرطبہ بلا کر قتل کر دیا۔ جس سے اس کے دشمن اور مخالف ہو گئے۔ اس کی عیاشیوں سے عوام اور علماء قرطبہ اس سے سخت ناراض تھے اور اس کو شراب خور کے نام سے پکارتے تھے۔ اس کے ساتھ ہی مہدی نے بربروں سے بھی اچھا سلوک نہ کیا۔ اور ان کی تحقیر و ذلت میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔ یہاں تک کہ حکم دیا کہ بربر گھوڑے پر سوار نہ ہوں ہتھیار نہ لگائیں اور قصر خلافت میں حاضر نہ ہوا کریں"[2] اہل قرطبہ پہلے ہی سے بربروں کو پسند نہ کرتے تھے چنانچہ حکومت کی اس ڈھیل سے انہوں نے فائدہ اٹھایا اور بربروں کے گھروں کو لوٹا اور جلانا شروع کر دیا جیہ نذاوی بن مناد اور دیگر سرداران بربر نے خلیفہ سے مجرموں کو سزا دینے کا مطالبہ کیا تو بزدل مہدی نے خوفزدہ ہو کر وقتی طور پر ان کے اس مطالبہ کو منظور کر لیا۔ لیکن بربروں کو ستانا اور پریشان کرنا نہ چھوڑا۔

المہدی اپنی حالت کو خوب اچھی طرح سمجھتا تھا اور اس کو ڈر تھا کہ لوگ دوبارہ ہشام المؤید کو خلیفہ نہ بنا لیں چنانچہ ایک گمنام مردہ شخص کو ہشام المؤید ثابت کر کے ترک دا عتشام سے اس کو دفنایا گیا اور

---

[1] Spanish Islam P.542 [2] عبرت نامہ جلد ۲ صفحہ ۸۸

لوگوں سے شہادتیں دلوائی گئیں کہ ہشام المؤید انتقال کر گیا لیکن وہ پوشیدہ طور پر ایک وزیر کے گھر میں قید کر دیا گیا تھا۔ اس خدشہ سے مطمئن ہو کر اس نے دیگر افراد خاندان بنو امیہ کو ختم کرنا چاہا چنانچہ سلیمان بن الناصر کو قید کر دیا۔ سلیمان کے لڑکے ہشام نے بربروں اور اہل قرطبہ کو اپنے ساتھ ملا کر المہدی کے محل پر حملہ کر دیا۔ مہدی نے حالات کی نزاکت دیکھتے ہوئے سلیمان کو چھوڑ دیا۔ باپ کی رہائی کے بعد ہشام نے دعوئ خلافت کر دیا۔ مہدی نے خط و کتابت میں اس کو الجھا کر ایک مدت نکال دی۔ بربر اور دیگر اہل فوج ہشام بن سلیمان کی اس کاہلی اور سستی کو برداشت نہ کر سکے اور قرطبہ کو لوٹنا شروع کر دیا۔ المہدی کی طلب کردہ کمک اسی اثنا میں قرطبہ پہنچ گئی تھی چنانچہ اس کمک کے ذریعہ ہشام کے فوجیوں کو بری طرح مار کر قرطبہ سے باہر نکال دیا اور ہشام اور اس کا باپ سلیمان دونوں قتل کر دیئے گئے۔ بربر اپنا انتقام لینے کے لئے بے چین تھے اتفاق سے زاوی بن مناد صنہاجی ان کو بہت سی سالار مل گیا جس نے بے دریغ کشت و خون سے احتراز کر کے سب سے پہلے ایک خلیفہ منتخب کیا اور وہ ہشام بن سلیمان کے بھائی حکم کا لڑکا سلیمان تھا۔ بربروں نے اس کے ہاتھ پر بیعت کی اور اس نے اپنا لقب المستعین باللہ اختیار کیا۔

سلیمان المستعین

بربر سلیمان المستعین کو لے کر وادی الحجارہ کی طرف چلے اور اس شہر پر قبضہ کر کے سرحدی علاقے کے حاکم واضح العامری کو جو مہدی کا طرفدار ہو گیا تھا اپنے ساتھ ملانے کی کوشش کی جب اس میں ناکامی ہوئی تو شانجہ والی تشتالیہ سے کچھ علاقہ دینے پر صلح کر لی۔ اس طرح بربر شانجہ کی امداد لے کر قرطبہ کی طرف بڑھے۔ مہدی نے اپنی پراگندہ اور غیر تربیت یافتہ فوج کے ساتھ نومبر ۹۱۸ء (مطابق ربیع الاول ۳۰۶ھ) میں مقام قنتش پر بربروں سے مقابلہ کیا لیکن شکست کھا کر اپنے قصر میں محصور ہو گیا۔ المہدی نے اپنے بچاؤ کی خاطر دوبارہ ہشام المؤید کو تخت پر بٹھانے کا اعلان کر دیا لیکن بے کار ثابت ہوا۔ بربروں نے اس کے اس اعلان کو تسلیم نہ کیا۔ اور مہدی مجبوراً طلیطلہ فرار ہو گیا۔ بربروں اور شانجہ کے عیسائیوں نے قرطبہ کو دل کھول کر لوٹا اور خوب خوب مظالم کئے۔ سلیمان المستعین نے بڑی مشکل سے اس لوٹ مار کو روکا اور شانجہ کو انعام و اکرام کے ساتھ واپس کیا۔ المستعین پھر فوج لے کر مہدی کے مقابلہ کے لئے طلیطلہ روانہ ہوا۔ واضح العامری ابھی تک مہدی کا طرفدار تھا لیکن اس نے دھوکہ دے کر المستعین کی اطاعت کا اظہار کیا۔ المستعین اس دھوکہ میں آ گیا۔ واضح کو بدستور سرحدی علاقوں کا حاکم بنا کر قرطبہ واپس آ گیا۔ واضح نے بہت

جلد قسطنطنیہ کے عیسائی نوابوں سے بہت سی مراعات کا وعدہ کرکے اتحاد کرلیا۔ اور ان کی فوج لے کر طلیطلہ میں المہدی سے جا ملا پھر دونوں زبردست فوج لے کر قرطبہ پر چڑھ دوڑے۔ عقبۃ البقر کے مقام پر سلیمان اور مہدی کا مقابلہ ہوا جس میں سلیمان المستعین نے شکست کھائی۔ بربر جزیرۃ الخضراء کی طرف بھاگے۔ جب مہدی نے ان کا تعاقب کیا تو انہوں نے پلٹ کر مہدی پر حملہ کیا۔ گو مہدی کو اس میں شکست ہوئی لیکن پھر بھی وہ قرطبہ میں داخل ہوگیا۔ قسطنطنیہ کے عیسائیوں نے نہایت قابل نفرت ظلم و ستم شہر والوں پر کیا۔ اور صدہا آدمیوں کو قتل کر دیا اس کے بعد قسطنطنی سپاہ واپس لوٹا دی گئی۔ اور مہدی قرطبہ میں جنگ کی تیاریوں میں مشغول ہوگیا۔

ہشام المؤید کی رہائی

صقالبہ اپنے سردار واضح عامری کی ماتحتی میں مہدی کی فوج میں شامل تھے لیکن ان کے دو بڑے سردار خیران اور عبدالرحمٰن مہدی کو پسند نہ کرتے تھے اور اس بات کے خواہش مند تھے کہ صقالبہ آپس میں متحد ہو جائیں اور ہشام المؤید کو تخت خلافت پر بٹھایا جائے پہلے تو انہوں نے عوام کو مہدی کے خلاف بھڑکایا پھر اپنے ساتھیوں کو قرطبہ میں جمع کیا۔ مہدی کو جب اس سازش کا علم ہوا تو اس نے پھر طلیطلہ بھاگ جانا چاہا لیکن اس مرتبہ وہ کامیاب نہ ہو سکا جولائی ۱۰۱۰ء (مطابق ذی الحجہ ۴۰۰ھ) میں ہشام المؤید کو قید سے رہا کرکے مسند خلافت پر بٹھایا گیا اور مہدی کو قتل کر دیا گیا ہشام المؤید نے واضح عامری کو اپنا حاجب مقرر کیا اور اس بات کی کوشش کی کہ بربروں سے صلح ہو جائے تاکہ ملک میں امن و امان قائم کیا جا سکے لیکن بربروں نے صلح کرنے سے انکار کر دیا۔ اور بدستور عوام کو لوٹنے اور قتل کرنے کا سلسلہ جاری رکھا یہاں تک کہ قرطبہ کا محاصرہ کر لیا۔ اس کے ساتھ ہی انہوں نے مدینۃ الزہرہ پر بھی حملہ کر دیا اور ۴ نومبر ۱۰۱۰ء (مطابق ۲۳ ربیع الاول ۴۰۱ھ) میں اس شہر پر قبضہ کرکے قتل و غارت گری کا بازار گرم کر دیا۔ عوام نے جامع زہرہ میں پناہ لی۔ لیکن وہاں بھی قتل عام جاری رہا۔ تمام ساکنان شہر کو قتل کرنے کے بعد مدینۃ الزاہرہ کا بدلہ لینے کی خاطر یورپ کے بے مثال اور خوبصورت شہر زہرہ کو جلا کر خاک کا تودہ بنا دیا گیا۔ واضح نے اپنی جان کو خطرہ میں محسوس کرکے سلیمان المستعین کی پناہ چاہی لیکن صقالبہ نے غداری کے شبہ میں قتل کر دیا اہل قرطبہ ایک عرصہ تک بربروں کو شہر میں داخل ہونے سے روکے رہے۔ اسی دوران زاوی بن مناد کا بھتیجا حبوس مارا گیا جس سے بربروں میں بڑا غیض و غضب پیدا ہوگیا اس کے جواب میں جب بربر ۵ شوال ۴۰۲ھ (مطابق ۱۹ اپریل ۱۰۱۱ء) میں قرطبہ

پر قابض ہوئے۔ تو انہوں نے اس قدر قتل و خونریزی کی کہ جس کا شمار ممکن نہیں شریف و رذیل علماء و فقہاء عورت مرد بچے بوڑھے کوئی بھی ان کے نشانے سے محفوظ نہ رہا۔ ان قتل ہونے والوں میں سعید بن منذر امام جامع قرطبہ مروان حمیدی فاضل اجل ابوالولید عبداللہ بن الفرضی اور قاضی بلنشیہ بھی شامل تھے۔ الغرض قرطبہ پر قیامت صغریٰ کا نمونہ تھا کہ ایسی حالت میں سلیمان المستعین تخت پر دوبارہ بٹھایا گیا ہشام المؤید نے حسب معمول دست برداری اختیار کی اور ملک چھوڑ دیا۔ گمان غالب ہے کہ وہ مشرق وسطیٰ کے کسی ملک میں گمنامی کی حالت میں انتقال کر گیا۔ اور عظمت و رفعت بنو امیہ اسپین کا یہ آخری چراغ بھی گل ہو گیا۔

سلیمان المستعین کی حکومت صرف پانچ شہروں تک محدود تھی۔ یعنی قرطبہ، اشبیلیہ، لبلہ، اکشنوبہ اور باجہ۔ باقی تمام مسلم اسپین چھوٹی چھوٹی بربر اور صقالبہ کی ریاستوں میں منقسم ہو گیا سلیمان بذات خود اوصاف پسند نرم دل اور فیاض تھا۔ ادبیات کا شیدا اور ایک اچھا شاعر بھی تھا۔ اس کی یہ کوشش تھی کہ اس خونریزی کے بعد امن امان برقرار رکھا جائے لیکن وہ شریر بربروں کے ہاتھوں میں تھا جس سے اس کی اپنی صلاحیتیں مفقود ہو چکی تھیں۔ یہ بتایا جا چکا ہے کہ خیران ایک صقلبی سردار تھا جس نے بربروں کے خلاف واضح کا ساتھ دیا تھا لیکن بربروں کے قرطبہ پر قبضہ کرتے ہی بھاگ نکلا۔ اور المریہ کے علاقہ پر قبضہ کر کے بیٹھ رہا۔ اسی خیران کا ایک دوست علی بن حمود تھا جو خاندان ادریسی سے حضرت علیؓ کی اولاد میں سے تھا اور اس وقت سبتہ اور طنجہ کا حاکم تھا۔ اہل قرطبہ اور بربر دونوں جلد ہی سلیمان المستعین سے گھبرا گئے چنانچہ انہوں نے علی بن حمود کو قرطبہ آنے کی دعوت دی خیران اور علی بن حمود ۴۰۵ھ میں قرطبہ میں داخل ہوئے سلیمان کو گرفتار کر کے معزول ہشام المؤید کے متعلق پوچھا گیا اور جب اس امر کا یقین ہو گیا کہ وہ ہشام زندہ نہیں ہیں تو سلیمان کو مع باپ حکم اور چچا ابوبکر کے قتل کر دیا گیا۔ علی بن حمود کو قرطبہ آئے تین سال بھی نہ گذرے تھے کہ قتل کر دیا گیا۔ اس کے بھائی قاسم بن حمود اشبیلیہ کا حاکم تھا وہ قرطبہ میں آیا اور اس کے ہاتھ پر بیعت کر لی گئی چند ماہ گذرنے کے بعد اس کو بھی اہل قرطبہ نے ۴۰۸ھ میں قرطبہ سے نکال باہر کیا۔

عبدالرحمٰن خامس

۳ اپریل ۱۰۱۸ء (مطابق ۱۱ ذی الحجہ ۴۰۸ھ) شہر قرطبہ کے ذی اثر افراد نے اور خیران اور حاکم سرقسطہ منذر نے مل کر یہ طے کیا کہ خلیفہ کو انتخاب کے ذریعہ مقرر کیا جائے چنانچہ عبدالرحمٰن بن محمد بن عبدالملک بن الناصر کا انتخاب عمل میں آیا اور المرتضیٰ کے خطاب کے ساتھ تخت خلافت پر بٹھایا گیا۔ لیکن جلد ہی خیران صقلبی اور منذر دونوں کو یہ بات چل

کیا کہ عبدالرحمٰن ان کے مطلب کا آدمی نہیں ہے چنانچہ انہوں نے بے وفائی پر کمر باندھی اور زاوی بن زیری حاکم غرناطہ سے جنگ کرتے ہوئے عبدالرحمٰن کو تنہا چھوڑ کر بھاگ گئے یہاں تک کہ عبدالرحمٰن قتل کر دیا گیا۔ قاسم بن حمود نے دوبارہ قرطبہ پر قبضہ کر لیا مختصر یہ کہ اہل قرطبہ نے تقریباً چھ برس تک قاسم بن حمود اور بربروں کو برداشت کیا۔ پھر متحد ہو کر ان کو قرطبہ سے نکال باہر کیا۔ قاسم نے قرطبہ پر زبردست فوج کشی کی لیکن زک اٹھا کر اب اہل قرطبہ خود مختار تھے انہوں نے خاندان بنو امیہ میں سے کسی کو خلیفہ بنانے کا ارادہ کر لیا۔ اور ۴۱۴ھ/۱۰۲۳ء میں خلیفہ کے انتخاب کا حق ایک مجلس کے سپرد کر دیا جس نے عبدالرحمٰن خامس بن ہشام بن عبدالجبار بن الناصر کو خلیفہ منتخب کر لیا جس نے خلیفہ ہوتے ہی المستظہر کا لقب اختیار کر لیا۔ مشہور زمانہ عالم علی بن حزم کو اپنا وزیر اعلیٰ بنایا۔ اور اپنی مجلس مشاورت میں نامور ان قرطبہ عبدالوہاب ابن حزم اور ابو عامر بن شہید کو شامل کیا۔ گو یہ دونوں بڑے ذہین اور عالم شخص تھے لیکن مذہبی معاملات میں آزاد روش رکھتے تھے اس لئے راسخ العقیدہ مسلمان ان سے جلد ہی ناراض ہو گئے۔ عبدالرحمٰن خامس نے بہت سے اکابرین دربار کو قید کر دیا۔ آپس کی خانہ جنگی اور غیر مستحکم حکومت کے سبب عوام کی شہری اور اقتصادی زندگی مفلوج ہو گئی اور کثرت سے لوگ بے روزگار ہو گئے ان بے روزگاروں نے اپنی بے روزگاری کے سبب شہر کی معاشرتی زندگی کو تباہ کرنے کا ارادہ کر لیا۔ ان کا لیڈر خاندان بنو امیہ کا ایک فرد محمد بن عبدالرحمٰن بن عبیداللہ بن الناصر بن گیا۔ اس نے ان لوگوں کو حکومت کے خلاف خوب بھڑکایا بہت سے اکابرین شہر بھی ان کے ساتھ مل گئے۔ حالات کی نزاکت دیکھتے ہوئے عبدالرحمٰن خامس نے بربروں کو زیادہ سے زیادہ اپنی فوج میں داخل کرنا شروع کر دیا اہل قرطبہ کی قوت برداشت جواب دے گئی اور انہوں نے قصر خلافت پر حملہ کر کے وزراء اور بربروں کو قتل کرنا شروع کر دیا اور محمد اموی کو تخت خلافت پر بٹھایا جس نے عبدالرحمٰن خامس کو ۴۱۴ھ/۱۰۲۸ء میں قتل کر دیا۔

محمد المستکفی

تخت پر آتے ہی محمد نے المستکفی کا لقب اختیار کیا اور دولت اور مناصب تقسیم کر کے نامودی اور عوامی ہمدردی حاصل کی لیکن جب ایک جولاہے کو اپنا وزیر اعلیٰ بنایا اور امراء و اراکین دربار کو قید میں ڈالا تو اہل قرطبہ نے اس کے خلاف بھی ہنگامہ شروع کر دیا۔ انہوں نے مالقہ کے حاکم یحییٰ حمودی کو قرطبہ آنے کی دعوت دی اور محمد کے جولاہے وزیر کو قتل کر ڈالا۔ محمد جان بچا کر بھاگا مگر راہ میں اسی کے ایک ساتھی نے اس کو زہر دیکر مار ڈالا یحییٰ نے قرطبہ آنے میں چھ ماہ لگا دیئے اس دوران اہل قرطبہ نے ایک مجلس انتظامی کے ذریعہ امن و امان قائم رکھا۔ یحییٰ حمودی نے قرطبہ والوں کی بے وفائی دیکھ کر خود تو آنے

کی ہمت نہ کی۔ بلکہ اپنے ایک بربر سپہ سالار کو فوج دیکر قرطبہ بھیجا۔ اہل قرطبہ نے اس بربر سپہ سالار کو بھی زیادہ عرصہ برداشت نہ کیا اور خیران صقلبی امیر المریہ اور مجاہد صقلبی امیر دانیہ کو قرطبہ بلا لیا۔ دونوں ایک عرصہ تک قرطبہ پر حاکم رہے لیکن پھر اپنے علاقوں میں واپس چلے گئے۔

ہشام المعتد و ان دونوں صقلبی امیروں کے جانے کے بعد مجلس مشاورت نے پھر شہر کے انتظامی اختیارات سنبھال لئے اس مجلس کا صدر ابوالحزم ابن جہور تھا۔ اس مجلس نے ایک بار پھر بنو امیہ کو تخت پر لانا چاہا چنانچہ عبدالرحمن المرتضیٰ کے بھائی ہشام کو شہر البیرہ سے بلا کر اس کے ہاتھ بیعت کی گئی۔ جو ۴۱۲ھ/۱۰۲۹ء میں المعتد کے لقب کے ساتھ تخت پر آیا۔ ہشام المعتد کاہل سست الوجود اور آرام طلب تھا۔ حکومت کے معاملات میں ہمیشہ کوتاہی برتتا تھا جس کی وجہ سے مجلس مشاورت کے اراکین اور عوام اس سے جلد بیزار ہو گئے۔ ہشام المعتد نے اپنے وزیر اعلیٰ ایک جولاہے حکم بن سعید کو بنایا جس نے نہایت ہوشیاری اور مکاری سے ہشام کو شراب و کباب اور عیش کوشی میں پھنسا کر حکومت کے سارے اختیارات اپنے قابو میں کر لئے حکم نے جب خزانہ کو خالی پایا اور فوج کی کئی ماہ کی تنخواہیں واجب الادا پائیں تو روزمرہ کے استعمال کی اشیاء پر ٹیکس لگایا اور محلات شاہی کا سامان فروخت کر ڈالا۔ اس کے بعد بھی جب اخراجات پورے نہ ہوئے تو مساجد اور مدارس کے اوقاف پر ہاتھ ڈالا جس سے علماء اور عوام اس سے سخت ناراض ہوئے حکم بن سعید نے ابو عامر شہید کے مشورہ پر علماء و فقہاء کا زور توڑنے کے لئے کوششیں شروع کر دیں جس کی وجہ سے اس کے خلاف ایک ہنگامہ کھڑا ہو گیا۔ اراکین دربار بھی اس کے مخالف بن کر اس پر اعتراضات کرنے لگے۔ ہشام المعتد سے اس کی پے در پے شکایات کی گئیں لیکن بے سود رہیں۔ چنانچہ امراء و اراکین دربار نے ابن جہور سے مشورہ کیا۔ ابن جہور بھی عنقریب حکم بن سعید کا شانہ بننے والا تھا چنانچہ طے پایا کہ ابن سعید سے ہی صرف پیچھا نہ چھڑایا جائے بلکہ خلافت کو ختم کر کے مجلس انتظامی کو کل سیاہ و سفید کا مالک بنا دیا جائے۔ لیکن عوام سے یہ امید نہ تھی کہ وہ خلافت کو ختم کر کے مجلس انتظامی کو قبول کر لیں گے۔ اس لئے بنو امیہ کے ایک اوباش فرد امیہ کو تخت کا لالچ دیکر بغاوت پر آمادہ کیا گیا۔ امیہ اور اس کے ساتھیوں نے ۴۲۳ھ/۱۰۳۱ء میں حکم بن سعید کو قتل کر ڈالا۔ حکم کے قتل ہوتے ہی مجلس انتظامی کے ارکان نے ابن جہور کی ماتحتی میں حالات پر قابو پا لیا۔ اور ہشام المعتد کو معزول کر کے قید کر دیا۔ اور عوام کو آگاہ کر دیا گیا۔ کہ خلافت ختم کر دی گئی ہے۔ اور حکومت مجلس انتظامی کرے گی۔ امیہ نے ہنگامہ کیا تو اس کو بھی شہر بدر کر دیا گیا ہشام المعتد نے ۴۲۸ھ/۱۰۳۶ء میں شہر مارد میں انتقال کیا۔

زوال

۱۱ ویں صدی عیسوی میں بنو امیہ اسپین کی عظیم الشان سلطنت ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی۔ عرب، بربر صقالبا اور اسپینیوں نے ملک کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کر کے ان پر اپنی حکومتیں قائم کر لیں۔ یہ حکومتیں تاریخ اسپین میں "ملوک الطوائف" کے نام سے پکاری جاتی ہیں جن کا تذکرہ آگے آئیگا۔

بنو امیہ نے جس طرح اسپین میں مشرق کے زوال کے بعد اپنی حکومت قائم کی تھی وہ عربوں کی عہد وسطیٰ کی تاریخ میں سب سے دلچسپ باب تھا یہی خاندان تھا جس نے سب سے پہلے اسپین میں آکر مسلم دنیا سے اپنے آپ کو علیحدہ کر کے کل اسپین سے نسلی طبقہ داری اور قبائلی تعصب کو بڑی حد تک ختم کر کے سیاسی اتحاد و یگانگت پیدا کرنے کی کوشش کی انہوں نے عباسیوں اور فاطمیوں کو اس ملک میں داخل ہونے سے روک دیا۔ فرانس اور یورپ کی وحشی قوموں سے اہل اسپین کو بچایا۔ یہ بنو امیہ ہی تھے جنہوں نے عربی نخوت و تکبر اور عربی تہذیب کی برتری کو نیچا دکھایا بلکہ ختم ہی کر دیا اور ایک نئی تہذیب کو جنم دیا جس کو "اسپینی تہذیب" کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا جس کے اثرات آج تک نہ صرف اسپین میں پائے جاتے ہیں بلکہ یورپ کی نشاۃ الثانیہ بھی اس کی مرہون منت ہے انہوں نے ہی سب سے پہلے رومی حکومت کے بعد ایک مضبوط حکومت قائم کی جو تہذیب و ثقافت میں رومی حکومت سے برتر ہی تھی انہوں نے تقریباً تین سو برس امارت و خلافت کی اور اپنی بنیادوں کو مستحکم کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی لیکن تعجب کا مقام ہے کہ ۲۰ برس بھی نہ گذرے تھے کہ یہ عظیم الشان حکومت پارہ پارہ ہو گئی۔ گو ایسی مستحکم حکومتوں کو زوال آتے آتے صدیاں گذر جاتی ہیں جیسا کہ بنو عباس کے ساتھ ہوا لیکن بنو امیہ اسپین کے ساتھ ایسا نہ ہوا چنانچہ ہمیں ان اسباب کی تلاش کرنا پڑتی ہے جنکی بنا پر ایسی مضبوط اور شاندار حکومت دیکھتے دیکھتے ختم ہو گئی۔ انہی اسباب کی تلاش میں مندرجہ ذیل نکات بیان کئے جاتے ہیں جن کو دو حصوں میں منقسم کیا جاتا ہے۔

(۱) داخلی۔

(۲) خارجی اسباب۔

داخلی اسباب

(الف) ہشام المؤید کی کمزور طبیعت۔ کاہلی اور حکومت کے معاملات سے دوری نے سلطنت کے تمام امورات کو وزیروں کے ہاتھوں میں دیدیا اور وزارت عظمیٰ کا وجود ممکن ہوا۔ حاجب المنصور نے بذات خود تو سلطنت کے وقار کو بحال رکھنے میں کوئی کمی نہ کی لیکن اس کے لڑکے عبدالرحمن سنجول کی بداطواریوں اور حکومت پر غاصبانہ قبضہ کی کوششوں نے عوام الناس کو نہ صرف وزارت عظمیٰ سے بری طرح بدگمان کر دیا بلکہ وہ اپنے غصہ کا نشانہ ہشام المؤید کو بھی بنانے سے باز نہ رہے جس کے نتیجہ میں

برابر اور مقابلہ کو موقعہ ملا کہ وہ اقتدار کی جنگ میں برابر کے شریک ہو جائیں اور نسلی اور طبقہ واری جماعتوں سے منقسم ہو کر سارے ملک کے عوام کو فرقہ بندی میں جکڑ دیں جس سے فوج کی اخلاقی حالت کا خراب ہونا لازمی تھا جو بنو امیہ کے لئے تازیانہ سے کم نہ تھا۔

(ب) آمرانہ طرز حکومت کا یہ خاصہ رہا ہے کہ وہ طاقت کے بل بوتے پر عوام کو اپنا بنائے رکھتی ہیں لیکن جیسے ہی فولادی پنجہ کمزور ہوتا ہے تو عوام اپنی آزادی کے لئے ہاتھ پیر مارنے لگتے ہیں چنانچہ جب تک بنو امیہ کے ہاتھ مضبوط رہے انہوں نے عوام کے منہ زور گھوڑے کو قابو میں رکھا اور ان کی آزادی کی ہر کوشش کو ناکام بنایا لیکن جب بنو امیہ کے حکمران کمزور اور دنیاوی عیش و عشرت میں ڈوب گئے تو ان کی توجہ لامحالہ مذہب کی طرف سے ہٹنا شروع ہو گئی۔ مذہب اسلام نے آبپاشی کے پورے مسلم دور میں اہم کردار ادا کیا تھا اس میں کوئی شک نہیں کہ اسلامی تہذیب تو اس ملک میں قائم نہ ہو سکی لیکن اسلام سے روگردانی کرنے کی ہمت عبدالرحمٰن الناصر اور حاجب المنصور جیسے حکمرانوں کو بھی نہ ہو سکی اور انہوں نے علماء و فقہاء کو بنو امیہ کے مقام سے گرایا اور نہ ہی علانیہ مذہب کی مخالفت کی کیونکہ وہ دونوں اچھی طرح سمجھتے تھے کہ عوام الناس میں کس قدر مذہب پرستی ہے اور علماء و صلحاء کا ان پر کتنا اثر ہے لیکن بعد کے حکمرانوں نے خواہ وہ خلیفہ ہو یا وزیر ان معاملات کی طرف خاص توجہ نہ دی اور علماء و فقہاء کو اس بات کا موقعہ فراہم کر دیا کہ وہ معاشرہ میں اپنا مقام بلند رکھنے کے لئے اور کسی حد تک مذہب کو جابروں کی دست برد سے محفوظ رکھنے کے لئے حکومت کے خلاف نہ صرف سازشیں کریں بلکہ مساجد اور منبروں سے عوام الناس کو حکمرانوں کے خلاف اٹھ کھڑا ہونے کی تلقین کریں۔

(ج) جس طرح حاجب المنصور کا زمانہ مسلم اسپین کا دور عروج ہے اسی طرح یہ بنو امیہ آبپاشی کے زوال کی ابتدا ہے۔ نابالغ ہشام المؤید کو تخت پر لانے کے معنی صاف طور پر یہ تھے کہ وزراء کا اقتدار قائم ہو جائے جس سے حاجب المنصور کے عروج حاصل کرنے میں آسانی ہو گئی۔ المنصور کے عروج نے بنو امیہ کے خیر خواہوں۔ ارکین دربار، امراء و وزراء میں احساس کمتری اور حسد کو پیدا کر دیا۔ المنصور جب تک زندہ رہا نہایت سختی اور دانائی سے اس فتنہ کو دباتا رہا لیکن اس کے مرتے ہی یہ فتنہ ابھر آیا۔ خلیفہ کی نااہلی نے بہت سے دعویداران خلافت پیدا کر دیئے جنہوں نے حکومت کی رہی سہی طاقت کو مزید کمزور کر دیا۔ اور المنصور کی طرح سے ہر گروہ کا سردار عروج حاصل کرنے اور خلیفہ کو اپنے ہاتھوں میں کٹھ پتلی بنانے کے خواب دیکھنے لگا لیکن منصور جیسی دانشمندی اور حکمت عملی ان میں سے کسی کے پاس نہ تھی جس کے نتیجہ میں آپس میں خونریز معرکے شروع ہو گئے۔ وزارت عظمیٰ کی بنیاد کیا پڑی۔ المنصور

نے ہوس پرستوں اور اقتدار کے بھوکوں کو یہ موقع دیدیا کہ وہ عوام الناس کو لڑائی کا ایندھن بنا دیں اور حکومت کی فوجی طاقت کو پارہ پارہ کر دیں۔

(د) امیر علی کے الفاظ میں "پرانی عرب معاشرت اپنی خوبیوں اور برائیوں کے ساتھ ختم ہو چکی تھی"[1] عبدالرحمٰن الناصر اور حاجب المنصور کی یہ کوشش کہ قبائلی اور نسلی طبقہ واریت کو ختم کر کے پوری قوم کو ایک لڑی میں متحد کر دیا جائے (جس کو دوسرے معنوں میں قومیت کا تصور کہہ سکتے ہیں) ایک بے معنی سی چیز ثابت ہوئی۔ طاقت کے بل پر قومیت کے تصور کو نہیں ٹھونسا جا سکتا بلکہ اس کے لئے پورے معاشرہ کو بدلنا پڑتا ہے۔ اگر اسپین میں بنیادی معاشرتی تبدیلیاں کر دی جائیں اور عوام کو حکومت میں برابر کا شریک کیا جاتا تو ممکن تھا کہ قومیت کا تصور عملی شکل اختیار کر لیتا لیکن معاشرہ میں تو نسلی، قبائلی، مذہبی اور طبقہ داری منافرت موجود تھی اور آمرانہ طرز حکومت قائم تھی۔ ایسی صورت میں حکومت قومیت کو اجاگر کرنا چاہتی تھی جو کسی طرح ممکن نہ تھا بلکہ اس سے یہ نقصان ضرور ہوا کہ عربی تہذیب و ثقافت جس کی بدولت عرب مسلمانوں نے اسپین کو فتح کیا تھا وہ بھی ختم ہو گئی۔ عربوں کو اس بری طرح پائمال کیا گیا کہ نہ صرف ان کی عصبیت جاتی رہی بلکہ ان کا وقار تک ختم ہو گیا۔ ایسی صورت میں جبکہ فاتح اپنی عصبیت کھو دے تو مفتوح کو قابو میں رکھنا کس طرح ممکن ہو سکتا تھا؟۔ اس کا لابدی انجام یہ ہوا کہ عربوں کے کمزور ہوتے ہی دیگر اقوام و ملل نے طاقت حاصل کرنے کی کوشش کی جن سے مفتوح یعنی اسپین کے قدیم باشندوں نے پورا فائدہ حاصل کیا اور ایک دن اجنبیوں کو اپنے ملک سے نکالنے میں کامیاب ہو گئے۔

(ہ) عربوں کی قبائلی جنگوں اور ان کے نخوت و تکبر نے اسپین کے حکمرانوں کو مجبور کیا کہ وہ عربوں سے اپنا دامن چھڑا کر دیگر اندرونی اور بیرونی اقوام کی مدد سے اپنی طاقت بحال رکھیں چنانچہ بربروں، صقالبہ اور بڑی حد تک عیسائیوں کو اپنی افواج میں شامل کر کے عربوں کا نعم البدل تلاش کیا گیا۔ بلاشبہ سیاسی نقطۂ نگاہ سے یہ بات بری نہ تھی اور عربوں سے نجات پانے کا آسان ترین طریقہ کار بھی یہی ہو سکتا تھا لیکن اس کے نتائج اس قدر برے نکلے کہ ایک مورخ ان کے لئے بنو امیہ کو کبھی معاف نہیں کر سکتا۔ اگر یہ حکمران اپنی گذشتہ مشرقی تاریخ کو نہ بھولتے تو یقیناً ایسی غلطی کے مرتکب نہ ہوتے۔ عرب فاتح تھے اور فاتحین کو اپنے مفتوحہ علاقے سے جو نسبت ہوتی ہے۔ وہ اور کسی کو نہیں ہو سکتی۔ گو وہ آپس میں لڑتے تھے لیکن جب بھی کسی دوسرے کا مقابلہ ہوتا تو وہ متحد ہو کر اس کا سر کچل دیتے تھے۔ کیوں کہ یہ ان کی فطرت تھی کہ وہ اپنا مد مقابل کسی

[1] Short History of Sar[illegible]ens. [illegible]

دوسرے کو دیکھنا پسند نہ کرتے تھے ایسی صورت میں صقالبہ یا بربروں کو کبھی بھی یہ جرأت نہ ہوتی کہ وہ اقتدار کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی دیکھتے۔ بربر، صقالبہ، سوڈانی، حبشی وغیرہ ملازم تھے فاتح نہ تھے ان کی ساری اطاعت اپنے ملازم رکھنے والے آقا کے ساتھ منسلک تھی۔ قوم اور ملک سے ان کا کوئی تعلق نہ تھا ایسی صورت میں ان سے ملک و قوم سے خیر خواہی کی توقع نادانی تھی۔ اکثر ایسا بھی ہوا ہے کہ عین میدان جنگ میں مال و دولت کے لالچ میں آکر ان نو واردوں نے اپنے آقا سے غداری کرنے میں کسر نہ کی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اگر عربوں کو اقتدار حاصل رہتا تو وہ ان شتر بے مہار نو واردوں کو قابو میں رکھ کر اپنی عربی تہذیب کو پورے ملک میں پھیلا دیتے تو کوئی تعجب نہیں یہ تہذیب پورے ملک میں تحاد و یگانگت پیدا کر دیتی اسی عربی تہذیب کا خوف دامنگیر تھا جس کی بنا پر عبدالرحمٰن دوم کے عہد میں عیسائیوں کی جنونی تحریک برپا ہوتی تھی لیکن جب یہ احساس ہو گیا کہ عربی تہذیب اس ملک میں دخل نہ دے سکے گی۔ تو بجائے تحریکوں کے علانیہ عمر بن حفصون، پلایو اور الفانسو کی شکل میں اسپین کے قدیم باشندوں نے اپنے ارادوں کا اظہار کر دیا۔ حاجب المنصور نے اپنی ذات کی خاطر عربی تہذیب تو علیحدہ رہی خود عربوں ہی کو ختم کر دیا۔ جس کے بعد کمزور حکمرانوں کی پشت پناہی منظم عربوں کے ذریعہ سے نہ ہو سکی۔ بلکہ زر پرست اور ابن الوقت بربروں اور صقالبہ کے ذریعہ سے ہوئی جس کا لازمی نتیجہ انتشار و زوال ہی تھا۔

(و) حاجب المنصور نے طاقت اور حکومت کا سرچشمہ اپنی ذات کو بنا لیا تھا اور انتظامی معاملات میں معمولی سی معمولی چیز کی دیکھ بھال خود کرتا چنانچہ عہدہ داران اور عمال حکومت کا اعتماد جاتا رہا۔ یہ حقیقت ہے کہ معاشرہ پر کسی قسم کی ذمہ داری پورے معاشرہ کے احساس ذمہ داری کو بیدار کر دیتی ہے ورنہ تمام افراد معاشرہ اپنے آپ کو ہر قسم کی ذمہ داری سے بری الذمہ سمجھ کر آزادروی اختیار کر لیتے ہیں اور احساس نیک و بد اٹھ جاتا ہے۔ منصور کی باریک بینی نے بلاشبہ عہدہ داران اور عمال حکومت کو کام کرنے میں چاق و چوبند بنا دیا لیکن احساس ذمہ داری ان میں سے جاتا رہا جو شرفا اور اہل تھے۔ ان کو اپنے اوپر منصور کی بے اعتمادی کا شدید صدمہ ہوا۔ اور ان کے دل حکومت کے معاملات سے ہٹ گئے جس کے نتیجہ میں منصور کے بعد نااہلوں اور رذیلوں کو حکومت مل گئی۔

(ز) کثرت سے اہل اسپین نے اسلام قبول کر لیا تھا اور اسلامی طور طریق بھی اپنا لئے تھے لیکن ان کا یہ اسلام قبول کرنا فاتح کی خوشنودی کے لئے تھا ورنہ دل میں اسلام کی محبت کا شائبہ بھی شاید نہ تھا جس کا ثبوت ان تمام غیر اسلامی حرکات سے ان کا متعلق ہوتا ہے جو وقتاً فوقتاً رونما ہوتی رہتی تھیں اس پر مزید یہ کہ

عربوں نے اپنے معاشرہ میں ان کو داخل نہ ہونے دیا جس سے وہ اور برافروختہ ہوئے اور انہوں نے مسلم حکومت اور عربوں کو نقصان پہنچانے میں کوئی کسر نہ کی۔ شمالی آئبیریا کی اسلام دشمن عیسائی ریاستوں سے اپنے تعلقات قائم رکھے اور ان کو مسلم حکومت کے خلاف مدد پہنچانے سے دریغ نہ کی۔ ابن مروان اور عمر بن حفصون کی شکل میں اپنی آزادی کی کوشش بھی کی بلاآخر کردہ شتر اس کی حکومت کو مضبوط بناتے رہے جو بالآخر مسلمانوں کی مکمل تباہی کا پیش خیمہ ثابت ہوئی۔ غرض ایک طرف تو یہ نومسلم تھے اور دوسری طرف بربر جنہوں نے عربوں سے برابری کے حقوق طلب کئے اور اس کے حصول کی کوششیں جاری رکھیں جس سے اندرونی خانہ جنگی کا دور دورہ ہوا۔ صقالبہ اور حبشیوں کو عربوں اور بربروں سے نجات حاصل کرنے کے لئے فوج میں شامل کیا گیا تھا لیکن انہوں نے بھی جلد ہی جنگی اقتدار میں حصہ لینا شروع کر دیا۔ ان کے آنے کی وجہ سے عرب اور بربر دونوں احساس کمتری میں مبتلا ہو گئے۔ اور نہ صرف ان کو بلکہ حکومت کو بھی برا خیال کرنے لگے۔ اور حکومت سے ان کی وفاداریاں مشکوک ہو گئیں۔ عبدالرحمن الناصر کے عہد میں یوم الخندق کا حادثہ اس کی بدترین مثال ہے۔ الغرض نہ تو عربوں میں باہمی اتحاد رہا اور نہ انہوں نے دیگر اقوام سے اختلاط کرنا پسند کیا۔ جس کے نتیجہ میں آئبیریا کی ساری اقوام ان کے دیرینہ آزار ہو گئیں۔ اور ان کے ہاتھوں سے ہر ممکن طریقے سے اقتدار چھیننے کی کوشش کی جاتی رہی زیر دست خانہ جنگی ہوتی اور قتل و غارتگری کا وہ بازار گرم ہوا کہ انسانی خون کی قدر و قیمت جاتی رہی اور ان سب باتوں سے آئبیریا کے قدیم باشندوں نے پورا پورا فائدہ اٹھایا

(ح) بنو امیہ آئبیریا کا نظام معاشرت موروثی جاگیردارانہ تھا جو پورے ملک میں رائج تھا۔ جاگیروں اور مال دولت کی تقسیم صرف ایک ہی طبقہ میں کی جاتی تھی شاہی انعامات سے وہ نوازے جاتے۔ دولت کے ذخائر ان کے پاس تھے۔ بڑے بڑے قصور و محلات اور جاگیروں کے وہ مالک تھے جس سے ان کی مادی طاقت میں روز افزوں اضافہ ہی ہوتا رہتا تھا جب یہ اضافہ حد سے گذر جاتا تو حکومت کے خلاف بغاوتوں کی شکل میں ابھر آتا۔ یہ اسی نظام کا شاخسانہ تھا کہ بنو امیہ کے کمزور ہوتے ہی ملوک الطوائف اٹھ کھڑے ہوئے۔ دوسری طرف ملک بہرحال صنعتی اور تجارتی طور پر ترقی پذیر تھا اس ترقی نے ایک متوسط طبقہ کو جنم دیا جن میں تجارت پیشہ اور صنعت کار تھے جنہوں نے ملک کی اقتصادیات میں نمایاں کردار ادا کیا تھا۔ "متوسط الحال جماعتیں صنعت و تجارت کی وجہ سے تیزی سے مالدار ہو رہی تھیں۔ خاص طور پر بدنظمی اور انتشار کے دور میں اس جماعت نے کافی دولت جمع کر لی تھی جا جب المنصور کے پرامن دور میں ان کی دولت میں مزید اضافہ

A Short History of Saracens P.525

ہوا۔ اور ان کی زیادتیاں مزدوروں پر بڑھنے لگیں۔ چنانچہ کام کرنے والے کام لینے والوں کے دشمن بن گئے۔ متوسط طبقہ جاگیرداروں کا دشمن بن گیا۔ اور یہ سب طبقے لوٹ مار کرنے والے سپاہیوں کے دشمن بن گئے۔ عام ناتجربہ کاری نے لوگوں میں ایسی چیزوں کے حصول کا شوق بیدار کر دیا جن سے وہ واقف بھی نہ تھے۔[1] جس کا یہ انجام ہوا کہ معاشرہ کا ہر طبقہ تنگ دل ہو کر آمادہ پیکار ہو گیا اور امن و سکون برباد ہو گیا۔

(ط) ان باتوں کے باوجود بھی اگر بنو عامر خلافت کی ہوس نہ کرتے اور اپنے احاطۂ اقتدار سے آگے نہ بڑھتے تو شاید بنو امیہ پر زوال اس قدر جلد نہ آتا۔ اور ممکن تھا کہ ایک بار پھر وہ سنبھل جاتے۔ جیسا کہ وہ الناصر کے دور میں سنبھلے تھے لیکن عبدالرحمن سنجول کی ناعاقبت اندیشی نے زوال کو تکمیل تک پہونچا دیا چنانچہ زوال کی تمام ذمہ داری اگر بنو عامر پر ڈالی جائے تو بے جا نہ ہو گی۔

خارجی اسباب

(الف) اسپین کی جغرافیائی حالت نے بنو امیہ کی حکومت کو منتشر کرنے میں کافی حصہ لیا۔ شمالی اسپین کا پورا علاقہ پہاڑی ہونے کی وجہ سے ایک طرح پر شمال کی عیسائی ریاستوں کا پشت پناہ تھا کیونکہ اس علاقہ میں فوجکشی کرنا آسان کام نہ تھا اس لئے وہاں کی عیسائی ریاستوں کو طاقت ور بننے میں دیر نہ لگتی تھی۔ اس بنا پر اشتوراس اور قشتالیہ کی ریاستوں کو طاقت ور بننے کا موقعہ مل گیا۔ سوائے منصور کے کسی نے اندر تک اس علاقہ کو فتح کرنے کی ہمت نہ کی لیکن منصور نے بھی بجائے اس کے ان ریاستوں کو ختم کر دیتا ان سے معاہدات کرنے پر ہی اکتفا کیا۔ ان پہاڑی علاقہ کے لوگ محنتی جفاکش اور ہمت والے تھے۔ پہاڑی زندگی اور شدید سردی نے ان کو ایک نہ تھکنے والی قوم بنا دیا تھا۔ میدانی علاقہ کے مسلمان عیش و تنعم کی زندگی کے عادی ہو گئے تھے۔ اور انہیں اتنی ہمت نہ رہی تھی کہ ان کا پوری طرح قلع قمع کر دیتے۔

(ب) اسپین کا رشتہ سرحدی یورپ سے ملتا تھا۔ اور یورپ میں بہت سی عیسائی ریاستیں قائم تھیں۔ فرانس پر مسلمانوں کے متواتر حملوں نے یورپ کے عیسائی بادشاہوں کو چونکا دیا تھا چنانچہ ایک طرف تو وہ شمال کی عیسائی ریاستوں کو مسلم حکومت کے خلاف بھڑکاتے اور ان کی امداد کرتے رہتے تھے۔ اور دوسری طرف ملک کے عیسائیوں کو امن و امان برباد کرنے میں مدد دیا کرتے تھے۔ طلیطلہ، سرقسطہ وغیرہ کی بغاوتیں اس کا بین ثبوت ہیں۔ اس کے علاوہ حکومت کے خلاف ہر باغی کی امداد کرنا بھی ان کے فرائض میں شامل

---

[1] Spanish Islam P.535 (جولاہوں کا وزارت کا حصول اس کی مثال ہے)

تھا تاکہ مسلم حکومت کی توجہ ان کے اپنے علاقوں پر نہ پڑ سکے۔

(ج) جغرافیائی لحاظ سے آئبین کی فوج کو اگر بہترین سپاہی مل سکتے تھے تو وہ شمالی افریقہ کے بربر اور حبشی تھے۔ دولت عباسیہ اور خلافت فاطمین کے قیام کی وجہ سے عربوں کو آئبین آنے کی کوئی خاص ضرورت نہ رہی جو کچھ عرب پہلے آگئے تھے وہ اپنی قبائلی کشمکش میں الجھ کر رہ گئے تھے اس لئے ان سے کسی بہترین فوج کی تعمیر کا تصور بیکار تھا چنانچہ مجبوراً بربروں صقالبہ اور حبشیوں کو فوج میں داخل کرنا پڑا۔ جنہوں نے بعد بنو امیہ کے زوال میں اہم کردار ادا کیا۔ اب بربروں اور صقالبہ کی دست درازیوں اور ظلم و ستم سے نجات پانے کے لئے بنو امیہ کے پاس سوائے اس کے کوئی چارہ کار نہ رہا۔ کہ وہ عیسائیوں کی مدد طلب کریں چنانچہ المہدی نے قسطنطنیہ سے اور اس کے حریف سلیمان المستعین نے لیون اور قشتالیہ سے امداد حاصل کر کے قرطبہ کو لوٹے جانے کا موقع فراہم کیا۔ اور وہ قلعے اور چھاؤنیاں بھی ان کو دینا پڑیں جن کو الناصر اور منصور نے عیسائیوں کی روک تھام کے لئے قائم کیا تھا۔

(د) بنو امیہ آئبین نے فاطمین مصر اور خلافت عباسیہ کو ہمیشہ اپنا دشمن خیال کیا۔ اور ان سے اپنے تعلقات کبھی اچھے نہ رکھے۔ حالانکہ اگر اسلام کے رشتہ سے تعلقات استوار کئے جاتے تو کوئی وجہ نہ تھی کہ ان سب کے رشتے گہرے ہو جاتے۔ اس کا انجام یہ ہوا کہ بنو امیہ عالم اسلام سے کٹ کے رہ گئے۔ اور جب ان پر افتاد پڑی تو کسی طرف سے ان کو امداد نہ مل سکی۔ اس کے برخلاف انہوں نے ہمیشہ یورپ کی عیسائی ریاستوں سے اپنے تعلقات استوار رکھے جو کسی بھی طرح ان کے لئے سود مند ثابت نہ ہو سکے۔

الغرض مندرجہ بالا اسباب تھے جن کی بنا پر ایک مضبوط اور مستحکم حکومت صرف ۲۰۰ برس کے قلیل عرصہ میں زوال پذیر ہو گئی۔ گو بظاہر بنو عامر کو اس زوال کا ذمہ دار ٹھہرایا جا سکتا ہے لیکن "دراصل ملک کے تہذیبی و ثقافتی عروج نے آرام و آسائش کی وافر بہم رسانی نے موسم کی خوشگواری نے عوام الناس کو تعیشات میں مبتلا کر دیا۔ وہ قوم جس کو ندرت عصبیت کے بل بوتے پر حکومت کرنا تھی ایک نوزائدہ اور خود ساختہ تہذیب کے جال میں الجھ کر رہ گئی۔ مذہب اور اخلاق کی اعلیٰ اقدار دولت جمع کرنے کی ہوس میں گم ہو کر رہ گئیں۔ معاشرہ طبقہ واریت کی نذر ہو گیا یہاں تک کہ معاشرہ کی تباہ حالی نے حکومت کے قصر عالی شان کو منہدم کر دیا۔ اور ملک و قوم ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی۔ لیکن بنو امیہ کے خون سے پلی ہوئی تہذیب ابھی زندہ تھی۔ حکومت کی بربادی تہذیب و ثقافت کی تباہی کا باعث نہیں ہوتی۔ ثقافت کی تباہی اسی وقت ممکن ہے جبکہ معاشرہ

سے اخلاقی اقدار کا مکمل فقدان ہو جائے۔ بنو امیہ کے زوال کے حالات نے ہمیں اس نتیجہ پر پہونچا دیا کہ دولت کے ناجائز استعمال نے اور اس کے غلط ہاتھوں میں پہونچ جانے سے اس دور کے عوامی معاشرہ کو کس قدر گندہ کر دیا تھا جس سے معاشرہ میں آتنا دم باقی نہ رہا تھا کہ وہ سیاست پر اثر انداز ہوتا جس کا انجام سیاسی زوال لازمی تھا۔ گو بنو امیہ کی بساط سیاست الٹ چکی تھی۔ لیکن یہ اسپین کے مسلمانوں کا زوال نہ تھا۔ اگر مسلمان متحد ہو کر کسی دوسرے خاندان کو بساط سیاست پر لے آتے تو یقیناً وہ بنو امیہ کا نعم البدل ثابت ہوتا۔ لیکن مسلمانوں نے اتحاد کی بجائے طوائف الملوکی کی راہ اختیار کی۔

نواں باب

ملوک الطوائف

حصہ اوّل

جیسے ہی بنو امیہ اسپین کو زوال ہوا اور قرطبہ کی مرکزیت ختم ہوئی تمام مسلم علاقہ چھوٹی بڑی آزاد ریاستوں میں منقسم ہو گیا اور قرطبہ کی حیثیت دار الحکومت کی بجائے عام صوبوں کی طرح رہ گئی۔ آئے دن کی قتل و غارتگری پر عامۃ الناس ہراساں اور پریشان ماضی پر نوحہ گر اور مستقبل کے لئے فکر مند تھے۔ سیاسی تباہ حالی نے معاشرت کو بھی بری طرح متاثر کیا تھا۔ یہاں تک کہ کاروبار زندگی تقریباً معطل ہو کر رہ گیا تھا۔ بنو امیہ کی تباہی نے بربروں اور صقالبہ کو سب سے زیادہ فائدہ پہونچایا تھا۔ بربروں نے جنوبی اسپین پر اور صقالبہ نے مشرقی اسپین پر قبضہ کر لیا تھا۔ باقی ملک کچھ تو جاگیرداروں اور امراء کا مال غنیمت بن گیا اور کچھ قدیم خاندانوں کے افراد کے قبضہ میں چلا گیا۔ یہ قدیم خاندان وہ تھے جو الناصر اور منصور کی گرفت سے اتفاقیہ بچ گئے تھے۔ اسپین کے دو بڑے شہروں قرطبہ اور اشبیلیہ نے اپنی انفرادیت قائم رکھنے کے لئے بظاہر جمہوری طرز حکومت اختیار کر لیا تھا۔ بڑی بڑی ریاستیں جو اس وقت معرض وجود میں آئی تھیں اور جنہوں نے ملک پر اپنے تہذیبی اثرات چھوڑے وہ حسب ذیل تھیں۔

(۱) بنو حمود۔ مالقہ اور الخضراء کے بادشاہ تھے۔ ان کو بربر ہونے کا دعویٰ تھا لیکن بربر نہ تھے۔

(۲) بنو زیری۔ غرناطہ کے بادشاہ تھے خالص بربر نسل سے تھے۔

(۳) بنی افطس۔ بطلیوس کے حکمران تھے۔ بربری نسل سے تھے لیکن عربوں سے اپنا رشتہ جوڑتے تھے۔

(۴) بنو ہود۔ سرقسطہ کے حکمران تھے اور عربوں کے قدیم خاندان سے متعلق تھے۔

(۵) بنو ذوالنون۔ طلیطلہ کے حکمران تھے اور بالاتفاق مورخین بربری تھے۔

(۶) بنو عباد۔ اشبیلیہ کی جمہوریت توڑ کر بادشاہ بنے اور خالص عرب نسل سے تھے۔

علاوہ ازیں صقالبہ کے کئی سردار مشرقی اسپین پر قابض تھے۔ خاص طور پر جنوب مشرقی اسپین کا علاقہ اور جزائر بلیارک (جزائر شرق الاندلس) انہی کے قبضہ میں تھا چند حسب ذیل ہیں۔

(۱) خیران۔ بادشاہ المریہ

(۲) زہیر۔ شاہ مرسیہ

(۳) مجاہد۔ شاہ دانیہ۔ وغیرہ وغیرہ۔

چونکہ قرطبہ کے حالات پر اپنا پچھلا باب ختم کیا تھا اس لئے اس باب کی ابتدا قرطبہ ہی سے کی جاتی ہے۔

جمہوریت قرطبہ اور بنی جہور

یہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے کہ قرطبہ میں بنو امیہ کی خلافت کا آخری دور تھا۔ اور بنو حمود کے عروج کی وجہ سے خلافت کے مزید قیام کی توقع ختم ہو چکی تھی۔ (۴۲۳ھ تا ۴۶۱ھ / ۱۰۳۱ء تا ۱۰۷۰ء)

اس لئے اہل قرطبہ نے خلیفہ المستکفی کے مرنے کے بعد شہر کے انتظام و انصرام اور بربروں سے محفوظ رہنے کے لئے ایک مجلس انتظامی قائم کر لی تھی جس نے چھ ماہ تک شہر کا نظم کیا۔ اس مجلس کا صدر نشین ابوالحزم بن جہور تھا۔ ابن جہور نے حالات کا اندازہ کر کے اور عوام کو خلافت کی طرف مائل دیکھتے ہوئے ایک بار پھر بنو امیہ کے ایک فرد ہشام ثالث المعتدد کو خلیفہ مقرر کیا جو عبدالرحمن المرتضیٰ کا بھائی تھا۔ ہشام المعتدد خود تو کسی خاص صلاحیت کا مالک نہ تھا مزید یہ کہ اس نے اپنا وزیر ایک جولاہے حکم بن سعید کو مقرر کر دیا جس سے عوام اور امراء دونوں اس سے برگشتہ ہو گئے۔ ہشام المعتدد ابن جہور کی بڑی قدر کرتا تھا لیکن حکم بن سعید کو اس سے نفرت تھی جس سے یہ خیال اغلب تھا کہ ان دونوں ابن جہور کو ضرور نقصان پہونچے گا۔ چنانچہ امراء اور ابن جہور نے ہشام المعتدد اور اس کے دونوں وزیروں کو ہٹانے کا فیصلہ کر لیا۔ اور ایک سازش کے ذریعہ حکم کو قتل کروا دیا گیا۔ اور ہشام المعتدد کو لاردہ کے قلعہ میں قید کر دیا گیا۔ خلافت کے خاتمے کے ساتھ ہی اہل قرطبہ نے ابن جہور سے شہر کا انتظام سنبھالنے کی درخواست کی۔ ابن جہور نے پہلے تو انکار کیا لیکن مجلس انتظامی کے اصرار پر اس نے یہ عہدہ اس شرط پر قبول کر لیا کہ محمد بن عباس

اور عبدالعزیز بن حسن اکابرین شہر اس کے مشیر کار بنائے۔ اُمیں گو یہ شرط تو مجلس انتظامیہ نے قبول کر لی لیکن ان دونوں کو صرف مشورہ کی حد تک محدود کر دیا۔

ابن جہور نے ۴۲۳ھ میں قرطبہ کی جمہوری حکومت کے صدر کی حیثیت سے زمام حکومت سنبھالی۔ ابن بشکوال کے بقول ابن جہور کا نسب اس طرح ہے۔ ابوالحزم جہور بن محمد بن جہور بن عبداللہ بن محمد بن معمر بن یحییٰ بن المغافر بن ابی عبیدہ کلبی اور ابی عبیدہ کلبی یمن آیا تھا۔ ابن جہور نے صدر ہوتے ہی سب سے پہلے قرطبہ کی فوج سے بربروں کو علیحدہ کر دیا صرف بنو افرین کو رہنے دیا کیونکہ وہ وفاداری میں بے مثال تھے اور اہل قرطبہ پر مشتمل ایک نئی فوج تشکیل دی وہ ایک محتاط قسم کا شخص تھا اور عوام کی جواب طلبی کا بہت خیال رکھتا تھا جس کی وجہ سے وہ اس وقت تک کسی کو اپنی طرف سے کوئی رعایت نہ دیتا جب تک کہ مجلس کے ہر رکن سے مشورہ نہ کر لیتا تھا۔ ابن جہور نے اپنے وسیع اختیارات پر نہ تو فخر و غرور کیا اور نہ بادشاہی طور طریق اختیار کئے۔ سرکاری کام تک قصر خلافت میں بیٹھ کر نہ کرتا تھا بلکہ اپنے ذاتی مکان میں سب کام انجام دیتا تھا۔ اس کے اختیارات کی وسعت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ مجلس کبھی اس کی رائے سے اختلاف نہ کرتی تھی۔ ڈوزی نے اس کے متعلق تحریر کیا ہے کہ

"حد درجہ ایمان دار تھا۔ سلطنت کے اموال کبھی اپنے گھر میں نہ رکھتا تھا بلکہ نہایت دیانت دار لوگوں کی حفاظت میں رکھتا تھا اگرچہ نہایت کفایت شعار تھا۔ لیکن بخیل نہ تھا۔ اس وجہ سے اس کی ذاتی دولت میں بہت اضافہ ہوا اور شہر میں وہ سب سے زیادہ مالدار ہو گیا لیکن اس پر دولت کی محبت کبھی اتنی غالب نہ آئی کہ کسی کی امانت میں خیانت کرتا۔ رعایا کی فلاح و بہبود کی کوششوں میں کبھی تھک کر نہ بیٹھا۔ قرب و جوار کی ریاستوں سے دوستانہ تعلقات قائم کئے اور اس میں صرف اس قدر کامیاب رہا کہ تجارت و صنعت کو جن حفاظتوں کی ضرورت تھی وہ سب مل گئی تھیں۔ ضروریات زندگی میں کافی ارزانی ہوئی۔ باہر کے لوگ شہر میں آکر آباد ہونے لگے اور شہر کے وہ محلے جن کو بربروں نے برباد کر کے جلا دیا تھا ان نو آباد لوگوں کے ہاتھوں دوبارہ تعمیر ہوئے۔"[1]

ابن خلدون نے ابن جہور کے متعلق لکھا ہے۔

"حکومت پر قابض ہو کر نظام سلطنت کو بگڑنے نہ دیا۔ اور نہ اپنے مکان سے قصر خلافت میں آیا۔ اس کا رویہ نہایت عمدہ تھا۔ اہل علم و فضل کی سرپرستی کرتا تھا۔ مریضوں کی عیادت کرتا۔ جنازوں میں شریک ہوتا اپنے محلے کی مسجد میں اذان دیتا۔ تراویح پڑھتا اور تمام مسلمانوں سے ملتا

جلتا رہتا تھا۔ اس کے دروازہ پر دربان نہ تھے۔ اہل قرطبہ نے بطیب خاطر اپنی عنان حکومت اس کے سپرد کی تھی۔"[1]

ابن جہور کے تدبر کا اندازہ اس بات سے لگایا جاتا ہے کہ جب قاضی ابوالقاسم محمد حاکم اشبیلہ نے ایک فرضی شخص کو ہشام المؤید بنا کر پیش کیا تو ابن جہور نے بلا تردد اس کو صحیح تسلیم کر کے اس کا خطبہ پڑھوایا کیونکہ قرطبہ کے عوام نے اس مفروضہ خلیفہ کو صحیح مان کر اطاعت کر لی تھی اور ابن جہور عوام کی مخالفت مول لینا نہ چاہتا تھا لیکن جب قاضی ابوالقاسم محمد نے اس فرضی ہشام المؤید کو قرطبہ لا کر قرطبہ پر قبضہ کرنے کا ارادہ کیا۔ تب ابن جہور نے دلائل کے ساتھ عوام کو سمجھایا کہ یہ اصلی نہیں بلکہ فرضی ہشام المؤید ہے۔ قرطبہ کے عوام نے اس کی بات مان لی اور اسی دن سے مفروضہ خلیفہ کا خطبہ پڑھنا بند ہو گیا۔

ابوالحزم ابن جہور کے انتقال کے بعد ۴۳۵ھ/۱۰۴۳ء میں اس کا لڑکا ابوالولید جہور بالاتفاق اپنے باپ کا جانشین مقرر کیا گیا۔ اس نے اپنے باپ کی روش اختیار رکھی اور اہل علم و فضل کی قدردانی میں کوتاہی نہ کی۔ کیونکہ اس نے خود بڑے بڑے عالموں جیسے مکی بن ابی طالب مکی وغیرہ سے تحصیل علم کیا تھا۔ ابوالولید نے اپنا وزیر ابراہیم بن یحییٰ کو بنایا جو بڑی صلاحیتوں کا مالک تھا۔ غرض ابوالولید جہور کا زمانہ ملوک الطوائف کا بہترین دور تھا۔ اہل قرطبہ اس سے بہت خوش تھے اور نہ اس نے کسی کو کسی قسم کی شکایت موقعہ دیا۔ تاہم ۴۵۴ھ/۱۰۶۲ء میں ابوالولید نے اپنے عہدہ سے استعفیٰ دیکر خانہ نشینی اختیار کر لی اور اپنے بعد اپنے دونوں لڑکوں عبدالرحمن اور عبدالملک کو نامزد کیا۔ عبدالرحمن کو بالیاتا اور عام انتظام حکومت سپرد کیا اور عبدالملک کو فوجوں کا سپہ سالار بنایا عبدالملک جلد ہی اپنے بھائی سے بگڑ گیا۔ لیکن دانش مند اور مدبر وزیر ابن سقا کی بدولت دونوں میں رنجش نہ رہی قرطبہ کے دشمن ابن سقا سے بہت خائف رہتے تھے چنانچہ اشبیلہ کے حکمران المعتضد نے ابن سقا اور عبدالملک کے درمیان بدگمانی کروادی اور بدقماش و بداندیش عبدالملک نے ابن سقا کو قتل کرا دیا۔ ابن سقا کے قتل کے نتائج برے نکلے۔ قرطبہ کے بہت سے فوجی اور غیر فوجی افسران اپنے عہدوں سے مستعفی ہو گئے۔ عبدالملک کی بداطواری۔ تشدد اور لاپرواہی نے اہل قرطبہ کو اس سے سخت متنفر کر دیا۔ جمہوری ریاست کی جو کچھ خصوصیات باقی تھیں وہ بھی جاتی رہیں۔ طلیطلہ کے حاکم مامون ذوالنون نے موقعہ سے فائدہ اٹھا کر ۴۶۱ھ/۱۰۶۸ء میں قرطبہ پر حملہ کر دیا۔ عبدالملک کی طاقت تو منتشر ہو چکی تھی مقابلہ کیا کرتا چنانچہ اشبیلہ کے معتمد سے امداد طلب کی معتمد نے امداد دیکر مامون کو تو قرطبہ کا محاصرہ اٹھانے پر مجبور کر دیا لیکن خود عبدالملک کو بھی نہ چھوڑا اور اہل قرطبہ

[1] ابن خلدون ج ۵ ص ۳۵۹ (اردو ترجمہ)

سے سازش کر کے عبدالملک اور بوڑھے ابوالولید جمہور کو مع اہل وعیال کے گرفتار کر کے جزیرہ سلطیش میں قید کر دیا۔ ابوالولید اس واقعہ کے ۴۰ روز بعد انتقال کر گیا اور اس طرح قرطبہ کی جمہوریت کا خاتمہ ہو گیا۔

بنی حمود

۴۰۰ھ / ۱۰۱۰ء تا ۴۴۸ھ / ۱۰۵۷ء

بنی حمود کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ ماریطانیہ Mauritinia افریقہ کے ادریسی خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ "شیخ حمود بن میمون بن احمد بن علی بن عبیداللہ بن عمر بن ادریس کے دو لڑکے علی بن حمود اور قاسم بن حمود تھے افریقہ سے فرار ہو کر قرطبہ میں پناہ گزیں ہوئے۔ یہ حاجب المنصور کا زمانہ تھا۔ یہ دونوں لڑکے علی بن حمود اور قاسم بن حمود تھے المنصور نے ان دونوں کو فوج کے اعلیٰ عہدوں پر مقرر کیا۔" ڈوزی نے لکھا ہے کہ "یہ خاندان حضرت علیؓ کی اولاد سے تھا لیکن کیونکہ دو سو برس سے افریقہ میں آباد تھا اس لئے تقریباً بربر ہو گیا تھا۔" ابن خلدون نے ان کا نسب نامہ تو وہی تحریر کیا ہے جو اوپر بیان کیا گیا ہے لیکن اولاد علیؓ میں سے ان کو شمار نہیں کیا ہے اور نہ ہی اس امر کی وضاحت کی ہے کہ حاجب المنصور کے زمانہ میں قرطبہ آ کر فوج میں ملازم ہوئے تھے۔ وہ لکھتا ہے۔

"..... یہ لوگ بربروں کے گروہ کے ساتھ بلاد غمارہ میں تھے اور انہی کے ذریعہ سے انہوں نے اپنی ریاست و امارت حاصل کی تھی جو اس خاندان میں ایک عرصہ تک قائم رہی تھی۔ اس وجہ سے بربروں کا ان لوگوں کے ساتھ میل جول و تعلق تھا اور یہی امر ان لوگوں کے فخر و مباہات کا باعث ہوا۔ پس یہ لوگ بربروں کے ساتھ سرزمین اندلس میں آئے اور سلیمان المستعین نے ان مغاربہ کے ساتھ جنہیں سند حکومت دی تھی ان لوگوں کو بھی سرداری اور عہدہ عطا کیا۔ علی کو طنجہ کی حکومت دی۔ اور قاسم کو جزیرہ خضراء پر مامور کیا....."

یہ حقیقت ہے کہ یہ خاندان پہلی مرتبہ سلیمان المستعین کے زمانہ میں معروف ہوا جبکہ علی بن حمود حاکم طنجہ اور سبتہ نے مالقہ پر قبضہ کر کے آپس کی حکومت پر قبضہ کرنے کا ارادہ کیا۔ صقالبہ اس وقت سلیمان المستعین کے دشمن ہو رہے تھے چنانچہ ان کے ایک سردار خیران نے علی بن حمود سے سازباز کی۔ اور علی نے بربروں کو اپنا ہمنوا بنا کر ۴۰۵ھ / ۱۰۱۵ء میں قرطبہ پر قبضہ کر لیا سلیمان کو قید کر کے خلیفہ ہشام المؤید کی تلاش شروع کی جس کو سلیمان المستعین

۱ Political History of Muslim Spain ص ۱۳۷ ۲ Spanish Islam ص ۵۶۳

۳ ابن خلدون ج ۵ ص ۳۴۵ (اردو)

نے غائب کر دیا تھا۔ علی بن حمود کیونکہ خود قرطبہ پر حکمرانی کے خواب دیکھ رہا تھا۔ اس لئے ہشام المؤید کی تلاش کا دل سے خواہاں نہ تھا۔ اس لئے نہایت ہوشیاری اور چالاکی سے کچھ لوگوں سے کسی فرضی شخص کی قبر کھود کر ہشام المؤید کی موت کی تصدیق کرا دی۔ بہرکیف علی بن حمود حکمران ہو گیا۔ اور اس نے اپنا لقب امیرالمؤمنین اختیار کیا۔ اس نے ملک میں امن و امان قائم کیا باوجود بربر ہونے اور عربی سے نابلد ہونے کے اس نے اہل قرطبہ کے ساتھ ہمدردی اور شفقت کا برتاؤ کیا۔ ہر شخص اس کے پاس باآسانی پہنچ کر اپنی شکایت بیان کر سکتا تھا۔ بربروں کے ظلم و تشدد کو سختی سے بند کرا دیا۔ اہل قرطبہ کو جنگ میں جو نقصان ہوا تھا علی نے اس کی بھی بڑی حد تک تلافی کرا دی لیکن اہل قرطبہ نے خیزران صقلبی کے ساتھ سازش کر کے عبدالرحمن بن ہشام بن عبدالجبار بن الناصر کو خلیفہ بنانے کی کوشش کی۔ علی بن حمود کو سخت طیش آیا اور اس نے اہل قرطبہ پر دوبارہ بربروں کو مسلط کر کے ظلم و تشدد کا دروازہ کھول دیا۔ نئے محصول جاری کئے اور شہر کے بہت سے رئیسوں کو قید میں ڈالا۔ یا پھر ان سے بڑی رقمیں فدیہ میں لیکر ان کو رہا کیا۔ غصہ میں آکر اس نے مساجد اور مدارس کے اوقاف بھی اپنے قبضہ میں کئے۔ غرض اس نے تمام شہر قرطبہ پولیس اور جاسوسوں سے بھر دیا۔ عدالتوں سے انصاف اٹھا دیا اور بربروں کے حق میں زبردستی فیصلے دیئے جانے لگے۔ علی بن حمود کو اہل قرطبہ پر اسقدر شدید غصہ تھا کہ اس نے ان سب کو ہلاک کرنے یا جلاوطن کر کے شہر کو قطعاً مسمار کر دینے کی قسم کھائی تھی۔ لیکن موت نے اس کی یہ قسم پوری نہ ہونے دی اور ۴۰۸ھ/۱۰۱۸ء میں اسی کے غلاموں نے اس کو حمام میں بند کر کے مار ڈالا۔

علی بن حمود نے دو بیٹے یحییٰ اور ادریس چھوڑے اور تیسرا اس کا بھائی قاسم بن حمود تھا۔ قاسم اشبیلیہ کا حاکم تھا۔ اور یحییٰ سبتہ کا۔ بربروں نے قاسم کو اپنا حاکم بنا لیا۔ علی کی موت کے چھ دن بعد قاسم قرطبہ میں داخل ہوا اور اہل شہر نے اس کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ قاسم ایک امن پسند شخص تھا اس لئے اس نے قرطبہ میں امن و امان قائم کیا اور ملک پر جو محصول عوام کو ستانے کے لئے لگائے گئے تھے ختم کر دیئے۔ اس نے پرانے جھگڑوں کو ختم کرنے کے لئے خیزران سے مصالحت کر لی۔ اور ایک دوسرے صقلبی سردار زہیر کو جو مرسیہ کا حاکم تھا کئی اور قلعے دیئے۔ قاسم بن حمود کے متعلق ایک گمان عام تھا کہ وہ شیعہ عقائد رکھتا ہے لیکن اس نے کبھی اپنے عقائد لوگوں پر ظاہر نہ کئے اور نہ مذہبی معاملات میں دست اندازی کی اسکی ہر بات میں اعتدال کا وصف ایسا تھا کہ خیال کیا جاتا تھا کہ بنو حمود کی حکومت اسپین میں مستقل قائم ہو جائے گی۔ قاسم کو بربروں کی تنگ نظری کی بنا پر ان پر اعتماد نہ رہا اور اس نے اپنے تحفظ اور استحکام کے لئے بربروں کے اسودی غلاموں کو خریدا اور افریقہ سے بہت سے حبشی غلام منگائے۔ ان کی ایک علیحدہ فوج مرتب کی اور اس فوج کے افسروں کو بڑے بڑے عہدوں پر فائز کیا۔ قاسم کے اس عمل سے بربر اس کے خلاف ہو گئے

ادھر یحییٰ بن علی نے اپنے باپ کے علاقوں پر قبضہ کرنے کا ارادہ کر لیا۔ گمان یہ ہے کہ بربروں نے اس کو قاسم کے خلاف بھڑکایا ہوگا چنانچہ یحییٰ بربروں کو اپنے ساتھ ملا کر سبتہ سے مالقہ میں داخل ہوا۔ مالقہ میں اس کا بھائی ادریس حاکم تھا اس نے بھائی کا پورا ساتھ دیا اور دونوں بھائی قرطبہ کی طرف بڑھے۔ قاسم بن حمود اپنے بھتیجوں سے جنگ نہ کرنا چاہتا تھا اس لئے اس نے ۴۱۲ھ/۱۰۲۱ء میں قرطبہ کو چھوڑ دیا اور اشبیلہ چلا گیا ایک ماہ بعد یحییٰ نے قرطبہ پر قبضہ کر لیا لیکن خود بھی امن و سکون سے نہ رہ سکا اور موت کے خوف سے ۴۱۳ھ/۱۰۲۲ء میں قرطبہ سے مالقہ چلا گیا۔ قاسم نے دوبارہ قرطبہ پر قبضہ کر لیا۔ لیکن اب قاسم کی پہلی جیسی طاقت نہ رہی تھی۔ ادریس بن علی نے جو اس وقت سبتہ میں تھا قاسم کے مضبوط قلعے طنجہ پر قبضہ کر لیا۔ اور یحییٰ بن علی نے جزیرہ خضرا پر قبضہ کر کے قاسم کا اہل و عیال اور مال و دولت اپنے قبضہ میں کر لئے۔ قاسم کی پوری طاقت اب صرف اسودی غلام تھے۔ اہل قرطبہ نے بھی قاسم سے نجات حاصل کرنے کا بہترین موقع دیکھا۔ اور ۴۱۳ھ/۱۰۲۳ء میں قاسم اور اس کے اسودی ساتھیوں کو مار کر قرطبہ سے نکال باہر کیا۔ قاسم نے پچاس دن تک شہر کا محاصرہ کیا لیکن دوبارہ اہل قرطبہ کے ہاتھوں شکست کھا کر اشبیلہ کی طرف بھاگا۔ اہل اشبیلہ نے بھی موقع غنیمت سمجھ کر قاسم کو شہر میں نہ گھسنے دیا۔ اور قاسم شریش کی طرف چلا گیا جہاں یحییٰ بن علی نے اپنے چچا کو گرفتار کر لیا۔ قاسم مالقہ کے ایک قلعہ میں ۱۳ برس تک قید رہا بالآخر ۴۲۸ھ/۱۰۳۶ء میں مار ڈالا گیا۔

قاسم بن حمود کے بعد یحییٰ بن علی تمام علاقہ مالقہ اور جزیرہ خضرا کا حاکم بن گیا۔ اس نے تقریباً دس برس حکومت کی اور اپنے علاقہ میں پوری طرح امن و امان قائم رکھا۔ وہ بہت بہادر اور طاقتور حکمران تھا۔ جس نے اپنی طاقت کا لوہا عوام الناس سے منوا لیا تھا۔ ۴۱۸ھ/۱۰۲۷ء میں اس نے اشبیلہ پر حملہ کیا۔ اور اشبیلہ کے قاضی ابوالقاسم محمد کو محاصرہ کر کے مجبور کر دیا کہ وہ صلح کرے اور اپنے لڑکے عباد کو بطور یرغمال اس کے حوالے کر دے رفتہ رفتہ یحییٰ بن علی نے بربروں کے تمام سرداروں کو اپنا بنا لیا۔ اس طرح وہ برائے نام نہیں بلکہ فی الحقیقت افریقی فریق کا سردار ہو گیا۔ اس نے قرمونہ سے وہاں کے حاکم محمد بن عبداللہ برزالی کو نکال کر شہر پر قبضہ کر لیا۔ اور قرطبہ اور اشبیلہ پر دوبارہ حملہ کرنے کی دھمکیاں دیں لیکن بربروں کا یہ اتحاد زیادہ دیرپا ثابت نہ ہو سکا۔ اور وہ پھر آپس میں دست و گریباں ہو گئے جس کا انجام یہ ہوا کہ جب یحییٰ بن علی نے اشبیلہ پر حملہ کیا۔ تو اس کو آپس کی کشمکش کی وجہ سے شکست ہوئی۔ اور قاضی ابوالقاسم محمد کے لڑکے اسماعیل نے اس کو ۴۲۷ھ/۱۰۳۵ء میں قتل کر دیا۔

یحییٰ کی موت کے بعد اس کے بھائی ادریس بن علی کی خلافت کا اعلان مالقہ میں کیا گیا جزیرہ الخضرا میں

اس کا چچازاد بھائی محمد بن قاسم بن حمود حکمراں تھا جس کو حبشی غلاموں نے خلیفہ بنا رکھا تھا۔ ابن خلدون نے لکھا ہے کہ یحییٰ کی موت کے بعد ادریس بن علی کے ہاتھ پر اس شرط پر بیعت کی گئی کہ حسن بن یحییٰ کو سبتہ کی حکومت دیدی جائے۔ خادم نجا حسن کے ساتھ سبتہ گیا تھا جس کا ملوک الطوائف پر بڑا اثر تھا۔[1] ادریس بن علی نے اپنے بھائی کا بدلہ لینے کا ارادہ کیا۔ چنانچہ اس نے اسماعیل کے خلاف فوجکشی کی اور استجہ کے مقام پر اسماعیل کو مار ڈالا لیکن خود و دن بعد ہی مرگیا۔ اس کے مرنے کے بعد مالقہ کے بربر وزیر ابن بقنہ اور صقلبی وزیر نجا میں نزاع شروع ہوگیا۔ ابن بقنہ ادریس اول کے لڑکے یحییٰ کو تخت پر لانا چاہتا تھا۔ مگر نجا نے جو افریقہ میں بنو حمود کا وزیر تھا۔ حسن ابن یحییٰ اول کی خلافت کا اعلان کر دیا اور فوج لے کر مالقہ کے ساحل پر اترا۔ ابن بقنہ بزدل تھا مقابلہ کرنے کی بجائے یحییٰ بن ادریس کو ساتھ لیکر قمارش کی طرف چلا گیا۔ حسن بن یحییٰ نے مالقہ پر قبضہ کر لیا۔ حسن بن یحییٰ نے کچھ دن بعد حیلے حوالے سے ابن بقنہ اور یحییٰ بن ادریس کو مالقہ میں بلا کر اپنے وزیر نجا کے اشارے پر قتل کر دیا۔ اس کے بعد حسن بن یحییٰ بھی زیادہ دن زندہ نہ رہا۔ یحییٰ بن ادریس کی بہن نے جو حسن بن یحییٰ کی بیوی تھی بھائی کے انتقام کی خاطر اس کو زہر دیکر مار ڈالا۔ اب نجا صقلبی کو حکومت کا خیال آیا۔ اس نے حسن کے نو عمر لڑکے کو مار ڈالا اور اس کے بھائی ادریس کو قید کر دیا۔ بظاہر تو بربروں نے اس کی اطاعت کر لی لیکن در پردہ اس کے خلاف سازش میں مشغول ہوگئے۔ نجا نے جزیرہ خضراء کے حاکم محمد بن قاسم پر حملہ کیا تاکہ بنو حمود کو پوری طرح ختم کر دے۔ لیکن بربری سپاہ نے اس کو ۴۳۴ھ میں قتل کر دیا اور سب نے مل کر حسن کے بھائی ادریس ثانی بن یحییٰ بن علی کی بیعت کر لی اور اس کو عالی کا لقب دیا۔

ادریس ثانی کوئی قابل شخص تو نہ تھا لیکن رحم دل اور فیاض تھا مال و دولت خیرات کرنے سے دریغ نہ کرتا تھا جو لوگ شہر سے نکل گئے تھے ان کو پھر واپس بلا لیا۔ اور ان کی جائدادیں ان کو واپس کر دیں اور قیدیوں کو رہا کر دیا۔ کسی جاسوس کی بات کا وہ یقین نہ کرتا تھا ہر روز پانچ سو درہم غریبوں اور مفلسوں کو تقسیم کرتا تھا ادنیٰ طبقہ کے لوگوں کا بڑا درد مند تھا اور ان سے بالمشافہ گفتگو کرنے کا بڑا شوقین تھا۔ ڈوزی کے کہنے کے بموجب ایک طرف تو وہ دولت مند لوگوں اور شاہانہ جاہ و حشم اور درباری آداب و قواعد سے وابستہ تھا دوسری طرف شریف اور رذیل عوام سے صحبت تھی۔ غرض دو متضاد باتوں کا میل حیرت انگیز تھا۔[2] ادریس بہت سیدھی سادھی طبیعت رکھتا تھا۔ اس لئے جو طور طریق اس کے بزرگوں نے قائم کئے تھے ان کی پابندی نہ کر سکا۔ سلطنت کے استحکام کے لئے یہ بدقسمتی تھی کہ ادریس ثانی میں نیک نفسی کے ساتھ ساتھ غایت درجہ

[1] ابن خلدون ج ۵ ص ۳۵۰ (اردو ترجمہ)

[2] Spanish Islam ص ۶۲۴

کمزوری بھی تھی جب کوئی شخص اس سے کچھ بھی مانگتا خواہ وہ کوئی قلعہ ہی کیوں نہ ہو اس کا سوال فوراً پورا کر دیتا۔ بادیس شاہ غرناطہ نے اس سے اس کے مدبر وزیر موسیٰ بن عفان کو مانگا۔ اولاس ناعاقبت اندیش نے حسب الدت اس کو بھی بادیس کے حوالے کر دیا۔ اور بادیس نے اس باتدبیر وزیر کو قتل کرا دیا۔ ادریس ثانی کی ان باتوں سے بربروں اور اندلسیوں کو اس سے دلی نفرت پیدا ہو گئی۔ ان حالات سے فائدہ اٹھا کر حاکم ایریشہ نے بغاوت کر کے محمد بن ادریس بن علی کی خلافت کا اعلان کر دیا۔ اور بہت آسانی کے ساتھ مالقہ پر قبضہ کر لیا۔ ادریس ثانی نے اپنی خاطر خون گرانا پسند نہ کیا اور وہ خود ہی ایریشہ کے قید خانہ میں چلا گیا (۴۳۶ھ/۱۰۴۴ء) محمد بن ادریس بہادر اور لڑاکا تھا اور میدان جنگ کی زندگی بہت پسند کرتا تھا۔ قاعدہ قانون اور اصولوں کا سختی سے پابند تھا چنانچہ جلد ہی بے اصولی سے گھبرا گئے اور اس کے خلاف سازش کر کے دوبارہ ادریس ثانی تخت پر بٹھانا چاہا لیکن اس میں کامیابی نہ ہوئی چنانچہ ادریس ثانی کو افریقہ بھگا دیا گیا۔ جہاں وہ سبتہ کے حاکم ت اور طنجہ کے حاکم رزق اللہ کے پاس چند دن ٹھہرا۔ پھر آپس میں واپس ہوا۔ اور زندہ کے بربر حاکم کے س پناہ لی عوام نے مالقہ کے محمد بن ادریس کے خلاف بغاوت کر کے الخضراء کے محمد بن قاسم کو اپنا خلیفہ لیا۔ لیکن یہ شخص بھی اپنی کوششوں میں ناکام رہا۔ اور عوام کی بے وفائی اور غداری کا اندازہ کر کے خلافت ر کر افریقہ چلا گیا۔ اور ۴۴۰ھ/۱۰۴۸ء میں فوت ہو گیا۔ چار برس بعد محمد بن ادریس بن علی مالقہ کے خلیفہ کا انتقال ہو گیا۔ اس کے بھتیجے نے ادریس ثالث کے نام سے حکومت کرنے کی کوشش کی لیکن ناکام رہا۔ بخیا ایک بار پھر ادریس دوم کو خلیفہ بنا دیا گیا اور اس نے امن و سکون کے ساتھ اپنی موت (۴۴۷ھ/۱۰۵۵ء) حکومت کی اس کے مرنے کے بعد بادیس شاہ غرناطہ نے مالقہ پر ۴۴۸ھ/۱۰۵۶ء میں قبضہ کر کے اپنی حکومت میں شامل لیا اور تمام بنو حمود جہاں سے آئے تھے وہیں پر جلاوطن کر دیئے گئے۔

بنو زیری

۴۰۲ھ/۱۰۱۲ء تا ۴۸۳ھ/۱۰۹۰ء

غرناطہ کی زیری حکومت کو قائم کرنے والا ایک بربر سردار زاوی بن زیری بن مناد تھا۔ ابن الخطیب الفاظ میں "جس شخص نے اولاً غرناطہ کو اپنا دارالحکومت اور مسکن بنا کر مطلق العنان حکومت کی وہ

حاجب منصور ابو مثنیٰ زاوی بن زیری بن مناد صنہاجی تھا۔[1] اس شخص کے متعلق ڈوزی نے لکھا ہے۔ کہ "وہ بربر قبیلہ صنہاجہ کا رئیس تھا اور افریقہ کے اس حصہ پر حکومت کرتا تھا جس کا دارالحکومت قیروان تھا۔ وہ اپنی قوم کے مقابلہ میں زیادہ شائستہ اور ہوشیار تھا۔"[2] ابن خلدون نے لکھا ہے کہ "زمانہ حکومت المنصور میں زاوی اندلس آیا تھا۔"[3] امام الدین صاحب نے لکھا ہے "زیری بربر قبیلہ صنہاجہ کی ایک شاخ ہے۔ دو زیری شہزادے بلکین اور منصور اپنے حاکم سے ناراض ہو کر ایک ہوشیار سردار زاوی بن زیری کے ساتھ مل گئے اور پھر یہ سب بربروں کا کثیر لشکر لے کر افریقہ سے اسپین میں داخل ہوئے عبدالملک المظفر بن حاجب المنصور نے ان سب کو قرطبہ کی فوج میں ملازم رکھ لیا۔"[4]

زاوی اپنی دانشمندی میں بربروں میں ممتاز سمجھا جاتا تھا۔ اس لئے بربروں نے اس کو اپنا سردار تسلیم کر لیا تھا۔ یہ زاوی ہی تھا جس نے المہدی کے خلاف سلیمان المستعین کو خلیفہ بنایا تھا جس کے صلہ میں سلیمان نے اس کو البیرہ کی جاگیر دی تھی جو بعد میں غرناطہ کے نام سے پکارا گیا۔ قرطبہ کو تباہ و برباد کرنے میں اسی زاوی کے دو بھتیجوں حبوس اور حباسہ نے شرکت کی تھی جس میں حباسہ مارا گیا تھا لیکن ڈوزی کا یہ بیان ہے کہ "زاوی اپنی فوج لئے قرطبہ کو لوٹنے کے لئے شہر میں داخل ہوا تھا۔"[5] جس سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ اس نے بھی قرطبہ کی تباہی میں حصہ لیا تھا۔ زاوی نے اپنی ہی جاگیر میں اپنی آزاد حکومت کا اعلان کیا اور اپنا دارالحکومت دریائے شنیل کے کنارے غرناطہ کو قرار دیا۔ وہ بنو امیہ سے سخت عداوت اور نفرت رکھتا تھا کیونکہ اس کا باپ افریقہ میں بنو امیہ کے خلاف لڑتا ہوا مارا گیا تھا۔ اس کے باپ کے مردے کی توہین کی گئی اور اس کا سر قصر خلافت کی دیوار پر نصب کیا گیا چنانچہ جس وقت علی بن حمود نے سلیمان المستعین کے خلاف خروج کیا تو زاوی باوجودیکہ اس نے خود سلیمان کو خلیفہ بنایا تھا۔ علی کے ساتھ مل گیا جس میں علی بن حمود کو کامیابی ہوئی تھی۔ اور وہ قرطبہ پر قابض ہو گیا تھا۔ زاوی نے خیران صقلبی اور منذر کے ساتھ ساز باز کر کے غرناطہ کے قریب وادی آش میں عبدالرحمٰن المرتضیٰ کو شکست دیکر قتل کر دیا تھا۔ کیونکہ اس نے عبدالرحمٰن المرتضیٰ کو خلیفہ تسلیم نہ کیا تھا اور المرتضیٰ نے اس کو تائب کرنے کے لئے اس پر فوج کشی کی تھی۔ زاوی ایک جنگ جو سردار اور مصائب کو دفع کرنے میں بہادر تھا۔ سیاست دانی۔ اصابت رائے۔ شجاعت، خود داری اور عاقبت اندیشی میں شہرت یافتہ تھا۔ اس نے اپنی قوم کی بڑی خدمت کی تھی۔ "زاوی نے لڑائیوں میں اندلس کے شرفاء اور جنگ آزما لوگوں کی قوت و شوکت کی ہولناکیوں کا اس قدر مشاہدہ کیا تھا۔ کہ اندلس کی حکمرانی اس پر آسان ہو گئی تھی لیکن اس نے اپنی عاقبت اسی میں سمجھی کہ اس ملک سے چلا جائے چنانچہ اپنے اہل و عیال اور لشکر کو لے کر افریقہ واپس چلا گیا۔"[6] زاوی کے باپ زیری

---

[1] الاحاطہ فی اخبار غرناطہ ج ۱ تذکرہ سلاطین غرناطہ [2] Spanish Islam ص ۵۵ [3] ابن خلدون ص ۳۶۱ (اردو ترجمہ) [4] Political History of Muslim Spanish P.140 [5] عبرت نامہ اندلس ج ۳ ص ۹۰۸ [6] الاحاطہ ج ۱ تذکرہ زاوی بن زیری

ابن مناد نے ابو یزید کی جنگ افریقہ میں بہت نام پیدا کیا تھا جس کے بعد یہ اور اس کی پوری قوم خلفاء فاطمی کے وفادار وں میں اور بربر قبیلہ زناتہ کے مخالفین میں شمار ہوتے تھے۔

حبوس بن ماکسن

زاوی بن زیری نے افریقہ جاتے وقت اپنے بھتیجے حبوس کو اپنا جانشین بنایا۔ حبوس ایک وسیع النظر حاکم تھا اور مدبر اور شجاع تھا۔ اس نے اپنی صلاحیتوں سے اپنے آپ کو تمام دباؤ سے آزاد کر لیا تھا۔ شہر غرناطہ کو وسعت دی اور اس میں نئی نئی عمارتیں تعمیر کر کے اس کو خوبصورت بنا دیا اس نے غرناطہ کے آس پاس کا تمام علاقہ فتح کر لیا تھا۔ یہاں تک کہ جیان اور قبرہ کو بھی اپنی حکومت میں شامل کر لیا آس پاس کے سرداروں سے دوستانہ مراسم قائم کئے۔ زہیر حاکم المریہ کے ساتھ مل کر اشبیلیہ کے بنو عباد کو شکست دی۔ اس نے تقریباً دس برس حکومت کی اور ۴۲۹ھ/۱۰۳۸ء میں مرا۔ حبوس کے عہد کا اہم ترین واقعہ ایک یہودی سموایل ہالیوی (اسماعیل بن نغدالہ) کا وزیر ہونا تھا۔ دراصل حبوس اپنے ایک نیم وحشی قوم سے ہونے کا عیب دور کرنا چاہتا تھا۔ کیونکہ اس کو اپنے علم و فضل پر ناز تھا اس لئے اپنی قوم صنہاجہ کو بربر کی بجائے عربی النسل کہلوانا چاہتا تھا۔ اپنا حاجب ایک ایسے شخص کو مقرر کرنا چاہتا تھا جو اوصاف و کمالات میں بے مثال ہو تاکہ حکومت کی شہرت اور عزت میں چار چاند لگ جائیں۔

سموایل ہالیوی (اسماعیل بن نغدالہ)

یہ یہودی تھا اور قرطبہ کا رہنے والا تھا ایک مدت تک پہلے قرطبہ میں پھر مالقہ میں پنساری کی دکان کرتا رہا۔ جس زمانہ میں سلیمان المستعین نے قرطبہ پر قبضہ کیا تھا یہ یہودی قرطبہ سے مالقہ چلا آیا یہاں اس نے حبوس کے ایک وزیر ابوالقاسم بن عریف کے محل کے سامنے دکان کھول لی بندہ شدہ ابن عریف کے محل کی کنیزیں اور باندیاں سموایل سے خط لکھوانے آنے لگیں۔ یہ خطوط عموماً غرناطہ جایا کرتے تھے۔ ان خطوط کی عربی ادبیت فصاحت و بلاغت اور طرز تحریر نے ابن عریف کو اس یہودی سے بڑا متاثر کیا چنانچہ ابن عریف نے اس کو اپنا کاتب بنا لیا اور اپنے ساتھ غرناطہ لے آیا جب ابن عریف کی موت ہو گئی تو حبوس نے سموایل کو اپنا وزیر مقرر کر لیا۔ یہ مسلم اسپین کا پہلا اور آخری یہودی وزیر تھا۔ ابن حیان نے اس کے متعلق لکھا ہے کہ "یہ وزیر بجز اس کے اللہ تعالیٰ کی ہدایت سے دور تھا مگر فی ذاتہ علم، حلم، فہم، ذکاوت، امانت، ثابت قدمی، تدبر اور مکر میں تمام لوگوں سے کامل تر تھا۔ اسے اپنے نفس پر پوری قدرت حاصل تھی۔ اخلاق وسیع رکھتا تھا۔ زمانے کو خوب پہچانتا تھا۔ دشمنوں کے ساتھ مدارات کرنا اور اپنے حلم سے ان کی دشمنی زائل کرنا اسی کا کام تھا۔ ارباب قلم اور اصحاب تعلیم کی طرف اس کی

توجہ بہت مبذول رہتی تھی۔ اس کو عربی زبان پر اس قدر قدرت حاصل تھی کہ اس زبان پر غور و فکر کرتا کتابیں پڑھتا اور اصول کا مطالعہ کرتا تھا جس سے اس کے قلم اور زبان میں روانی آگئی تھی تحریر میں وہ پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت و درود اور دین و اسلام کی تعریف و فضائل بیان کر کے اپنا مدعا بیان کرتا تھا۔ علوم ریاضی سے واقف۔ علم نجوم میں نکتہ رس اور اسی نکتہ رسی سے تمام ریاضی دانوں پر فائق۔ علم ہندسہ اور علم منطق سے آگاہ اور جدول کے ایک ایک مسئلہ سے مطلع تھا۔ گو وہ کم سخن تھا مگر ذکی تھا۔ اس کی نظروں میں ظاہری اسباب کی کوئی وقعت نہ تھی وہ ہمیشہ غور و فکر میں غلطاں رہتا تھا۔ اور کتابوں کے جمع کرنے کی اسے دھن لگی رہتی تھی۔[1]

یہودیوں سے اختلاف رکھنے کے باوجود عرب بھی اس کی لیاقت کے بڑے قائل تھے اور اس کو پسند کرتے تھے وہ ایک اچھا شاعر اور فلاسفر تھا۔ اور بقول ڈوزی "سات زبانوں پر قادر تھا"[2] اس یہودی وزیر نے عبرانی ادب کی بڑی خدمت کی تھی۔ اس نے تالمود کی شرح عبرانی زبان میں لکھی اور عربی نحو پر ۲۲ کتابیں تحریر کی تھیں جن سے زیادہ مشہور کتاب الثروت تھی۔ اس کے علم اور فیاضی کی وجہ سے اس کی شہرت ایران۔ یروشلم۔ بغداد۔ مصر۔ افریقہ اور صقلیہ تک پہونچ گئی تھی ان تمام اوصاف اور شہرت کے باوجود سموایل میں غرور و تکبر نام کو نہ تھا۔ اور وہ کبھی اپنی ماضی کی ادنیٰ حالت پر شرمندہ نہ ہوتا تھا۔ ۴۱۸ھ/۱۰۲۷ء میں یہودیوں نے "نفیذ" (اسرائیلی شہزادہ) خطاب دیا تھا۔

بادیس بن حبوس

بادیس نام۔ ابو مناد کنیت تھی اس کا ۳۵ سالہ دور (۴۳۱ھ/۱۰۳۸ء تا ۴۶۶ھ/۱۰۷۳ء) غرناطہ کے خاندان بنو زیری کا دور عروج ہے "وہ ایک طرف جری، سرکش، جابر اور شر انگیز تھا۔ دوسری طرف مدبر۔ دانش مند۔ صابر۔ صاحب رائے اور بلند تھا۔ تیغ زنی۔ غارت گری اور مال و زر کی پس اندازی میں مشہور اور حریص تھا۔ اس کے عہد میں حکومت و توقیر ہوئی۔ رعایا کو امن ملا۔ اس کے دور میں غرناطہ کی آبادی میں کثیر اضافہ ہوا۔ رعایا اس کے خوف سے اس کی اطاعت گذار ہوئی۔ اور سلطنت کی حدود میں اضافہ ہوا"[3] فتح نے اپنی کتاب قلائد میں لکھا ہے "بادیس بن حبوس غرناطہ کا بادشاہ تھا اپنے فریق مخالف کو تباہ کرتا۔ عدل و انصاف سے گریزاں رہتا۔ اور حرام کو بے باک اور جرأت سے کرتا اور اس پر شرمندہ نہ ہوتا۔ اس کا شیوہ تھا۔ وہ انجام کی پرواہ کئے بغیر جو چاہتا کر گذرتا۔ زبان سے پہلے تلوار سے کام لیتا تھا۔ اس کا شر اس کے خیر پر غالب تھا۔ وہ مکاروں سے زیادہ مکار اور مجرموں سے زیا

[1] الاحاطہ ج ۱ تذکرہ "بادیس" [2] Spanish Islam ص ۲۰۵ [3] الاحاطہ ج ۱ تذکرہ "بادیس"

مجرم تھا۔"[1] فتح کا یہ بیان گو شدت سے بھرا ہوا معلوم ہوتا ہے لیکن ڈوزی کے اس بیان سے اس کی کسی حد تک تائید ہوتی ہے۔" بادیس بدظن و منتقم۔ غدار اور خود سر تھا۔ شراب سے ہر وقت مست رہتا۔ فسق و فجور میں بڑھا ہوا تھا۔ ..... وہ قریباً ایک وحشی انسان تھا۔ ادب و تہذیب اور علمی حسن و لطافت سے اس کو نفرت تھی۔"[2]

المریہ اور غرناطہ کے درمیان ایک عرصہ تک دوستی رہی تھی۔ اور دونوں نے مل کر اشبیلیہ کی فوجوں کو شکست دی تھی لیکن اب ان دونوں میں اختلافات بڑھ گئے تھے۔ ان اختلافات کی بڑی وجہ بادیس کا یہودی وزیر سموائیل اور زہیر شاہ المریہ کا عرب وزیر احمد ابن عباس تھا۔ ابن عباس بھی سموائیل کی طرح مشہور و معروف تھا۔ بیان کیا گیا ہے کہ زور تحریر۔ دولت کی طمع اور غرور میں اس کا مدمقابل کوئی نہ تھا۔ اس کے پاس ایک بڑا کتب خانہ تھا جس میں ایک لاکھ سے زیادہ کتابیں تھیں اس تکبر اور غرور سے عوام اس سے ناراض تھے۔ کیونکہ ابن عباس خالص عربی النسل تھا۔ اس لئے یہود اور بربر دونوں سے نفرت کرتا تھا۔ اور اس کو یہ پسند نہ تھا کہ اس کا آقا زہیر غرناطہ کے بربروں سے دوستی کرے۔ چنانچہ اس نے غرناطہ کے خلاف حاکم قرمونہ ابن عبداللہ برزالی کو مدد پہونچائی جس کے سبب غرناطہ اور المریہ میں اختلافات بڑھ گئے۔ بادیس نے ایک بار پھر اپنے پڑوسی زہیر سے از سر نو تعلقات بحال کر کے اتحاد کرنا چاہا۔ اور زہیر کو اپنے یہاں آنے کی دعوت دی۔" زہیر اپنی خود نمائی کے نشہ میں اس قدر سرشار تھا کہ تمام دور اندیشی و احتیاط کو بالائے طاق رکھ کر اپنی کثرت پر اعتماد کر کے غرناطہ کی طرف روانہ ہوا۔ یہاں تک بد احتیاطی کی کہ غرناطہ کی سرحد عبور کرنے تک کی اجازت بادیس سے نہ لی۔ گو بادیس کو اس کی اس حرکت سے شک ضرور ہوا لیکن پھر بھی اس نے اس کا شاندار استقبال کیا اور بڑے اہتمام سے مہمانداری کی۔ اس کے برخلاف زہیر نے اپنے وزیر ابن عباس کے اشارے پر بادیس سے مغرورانہ برتاؤ کیا۔ اور ایسی حرکات کیں جن کو بادیس تو برداشت کر گیا لیکن غیور بربر سرداروں نے اس کو توہین خیال کیا۔ ۴۳۰ھ ۱۰۳۸ء میں جب زہیر واپس اپنے علاقہ کی طرف جا رہا تھا۔ تو البونت کا پل توڑ کر اس کو بادیس کی فوجوں نے گھیر لیا۔ سخت معرکہ ہوا جس میں زہیر قتل ہوا۔ اور ابن عباس گرفتار کر کے غرناطہ میں قید ہوا اور کچھ عرصہ بعد قتل کر دیا گیا۔[3]

اشبیلیہ کے حاکم قاضی ابوالقاسم محمد نے غرناطہ کی قوت کو کمزور کرنے کے لئے وہاں بغاوت پھیلانے کی سازش کی۔ غرناطہ کے عوام بادیس کے شروع دور میں اس سے اچھی امیدیں وابستہ کئے ہوئے تھے لیکن وہ ظالم جیلہ ساز۔ دشمنوں کے خون کا پیاسا اور زبردست شرابی نکلا چنانچہ عوام اس سے سخت نالاں اور ناراض ہو گئے اسی دوران زہیر اور ابن عباس کے قتل کا واقعہ پیش آیا جس نے غرناطہ کی عرب رعایا کو اور بھڑکا دیا اور انہوں نے

---

[1] الاحاطہ جلد ۱ تذکرہ "بادیس" [2] Spanish Islam ص ۶۲۸

[3] اس واقعہ کی تصدیق کے لئے دیکھئے عبرت نامہ اندلس جلد ۳ ص ۹۸۳ تا ۹۹۱

بادیس کے خلاف بغاوت کا ارادہ کرلیا۔ بغاوت کا سرغنہ ایک شخص ابوالفتوح نامی تھا وہ ایران کے شہر جرجان کا رہنے والا تھا اور ۴۰۶ھ/۱۰۱۵ء میں سپین آیا تھا۔ اس نے بغداد میں مشہور استاذہ سے ادب و حکمت اور ریاضیات کی تعلیم حاصل کی تھی۔ وہ ایک عالم ہی نہ تھا بلکہ بہادر جری اور ماہر سپاہی بھی تھا۔ اس نے دانیہ اور سرقسطہ کے درباروں میں کافی وقت گذارا تھا۔ بالآخر غرناطہ میں آباد ہو گیا تھا۔ یہاں پر عربوں کی قدیم شاعری بالخصوص حماسہ کی تعلیم دیتا تھا۔ اس کو یہ معلوم ہو گیا۔ کہ غرناطہ کے لوگ بادیس کے سخت مخالف ہو رہے ہیں تو اس نے بادیس کے ایک عم زاد یعذیر کو تخت کی پیشکش کر کے بہکایا اور بغاوت پر آمادہ کر لیا لیکن سازش وقت سے پہلے طشت از بام ہو گئی اور ابوالفتوح یعذیر اور دیگر سازشی اپنی جان بچا کر اشبیلیہ بھاگ گئے۔ لیکن جب قرمونہ کے معرکے میں اشبیلیہ کی فوج کو شکست ہوئی۔ اور اسماعیل مارا گیا تو گرفتار ہونے والوں میں ابوالفتوح بھی شامل تھا چنانچہ غرناطہ لایا گیا اور کچھ دن کے بعد ۴۳۱ھ/۱۰۳۹ء میں قتل کر دیا گیا۔

بادیس نے ہمیشہ بنو حمود کی خلافت کی سیادت کو تسلیم کیا لیکن جب بنو حمود کو زوال ہو گیا اور بادیس کو اپنے داخلی اور خارجی معاملات سے بڑی حد تک اطمینان ہو گیا تو اس نے مالقہ کو بنو حمود سے چھین کر اپنی حکومت میں شامل کرنے کا ارادہ کر لیا۔ بربروں نے کیونکہ بادیس کو متفقہ اپنا سردار تسلیم کر لیا تھا۔ اس لئے مالقہ کے بربروں نے اس کی مخالفت نہ کی اور عربوں کے مقابلہ میں اس کا ساتھ دیا۔ جس کے نتیجہ میں بادیس نے ۴۵۸ھ/۱۰۵۸ء میں مالقہ پر قبضہ کر کے بنو حمود کو افریقہ کی طرف نکال دیا۔

اس زمانہ میں اشبیلیہ کے بنو عباد کا ستارہ عروج پر تھا اور المعتضد عبادی اپنی سلطنت کی حدود کی وسعت میں رات دن کوشاں تھا۔ اس نے بربروں کی ریاستوں رندہ، شریش اور ارکش پر قبضہ بھی کر لیا تھا۔ اول بربروں کے بہت سے سردار قتل بھی کر دیئے تھے اب بربر سرداروں میں صرف بادیس شاہ غرناطہ اس کا آخری طاقت ور حریف باقی تھا۔ بادیس نے جب بربر ریاستوں پر المعتضد کے قبضے کی اور بربروں کے قتل عام کی خبر سنی تو وہ خاصہ پریشان ہوا اور اس نے اپنے ملک کے عربوں کی غداری سے مزید بچنے کے لئے یہ طے کر لیا کہ وہ غرناطہ کے تمام عرب سرداروں کو قتل کرا دے گا لیکن اس کا یہودی وزیر سموئیل ابھی زندہ تھا اس نے بادیس کو ایسا غلط اقدام کرنے سے باز رکھنا چاہا لیکن جب بادیس نہ مانا تو سموئیل نے حالات کی اطلاع تمام عرب سرداروں کو دیدی جس سے عربوں نے اپنی جانیں بچا لیں۔ بادیس نے اشبیلیہ پر حملہ کیا لیکن بے مقصد کشت و خون کے بعد ناکام واپس آ گیا۔ اس کے بعد مالقہ کے عربوں نے اشبیلیہ کے ساتھ سازش کر کے بادیس کے خلاف بغاوت کر دی۔ المعتضد کا لڑکا معتمد فوج لیکر

باغیوں کی مدد کو پہنچا لیکن بادیس نے اس کو شکست دیکر مالقہ کی بغاوت کو کچل دیا اور اس علاقہ پر اپنے اقتدار کو مزید مستحکم کر دیا۔

سموئیل وزیر کے مرنے کے بعد بادیس نے اس کے لڑکے یوسف کو اپنا حاجب بنا لیا گو یوسف بھی باپ کی طرح ایک لائق اور عالم شخص تھا لیکن باپ کی طرح اوصاف نہ رکھتا تھا۔ بادیس کی کثرت بادہ نوشی کی وجہ سے یوسف کل اختیارات کا مالک بن بیٹھا اس نے اپنے جاسوس ہر جگہ چھوڑ دیئے تھے جو پل پل بھر کی خبریں اس کو پہنچاتے رہتے تھے کہا جاتا ہے کہ اس نے یہودی حکومت قائم کرنے کے لئے بادیس کے جانشیں بلکین کو زہر دلوا کر مروا ڈالا تھا[1]۔ اس نے دین موسوی کی علانیہ مخالفت کی اور اسلام کی نسبت بھی گستاخانہ کلمات کہے تھے[2]۔ اس نے قرآن پاک کی بہت سی آیات کو تحریف کر کے اپنے مطالب کا بنا لیا تھا۔ چنانچہ عرب اور بربر اس کے سخت دشمن ہو گئے۔ ایک عالم و فقیہہ ابو اسحٰق البیری نے اس کے خلاف لوگوں کو بہت بھڑکایا چنانچہ عوام اس کے محل پر چڑھ دوڑے اور نہ صرف یہ کہ اس کو قتل کر دیا بلکہ اس کے ساتھ تقریباً تین ہزار یہودی بھی مارے گئے۔

بادیس کے دور میں شہر غرناطہ کو بڑی ترقی اور خوشحالی میسر آئی اس نے عوام کی فلاح و بہبود کے بہت سے کام کئے دریائے دورو پر ایک پل بنایا چاروں طرف علم و ادب کا چرچا ہوا خصوصیت سے سموئیل یہودی کی بدولت غرناطہ اہل علم و فضل کا مرکز بن گیا بہت سے مدارس قائم کئے گئے اور ان کے لئے بڑے بڑے اوقاف مقرر کئے گئے۔ بہت سے خوبصورت محلات اور قصور تعمیر کئے گئے۔ الغرض عوام خوشحال تھے صنعت و حرفت ترقی پر تھی۔ تجارت کے لئے تمام آسانیاں موجود تھیں۔ بادیس کے برے اوصاف اور بداعمالیوں کے باوجود غرناطہ میں امن و امان تھا۔ البتہ دشمن اور باغی اسکی شدت غضب کا ضرور نشانہ بنے۔

تمیم اور عبداللہ بادیس کے مرنے کے بعد مالقہ اور غرناطہ کی حکومت بالترتیب اس کے دو پوتوں تمیم اور عبداللہ کے درمیان منقسم ہو گئی۔ یہ وہ زمانہ تھا جبکہ عیسائی مسلمانوں کی آپس کی خانہ جنگی سے فائدہ اٹھا کر اور مسلمان حکمرانوں کو ایک دوسرے سے لڑا کر شہر بہ شہر فتح کرتے جا رہے تھے جب مسلمانوں کی حالت زیادہ خراب ہو گئی اور انہوں نے یہ سمجھ لیا کہ عیسائی یلغار سے وہ اپنے آپ کو زیادہ عرصہ محفوظ نہیں رکھ سکتے۔ تو سب نے مل کر شمالی افریقہ کے مرابطی بادشاہ یوسف بن تاشفین کو سپین آنے کی دعوت دی۔ یوسف جب اسپین آیا تو عبداللہ صاحب غرناطہ اور تمیم صاحب مالقہ بھی اپنی فوجیں لے کر اس کے ساتھ مل گئے تھے۔ ۱۰۸۶ء میں جنگ زلاقہ ہوئی جس میں یوسف نے عیسائیوں کی متحدہ قوت کو بری طرح شکست دی۔ گو

---

[1] الاحاطہ فی اخبار غرناطہ جلد ۱ تذکرہ "بلکین"

[2] Spanish Islam ص ۶۵۱

غرناطہ کے حاکم عبداللہ نے اس میں شرکت کی تھی لیکن کیونکہ غرناطہ کے عوام بادیس کے ظلم وستم اور یوسف یہودی کی خلاف اسلام حرکات نے بادیس کے خاندان ہی کا دشمن بنا دیا تھا۔ اس لئے انہوں نے اپنا نمائندہ قاضی ابوجعفر قلیعی کو بنا کر یوسف بن تاشفین کے پاس بھیجا۔ اور خواہش کی وہ غرناطہ پر قبضہ کرے عبداللہ کو جب اس بات کا پتہ چلا تو اس نے قاضی ابوجعفر کو قید کر دیا اور قریب تھا کہ وہ ان کو قتل کر دیتا لیکن عبداللہ کی ماں نے مداخلت کر کے قاضی کو رہا کرا دیا۔ قاضی ابوجعفر نے رہا ہوتے ہی عبداللہ کے خلاف ایک فتنہ کھڑا کر دیا۔ یہاں تک کہ ڈوزی کے کہنے کے مطابق ان ہی کے اشارے اور اصرار پر یوسف بن تاشفین نے غرناطہ پر فوج کشی کی تھی۔[۵] عبداللہ تمام ملوک الطوائف میں سب سے زیادہ نالائق اور کمزور تھا۔ اس کے اندر اپنے باپ دادا جیسی صلاحیتوں کا فقدان تھا۔ کسی قدر تعلیم یافتہ تھا۔ اکثر عربی اشعار کہہ لیتا اعلیٰ درجہ کا خوشنویس تھا اس کے ہاتھ کا لکھا ہوا قرآن پاک ایک عرصہ تک غرناطہ میں محفوظ رہا لیکن اس کے اندر حوصلہ اور ہمت نہ تھی آرام طلب کاہل الوجود تھا مردانگی اور بہادری صرف اسی قدر تھی کہ تلوار کو دیکھ کر خوف کھا جاتا تھا مزاج میں شک و شبہ اور غیر مستقل مزاجی بہت تھی لیکن اس پر بھی امیر یوسف بن تاشفین سے مقابلہ کرنے پر آمادہ ہو گیا چنانچہ شاہ لیون اور قشتالیہ سے امداد مانگی۔ لیکن ناکامی ہوئی۔ بالآخر مجبور ہو کر ۴۸۴ھ/۱۰۹۱ء میں غرناطہ کو یوسف کے حوالے کیا اور خود قید ہو گیا۔ یوسف نے آگے بڑھ کر مالقہ پر بھی قبضہ کر لیا اور پھر عبداللہ اور تمیم دونوں کو مراکش لیجا کر اغمات میں قید کر دیا۔ اور اسی کے ساتھ بنو زیری کی حکومت کا خاتمہ ہو گیا۔

حکمران بطلیوس بنو افطس

طوائف الملوکی کے دور میں ایک بربر سردار ابو محمد عبداللہ بن مسلمہ تجیبی المعروف بہ ابن افطس نے صوبہ بطلیوس پر قبضہ کر کے اپنی آزادی کا اعلان کر دیا۔ تاریخ سے اس بات کا صحیح پتہ نہیں چل سکا۔ کہ ابو محمد عبداللہ نے کس سال میں اس علاقہ پر قبضہ کر کے اپنی آزادی کا اعلان کیا تھا۔ البتہ یہ پتہ چلتا ہے کہ جب قاضی ابوالقاسم محمد نے اشبیلیہ کی سرحدیں وسیع کرنے کا ارادہ کیا اور باجہ پر فوج کشی کی تو ابو محمد عبداللہ نے اس کی مزاحمت کی تھی اور اپنے لڑکے محمد افطسی کو اس کے مقابلہ پر بھیجا تھا جس میں محمد نے شکست کھائی تھی اور وہ اشبیلیہ والوں کے ہاتھوں گرفتار ہو گیا تھا۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس واقعہ سے چند سال قبل ہی ابن افطس نے اپنی حکومت قائم کی تھی اور وہ اس وقت اتنا طاقتور نہ تھا کہ اشبیلیہ والوں کا مقابلہ کر سکتا۔ بالآخر ۴۲۱ھ/۱۰۳۰ء میں قاضی ابوالقاسم نے محمد افطسی کو رہا کر دیا۔ ۴۲۶ھ/۱۰۳۴ء میں ابو محمد عبداللہ افطسی اس قابل ہو گیا تھا کہ اپنی شکست کا بدلا اہل اشبیلیہ سے لے سکے۔

اس مقابلہ میں قاضی ابوالقاسم کا لڑکا اسماعیل بڑی مشکل سے اپنی جان بچا کر بھاگا۔ اس کے بعد اشبیلیہ اور بطلیوس کے درمیان بہت سی لڑائیاں ہوئیں جن کی تفصیل دریافت نہ ہو سکی۔ البتہ ابو محمد عبداللہ کی حیات میں بطلیوس پر کسی نے قبضہ کرنے کی کوشش نہ کی۔ ابو محمد عبداللہ کے مرنے کے بعد اس کا لڑکا محمد المظفر اس کی جگہ تخت بطلیوس پر آیا۔ اس کی حکومت نہایت استحکام اور استقلال کے ساتھ قائم ہوئی۔ اور اکابر ملوک الطوائف میں اس کا شمار ہوتا تھا۔ مظفر نے شاہ اشبیلیہ معتضد کے خلاف کئی لڑائیاں لڑیں اور اس کو زک دی۔ ابن یحییٰ حاکم لبلہ کو بھی معتضد کے خلاف مدد دی۔ اس نے معتضد کے خلاف بربروں کا اتحاد بھی قائم کیا تھا جس میں غرناطہ، مالقہ، اور جزیرہ خضراء کے بربر شامل تھے۔ بالآخر مظفر کو معتضد کے ہاتھوں سخت ہزیمت کا سامنا کرنا پڑا جس کے بعد بطلیوس پر بڑی تباہی آئی یہانتک کہ اسکے اتحادیوں نے بھی اسکا ساتھ چھوڑ دیا لیکن مظفر ایک اولوالعزم اور مستقل مزاج حکمراں تھا۔ ایسی بری حالت میں بھی اس نے اپنی خودداری کو ہاتھ سے جانے نہ دیا اور کسی کے آگے گردن نہ جھکائی بلکہ حالات کے برخلاف یہی ثابت کیا کہ وہ بدستور سابق ایک طاقتور شخصیت ہے۔ قرطبہ کے ابن جہور نے بڑی جد وجہد کے بعد ۴۴۳ھ/۱۰۵۱ء میں مظفر اور معتضد کے درمیان صلح کرا دی۔ ۴۴۹ھ/۱۰۵۷ء میں فرڈیننڈ شاہ قشتالیہ نے بطلیوس پر حملہ کیا اور مظفر کے بہت سے علاقے چھین لئے۔ تو مظفر نے مجبور ہو کر اس سے سالانہ خراج کی ادائیگی پر صلح کر لی۔ ۴۶۰ھ/۱۰۶۹ء میں محمد المظفر نے وفات پائی۔ اس کے بعد اس کا لڑکا ابو حفص عمر بن محمد المتوکل تخت بطلیوس پر بیٹھا اس نے دیگر بادشاہان اسپین کی طرح یوسف بن تاشفین کو اسپین میں لانے کی سخت جد وجہد کی تھی۔ اور اپنے قاضی ابو اسحاق بن مسکان کو دیگر افراد کے ساتھ یوسف کے پاس بھیجا تھا یوسف نے اسپین میں وارد ہو کر سب سے پہلے اسی ریاست بطلیوس پر قبضہ کیا تھا کیونکہ اس کے قریب زلاقہ کا میدان واقع تھا جہاں پر یوسف کو عیسائیوں سے نبرد آزما ہونا تھا یوسف کے اسپین سے جانے اور عیسائیوں کی طاقت کے کمزور ہونے کے بعد عمر متوکل نے دوبارہ بطلیوس پر قبضہ کر لیا لیکن یوسف کے سپہ سالار اور اسپین میں نائب سر بن ابوبکر نے بطلیوس پر حملہ کر کے متوکل کو شکست دیکر اس کو اور اس کے لڑکوں کو قتل کر دیا۔ اور اس طرح ۴۸۸ھ/۱۰۹۵ء میں ریاست بطلیوس کا خاتمہ ہو گیا۔

سرقسطہ کے بنو ہود

۴۰۰ھ/۱۰۱۰ء تا ۵۰۸ھ/۱۱۱۸ء

فتح اسپین کے بہادر اور جنگجو قبائل بربر کو ایسے سرحدی علاقوں میں خصوصیت سے آباد کیا گیا تھا جو شمالی عیسائی

⚠ ابن خلدون ج ۵ ص ۳۶۱ (اردو)

ریاستوں کے قریب تھے اس بنا پر ان کو بڑی بڑی جاگیریں بھی دی گئی تھیں تاکہ وہ اطمینان و سکون سے ان علاقوں میں آباد ہو سکیں اور عیسائیوں کی اچانک یلغار کو روکنے میں مدد دیں۔ انہی قبائل میں ایک قبیلہ بنی تجیب کا تھا جس کو عبدالرحمٰن الناصر کے عہد میں علاقہ ثغور کی گورنری وراثتاً دیدی گئی تھی۔ اس خاندان نے امیر محمد بن عبدالرحمٰن دوم کے زمانہ میں علاقہ ثغور میں بنو قسی کی بغاوت کو کچلنے میں بڑی خدمات ادا کی تھیں۔ اس کے بعد چالیس برس سے اس خاندان میں اس سرحدی علاقے کی گورنری نسلاً بعد نسلاً چلی آتی تھی۔ ڈوزی نے لکھا ہے کہ "عرب کے شریف اور نجیب خاندانوں میں صرف ایک یہی خاندان ایسا تھا جس کو خلیفہ الناصر نے حکومت کے اعلیٰ مدارج پر برقرار رکھا تھا" جس سے یہ معلوم ہوا کہ یہ عربی خاندان تھا خلیفہ الناصر کے دور میں اس خاندان کا سربراہ محمد بن ہاشم بن عبدالرحمٰن تجیبی تھا اس نے ۳۲۱ھ/۹۳۴ء میں خلیفہ الناصر کے خلاف بغاوت کی تھی! اور لیون اور نبرہ کی عیسائی ریاستوں سے تعلقات قائم کر کے اپنی آزادی کا اعلان بھی کر دیا تھا لیکن جب الناصر نے اس پر فوج کشی کی تو اس نے خلیفہ سے معافی مانگ لی اور اطاعت قبول کر لی۔ ڈوزی ہی کا بیان ہے کہ "کیونکہ ابن ہاشم سلطنت قرطبہ میں بڑا صاحب اقتدار اور صاحب اثر تھا بلکہ خلیفہ الناصر کے بعد اسی کی قدر و منزلت زیادہ تھی۔ اس لئے الناصر نے اس کا قصور معاف کر کے اس کو پھر اسی عہدے پر بحال کر دیا"۔ محمد بن ہاشم کے بعد سرقسطہ کی گورنری اس کے خاندان میں چلتی رہی یہاں تک کہ منذر بن مطرف بن یحییٰ کا دور گورنری آیا۔

منذر بن مطرف

جب بنو امیہ پر زوال کے آثار شروع ہوئے اور مہدی بن عبدالجبار کی بیعت ہوئی جسکے ساتھ ہی بنو عامر کا خاتمہ ہو گیا۔ تو منذر نے بھی حالات سے فائدہ اٹھا کر سرقسطہ میں اپنی آزادی کا اعلان کر دیا۔ اور اپنے لئے المنصور کا لقب اختیار کیا۔ اس نے علی بن حمود کے خلاف اور عبدالرحمٰن المرتضیٰ کی حمایت میں عیسائی حاکم برشلونہ کو اپنے ساتھ ملا کر قرطبہ پر فوج کشی بھی کی تھی لیکن بعد میں جب عبدالرحمٰن المرتضیٰ کو اپنے مطلب کا نہ پایا تو اس سے غداری کی اور غرناطہ کے زاوی بن زیری سے ایک خفیہ معاہدہ کر کے عین میدان جنگ میں اپنے سپہ سالار سلیمان بن ہود کو اپنے ساتھ لیکر میدان جنگ سے فرار ہو گیا۔ المرتضیٰ اس لڑائی میں مارا گیا تھا۔ منذر نے ۴۱۳ھ/۱۰۲۳ء میں وفات پائی۔ اس نے امن و سکون اور کامیابی سے اس علاقہ پر حکمرانی کی اور اپنے ہمسایہ عیسائی حاکم برشلونہ اور قشتالیہ سے دوستی کے معاہدہ بھی کئے۔

سلیمان بن ہود

منذر کے مرنے کے بعد اس کا لڑکا یحییٰ اور اس کے بعد اس کا لڑکا منذر دوم سرقسطہ کے تخت پر آئے۔ لیکن دونوں نااہل اور ناکارہ

---

1 Spanish Islam ۴۲۵ 2 ایضاً ۴۲۶ 3 ابن خلدون نے اسے منذر بن مطرف لکھا ہے۔ لیکن ڈوزی نے اسکو منذر بن یحییٰ لکھا ہے۔

تھے یحییٰ نے ۴۲۰ھ/۱۰۲۹ء میں وفات پائی اور منذر دوم ۴۳۹ھ/۱۰۴۷ء میں آبس کی خانہ جنگی میں مارا گیا جس کے بعد سلیمان بن محمد بن ہود نے حکومت سرقسطہ پر قبضہ کر لیا اور اپنا لقب المستعین اختیار کیا۔ ابوایوب سلیمان منذر بن مطرف کے زمانہ میں سرقسطہ کی فوج کا سپہ سالار رہ چکا تھا چنانچہ فوج اس کی طرفدار تھی۔ اسی سلیمان بن ہود نے جس کا سلسلہ نسب ابن خلدون کے بقول سالم مولیٰ حضرت ابوحذیفہ تک پہنچتا ہے۔ خاندان بنی ہود کی سرقسطہ میں بنیاد ڈالی۔

ابوایوب سلیمان نے تخت پر قابض ہوتے ہی اپنے لڑکوں کو مختلف علاقوں کا گورنر مقرر کیا۔ اس خاندان کی بابت تاریخ سے بہت کم معلومات بہم پہنچتی ہیں اور جو کچھ ملتی بھی ہیں تو وہ اس قدر پیچیدہ اور الجھی ہوئی ہیں کہ ان سے اس خاندان کے حکمرانوں کے عہد پر صحیح روشنی نہیں پڑ سکتی ۴۳۶ھ/۱۰۴۴ء میں سلیمان کے بعد اسکا لڑکا احمد یعقوب المقتدر باللہ تخت سرقسطہ پر آیا۔ اس نے تقریباً ۳۰ برس حکومت کی۔ اس کے زمانہ میں نارمن فاتحوں نے لاردہ اور سرقسطہ کے درمیان ایک مضبوط قلعہ بنتر پر قبضہ کر کے مسلمانوں کو زبردست جانی اور مالی نقصان پہنچایا لیکن احمد المقتدر نے اشبیلیہ کی مدد لے کر نہ صرف قلعہ بنتر پر دوبارہ قبضہ کر لیا بلکہ ارسن فتاقیں کی بھی اچھی طرح گوشمالی کی۔ اشبیلیہ کے مشہور وزیر ابن عمار کا تذکرہ آگے آئے گا کہ وہ کس طرح سرقسطہ پہنچا تھا۔ احمد المقتدر زبردست مدبر اور دانش مند حکمران تھا اور اس کا دور حکومت امن و سلامتی والا تھا۔ اس نے سرقسطہ میں بہت سی تعمیرات بھی کیں اور علم و ادب کو بھی ترقی دی۔ اس نے ۴۷۴ھ/۱۰۸۲ء میں وفات پائی۔ ابن خلدون نے لکھا ہے کہ احمد المقتدر نے یوسف بن تاشفین کو اپنے علاقے سے دور رکھنے کے لئے فرانس اور بشکنس سے امداد طلب کی تھی ..... یوسف نے مقتدر کا محاصرہ کر لیا۔ یہ واقعہ ۴۷۳ھ کا ہے۔[1] ابن خلدون کے علاوہ کسی تاریخ میں اس واقعہ کا اس سال ہجری میں وقوع پذیر ہونا نہیں پایا جاتا۔ تمام تاریخوں سے پتہ چلتا ہے کہ یوسف بن تاشفین نے ریاست سرقسطہ پر کوئی حملہ نہیں کیا تھا بلکہ اس کے نائب اور سپہ سالار سر ابن ابوبکر نے اس پر حملہ کیا تھا۔[2] احمد المقتدر کے پوتے احمد المستعین کا دور حکومت تھا۔ جو اپنے باپ یوسف مؤتمن کے بعد تخت پر بیٹھا تھا۔ یوسف مؤتمن ۴۷۴ھ/۱۰۸۲ء میں سرقسطہ کا بادشاہ ہوا تھا۔ اسی کے زمانہ میں ابن عمار وزیر اشبیلیہ نے بہت سی کارگذاریاں کی تھیں جس کی وجہ سے مؤتمن اس سے بہت خوش تھا۔ ابن عمار ایک مہم میں دھوکہ سے گرفتار کر کے حکومت اشبیلیہ کے حوالے کر دیا گیا تھا۔ ۴ سال حکومت کر کے یوسف مؤتمن نے انتقال کیا۔ احمد المستعین اس کے بعد تخت سرقسطہ پر آیا۔ احمد ہی کے زمانہ میں عیسائی بادشاہ الفانسو فتح ایبین کے زعم میں جہاں دیگر مسلم علاقوں پر قبضہ کر رہا تھا۔ وہاں اس نے سرقسطہ کو بھی فتح کرنے کے لئے اس کا محاصرہ کر لیا جس وقت یوسف بن تاشفین ایبین میں داخل ہوا اس وقت الفانسو سرقسطہ کا محاصرہ کئے ہوئے تھا۔ المستعین کو بھی یوسف کے آنے کی خبر لگ چکی تھی چنانچہ اس نے اپنی گرتی ہوئی حالت

[1] ابن خلدون ج ۵ ص ۳۶۵ (اردو ترجمہ) [2] تفصیل کے لئے دیکھئے عبرت اندلس اور نفح الطیب

کو سنبھال کر الفانسو کا سختی سے مقابلہ کیا اور اس کو محاصرہ اٹھانے پر مجبور کر دیا۔ احمد المستعین کے تعلقات یوسف ابن تاشفین سے عمدہ رہے اور اس کی حکومت یوسف کے حملے سے محفوظ رہی بلکہ ڈوزی کا بیان ہے کہ "یوسف بن تاشفین نے احمد سے یہ وعدہ کر لیا تھا کہ اس کی حکومت پر قبضہ نہ کیا جائے گا اور اپنے بیٹے علی کو بھی وصیت کی تھی کہ بنو ہود سے صلح رکھے"۔[1] احمد المستعین کے زمانہ میں بقول ابن خلدون "واقعہ وشقہ پیش آیا تھا۔ وشقہ کو عیسائیوں سے بچانے کے لئے المستعین نے ۴۸۹ھ ۱۰۹۷ء میں ایک بے شمار فوج لے کر وشقہ پر چڑھائی کی۔ تقریباً دس ہزار مسلمان اس معرکہ میں کام آئے۔ اور المستعین کو ناکامی کے ساتھ پسپا ہونا پڑا تھا..... ۵۰۳ھ ۱۱۱۰ء میں جب عیسائی لشکر نے سرقسطہ پر فوج کشی کی تو المستعین سرقسطہ کے باہر ان سے مقابلہ کرتے ہوئے جام شہادت نوش کر کے راہی ملک عدم ہوا"۔[2]

لیکن ڈوزی نے اس کے شہید ہونے کا واقعہ نہیں لکھا ہے بلکہ اسی سال مذکورہ میں اس کی وفات کا ہونا تحریر کیا ہے اور کسی جنگ کا تذکرہ بھی نہیں کیا ہے۔[3]

احمد المستعین کی شہادت کے بعد سرقسطہ کے باشندوں نے اس کے لڑکے عبدالملک عماد الدولہ کی اطاعت اس شرط پر کرنے کا وعدہ کیا کہ وہ سرقسطہ کی فوج سے تمام عیسائی سپاہ کو الگ کر دے کیونکہ سرقسطہ کی فوج میں عیسائی کثرت سے تھے اور تقریباً سو برس سے اسی خدمت پر مامور تھے جن کو برطرف کر دینے کے معنی یہ تھے کہ ایک طرف تو سرقسطہ کی فوجی قوت کمزور ہو جاتی اور دوسری طرف عماد الدولہ کا اقتدار خطرے میں پڑ جاتا۔ لیکن عماد الدولہ نے پھر بھی اپنی رعایا کے جذبات کا خیال کرتے ہوئے عیسائیوں کو اپنی فوج سے نکال دیا۔ اس کے باوجود کہ شرط پوری کی جا چکی تھی پھر بھی سرقسطہ کے عوام نے علی بن یوسف بن تاشفین کو سرقسطہ پر قبضہ کرنے کی دعوت دی۔ عماد الدولہ کو جب رعایا کی اس ناشائستہ حرکات کا پتہ چلا تو اس نے دوبارہ عیسائیوں کو اپنی فوج میں داخل کر لیا۔ جس سے اہل سرقسطہ کو اس پر مزید غصہ آیا۔ اور انہوں نے علی بن یوسف سے امداد طلب کی۔ علی نے حاکم بلنسیہ کو سرقسطہ پر قبضہ کرنے کا حکم دیدیا۔ عماد الدولہ سرقسطہ چھوڑ کر روطہ میں قلعہ بند ہو گیا اور وہاں سے علی بن یوسف کو اس کے باپ کی وہ وصیت یاد دلائی جو اس نے سرقسطہ کے متعلق کی تھی۔ علی بن یوسف نے سرقسطہ پر حملہ روکنے کا حکم دیا لیکن حکم پہونچنے سے پہلے ہی سرقسطہ فتح ہو چکا تھا۔ اس کے بعد چند سال تک علی کا بہنوئی ابوبکر بن ابراہیم اس علاقہ پر حاکم رہا یہاں تک کہ ۵۱۳ھ ۱۱۱۹ء میں عیسائیوں نے رومیرو کی ماتحتی میں حملہ کر کے سرقسطہ پر قبضہ کر لیا۔ اور پھر کبھی بھی یہ مسلمانوں کو واپس نہ مل سکا۔

بنو ہود کے زمانہ حکومت میں سرقسطہ علم و ادب کا گہوارہ تھا۔ بنو ہود علم کے بڑے مربی اور سرپرست

---

[1] Spanish Islam ص۲۱۷ [2] ابن خلدون ج ۵ ص ۳۶۷ (اردو ترجمہ) [3] Spanish Islam ص۲۱۷

تھے المقتدر اور مؤتمن بڑے عالم اور ریاضی و ہندسہ کے زبردست ماہر تھے۔ اور اس پر انہوں نے کئی کتابیں بھی تصنیف کی تھیں۔ دور دراز سے علماء و فضلاء کو جمع کیا تھا اور ان کو نوازا تھا تعمیرات کے سلسلہ میں بھی بنو ہود ملوک الطوائف میں کسی سے کم نہ تھے۔ احمد المقتدر نے دو عظیم الشان محل تیار کرائے تھے جو فن اور خوبصورتی میں اپنی مثال آپ تھے۔ ایک کا نام دار السرور اور دوسرے کا نام الجعفریہ تھا جن کے آثار آج تک پائے جاتے ہیں۔ کئی خوبصورت مساجد اور عوامی درسگاہیں بھی تعمیر کیں ان کی تعمیرات میں عیسائی فن تعمیر کی جھلکیاں صاف نظر آتی ہیں یہاں تک کہ مسجد کے مینارے کسی گرجا کے کلس سے مشابہت رکھتے ہیں جس سے اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ ان کی ثقافت پر عیسائیوں نے اثرات نمایاں تھے صنعت و حرفت کے کسی خاص میدان میں سرقسطہ کو شہرت حاصل نہ تھی لیکن ضروریات کی تمام صنعتیں ہر جگہ تھی تجارت اندرونی طور پر خاصی ہوتی تھی لیکن راستوں کے پرخطر ہونے کی وجہ سے خارجی تجارت بہت کم تھی سرقسطہ کے تعلقات کیونکہ اپنے ہمسایہ عیسائی ریاستوں سے اچھے تھے اس لئے ان علاقوں سے تجارتی لین دین بھی زیادہ ہوتا تھا۔ احمد المقتدر کے زمانہ میں فرانس لیون و قشتالیہ اور نشکنس سے سفارتی تعلقات کے قائم ہونے کا بھی پتہ چلتا ہے۔

طلیطلہ کے بنی ذوالنون

۴۲۷ھ / ۱۰۳۵ء تا ۴۷۸ھ / ۱۰۸۵ء

بنی ذوالنون قبائل بربر کی ایک شاخ بنو ہوارہ سے تعلق رکھتے تھے۔ اس خاندان نے تقریباً پچاس برس آزادانہ طلیطلہ پر حکومت کی یہاں تک کہ یہ عیسائیوں کا اس پر قبضہ ہو گیا۔ اس خاندان کا مورث اعلیٰ ذوالنون فتح اسپین کے موقع پر عربوں کے ساتھ آئین میں وارد ہوا تھا۔ یہ قبیلہ سخت فتنہ پرور اور جنگجو تھا۔ اور نہ خود چین سے رہتا اور نہ دوسروں کو رہنے دیتا تھا امیر عبداللہ کے زمانہ میں اس قبیلہ کی شرارتیں بے انتہا بڑھ گئی تھیں اور ان کا سردار موسیٰ تھا جو بڑا مفسد اور لٹیرا تھا اور عوام الناس کو پریشان کرتا رہتا تھا۔ جسمانی طاقت اور ظلم و ستم میں اس کے تین لڑکے مسمی یحییٰ، فتح اور مطرف اپنے باپ سے کسی طرح کم نہ تھے۔ ان تینوں نے لٹیروں اور قزاقوں کے گروہ اپنے پاس اکٹھے کر رکھے تھے جو دور دور تک ڈاکے ڈالتے۔ اور قتل عام کرتے پھرتے تھے۔ ان سب کا مستقر شنت بریہ تھا جو طلیطلہ کے شمال مشرق میں وادی آنہ کے کنارے واقع تھا حاجب المنصور نے ان کی حربی

صلاحیتوں کا اندازہ کر کے اور ان کی شرارتوں سے نجات پانے کے لئے اس قبیلہ کے بیشتر افراد کو فوج میں شامل کر کے ان کے ذریعہ سے بہت سی فتوحات حاصل کیں۔ ابن خلدون نے لکھا ہے کہ "زمانہ فتنہ میں اسماعیل بن عبدالرحمٰن بن عامر بن مطرف بن ذوالنون نے طلیطلہ کے قریب ایک قلعہ اقلنتین پر قبضہ کر لیا۔ طلیطلہ شروع زمانہ فتنہ سے یعیش بن محمد بن یعیش کے قبضہ میں تھا جو وہاں کا والی تھا جب یعیش نے ۴۲۸ھ/۱۰۳۶ء میں وفات پائی تو طلیطلہ کی فوج کے سرداروں نے جن میں اکثریت بربروں کی تھی اسماعیل کو قلعہ اقلنتین سے طلیطلہ پر قبضہ کرنے کے لئے بلایا اور اسماعیل نے طلیطلہ پر بلا مزاحمت قبضہ کر لیا! اسماعیل نے طلیطلہ پر قبضہ کر کے اپنی حدود حکومت مرسیہ کے علاقے تک بڑھالیں۔"[1] امام الدین صاحب نے ایک فرانسیسی مورخ کے حوالے سے ابن خلدون کے اس بیان سے کسی قدر اختلاف کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "زمانہ فتنہ میں اہل طلیطلہ نے بنی ذوالنون کو طلیطلہ پر قبضہ کرنے کی دعوت دی۔ اس وقت عبدالرحمٰن بن عامر بن مطرف بن ذوالنون شنت برید کا حاکم تھا۔ اس نے اپنے بڑے لڑکے اسماعیل کو ۴۲۷ھ/۱۰۳۵ء میں طلیطلہ بھیجا لیکن طلیطلہ کے والی یعیش بن محمد نے اپنی آزادی کا اعلان پہلے ہی کر دیا تھا۔ چنانچہ اسماعیل نے اس پر حملہ کر کے اس کی حکومت کو ختم کر دیا اور خود اس پر قابض ہو گیا۔ اس نے اپنا لقب الظافر اختیار کر کے طلیطلہ کے مشہور عالم ابوبکر الحدیدی کو اپنا وزیر بنالیا۔ اسماعیل نے ۴۳۵ھ/۱۰۴۳ء میں وفات پائی۔[2]

یحییٰ المامون بن اسماعیل

اسماعیل کے بعد اس کا قابل ترین لڑکا یحییٰ المامون کے لقب سے تخت پر بیٹھا۔ وہ اپنے خاندان کا زبردست بادشاہ گذرا ہے جس نے ۳۲ برس تک کامیابی کے ساتھ حکمرانی کی تخت پر آتے ہی حاکم سرقسطہ سلیمان بن ہود سے وادی الحجارہ کے مسئلہ پر جنگ چھڑ گئی جس میں المامون کو شکست ہوئی۔ اور وہ پسپا ہو کر طلیرہ چلا آیا۔ اور پھر اپنی حالت کا اندازہ کر کے لیون و قشتالیہ کے بادشاہ فرڈی نینڈ سے معاہدہ دوستی کر لیا۔ یحییٰ المامون نے کثرت سے عیسائی اپنی فوج میں بھرتی کئے اور آس پاس کی بڑی بڑی مسلم حکومتوں پر قبضہ کر کے اپنی حکومت کی حدود کو وسیع کرنا شروع کر دیا۔ اسی درمیان جب کہ المامون کی طاقت میں اضافہ ہو رہا تھا۔ عیسائیوں میں خانہ جنگی شروع ہو گئی چنانچہ المامون نے موقعہ سے فائدہ اٹھا کر عیسائیوں سے معاہدہ دوستی کو توڑ ڈالا۔ ۴۴۷ھ/۱۰۵۵ء میں شاہ لیون و قشتالیہ نے خانہ جنگی کو ختم کر کے اپنی طاقت کا لوہا تمام عیسائیوں سے منوالیا۔ پھر اس نے مسلمانوں کے علاقوں پر حملے کر کے ان پر قبضہ کرنا شروع کر دیا! اس نے طلیطلہ کے علاقوں پر بھی

[1] ابن خلدون ج ۵ ص ۳۶۲ (اردو ترجمہ)
[2] Political History of Muslim Spain ص ۱۴۵

چھاپے مارے اور قلعۂ النہر تک کا علاقہ فتح کر لیا۔ المامون میں اتنا دم نہ تھا کہ وہ اس سے جنگ کر سکتا۔ چنانچہ اس نے بذاتِ خود فرڈیننڈ سے ملاقات کی اور اس کو سالانہ خراج کی ادائیگی اور بہت سا زر و جواہر دیکر اپنے علاقے محفوظ کئے۔ باوجود اس کے وہ عیسائیوں کا باجگذار بن گیا تھا لیکن پھر بھی اس نے اپنی حکومت کو بڑھانے کی کوششیں جاری رکھیں وہ بلا رست تو عیسائیوں سے جنگ سے گریز کرتا رہا لیکن دریردہ ان کے خلاف دوسروں کی امداد سے کوتاہی نہ کی چنانچہ ۴۵۶ھ/۱۰۶۵ء میں جب فرڈیننڈ نے بلنسیہ پر قبضہ کرنے کی کوشش کی۔ تو المامون نے اپنے داماد شاہ بلنسیہ عبدالملک المظفر کو فوجی امداد دی۔ اسی حملے کے دوران فرڈیننڈ سخت بیمار ہو کر لیون واپس چلا گیا۔ المامون نے اس موقعہ سے فائدہ اٹھایا اور بلنسیہ پر خود قابض ہو گیا۔ اور اپنے داماد عبدالملک المظفر کو قید کر دیا اس کے بعد اس نے بطلیوس کے افطسی حکمران محمد بن عبداللہ افطسی سے کئی لڑائیاں لڑیں۔ اور اس کا بہت سا علاقہ بھی فتح کر لیا۔ المامون کی ہوس ملک گیری بہت بڑھ چکی تھی۔ اور اب اس نے قرطبہ پر قابض ہونے کا ارادہ کر لیا۔ اس نے ۴۶۳ھ/۱۰۷۰ء میں قرطبہ کا محاصرہ کر لیا قرطبہ پر اشبیلہ کے بنو عباد کی بھی نظریں تھیں۔ خود قرطبہ کے حالات بھی بدل چکے تھے اس کی جمہوری حکومت کی تمام خصوصیات ختم ہو چکی تھیں اور عبدالملک بن ولید بن جہور سابق قرطبہ سخت نالاں تھے یحییٰ المامون کے حملے کے وقت عبدالملک کے پاس اتنی طاقت نہ تھی۔ کہ وہ اس سے مقابلہ کرتا چنانچہ اس نے اشبیلہ کے حاکم معتمد عباری سے مدد مانگی معتمد نے زبردست کمک بھیجی جس نے المامون کو قرطبہ کا محاصرہ اٹھانے پر مجبور کر دیا۔ المامون کے جاتے ہی اشبیلہ کی فوجوں نے قرطبہ پر قبضہ کر لیا اور معتمد عباری کی بادشاہت کا اعلان کر دیا گیا۔ المامون دوبارہ اپنے عیسائی دوست الفانسو ششم کی مدد سے قرطبہ پر حملہ آور ہوا لیکن قرطبہ کے اشبیلی حاکم اور معتمد کے لڑکے عباد نے ان دونوں کو پسپا کر دیا۔ قرطبہ کے ایک بااثر سردار ابن عکاشہ کو ملک گیری کی خواہش ہوئی۔ اور اس نے المامون سے سازش کر کے عباد حاکم قرطبہ کو قتل کر دیا۔ اور یحییٰ المامون کی بادشاہت کا اعلان کر دیا۔ المامون خود قرطبہ آیا اور ابن عکاشہ کا شکریہ ادا کیا المامون نے اپنے عمل سے یہ ظاہر کیا کہ وہ ابن عکاشہ پر پورا بھروسہ رکھتا ہے لیکن دریردہ وہ اس سے بہت خائف تھا کیونکہ وہ یہ جانتا تھا کہ ابن عکاشہ جیسے سنگدل جرائم پیشہ سے خیر و بھلائی کی امید عبث ہے بلکہ اس کو ٹھکانے لگا دینا ہی بہتر ہوگا۔ ابن عکاشہ بھی ایک جہاندیدہ تھا اس نے چند ماہ ہی میں محسوس کر لیا تھا کہ المامون اس کے لئے ایک خطرناک آدمی ثابت ہوگا۔ اس لئے اس کو مار ڈالنے کے درپے ہو گیا۔ یہاں تک کہ المامون کو قرطبہ آئے چھ ماہ گذرے تھے کہ ۴۶۷ھ/۱۰۷۵ء میں ابن عکاشہ کو موقعہ

مل گیا اور اس نے المامون کو زہر دلوا کر مار ڈالا۔ المامون کے مرتے ہی معتمد شاہ اشبیلیہ نے قرطبہ پر قبضہ کر کے ابن عکاشہ کو قتل کرا دیا۔ معتمد نے آگے بڑھ کر طلیطلہ کے وہ تمام علاقے جو وادی الکبیر کے علاقے میں تھے اپنے قبضہ میں کر لئے۔

المامون وہ پہلا مسلمان بادشاہ تھا جس نے ہمیشہ عیسائیوں پر بھروسہ کیا اور ان کی دوستی اختیار کی۔ شاہ لیون و قشتالیہ سے معاہدہ دوستی کر کے اپنی فوج میں کثرت سے عیسائیوں کو شامل کیا وہ فرڈیننڈ کے پاس بنا آخر دوستی کیلئے گیا تھا اور الفانسو ششم اس کے پاس بحیثیت مہمان کے ٹھہرا تھا اسکا پورا دور حکومت اہل طلیطلہ کے لئے امن و سلامتی کا دور رہا۔ دربار طلیطلہ کی شان و شوکت عروج پر تھی۔ دولت کی فراوانی تھی۔ المامون خود بے انتہا خرچ کرنیوالا اور عدل و انصاف کو قائم کرنے والا تھا۔ عوام اس کو پسند کرتے تھے اور اس کو اچھے ناموں سے یاد کرتے تھے۔

یحییٰ القادر

المامون کے مرنے کے بعد اس کا پوتا یحییٰ القادر تخت پر بیٹھا۔ یحییٰ القادر ناز و نعمت کا پروردہ اور خواجہ سراؤں کا ہم نشین تھا۔ نہایت بزدل اور کمزور تھا اس کی بزدلی کا یہ حال تھا کہ آس پاس کے چھوٹے چھوٹے والیان ریاست اس کا مذاق اڑاتے اور مختلف حیلے بہانے سے اس کی دولت چھینا کرتے تھے۔ رعایا اس کے قابو سے باہر تھی جس کی بنا پر القادر نے الفانسو ششم سے مدد مانگی جو اس کا اور اس کے باپ کا دوست تھا۔ الفانسو نے بہت سی دولت کے عوض اس کی امداد کرنے کا وعدہ کر لیا۔ القادر نے الفانسو کو دینے کے لئے اہل طلیطلہ سے زبردستی دولت حاصل کرنا شروع کر دی۔ جس پر اہل طلیطلہ نے بغاوت کر کے یحییٰ القادر کو شہر سے باہر نکل جانے پر مجبور کر دیا اور بطلیوس کے بادشاہ عمر المتوکل کو اپنا بادشاہ بنا لیا۔ القادر نے الفانسو ششم کے پاس پناہ لی الفانسو نے کثیر مال و دولت اور چند قلعے دینے کی شرط پر القادر کو طلیطلہ واپس دلانے کا وعدہ کر لیا چنانچہ اس نے اپنا وعدہ پورا کرنے کے لئے ۴۷۳ھ/۱۰۸۰ء میں طلیطلہ کا محاصرہ کر لیا اور تقریباً پانچ سال بعد ۴۷۷ھ/۱۰۸۵ء میں القادر کا طلیطلہ پر دوبارہ قبضہ ہو گیا اور عمر المتوکل طلیطلہ کو چھوڑ کر بطلیوس کو واپس لوٹ گیا۔ یحییٰ نے طلیطلہ آتے ہی اہل شہر سے دولت سمیٹ کر الفانسو ششم کے حوالے کرنا شروع کر دی جب اس پر بھی الفانسو کی ہوس زر پوری نہ ہوئی تو القادر نے بہت سے قلعے بھی اس کے حوالے کر دیئے۔ طلیطلہ کی ذوالنونی ریاست ٹکڑے ٹکڑے ہو کر ہاتھوں سے نکلتی رہی۔ الفانسو کا پیٹ بھرنے کے لئے رعایا پر مظالم کرنا پڑے۔ اور عوام کثرت سے طلیطلہ سے فرار ہونے لگے جب یحییٰ القادر بہت مجبور ہو گیا اور الفانسو ششم کو مزید رقم فراہم نہ کر سکا تو الفانسو نے طلیطلہ کے علاقوں کو لوٹنا شروع کر دیا۔ کچھ دن

تک تو یحیٰی القادر گرتے پڑتے اپنے تخت حکومت کو اس طرح لپٹا رہا جس طرح کوئی ڈوبتا ہوا آدمی ٹوٹی ہوئی ناؤ کے تختہ سے لپٹا رہتا ہے۔ آخر کار ایک دن یہ گرفت بھی ہاتھ سے چھوٹ گئی۔ اور مندرجہ ذیل شرائط پر طلیطلہ کو الفانسو ششم کے حوالے کرنا پڑا۔

(۱) الفانسو اہل طلیطلہ کی جان و مال کا محافظ ہوگا۔
(۲) اگر اہل طلیطلہ شہر چھوڑ کر کہیں اور جانا چاہیں تو ان کو نہ روکا جائیگا۔
(۳) شہر والوں پر صرف ایک محصول لگایا جائیگا۔
(۴) جامع مسجد پر مسلمانوں کا قبضہ رہے گا۔
(۵) یحیٰی القادر کو بلنسیہ کی حکومت دلائی جائے گی۔

یہ تمام شرطیں منظور ہو گئیں اور ۲۵ مئی ۱۰۸۵ء (۲۷ محرم ۴۷۸ھ) میں الفانسو ششم شہر طلیطلہ میں ایک بادشاہ کی حیثیت سے داخل ہوا۔ الفانسو نے البتہ بلنسیہ پر قبضہ کر کے یحیٰی القادر کو وہاں کا بادشاہ ضرور بنا دیا لیکن یہاں پر بھی الفانسو اور اس کی فوج کے مصارف نے یحیٰی کو سخت پریشانیوں میں مبتلا رکھا۔ ان ہی حالات میں گذر کرتے ہوئے یحیٰی القادر نے ۴۸۵ھ/۱۰۹۲ء میں وفات پائی۔ ۴۹۶ھ/۱۱۰۲ء میں یوسف بن تاشفین نے اس پر قبضہ کر لیا۔

طلیطلہ پر عیسائیوں کا قبضہ مسلمانان اسپین کی زبردست سیاسی شکست تھی۔ یہ شہر وسط اسپین میں واقع ہونے کی وجہ سے شمال کے عیسائیوں اور جنوب کے مسلمانوں کی حد فاصل تھا۔ یہ حقیقت تھی کہ یہ شہر جس فریق کے پاس ہوتا تھا۔ وہ اپنے فریق مخالف پر ہمیشہ حاوی رہتا تھا اس لئے ابتدا ہی سے مسلمانوں کی ہر ممکن کوشش رہی تھی کہ یہ شہر ان کے ہاتھ سے جانے نہ پائے۔ شمال کے عیسائیوں پر غلبہ حاصل کرنے کے لئے اس اہم شہر پر قبضہ رکھنا مسلمانوں کے نزدیک بہت اہمیت رکھتا تھا لیکن بنی ذوالنون کی مطلب پرستی اور جاہ طلبی نے بالآخر یہ شہر مسلمانوں کے ہاتھوں سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے نکال دیا۔ مرابطین و موحدین نے اسکو واپس لینے اور مستقل اپنا بنانے کے لئے کوشش ضرور کی تھی۔ لیکن وہ عارضی ثابت ہوئی۔ اور یہ شہر کسی طرح بھی پھر مسلمانوں کا نہ ہو سکا۔ اس شہر کے عیسائیوں کے قبضہ میں جاتے ہی جنوب کے مسلمانوں پر زوال و تباہی کے بادل چھا گئے۔ اور عیسائیوں کی یلغار سے مسلمانوں کو کوئی نہ بچا سکا۔ یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ کہ اس شہر پر عیسائیوں کا قبضہ مسلمانان اسپین کی تباہی کی داستان کا دیباچہ تھا۔ اگر سارا اسپین عیسائیوں کے پاس چلا جاتا اور صرف الخضراء اور طلیطلہ مسلمانوں کے پاس رہتے تو کوئی بھی طاقت مسلمانوں

کو اسپین سے باہر نہ کر سکتی تھی۔ اور ایک بار پھر مسلمان پورے اسپین پر قابض ہو سکتے تھے۔ لیکن اس شہر کے جاتے ہی عیسائیوں کے لئے جنوب کی راہ کھل گئی۔ اور جیسے جیسے مسلمانوں کی آپس کی خانہ جنگی بڑھتی رہی ویسے ویسے عیسائیوں کا اقتدار جنوبی اسپین پر مضبوط ہوتا چلا گیا۔ جس کا انجام بعد کے صفحات دکھائیں گے۔ اسپین کے مسلمانوں کی تاریخ بنو زوالنون کے اس سیاسی جرم کو معاف نہیں کر سکتی۔ کہ ایک طرف تو انہوں نے عیسائیوں کو اپنی فوج میں کثرت سے شامل کر کے تربیت یافتہ فوجی بنایا اور مسلمانوں کے طریقۂ جنگ سے واقف کرا دیا اور دوسری طرف طلیطلہ کو ان کے حوالے کر کے لاکھوں مسلمانوں کو قتل کرنے کا موقع فراہم کیا۔ ایک طرح سے بنو زوالنون کو ہی ان تمام مسلمانوں کا قاتل سمجھا جا سکتا ہے۔

اشبیلیہ کا خاندان بنو عباد

۴۱۴ھ / ۱۰۲۳ء تا ۴۸۴ھ / ۱۰۹۱ء

گیارہویں صدی عیسوی میں زوال بنو امیہ کے بعد آپس میں جن چھوٹی بڑی حکومتوں نے سر ابھارا ان میں اشبیلیہ کی عرب ریاست سب سے اہم اور زیادہ طاقتور تھی۔ اس حکومت کا بانی خاندان بنو عباد تھا۔ اس خاندان کا یہ دعویٰ تھا کہ وہ عربوں کے لخمی قبیلے سے تعلق رکھتا ہے جو عراق کی ریاست حیرہ پر حکمرانی بھی کر چکا تھا لیکن ڈوزی کے کہنے کے مطابق وہ ان کے اس دعویٰ کا ثبوت نہ تو خود ان کے پاس تھا اور نہ ان کے برادران کے پاس ملوک حیرہ اور بنو عباد میں جو چیز مشترک تھی وہ صرف یہ تھی کہ دونوں یمن کے قبیلے لخم سے تھے لخم کی جس شاخ سے بنو عباد تھے ان کی سکونت کبھی حیرہ میں نہ رہی تھی۔ ان کا اصلی وطن عریش تھا جو مصر و شام کی سرحد پر واقع تھا۔ ملوک حیرہ سے اپنا نسب ملانا تو درکنار بنو عباد اپنے شجرہ نسب کو نعیم لخمی سے جو عطاف کا باپ تھا آگے نہ بڑھا سکے۔ عطاف آپس میں بلج بن بشر کے ساتھ آیا تھا اور لشکر حمص کا سردار تھا۔ عطاف کے ساتھیوں کو اشبیلیہ کے قریب زمینیں مل گئی تھیں۔ اور خود عطاف طشانہ کے علاقے کے ایک موضع یابین میں آباد ہو گیا تھا۔[1] ابن خلدون نے بنو عباد کا شجرہ اس طرح بیان کیا ہے: "قاضی ابوالقاسم محمد بن اسماعیل بن محمد بن اسماعیل بن قریش بن عباد بن عمر اسلم بن عمر بن عطاف ابن نعیم لخمی عطاف بن نعیم وہ شخص ہے جو لخمی طلیعہ کے ساتھ بلاد آندلس میں اولاً داخل ہوا تھا۔ یہ لوگ لشکر حمص میں شامل تھے عطاف نے قریہ طشانہ (اشبیلیہ کے پورب میں) قیام کیا۔[2]

---

[1] Spanish Islam ص ۵۹۸

[2] ابن خلدون ج ۴ ص ۱۵۶

اس خاندان کی شہرت کی ابتدا محمد بن اسماعیل بن قریش بن عباد سے ہوئی ہے جو قریہ طشانہ میں صاحب الصلوٰۃ یعنی امام تھا اور اپنے علم کی بدولت کافی وقعت اور عزت کی نظروں سے دیکھا جاتا تھا لیکن شہرت کو بام عروج تک پہونچانے والا محمد کا لڑکا اسماعیل تھا جس نے اس خاندان کو نامور کرکے امراء اشبیلیہ کی فہرست میں بنو عباد کا نام سرفہرست لکھایا۔ اسماعیل فقہ کا عالم اور بہادر مجاہد بھی تھا خلیفہ ہشام المؤید کے زمانہ میں ایک لشکر کی سپہ سالاری بھی اس کو مل چکی تھی۔ جامع قرطبہ کا امام و اس کے بعد اشبیلیہ کا قاضی بنایا گیا تھا "علم و فضل استواری عقل، علو ہمتی اور حسن تدبیر میں مشہور ہونے کے علاوہ نہایت دیانت دار بھی تھا کبھی کسی سے نذرانہ اور انعام قبول نہ کیا وہ فیاض اور سخی تھا"۔ قاضی اسمٰعیل کے ان اوصاف کی بنا پر عوام اسکو مغربی آئین کا سب سے بڑا شریف اور کریم کے لقب سے یاد کرتے تھے اس کا لڑکا ابوالقاسم محمد تھا جو عقل و دانائی میں باپ سے کسی طرح کم نہ تھا لیکن اخلاق سے عاری، مطلب پرست اور جاہ طلب تھا۔ آگے چل کر ابوالقاسم محمد ہی اشبیلیہ میں بنو عباد کی حکومت کا بانی ہوا۔

قاضی ابوالقاسم محمدؒ

اشبیلیہ کیونکہ قرطبہ کے نزدیک تھا اس لئے ہمیشہ سے اس کے حالات کے ساتھ منسلک رہا تھا اور قرطبہ کے تغیرات اس پر بھی اثر انداز ہوتے رہے۔ یہ بتایا جا چکا ہے کہ قرطبہ کے عوام نے قاسم بن حمود کو اپنے شہر سے نکال کر ایک جمہوری حکومت قائم کر لی تھی جس کا صدر ابوالحزم ابن جہور تھا۔ قاسم بن حمود کیونکہ اشبیلیہ پر ایک عرصہ سے قابض تھا اور یہیں سے وہ قرطبہ گیا تھا اہل اشبیلیہ بھی اس سے اور اس کے بربر سپاہیوں سے سخت نالاں تھے۔ اور موقعہ کی فکر میں تھے کہ کب قاسم سے نجات حاصل کریں جیسے ہی قاسم قرطبہ سے نکل کر اشبیلیہ کیطرف واپس آیا تو اہل اشبیلیہ نے موقعہ غنیمت جان کر اس کو شہر میں داخل نہ ہونے دیا۔ قاسم کو مع اس کی بربر سپاہ کے باہر نکال دینے کے بعد اہل اشبیلیہ نے شہر کے انتظام و انصرام کے لئے اور بربروں کی دوبارہ یلغار سے محفوظ رہنے کے لئے قاضی ابوالقاسم محمد کو اپنا حاکم بنا لیا۔ قاضی ابوالقاسم ایک چالاک اور عیار شخص تھا۔ وہ فوراً سمجھ گیا کہ اہل اشبیلیہ اس کی دولت کی وجہ سے اس کو حکومت سونپنا چاہتے ہیں چنانچہ اس نے مخدوش حالات کا بہانہ کرکے اس عہدے کو اختیار کرنے سے انکار کر دیا حقیقت بھی یہ تھی کہ نہ تو اشبیلیہ کی اپنی کوئی فوج تھی اور نہ خزانہ میں دولت کہ فوج کو ترتیب دیا جاتا۔ مزید یہ کہ شہر کے پرانے خاندانی امراء کی کشمکش بھی جاری تھی۔ جو قاضی کے بھی دشمن ہو جاتے چنانچہ قاضی ابوالقاسم محمد نے ہوشیاری سے اہل شہر کے سامنے یہ شرط رکھی کہ اگر کچھ

لوگ انتظام و انصرام حکومت میں اس کے شریک اور مددگار بنائے جائیں۔ تو وہ حکومت اشبیلہ کی ذمہ داری سنبھالنے کو تیار ہے اہل اشبیلہ اس وقت بربروں سے بہت خوفزدہ تھے چنانچہ فوراً ہی قاضی ابوالقاسم کی اس شرط کو منظور کر لیا۔ اور قاضی نے چند عالی نسب لوگوں کو منتخب کر لیا جس میں محمد بن یربم۔ ہوزنی۔ ابن حجاج۔ الہانی اور ہشام المؤید کے استاد اور مشہور عالم ابوبکر الزبیدی شامل تھے۔ ابوالقاسم محمد نے فوراً ہی اشبیلہ کی ایک مختصر سی فوج بھرتی کی جس کی تعداد ۵۰ سو بتائی جاتی ہے۔ اور اپنی حکومت کو وسعت دینے کے خیال سے مشرقی آبین کے دو قلعے جن میں عیسائی آباد تھے۔ اور ان پر کوئی حاکم نہ تھا فتح کر لئے عربی مورخین نے ان قلعوں کا نام الاخوان بتایا ہے ان قلعوں کے تین سو عیسائیوں کو اشبیلہ کی فوج میں شامل کر لیا گیا۔ جس سے اس فوج میں کافی اضافہ ہو گیا۔

۴۱۸ھ/۱۰۲۷ء میں یحییٰ بن علی بن حمود نے اشبیلہ پر حملہ کیا۔ اہل اشبیلہ میں مدافعت کی قوت نہ تھی چنانچہ اس شرط پر صلح کی آمادگی ظاہر کی۔ کہ بربر فوج شہر میں داخل نہ ہو گی یحییٰ نے یہ شرط تو قبول کر لی لیکن ضمانت کے طور پر چند عالی نسب نوجوانوں کو طلب کیا اہل اشبیلہ میں سے کوئی بھی اپنا جوان دینے پر آمادہ نہ ہوا اور قریب تھا کہ بربر شہر میں داخل ہو جاتیں۔ کہ قاضی ابوالقاسم محمد نے نہایت بہادری اور دلیری کا ثبوت دیا اور اپنے لڑکے عباد کو یحییٰ کے حوالے کر دیا جو بطور یرغمال کافی سمجھا گیا قاضی ابوالقاسم کی اس بے مثال قربانی نے اس کی عزت و توقیر کو اور بلند و مستحکم کر دیا چنانچہ اس واقعہ کے بعد قاضی ابوالقاسم کو اس بات کی ضرورت محسوس نہ ہوئی کہ وہ مشیروں اور شرکاء کے ساتھ مل کر حکومت کرے۔ اس لئے تمام مشیر علیحدہ کر دیئے گئے۔ اور ابوبکر زبیدی کو شہر بدر کر دیا گیا قاضی ابوالقاسم نے اپنا وزیر حبیب نامی ایک گمنام اور معمولی شخص کو مقرر کیا۔ جو اپنی ذات سے بے اصول تھا لیکن بے انتہا محنتی جفاکش اور ذہین تھا۔ اس میں بڑی صفت یہ تھی کہ اپنے آقا کا کلی طور پر مطیع اور فرمانبردار تھا۔ حاکم قرمونہ سے دوستی کر کے قاضی ابوالقاسم نے اشبیلہ کی حدود کو وسعت دینے کے لئے باجہ کے علاقے پر حملہ کیا۔ شاہ بطلیوس نے اپنے لڑکے محمد افطسی کو اس شہر کی حفاظت کے لئے بھیجا جس کو قاضی کے لڑکے اسماعیل نے شکست دیکر قرمونہ میں قید کر دیا۔ پھر بطلیوس اور قرطبہ کے بہت سے علاقوں کو تاخت و تاراج کیا۔ ۴۲۲ھ/۱۰۳۰ء میں جب دونوں میں لڑائی بند کرنے کا عہد و پیمان ہوا تو قاضی ابوالقاسم نے محمد افطسی کو تعلقات کی استواری کے خیال سے رہا کر دیا۔ اس واقعہ کے ۴ سال کے بعد ۴۲۶ھ/۱۰۳۴ء میں جب قاضی ابوالقاسم کا لڑکا اسماعیل بطلیوس کے علاقہ سے گذر کر لیون جانا چاہتا تھا۔ بطلیوس کے حاکم ابومحمد عبداللہ

افطسی نے اس پر حملہ کر کے اپنے اشبیلی لشکر کو تباہ کر دیا۔ اسماعیل بڑی مشکل سے اپنی جان بچا کر بھاگ سکا اس کے بعد بطلیوس اور اشبیلہ کے درمیان کئی لڑائیاں ہوئیں جن کی تفصیل دستیاب نہ ہو سکی۔

اسی درمیان یحییٰ بن علی بن حمود نے بڑی طاقت حاصل کر لی اور تمام بربروں کا سردار تسلیم کر لیا گیا۔ اس نے قرمونہ کے حاکم محمد بن عبداللہ برزالی سے قرمونہ چھین لیا اور قرطبہ اور اشبیلہ پر بھی حملے کی دھمکیاں دینا شروع کر دیں۔ قاضی ابوالقاسم کے لئے یہ وقت بڑا نازک تھا۔ "مگر اس نازک حالت میں اس نے ایک ایسی تدبیر سوچ نکالی کہ اگر ذاتی اغراض کے لئے نہ سوچی گئی ہوتی تو حقیقت میں بڑی شریفانہ اور قوم و ملک کے لئے بڑی مفید ثابت ہوتی"[1] یعنی بربروں کے خلاف تمام غیر بربر اقوام کو متحد کرنے کی تدبیر کی تاکہ بربروں کی طاقت کو آگے بڑھنے سے روکا جا سکے۔ کیونکہ عوام الناس کے ذہنوں سے ابھی تک ہشام المؤید کی حیثیت ختم نہ ہونے پائی تھی ان کے قلوب ابھی تک خاندانی بنو امیہ سے وابستہ تھے۔ اور ان کو اس بات کا پورا یقین نہ آیا تھا کہ خلیفہ ہشام المؤید زندہ نہیں ہیں۔ قاضی ابوالقاسم نے عوام الناس کے اس نازک پہلو سے نہایت ہوشیاری سے فائدہ اٹھایا چنانچہ ایک فرضی شخص کو ہشام المؤید ثابت کر کے عوام کے سامنے پیش کیا۔ معتبر تاریخوں سے پتہ چلتا ہے کہ یہ ہشام المؤید دراصل خلف نامی ایک بوریہ باف تھا جو قلعہ رباح میں رہتا تھا۔ اس شخص کی شکل و صورت ہشام المؤید سے بہت ملتی تھی۔ خلف کو بھی اس بات کا پورا احساس تھا۔ اور وہ اکثر خود کو ہشام المؤید بتایا کرتا تھا۔ اس نے اپنے عادات و اطوار بھی بڑی حد تک شاہانہ بنا لئے تھے۔ اور قلعہ رباح میں ہشام المؤید کے نام سے بغاوت بھی کی تھی جس کو بنی ذوالنون نے دبا دیا تھا قاضی ابوالقاسم نے اسی خلف کو ہشام المؤید بنا کر اس کی خلافت کا اعلان کر دیا۔ اور خود اس کا حاجب بن گیا۔ اس کی یہ چال کامیاب رہی اور قرمونہ المنیہ۔ دانیہ، جزائر شرق الاندلس اور طرطوشہ کے حاکموں نے اس کی خلافت کو تسلیم کر لیا۔ قرطبہ کے عوام کے بے حد اصرار پر اور بربروں کے خطرے کے پیش نظر ابوالحزم ابن جہور نے بھی اس کی اطاعت کر لی۔ اسماعیل اور والی قرمونہ نے مل کر قرمونہ پر حملہ کیا۔ جو اس وقت یحییٰ حمودی کا مستقر تھا یحییٰ مقابلہ پر آیا لیکن شراب سے اس قدر بے خود تھا کہ کارگر تدابیر نہ سوچ سکا۔ اور عین میدان جنگ میں مارا گیا۔ محمد بن عبداللہ برزالی نے قرمونہ پر دوبارہ قبضہ کر لیا۔ بنی حمود کی اس تباہی کے بعد اہل قرطبہ نے ابوالحزم جہور کے سمجھانے پر فرضی ہشام المؤید کی بیعت ختم کر دی۔ اور قاضی ابوالقاسم کو جو ہشام المؤید نقلی کو لیکر قرطبہ آ رہا تھا شہر میں داخل نہ ہونے دیا۔ المریہ کے صقلبی حاکم زہیر نے بھی فرضی ہشام المؤید کی بیعت

نہ کی تھی۔ اور بنی حمود کی خلافت تسلیم کرتا تھا چنانچہ قرطبہ سے واپسی میں اسماعیل نے المریہ پر حملہ کر دیا۔ زہیر نے اپنی کمزوری دیکھ کر بادشاہ غرناطہ حبوس سے مدد مانگی اور دونوں نے مل کر اشبیلیہ کی فوج کو شکست دیدی۔ قاضی ابوالقاسم نے غرناطہ کی بربری حکومت کی اطاعت کو توڑنے کے لئے ان کے اندر پھوٹ ڈالنے کی کوشش کی اور ایک شخص ابوالفتوح کو بغاوت پر آمادہ کر لیا۔ ابوالفتوح نے حبوس شاہ غرناطہ کے بھائی یغدیر کو بادشاہ بنانے کا لالچ دیکر اپنی طرف ملا لیا لیکن یہ سازش کامیاب نہ ہو سکی۔ بہت سے سازشی جان بچا کر اشبیلیہ بھاگ گئے اور ابوالفتوح مار ڈالا گیا۔ (غرناطہ کے بنو زیری میں اس کا ذکر بہ تفصیل آچکا ہے ہم اسی اثنا میں حاکم قرمونہ محمد ابن عبداللہ برزالی نے شاہ غرناطہ سے اتحاد کر کے اشبیلیہ کے خلاف جنگ چھیڑ دی جس میں قاضی ابوالقاسم کا لڑکا اسماعیل مارا گیا۔ اور اشبیلیہ کا بہت سا علاقہ غرناطہ کے قبضہ میں چلا گیا۔

۲۰ برس کامیابی کے ساتھ آزادحکمرانی کر کے قاضی ابوالقاسم محمد نے ۴۳۳ھ/۱۰۴۱ء میں وفات پائی۔ بلاشبہ اس نے اپنے طاقت سے حاصل کی ہوئی ایسی حکومت اپنے بعد چھوڑی تھی جو مضبوط تو نہیں کہی جا سکتی لیکن پھر بھی خانماں اور جگہ جگہ سے نکالے ہوئے عربوں کا مسکن ضرور تھی۔

قاضی ابوالقاسم محمد کے بعد اس کا ۲۶ سالہ لڑکا ابوعمر وعباد

ابوعمرو عباد المعتضد باللہ تخت اشبیلیہ پر بیٹھا۔ اس نے بھی اپنے آپ کو فرضی ہشام المؤید کا حاجب مقرر کیا اور اپنا لقب المعتضد باللہ اختیار کیا۔

کردار عباد المعتضد بڑا مدبر اور سیاست داں تھا۔ اپنے باپ کی طرح حکومت کے معاملات پر پوری نظر رکھتا تھا۔ صاحب علم اور ایک اچھا شاعر تھا اس کی لکھی ہوئی نظمیں حسن کلام کا اعلیٰ نمونہ سمجھی جاتی تھیں۔ شعراء ہم عصر میں وہ لائق ترین سمجھا گیا ہے۔ علم دوست اور ہنر پرور تھا۔ اور شاعروں کو ان کے اچھے کلام پر انعام دیتا تھا ایک طرف حسن و جمال کا شیدا اور دل کا نرم تھا تو دوسری طرف ظالم و سفاک تھا۔ ڈوزی نے لکھا ہے کہ "صاحب اشبیلیہ کی دشمنی ایک ایسی اشتہا تھی جو کبھی سیر ہونا نہ جانتی تھی۔ اسکی عداوت دشمن کے قتل ہونیکے بعد بھی دشمن کا پیچھا نہ چھوڑتی تھی۔" وہ اپنے دشمنوں کی کھوپڑیوں میں رنگین اور خوبصورت پھولوں کے درخت لگواتا۔ اور ہر کھوپڑی پر ایک پرچہ لگوا دیتا جس پر مقتول کا نام درج ہوتا تھا جس سے کینہ پڑ جاتا اس سے ہر حال میں بدلا لیتا تھا وہ بڑا ہی بدظن منتقم اور خود سر تھا۔ شراب سے ہمیشہ بدمست رہتا اور فسق و فجور میں شرم محسوس نہ کرتا تھا۔ فطرۃً عیش پسند تھا کہا

جاتا ہے کہ اس کے حرم میں آٹھ سو منتخب زنانہ عورتیں تھیں لیکن ان سب کے باوجود تہذیب و شائستگی کو ہاتھ سے جانے نہ دیتا۔ شراب کی مستی میں حد سے سوا نہ ہوتا تھا۔ بادہ نوشی کی مجلسوں میں بھی ایک نرالا حسن پیدا کر دیتا تھا۔ قوائے جسمانی بڑے مضبوط تھے۔ اور باوجود عیاشی کے حکومت کے معاملات میں بڑا چاق و چوبند رہتا تھا۔ اس کی نیت اور ارادہ کا پتا اس کے قریب ترین دوستوں کو بھی نہ چلتا تھا وہ لوگوں کے دلوں کے حال کو بخوبی جان لیتا تھا مگر خود اس کے دل کا حال مجال نہ تھی کہ چہرے کے تاثرات یا آواز کی لغزش تک سے معلوم ہو جائے۔ تمام زندگی لڑائیوں میں مشغول رہا ہمت و مردانگی میں بھی کسی سے کم نہ تھا اس پر بھی دو ایک مرتبہ کے علاوہ کبھی خود فوج لے کر میدان میں نہ اترا البتہ لڑائی کا نقشہ تیار کرنے میں کمال رکھتا تھا اس کا جاسوسی نظام بہت منظم اور اعلیٰ تھا۔ اور سپین کے تمام ملوک الطوائف کے درباروں میں اس کے جاسوس موجود تھے جو اس کو تمام تغیرات و حالات سے مطلع کرتے رہتے۔ ضرورت کے وقت طرح طرح کے حیلے بہانے اور چالیں پیدا کرنے میں ماہر تھا۔ اور نراکیب اور بہانوں کا ایک لازوال خزانہ اس کے پاس تھا۔

کارنامے تخت پر آتے ہی المعتضد نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ اپنے باپ کے وزیر حبیب کو قتل کرا دیا۔ اس کے بعد اس نے بربروں سے اپنا دامن چھڑانے کے لئے جنگ شروع کر دی۔ قرمونہ کے حاکم محمد بن عبداللہ بن عبداللہ بن زالی سے ایک زبردست جنگ ہوئی جس میں حاکم قرمونہ مارا گیا لیکن اس کے جانشین اسحٰق نے معتضد سے لڑائی جاری رکھی معتضد نے یہ طے کر لیا تھا کہ وہ حکومت اشبیلیہ کی حدود بجز ارکوم کے ساحل تک لے جائے گا چنانچہ اس نے مرتلہ کے حاکم ابن طیفور سے جنگ چھیڑ دی۔ لبلہ کے عرب حاکم محمد بن یحییٰ نے ابن طیفور کی مدد کی لیکن پھر بھی ۲۹۳ھ/۹۰۵ء میں معتضد نے مرتلہ پر قبضہ کر لیا اور پھر لبلہ کی طرف بڑھا۔ لیکن ابن یحییٰ نے حاکم بطلیوس المظفر کی مدد سے اس کو پیچھے ہٹا دیا اس کے بعد ابن یحییٰ نے بادیس شاہ غرناطہ محمد المہدی حاکم مالقہ اور محمد بن قاسم بن حمود حاکم الخضراء کو ملا کر معتضد کے خلاف ایک اتحاد قائم کیا۔ قرطبہ کے مدبر ابوالولید جہور نے ان سب میں مصالحت کرانے کی حتی الامکان کوشش کی لیکن کامیابی نہ ہوئی گو کہ یہ اتحاد حکومت اشبیلیہ کے لئے بڑا خطرناک تھا لیکن پرعزم معتضد اس سے قطعاً ہراساں نہ ہوا اور اس نے نہایت ہوشیاری اور چالاکی سے محمد ابن یحییٰ کو اس اتحاد سے توڑ کر اپنی طرف ملا لیا۔ جس سے غضبناک ہو کر مظفر شاہ بطلیوس نے لبلہ پر حملہ کر دیا۔ معتضد نے ابن یحییٰ کی مدد کی اور بطلیوس کا لشکر ناکام ہو کر واپس ہوا۔ اب اس کے جواب میں معتضد نے اپنے بڑے لڑکے اسمٰعیل کو باجہ کے شمال میں بیورہ کے علاقے کو تاخت و تاراج کرنے

بھیجا۔ مظفر نے اس لشکر کو روکنا چاہا لیکن بری طرح شکست کھائی اور اس کے ۴ ہزار سپاہی مع اسحاق حاکم قرمونہ کے مارے گئے۔ اس مرتبہ پھر ابوالولید جہور نے درمیان میں پڑ کر بڑی کوشش کے بعد ۴۴۲ھ/۱۰۵۱ء میں مظفر اور معتضد کے درمیان صلح کرادی۔ اس صلح کے بعد معتضد نے فوراً ہی لبلہ پر حملہ کر دیا۔ ابن یحیی کے پاس مقابلہ کرنے کے لئے کچھ نہ تھا چنانچہ وہ خود قرطبہ چلا گیا اور شہر لبلہ پر معتضد بلا مزاحمت قابض ہو گیا عبدالعزیز بکری جو اس وقت ریاست ولبہ اور جزیرہ سلطیش کا حاکم تھا سمجھ گیا کہ اب اس کی باری ہے۔ چنانچہ اس نے پہلے ہی سے ریاست معتضد کے حوالے کی اور خزانہ و مال لے کر قرطبہ میں آباد ہو گیا۔ ولبہ کے بعد شلب کا نمبر تھا۔ یہاں پر ایک عرب حاکم تھا جو خاندان بنو مزین سے تعلق رکھتا تھا اس نے اپنی دانست میں اشبیلہ کی فوجوں کا سخت مقابلہ کیا لیکن پھر بھی ۴۴۳ھ/۱۰۵۱ء یا ۴۴۴ھ/۱۰۵۲ء میں یہ علاقہ معتضد کے قبضہ میں آگیا۔ پھر معتضد نے آگے بڑھ کر ساحل سمندر کے شہر شنت مار یہ الغرب پر حملہ کیا جس کے حاکم محمد بن سعید نے کچھ دن مقابلہ بھی کیا لیکن معتضد اس پر بھی قابض ہو گیا۔ ۴۴۷ھ/۱۰۵۵ء میں معتضد نے اپنے لڑکے محمد کو اس علاقہ کا گورنر مقرر کر دیا۔

مغرب کی طرف اپنی وسعت سلطنت کے بعد معتضد نے جنوب کی بربر ریاستوں کی طرف توجہ کی گو ان میں سے بہت سی بربر ریاستوں نے اس کی اطاعت مان لی تھی لیکن معتضد ان کے وجود کو ہی ختم کرنا چاہتا تھا جس کیلئے اس کو وہاں کے عوام کے رجحانات کا بھی اندازہ کرنا تھا چنانچہ ایک دن چار ہمراہیوں کے ساتھ اپنی باجگذار بربر ریاستوں رندہ اور مورور کے حاکموں کے درمیان پہونچ گیا۔ بظاہر سب نے اس کا شاندار استقبال کیا لیکن موقعہ غنیمت دیکھ کر اس کے قتل کی سازش کرنے لگے ایک روز جبکہ معتضد بظاہر سویا ہوا تھا اس کو ان بربر حاکموں کی سازش کا علم ہو گیا۔ یقیناً معتضد اس روز قتل کر دیا جاتا لیکن حاکم رندہ کے ایک عزیز معاذ بن ابی قرہ کی لعنت و ملامت اور دانش مندی سے اس کی جان بچ گئی۔ معتضد نے اس واقعہ پر کسی قسم کا اظہار نہ کیا بلکہ اس کے برخلاف ایسی حرکات و سکنات کیں جس سے یہ معلوم ہوتا تھا۔ کہ وہ ان بربر سرداروں کی دوستی پر فخر کرتا ہے۔ اشبیلہ واپس آنے کے چھ ماہ بعد معتضد نے حاکم مورور۔ رندہ۔ ارکش اور تدیش کے ساتھ دیگر ساٹھ بربر سرداروں کو اپنے یہاں دعوت پر مدعو کیا جب تمام لوگ اشبیلہ آگئے تو نہانے کے بہانے ان سب کو حمام میں داخل کر کے باہر سے بند کر دیا حمام کی گرمی سے وہ سب اسی جگہ مر گئے صرف معاذ بن ابی قرہ کو روک لیا کیونکہ اس نے معتضد کی جان بچائی تھی اس کو انعام و اکرام سے نوازا گیا۔ بعدہ اشبیلہ کی فوج کا سپہ سالار مقرر کر دیا۔ اس طرح جنوب کی تمام بربر ریاستوں پر معتضد کا قبضہ ہو گیا۔

جس وقت معتضد ایک طاقتور عرب حکمران کی حیثیت سے مقبول ہو رہا تھا اس وقت بادیس شاہ غرناطہ اس کے خلاف بربروں کو متحد کرنے میں مصروف تھا جنوبی بربر ریاستوں کے بربر سرداروں کی اذیت ناک موت کی خبر نے بادیس کو غضبناک کر دیا جس کے جواب میں اس نے غرناطہ اور مالقہ کی عرب رعایا کو ختم کرنے کا تہیہ کر لیا لیکن یہودی وزیر سموئیل کی وجہ سے یہ ممکن نہ ہو سکا جب جنوب کی ریاستوں کے بربروں نے بادیس سے فریاد کی تو بادیس نے معتضد کو سزا دینے کا ارادہ کر لیا۔ اور وہ بربر پناہ گزینوں کو اپنے ساتھ لیکر اشبیلیہ پر حملہ آور ہوا لیکن اہل اشبیلیہ نے اس کو فاش شکست دی۔ بادیس غرناطہ واپس آگیا لیکن اس کے ساتھ جو بربر پناہ گزیں تھے وہ سب ٹھوکریں کھا کھا کے جبل الطارق کے راستہ فرلقیہ چلے گئے۔ اور وہاں کثرت سے قحط کا شکار ہو گئے۔

۴۵۰ھ/۱۰۵۸ء میں معتضد نے بنو حمود حکمران قاسم بن محمد بن قاسم بن حمود حاکم الخضراء پر حملہ کیا کیونکہ یہ ایک کمزور حکمران تھا اس لئے جلد ہی مصالحت کر لی۔ اور الخضراء معتضد کے حوالے کر کے قرطبہ چلا گیا۔ ان سب کامیابیوں کے بعد معتضد کو اب فرضی ہشام المؤید کے سہارے کی ضرورت نہ رہی۔ ۴۵۱ھ/۱۰۵۹ء میں ایکدن اہل اشبیلیہ سوگوار معتضد کے ساتھ ہشام المؤید کا جنازہ دفن کر رہے تھے۔ ایک فرضی وصیت کے مطابق ہشام المؤید نے تمام اسپین کا امیر معتضد کو بنا دیا جس کی رو سے معتضد کو دارالحکومت قرطبہ کو فتح کرنا ضروری تھا۔ (حالانکہ اس سے قبل بھی کئی بار قرطبہ پر قبضہ کرنے کی ناکام کوشش کر چکا تھا) ۴۵۵ھ/۱۰۶۳ء میں معتضد نے اپنے بڑے لڑکے اسماعیل کو مدینۃ الزاہرہ کے کھنڈرات پر قبضہ کرنے کے لئے بھیجا۔ اسمٰعیل باپ کی سخت مزاجی اور ظلم و تشدد کی وجہ سے پہلے ہی سخت رنجیدہ تھا۔ اس مرتبہ جب اس کو تھوڑی فوج ملی اور بادیس شاہ غرناطہ کے حملے کا خوف ہوا تو اس نے اپنے باپ سے مزید امداد طلب کی۔ اسی دوران مالقہ کے ایک رئیس ابوعبداللہ بزلیانی نے اسمٰعیل کو باپ کے خلاف کافی بھڑکا دیا لیکن جلد ہی اسمٰعیل اور بزلیانی گرفتار کر لئے گئے۔ بزلیانی قتل کر دیا گیا اور اسمٰعیل قید میں ڈال دیا گیا۔ کچھ دن بعد اسمٰعیل نے قید سے فرار ہو کر اپنے باپ کو قتل کرنا چاہا لیکن عین موقعہ پر پکڑا گیا سفاک اور ظالم معتضد نے اپنے بیٹے کو خود اپنے ہاتھ سے قتل کر دیا۔ بعد میں اس کو اپنے اس بہادر، صاحب الرائے اور محتاط بڑھاپے کے سہارے کو قتل کرنے کا بڑا افسوس تھا۔ معتضد غصہ کی حالت میں کرنے کو تو ایسا کر گیا تھا لیکن اسکو یہ زخم ایسا لگا تھا کہ عمر بھر مندمل نہ ہو سکا۔ اس غم میں وہ اکثر اشکبار ہوتا اور اشعار کی زبان میں اپنا غم بیان کرتا رہتا تھا۔ اس ہنگامے کی وجہ سے قرطبہ کی جمہوری حکومت ایک بار پھر معتضد کے ہاتھوں سے بچ گئی۔ اب معتضد نے مالقہ کو فتح کرنیکا ارادہ کر لیا۔

مالقہ کے عرب بادیس کے نت نئے مظالم سے عاجز آچکے تھے چنانچہ انہوں نے معتضد کے ساتھ مل کر بادیس کے خلاف سازش کی۔ بادیس کی غفلت اور کثرت شراب نوشی نے اس سازش کو پروان چڑھنے کا موقعہ دیا اور ایک مقررہ دن میں مالقہ اور دیگر ۲۵ شہروں میں ایک دم بغاوت پھوٹ پڑی معتضد کا لڑکا معتمد فوج لیکر ان باغیوں کی امداد کو پہونچ گیا۔ یہ بغاوت اتنی اچانک ہوئی تھی کہ بربروں کو سنبھلنے کا موقعہ نہ مل سکا۔ اور مالقہ کو چھوڑ کر باقی تمام علاقہ ایک ہفتہ کے اندر اندر معتمد کے قبضہ میں آگیا۔ مالقہ میں مقیم ایک اسودی دستہ نے اس شہر کی حفاظت اس وقت تک کی جب تک بادیس ان کی مدد کو نہ آگیا۔ بادیس نے اچانک اشبیلہ کی فوج پر اس وقت حملہ کیا جبکہ وہ مالقہ کی فتوحات کی رنگ رلیوں میں بدمست تھے۔ تمام اشبیلی فوج تباہ ہوگئی۔ معتمد بڑی مشکل سے اپنی جان بچا کر زندہ بھاگ گیا۔ معتضد اس حادثہ سے معتمد کا سخت دشمن بن گیا۔ لیکن معتمد کے عاجزانہ معافی نامہ اور نیک نفس لوگوں کی مداخلت کی وجہ سے معتضد نے اس کو معاف کر کے اشبیلہ واپس بلا لیا۔

عیسائی یلغار

۱۱ ویں صدی عیسوی کے نصف تک شمال کی عیسائی ریاستیں خانہ جنگی میں مبتلا رہیں اور ان کو اتنی مہلت نہ مل سکی کہ مسلمانوں کی طرف توجہ کرتیں لیکن ۴۴۷ھ/۱۰۵۵ء میں حالات نے پلٹا کھایا۔ لیون اور قشتالیہ کے بادشاہ فرڈیننڈ نے تمام شمالی عیسائیوں پر طاقت حاصل کرلی۔ اور انکو قابو میں کر کے مسلمانوں پر حملوں کا آغاز کر دیا۔ ۴۴۹ھ/۱۰۵۷ء میں بطلیوس کے بہت سے علاقوں پر قبضہ کر لیا۔ بعد ازاں طلیطلہ کے اس تمام علاقہ پر قابض ہوگیا جو دریاء دویرہ کے جنوب میں تھا اور طلیطلہ کے علاقے میں لوٹ مار شروع کر دی۔ شاہ طلیطلہ یحییٰ المامون ذوالنونی نے سالانہ خراج کی ادائیگی پر اس سے صلح کر لی۔ فرڈیننڈ نے پھر اشبیلہ کا رُخ کیا۔ معتضد کو اس وقت جنوبی اسپین میں زبردست بادشاہ شمار ہوتا تھا لیکن پھر بھی فرڈیننڈ سے مقابلہ کی تاب نہ رکھتا تھا چنانچہ بذات خود عیسائی لشکر میں گیا۔ فرڈیننڈ سے سالانہ خراج اور کچھ عیسائی تبرکات دینے پر صلح کر لی اسطرح اپنی جان بچائی۔ ۴۵۴ھ/۱۰۶۲ء میں عیسائی لشکر نے قلمریہ کے شہر پر قبضہ کر لیا اور سارا علاقہ تاخت و تاراج کر کے مسلمانوں کو وہاں سے نکال دیا۔ فرڈیننڈ نے بلنسیہ کا رخ کیا بلنسیہ پر اس وقت عبدالملک المظفر حکومت کر رہا تھا۔ عبدالملک کمزور نا اہل و آرام طلب تھا لیکن پھر بھی حکومت اشبیلیہ کی طرح بزدلی کا مظاہرہ نہ کیا بلکہ اہل بلنسیہ کو لے کر باہر نکلا اور لبطرنہ کے مقام پر عیسائیوں سے سخت مقابلہ کیا لیکن شکست کھائی بلنسیہ پھر بھی عیسائیوں کے قبضہ میں نہ جاسکا اس لئے کہ اسی اثنا میں نارمن فراتفوں نے اپنے سردار ناٹریال

کی سرکردگی میں شمال مشرقی اسپین کے ایک مضبوط قلعے برباشتر پر قبضہ کر لیا تھا اور وہاں پر سخت قتل و غارت گری اور لوٹ مار کر کے واپس اپنے علاقوں میں چلے گئے تھے جن کی وجہ سے فرڈی ننڈ کو اس علاقہ کی طرف واپس جانا پڑا ۴۵۸ھ/۱۰۶۵ء میں سرقسطہ کے حاکم نے معتضد کی مدد سے قلعہ برباشتر پر اپنا قبضہ جما لیا۔ فرڈیننڈ (فرولند) نے دوبارہ بلنسیہ پر قبضہ کرنے کے لیے حملہ کیا لیکن عبدالملک المظفر اپنے خسر المامون ذوالنون کی مدد سے اس کے حملے کو ناکام بنا دیا۔ اسی زمانہ میں فرڈیننڈ بیمار پڑ گیا اور ۴۵۸ھ/۱۰۶۵ء کے ماہ دسمبر میں مر گیا اور اس کے بعد اس کے ملک میں ایک بار پھر خانہ جنگی شروع ہو گئی بالآخر اسکے تینوں لڑکوں نے سلطنت کو آپس میں تقسیم کر لیا۔ الفانسو ششم جس کے حصہ میں لیون کی ریاست آئی تھی مسلمانوں کا سخت دشمن تھا۔ چنانچہ اس نے مسلمانوں کے خلاف صلیبی جنگوں کا اعلان کر دیا (تذکرہ آگے آئے گا) غرض اسپین کے مسلمانوں پر یہ وقت بڑا صبر آزما تھا ایک طرف شمال کے عیسائی ان پر دانت جمائے ہوئے تھے اور دوسری طرف شمالی افریقہ کی ابھرتی ہوئی مرابطی طاقت ان پر نظریں جمائے ہوئے تھی۔

لیکن ان حالات میں بھی معتضد کی ہوس ملک گیری اپنا کام کئے جا رہی تھی ۴۵۹ھ/۱۰۶۷ء میں اس نے قرمونہ کی ریاست کو اپنی سلطنت میں شامل کر لیا۔ معتضد کو شمالی افریقہ کی ابھرتی ہوئی طاقت مرابطین سے سخت خطرہ لاحق تھا اور اس کو یقین تھا کہ ایک نہ ایک دن وہ اسپین ضرور آئیں گے چنانچہ ان کو روکنے کے لئے اس نے جبل الطارق کے قلعے کو بہت مضبوط کیا اور اس میں ایک بڑی فوج متعین کی ابھی وہ پوری طرح اپنے انتظامات کو مکمل نہ کر پایا تھا کہ ۴۶۱ھ/۱۰۶۹ء میں پیغام اجل آپہونچا اور یہ بہادر مستقل مزاج اور مدبر عرب حکمراں ۳۰ سال حکومت کر کے موت کی آغوش میں جا سویا بلاشبہ اس نے اپنے دور حکومت میں نہ صرف یہ کہ اپنی حدود حکومت کو وسعت دی۔ بلکہ جنوب کے بربروں کی طاقت کو بھی کچل کر رکھ دیا۔

المعتمد نام محمد۔ کنیت ابوالقاسم اور عباد المعتضد کا لڑکا تھا۔ ۴۳۱ھ/۱۰۴۱ء میں شہر باجہ میں پیدا ہوا تھا۔ گیارہ برس کی عمر ہی سے امورات سلطنت میں دخیل ہو گیا تھا اور صوبہ ولبہ کا حاکم بنایا گیا تھا۔ اس کے کچھ دن بعد ہی حاضرہ شلب کی سپہ سالاری ملی۔

کردار تمام مورخین اسپین اس بات پر متفق ہیں کہ معتمد ایک بہادر شہسوار، دلیر پہلوان اور مشاق شاعر تھا اپنی رعایا میں ہر دلعزیز تھا۔ فتح نے اپنی کتاب قلائد میں لکھا ہے کہ "معتمد ایسا بادشاہ تھا جس نے دشمنوں کا سر کچل دیا شجاعت اور فیاضی اس کی ذات میں جمع تھی۔ ..... اس کے ہاتھوں اور انگلیوں

نے ایکدن بھی اس کے قلم اور نیزے کو معطل نہ رہنے دیا۔ اس کے دن عید تھے اور وہ ہر وقت فائدہ پہونچانے کے لئے تیار رہتا تھا۔[1] معتمد کا کردار مندرجہ بالا اقتباس کی روشنی میں بہت بہتر اور اچھا کردار تھا لیکن درحقیقت وہ تدبر و سیاست میں اتنی مہارت نہ رکھتا تھا کہ اس کو اعلیٰ معیار کا سیاست داں کہا جاسکے البتہ وہ اپنے زمانہ کے عرب شعراء میں اعلیٰ مقام کا حامل تھا۔[2] وہ ایک زبردست عالم تھا اور سیاست و معاملات ملکی سے زیادہ ادب و فنون میں دلچسپی لیتا تھا۔ اس کی شاعری کا انداز اور تراکیب سب سے جداگانہ ہوتی تھیں۔ زیادہ تر وقت عیش و عشرت میں یا شاعرانہ محفلوں میں گذارنا پسند کرتا تھا۔ اس نے اپنا دوست مشہور زمانہ شاعر اور ادیب ابن عمار کو بنایا تھا اور اس کی بیوی اعتماد رمیکیہ تھی جو زبانت و فراست کے ساتھ علم و ادب میں بھی کسی سے کم نہ تھی۔ معتمد نے اشبیلیہ کا دربار نامی گرامی علماء و فضلاء سے بھر دیا تھا کیونکہ وہ خود بڑا سخن پرور اور ناقد تھا اس لئے معمولی شاعر اور ادیب کا اس کے پاس گذر نہ تھا۔ صاحب کمال افراد پر بے انتہا لاد و دہش کیا کرتا تھا وہ ذوق جمالیات سے پُر تھا اسلئے ہر کمال کی قدر کرتا تھا خواہ وہ پیشہ قزاقی ہی کیوں نہ ہو۔ اس لئے اس کی تعمیرات میں بھی انوکھا پن موجود تھا۔

معتمد کی فطرت میں شک و شبہ نہ تھا لیکن پھر بھی لوگوں کے بہکانے میں آجاتا تھا اس کو دغا و فریب اور ظلم و ستم سے سخت نفرت تھی معاملات کو صاف رکھنا زیادہ پسند کرتا تھا۔ مذہبی آزاد روشی کی وجہ سے رواداری اس میں بدرجہ اتم موجود تھی۔ اپنے باپ کے برعکس رحم سے زیادہ کام لیتا تھا لیکن پھر بھی سفاکی کے کئی واقعات اس سے وابستہ پائے جاتے ہیں باپ کی طرح میدان جنگ کا آدمی نہ تھا اور نہ ہی فوجوں کو حکمت عملی سے لڑا سکتا تھا۔ جس کی بنا پر اپنے دور کے بیشتر حصے میں عیسائیوں کا باجگذار رہا۔ ہٹی نے ابن خلکان کے حوالے سے لکھا ہے کہ وہ آئین کے ملوک الطوائف میں گو سب سے زیادہ طاقتور، مشہور العوام اور شان و شوکت والا بادشاہ تھا۔[3] لیکن پھر بھی وہ اس بات پر مجبور ہوا کہ اپنے آپ کو بچانے کے لئے مرابطین کی مدد حاصل کرے جس کے انجام میں اس کو اپنی حکومت سے بھی ہاتھ دھونا پڑے۔

معتمد کی فیاض اور اسراف بے جا کے واقعات زبان زد عوام ہو چکے تھے۔ اس کی فیاضی تو دور جلاوطنی میں بھی قائم رہی جس کے بہت سے واقعات عبدالواحد مراکشی نے تحریر کئے ہیں۔ اسراف بے جا میں اس کی بیوی اعتماد رمیکیہ اور دیگر کنیزیں برابر کی شریک تھیں اور وہ بے شمار دولت ان کنیزوں کی بے جا ناز برداریوں پر خرچ کر دیتا تھا۔

---

[1] الاحاطہ فی اخبار غرناطہ ج ۳ تذکرہ "محمد بن عباد" صفحہ ۵۳۰

[2] History of the Arabs

[3] Andalus E. Hole

واقعات و حالات

شلب کے معرکہ میں معتمد کی ایک شخص سے ملاقات ہوئی جس کا نام محمد بن عمار اور کنیت ابو بکر تھی۔ ابن عمار شلب کے علاقے کے ایک گاؤں شنیون میں ایک غریب عرب گھرانے میں پیدا ہوا تھا۔ ابتدائی عمر میں تعلیم شلب ہی میں حاصل کی پھر اس کے بعد قرطبہ چلا آیا لیکن یہاں تعلیم حاصل کرنے کے پریشان گردی میں وقت گذارنے لگا اس کو شعر و شاعری کا اعلیٰ ذوق تھا چنانچہ اکثر لوگوں کے لئے کچھ نہ کچھ لکھ کر روزی حاصل کر لیتا تھا۔ پھر بھی شاعری میں اس کی جلد شہرت ہو گئی۔ اور اسی باعث وہ معتمد تک پہونچ گیا۔ کیونکہ دونوں ہم ذوق اور ہم خیال تھے اس لئے دوستی جلد مضبوط ہو گئی جب معتمد شلب کا حاکم بنایا گیا۔ تو اس نے ابن عمار کو اپنا وزیر بنا لیا امام الدین صاحب نے لکھا ہے کہ "ابن عمار المعتضد کے ہی زمانہ میں اس کے دربار میں ملازم ہو گیا تھا" لیکن کیونکہ ابن عمار کا خاص فن ہجو گوئی تھا اس لئے ایک بار معتضد نے اس کی ہجو گوئی سے خفا ہو کر اس کو جلا وطن کر دیا تھا۔ یہ جلا وطنی کا زمانہ اس نے سرقسطہ میں گذارا یہاں تک کہ معتمد بادشاہ اشبیلیہ ہوا اور اس نے اپنے دوست کو اپنے پاس بلا لیا۔ پہلے تو اس کو صوبہ شلب کا گورنر بنا دیا لیکن جب اس کے بغیر چین نہ پڑا تو اپنا وزیر بنا کر اپنے پاس بلا لیا۔ شلب سے اشبیلیہ تک معتمد اور ابن عمار کا طریقہ کار صرف داد عیش دینا اور تفریحات میں وقت گذارنا تھا۔ اکثر وہ دونوں وادی الکبیر کے کنارے باغات میں چلے جاتے اور وہاں کی رومان پرور فضا میں شعر و ادب کی محفلیں منعقد کر کے وقت گذارتے تھے۔

لیکن متذکرہ باتوں سے یہ اندازہ کرنا غلط ہوگا۔ کہ معتمد نے باپ دادا کے جاری کردہ کام کو پورا کرنے میں کوئی غفلت یا کوتاہی برتی ہوگی۔ باوجود اس کے کہ معتمد کچھ زیادہ حکومت کی صلاحیت نہ رکھتا تھا لیکن پھر بھی اس کے ہاتھوں وہ کارنامے انجام پائے جو اس کے باپ اور دادا کو حاصل نہ ہو سکے تھے۔ جب قرطبہ پر شاہ طلیطلہ مامون ذوالنونی نے حملہ کیا تو معتمد نے اس کے خلاف اہل قرطبہ کی مدد کی۔ اور المامون کو وہاں سے ہٹانے میں کامیابی حاصل کی لیکن خود قرطبہ والوں کے اصرار پر شہر پر قبضہ کر لیا۔ اور اپنے لڑکے عباد کو وہاں کا حاکم مقرر کیا۔ المامون نے حسب عادت اپنے دوست الفانسو ششم سے مدد حاصل کی اور دوبارہ قرطبہ پر حملہ آور ہوا لیکن عباد نے یہ حملہ بھی پسپا کر دیا۔ اس کے بعد قرطبہ کے ایک بااثر رئیس ابن عکاشہ نے مامون کے ساتھ سازش کی اور دھوکہ دیکر عباد اور اس کے سپہ سالار محمد بن مرتین کو قتل کر دیا اور قرطبہ پر مامون ذوالنونی کی حکومت کا اعلان کر دیا لیکن کچھ دن بعد ہی ابن عکاشہ اور مامون میں کشمکش شروع

⚠ Political History of Musalim Spain ص ۱۵۳ ⚠ عبرت نامہ اندلس ج ۴ ص ۱۰۴۸

ہو گئی جس میں مامون کو ہر دیگر بار اٹھا لایا گیا۔ معتمد کو موقعہ مل گیا اور ۲۷۱ھ میں اس نے قرطبہ پر دوبارہ فوج کشی کر کے قبضہ کر لیا اور اپنے لڑکے کا بدلہ لینے کے لئے ابن عمار کا سر اور اس کے ساتھیوں کو قتل کرا دیا۔ اس کے بعد طلیطلہ کی حکومت کا وہ علاقہ جو وادی الکبیر اور وادی آنہ کے درمیان تھا معتمد کے قبضہ میں آگیا جس سے اشبیلہ کی حکومت میں کافی وسعت ہو گئی۔

معتمد کی حیثیت مسلمان ملوک الطوائف میں شیر کی سی تھی لیکن عیسائیوں کے مقابلہ میں وہ بکری کے بچے کی طرح تھا وہ پہلے غرسیہ شاہ جلیقیہ کو اور پھر الفانسو ششم کو سالانہ خراج ادا کرتا تھا۔ سالانہ خراج کی ادائیگی کے بعد معتمد کو یہ یقین تھا کہ عیسائی اس کے ساتھ بدعہدی نہ کریں گے اس لئے بلا خوف و خطر وہ عیش و عشرت اور رنگ رلیوں میں مست رہتا تھا۔ سالانہ خراج کی ادائیگی اور معتمد کے اعراف بے جا نے ایک دن خزانے کو بالکل خالی کر دیا۔ جس کے نتیجہ میں کئی کئی ماہ فوجوں کو تنخواہ تک نہ ملتی تھی۔ الفانسو ششم مسلمانوں سے خراج وصول کرنے میں بڑا زشت خو اور بد مزاج تھا اور ذرا بھی خراج ملنے میں دیر ہوتی تو وہ حملہ کر دیتا۔ اشبیلہ کا کیونکہ خزانہ خالی تھا اس لئے خراج کی ادائیگی میں دیر ہوئی اور الفانسو فوراً فوج لیکر اشبیلہ پر چڑھ دوڑا۔ شعر و شراب میں ڈوبے ہوئے معتمد میں اتنا دم نہ تھا کہ وہ اپنے کاہل اور لاپرواہ افسروں کی بھیڑ لیکر عیسائیوں سے مقابلہ کرتا۔ اس وقت ابن عمار کی ہوشمندی کام آئی اس نے الفانسو کو شطرنج کھیلنے پر اس شرط پر آمادہ کر لیا کہ اگر وہ ہار گیا تو اشبیلہ الفانسو کے حوالے کر دیا جائیگا۔ اور اگر الفانسو ہار گیا تو دوگنا خراج لیکر واپس چلا جائیگا HCLE نے لکھا ہے کہ "ابن عمار بہترین شطرنج کا کھلاڑی تھا اور پورے اندلس میں اس کی دھاک بندھی ہوئی تھی لیکن الفانسو ششم بھی اپنے آپ کو بہترین کھلاڑیوں میں سمجھتا تھا۔ چنانچہ شطرنج کے اس کھیل میں الفانسو ششم کو ہار ہوئی اور اس کو صرف دوگنا خراج وصول کر کے واپس جانا پڑا۔[1]

ابن عمار کا جس طرح عروج ہوا تھا اس سے زیادہ تیزی سے اس کا زوال ہوا۔ گو ابن عمار بڑا ہوشمند اور زمانہ شناس تھا لیکن پھر بھی اس کی زبان درازی اور ہجو گوئی کی وجہ سے اس کے کافی دشمن پیدا ہو گئے تھے جنہوں نے معتمد کو ابن عمار کی طرف سے بدگمان کرنا شروع کیا۔ معتمد کے کردار میں شک و شبہ کا پہلو کافی نمایاں تھا چنانچہ جلد لوگوں کے بہکائے میں آگیا۔ مرسیہ کی فتح کے سلسلے میں ابن عمار نے بہت سی غلطیاں کیں جو معتمد نے بظاہر تو معاف کر دیں لیکن بباطن وہ اس کے درپہ آزار ہو گیا۔ قلعہ بلج کے عرب رئیس ابن رشیق نے ابن عمار کو مرسیہ فتح کرنے میں کافی مدد دی تھی جس سے ابن عمار کو اس کا اعتبار آگیا۔ حالانکہ ابن رشیق نے یہ سب اس

[1] Andalus ص ۱۴۳

کی دشمنی میں کیا تھا چنانچہ جیسے ہی ابن رشیق کو موقعہ ملا اس نے ابن عمار کو اپنی آزاد حکومت قائم کرنے کی صلاح دی۔ ابن عمار نے ایسا کرنے کا خیال کر لیا لیکن جلد ہی اس کو پتہ چل گیا کہ ابن رشیق نے اس سے غداری کی ہے۔ چنانچہ وہ معتمد کے خوف سے لیون کی طرف بھاگ گیا وہاں سے بنو ہود کے پاس سرقسطہ چلا گیا۔ وہاں کافی عرصہ رہا اور سرقسطی حکومت کی وافر خدمات بھی انجام دیں۔ لیکن قلعہ شقورہ پر حملہ کرتے وقت بنو سہل کے ہاتھوں قتل ہو گیا۔ بنو سہل نے اس کو چند قلعوں کے بدلے میں معتمد کے حوالے کر دیا جہاں وہ ایک عرصہ تک قید رہا ممکن ہے کہ معتمد اس کو معاف کر دیتا لیکن ایک غلط فہمی کی بنا پر اور رملیکہ کے بھڑکانے پر اس نے شدید غصے کے عالم میں اپنے ہاتھ سے ابن عمار کو قتل کر دیا۔ اور اس کی بجائے ابوبکر بن زیدون کو اپنا وزیر مقرر کیا جو اپنے وقت کا ایک زبردست عالم تھا۔

جس وقت الفانسو ششم طلیطلہ کا محاصرہ کئے ہوئے تھا اس نے اپنے ایک یہودی افسر خزانہ ابن شالیب کو اشبیلہ خراج وصول کرنے کے لئے بھیجا۔ معتمد کے پاس اس وقت زیادہ رقم نہ تھی چنانچہ اس نے ملاوٹ کر کے سونے کے سکے ڈھلوائے اور ابن شالیب کو دیدیئے ابن شالیب نے حقارت، بدتمیزی اور بدزبانی سے ان سکوں کو لینے سے انکار کر دیا۔ جس پر معتمد کو شدید غصہ آیا اور اس نے دیگر سفیروں کو گرفتار کر کے ابن شالیب کو قتل کرا دیا۔ الفانسو ششم اس وقت پورے اسپین کی فتح کے خواب دیکھ رہا تھا چنانچہ اپنی طاقت کا مظاہرہ کرنے کے لئے ایک زبردست لشکر لیکر شرف اشبیلہ کو تاخت و تاراج کرتا اور مسلمانوں کو قتل کرتا ہوا مقام طریف تک پہونچ گیا یہاں تک کہ سرقسطہ، غرناطہ بلنسیہ اور قرطبہ تک اس کی زد میں آگئے تھے۔ اسپین کے مسلمانوں کی سیاسی حالت بہت خراب تھی۔ چنانچہ وہ الفانسو کو کیا روکتے ــــ اب صرف یہی صورت دکھائی دیر ہی تھی کہ الفانسو ششم یا تو ان کو اپنی رعایا بنالے گا۔ یا ان کو ملک بدر کر دیگا۔ ایسی صورت میں ملوک الطوائف نے آپس میں مل کر یہ طے کیا کہ اس مصیبت سے نجات پانے کے لئے کسی خارجی امداد کا سہارا لیا جائے۔ اس کے لئے افریقہ کے مرابطین سے اسپین کی درخواست کی جائے۔ یوسف ابن تاشفین مرابطی (تفصیل آگے آئیگی) سے امداد طلب کرنے میں معتمد تمام ملوک الطوائف کے آگے آگے تھا۔ معتمد کے لڑکے رشید نے جب مرابطین سے امداد لینے کے خطرات سے اس کو آگاہ کیا۔ تو معتمد نے اس کو ایک تاریخی جواب دیا: "میں اپنے اخلاف سے یہ ملامت سننا گوارا نہ کرونگا کہ میں ہی وہ شخص ہوں جس نے اندلس کو کفار کے حوالے کر دیا مجھکو پسند نہ ہوگا کہ ہر مسجد کے منبر سے مجھ پر لعنت کی آواز بلند ہو۔ رہا اپنا ذاتی خیال تو وہ یہ ہے کہ افریقہ میں اونٹ چرانے کی خدمت کو اس سے

بہتر سمجھوں گا کہ قشتالیہ میں سور چراؤں"۔ اس کے بعد معتمد نے بطلیوس کے بادشاہ عمر المتوکل اور غرناطہ کے عبداللہ کو بھی کوشش کر کے اپنے ساتھ ملا لیا۔ اور پھر متفقہ ایک سفارت مراکش بھیجی گئی جس نے یوسف بن تاشفین کو اسپین چلنے پر آمادہ کر لیا۔ اور یوسف نے اسپین آ کر ۲۳ اکتوبر ۱۰۸۶ء (مطابق ۱۳ رمضان ۴۷۹ھ) میں بطلیوس کے قریب زلاقہ کے میدان میں عیسائیوں کے متحدہ لشکر کو فاش شکست دی۔ معتمد بذات خود اس جنگ میں شریک تھا اور کئی کاری زخم بھی کھائے تھے۔ یوسف بن تاشفین جلد ہی افریقہ واپس چلے گئے لیکن اپنے تین ہزار افریقی سپاہی معتمد کے سپرد کر گئے تاکہ وقت ضرورت کام آسکیں۔ یوسف کے جاتے ہی عیسائیوں نے پھر مسلم علاقے پر تاخت و تاراج شروع کر دی اور بہت سے علاقوں پر قبضہ بھی کر لیا۔ مشرقی اسپین میں معتمد نے افریقیوں کی مدد سے عیسائی یلغار کو روکنا چاہا لیکن کیونکہ طریقۂ جنگ سے ناواقف تھا اس لئے کامیاب نہ ہو سکا چنانچہ دوبارہ یوسف بن تاشفین کو امداد کے لئے بلایا گیا اور بقول ڈوزی (ابن الخطیب) اور ابن خلدون معتمد بذات خود یوسف کے پاس گیا۔ اور اس کو دوبارہ اسپین لانے میں کامیاب ہو گیا لیکن دوبارہ یوسف کا اسپین آنا خود اس کے لئے مہلک ثابت ہوا۔ (تفصیل مراسطین میں آئے گی) یہاں تک کہ یوسف کے بھتیجے سر بن ابوبکر نے اشبیلیہ پر حملہ کر دیا اور ۴۸۴ھ/۱۰۹۱ء میں اشبیلیہ پر قبضہ کر کے معتمد کو مع اہل و عیال کے اغمات (مراکش) جلاوطن کر دیا گیا جہاں اس نے ۴۸۸ھ/۱۰۹۵ء میں بڑی خستہ حالی میں انتقال کیا۔ معتمد کے زوال کی داستان عبرتناک اور دل ہلا دینے والی ہے۔

معتمد بلاشبہ دور وسطیٰ کا ایک روشن خیال اسپینی حکمران تھا۔ وہ ادب و فنون کا مداح اور سرپرست تھا۔ اور اپنی شعر نوازی اور ذوق جمالیات کی بنا پر کافی مشہور اور مقبول عوام تھا۔ وہ ایک آزاد خیال اور روادار حکمران تھا اور اپنی عیش پسندی اور آرام طلبی کی بنا پر حکومت کے کاموں سے بے حد لاپرواہی برتتا تھا۔ اس کے دور میں اشبیلیہ شعر و ادب کا مسکن تھا اور دور دور سے اہل قلم و فنون اس کے دربار میں جمع ہو گئے تھے۔ مشہور زمانہ عبدالجلیل اس کا درباری شاعر تھا۔ معتمد کے بہت سے اشعار اور غزلیں مورخین نے محفوظ کی ہیں۔ خاص طور پر دولاسیری کی نظمیں بے مثال ہیں جن سے اس کے تخیل کی پرواز اور ادب پر غائر نظر کا اندازہ ہوتا ہے۔ اگر یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ معتمد تخت و تاج کے لئے نہیں بلکہ شعر و ادب کی مسند سجانے کے لئے پیدا ہوا تھا۔

—

[1] Spanish Islam ص ۶۱۴

[2] تفصیل کے لئے دیکھئے سیرت نامہ اندلس

دانیہ، المریہ، مرسیہ اور جزائر شرق الاندلس کے صقلبی حکمران

۴۰۷ھ / ۱۰۱۳ء تا ۵۰۹ھ / ۱۱۱۵ء

جس طرح بربروں نے ہشام المؤید کے بعد ہنگامہ دار و گیر سے فائدہ اٹھا کر جنوبی اسپین میں اپنی چھوٹی بڑی ریاستیں قائم کر لی تھیں اسی طرح صقالبہ نے بھی فائدہ اٹھایا اور جنوب مشرقی اسپین کے علاقوں پر قبضہ کر کے اپنی چھوٹی چھوٹی حکومتیں قائم کر لیں۔ یہ ریاستیں ۱۱ ویں صدی عیسوی کے وسط میں ابھری تھیں اور اسی صدی کے آخر میں عربوں اور بربروں کے ہاتھوں ختم ہو گئیں۔ البتہ جزائر شرق الاندلس (بلیارک آئی لینڈ) پر صقالبہ کا اقتدار ۵۰۹ھ / ۱۱۱۵ء تک قائم رہا۔

مرسیہ اور المریہ محمد بن ابی عامر المنصور کا ایک غلام خیران تھا جس کو المنصور نے اپنے ہی زمانہ میں المریہ کا عاکم بنا دیا تھا۔ بنو امیہ کے دور زوال میں خیران نے قرطبہ کی سیاست میں زبردست حصہ لیا تھا وہ بربروں کا شدید دشمن تھا۔ ہنگامہ دار و گیر میں اس نے اس بات کی بڑی کوشش کی تھی کہ ہشام المؤید یا خاندان بنو امیہ کے کسی فرد کو تخت قرطبہ پر بٹھایا جائے۔ اس نے سلیمان المستعین کی مخالفت میں علی بن حمود کا ساتھ دیا تھا اور اس کی خلافت کو مستحکم کرنے کے لئے اس کے ساتھ مل کر قرطبہ پر چڑھائی کی جہاں پر سلیمان المستعین اور اس کے بربر ساتھی قبضہ جمائے بیٹھے تھے چنانچہ سلیمان المستعین گرفتار ہو کر قتل ہوا۔ ابتداء میں تو خیران علی بن حمود کا خیر خواہ رہا لیکن کیونکہ طبیعت طامع رکھتا تھا اور اپنے اختیارات وسیع دیکھنا چاہتا تھا اس لئے اس نے قرطبہ والوں سے مل کر عبدالرحمٰن الناصر کے ایک پوتے عبدالرحمٰن المرتضیٰ کو

بذریعہ انتخاب خلیفہ مقرر کرایا۔ خیران پہلا شخص ہے جس نے ۴۰۸ھ/۱۰۱۸ء میں ایک مجلس مشاورت ایسے اصحاب اثر کی مقرر کی جن پر بھروسہ تھا۔ اور اسی مجلس میں یہ فیصلہ کرایا کہ خلیفہ ہمیشہ بذریعہ انتخاب مقرر ہوا کرے لیکن خیران جلد ہی عبدالرحمٰن المرتضیٰ سے بدظن ہو گیا اور غرناطہ کے زاوی بن زیری سے سازش کر کے عین میدان جنگ میں المرتضیٰ کو قتل کرا دیا۔[1] علی بن حمود کے بعد اس کے بھائی قاسم نے قرطبہ پر قبضہ کر لیا اور خیران سے مصالحت کر لی لیکن خیران نے قاسم بن حمود سے بھی غداری کی اور اس کے بھتیجے یحییٰ بن علی کو قرطبہ پر قبضہ کرنے کی دعوت دی۔ ۴۱۷ھ/۱۰۲۶ء تک خیران المریہ میں خاموش بیٹھا رہا بالآخر اسی سال اسی نے دانیہ کے حاکم مجاہد کے ساتھ مل کر اہل قرطبہ کی مدد سے قرطبہ پر قبضہ کر لیا۔ اور بربروں کو وہاں سے نکال باہر کیا۔ لیکن جب حکومت کا سوال پیدا ہوا۔ تو خیران اور مجاہد آپس میں لڑ پڑے اور خیران مجاہد کے خوف سے چند ماہ بعد ہی المریہ واپس چلا گیا۔ اور ۴۱۹ھ/۱۰۲۸ء میں وہیں پر انتقال کیا۔

خیران کے مرنے کے بعد اس کا جانشین زہیر ہوا جو اس وقت مرسیہ کا حاکم تھا اور اب مرسیہ اور المریہ دونوں اس کی حکومت میں شامل ہو گئے۔ زہیر کے حالات تواریخ میں بہت کم پائے جاتے ہیں جو کچھ حالات ملتے ہیں ان سے صرف یہ پتہ چلتا ہے کہ وہ ایک امن پسند حکمراں تھا۔ اور بہت کم دوسروں کے معاملات میں مداخلت کرتا تھا۔ زہیر باوجود اس کے کہ صقلبی تھا اور بنو امیہ سے خاص انسیت رکھتا تھا لیکن پھر بھی اس نے قاضی ابوالقاسم حاکم اشبیلیہ کے ساختہ پرداختہ فرضی ہشام المؤید کی خلافت کو تسلیم نہ کیا۔ چنانچہ جب قاضی ابوالقاسم نے اس پر حملہ کیا تو اس نے حبوس شاہ غرناطہ سے اتحاد کر کے اشبیلیہ کے فوجوں کو زبردست شکست دی۔ بادیس شاہ غرناطہ کے تذکرہ میں بیان کیا جا چکا ہے کہ کس طرح زہیر اپنے تنگ نظر اور متعصب وزیر ابن عباس کی بدولت غرناطہ سے واپسی میں اہل غرناطہ کے ہاتھوں قتل ہوا تھا۔ (۴۲۹ھ/۱۰۳۸ء) زہیر معمولی عالم تھا لیکن بڑا علم دوست تھا وزیر ابن عباس کی بدولت اس کے پاس ایک بڑا کتب خانہ بھی بن گیا تھا۔

زہیر کے قتل کے بعد بلنسیہ کے حاکم عبدالعزیز عامری نے جو عبدالرحمٰن سنخول کا لڑکا تھا المریہ پر قبضہ کر لیا۔ مرسیہ پر ابوبکر احمد بن طاہر کو جو زہیر کے ہی زمانے سے وہاں کا حاکم تھا قائم رہنے دیا لیکن عبدالعزیز کو اس علاقے پر سکون سے حکمرانی کا موقعہ نہ مل سکا اس لئے کہ مجاہد حاکم دانیہ یہ نہیں چاہتا تھا کہ اس کی حکومت کی حدود کے قریب عبدالعزیز کی حکومت ہو۔ چنانچہ مجاہد نے عبدالعزیز [illegible] ان کرنا شروع کر دیا۔ یہاں تک کہ

---

[1] Spanish Islam ص ۵۷۸

بقول ڈوزی عبدالعزیز مجبور ہو کر ۴۳۳ھ/۱۰۴۱ء میں المریہ کو چھوڑ اپنے علاقہ بلنسیہ چلا گیا۔ اور حکومت اپنے ایک عزیز ابوالاحوص معن کے سپرد کر گیا۔ ابوالاحوص بنی سماح میں سے تھا۔ اس خاندان نے المریہ پر ۴۸۴ھ/۱۰۹۱ء تک حکومت کی یہاں تک کہ یہ علاقہ مرابطین کے قبضہ میں چلا گیا۔ البتہ مریہ پھر بھی عبدالعزیز کے زیر اطاعت رہا۔ ۴۵۳ھ/۱۰۶۱ء میں عبدالملک المظفر اپنے باپ عبدالعزیز کے بعد تخت بلنسیہ پر آیا۔ مریہ حسب سابق اس کا بھی باجگذار رہا۔ لیکن ابوبکر احمد بن طاہر مریہ پر مطلق العنان حاکم رہا۔ ۴۵۶ھ/۱۰۶۴ء میں عبدالرحمٰن حارث ابوبکر احمد کے بعد جانشین ہوا اور ۴۷۱ھ/۱۰۷۸ء تک وہاں کا مطلق العنان حاکم رہا۔ عبدالرحمٰن محمد حارث بڑا دولت مند تھا اور تقریباً نصف مریہ اس کی ذاتی جاگیر تھا لیکن اس کے پاس اتنی فوج نہ تھی کہ دشمن سے اپنے آپ کو بچا سکے چنانچہ معتمد شاہ اشبیلیہ کے وزیر ابن عمار نے اس کی کمزوری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ۴۷۱ھ/۱۰۷۸ء میں مریہ پر قابض ہونے کی کوشش کی۔ پہلی کوشش تو ناکام رہی البتہ دوسری کوشش میں حاکم قلعہ یابح ابن رشیق کی امداد سے مریہ فتح ہو گیا۔ اور عبدالرحمٰن محدث گرفتار کر کے قید میں ڈال دیا گیا۔ ابن عمار اس علاقہ کا حاکم ہو گیا۔ والی بلنسیہ جو عبدالرحمٰن محدث کا بڑا دوست تھا اور ابن عمار سے خار کھاتا تھا اس نے ابن رشیق کے ذریعے معتمد شاہ اشبیلیہ سے درخواست کی کہ عبدالرحمٰن محدث کو ابن عمار کی قید سے رہائی دلوائی جائے۔ معتمد نے یہ درخواست قبول کر لی اور ابن عمار کو عبدالرحمٰن محدث کی رہائی کا فرمان بھیجا۔ الغرض یہی عبدالرحمٰن بن احمد بن طاہر تھا جس کی بدولت معتمد اور ابن عمار میں رنجش پیدا ہوئی جو بالآخر ابن عمار کی موت کا باعث ہوئی۔ ابن عمار کے بعد مریہ پر ابن رشیق نے قبضہ کر لیا جو بعد میں مرابطین کے ہاتھوں قید ہوا اور یہ علاقہ بھی مرابطین کے قبضہ میں چلا گیا۔

دانیہ اور جزائر شرق الاندلس

ابن خلدون نے لکھا ہے کہ عصام نامی ایک شخص نے امیر عبداللہ اموی کے عہد میں اس علاقہ پر قبضہ کر لیا تھا۔ بعد میں امیر عبداللہ نے اس کو جزائر شرق الاندلس کی گورنری عطا کر دی تھی۔ دس برس تک عصام نے اس علاقہ پر حکمرانی کی اس نے اس علاقہ میں بہت سی تعمیرات کیں۔ بٹرکیں۔ پل اور حمام بکثرت بنائے۔ عصام کے مرنے کے بعد اہل جزیرہ نے اس کے لڑکے عبداللہ کو اپنا امیر بنا لیا۔ امیر عبداللہ اموی نے اس کی گورنری بھی منظور کر لی لیکن عبدالرحمٰن نے تخت چھوڑ کر دوویشی اختیار کر لی اور مشرق میں کسی نامعلوم جگہ چلا گیا۔ خلیفہ الناصر نے اپنے ایک غلام مرفق کو اس جزیرہ کا حاکم بنایا۔ مرفق نے دانیہ اور جزائر میں بحری جہاز سازی کے کارخانے تعمیر کئے۔ اور بہت سے جنگی جہاز بنا کر فرانس کے ساحلی علاقہ پر بکثرت جہاد کئے۔ ۳۵۹ھ/۹۷۰ء میں عہد الحکم ثانی

میں موفق نے وفات پائی۔ اس کے غلاموں میں سے ایک شخص کوثر نامی اس کا جانشین ہوا اس نے بھی موفق کی طرح دشمنان اسلام سے بہت سے جہاد کئے۔ کوثر نے امارت المنصور میں ۳۸۹ھ/۹۹۹ء میں انتقال کیا۔ حاجب المنصور نے اپنے موالی میں سے مقاتل کو اس جزیرہ کا حاکم بنایا مقاتل بھی جہاد کا بڑا شوقین تھا اس نے بھی فرانس کے علاقوں پر بہت سے حملے کئے اور ایک زبردست بحری بیڑہ تیار کیا۔ ۴۰۳ھ/۱۰۱۲ء دور فتنہ سامانی میں اس نے وفات پائی۔

مجاہد بن یوسف مجاہد بن یوسف بن علی حاجب المنصور کے موالیوں میں سے ایک دلیر اور سربرآوردہ شخص تھا۔ حاجب المنصور نے اس کی پرورش کی تھی۔ قرآن حدیث اور عربی ادب کی اس کو خاص تعلیم دی گئی تھی۔ اور ان علوم میں اس کو اعلیٰ درجہ کا کمال حاصل تھا جس دن مہدی باللہ قرطبہ میں قتل ہوا اسی روز مجاہد نے قرطبہ چھوڑ دیا اور مشرقی اسپین کے علاقہ دانیہ پر قبضہ کر لیا۔ یہ اپنے زمانے کا سب سے بڑا بحری سپہ سالار تھا جس طرح جزائر سردانیہ (Sordina) اور ساحل اٹلی پر حملہ کرنے میں شہرت پیدا کی اسی طرح اہل علم و فضل کی سرپرستی میں بھی نامور ہوا تھا ابو الفتوح جس نے بادیس شاہ غرناطہ کے خلاف بغاوت کی تھی ۴۰۶ھ/۱۰۱۵ء میں مجاہد کے پاس آیا تھا اور عربی نحو کی مشہور کتاب "الجمل" یہیں پر تحریر کی تھی۔ اور مجاہد کے ساتھ سردانیہ کے حملے میں بھی شریک ہوا تھا۔ مجاہد ہمیشہ خیران حاکم مرسیہ اور عبد العزیز حاکم بلنسیہ سے نبرد آزما رہا۔

مجاہد ۴۳۶ھ/۱۰۴۴ء میں فوت ہو گیا اور حکومت اس کے لڑکے علی اقبال الدولہ کے قبضہ میں آئی۔ المقتدر بن ہود نے علی اقبال الدولہ کو جو اس کا داماد بھی تھا تخت سے اتار دیا اور ریاست دانیہ کو اپنی حکومت میں شامل کر لیا۔ ۴۶۹ھ/۱۰۷۶ء سے ۴۷۴ھ/۱۰۸۱ء تک دانیہ پر المقتدر کا اقتدار رہا۔ اس کے بعد اس کا لڑکا حاجب منذر اس علاقہ کا حاکم ہوا یہاں تک کہ یہ علاقہ بھی مرابطین کے قبضہ میں چلا گیا (۴۸۴ھ/۱۰۹۱ء) جزائر شرق الاندلس کا بھی یہی حال ہوا۔ مجاہد کے مقرر کئے ہوئے سردار اور ان کے جانشین کچھ عرصہ تک یہاں آزاد حکومت کرتے رہے یہاں تک کہ یہ بھی مرابطین کا لقمہ بن گئے۔

طوائف الملوکی کے یہ بڑے بڑے خاندان تھے جنہوں نے ایک عرصہ تک اپنے اپنے علاقوں میں آزاد حکمرانی کی لیکن جہاں تک ان کی سیاسی آزادی اور استحکام کا تعلق ہے یہ سب کے سب عیسائیوں کے پنجہ میں تھے۔ اور کسی میں بھی اتنا دم خم نہ تھا کہ فرداً فرداً یا متحدہ طور پر عیسائیوں سے اپنے آپ کو بچا لیتے۔ ان کی سیاسی

کمزوری نے اسلامی تہذیب کے باقی ماندہ آثار کو بھی ختم کر دیا اور حالات بتا رہے تھے کہ وہ وقت اب زیادہ دور نہیں جبکہ اسپین کی مساجد کے میناروں سے اذان بلند ہونا بند ہو جائے۔ خون مسلم ارزاں ہو چکا تھا۔ اور عیسائی یلغار بڑھتی جا رہی تھی۔ ایسی بدترین حالت میں المرابطین کا داخلہ بلاشک وشبہ اسلام اور مسلمانوں کے لئے ایک خلائی امداد سے کم نہ تھا۔

اب ہم اس باب کے دوسرے حصہ کا تذکرہ کرتے ہیں جو خارجی طاقتوں المرابطین اور الموحدین پر مشتمل ہے۔

حصہ دوم

مرابطین و مواحدین

ابتدا اور عروج

آسپینی زبان کا لفظ Al Moravid دراصل عربی زبان کے لفظ رباط سے لیا گیا ہے عربی میں رباط اس خیمہ کو کہتے ہیں جس کو کوئی شخص عبادت کرنے کے لئے کسی سنسان اور تنہا مقام پر کھڑا کرے۔ یہ رباط آج کل بھی صحرا اور پہاڑوں میں پائے جاتے ہیں۔ بربر قبائل رباط میں رہنے والے شخص کا بڑا احترام کرتے تھے اور اس کو اپنا دینی رہبر تصور کرتے تھے اور رباط میں رہنے والے شخص کو مرابط کے نام سے پکارتے تھے حاجب المنصور کے زمانہ میں شمالی افریقہ کے حالات کو خراب ہو چکے تھے اور وہاں کے بیشتر علاقوں سے بنو امیہ آپین کا اقتدار اٹھ چکا تھا لیکن پھر بھی حاجب المنصور نے اپنے زمانہ میں وہاں کے حالات بہر طور قابو میں رکھے۔ لیکن اس کے مرتے ہی مسلم آپین کے اثرات شمالی افریقہ سے تقریباً ختم ہو گئے۔ اس وقت شمالی افریقہ میں کوئی قبیلہ اس قابل نہ تھا کہ پورے شمالی افریقہ کو اپنے قابو میں کر لیتا چنانچہ بربر قبائل نے جدا جدا اپنے مذہبی رہنما مرابط کی ماتحتی میں اپنے آپ کو متحد کر لیا۔ اور اس طرح تمام شمالی افریقہ موجودہ الجزائر سے لیکر دریائے نائجر تک کا علاقہ ان ہی مرابطین کے تصرف میں آگیا۔ بربر قبیلہ صنہاجہ کی ایک شاخ لمتونہ تھی۔ جو صحرا اعظم کی پنہائیوں میں رہتی تھی اور صحرا کے تند و تیز ریت کے طوفانوں سے اپنے چہروں کو بچانے کے لئے لثم (پردہ) استعمال کرتے تھے۔ جن میں صرف آنکھوں کی جگہ دو سوراخ ہوتے تھے۔ قبیلہ لمتونہ کے ہزاروں افراد موسیٰ بن نصیر کے ماتحت افریقہ میں لڑ چکے تھے چہروں پر نقاب ڈالنے کی وجہ سے ان کو ملثمین کے نام سے بھی پکارا جاتا تھا۔ مرابطین کی ابتدا کے متعلق بہت سی مختلف رائیں پائی جاتی

[1] ابن اثیر جلد ۹ ص ۲۹-۴۲۸

ہیں۔ کچھ مورخین کا یہ خیال ہے کہ یہ لوگ یمن کے حمیری قبیلے سے تعلق رکھتے تھے اور حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کے زمانہ میں یمن سے شام جا کر آباد ہو گئے تھے۔ اور وہاں سے مغرب اقصیٰ کی طرف چلے گئے۔ لیکن ابن خلدون اور ابن اثیر کی رائے کے مطابق مرابطین قبیلہ صنہاجہ کی ایک شاخ تھے۔ اور صحرائے اعظم کے رہنے والے بربر تھے۔ ۴۳۰ھ/۱۰۳۹ء میں صنہاجہ قبیلے کی ایک شاخ جدالہ کا رئیس یحییٰ بن ابراہیم مکہ سے حج کر کے واپس ہوا اور قیروان میں ایک مالکی مذہب کے عالم ابو عمران الفاسی سے ملاقات کی۔ ابو عمران کے زہد و تقویٰ سے یحییٰ بڑا متاثر ہوا اور اس نے ابو عمران سے درخواست کی کہ وہ کسی مذہبی عالم کو اس کے ساتھ روانہ کر دیں۔ تاکہ اپنے قبیلہ میں اسلام کی تبلیغ صحیح طریقہ پر کرائی جائے۔ ابو عمران نے شہر نفیس کے رہنے والے ایک عالم عبداللہ بن یٰسین کو اس کے ساتھ روانہ کر دیا۔ عبداللہ نے اپنا رباط دریائے نائجر کے ایک جزیرہ میں کھڑا کیا۔ جلد ہی عبداللہ کے زہد و تقویٰ اور علم کی شہرت آس پاس کے بربر قبیلوں میں پھیل گئی۔ اور کثیر تعداد میں لوگ اس کے حلقہ ارادت میں داخل ہونے لگے۔ کے مریدوں میں لمتونہ قبیلے کے دو بھائی یحییٰ بن عمر اور ابوبکر بن عمر خاص الخاص کی حیثیت سے مشہور تھے۔ عبداللہ بن یٰسین نے جلد ہی بربر قبائل لمتونہ، مصمودہ وغیرہ کی مذہبی اور بعد ازاں سیاسی سرداری حاصل کر لی۔ کیونکہ یہ قبائل جنگجو اور لڑاکا تھے اس طرح عبداللہ خود بخود ایک جنگجو فوج کے سردار بن گئے۔ ہٹی کے کہنے کے مطابق "ابتدا میں ایک ہزار لڑاکا مرابط کی فوج ترتیب دی گئی جنہوں نے ایک کے بعد دوسرے بربر قبائل اور کچھ نیگرو قبائل کو دائرہ اسلام میں داخل کر لیا۔" [1] امام الدین صاحب کے کہنے کے بموجب "عبداللہ بن یٰسین نے بہت سے بربر قبائل کو متحد کر کے اور ان کو عسکری تربیت دے کر یحییٰ بن عمر کو ان کا سپہ سالار بنا دیا۔ یحییٰ بن عمر اپنی فوج لیکر آگے بڑھا اور سجلماسہ کے علاقہ پر قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد وہ صحراء اعظم کے اندر گھستا چلا گیا اور وہ بہت سے علاقے بھی فتح کر لئے جو موسیٰ بن نصیر نے بھی فتح نہ کئے تھے۔ ۴۵۱ھ/۱۰۵۹ء میں یحییٰ برغواطہ قبیلے سے مقابلہ کرتا ہوا مارا گیا۔ آرنلڈ کا کہنا ہے کہ عبداللہ بن یٰسین بھی اس کے ساتھ مارا گیا تھا۔ یحییٰ بن عمر اور عبداللہ کے مارے جانے کے بعد مرابطین کی سرداری ابوبکر بن عمر کے حصہ میں آئی۔ ابوبکر نے برغواطہ قبیلے کو شکست دے کر سابقہ دریسی حکومت کے بقایا کو بھی اپنی حکومت میں شامل کر لیا۔ اس نے اپنے نام کا سکہ بھی جاری کیا۔ اسی اثنا میں صحراء اعظم کے مرابطین قبائل کے درمیان آپس میں جنگ چھڑ گئی جسکو ختم کرنے کے لئے ابوبکر کو صحراء اعظم کی طرف جانا پڑا۔ وہ اپنے پیچھے اپنے چچیرے بھائی یوسف بن تاشفین کو تمام علاقہ محروسہ کا نائب بنا کر صحرا کی طرف چلا گیا۔ ابوبکر کو وہاں کئی سال لگ گئے جب وہ واپس آیا تو حالات کو بالکل بدلا ہوا پایا۔

[1] Political History of Muslim Spain [2] History of the Arabs

یوسف بن تاشفین نے اپنی دانشمندی، زہد و تقویٰ اور فلاحی کاموں سے عوام کے قلوب جیت لئے تھے۔ اور عاجزی اور انکساری کے ساتھ حکومت کے کام اس طرح انجام دیتے تھے۔ کہ عوام الناس ابوبکر بن عمر کو بھول چکے تھے۔ اور یوسف ان کا ہر دلعزیز بادشاہ بن گیا تھا ان حالات کو دیکھتے ہوئے ابوبکر نے اسی میں اپنی اور حکومت کی بھلائی دیکھی کہ حکومت یوسف بن تاشفین کے حوالے کر کے خود صحراء اعظم چلا جائے چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا اور ۴۸۱ھ/۱۰۸۷ء میں صحرا ہی میں وفات پائی۔

یوسف بن تاشفین

۴۵۴ھ/۱۰۶۱ء میں یوسف کو تخت ملا۔ یوسف بن تاشفین ایک مرد صالح، نیک اور انصاف پسند بادشاہ تھا۔ اپنے ملک میں اس نے شریعت اسلامیہ کا پورا پورا نفاذ کیا خود بھی باشرع اور خلفاء راشدینؓ کے طرز عمل پر چلنے والا تھا۔ عاجزی اور انکساری اس کی گھٹی میں تھی۔ عوام سے بہت محبت کرتا تھا۔ اور بذات خود ان کے کاموں میں دلچسپی لیتا تھا۔ معاملات حکومت میں علماء اور فقہاء کی رائے کو اہمیت دیتا تھا جب اپنے ملک میں امن و امان قائم کر کے اپنی حکومت کو قرآن و سنت پر ڈھال دیا تو ۴۷۹ھ/۱۰۸۶ء میں اس نے عباسی خلیفہ المقتدی بامر اللہ سے درخواست کی کہ جو ممالک بحالت موجودہ میرے قبضہ میں ہیں ان کا مجھے بادشاہ بنا دیا جائے۔ عباسی خلیفہ نے اس کی یہ درخواست منظور کر لی۔ اور اس کو خلعت، پرچم اور شمشیر عنایت کرتے ہوئے اس کو اجازت دی۔ کہ وہ اپنے لئے امیر المسلمین کا لقب استعمال کر سکتا ہے جس سے یوسف بن تاشفین اور مغرب کے فقہاء بے انتہا مسرور ہوئے۔ یوسف بن تاشفین ہی وہ پہلا شخص ہے جس نے شہر مراکش کی بنیاد رکھی اور اس کو اپنا دارالحکومت قرار دیا۔[1] اس کی علم دوستی اور دینداری کی اس قدر شہرت ہو گئی تھی۔ کہ امام غزالیؒ جیسے عالم نے اس سے ملاقات کے لئے مغرب اقصیٰ کا سفر کیا (لیکن یوسف امام صاحب کے آنے سے پیشتر انتقال کر چکا تھا)

جس وقت اسپین کے مسلمانوں نے مرابطین سے امداد کی درخواست کی تھی۔ اس وقت مرابطین کا دور عروج تھا۔ اور ان کی حکومت مغرب میں دریائے سینیگال سے لیکر مشرق میں الجزائر تک مکمل طور پر قائم ہو چکی تھی۔ جیسا کہ بتایا جا چکا ہے کہ اسپین کے ملوک الطوائف جب الفانسو ششم کے ناپاک ارادوں سے تنگ آ گئے تھے۔ اور ان کے لئے کوئی راہ نجات باقی نہ رہی تو انہوں نے یوسف سے مدد کی درخواست کی تھی کیونکہ یوسف کی دینداری اور فقہاء و علماء کی اس کے یہاں قدر دانی کی کافی شہرت ہو چکی تھی اسلئے اسپین کے

[1] تاریخ الخلفاء سیوطی ص ۴۴۳ اردو ترجمہ

علماء دین بھی اس کو اسپین لانے کی بڑی کوشش کر رہے تھے معتمد شاہ اشبیلا اور متوکل شاہ بطلیوس اس کوشش میں سب سے آگے تھے بہت سے ملوک الطوائف یوسف کو بلانے کے خلاف تھے لیکن عیسائیوں کے خطرہ کے پیش نظر انہوں نے اس شرط پر اس کو بلانے کی حامی بھر لی کہ وہ اسپین کے کسی علاقہ پر قابض نہ ہوں گے۔ غرناطہ کے قاضی ابو جعفر قلیعی بطلیوس کے قاضی ابو اسحٰق مسکانا اور اشبیلہ کے وزیر ابو بکر ابن زیدون نے یوسف کو بلانے کے لئے افریقہ روانہ ہوئے شرائط کی تفصیل کا تو پتہ نہ چل سکا۔ البتہ اتنا ضرور پتہ چلتا ہے کہ یوسف نے اس امر کی قسم کھائی تھی کہ وہ اسپین کی کسی ریاست پر قبضہ نہ کریگا صرف عیسائیوں کو شکست دیکر واپس آجائیگا ۴۸۰ھ ۱۰۸۶ء میں یوسف بن تاشفین ایک بڑی فوج لے کر جزیرۂ الخضراء پر اترا اور وہاں سے اشبیلہ روانہ ہو گیا تمام ملوک الطوائف بھی اپنی اپنی فوج لیکر اس سے آملے۔ اور مسلمان فوج کی تعداد بیس ہزار کے قریب پہونچ گئی۔ الفانسو ششم نے بھی اپنے دوستوں کی فوج جمع کی اور ۶۰ ہزار کا لشکر لیکر بطلیوس کے قریب آگیا بطلیوس سے ۶ میل کے فاصلے پر زلاقہ کے میدان میں دونوں فوجوں کا آمنا سامنا ہوا۔ یوسف نے عیسائیوں کو زبردست شکست دی اور ان کی قوت کو یکسر فنا کر دیا۔ (۲۳ اکتوبر ۱۰۸۶ء مطابق ۱۴ رمضان ۴۸۰ھ) امیر یوسف کا ارادہ شمال میں آگے بڑھنے کا تھا لیکن اس کے بڑے لڑکے نے سبتہ میں اچانک انتقال کیا جس کی وجہ سے اس کو مراکش واپس لوٹ جانا پڑا۔ البتہ ۳ ہزار افریقی سپاہ وہ معتمد کے پاس چھوڑ گئے تاکہ وقت ضرورت ان سے کام لیا جا سکے۔

جنگ زلاقہ سے مسلمانوں کو وقتی طور پر کئی فائدے حاصل ہوئے۔ ایک تو ان کو عیسائیوں کی باجگذاری اور آئے دن کی یلغار سے نجات ملی۔ دوسرے ان کو آئندہ کے لئے بھی مرابطین کی امداد کا سہارا مل گیا لیکن بحیثیت مجموعی مسلمانوں کو اس جنگ سے کوئی زیادہ فائدہ اس لئے نہ ہوا کہ امیر یوسف کو عیسائیوں کی کافی سرزنش کے بغیر ہی واپس جانا پڑ گیا تھا جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے کہ عیسائیوں نے جلد ہی اپنی طاقت کو تیزی کے ساتھ بحال کر کے دوبارہ مسلم علاقوں پر حملے شروع کر دیئے تھے معتمد نے اپنے افریقی دوستوں کی مدد سے ان کا ایک دو جگہ مقابلہ بھی کیا لیکن ان کی یلغار کو روکنے میں ناکام رہا۔ بالآخر دوبارہ معتمد اور دیگر ملوک الطوائف کو یوسف بن تاشفین کو مدد کیلئے بلانا پڑا ۴۸۳ھ ۱۰۹۰ء میں یوسف دوبارہ اسپین میں داخل ہوا اسوقت اسکے ساتھ اشبیلہ کا معتمد۔ مالقہ کا تمیم۔ غرناطہ کا عبداللہ۔ المریہ کا معتصم اور مرسیہ کا ابن رشیق بھی تھا۔ ان سب نے مل کر عیسائیوں کے گڈھ حصن اللیط کا محاصرہ کر لیا۔ یہ

محاصرہ ۴ ماہ تک جاری رہا۔ اس دوران ملوک الطوائف آپس میں دست و گریباں ہوگئے اور بدانتظامی سے امیر یوسف ہی کے سامنے ایک دوسرے کو پُرا بھلا کہنے اور الزام تراشنے لگے جس کی وجہ سے ابن رشیق قید کر دیا گیا۔ یہاں تک کہ حالات سے مجبور ہو کر محض الیط کا محاصرہ اٹھانا پڑا۔ حالات کا بخوبی مطالعہ کرنے کے بعد مندرجہ ذیل وجوہات کی بنا پر امیر یوسف نے یہ طے کر لیا کہ اسپین کے ملوک الطوائف کو ختم کر کے اس کو حکومت مراکش کا ایک صوبہ بنا لینا چاہیئے۔

(ا) [illegible] کے اتحاد کے تمام امکانات کو ختم کر دیا تھا جس کی بنا پر اس بات کی قوی امید تھی کہ وہ عیسائیوں کے چنگل سے بچ سکیں گے۔

(ب) امیر یوسف کو دین اسلام سے بڑی محبت تھی اور اسلام کے فوائد کا خیال نہایت خلوص کے ساتھ اس کے دل میں موجود تھا۔ ملک اسپین کی موجودہ حالت اسلام کے لئے بڑی خطرناک تھی جس کو بچانا امیر یوسف پر فرض تھا۔

(ج) اسپین کے علماء و فقہاء اور عوام سب ملک کو عیسائیوں کی دست برد سے بچانا چاہتے تھے چنانچہ ان کے نزدیک امیر یوسف خدا کی طرف سے ان کا نجات دہندہ تھا اس لئے وہ اس کو اپنے اوپر قائم رکھنا چاہتے تھے۔

(د) امیر یوسف پر عوام و علماء و فقہاء کی طرف سے پورا دباؤ اس بات کا ڈالا جا رہا تھا کہ ان کو ملوک الطوائف سے نجات دلا کر حکومت مرابطین میں شامل کر لے۔ تاکہ جو ظلم و ستم اور اسلامی شعائر کی بے حرمتی ملوک الطوائف کے ہاتھوں ہو رہی ہے اس سے نجات ملے۔

چنانچہ جب بادشاہان اسپین کے آپس کے تعلقات کی پوری نوعیت امیر یوسف بن تاشفین کے سامنے آئی تو امیر کے ذہن میں یہ بات بیٹھ گئی کہ ایسی حالت میں ملک کو عیسائیوں سے یہ ملوک الطوائف نہیں بچا سکتے اور امیر یوسف کو بار بار اسپین میں آ کر مسلمانوں کو بچانا پڑے گا چنانچہ اس سے بہتر یہ ہوگا کہ تمام ملوک الطوائف کو الگ کر کے اسپین کو مراکش کا ایک صوبہ بنا لینا چاہیئے۔ ادھر فقہاء اور مفتیان اسپین نے ایک فتویٰ مشرق کے علماء کے دستخطوں کے ساتھ جاری کیا کہ شرعی نقطۂ نگاہ سے امیر یوسف پر یہ بات فرض ہو جاتی ہے کہ وہ مسلمانوں کی جان و مال کی حفاظت کا ذمہ اپنے اوپر لیں چنانچہ امیر یوسف بن تاشفین نے پیش قدمی کی اور غرناطہ پر قبضہ کر کے شاہ غرناطہ عبداللہ کو قید کر لیا۔ اس کے چند دن بعد امیر یوسف کو

Spanish Islam [illegible] ▲

افریقہ واپس جانا پڑا۔ واپسی میں اس نے تمیم کو گرفتار کر کے مالقہ پر قبضہ کر لیا۔ اسپین میں وہ اپنا نائب ابوبکر سر بن ابوبکر کو چھوڑ گئے۔ تاکہ اسپین کے دیگر ملوک الطوائف کو معزول کر دے۔

اسپین کے ملوک الطوائف کو اب پوری طرح امیر یوسف کے ارادوں کا پتہ چل چکا تھا چنانچہ انہوں نے باہم یہ طے کر لیا کہ اگر مرابطین کو فوج اور سامان مدد نہ دیا جائیگا اور یہ بھی طے کیا کہ سب مل کر شاہ لیون الفانسو ششم سے معاہدہ کریں لیکن علما، وفقہا اور عامۃ الناس مرابطین کی حکومت میں آنا پسند کرتے تھے۔ اس لئے مفتیان دین نے ملوک الطوائف کے خلاف مرابطین کی جنگ کو شرعی اور جائز قرار دیا۔ یہ فتویٰ دیگر اسلامی ممالک کے فقہا سے بھی تصدیق شدہ تھا جن میں مشہور زمانہ امام غزالی رح بھی شامل تھے۔ ڈوزی کا بیان ہے کہ "ان دینی بزرگوں نے یوسف بن تاشفین کو اس بات کی ضرور ہدایت کی تھی کہ وہ حکومت عدل و انصاف سے کرے۔ اور راہ مستقیم سے نہ ہٹے"۔ یہ فتوی جاری ہوتے ہی سر بن ابوبکر نے ملوک الطوائف کیخلاف جنگ کا آغاز کر دیا۔ مرابطین کے لشکر کو تین حصوں میں تقسیم کر کے مختلف علاقوں میں روانہ کیا گیا۔ ایک حصے نے المریہ کا محاصرہ کیا اور باقی حصے معتمد شاہ اشبیلیہ کے علاقے میں پھیل گئے ۴۸۳ھ ۱۰۹۰ء میں جزیرہ طریف اور اس کا نواحی علاقہ فتح ہوا۔ ۴۸۴ھ ۱۰۹۱ء میں قرطبہ بھی معتمد سے چھین لیا گیا۔ یہیں اس کا لڑکا فتح مارا گیا۔ اسی سال قرمونہ بھی مرابطین کے قبضہ میں آگیا اور پھر اشبیلیہ کا محاصرہ شروع ہوا۔ معتمد نے شاہ لیون الفانسو ششم سے بہت سے وعدوں پر عاجزانہ امداد کی درخواست کی۔ شاہ لیون نے اپنے ایک سردار الورقانیز کو بہت سی فوج لیکر بھیجا۔ لیکن حصن المدور کے قریب عیسائی فوج نے مرابطین کے ایک دستہ سے شکست کھائی۔ بالآخر ستمبر ۱۰۹۱ء (۲۱ رجب ۴۸۴ھ) میں زبردست مزاحمت کے بعد اشبیلیہ پر مرابطین کا قبضہ ہو گیا۔ معتمد مع اہل و عیال کے گرفتار کر کے اغمات (مراکش) بھیجدیا گیا۔ معتمد کے دو لڑکے معتد اور راضی مرتلہ اور رندہ پر قابض تھے۔ وہ بھی بہت جلد مرابطین کے قابو میں آگئے اور راضی قتل کر دیا گیا۔ اسی سال المریہ پر قبضہ ہوا اور اس کے تھوڑے ہی دن بعد دانیہ، مرسیہ، شاطبہ کے سب مرابطین کے حیطۂ اقتدار میں آگئے۔ اس کے بعد مرابطین بطلیوس کی طرف بڑھے اور ۴۸۶ھ ۱۰۹۳ء میں اس پر قبضہ کر کے وہاں کے بادشاہ متوکل اور اس کے لڑکوں کو قتل کر دیا۔ ۴۹۵ھ ۱۱۰۲ء میں بلنسیہ پر قبضہ ہوا۔ اب صرف سرقسطہ اور سہلہ کی ریاستیں باقی رہ گئی تھیں۔ باقی سارا مسلم اسپین مع ۱۳ بادشاہوں کے یوسف بن تاشفین مرابطی کے قبضہ اور اقتدار میں آچکا تھا۔ ۵۰۰ھ ۱۱۰۶ء میں یوسف بن تاشفین نے انتقال کیا اور

تخت مراکش پر علی بن یوسف آیا۔

اسپین پر یوسف بن تاشفین کا قبضہ دراصل اسلامی تہذیب کے بحال کرنے کی ایک ناکام کوشش تھی کیونکہ دو یا دو کی الطوائف میں کسی تہذیب کے استحکام حاصل کرنے کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا اور قدیم عربی تہذیب بہت پہلے ہی اسپین سے مفقود ہو چکی تھی۔ ایک اسلامی تہذیب تھی جو عوامی طور پر زندہ تو تھی لیکن معطل حالت میں مساجد و خانقاہوں اور مدارس میں پڑی ہوئی تھی جیسے ہی زہد و تقویٰ اور شریعت اسلامی کے پیکر یوسف کے اقبال کا سورج نصف النہار تک پہونچا۔ اسلامی تہذیب کے عاشقوں کو ایک بار پھر یہ موقع ہاتھ آیا کہ وہ امیر یوسف کے ذریعہ اسلامی تہذیب کو بحال کریں اسی وجہ سے امیر یوسف کی کامیابی میں جس قدر ہاتھ علماء و فقہا اور مسلم عوام کا تھا شاہان اسپین کا نہ تھا۔ امیر یوسف بن تاشفین نے عامۃ الناس کی توقعات کو پورا کر دکھایا۔ پورے نظام حکومت کو شریعت اسلامی کا جامہ پہنایا گیا جس سے ملک کی اقتصادی حالت بہت بہتر ہو گئی۔ آمدنی و خرچ کے طریقہ کار کو پوری طرح اسلامی اقتصادی نظام کے تحت لایا گیا شرعی محاصل مقرر کئے گئے اور وہ تمام محاصل یکقلم منسوخ کئے گئے جو قرآن و سنت کے خلاف تھے۔ ضروریات زندگی کو آسان اور ارزاں بنایا گیا اور تمام ملک میں امن و امان قائم کر دیا گیا۔ امیر یوسف علماء و فقہا کی قدر دانی میں مشہور تھے۔ اسی لئے ان کی مجلس شوریٰ میں علماء و فقہا کی تعداد اکثریت میں تھی۔ اور امیر یوسف ان کی رائے کا احترام کرتے تھے۔ البتہ شعر و ادب پر زوال آگیا۔ خاص طور پر وہ لوگ بہت ہی پریشان حالت میں تھے جو آزاد خیال تصور کئے جاتے تھے۔ اہل ذمہ عیسائی اور یہودی گو مذہبی طور پر پوری طرح آزاد تھے لیکن نئے گرجا یا معبد بنانے اور اپنے مذہب کی تبلیغ نہ کر سکتے تھے۔ چنانچہ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا۔ کہ امیر یوسف نے اسپین میں بھی مکمل طور پر نہیں تو بڑی حد تک مذہبی حکومت قائم کر دی تھی۔ اور یہ اسلامی تہذیب کی کامیابیوں میں سے ایک کامیابی تھی۔

علی بن یوسف بن تاشفین

۵۰۰ھ / ۱۱۰۶ء تا ۵۳۷ھ / ۱۱۴۳ء

علی نام ابوالحسن کنیت تھی۔ باپ کے بعد بلا مزاحمت تخت مراکش پر بیٹھا۔ اس نے اسپین کے تمام علاقوں میں از سر نو فوج اور تجربہ کار گورنر مقرر کئے۔ تاکہ تمام مملکت میں خامی نہ ہونے پائے۔ علی کے زمانہ میں باقی ماندہ ریاستیں سہلہ اور سرقسطہ بھی مرابطین کے قبضہ میں آگئیں۔ اس طرح پورا مسلم اسپین اب مرابطین کے

دائرہ اثر واقتدار میں آگیا۔ مورخین کا کہنا ہے کہ زہد وتقویٰ علی بن یوسف پر ختم ہو گیا تھا۔ درحقیقت علی تخت حکومت کے لئے نہیں بلکہ کسی خانقاہ یا صحرا کے کسی رباط میں عبادت وریاضت کی زندگی بسر کرنے کے لئے پیدا ہوا تھا۔ فقہا اور علماء اس کو بہت پسند کرتے تھے اور سلطنت کا کل نظام انہی کے قبضہ میں تھا۔ البتہ شعراء، فلاسفہ اور دیگر ماہرین علوم عقلیہ کو مرابطین سے سخت ریخ تھا۔ اس دور کی شاعری اور تصانیف میں ایک قسم کی افسردگی اور مایوسی پائی جاتی ہے جس کی بڑی وجہ یہی تھی کہ ان کی حوصلہ افزائی کرنے والا کوئی نہ تھا۔ حکومت کی سرپرستی اور تندہیت نے اس دور کے علماء میں خود پسندی کا عیب پیدا کر دیا تھا جس کی بدترین مثال قرطبہ کا قاضی احمد بن حمدین تھا۔ شاعر خوش بیان ابن البقی اس زمانہ کے بہترین شعراء میں شمار کیا جاتا تھا لیکن فقہاء کی خود پسندی نے اس کو شہر در شہر در یوزہ گری پر مجبور کر دیا تھا۔ یہی حال فلسفہ کا تھا جس کا نام تک لینا باعث کفر سمجھا جاتا تھا۔ مالک بن وہب اشبیلی نے غلطی سے جوانی میں فلسفہ کی تحصیل کی تھی۔ لیکن جب اسکو اپنی جان کا خطرہ محسوس ہوا تو فلسفہ کو چھوڑ کر فقہ پڑھنا شروع کر دیا تھا۔ اس فرقہ کا بدولت ایک دن وہ علی بن یوسف کا مقرب اور معتمد بن گیا تھا۔

ہمیشہ اسلامی تہذیب کے معطل اور مقید ہونے میں علماء کا اور فقہاء کا بڑا ہاتھ رہا ہے جب کبھی بھی ان علماء وفقہا کو موقعہ مل جاتا تو یہ اس قدر متعصب اور خود پسند بن جاتے تھے کہ عوام الناس تک ان سے بیزار ہو جاتے تھے۔ اس دور میں بھی اسلامی تہذیب نے ایک یہی انداز اپنایا تھا۔ اگر علماء وفقہا حسب سابق اپنی غلط روی میں مشغول نہ ہو جاتے تو کوئی تعجب نہیں کہ صدیوں کیلئے اسلامی تہذیب کے قدم اس ملک میں جم جاتے لیکن اس دور کے علما خود پسندی کے ساتھ ساتھ سخت متعصب بھی مبتلا ہو گئے تھے۔ مالکی مذہب کے علاوہ کسی دوسرے مسلک کو نہ صرف یہ کہ قبول کرنا پسند نہ کرتے بلکہ ان کی تصانیف تک کو پڑھنا گوارا نہ کرتے تھے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ تصانیف دین اسلام سے تعلق نہ رکھتی تھیں یہاں تک کہ امام غزالی رح جیسے عالم اور مفکر اسلام کی کتاب احیاء العلوم کو پڑھنے اور پاس رکھنے تک کی سخت ممانعت تھی۔ اور جس قدر نسخے اس کتاب کے دستیاب ہو سکے جلا دیئے گئے تھے تعصب کی یہاں تک انتہا ہوئی کہ ایک فرمان شاہی کے ذریعہ اس کتاب کو پڑھنے اور پاس رکھنے والے کو سزائے موت کا مستحق قرار دیا گیا دیگر مذاہب پر بھی جیسا سختیاں اور تشدد کیا گیا جس سے اسلام کی

بلیغ تو کیا ہوتی خود مسلمانوں کی ایک بڑی جماعت ان علماء و فقہاء سے بیزار ہو چکی تھی۔ البتہ عامۃ الناس مرابطین سے ابھی تک خوش تھے اس لئے کہ اندرون ملک امن و سلامتی باہر کے دشمنوں سے حفاظت اور محصولوں کی کمی نے ان کو فارغ البال کر دیا تھا۔ بلاشبہ اس دور میں مسلم اسپین میں امن رہا۔ راستے محفوظ اور تجارت فروغ پذیر تھی۔ ڈاکو اور قزاق ناپید تھے۔ عدل و مساوات کا دور دورہ تھا۔ البتہ علی بن یوسف کے زمانہ میں شرع کے خلاف کئی محصول لگائے گئے تھے لیکن پھر بھی وہ اس قدر کم تھے کہ ان کا بار کسی پر گراں نہ گذرا تھا۔

مرابطین کی اسلامی سلطنت کے نتائج بھی چند روزہ ہی ثابت ہوئے کیونکہ سلطنت کے اراکین منتظم اور سرداران فوج تیزی سے اپنے اچھے اوصاف سے محروم ہوتے جا رہے تھے۔ اسپین کی دولت نے ان کے اچھے اوصاف کو دیمک کی طرح کھانا شروع کر دیا۔ اور وہ سب عیش و آرام کی زندگی گذارنے لگے۔ انہوں نے بھی اسپین کے ان بادشاہوں کی نقالی شروع کر دی جن کو وہ معزول کر چکے تھے۔ ابوبکر بن ابراہیم جو علی بن یوسف کا بہنوئی تھا پہلے غرناطہ اور سرقسطہ کا حاکم بنایا گیا تھا۔ اس کے شاہان طور طریق[1] سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ مرابطین کس تیزی سے اپنی جنگجویانہ صحرائی زندگی سے دور ہٹتے جا رہے تھے۔ امراء لشکر کے ساتھ ساتھ سپاہ کا بھی یہی حال ہو گیا جو سچے اور پکے مسلمان تھے۔ اپنے افسروں کی مانند بگڑ گئے۔ اور ان کی بدویانہ شجاعت و بہادری ان سے جاتی رہی۔ ان کی اسی بزدلی اور کاہلی سے بدظن ہو کر علی بن یوسف نے عیسائیوں کو بھی اپنی فوج میں داخل کرنا شروع کر دیا۔ اس کا امیر البحر ابن میمون عیسائی پہلے ہی موجود تھا۔

علی بن یوسف کے زمانہ میں حرم کی عورتوں کو بھی عروج حاصل ہوا۔ علی پر اس کی بیوی قمر کی حکمرانی تھی۔ اور اسی وجہ سے علماء و فقہاء پر ان کی بیویاں حاوی تھیں۔ دربار کے امراء اور وزراء پر بھی عورتیں قابو یافتہ تھیں۔ عورتوں کی سفارش پر سرکاری عہدے دیئے جاتے اور ان کی شکایت پر معزولی کے پروانے لکھے جاتے تھے۔ آئے دن احکامات میں تبدیلی ہونے لگی۔ اور حکومت ایک ہنسی کھیل بن کر رہ گئی حتیٰ کہ احکامات شاہی بھی روزانہ تبدیل ہوتے رہتے تھے جس سے لشکر اور عوام دونوں کا نقصان ہوتا اور حکومت سے ان کی بیزاری بڑھ جاتی۔ عورتوں ہی کے اکسانے پر ملک کے امراء اور وزیروں کے دلوں میں تخت حاصل کرنے کی تمنائیں پیدا ہونے لگیں۔ علی بن یوسف کو اپنی عبادت و ریاضت میں

---

[1] احاطہ فی اخبار غرناطہ جلد ا تذکرہ ابوبکر

اس قدر انہماک تھا کہ سلطنت کی طرف ذرا غور کرنے کی فرصت نہ ملتی تھی۔ علماء و فقہا قابل سے قابل شخص کو اپنے مقابل ٹھہرنے دیتے اور اپنی اجارہ داری کے اقتدار کے حصول کے لئے ایک دوسرے کو نقصان پہونچانے میں پیش پیش تھے۔ الغرض مراکش بھی اسی راہ پر لگ گیا جس میں فنون جنگ کے مظاہروں سے زیادہ فن عیش کوشی اور حصول انبساط نشاء حیات ہوتا ہے۔ اسی درمیان افریقہ کی ایک نئی تحریک مواحدین زور پکڑ گئی۔ علی بن یوسف مع اپنے لشکر کے اسپین چھوڑ کر افریقہ چلا گیا۔ شمال کے عیسائیوں نے موقع غنیمت جانا اور اپنی معطل کارروائیوں کو از سر نو بحال کر دیا۔ ۵۱۹ھ ۱۱۲۵ء میں شاہ ارغون الفانسو نے مسلم اسپین میں گھس کر قتل و غارت گری کا بازار گرم کیا۔ ۵۲۸ھ ۱۱۳۳ء میں الفانسو ہفتم شاہ قشتالیہ نے قرطبہ، اشبیلیہ اور قرمونہ کے علاقوں کو تباہ و برباد کیا اور ۵۳۹ھ ۱۱۴۴ء تک تمام اسپین قلعہ رباح سے المریہ تک عیسائیوں کے ظلم و ستم کی آماجگاہ بن گیا۔ ایک بار پھر مسلم اسپین کی حالت خراب ہو گئی تجارتیں بند ہو گئیں۔ راستے غیر محفوظ ہو گئے۔ لوگوں کی جان و مال محفوظ نہ رہی۔ رشوت خور کارکنان حکومت نے پہلے سے زیادہ عوام کو پریشان کرنا شروع کر دیا۔ چوراٹھائی گیرے اور لٹیرے دوبارہ سرگرم عمل ہو گئے۔ ضروریات زندگی گراں اور کمیاب ہونے لگیں۔ مزید یہ کہ دشمن ہر وقت سر پر سوار اور اس سے لڑنے والا مرابطین کا لشکر بزدل اور غیر تربیت یافتہ۔ علی بن یوسف کو اگر مواحدین نہ الجھا لیتے تو بلاشبہ اس میں اور اس کے لڑکے تاشفین بن علی میں اتنی صلاحیت ضرور موجود تھی کہ وہ دوبارہ اسپین کے حالات کو اعتدال پر لا سکتے تھے۔ لیکن ایسا نہ ہو سکا یہاں تک کہ علی بن یوسف نے ۵۳۸ھ ۱۱۴۳ء اس دار فانی سے کوچ کیا۔ یہ علی ہی کی ہمت تھی کہ اس نے مواحدین کو اپنی حیات تک مراکش پر قابض نہ ہونے دیا۔

تاشفین بن علی

۵۳۸ھ ۱۱۴۳ء تا ۵۴۰ھ ۱۱۴۵ء

تاشفین نے تخت مراکش پر اس وقت قدم رکھا جبکہ مواحد عبدالمومن جگہ جگہ مرابطین کو شکست دے رہا تھا چنانچہ تاشفین اپنی حکومت کو بچانے میں کامیاب نہ ہو سکا۔ گو وہ خود بہادر، نڈر اور بے خوف شخص تھا۔ اور اس نے بہادری سے عبدالمومن کا مقابلہ بھی کیا۔ لیکن بے سود مراکش کے برابر بہادر برابر نہ رہے تھے۔ دولت کی غیر متوقعہ بہتات نے ان کو کاہل سست اور عیاش بنا دیا تھا اور وہ دربار مراکش میں مرابطین کے خلاف سازشوں میں مشغول تھے جن اقدار کی بنیاد پر مرابطین نے تخت حاصل کیا تھا وہ اب ان میں باقی نہ رہی تھیں۔ علامہ ابن الخطیب کے بقول "تاشفین جوانمرد

Spanish Islam P.725

بہادر، خوش اخلاق اور خواص و عوام میں مقبول تھا۔ ارباب اقتدار کی صحبت میں بیٹھتا تھا۔ اس نے اپنے دربار سے حاجبوں اور دربانوں کو دور کرکے اعیان و اکابر کو اپنے معاملات میں شریک کیا۔ وہ دن کو روزے رکھتا اور راتوں کو عبادت کرتا تھا۔ تلاوت قرآن پاک کثرت سے کرتا تھا اور پوشیدہ طور پر صدقات دیا کرتا تھا۔ عدل و انصاف اور حق و صداقت کو ہمیشہ ترجیح دیتا تھا۔ اکثر مقدمات کی سماعت خود کرتا تھا۔ علم دوست تھا اور فقہا اور طلبہ کو اعزازات سے نوازتا رہتا تھا۔ اس نے اسپین میں عیسائیوں کو کئی شکستیں دیں[1]، لیکن افسوس وقت نکل چکا تھا۔ موحدین کا ستارہ اقبال عروج پر تھا اور مرابطین کا سورج گہنا چکا تھا۔ تاشفین کی منجملہ صفات کے با وصف مرابطین موحدین پر کامیاب نہ ہو سکے۔ یہاں تک کہ تاشفین ۵۴۰ھ/۱۱۴۵ء میں موحدین سے جنگ کرتا ہوا مارا گیا۔ اور اسی کے ساتھ مرابطین کا خاتمہ ہو گیا۔

موحدین کے ابتدا اور عروج

۱۲ ویں صدی عیسوی کے آغاز میں ایک نئے مذہبی مصلح کا افریقہ میں ظہور ہوا۔ اور اس نے اپنے آپ کو مہدی معتر کے نام سے مشہور کیا۔ اس کا اصلی نام ابو عبداللہ محمد بن تومرت تھا۔ اس کے نسب کے بارے میں مؤرخین کا اختلاف پایا جاتا ہے۔ ابن خلدون جیسے مورخ اس کو امام حسنؓ کی اولاد میں شمار کرتے ہیں لیکن زرکشی نے تحقیق کے بعد یہ لکھا ہے کہ "وہ اصل میں برابر قبیلہ مصمودہ سے تعلق رکھتا تھا لیکن کیونکہ مہدی کے ظہور کی پیشگوئی اہل بیت سے متعلق رکھتی تھی۔ اس لئے اس نے دعوئ مہدویت کے بعد اپنا نسب اہل بیت سے ملا دیا[2]۔ اس کی تاریخ پیدائش کے متعلق بھی اختلاف پایا جاتا ہے چنانچہ مختلف روایات کی روشنی میں ۴۷۱ھ تا ۴۸۶ھ کے مابین سوس کے ایک گاؤں میں پیدا ہوا تھا اس کا باپ تومرت سوس کی ایک مسجد کا شعلچی تھا اس لئے اسکو سراج کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ ابو عبداللہ محمد کی ابتدائی تعلیم قرطبہ میں ہوئی تھی۔ مہدیہ میں امام مازری اور اسکندریہ میں ابوبکر طرطوسی سے استفادہ کیا[3]۔ اسکندریہ سے وہ عراق گیا اور امام غزالی رحمہ کی شاگردی کا شرف حاصل کیا اور مکہ میں حدیث اور اصول فقہ کی تکمیل کی۔

ابو عبداللہ محمد کی زندگی ابتدا ہی سے زاہدانہ تھی۔ ایک عصا اور پانی پینے کے پیالے کے سوا اس کا کوئی اثاثہ نہ تھا۔ دن رات عبادت و ریاضت میں مشغول رہتا تھا۔ تعلیم حاصل کرنے اور ممالک اسلامیہ کا طویل سفر کرنے کی وجہ سے اس کے دل و دماغ میں شگفتگی اور روشنی پیدا ہو گئی تھی جس کی بنا پر وہ جذبات

---

[1] احاطۃ فی اخبار غرناطۃ تذکرہ "تاشفین" [2] تاریخ الدولتین الموحدیہ والحفصیہ ص۲ [3] ایضاً

انسانی کے پوشیدہ رازوں تک سے واقف ہو جاتا تھا۔ اتباع شریعت میں بہت سخت تھا۔ اور خلاف شرع باتوں کی مخالفت میں کسی کا خوف نہ کرتا تھا۔ اسی حق گوئی کی وجہ سے وہ مکہ سے نکالا گیا۔ مصر کی حکومت نے اس کو اپنے یہاں نہ رکنے دیا۔ اور وہ بذریعہ بحری جہاز ۵۰۵ھ/۱۱۱۱ء میں افریقہ کے شہر مہدیہ میں پہونچا اور ایک مسجد میں قیام کیا۔ یہاں بھی اس نے امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا کام جاری رکھا جس سے جلد اس کی شہرت ہو گئی چند دن کے بعد مہدیہ سے بجایہ چلا گیا۔[1] بجایہ کے ایک کاؤں میں اس کی ملاقات عبدالمومن سے ہوئی۔ اور یہ لڑکا ابوعبداللہ کو اپنے مشن کے لئے موزون ترین نظر آیا چنانچہ اسکو اپنے حلقہ ارادت میں داخل کر کے اپنا شریک کار بنا لیا ایک اور مشہور شخص عبدالواحد بھی اس کا معاون ہو گیا۔ یہ تینوں بجایہ سے تلمسان پہونچے کیونکہ ابن تومرت کی شخصیت میں اس کے زہد واتقاء کی بدولت ایک خاص اثر پیدا ہو گیا تھا۔ اس لئے جلد ہی چھوٹے بڑے طبقہ کے لوگ اس کے گروہ مریدان میں داخل ہونے لگے تلمسان سے وہ فاس پہونچا اور زور وشور سے تبلیغ وتعلیم کا سلسلہ یہاں بھی جاری کر دیا۔ ابوعبداللہ محمد کی تعلیمات اشعری عقائد پر منحصر تھیں لیکن اہل مغرب کثرت سے اشعری عقائد کے خلاف تھے چنانچہ فاس کے والی نے اپنے یہاں کے علماء سے اس کا مناظرہ کرایا جب فاس کے علماء ابن تومرت سے نہ جیت سکے تو انہوں نے والی شہر کو بھڑکا کر اس کو شہر فاس سے نکلوا دیا ابن تومرت فاس سے مراکش پہونچا۔ علی ابن یوسف مرابطی نے یہاں کے علماء سے بھی اس کا مناظرہ کرایا جس میں ابن تومرت ہی کامیاب رہا۔ ایک دن علی بن یوسف کی بہن بلا پردہ بازار سے گذر رہی تھی کہ ابن تومرت نے دیکھ لیا اور بہت سخت وسست کہا اور کہا جاتا ہے کہ مارا بھی۔ علی بن یوسف نے اس کی شہرت اور تقدس سے خائف ہو کر اسے کوئی سخت سزا تو نہ دی لیکن شہر بدر کر دیا۔ ابن تومرت مراکش سے سوس واپس آگیا۔ کچھ دن بعد پہاڑی علاقے کے لوگوں کی درخواست پر تملیل (یا تنمل) چلا گیا۔ قبیلہ ھصورہ کے سردار اس کے وعظ وتبلیغ سے اس کے حلقۂ ارادت میں داخل ہو گئے جب مریدین کا شمار کثیر ہو گیا تو اس نے اسی مقام پر اپنے مہدی ہونے کا دعویٰ پیش کیا جسکو بلا تردید کے قبول کر لیا گیا۔ اس نے دریائے نفیس کے کنارے ایک عالیشان مسجد بنائی اور اس کو اپنی تبلیغ کا مرکز قرار دیا۔ عبدالمومن کو اپنا مشیر اعلیٰ بنایا اور دس خاص مریدوں کی ایک مجلس عاملہ بنائی اس کے علاوہ پچاس بربر سرداروں پر مشتمل ایک مشاورتی مجلس قائم کی تعلیم وتربیت اور رشد وہدایت کا ایک خاص نصاب مقرر کیا۔ خدمت وعقیدت کے اعتبار سے مریدین کے کئی درجے بنائے۔ مریدوں کا لقب "مومن" رکھا اور ان کے دلوں پر یہ بات کندہ

[1] ابن خلکان ج ۲ ص ۲۹-۲۸

کر دی۔ کہ روئے زمین پر ان جیسی سچی اور ایمان دار جماعت دوسری نہیں۔ دعوئی مہدویت کے بعد چند ماہ تک تو خاموش تبلیغ کرتا رہا لیکن اس کے بعد اس نے مرابطین کی بداعمالیوں اور غیر شرعی حرکات کو اجاگر کر کے اپنے مریدوں کو یہ تعلیم دی۔ کہ آج کل کی تمام حکومتیں باطل کی پیروکار ہیں ان سے قتال واجب ہے۔ یہ اعلان جہاد تھا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ہزاروں کی تعداد میں اندھا اعتقاد رکھنے والے بربر اس کے چاروں طرف "الجہاد الجہاد" پکارتے ہوئے جمع ہو گئے۔ اور بہت سے بربر قبائل نے تو مرابطین کو محصول ادا کرنا بھی بند کر دیا۔ ان حالات میں علی بن یوسف نے ابن تومرت کے خلاف فوج کشی کی لیکن مہدی کے پیروکاروں نے اس فوج کو مار بھگایا۔ عبدالواحد مراکشی کا بیان ہے کہ سب سے پہلے خود مہدی نے عبدالمومن کی سرکردگی میں ایک فوج مرابطین کے خلاف بھیجی تھی۔ مراکش کے قریب بحیرہ کے مقام پر جنگ ہوئی جس میں عبدالمومن کو شکست ہوئی۔ لیکن عبدالمومن کی ذہانت اور تدبر سے اور مہدی کی فصیح و بلیغ ایمان افروز تقریروں سے اس کے مریدین کے دلوں سے جلد ہی اس شکست کے اثرات مٹ گئے۔ مرابطین کیونکہ روبزوال ہی تھے۔ چنانچہ مہدی کے اثرات تیزی سے بڑھتے رہے۔ دونوں فریق کی کشمکش کا سلسلہ جاری ہی تھا کہ ۵۲۴ھ/۱۱۳۰ء میں ابو عبداللہ محمد ابن تومرت المہدی نے انتقال کیا اور عبدالمومن کو اپنا جانشین مقرر کیا۔ مہدی بڑا عابد و زاہد تھا۔ دنیاوی جاہ و جلال اور مال و اسباب سے بے نیاز اپنے افعال و اعمال میں سلف صالحین کا نمونہ تھا۔ حدود شرع کے اجراء میں متشدد تھا۔ عورتوں سے ہمیشہ پرہیز کرتا اور پیوند لگے کپڑے پہنتا تھا۔ امام معصوم کے عقیدہ کے علاوہ اس میں بدعت کا کوئی شائبہ نہ تھا۔

ابو محمد عبدالمومن بن علی

عبدالمومن کو مہدی نے اپنی زندگی ہی میں اپنا جانشین نامزد کر دیا تھا۔ عبدالمومن کا نسبی تعلق قبیلہ بنی مجبر سے تھا جو بقول ہٹی بربر قبیلہ زناتہ کی ایک شاخ تھا۔ لیکن وہ خود اپنے آپ کو عرب قبیلہ قیس غیلان سے بتاتا تھا۔ ۴۸۷ھ/۱۰۹۴ء میں تلمسان کے علاقہ تاجرا میں پیدا ہوا۔ ابن ابی دینار کا بیان ہے کہ اس کا باپ بڑھئی تھا۔ لیکن ہٹی نے مٹی کے برتن بنانے والا لکھا ہے۔ عبدالمومن کو بچپن ہی سے علم حاصل کرنے کا بڑا

---

۱ ابن اثیر جلد ۱۰ ص ۲۰۲ ۲ ایضاً ۳ مبتدکرہ بالا واقعات ابوالواحد مراکشی کی کتاب المعجب سے۔ زرکشی کی کتاب تاریخ الدولتین سے اور ابن اثیر سے ماخوذ ہیں

۴ History of the Arabs – 546.

شوق تھا اور اس کا زیادہ تر وقت مساجد ہی میں گذرتا تھا۔ ابن تومرت مہدی سے اس کی ملاقات اس وقت ہوئی جبکہ وہ علم کے شوق میں مشرق کے سفر کرنے کی تیاریاں کر رہا تھا۔[1] عبدالمومن کی شخصیت پرکشش اور پرتاثیر تھی۔ صورت بھی حسین وجمیل تھی۔ آواز نہایت بلند گفتگو پرزور اور فصیح ہوتی تھی۔ اس کو دیکھ کر اور اس سے گفتگو کر کے لوگ اس کے گرویدہ ہو جاتے تھے۔

(کیونکہ ہمارا مقصود اسپین کی تاریخ ہے اس لئے عبدالمومن اور اس کے جانشینوں کا صرف اسی قدر تذکرہ ہوگا جس قدر کہ ان کا متعلق اسپین سے رہا ہے اس خاندان کی تفصیل کے لئے ابن خلدون ج ۶۔ ابن اثیر ج ۱۰۔ ابن خلکان ج ۲ اور مراکشی کا مطالعہ کیا جائے۔ ہم صرف اجمالی تذکرہ پیش کریں گے۔)

عبدالمومن نے موحدین کا سردار ہوتے ہی وسعت سلطنت کی کوشش شروع کر دی۔ یہ بتایا جا چکا ہے کہ علی بن یوسف مرابطی جب تک زندہ رہا اس وقت تک عبدالمومن کی کوششیں زیادہ بارآور نہ ہو سکیں۔ بلکہ اس نے کئی بار مرابطین سے زک اٹھائی لیکن علی کے مرتے ہی عبدالمومن کا راستہ صاف ہو گیا۔ علی کے جانشین تاشفین نے اپنی پوری قوت سے موحدین کا مقابلہ کیا۔ لیکن تلمسان کے معرکہ میں موحدین نے اس کو بری طرح شکست دیکر فاس ۵۴۰ھ، طنجہ اور اغمات پر قبضہ کر لیا۔[2] ۵۴۱ھ میں گیارہ ماہ کے محاصرے کے بعد مراکش پر بھی عبدالمومن نے قبضہ کر کے مرابطین کی حکومت کو ختم کر دیا۔[3] اس وقت سے لیکر ۶۶۸ھ تک مراکش کے تخت پر عبدالمومن اور اس کے گیارہ جانشینوں نے حکومت کی۔ یہاں تک کہ وہ بنو مرین کے ہاتھوں تباہ و برباد ہو گئے۔ ہٹی کے بقول عبدالمومن نے اس پہلی افریقی مسلم سلطنت کی بنیاد ڈالی۔ جو افریقہ کی تاریخ میں مقام اول رکھتی ہے۔

موحدین کی آمد پر اسپین کی حالت

مسلم اسپین کی حالت کا مختصر جائزہ علی بن یوسف مرابطی کے تذکرہ میں بیان کیا جا چکا ہے جس سے اس امر کا اندازہ ہوتا ہے کہ مرابطین کے آخری دور میں اسپین کے حالات بہت خراب ہو گئے تھے۔ اور طبقہ عوام و خواص دونوں کو مرابطی کارکنان حکومت سے سخت شکایات پیدا ہونے لگی تھیں۔ ہر شہر اور ہر قریہ سے مرابطین کے کارکنان سپہ سالار اور فوجی بزور طاقت نکال باہر کئے گئے تھے۔ تاشفین بن علی کے قتل کے اور مرابطین کے زوال کے بعد تو حالات اور

[1] ابن خلکان جلد ۲ صفحہ ۳۵۸ [2] مراکشی صفحہ ۱۴۲ [3] ابن خلدون جلد ۶ صفحہ ۳۲۸ [4] مراکشی صفحہ ۱۷۵

بھی خراب ہو گئے۔ اسپین کے نام نہاد امراء اور سرداران قبائل نے سر اٹھایا اور مرابطین کے اسپین میں نائب ابن جامع کو اس قدر مجبور کر دیا کہ وہ اپنی جان بچا کر جزائر شرق الاندلس میں پناہ گزیں ہو گیا۔ چاروں طرف بغاوتوں کا طوفان امڈ پڑا۔ لاتعداد دعویدار حکومت پیدا ہو گئے۔ ابن جامع نے قشتالیہ کے عیسائیوں کی مدد سے قرطبہ پر حملہ کیا۔ جامع قرطبہ کو خوب لوٹا۔ اور برباد کیا۔ اسی میں حضرت عثمانؓ کا قرآن پاک بھی غائب ہو گیا۔ Hole نے لکھا ہے کہ "دو نسلیں بھی نہ گذری تھیں کہ مسلم اسپین اس سے زیادہ کمزور اور بدتر ہو گیا جتنا کہ وہ یوسف بن تاشفین کے آنے سے قبل تھا"۔[1] مرابطین اور موحدین کی کشمکش سے شمال کے عیسائیوں نے فائدہ اٹھایا۔ بندرگاہ المریہ پر وینس، جنیوا اور قشتالیہ کے بحری بیڑے نے مل کر قبضہ کر لیا۔ برشلونہ کے کاؤنٹ نے اٹلی کے بحری بیڑے کی مدد سے طرطوشہ سے وادی ابرہ تک کے علاقے پر قبضہ کر لیا۔ بہرحال حالات اس قدر خراب ہو چکے تھے کہ مسلمانوں کی زندگی اسپین میں چند روزہ معلوم ہونے لگی چنانچہ ایک بار پھر مسلمانان اسپین نے شمالی افریقہ کی حکومت کو مدد کے لئے بلایا۔ یہ وہ زمانہ تھا جبکہ عبدالمومن اپنی حکومت کو مضبوط اور وسیع بنانے میں مشغول تھا۔

۵۴۲ھ/۱۱۴۷ء باوجود اس کے کہ عبدالمومن جنگوں میں مصروف تھا اس نے پھر بھی اپنے ایک سردار ابوعمرو موسیٰ کو ۳۰ ہزار فوج اور بحری بیڑے کے ساتھ اسپین کی طرف بھیجا۔ ابوعمرو موسیٰ نے ساحل اسپین پر اترتے ہی فتوحات کا سلسلہ شروع کر دیا۔ اسپین کے مسلمانوں نے حسب دستور اپنے نجات دہندوں کا ساتھ خلوص دل سے دیا اور شہر کے بعد دیگرے تیزی سے موحدین کے قبضہ میں آتے چلے گئے۔ بطلیوس کی فوجیں بھی اس سے مل گئیں۔ اشبیلیہ جو ابھی تک مرابطین کا دم بھر رہا تھا۔ اس نے بھی ہتھیار ڈال دیئے اور وہاں کے عیسائی پادری جنہوں نے موقعہ سے فائدہ اٹھا کر بہت سے انتظامی اختیارات بھی حاصل کر لئے تھے اپنی اپنی جان بچا کر طلیطلہ بھاگ گئے۔[2] مالقہ بھی بغیر مزاحمت ہاتھ آیا۔ مرابطین کے نائب ابن جامع نے بہت سی شکستیں کھا کر قرطبہ کو ابن غنیہ کے حوالے کیا اور خود بھاگ گیا۔ ابن غنیہ نے قرطبہ بھی موحدین کے حوالے کر دیا۔ تھوڑے ہی عرصہ میں مرابطین کے وہ تمام کارکن جو آزاد ہو کر بیٹھ رہے تھے۔ موحدین کے آگے سر اطاعت خم کرنے پر مجبور ہو گئے۔ اور عیسائی جو بڑھ بڑھ کر حملے کر رہے تھے مار بھگا دیئے گئے۔ المریہ بلنسیہ اور دیگر اہم شہر ابھی موحدین کے قبضہ میں نہ آئے تھے لیکن موحدین اب اس حالت میں

[1] Andalus P.26 [2] Andalus P.58

نہ تھے کہ وہ ان کو ایک ہی یلغار میں فتح کر لیتے۔ کیونکہ ان کی ساری فوج پورے ملک میں منتشر تھی اور افریقہ سے مزید کمک ملنے کا بظاہر کوئی امکان نہ تھا اس لئے کہ عبدالمومن اس وقت ایک نئے مہدی کو ختم کرنے میں پھنسا ہوا تھا۔ یہ نیا مہدی ایک دھوبی تھا جس نے شعبدہ بازی سے اپنے بہت سے مرید بنا لئے تھے یہاں تک کہ اس نے ایک بڑے لشکر سے عبدالمومن کو کئی شکستیں بھی دیں اور فاس اور مراکش کے علاوہ تمام علاقوں کو خوب تاخت و تاراج کیا بالآخر ایک معرکہ میں یہ نیا مہدی مارا گیا اور اس کی فوج عبدالمومن کے ساتھ مل گئی۔ اس ہنگامے کے ختم ہونے کے بعد عبدالمومن نے اپنے لڑکے ابوسعید کو ۲ ہزار فوج دیکر المریہ فتح کرنے کیلئے بھیجا۔ ابوسعید نے جلد ہی اس شہر کو فتح کر لیا۔ شبینہ کے نواح میں لبلہ بھی مواحدین کے قبضہ میں آگیا۔ ابوسعید نے پھر غرناطہ پر قبضہ کر کے وہاں کی تمام مرابطی فوج کو قتل کر دیا۔ بلنسیہ کے حاکم محمد بن سعید نے طلیطلہ کے عیسائیوں کی مدد سے غرناطہ اور پھر قرطبہ کے قریب ابوسعید کا مقابلہ کیا لیکن شکست کھائی اور مرسیہ کی طرف بھاگ گیا ابتدا میں تو عبدالمومن نے افریقہ کو بغاوت کے خوف سے نہ چھوڑا لیکن جب اطمینان ہو گیا تو وہ جبل الطارق تک آیا اور اس کے قلعے کو مضبوط اور مستحکم کیا۔ اور نئی فتوحات پر اپنے گورنر مقرر کئے۔ ۵۵۶ھ/۱۱۶۰ء تک عبدالمومن نے الجزائر، تیونس، مہدیہ اور ٹرپولی (طرابلس) پر قبضہ کر کے تمام شمالی افریقہ پر اپنا تسلط قائم کر لیا۔ اسی کے بعد اس نے اپنے نام کے آگے امیرالمومنین لکھنا شروع کر دیا تھا۔

عبدالمومن نے مع اسپین اپنی تمام سلطنت کو صوبوں میں تقسیم کر کے ان پر اپنے لڑکوں کو نامزد کیا۔ ابومحمد عبداللہ کو بجایہ اور اس کا نواحی علاقہ دیا گیا۔ ابوالحسن علی کو فاس اور ابوسعید کو الجزائر اور مالقہ کے علاقے دیئے گئے۔ ابن خلدون کے بقول عبدالمومن نے اپنے آخری دور میں یہ ارادہ کر لیا تھا کہ وہ پورے اسپین پر قبضہ کرے گا اس مقصد سے اس نے ۵ لاکھ فوج اور سامان کثیر بھی اکٹھا کیا تھا لیکن اس سے قبل کہ وہ روانہ ہوتا ۵۵۸ھ/۱۱۶۳ء میں اس نے ۳۲ سال حکمرانی کر کے انتقال کیا۔

عبدالمومن کے کارنامے

عبدالمومن نہ صرف یہ کہ ایک زبردست فاتح تھا بلکہ ایک زبردست مدبر اور منتظم بھی تھا۔ اس نے مہدی کی قائم کردہ مجالس مشاورت خاص و عام کو باہم ملا کر ایک کر دیا۔ زبردست فوجی طاقت بنائی۔

ابن خلدون جلد ۶ صـ ۳۴۸

بحری بیڑے پر خاص توجہ دی۔ تمام پرانے بندرگاہوں کو درست کیا اور ان کو وسعت دی اور نئے نئے بندرگاہ تعمیر کئے۔ جس سے تمام بحر روم پر اس کے سفید جھنڈے کی حکمرانی قائم ہو گئی۔ اور کسی بھی بحری طاقت میں اس کے مقابلے کی تاب نہ رہی۔ وہ ایک علم دوست اور علم پرور انسان تھا علماء کی قدر دانی کی وجہ سے اسلامی دنیا کے مشہور علماء اس کے دربار میں جمع ہو گئے۔ ادب، فنون اور تعمیرات میں شاندار ترقی ہوئی۔ شہر شہر بلکہ دیہاتوں تک میں عوامی درسگاہیں قائم کی گئیں۔ اور ان کے لئے بڑے بڑے اوقاف مقرر کئے گئے۔ صرف مراکش کی جامعہ میں ۳ ہزار طالبعلم تعلیم حاصل کرتے تھے جن کے کل اخراجات کی ذمہ داری حکومت پر ہوتی تھی۔ درسگاہوں میں نامور علماء کو حکومت کے خرچ پر مقرر کیا جاتا تھا۔ تعلیم کا طریقہ نظریاتی یا صرف کتابی نہ تھا بلکہ فنی، سائنسی اور فوجی تعلیم بھی دی جاتی تھی۔ الغرض اسپین کی حالت اس وقت بھی اطمینان بخش نہ تھی۔ گو ملک میں امن و امان تھا لیکن اسپین براہ راست عبدالمومن کے ماتحت نہ تھا بلکہ اس کے نائب کے ماتحت تھا اس لئے اس کو ایک صوبے سے زیادہ اہمیت نہ دی جاتی تھی۔ آپس کی خانہ جنگی، طوائف الملوکی اور عیسائیوں کی بغاوت نے اسپین کی مادی ترقی کی راہوں کو مسدود کر دیا تھا۔ جن کو موحدین نے کھولنا پسند نہ کیا یا مناسب نہ سمجھا بحیثیت مجموعی عبدالمومن کا دور اسپین کے لئے کوئی شاندار دور تو نہ تھا البتہ اہل اسپین کے لئے امن و سلامتی کا ضامن ضرور تھا۔

ابو یعقوب یوسف

عبدالمومن کی وفات کے بعد اس کا لڑکا ابو محمد عبداللہ تخت پر آیا ۱۱۶۳ء دربار نے جلدی اس کی نااہلیت کو محسوس کر لیا۔ اور اس کو تخت سے ہٹا کر عبدالمومن کے تیسرے لڑکے ابو یعقوب یوسف کو اپنا بادشاہ بنا لیا۔ ابو یعقوب یوسف ایک بہترین مدبر اور زبردست مجاہد تھا ابھی اس کو تخت پر آئے چند ماہ ہی ہوئے تھے۔ کہ کوہستان اطلس کے وحشی قبائل نے اس کے خلاف بغاوت کر دی جس کو فرو کرنے میں یوسف کو خاصی پریشانی کا سامنا کرنا پڑا۔ بالآخر کئی سال کی جد و جہد کے بعد یوسف ان قبائل کو اپنا مطیع بنانے میں کامیاب ہو گیا وہ موحدین کا پہلا بادشاہ تھا جو ۲۰ ہزار فوج لیکر بذات خود اسپین آیا تھا۔ اور اشبیلیہ میں قیام کیا تھا اس زمانہ میں شاہ بلنسیہ ابن سعد سے لڑائی چھڑ گئی اور میورقہ کی جنگ میں اس نے ابن سعد کو مار ڈالا۔ ابن سعد کے لڑکے اپنے علاقوں کی حفاظت نہ کر سکے۔ اور جلد ہی ان کے تمام علاقے مع بلنسیہ، مرسیہ اور لاردقہ کے یوسف کے قبضہ میں آ گئے۔ انہوں نے اطاعت کے طور پر اپنی بہن یوسف سے بیاہ دی۔ اور اپنے علاقوں کے بدلے میں افریقہ

میں بڑی بڑی جاگیریں حاصل کرکے وہاں آباد ہوگئے۔ یوسف نے وادی تاجہ سے لیکر طلیطلہ تک کا علاقہ خوب تاخت و تاراج کیا اور القنطرہ کا سرحدی قلعہ اپنے قبضہ میں کرلیا۔ ابو یعقوب یوسف نے ایک سال اسپین میں قیام کیا اور اشبیلہ کو اپنا مستقر بنایا چنانچہ اشبیلہ میں محلات، مساجد، پل، مینارے اور عوامی حمام تعمیر کئے گئے۔ وادی الکبیر پر کشتیوں کا ایک پل بنایا شہر کے وسط میں ایک خوبصورت مسجد تعمیر کی جسکے سامنے ایک زبردست مینار بنوایا جس کی تکمیل اس کے جانشین نے کی۔ یہ مسجد اور مینار مسلم اسپین کی طرز تعمیر کا ایک نادر نمونہ تھی جس کے آثار آج تک پائے جاتے ہیں۔

۵۷۱ھ/۱۱۷۶ء میں افریقہ میں ایک زبردست وبائی بیماری پھیلی جس کی وجہ سے ابو یعقوب یوسف کو افریقہ واپس جانا پڑا اور وہ آٹھ برس تک اسپین سے غیر حاضر افریقہ میں مقیم رہا اس عرصہ میں مسلم اسپین کے گورنروں کو ایک بار پھر گل کھیلنے کا موقعہ ملا۔ اور انہوں نے اپنی اپنی آزاد حکومتیں قائم کرنے کا اعلان کرنا شروع کر دیا۔ یوسف کو جب گورنروں کی اس غداری کا پتہ چلا تو اس نے بھی اپنے باپ عبد المومن کی طرح ایک زبردست لشکر لیکر اسپین پر حملہ کرنے کا ارادہ کرلیا۔ اس مقصد کے لئے اس نے ۵۷۸ھ میں ستر ہزار پیادے اور ۳۰ ہزار سوار فوج جمع کی۔ یہ تمام فوج اپنے اپنے قبائل کے شیوخ کے ماتحت تھی۔ اور ہر قبیلہ کا اپنا پھریرا تھا۔ ۵۸۰ھ/۱۱۸۴ء میں یوسف اسپین میں داخل ہوا۔ ملک کا بڑا حصہ اس کا مطیع ہوگیا۔ لیکن شنترین کی جنگ میں عیسائیوں سے لڑتے ہوئے یوسف کو شدید زخم لگے۔ اس لڑائی میں مسلمانوں کا کافی جانی اور مالی نقصان ہوا۔ اور یوسف بھی اپنے زخموں سے جانبر نہ ہوسکا۔

ابو یوسف یعقوب

۵۸۰ھ/۱۱۸۴ء میں باپ کے شہید ہوجانے کے بعد ابو یوسف یعقوب تخت مراکش پر آیا۔ یہ ایک لونڈی کے بطن سے تھا اور اس نے اپنا لقب المنصور باللہ اختیار کیا تھا۔ وہ خاندان موحدین کا زبردست بادشاہ تھا۔ اور اس کا دور دور زریں تھا وہ ایک زبردست مدبر اور منتظم تھا۔ اس کی فیاضی انصاف و عدل کی داستانیں زبان زد عوام تھیں۔ اس نے محاصل میں کمی کر دی تھی اور رشوت اور تحفہ تحائف لینا واجب القتل جرم قرار دیئے۔ ایک زبردست شعبۂ پولیس قائم کیا اور مستعد سپاہیوں کو شہروں دیہاتوں اور سڑکوں کی حفاظت پر متعین کیا جس کی وجہ سے چوری ڈاکے ختم ہوگئے تھے۔ تمام پرانے قلعوں کی مرمت کرائی اور بہت سے نئے قلعے تعمیر کئے۔ اور ان کو فوجی لحاظ سے مستحکم کیا۔ عام شاہراہوں کے

دونوں طرف درخت لگوائے اور جگہ جگہ کنویں کھدوائے۔ اور سرائیں تعمیر کرائیں۔ اس کی عوامی اصلاحات نے اس کو نہ صرف بڑے بادشاہوں کی صف میں لا کھڑا کیا بلکہ تاریخ کی ایک اہم شخصیت بنا دیا۔

بغداد کے ہارون الرشید اور قرطبہ کے عبدالرحمٰن الناصر کی طرح ملک کے نظام آب پاشی کو ازسرنو درست کیا اور زراعت کو خوب ترقی دی۔ شہروں کو خوبصورت عمارات سے مزین کیا جو عمارات آج تک موجود ہیں۔ ——— ان کے دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ اس وقت کا مسلم آئین تعمیری لحاظ سے کس قدر اعلیٰ درجہ پر فائز تھا۔ جامع مسجد اشبیلیہ سے منسلک ۳۰ ہزار فٹ بلند مینارہ جو اس کے باپ نے بنوانا شروع کیا تھا اس نے اس کی تکمیل کی اور اس قدر بلندی پر ایک رصدگاہ کواکب اور سیاروں کی معلومات کے لئے قائم کی۔ یہ مینارہ انجینیر ابو لیث کی ماتحتی میں ۵۶۷ھ/۱۱۷۲ء میں شروع ہوا تھا اور ۵۹۱ھ/۱۱۹۵ء میں اس کی تکمیل ہوئی بے شمار عوامی درسگاہیں اور شفاخانے کھولے گئے جن کے اخراجات کی ذمہ داری حکومت پر تھی مراکش میں ایک شفاخانہ اتنا بڑا تھا کہ جس کے متعلق مراکشی نے لکھا ہے کہ دنیا میں اس کی مثال نہ تھی۔ ابن خلدون کے بقول اس نے مراکش میں اسکندریہ کے طرز پر ایک رباط الفتح بنوایا تھا۔ ابو یوسف یعقوب ادب و فنون کا بیحد دلدادہ تھا اس کے دربار میں اس زمانے کے مشہور ترین علماء اور سائنسدانوں کا جمگھٹ تھا مشہور زمانہ حکیم و طبیب ابن زہر اور ابن باجہ مشہور فلسفی و حکیم ابن رشد جو قرطبہ کا قاضی تھا اس کے دربار کی رونق تھے۔ ہٹی کے کہنے کے بموجب اس کی طاقت کا اس امر سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ مشہور غازی صلاح الدین ایوبی نے اپنے بھتیجے۔ اسامہ بن منقذ کو بہت سے تحفے تحائف کے ساتھ اس کے دربار میں اس لئے بھیجا تھا کہ صلیبیوں کے خلاف اس کی امداد حاصل کرے۔ جس کے جواب میں یعقوب نے اس کی مدد کے لئے اپنے بحری بیڑے کے ۱۸۰ جہاز مع ساز و سامان اور فوج کے روانہ کئے تھے۔ ابن خلکان نے لکھا ہے کہ اس کے علاوہ بھی یعقوب نے مسلمانوں کی کافی امداد کی تھی۔

اپنے پیشروؤں کی طرح ابو یوسف یعقوب کو بھی اپنی تخت نشینی کے بعد سے ہی بغاوتوں کا سامنا شروع ہو گیا تھا جزائر شرق الاندلس کے شیوخ ابھی تک مرابطین کے طرفدار تھے۔ اور انہوں نے اپنے ساتھ یعقوب کے کئی بھائیوں کو بھی ملا لیا تھا جو مراکش سے بھاگ آئے تھے یعقوب نے ان کے سرکوبی کے لئے ایک زبردست فوج مع بحری بیڑے کے روانہ کی جس کے نتیجہ میں بہت سے شیوخ

The History of the Arabs P 546 ۴ جلد ۸ ص ۳۷۹ ۳ ص ۲۰۹ ۲ ۱

اور اس کے تینوں بھائی قتل کر دیئے گئے اور جزیرہ پر اس کا قبضہ ہو گیا۔ یعقوب کا دور حکومت تیسری صلیبی جنگ کا دور تھا۔ (۵۸۵ھ/۱۱۸۹ء تا ۵۸۸ھ/۱۱۹۲ء) یورپ کے مختلف ممالک کے نواب اور کاؤنٹ اس مذہبی جنگ میں شرکت کے لیے برشلم کی طرف اپنی فوجوں کے ساتھ بڑھ رہے تھے ان میں چند انگریز نائٹ (۵۸۷ھ/۱۱۹۱ء) یروشلم جاتے ہوئے اسپین کی سرزمین سے گذرے۔ انہوں نے ملک کی انتشاری حالت سے فائدہ اٹھایا اور ایورہ، باجہ اور شلب کے علاقوں کو تاخت و تاراج کر کے بے گناہ مسلم آبادی کا قتل عام کیا اس سے قشتالیہ کی بھی ہمت بندھی اور اس نے فرانس کی مدد سے مسلم اسپین پر حملے شروع کر دیئے۔ یعقوب کو جب ان حالات کا علم ہوا تو ۳ لاکھ بربر فوج لیکر افریقہ سے اسپین پہونچا۔ بطلیوس کے قریب مقام اراکہ میں الفانسو ہشتم اور اس کی متحدہ عیسائی فوج سے مقابلہ ہوا۔ ابتداء میں عیسائیوں کو خاصی کامیابی ہوئی اور قریب تھا کہ مسلمانوں کو شکست ہو جائے کہ مسلم سپہ سالار صنعانی کے تدبر اور ہوشیاری نے ہاری ہوئی جنگ جیت لی عیسائیوں کو شکست فاش ہوئی۔ ایک لاکھ سے زیادہ عیسائی مارے گئے، تیس ہزار قید کر لیے گئے۔ بہت سے عیسائی قلعہ رباح کی طرف بھاگے اور الفانسو ہشتم نے طلیطلہ کا رخ کیا مسلمانوں نے آگے بڑھ کر قلعہ رباح پر قبضہ کر لیا اور اسے تباہ و برباد کر دیا اس کے بعد عیسائیوں سے عسقلیہ وادی الحجارہ اور سلمانکہ بھی چھین لیے۔ شاہ نبرہ اور لیون نے اطاعت کر لی۔ ۵۹۲ھ/۱۱۹۶ء میں مسلمانوں نے طلیطلہ پر حملہ کیا اور اس پر قبضہ کر لیا لیکن الفانسو ہشتم کی ماں اور بیویوں کی فریاد و الحاح و زاری نے یعقوب کے جذبہ ترحم کو بیدار کر دیا اور وہ طلیطلہ ان کے حوالے کر کے اشبیلہ واپس لوٹ آیا اور ایک سال تک ملک کے انتظام و انصرام میں منہمک رہا۔ ۵۹۳ھ/۱۱۹۷ء میں یعقوب مراکش واپس چلا گیا۔ اور وہاں پر ۵۹۴ھ/۱۱۹۸ء میں وفات پائی۔

محمد الناصر بن یعقوب

محمد بن یعقوب اپنے باپ کی وفات کے بعد تخت مراکش پر فروری ۵۹۵ھ/۱۱۹۹ء میں آیا۔ اس نے اپنا لقب الناصر لدین اللہ اختیار کیا۔ محمد الناصر اپنے باپ کے زمانہ میں اپنی ذہانت ہوشمندی اور انتظام حکومت کی وجہ سے کافی مشہور تھا لیکن تخت پر آنے کے بعد وہ اپنے آپ کو باپ کا صحیح جانشین ثابت نہ کر سکا۔ وہ ایک کمزور حکمران ثابت ہوا اور ملک میں امن و امان اور قانون کے احترام کو بحال نہ رکھ سکا جس کی بنا پر اسپین سے خاندان موحدین کو ہاتھ دھونا پڑا۔

یعقوب المنصور کے وفات پاتے ہی فاس اور جزائر شرق الاندلس ایک بار پھر بغاوتوں کا مرکز بن گئے۔ فاس کی بغاوت کو تو جلد ہی کچل دیا گیا لیکن جزائر شرق الاندلس میں یوسف بن تاشفین کے خاندان کے ایک فرد یحییٰ نے مواحدین کو سخت پریشان کیا۔ اس نے افریقہ کے ساحلی علاقوں پر بھی حملے کئے۔ اور بہت سے شہروں پر قبضہ بھی کر لیا جس میں مہدیہ بھی شامل تھا۔ لیکن جب یحییٰ نے قیروان پر حملہ کیا تو اسکو مواحدین نے بری طرح شکست دیکر صحرائے اعظم کی طرف بھگا دیا۔ اسپین میں عیسائیوں نے قشتالیہ کے الفانسو نہم کی سرکردگی میں ایک بار پھر مسلم علاقوں کو تاخت و تاراج کرنا شروع کر دیا۔ جس میں اشبیلیہ اور قرطبہ تک کے علاقے شامل تھے۔ محمد الناصر کو پوری امید تھی کہ وہ ایک بار پھر جنگ ارکہ کی طرح عیسائیوں کو کچل دیگا لیکن اس مرتبہ پہلے جیسے حالات نہ تھے۔ الفانسو نہم اپنی طاقت میں زبردست اضافہ کر چکا تھا۔ محمد تین لاکھ فوج لے کر سبتہ سے روانہ ہوا۔ اشبیلیہ پہونچکر اس نے قلعہ رباح کے گورنر یوسف بن قادس کو بغیر کسی اہم وجہ کے قتل کرا دیا۔ اور دیگر لوگوں کو یہ سرحدی قلعہ عیسائیوں کے حوالے کر کے بھاگ آنے پر سزا دی۔ یوسف بن قادس عوام میں بیحد مقبول تھا جس کی وجہ سے اس علاقہ کی اکثریت محمد الناصر کے خلاف ہو گئی۔ محمد نے آگے بڑھ کر شیطرہ کا محاصرہ کر لیا اور اس چھوٹے سے قلعہ پر جو قشتالیہ کی راہ میں تھا آٹھ ماہ محاصرہ میں برباد کر دیئے۔ یہ عرصہ الفانسو نہم اور اسکے دوستوں کی تیاری کے لئے کافی تھا چنانچہ صلیبی جنگوں کا اعلان کر کے قشتالیہ، لیون، نبرہ ارغون اور پرتگال نے اتحاد کر کے اور یورپ کے صلیبی مجاہدوں کی امداد حاصل کر کے ۶۰۸ھ ۱۲۱۲ء میں محمد الناصر سے العقاب کے موقعہ پر مقابلہ کیا۔ عین محاذ جنگ سے اسپینی مسلمانوں نے جنکی تعداد ۶۰ ہزار بتائی جاتی ہے۔ محمد کے حاجب ابن سعد کی بدسلوکی کی وجہ سے فرار اختیار کیا۔ بربروں کو محمد نے زنجیروں سے باندھ کر کھڑا کیا تھا تاکہ بھاگ نہ سکیں اس لئے انہوں نے خوب مقابلہ کیا اور سب کے سب شہید ہو گئے۔ محمد الناصر کو شکست ہوئی اور وہ ایک لاکھ مسلمانوں کو شہید کرا کر بمشکل تمام ۴ ہزار سپاہ کے ساتھ اشبیلیہ واپس آ سکا۔ محمد اس اس حادثہ عظیم سے اس قدر مغموم اور دل برداشتہ ہوا کہ وہ اسپین کو چھوڑ کر مراکش واپس آ گیا۔ مئی ۶۰۸ھ ۱۲۱۲ء میں یا تو وہ قدرتی موت مر گیا یا بعض مورخین[1] کی رائے میں اسکے امراء دربار نے اسکو زہر دیکر مار ڈالا۔ اس جنگ کے بعد تقریباً ۵ لاکھ مسلمان اسپین سے ہجرت کر کے افریقہ چلے گئے۔

---

[1] زرکشی ابن خلدون

محمد الناصر کے جانشین

محمد الناصر کے بعد ۱۵ برس کے اندر اندر اسپین میں اس کے چار جانشین ہوئے پہلے تین یوسف ابو یعقوب المستنصر باللہ عبد ابو احمد المخلوع اور ابو محمد العادل ناکارہ اور بے کار ثابت ہوئے۔ البتہ چوتھا ابو علی ادریس المامون جو اشبیلیہ کا گورنر بھی رہ چکا تھا اور ابو محمد العادل کے قتل کے بعد ۶۲۴ھ/۱۲۲۷ء میں تخت پر آیا تھا ایک بہادر، شجاع، ذہین، زیرک، عالم، مستقل مزاج اور عاقبت اندیش تھا۔[1] المامون مواحدین کا وہ پہلا سلطان ہے جس نے افریقہ پر قبضہ کرنے کے لئے عیسائی بادشاہ فرڈی ننڈ سوئم شاہ قشتالیہ کی مدد حاصل کی تھی۔ ابن الخطیب نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ وہ عیسائیوں کی ایک زبردست فوج لے کر مراکش پر حملہ آور بھی ہوا تھا اور اپنے بھائی ابو زکریا سے تخت مراکش چھین لیا تھا۔[2] عیسائیوں نے ادریس المامون کی اس کمزوری سے فائدہ اٹھا کر مسلم علاقوں کو تاخت و تاراج کرنا شروع کر دیا اور کئی شہروں پر قبضہ بھی کر لیا۔ انہوں نے جیان کے مسلم حاکم مبغیہ کی مدد سے جب اس شہر کا محاصرہ کر لیا تو المامون نے اہل جیان کی مدد کرنے کے لئے ایک زبردست فوج سے عیسائیوں پر حملہ کیا اور ان کو منتشر کر دیا اور وہ تمام علاقے ان سے چھین لئے جو انہوں نے اچانک فتح کر لئے تھے چند سال کے اندر اندر ادریس المامون نے اسپین میں اپنی حکومت مضبوط کر لی لیکن یہ سب ظاہری طور پر تھا در پردہ اندر ہی اندر اس کے خلاف امراء اسپین کی کارروائیاں جاری تھیں جیسے ہی ۶۲۴ھ/۱۲۲۸ء میں المامون شمالی افریقہ کی بغاوت کو کچلنے کے لئے اسپین سے مراکش روانہ ہوا اسپین میں اس کے پیچھے سخت بغاوت ہوئی اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے یہ ملک مواحدین کے ہاتھوں سے جاتا رہا البتہ مواحدین نے مراکش میں مزید پچاس برس حکومت کی اور ادریس المامون نے ۶۲۸ھ میں مراکش ہی میں انتقال کیا۔ یکے بعد دیگرے اس کے جانشین الرشید، السعید، عمر المرتضیٰ اور ابو العلاء ہوئے۔ آخری سلطان ابو العلاء ۶۶۶ھ/۱۲۶۹ء میں بربر قبیلہ زناتہ کی ایک شاخ بنو مرین کے ہاتھوں مارا گیا اور پھر یہی قبیلہ تمام مارتانیہ کا مالک بن بیٹھا۔

مواحدین کے بعد اسپین کی حالت

اسپین سے مواحدین کے ہٹتے ہی پورا ملک ایک بار پھر انتشار و خلفشار میں مبتلا ہو گیا کیونکہ مواحدین نے مراکش سے اسپین پر حکومت کی تھی۔ اس لئے اسپین ان کی گرفت میں پورے طور پر نہ آ سکا تھا۔ اسپین کے باغی صوبے آسانی سے اس لئے قابو میں نہ

---

[1] الاحاطۃ فی اخبار غرناطہ "تذکرہ" ادریس بن یعقوب۔ [2] ایضاً۔

آسکے تھے۔ کہ مواحدین نے ان کی سرزنش یا تو کسی اہم موقعہ پر کی تھی یا پھر عیسائی یلغار کو روکنا مقصود تھا نتیجہ میں بغاوت و انتشار کا پوری طرح تدارک نہ ہو سکا۔ مواحدین کو اسپین کے داخلی معاملات میں کوئی خاص دخل نہ تھا۔ وہ صرف اسپین کو اپنی حکومت کا ایک صوبہ بنانے کے زیادہ خواہشمند تھے۔ اور صرف اسی وقت اس کی داخلی معاملات میں مداخلت کرتے جبکہ ان کے مفادات پر ضرب پڑتی تھی بجز یعقوب المنصور کے کسی مواحد سلطان نے اس امر کی کوشش نہ کی تھی کہ مسلم اسپین کو اس حد تک طاقتور بنا دیا جائے کہ وہ دشمن سے اپنی حفاظت آپ کر سکے۔ نہ ہی عوام کی فلاح و بہبود کا اس قدر خیال رکھا گیا تھا کہ عوام ان کے گرویدہ ہو جاتے! الغرض مواحدین نے عوام و خواص کسی پر بھی اپنے گہرے اثرات نہ چھوڑے تھے چنانچہ جیسے ہی مواحدین اسپین سے گئے تین آزاد ریاستیں معرض وجود میں آگئیں۔ بنو ہود نے مرسیہ دانیہ۔ اور دیگر علاقوں میں بنو مردنیش نے بلنسیہ میں اور ابن احمر نے پہلے ارجونہ میں پھر غرناطہ میں اپنی حکومت قائم کر لی۔ اور پورا مسلم اسپین تین خاندانوں میں منقسم ہو گیا۔ ان سب میں طاقتور اور بڑے علاقے کے مالک بنو ہود تھے۔ جو نہ صرف جنوبی اسپین پر بلکہ سرقسطہ پر بھی قابض تھے ۶۳۵ھ/۱۲۳۸ء میں ابن ہود مر گیا اور اب صرف بنو نصر (بنو احمر) جو غرناطہ کی سلطنت کے مالک تھے۔ تمام مسلمانان اسپین کی نگاہ کا مرکز بن گئے۔ یہ وہ آخری سلطنت تھی جس نے تقریباً ڈھائی سو برس تک عیسائیوں کے خلاف معرکہ آرائی کی۔ اور اسپین کے مسلمانوں کے لئے پشت پناہ رہے۔ بالآخر یہ بھی عیسائیوں کے قبضہ میں چلے گئے۔ اور مسلمانوں کا آخری حصار بھی ٹوٹ گیا۔

حصہ سوم

خاندان بنو نصر

۶۲۹ھ / ۱۲۳۲ء تا ۸۹۸ھ / ۱۴۹۲ء

حکومت بنو نصر کے ابتداء

خاندان بنو نصر حضرت سعد بن عبادہ رضؓ رئیس خزرج اور صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد سے تھا۔ رازی نے تصریح کی ہے کہ پہلی صدی ہجری کے آخر میں حضرت سعد بن عبادہ رضؓ کی اولاد سے دو شخص آپس میں وارد ہوئے ایک سنز میں تاکرنہ میں ٹھہرا اور دوسرے نے شہر قسطلہ کے قریب ایک قریہ میں قیام کیا جس کا نام بعد میں قریہ خزرج مشہور ہوا۔ ابن خلدون کے کہنے کے مطابق بنو احمر قرطبہ کے قلعوں میں سے ایک قلعہ ارجونہ کے رہنے والے تھے۔ اور اسی قلعہ میں ان کے اسلاف فوجی حیثیت سے آباد ہوئے تھے۔ یہ لوگ بنو نصر کے لقب سے پکارے جاتے تھے۔ اور نسباً حضرت سعد بن عبادہ رضؓ سے منسوب تھے۔ اطراف ارجونہ میں یہ لوگ سیادت جاہت اور صاحب اثر اشخاص میں شمار کئے جاتے تھے۔ بڑے فارغ البال اور اولوالعزم تھے۔ ان کے آباء و اجداد مسلمانوں کے اولین دور میں آپس میں آئے تھے۔ اور انہوں نے بنو امیہ کی فوج میں افسران کی حیثیت سے بڑے کارہائے نمایاں انجام دیئے تھے جیسا کہ بتایا جا چکا ہے کہ مواحدین کے آپس سے اخراج کے بعد دو با اثر اور مشہور خاندانوں بنو مرنیش نے بلنسیہ میں اور بنو ہود نے مرسیہ میں اپنی آزاد ریاستیں قائم کر لی تھیں۔ اس وقت تک بنو نصر نے بھی کافی شہرت حاصل کر لی تھی چنانچہ ان کو بھی کسی علاقہ پر قبضہ کر کے اپنی آزاد ریاست قائم کرنے کا شوق ہوا۔ اس وقت بنو نصر کا سردار محمد بن یوسف بن احمد بن نصر تھا جو عام طور پر ابن الاحمر کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ وہ ارجونہ میں قرطبہ سے ۲۰ میل کے فاصلے پر مقیم تھا۔ بعد میں یہی شخص بنو نصر کی ریاست غرناطہ کا بانی ہوا۔

---

[1] احاطہ فی اخبار غرناطہ تذکرہ "محمد بن یوسف" [2] ابن خلدون جلد ۴ صفحہ ۱۷۰

محمد بن یوسف بن احمد بن نصر

محمد نے ۶۲۸ھ/۱۲۳۱ء میں اپنے خاندان بنو نصر اور سسرال والوں بنو اشقلولہ کی مدد سے ارجونہ میں اپنی آزادی کا اعلان کر دیا جیان۔ وادی آش اور باجہ والوں نے اسکی اطاعت کر لی اب اسکا مقابلہ بنو ہود سے تھا۔ لیکن ہود کے مقابلہ پر محمد کو تنہا جانے کی ہمت نہ ہوتی تھی۔ اس لئے اس نے قشتالیہ سے فوجی معاہدہ کر کے بنو ہود کے خلاف ان کی مدد حاصل کی۔ ابن الخطیب نے لکھا ہے کہ ۶۲۸ھ/۱۲۳۱ء میں تقریباً ۳۰ دن تک اشبیلیہ پر بھی قابض رہا۔ اور شہر قرطبہ پر بھی قبضہ کر لیا لیکن کچھ ہی دن بعد اہل اشبیلیہ نے بنو ہود کی اطاعت کر کے محمد بن یوسف کو اشبیلیہ سے نکال باہر کیا۔[1] محمد نے عیسائیوں کی مدد سے ۶۳۵ھ/۱۲۳۷ء میں غرناطہ پر قبضہ کر لیا اور پھر ہمیشہ کے لئے اس شہر کو اپنا دارالحکومت قرار دیکر اسی سال مالقا اور المریہ پر بھی قبضہ کر لیا

غرناطہ کی یہ ریاست جو محمد بن یوسف نے قائم کی تھی بقول ابن خلدون "ساحل بحر پر رندہ اور المیرہ کے درمیان تھی جس کی مسافت مغرب سے مشرق تک دس منزل اور عرضاً ساحل بحر سے اندرون حصہ ملک تک ایک منزل یا اس سے کچھ زیادہ کی تھی"[2] (کل رقبہ تقریباً ساٹھ مربع میل تھا) محمد نے اپنا لقب الغالب اللہ اختیار کیا۔ وہ ایسے وقت میں اس چھوٹی سی حکومت کا مالک ہوا تھا جبکہ تمام مسلم امراء نے جو خوش حکمرانی میں پورے ملک کو اپنی خود غرضی کا نشانہ بنا رکھا تھا۔ اور عیسائیوں نے مسلمانوں کی اس خانہ جنگی سے فائدہ اٹھانے کا ارادہ کر رکھا تھا ۶۳۶ھ/۱۲۳۸ء میں یا اس سے کچھ قبل ماردہ عیسائیوں کے پاس چلا گیا۔ میورقہ، سرقسطہ اور شاطبہ پہلے ہی مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل چکے تھے ۶۳۶ھ/۱۲۳۸ء میں بلنسیہ بھی شدید محاصرہ کے بعد دشمنوں کے ہاتھوں میں چلا گیا۔ رفتہ رفتہ جنوبی اور مغربی اسپین کے کثیر علاقے مسلمانوں سے چھین لئے گئے۔ محمد بن یوسف نے اپنے ابتدائی دور حکمرانی میں عیسائیوں سے کوئی جھگڑا کرنا پسند نہ کیا۔ بلکہ اپنی حکومت کو مضبوط اور مستحکم کرنے کی غرض سے عیسائی بادشاہوں سے امداد لی جن کی مدد سے اس نے اپنی فوجی طاقت میں کافی اضافہ کر لیا اسطرح اس کی حکومت کو استحکام اور استقلال حاصل ہو گیا۔ ابن ہود نے الفانسو کی مدد سے قرطبہ پر قبضہ کر لیا تھا لیکن فرڈیننڈ سوم نے قرطبہ پر ۶۳۳ھ/۱۲۳۶ء میں اپنا قبضہ کر لیا ۶۳۹ھ/۱۲۴۱ء میں مالقہ پر ۶۴۵ھ/۱۲۴۷ء میں اشبیلیہ پر قبضہ کر لیا غرض تیرہویں صدی عیسوی کے آخر تک سوائے غرناطہ اور اسکے نواح کے باقی پورا مسلم اسپین عیسائیوں کے قبضہ اقتدار میں آ چکا تھا۔

---

[1] الاحاطہ تذکرہ "محمد بن یوسف" [2] جلد ۴ ص ۱۷۲

عیسائیوں کی ان فتوحات کے سلسلہ میں محمد بن یوسف کا کردار بڑا عجیب اور معنی خیز رہا۔ اس نے ایک طرف تو اپنی حکومت کو مضبوط اور مستحکم کیا اور دوسری طرف بہت سے مسلم علاقے فتح کرنے کے لئے عیسائیوں کی مدد بھی کی۔

محمد بن یوسف الغالب ایک جری، بہادر اور مدبر شخص تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس نے چھوٹی چھوٹی مسلم ریاستوں کو ختم کرنے کے سلسلہ میں عیسائیوں کی مدد کی تھی جو ایک مسلم حکمران کو زیب نہیں دیتی لیکن محمد بن یوسف کے نزدیک ایسا کرنا اس لئے ضروری تھا کہ غرناطہ کو ایک مضبوط اور مستحکم حکومت بنایا جاسکے۔ اور وہ مسلمانوں کی کماحقہ حفاظت کرسکے۔ اگر وہ ایسا نہ کرتا تو کوئی شبہ نہ تھا کہ دیگر مسلم حکومتیں عیسائیوں کو غرناطہ تباہ کرنے پر اکساتی رہتیں۔ محمد بن یوسف کو یہ بھی خیال تھا کہ دیگر مسلم علاقوں کو لینے کے بعد عیسائی اس کی طرف بھی رخ کریں گے۔ اس لئے وہ اپنی فوجی طاقت بھی بڑھاتا رہا۔ گو اس نے عیسائیوں اور قشتالیوں کی مدد سے بہت کچھ فائدہ حاصل کیا۔ لیکن کبھی ان پر بھروسہ نہ کیا نئے نئے قلعے تعمیر کئے۔ اور جبل الطارق اور دیگر قلعوں کو مستحکم کرکے زبردست فوج متعین کی۔ اس نے مارتیانیہ کے نورمین سے بھی دوستانہ تعلقات قائم رکھے اور کچھ عرصہ تک خلیفہ عباسی کا خطبہ بھی پڑھوایا۔ ابن الخطیب کے کہنے کے مطابق "محمد بن یوسف سادگی، نیک دلی اور جمہور پسندی میں قدرت الٰہی کا نمونہ تھا۔ وہ فوج اور قلعہ کا ایک چست و چالاک اور مضبوط و جفاکش سپاہی تھا عیش و آرام سے نفرت تھی تشدد اور صعوبت کی زندگی پسند کرتا اور تھوڑے پر قناعت کرتا تھا۔ نام و نمود اور تصنع سے دور رہتا تھا۔ ہتھیار کا دھنی اور ارادہ کا مضبوط تھا جرأت ایسی رکھتا تھا کہ اس کا رعب چھایا رہتا تھا مصیبت کو خفیف سمجھتا۔ گھر والوں کے ساتھ اچھا سلوک کرتا اور اپنا حق طلب کرنے میں بے پروائی سے کام لیتا۔ قرابت داروں، دوستوں اور ہمسایوں کی حمایت کرتا جنگ میں پیش پیش رہتا اور بذات خود لڑائی کا انتظام کرتا تھا لباس موٹا پہنتا۔ بدویانہ طریقہ پر رہتا تھا۔ یہاں تک کہ جوتا تک اپنے ہاتھ سے گانٹھ لیتا تھا۔ تمام کاموں کو اہتمام اور توجہ کے ساتھ انجام دیتا تھا۔ جمعہ کے روز ضعیف اور معذور لوگوں میں خیرات تقسیم کرنے کو رواج دیا۔

جب ملک پر قبضہ کرنے اور اموال حاصل کرنے میں کامیابی ہوگئی۔ تو حسابات کی دیکھ بھال

کی طرف بذات خود توجہ دی جس کا یہ نتیجہ نکلا کہ دولت میں اضافہ ہوتا گیا۔ اور خزانہ معمور ہو گیا ملک میں امن و امان کی فضا قائم ہو گئی ——— وہ ہفتہ میں ایک روز دربار عام منعقد کرتا تھا جس میں ہر شخص کو اس کے پاس جا کر انصاف طلب کرنے کی اجازت تھی۔ اس دربار میں اہل حاجت سے ملاقات کرتا اور شعراء اپنے اشعار سنا کر داد و دہش حاصل کرتے تھے۔ ایک دوسری مجلس میں وہ علماء۔ فقہاء اور صلحا سے ملتا تھا۔ اس مجلس میں صرف اہل غرناطہ۔ قضاۃ شہر اور اعلیٰ حکام سلطنت شریک ہوتے تھے۔ اس میں حدیث کا درس ہوتا تھا اور دس حصوں میں قرآن پاک ختم کیا جاتا تھا۔ ایک مجلس خاص ہوتی تھی جس میں امورات سلطنت پر بحث و مشاورت ہوتی تھی۔"[1]

محمد ایک شاہی خاندان کا بانی اور نہایت قابل قدر بادشاہوں میں سے ایک تھا اس کو یہ فخر حاصل ہے کہ اس نے نہایت پر آشوب دور میں مسلمانوں کے دین اور تلوار کی عظمت کو برقرار رکھا وہ جری بھی تھا اور حیلہ ساز بھی اس کی دور رخی پالیسی اس کی فطرت نہ تھی۔ بلکہ وہ اپنے دشمن کی مکاری اور دغا سے پوری طرح واقف تھا۔ اور وہ حیلہ ساز دشمن سے حیلہ سازی ہی بہتر خیال کرتا تھا۔ اس نے دشمن کے آگے اگر سر جھکایا تو صرف اس لئے کہ غرناطہ اس کے ہوس اقتدار سے محفوظ رہے۔ اور غرناطہ اسپین کے در بدر پھرتے ہوئے مسلمانوں کا ملجا و مامن بن جائے۔ اور بلاشبہ وہ اپنی اس پالیسی میں پوری طرح کامیاب رہا۔

سیاسی اور فوجی کامیابیوں کے ساتھ ساتھ محمد بن یوسف کی شہرت کا ایک بڑا سبب اس کا محل قصر الحمراء بھی ہے جو اس نے غرناطہ کے قریب مشرق میں ایک پہاڑی پر تعمیر کیا تھا۔ جس کی وسعت اور تکمیل اس کے جانشینوں نے کی تھی۔ غرناطہ اس کے دور میں مسلم اسپین کے اہل ہنر و علم کی آماجگاہ بنگیا تھا۔ جس سے صنعت و حرفت میں بے انتہا ترقی ہوئی۔ خاص طور پر ریشم کی صنعت نے تو دنیا میں شہرت حاصل کر لی فن زراعت جو طوائف الملوکی کے ہاتھوں تقریباً ختم ہو چکا تھا۔ دوبارہ زندہ کیا گیا۔ بندرگاہ المریہ اور دیگر بندرگاہوں کو تجارتی نقطہ نظر سے کافی کار آمد اور وسیع بنایا گیا۔ اس طرح ایشیا افریقہ اور یورپ کے تجارتی جہاز ہر وقت ان بندرگاہوں میں مال لانے اور لیجانے کا کام کرنے لگے۔ ملک کی منڈیاں مال سے بھر گئیں۔ اور ہر طبقہ عوام دولت سے مالا مال ہو گیا۔ عوام کے لئے حمام اور شفاخانے کثرت سے تعمیر کئے گئے۔ شفاخانوں میں نامور طبیبوں اور جراحوں کو مقرر کیا گیا اور وہ آلات

---

[1] الاحاطہ فی اخبار غرناطہ تذکرہ محمد بن یوسف"

استعمال کئے گئے۔ جو اس وقت تک فن طب و جراحت کی تحقیقات میں آچکے تھے اور مسلمان ان کا استعمال بخوبی جانتے تھے۔ الغرض ہر طرف سکون و اطمینان کی لہر دوڑ گئی اور علم و ہنر، عدل و مساوات اور بیدار مغزی کی علامات ظاہر ہونے لگیں۔

محمد اول کو جس طرح تعمیرات اور عوام کی فلاح و بہبود کا خیال تھا اسی طرح علم و فن سے بھی کافی رغبت رکھتا تھا۔ جگہ جگہ مدارس کھلوائے گئے۔ اور علم و ہنر کی ترقی کے لئے قابل ترین اساتذہ کی خدمات حاصل کی گئیں۔ ایک زبردست کتب خانہ تعمیر کیا گیا جس میں دور دور سے کتابیں لاکر جمع کی گئیں۔ الحکم ثانی کے کتب خانہ کی بہت سی کتابیں بھی اس کتب خانہ میں موجود تھیں۔ ہر طالب علم کو اس کتب خانہ سے استفادہ حاصل کرنیکا حق دیا گیا جس میں ان کی ہر قسم کی امداد کی جاتی تھی۔ مساجد کی آرائش و زیبائش میں سب سے اول محمد بن یوسف نے ذوق و شوق کا مظاہرہ کیا۔ عدل و انصاف میں اس نے اپنے قدیم اجداد شیوخ عرب کی تقلید کی اور ہر ممکن طریقہ سے عوام تک انصاف کو پہونچانا آسان کر دیا۔ کوئی شخص خواہ کسی بھی حیثیت کا ہو اپنے ظلم و زیادتی اور قانون شکنی کی سزا ضرور پاتا تھا۔ بحیثیت مجموعی محمد بن یوسف نے اسپین کی مردہ مسلم تہذیب کو دوبارہ غرناطہ میں زندہ کیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ سارے مسلم اسپین کا حسن تہذیب سمٹ کر غرناطہ میں جمع ہو گیا تھا۔ مزید یہ کہ محمد اول کی ذاتی کوششوں اور کارناموں نے اس میں چار چاند لگا دیئے۔

محمد اوّل اور عیسائی

یہ بتایا جا چکا ہے کہ غرناطہ کے حصول میں محمد نے عیسائیوں سے مدد حاصل کی تھی لیکن اس پر بھی اس نے کبھی عیسائیوں کو اپنا قابل بھروسہ دوست نہ سمجھا اور وہ اپنی طاقت کو بڑھانے اور حکومت کو مضبوط کرنے میں ہمہ تن مشغول رہا۔ جب اس کو اپنی طاقت کی طرف سے سکون و اطمینان ہوا تو پھر اس نے عیسائیوں کے خلاف مسلمانوں کی امداد کا سلسلہ شروع کیا۔ مدینہ بسترہ، مرسیہ اور اریکس کے مسلمانوں کو امداد دی جو عیسائیوں سے برسر پیکار تھے۔ کیونکہ عیسائیوں کی یہ تدبیر تھی کہ ان علاقوں پر قبضہ کر کے غرناطہ کی راہ کو ہموار کر لیں لیکن محمد نے ایسا نہ ہونے دیا۔ نتیجۃً عیسائیوں کو ان علاقوں میں ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ اس نے قرطبہ بھی عیسائیوں کے قبضہ سے نکالنے کی کوشش کی جس میں ناکامی ہوئی۔ ۶۶۱ھ/۱۲۶۱ء میں مالقہ اور وادی آش کو عیسائیوں کی یلغار سے محفوظ رکھنے کے لئے قلعہ لاریال کے قریب

عیسائیوں کو فاش شکست دی لیکن ان دونوں علاقوں کے مسلم گورنروں نے علماء دین کے بہکانے میں آکر عیسائیوں سے صلح کرلی جس سے عیسائیوں کے سردار الفانسو دہم نے محمد اول کو دھمکیاں دینا شروع کر دیں چنانچہ محمد اول نے مجبور ہو کر ۲ لاکھ ۵۰ ہزار دینار سالانہ پر عیسائیوں سے صلح کرلی لیکن اس صلح کے کچھ ہی دن بعد الفانسو دہم نے پھر چھیڑ چھاڑ شروع کر دی اور معاہدے کی خلاف ورزی میں مالقہ اور وادی آش کے اشقابی گورنروں کو محمد اول کے خلاف بھڑکانا شروع کر دیا۔ بہت سے عیسائی جو غرناطہ سے معاہدہ کی خلاف ورزی کے خلاف تھے۔ الفانسو دہم سے الگ ہو کر اس کے باغی بھائی فلپ کے ساتھ مل گئے۔ اور فلپ نے محمد اول کا ساتھ دینے کا اعلان کر دیا۔ محمد اول نے ایک زبردست فوج جمع کی تاکہ باغی گورنروں کو سزا دے اور الفانسو دہم کو بھی مزا چکھائے لیکن اس کی یہ حسرت دل ہی میں رہ گئی اور قبل اس کے کہ فلپ اور غرناطہ کی متحدہ فوج غرناطہ کی فصیل کے باہر ہوتی ۲۴ دسمبر ۶۷۱ھ/۱۲۷۲ء میں اس عظیم اور مدبر حکمران نے ملک عدم کی راہ لی اور کار حکومت اس کے جانشین کے حصہ میں آیا۔

محمد دوم

۶۷۱ھ/۱۲۷۲ء تا ۷۰۱ھ/۱۳۰۲ء

نام محمد تھا لیکن محمد فقیہ کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ ابن خلدون کے بقول فقیہ اس کو اس لئے کہتے تھے کہ وہ ایک زبردست عالم و رکتب بینی کا شائق تھا۔ ابن الخطیب نے اس کے متعلق تحریر کیا ہے کہ "وہ جلالت، دبدبہ اور دانشمندی میں مثالی بادشاہ تھا۔ سلطنت کے نظم و نسق کی اصلاح اہل خدمت کے القابات کی وضع، ان کے مراتب کی تجدید و تعیین ارکان حکومت کی قدر دانی ملکی محاصل کا بندوبست اور مالگذاری کی توقیر اس کے اہم کارنامے ہیں اور ان تمام امور پر اپنی استوار سیاست زبردست عقل و وافر حکمت، طویل تجربہ اور برتر فہم و فراست سے حاوی تھا۔

اس کی شباہت ملیح تھی۔ بلند ہمت تھا۔ اپنے باپ کے زمانہ میں وزارت کی خدمت انجام دی تھی۔ اس نے اپنے باپ کے طور طریق جاری رکھے وہ اپنے خط کی پاکیزگی۔ توقیعات کی عمدگی، علماء فقہا۔ صلحاء اطباء کاتبین اور شعراء کی قدر دانی، سخن سنجی اور نادرہ گوئی میں اپنے باپ پر فوقیت رکھتا تھا۔ اس کے تخت پر آتے ہی باغیوں نے ہر طرف سر اٹھایا یہاں تک کہ فتنہ پردازوں کے شر سے غرناطہ اندلس کی سرزمین دہل گئی۔ اس کے ساتھ ہی کافروں نے بھی حملہ کیا لیکن محمد دوم نے ان تمام مضار

کا صبر و استقلال اور مردانگی سے مقابلہ کیا اور ان کو دور کرنے میں اپنی پوری حکمت اور سیاست صرف کر دی جس کا یہ نتیجہ نکلا کہ سلطنت کی بنیاد رفتہ رفتہ صاف ہو گئی۔ وہ ملک میں بہت مشہور ہوا اور اس کے غزوات نے کافی عظمت و اہمیت حاصل کر لی۔[1]

بلاشبہ محمد دوم بے انتہا خوبیوں کا مالک تھا۔ علم کی سرپرستی میں اس کو خاص مقام حاصل تھا۔ وہ خود بھی عالم و فاضل تھا اور بہت سی زبانوں پر قدرت رکھتا تھا حکومت کے کاموں سے فارغ ہو کر علماء اور فلسفیوں کے بحث و مباحثہ میں شریک ہوتا تھا باغی گورنروں کو اطاعت پر مجبور کر دیا اور الفانسو دہم سے اس شرط پر صلح کر لی کہ وہ اپنے بھائی فلپ کی جاگیر بحال کر دیگا الفانسو دہم اس وقت اندرونی خلفشار میں مبتلا تھا اس لئے وہ صلح کر کے اپنی فوجیں غرناطہ کی حدود سے باہر لے گیا۔ لیکن محمد دوم اس کی دغا باز فطرت سے بخوبی واقف تھا۔ اس نے الفانسو دہم کی اس مجبوری کو محسوس کر لیا۔ اور عیسائیوں کی طاقت کو کچل ڈالنے کے لئے اس نے مراکش کے مرینی بادشاہ ابو یعقوب بن عبد الحق کو اپنی امداد کے لئے بلایا۔ ابو یعقوب نے ۵۰ ہزار سپاہ سے اس کی مدد کی یہ امداد عین اس وقت پہونچی جبکہ عیسائی اپنے سپہ سالار گونزالیز کی ماتحتی میں غرناطہ پر حملہ آور ہو چکے تھے۔ محمد دوم نے مراکش کی اس امداد کے سہارے عیسائیوں کو زبردست شکست دی اور ۸ ہزار عیسائی معہ اپنے بہادر سپہ سالار کے مارے گئے۔ دوبارہ عیسائیوں نے ارغون کے شاہ جیمس اول کے لڑکے شانجہ کی سرکردگی میں جیان کے مقام پر مسلمانوں سے شکست کھائی جس میں شانجہ ہزاروں سپاہیوں کے ساتھ مارا گیا۔ محمد دوم نے امداد دینے کی شکر گذاری میں شاہ مراکش کو الخضراء اور طریف کے جزیرے دیدیئے۔ بنو مرین کے اسپین سے جاتے ہی عیسائیوں نے الخضراء کا محاصرہ کر لیا اور غرناطہ کے نواح کو تاخت و تاراج کرنا شروع کر دیا لیکن محمد ثانی نے ان کے حملوں کو ناکام بنا دیا اور وہ الخضراء سے بھی ناکام واپس کر دیئے گئے اس کے علاوہ بھی محمد ثانی اور عیسائیوں کے درمیان کئی معرکے ہوئے جن میں اکثر عیسائیوں کو شکست اٹھانا پڑی۔ محمد دوم نے الخضراء کو اپنی حکومت مضبوط کرنے کے لئے شاہ مراکش سے ایک مثقال (تقریباً ۴۶۸ سیر) سونا دیکر خرید لیا۔ تیس سال کامیاب حکمرانی کے بعد محمد ثانی نے ۱۳۰۲ء میں وفات پائی۔

---

[1] الاحاطہ فی اخبار غرناطہ۔ تذکرہ۔ "محمد بن محمد بن یوسف"

محمد سوم

محمد نام اور ابو عبداللہ کنیت تھی۔ اپنے باپ کے بعد ۷۰۱ھ/۱۳۰۱ء میں تخت غرناطہ پر آیا۔ مخلوع کے لقب سے پکارا گیا۔ ابن الخطیب نے اس کے متعلق لکھا ہے کہ "محمد ثالث اپنے خاندان میں شہرت، ہمت اور بزرگی کے لحاظ سے اعلیٰ مرد تھا۔ اس کی شکل ملیح اور چہرہ سے امارت ٹپکتی تھی۔ طبعاً سعید محمود، ذکی اور فہیم تھا۔ وہ اپنے باپ کی زندگی میں گو نہایت عیش پسند تھا لیکن اسی کی زندگی میں سیاستدانی سے بھی بہرہ اندوز ہوا۔ اور امورات سلطنت سے واقفیت حاصل کی جس کی وجہ سے وہ فخر و شرف اور علم و ادراک میں بے مثل ہو گیا۔ اپنے باپ کی طرز پر حکومت کی اور زمانے کے مصائب کا مقابلہ کیا اسے کیونکر کام کرنے لئے راتوں کو جاگنا پڑتا تھا اس لئے آنکھوں پر اتنا بار پڑتا تھا کہ وہ مکدر رہتا تھا ..... سعادت اس کی خادمہ، فیروزمندی اس کی کنیز اور اس کے عہد کا ہر روز عید تھا۔ تمام ہم عصر ملوک اس سے صلح کے متلاشی رہتے تھے وہ شعر سنتا اور کہتا بھی تھا۔ شعراء کو انعام و صلہ دینے میں فیاض تھا۔ علماء کا قدردان اور امورات سلطنت پر شرفاء کو متعین کرنیوالا تھا۔ ہر قسم کے تجربہ اور واقفیت سے مالا مال تھا۔ اور ندرت پسند تھا۔ اس کی توقیع عمدہ اور خط اچھا تھا..... البتہ فساوت اور تشدد اس پر غالب تھا۔ شعر نہایت عمدہ کہتا اس کا مجموعہ کلام بھی مرتب ہوا تھا۔"[1]

اس کا پورا دور جنگ و جدال میں گذرا اور اس نے بہت مختصر حکومت کی لیکن پھر بھی تہذیب و ثقافت میں گراں قدر اضافہ کیا۔ اس کے مناقب میں الحمرا کی شاندار اور حسین جامع مسجد کی تعمیر ہے جس پر نہایت پائداری سے چاندی کا ملمع کیا گیا تھا۔ اس مسجد کے مقابل ایک زبردست حمام بھی بنایا گیا تھا اس مسجد کی تعمیر میں صرف جزیہ کی رقم صرف کی گئی تھی۔

۷۰۴ھ/۱۳۰۵ء میں المریہ کے گورنر سلیمان نے ارغون کے عیسائیوں کے بہکانے پر اپنی آزادی کا اعلان کر دیا لیکن جلد ہی محمد مخلوع کے ہاتھوں پکڑ کر جیل میں ڈال دیا گیا۔ وادی آش کے گورنر کی بغاوت سختی سے کچل دی گئی عیسائیوں نے جبل الطارق پر قبضہ کر کے الخضراء کا محاصرہ کر لیا لیکن محمد سوم نے پلٹ کر عیسائیوں کے سرحدی قلعوں پر حملہ کر دیا جس سے مجبور ہو کر عیسائیوں نے الخضراء کا محاصرہ اٹھا لیا۔ ۷۰۸ھ/۱۳۰۹ء میں محمد سوم کے بھائی ابوالجیوش نصر بن محمد نے اکابرین حکومت سے سازش کر کے محمد کو گرفتار کر لیا۔ اور المنکب کے قلعہ میں قید کر دیا۔ محمد سوم پانچ سال تک قید رہا۔

---

[1] الاحاطہ..... تذکرہ "محمد بن محمد بن محمد بن یوسف"

اس درمیان نصر جب سخت بیمار ہوا تو محمد سوم نے حکومت حاصل کرنے کی کوشش کی جس کی وجہ سے اس کو اپنی جان سے ہاتھ دھونا پڑے۔

نصر بن محمد

۷۰۸ھ ۱۳۰۹ء تا ۷۱۴ھ ۱۳۱۴ء

نصر بن محمد میدان کارزار کا فرد نہ تھا۔ البتہ علوم و فنون کی طرف اس کی خاص رغبت تھی اور ان کی ترقی اور ترویج کی طرف خاص ذوق رکھتا تھا اس کے عہد میں سائنس اور فلسفہ پر بہت سی کتابیں لکھی گئیں۔ اور تراجم بھی ہوئے۔ ایجادات کے سلسلہ میں بھی اس کا دور بہت مشہور ہے دیوار گھڑی کی ایجاد اسی سے منسلک ہے۔ بہت سی عوامی عمارات تعمیر ہوئیں لیکن پھر بھی وہ ایک بدقسمت بادشاہ تھا۔ اس کا ایک دن بھی امن و سکون سے نہ گذرا تھا۔ تخت پر آتے ہی قشتالیہ کے فرڈیننڈ چہارم نے الخضراء کا محاصرہ کر لیا جس کو بچانے کے لئے نصر نے عیسائیوں کو سالانہ خراج دینا منظور کر لیا اس کے بھانجے ابوالولید نے تخت حاصل کرنے کے لئے سازش کی لیکن ناکام رہا اور ابوالولید اپنے باپ کے پاس مالقہ بھاگ گیا۔ محمد سوم نے دوبارہ تخت حاصل کرنا چاہا لیکن وہ کامیاب نہ ہوا اور مار ڈالا گیا۔ یہی وقت تھا کہ قشتالیہ کے فرڈیننڈ چہارم کو موت نے آلیا اس کے تیرہ ماہ کے لڑکے الفانسو یازدہم کو تخت پر بٹھایا گیا۔ اور پھر قشتالیہ آپس کی خانہ جنگی میں پھنس گیا یہی موقعہ تھا کہ مسلمان اپنا تمام علاقہ عیسائیوں سے واپس لے لیتے اور قشتالیہ کو بھی زیر کر لیتے لیکن افسوس اس وقت دربار غرناطہ خود سازشوں کا اڈہ بنا ہوا تھا۔ اور مسلمانوں کی صلاحیت حربی ایک دوسرے کی گردن پر تلوار چلانے میں کام آرہی تھی۔ یہاں تک کہ اہل دربار نے ایک بار پھر ابوالولید سے سازش کر کے نصر کو تخت سے دست بردار ہونے پر مجبور کر دیا۔ اور از راہ تراحم اس کو وادی آش کا گورنر بنا دیا گیا جہاں اس نے ۷۲۳ھ ۱۳۲۲ء میں وفات پائی۔

ابوالولید اسمٰعیل

۷۱۴ھ ۱۳۱۴ء تا ۷۲۶ھ ۱۳۲۵ء

ابوالولید اسمٰعیل بن فرج اس خاندان کے بانی محمد اول کے بھائی اسمٰعیل کا پوتا تھا۔ وہ ایک خوش خلق، آزاد منش، صاف دل۔ باحیا۔ پاکدامن اور صحیح العقل شخص تھا۔ لڑائیوں میں ثابت قدم رہتا تھا۔ طہارت اور پاکیزگی سے بھرا ہوا اور بوالہوسی سے محفوظ تھا۔[1] اس نے رعایا میں عدل و انصاف کے قوانین نافذ کئے۔ مالگذاری کی معقول شرح رکھی۔ سرحدوں کو مضبوط اور دشمنوں سے محفوظ رکھا جس کی بنا پر عوام و خواص اس کے دلدادہ ہو گئے۔ ان اصلاحات کے علاوہ بھی اسمٰعیل

---

[1] الاحاطہ ..... تذکرہ "اسمٰعیل بن فرج"

نے دیگر اصلاحات بھی کیں جو مذہبی اور سیاسی دونوں نوعیت کی تھیں اہل بدعت کو سختی کے ساتھ کچل دیا اور اہل ملت کے ساتھ نرمی کی خاص طور پر سادات کو نوازا شرعی حدود قائم کرنے اور منکرات کو روکنے کے لئے سخت اقدامات کئے۔ دعوتوں اور مجالس میں معززین کے پاس طوائفوں کی آمد و رفت کو ممنوع قرار دیدیا اور ان کی طرب انگیزی سے لطف اندوز ہونے کی صرف ان لوگوں کو اجازت تھی جو اسی قماش کے تھے۔[1] یہود کی پہچان کے لئے ان کو زرد عمامہ باندھنے کا حکم دیا۔

اسمٰعیل نے بہت سے معرکے سر کئے اور عیسائیوں کی طاقت کو پامال کیا۔ ۷۱۹ھ/۱۳۱۹ء میں اس نے بسطہ کے مضبوط قلعے کا محاصرہ کر لیا۔ شیخ الغزاۃ ابو سعید عثمان مرینی کی مدد سے اس نے الفانسو یازدہم کے سرپرستوں دون جوان اور دون پیڈرو کو علی قم کے مقام پر زبردست شکست دیکر مار ڈالا۔ اور حصن اشکر، گلیریہ اور بسطہ پر قبضہ کر لیا۔ اسی سال جیان سے ۱۶ میل جنوب مغرب میں مرتش پر قبضہ کر لیا جن لوگوں نے اطاعت نہیں کی وہ سب قتل کر دیئے گئے اس نے مراکش کے مرینی بادشاہ سے غرناطہ کے پرانے قلعے طریف اور رندہ کو دوبارہ حاصل کر لیا۔ مرتش کی کامیابی کے تیسرے دن جب وہ قصر میں داخل ہو رہا تھا اس کے برادر اور عم زاد محمد بن اسمٰعیل المعروف بہ صاحب جزیرہ نے جس کی کسی متوقعہ پر اسمٰعیل نے بے عزتی کی تھی اس کو قتل کر دیا۔ بحیثیت مجموعی اسمٰعیل کا دور فارغ البالی اور امن کا دور تھا اور عوام خوشحال تھے۔

محمد چہارم

اسمٰعیل نے چار لڑکے چھوڑے تھے جن میں ابو عبداللہ محمد جس کی عمر ۱۲ سال کی تھی سب سے بڑا تھا چنانچہ اس کو تخت نشین کیا گیا۔ ۷۲۵ھ/۱۳۲۵ء تا ۷۳۵ھ/۱۳۳۴ء اور اس کا سرپرست چالاک اور خود غرض وزیر ابن محروق بنایا گیا ابن محروق نے اپنا اقتدار مضبوط کرنے کے لئے محمد چہارم کے وفادار اور عقلمند درباریوں اور امراء اور اس کے بھائیوں کو غرناطہ سے باہر کر دیا لیکن تین سال بھی نہ گذرے تھے۔ کہ محمد چہارم نے اس کی عادات و حرکات سے عاجز آکر اس کو قید کر دیا۔ اور بقول ابن الخطیب "سلطان کے حکم سے قتل کر دیا گیا۔"[2] ابن خلدون نے لکھا ہے۔ کہ "محمد نے عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لیتے ہی اپنے وزیر السلطنت ابن محروق کو ۷۲۹ھ میں اپنی مجلس میں بلا کر قتل کرا دیا۔ قتل کا سبب یہ تھا کہ وزیر موصوف کی شکایات حد سے بڑھ گئی تھیں۔ اور اس کا ذاتی اقتدار شاہ غرناطہ سے بھی بڑھا ہوا تھا۔"

---

[1] الاحاطہ ..... تذکرہ " اسمٰعیل بن فرج [2] ایضاً ..... تذکرہ " محمد بن اسماعیل "

محمد چہارم اپنی عزت، سیادت اور جمال و خصال کی وجہ سے شاہان ذی وقار میں شمار کیا جاتا تھا۔ شیریں گفتار، نیک خصائل و شمائل۔ فصیح اللسان۔ خوش طبع اور فیاض واقع ہوا تھا۔ اس کی شجاعت ضرب المثل تھی۔ اور بعض اوقات وہ جوش شجاعت میں ہلاکت کی حد تک پہونچ جاتا تھا زبردست اور بے مثل شہسوار اور شکار کا بے حد دلدادہ تھا۔ بڑا عالم تھا اور ادب سے خاص دلچسپی رکھتا تھا۔ شعراء پر تنقید کرتا اور خود بھی اچھے اشعار کہتا تھا اس کی ذکاوت و ذہانت، شجاعت والوالعزمی اور عدل و انصاف کی داستانیں اہل غرناطہ کی زبان زد تھیں اور عوام اس سے بے حد یگانگت و الفت رکھتے تھے۔ ابن محروق کے بعد اس نے اپنا وزیر ابن یحییٰ کو مقرر کیا۔

محمد چہارم کی مدت حکومت باوجودیکہ بہت کم ہے لیکن پھر بھی اس نے عیسائیوں سے بہت سی لڑائیاں لڑیں اور کامیابیاں حاصل کیں۔ شہر قبرہ پر عیسائیوں کو بری طرح شکست دی۔ باغورہ کو فتح کیا۔ حصن قشتالیہ اور حصن قشرہ کو عیسائیوں سے چھین لیا۔ جبل الطارق پر قشتالیہ کے عیسائیوں نے قبضہ کر کے اس کو مستحکم کر لیا تھا ۷۳۵ھ/۱۳۳۴ء میں محمد چہارم نے اس پر حملہ کر کے سخت مزاحمت کے باوجود اس پر قبضہ کر لیا جو اس کی کامیابیوں میں شاندار شمار ہوتی ہے۔ شیخ الغزاۃ عثمان بن ابو العلاء جو شاہی حفاظتی دستہ کا سردار تھا محمد چہارم سے کشیدگی کی بنا پر بغاوت کر دی۔ وہ حصن اندرش کی طرف بھاگ گیا۔ اور قشتالیہ کے عیسائی بادشاہ اور مراکش کے مرینی سلطان ابوالحسن علی کو غرناطہ پر حملہ آور ہونے کی دعوت دی۔ مراکش والوں نے موقعہ غنیمت سمجھکر الخضراء پر قبضہ کر لیا جس کی حفاظت کرتے ہوئے وزیر ابن یحییٰ مارا گیا۔ اور اس کی جگہ ابو نعیم رضوان کو وزیر بنایا گیا شاہ مراکش نے رندہ اور مرسیلا وران کے مضافات پر قبضہ کر لیا شاہ غرناطہ نے باوجود اس کے کہ اس کے پاس بہت کم فوج تھی۔ نہ صرف یہ کہ اپنے تدبر اور شجاعت سے تمام علاقے شاہ مراکش سے واپس لے لئے اور عیسائیوں کو اپنی سرحدات سے دور بھگا دیا۔ بلکہ شاہ مغرب ابوالحسن علی سے دوستی بھی کر لی ابن الخطیب نے لکھا ہے کہ محمد چہارم بذات خود سمندر عبور کر کے سلطان ابوالحسن سے جا کر ملا۔ جس سے ان دونوں کی دوستی مزید مضبوط ہو گئی۔ بہر حال چند سال کے اندر اندر اس نے اپنی قلمرو کے علاقوں کو محفوظ اور مستحکم بنا لیا۔ ابن خلدون کا بیان ہے کہ "..... عیسائیوں نے پھر چھیڑ چھاڑ شروع کی اور مسلمانوں کو ایذا پہونچانے لگے۔ محمد چہارم سلطان ابوالحسن

مراکشی کی خدمت میں مغرب پہونچا اور دشمنان اسلام کی زیادتیوں کی شکایت کی اور امداد کی درخواست کی ..... سلطان نے بنظر حمیت اسلام محمد کے ساتھ فوجیں روانہ کیں اور اسے اپنی جانب سے اس لشکر کی امارت ۷۳۳ھ میں عنایت فرمائی عثمان بن ابوالعلاء اور اس کے ساتھیوں کو محمد چہارم کا سلطان ابوالحسن سے ملنا اور ابوالحسن کا اس معاملے میں مداخلت کرنا ناگوار گذرا اور اس سے ان کو طرح طرح کے خیالات پیدا ہوئے سب نے جمع ہو کر مشورہ کیا اور موقعہ پر جس روز وہ غرناطہ واپس آرہا تھا اس کو چاروں طرف سے گھیر کر قتل کر دیا[1]۔ محمد چہارم کے قتل کا واقعہ اسی سال پیش آیا جبکہ وہ جبل الطارق کو فتح کر کے اور عیسائیوں سے صلح کر کے واپس آرہا تھا۔ امام الدین صاحب نے لکھا ہے کہ عیسائیوں کے ایک گروہ نے قتل کر دیا[2] لیکن ابن الخطیب بھی اس رائے پر قائم ہے کہ بنو عثمان بن ابوالعلاء نے اس کو قتل کیا تھا[3]۔

ابوالحجاج یوسف

۷۳۵ھ / ۱۳۳۴ء تا ۷۵۴ھ / ۱۳۵۴ء

محمد چہارم کے قتل کے فوراً بعد وزیر السلطنت رضوان نے اس کے بھائی ابوالحجاج یوسف کو تختِ غرناطہ پر بٹھا دیا۔ یوسف اس خاندان کا زبردست اور عالی دماغ بادشاہ تھا اس نے تخت پر آتے ہی اپنے بھائی کے خون کا بدلہ لینے کا تہیہ کر لیا جس کے نتیجہ میں بنو عثمان بن ابوالعلاء پر دبا رہا گیا اور وہ سب کے سب غرناطہ سے جلاوطن کر کے تیونس بھیج دیئے گئے۔ جب عیسائیوں نے گڑبڑ کی اور بہت سے علاقوں پر قبضہ کر لیا تو یوسف نے مجبور ہو کر شاہ مراکش ابوالحسن کو امداد کے لئے بلایا۔ ابوالحسن نے اپنے لڑکے عبدالملک کو ایک زبردست لشکر لے کر بھیجا تاکہ پورے آئبیرین پر قبضہ کرے۔ عبدالملک نے الخضراء اور جبل الطارق پر قبضہ کر کے جنوبی آئبیرین کا بڑا علاقہ عیسائیوں سے خالی کرا لیا۔ لیکن پنجانہ کی جنگ میں عیسائیوں کے ہاتھوں شکست کھا کر مع دس ہزار سپاہ کے مارا گیا۔ عبدالملک کی موت کا بدلہ لینے کے لئے ابوالحسن ۷۴۱ھ / ۱۳۴۰ء میں بذات خود آئبیرین پر حملہ آور ہوا اور مغربی بحر روم کے علاقوں میں قشتالہ کو زبردست ہزیمت دیکر پسپا کر دیا طریف کے مضبوط قلعے کا یوسف کی مدد سے محاصرہ کر لیا۔ ارغون پرتگال اور قشتالہ کی متحدہ فوج جو جدید ترین آلات سے لیس اور تربیت یافتہ تھی طریف کو بچانے کے لئے ابوالحسن کے مقابلہ پر آئی۔ طریف کے باہر میدان سلاد و میں ۳۰ اکتوبر ۱۳۴۰ء / ۷۴۱ھ میں دونوں کا مقابلہ ہوا جس میں مسلمانوں کو سخت ہزیمت کا سامنا کرنا پڑا۔ کثیر مسلمان مارے گئے۔ اور ابوالحسن

---

[1] ابن خلدون ج ۴ ص ۱۷۲ [2] Political History of Muslim Spain, [3] الاحاطہ ..... تذکرہ محمد بن اسمٰعیل"

اور یوسف اول سمندر کے راستے اپنی جان بچا کر اپنے اپنے علاقوں کی طرف چلے گئے۔ اس لڑائی کے درمیان ہی الفانسو یازدہم طاعون کی بیماری سے مر گیا۔ عیسائیوں نے مسلمانوں کا زبردست قتل عام کیا اس جنگ کی اہمیت کا اندازہ اس امر سے کیا جا سکتا ہے۔ کہ اس کے بعد فرقیوں نے کبھی بھی آبین پر کسی زبردست حملے کا ارادہ نہ کیا اور شاہ غرناطہ کو اپنے لئے مدافعانہ طرز اختیار کرنا پڑا۔ طریفا اور الخضراء پر عیسائیوں نے دوبارہ قبضہ کر لیا۔ لیکن اب ان کے اپنے درمیان خانہ جنگی شروع ہو گئی جس کی وجہ سے انہوں نے یوسف اول سے دس سالہ معاہدۂ امن کر لیا۔ اس طرح یوسف اول کو اس بات کا موقعہ مل گیا۔ کہ وہ اپنے آپ کو امن و سکون کے ساتھ اصلاحات کی طرف لگا سکے۔

اس کے عادلانہ اور روادارانہ انتظام حکومت نے عوام کو خوشحال اور فارغ البال کر دیا تھا۔ وہ ادب فنون۔ تعمیرات اور سائنس کا زبردست مربی اور گرویدہ تھا۔ اس نے الحمراء میں کافی اضافہ کیا اور اس میں ایک عظیم باب" باب الشریع" تعمیر کرایا۔ شہر غرناطہ میں سترنوادے کے پہاڑوں سے بڑے بڑے نلکوں کے ذریعہ پانی بہم پہنچایا۔ اور پانی ذخیرہ کرنے کے لئے سنگ مرمر کی کئی ذخیرہ گاہیں تعمیر کیں۔ ہر بارہ مسلم گھرانوں پر ایک مسجد تعمیر کی جس سے ایک یتیم خانہ اور خیرات خانہ منسلک ہوتا تھا۔ ۷۴۹ھ/۱۳۴۹ء میں غرناطہ کا عظیم اور مشہور مدرسہ قائم کیا۔ علوم فطرت اور علوم الابدان پر زبردست تحقیقات کرائیں اور ان علوم کی ترویج کا وافر انتظام کیا ابن بیطار اس کے زمانہ کا مشہور سائنسداں اور علم نباتات کا ماہر تھا۔ پولیس کی تنظیم کو درست کیا اور شہر کو بہت سے حصوں میں منقسم کر کے ہر حصہ میں ایک پولیس افسر مقرر کیا جو عوام کی فلاح و بہبود اور قانون کے نفاذ کا ذمہ دار تھا۔ غرناطہ کے مسلمانوں کی یہ بدقسمتی تھی کہ یوسف اول ملک اور عوام کی خدمت کے لئے زیادہ عرصہ زندہ نہ رہ سکا۔ ۱۹ اکتوبر ۷۵۵ھ/۱۳۵۴ء میں نماز کی حالت میں ایک پاگل نے اس کو شہید کر دیا۔

محمد پنجم

۷۵۵ھ/۱۳۵۴ء تا ۷۷۰ھ/۱۳۵۹ء

یوسف اول کے شہید ہونے کے بعد اس کا عالم فاضل لڑکا محمد پنجم تخت غرناطہ کا مالک ہوا۔ جس نے اپنا لقب" الغنی باللہ" اختیار کیا اس نے تخت پر آتے ہی ریاست غرناطہ سے غنڈوں و بدمعاشوں، چوراچکوں کو باہر نکال دیا۔ اور ان اراکین دربار کو باہر نکال دیا۔ جو کسی نہ کسی برائی میں ملوث پائے گئے۔ لیکن ۷۶۰ھ/۱۳۵۹ء میں ان ملک بدر ہونے والوں نے محمد پنجم کی سوتیلی ماں سے مل کر محمد کو قتل کرنے اور اس کے سوتیلے بھائی اسمٰعیل کو تخت پر بٹھانے کی سازش کی ان سازشیوں نے عمدہ کر کے وزیر السلطنت ابو نعیم رضوان کو قتل کر دیا۔ محمد پنجم اس وقت شکار کے لئے باہر گیا ہوا تھا۔ وہاں سے اپنی جان بچا کر وادی آش کی طرف بھاگ گیا اور وہاں سے سلطان ابو سالم

شاہ مراکش کے پاس پہونچا تاکہ امداد حاصل کرکے دوبارہ غرناطہ پر قبضہ کرے۔ محمد نخیم کے بھاگتے ہی اسمٰعیل نے تخت غرناطہ پر قبضہ کرلیا۔

اسمٰعیل بن یوسف اور محمد ششم

اسمٰعیل بن یوسف بدکار نااہل اور ناکارہ ثابت ہوا اس کا مشیر اعلیٰ اس کا بہنوئی ابوسعید محمد تھا۔ جو بہت چالاک اور ہوس کار تھا اس نے اپنی غرض کی خاطر لوگوں کو اسمٰعیل کے خلاف بھڑکایا ۱۳۶۱ء/۷۶۲ھ میں ابوسعید محمد کی سرکردگی میں عام بغاوت ہوئی۔ اسمٰعیل کی نہ تو کوئی عزت تھی اور نہ کوئی شخصیت چنانچہ جلد ہی باغیوں کے ہاتھوں مارا گیا۔ ابوسعید محمد بن اسمٰعیل نے تخت پر قبضہ کرلیا۔ ابن الخطیب نے کئی کتابوں کے حوالے سے اس کا کردار اس طرح بیان کیا ہے "یہ رئیس بدصورت بری باتوں کا مرتکب۔ شریر۔ کمینہ۔ باغی۔ بدکار۔ فاسق۔ آوارہ آبرو باختہ اور بہت مسرف تھا۔ مشتبہ لوگوں سے اس کے تعلقات تھے ..... وہ کتوں کا سردار تھا۔ اور ان کے امراض کا معالج۔ انہی کتوں کی جماعت سے وہ اپنا شکار کیا کرتا تھا"[1] اس نے حکومت پر قابض ہوتے ہی شر انگیز، بدکار۔ لٹیرے اور سفاک لوگوں کو امورات حکومت پر متعین کیا جس کی بنا پر لوگ اس سے سخت ناراض ہوگئے۔ وادی آش کے قریب اس نے عیسائیوں سے زبردست شکست کھائی۔ محمد نخیم نے شاہ مراکش ابوسالم کی مدد لیکر دوبارہ تخت غرناطہ حاصل کرنے کی کوشش کی۔ لیکن اسی درمیان ابوسالم قتل کردیا گیا۔ اور غاصب سلطان مراکش کے حکم پر محمد نخیم کی تمام امداد واپس لے لی گئی۔ لیکن غرناطہ کے عوام نے جو ابوسعید محمد سے سخت ناراض تھے محمد نخیم کو دوبارہ تخت غرناطہ پر لانے کی کوششیں شروع کردیں۔ یہاں تک کہ ابوسعید محمد نے بہت سا مال متاع لیکر شاہ قشتالہ کے پاس پناہ لی جہاں شاہ قشتالہ نے ایک طرف تو ابوسعید کا مال ہضم کرنے کے لئے اور دوسری طرف غرناطہ کی دوستی حاصل کرنے کے لئے ابوسعید محمد کو ۱۳۶۲ء/۷۶۳ھ میں قتل کردیا۔

محمد نخیم کا دوسرا دور

محمد نخیم الغنی باللہ نے عوام کے جوش و مسرت کے درمیان تخت غرناطہ پر دوبارہ جلوس کیا۔ اور پھر ۳۰ سال حکمرانی کی اس کے دور حکومت میں ۱۳۶۲ء/۷۶۳ھ تا ۱۳۹۱ء/۷۹۳ھ بجز چند خانہ جنگیوں اور غیر اہم بغاوتوں کے کوئی خاص واقعہ ظہور میں نہ آیا۔ اس نے قشتالہ کی آپس کی خانہ جنگی سے بھی فائدہ اٹھایا۔ اور ایک فریق کا جو بطرہ کا طرفدار تھا

[1] الاحاطہ ..... تذکرہ "محمد بن اسمٰعیل"

ساتھ دیکر اپنے کئی قلعے واپس لے لئے۔ اس نے جزیرہ الخضراء پر بھی قبضہ کر لیا لیکن زیادہ دن تک وہ اس پر قابض نہ رہ سکا۔

محمد نجیم بقول ابن الخطیب "حسن صورت۔ استقامت فطرت۔ اعتدال اخلاق۔ صحت فکر۔ صفائی ذہن۔ رسائی فہم۔ لطافت مسائل اور کامل غور و تامل کا مالک تھا۔ باوقار اور باحلم تھا نرم دل اور صاحب ایمان تھا۔ نصیحت کو فوراً قبول کر لیتا تھا۔ ..... جرأت شوق جہاد۔ ثابت قدمی۔ قوت قلب۔ دلیری۔ رحم اور مہربانی والا تھا۔ وہ مجالس وعظ اور مذاکرہ کو بہت پسند کرتا۔ اور خاصان خدا کے سامنے مذہبی باتوں سے متاثر ہو کر زار و قطار رو تا تھا۔ کثیر صدقہ و خیرات کرتا۔ ہر قمری ماہ میں انسداد مظالم کے لئے بذات خود ۱۶ دن تک اجلاس کرتا تھا اور ہر کس و ناکس کے ساتھ پورا پورا انصاف کرتا تھا۔ ستم رسیدہ کی فریاد سے بہت متاثر ہوتا تھا اور سرداران فوج اور پولیس کو تشدد کرنے پر بھی سزا دیتا تھا۔ قیدیوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کا حکم دیا تھا وہ خود ترک لذت کا عادی تھا انتقام کا جذبہ بہت کم تھا۔ گھوڑے پالنا ہتھیار جمع کرنا۔ اور جہاد کو بذات خود انجام دینا اس کا سب سے عمدہ شوق تھا۔ دوسروں کی چغلی نہ سنتا تھا۔ وہ ایمان دار تجارت کے فروغ کا زبردست حامی تھا۔ عیش و عشرت میں مشغول نہ رہتا اور ہمہ وقت حکومت کے کاموں اور امور فلاح و بہبود عامہ میں مشغول رہتا تھا"[1]

وہ ایک بہترین منتظم اور علم و ادب کا مربی و سرپرست تھا اس نے جگہ جگہ مدرسے اور خانقاہیں تعمیر کرائیں اور اعلیٰ تعلیم کا بندوبست کیا۔ ایک زبردست شفاخانہ بنوایا جس کی مثال عالم اسلام میں نہ تھی۔ بہت سے قلعے تعمیر کئے اور پرانے قلعوں کو مستحکم کیا۔ غرناطہ کے بحری بیڑے کی اصلاح کی اور اس میں قرار واقعی اضافہ کیا جس سے اس کی بحری قوت ایک زبردست طاقت بن گئی۔ اس کے دور میں تجارت و صنعت اور زراعت میں نمایاں اصلاحات اور اضافے ہوئے۔ آب پاشی کا ایک نیا نظام جاری کیا اور کسانوں کو تقاوی دینے کا طریقہ اختیار کیا۔ الغرض نصر یہ آخری تاجدار ہے جس نے غرناطہ کی حکومت کو مضبوط اور مستحکم کیا۔ اور اس کو دشمنوں سے محفوظ رکھا یہاں تک کہ عیسائی اور مراکش کے حکمران بھی اس کی دوستی پر فخر کرتے تھے۔

۷۹۲ھ/۱۳۹۱ء میں اس نے انتقال کیا لیکن اس کے بعد کے آنے والوں نے اس کے نقش قدم کو نہ اپنایا اور بتدریج زوال کی طرف بڑھتے گئے۔

---

[1] الاحاطہ ..... تذکرہ "محمد بن یوسف"

محمد پنجم کے ساتھ ہی غرناطہ کا دورِ عروج بھی گیا۔ اس کے بعد اس

ابوالحجاج یوسف دوم کا لڑکا ابوالحجاج یوسف دوم تخت غرناطہ پر آیا۔ صرف ایک سال حکمرانی کر پایا تھا کہ شاہ فیض کی سازش سے زہر دیکر مار ڈالا گیا۔ اس نے قشتالیہ کے بادشاہ سے معاہدہ کی تجدید کی۔ اس کے دور میں قطرہ کے عیسائی حاکم نے غرناطہ پر ایک ناکام حملہ کیا۔ یوسف کی موت ۷۹۴ھ/۱۳۹۲ء میں ہوئی۔

محمد ہفتم یوسف کے قتل کے بعد اس کا دوسرا لڑکا محمد تخت غرناطہ پر آیا جس نے اپنے بڑے بھائی یوسف کو قید کر دیا۔ اس کے دور میں ہنری سوم نے تمام عیسائی بادشاہوں کی ایک مجلس بلائی جس میں یہ طے پایا کہ کس طرح غرناطہ کو مسلمانوں سے چھینا جا سکتا ہے لیکن اس سے قبل کہ عملی اقدام کیا جاتا ہنری سوم مر گیا۔ ۸۰۹ھ/۱۴۰۶ء میں قشتالہ نے غرناطہ پر حملے شروع کر دیئے اور اس کے علاقے کو تاراج کرنے لگا۔ ۸۱۰ھ/۱۴۰۷ء میں زاہرہ پر قبضہ کر لیا۔ مسلمانوں نے اس کے جواب میں بیدر پر حملہ کر کے حصن اعطسہ کا محاصرہ کر لیا۔ جو عیسائیوں کا مرکزی قلعہ تھا ان لڑائیوں میں دونوں فریق کا برابر کا نقصان ہوا۔ اسی درمیان محمد ہفتم سخت علیل ہو گیا۔ اور اس کے معالج اس کی زندگی سے قطعاً مایوس ہو گئے۔ اپنی بیماری اور موت کی قربت سے آگاہ ہو کر محمد ہفتم نے اپنے بیٹے کی جانشینی کے لئے اپنے قیدی بھائی یوسف کو مروا دینا چاہا لیکن قبل اس کے کہ اس کے اس حکم کی تعمیل ہو محمد ۸۱۱ھ/۱۴۰۸ء میں خود فوت ہو گیا۔ اور غرناطہ و اطراف کے عوام نے ابوعبداللہ یوسف کو تخت غرناطہ پر لا بٹھایا۔

یوسف سوم ۸۱۱ھ/۱۴۰۸ء میں یوسف تخت پر آیا۔ اس نے سب سے پہلے قشتالہ سے دو سال کا معاہدہ امن کیا۔ جو ۸۱۳ھ/۱۴۱۰ء میں ختم ہو گیا۔ یوسف نے اس معاہدہ کی تجدید کرنا چاہی تو قشتالہ نے انکار کر دیا فرڈیننڈ نے جو ابا غ شاہ قشتالہ کا سرپرست اور چچا تھا انتقرہ بزور طاقت مسلمانوں سے چھین لیا اس کے بعد پھر غرناطہ سے صلح ہو گئی جس کی رو سے تمام عیسائی قیدی رہا کر دیئے گئے۔ جبل الطارق کے عوام اپنے گورنر کے طرز عمل سے سخت نالاں تھے چنانچہ انہوں نے حکومت فیض سے جبل الطارق پر حملہ کرنے کی درخواست کی۔ شاہ فیض نے اپنے بھائی ابوسعید کو جبل الطارق کی فتح کے لئے بھیجا۔ لیکن یوسف سوم کا لڑکا محمد ایک زبردست فوج لیکر جبل الطارق

پہونچ گیا۔ اور افریقیہ کو شکست فاش دیکر ابو سعید کو قید کر لیا۔ شاہ فیض دراصل اپنے بھائی ابو سعید سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہتا تھا چنانچہ اس نے نہ تو فدیہ دیکر ابو سعید کو رہا کرایا بلکہ اس کے برخلاف یوسف سوم کو لکھا کہ وہ ابو سعید کے ساتھ جو بھی چاہے کرے۔ یوسف سوم کو خود بخود شاہ فیض کے خلاف ایک مہرہ ہاتھ آگیا۔ اس نے ابو سعید کو شاہ فیض کے خلاف بھڑکایا اور اس کو رہا کر کے اس کو ایک زبردست فوج دیکر فیض کی طرف روانہ کیا تاکہ اپنے غدار بھائی کو سزا دے۔ ابو سعید نے شاہ فیض کو شکست دیکر تخت مراکش پر قبضہ کر لیا۔ اور اس طرح دوبارہ فیض اور غرناطہ کے درمیان رشتہ دوستی استوار ہو گیا۔

یوسف سوم نے اپنا دور امن و سکون سے گذارا اور انتظام حکومت میں منہمک رہا۔ یوسف سوم اپنے انصاف، تدبر، حلم اور دیگر خوبیوں کی وجہ سے کافی شہرت رکھتا تھا اس کے تدبر کی یہ شان تھی کہ اکثر عیسائی روسا اپنے آپس کے جھگڑے طے کرانے کے لئے اس کے پاس آتے تھے وہ کھیل کود اور کسرت کا بڑا شوقین تھا اور ان کی سرپرستی کرتا تھا اس نے پہلی مرتبہ اپنی فوجوں میں ورزش اور کھیلوں کو رواج دیا سرحدی صوبوں میں امن و امان قائم کیا۔ اکثر وہ عیسائی قیدیوں کو لڑائی کے دوران ہی رہا کر دیتا تھا جو رواج سابقہ کے خلاف اور تعجب خیز تھا ملک میں امن و چین کی فضا نے لوگوں کی دولت میں اضافہ کر کے ان کی زندگیوں کو خوشحال اور ان کو آرام طلب، کاہل اور عیاش بنا دیا جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ عوام میں اتنا دم خم نہ رہا کہ وہ عیسائیوں کی روز افزوں طاقت کا مقابلہ کر سکتے۔ یوسف سوم نے ۸۲۱ھ/۱۴۱۷ء میں وفات پائی جس کا ایک عرصہ تک عوامی طور پر سوگ منایا جاتا رہا۔

محمد ہشتم یوسف سوم کے بعد اس کا بڑا لڑکا محمد ہشتم الیسار (الٹے ہاتھ والا) تخت غرناطہ پر آیا۔ وہ ایک مغرور اور متکبر شخص تھا اور اپنے فرائض کی بجاآوری سے غفلت برتتا تھا۔ اس نے امراء و شرفاء کو اپنے دربار سے ہٹا کر غلاموں اور خواجہ سراؤں کو اپنا مقرب خاص بنایا اور وہ تمام فلاحی اور تفریحی ادارے جو اس کے باپ نے شروع کئے تھے بند کرا دیئے۔ عوام اس سے سخت بیزار تھے۔ یہاں تک کہ قبیلہ بنو سراج اور ثغریوں (سرحدی علاقے کے لوگوں) نے اس کے خلاف بغاوت کر کے اس کو تیونس کی طرف بھگا دیا (۸۳۱ھ/۱۴۲۷ء)

محمد نہم و محمد ہشتم

۸۳۲ھ/۱۴۲۸ء میں محمد نہم تخت پر آیا۔ اس نے ناعاقبت اندیشی سے بنو سراج کے مشہور خاندان کو غرناطہ سے نکال دیا۔ بنو سراج نے اس کے خلاف شاہ قشتالہ اور امیر تیونس کی مدد حاصل کی اور اس کو قتل کر کے دوبارہ محمد ہشتم کو تخت پر بٹھایا۔ لیکن محمد ہشتم نے شاہ قشتالہ جان دوم کی باجگذاری اختیار کرنے سے انکار کر دیا۔ جس پر جان دوم نے غرناطہ پر حملہ کر دیا۔ ۸۳۶ھ/۱۴۳۲ء میں غرناطہ کے قریب مسلمانوں اور عیسائیوں میں زبردست معرکہ ہوا۔ جس میں مسلمانوں کو ہزیمت ہوئی۔ اور محمد ہشتم مالقہ بھاگ گیا

یوسف چہارم اور محمد ہشتم

محمد ہشتم کے پوتے یوسف چہارم نے محمد ہشتم کے فرار ہوتے ہی جان دوم کی مدد سے تخت پر قبضہ کر لیا۔ چند سال بھی نہ گذرے تھے کہ یوسف راہی ملک عدم ہوا۔ اور محمد ہشتم نے تیسری بار تخت غرناطہ پر قبضہ کر لیا لیکن اب اس کی حکومت کا یہ حال تھا کہ حکومت کی سرحدیں تک باقی نہ رہی تھیں۔ خانہ جنگی اس کے دور کی امتیازی خصوصیت تھی۔ جہاں حضرت اشکر حصن الحمہ عیسائیوں کے قبضہ میں چلے گئے تھے۔ ۸۵۰ھ/۱۴۴۵ء میں محمد ہشتم کو اس کے بھتیجے محمد بن عثمان نے قید کر کے الحمراء پر قبضہ کر لیا۔

محمد دہم اور سعد بن علی

محمد دہم ۸۵۰ھ/۱۴۴۵ء میں تخت غرناطہ پر آیا۔ زیادہ عرصہ امن و سکون سے حکومت نہ کرنے پایا تھا۔ کہ اس کے ایک عزیز سعد بن علی نے ۸۵۹ھ/۱۴۵۴ء میں اس کو تخت سے اتار دیا اس خانہ جنگی کے نتائج تباہ کن ثابت ہوئے خزانہ خالی ہو گیا۔ ملک اجڑ گیا اور وہ سرحدی قلعے جنکی حفاظت نہ کی جا سکی عیسائیوں کے قبضہ میں چلے گئے۔ سعد نے شاہ قشتالہ ہنری چہارم سے صلح کرنا چاہی لیکن ہنری نے انکار کر کے غرناطہ پر حملہ کر دیا۔ مسلمانوں میں مقابلہ کی ہمت نہ تھی چنانچہ ملک کو تباہ و برباد کرنے کے لئے چھوڑ دیا گیا۔ ۸۶۲ھ/۱۴۶۲ء میں مشہور قلعے ارجذونہ اور جبل الطارق بھی اندریق اور مدینہ شذونہ کے رئیس کے قبضہ میں چلے گئے۔ بالآخر مجبور ہو کر سعد نے ۱۲ ہزار دینار سالانہ پر قشتالہ کے ہنری چہارم کی باجگذاری قبول کر لی۔ یہ معاہدہ سعد کے مرنے تک (۸۷۰ھ/۱۴۶۵ء) قائم رہا۔

ابوالحسن علی

اپنے باپ سعد کے مرنے کے بعد ابوالحسن علی تخت نشین ہوا وہ ایک بہادر اور مدبر شخص تھا لیکن بدقسمتی سے مدبر نہ تھا۔ اس کا بھائی ابوعبداللہ

۸۷۰ھ/۱۴۶۵ء تا ۸۸۷ھ/۱۴۸۳ء

محمد بن سعد المعروف بہ الزغل مالقہ میں اپنی امارت قائم کر چکا تھا۔ عیسائیوں نے ان دونوں بھائیوں کو آپس میں لڑانا چاہا لیکن الزغل ایک سمجھدار شخص تھا چنانچہ عیسائیوں کی چالوں کو سمجھ گیا۔ وہ فوراً غرناطہ پہنچا اور ابوالحسن علی کی بیعت کر لی اور آتش فتنہ کو بھڑکنے نہ دیا۔ ابوالحسن نے غرناطہ کا نظم حکومت سنبھالا۔ فوجوں کی تعداد بڑھائی۔ دائرہ حکومت وسیع کیا۔ دشمنان اسلام پر کثیر جہاد کئے اور ان کے دلوں پر اپنا خوف و دبدبہ بٹھا دیا۔ اسی درمیان عیسائی سرداروں میں آپس کی چپقلش شروع ہو گئی جس سے ابوالحسن کو یہ فائدہ ہوا۔ کہ اس کو غرناطہ کی حکومت مضبوط کرنے کی مہلت مل گئی۔ لیکن یہ غرناطہ کے بدقسمتی تھی کہ ابوالحسن جلد ہی لذات دنیا اور عیش و عشرت میں مشغول ہو گیا۔ جہاد ترک کر دیا۔ فوج کی طرف توجہ کم کر دی اور ملک کا نظم و نسق وزیروں کے حوالے کر دیا۔ جس کا انجام یہ ہوا کہ بدنظمی شروع ہو گئی۔ مظالم بڑھنے لگے اور عوام الناس کی ناراضگی بڑھتی گئی۔

اسی زمانہ میں ارغون کے تخت پر فرڈیننڈ بیٹھا۔ اور قشتالہ کا تخت و تاج ملکہ ازابیلا کے حصہ میں آیا۔ ان دونوں نے کمال دوراندیشی سے عیسائیوں کی خانہ جنگی کو ختم کرنے کے لئے ۸۷۴ھ/۱۴۶۹ء میں شادی کر لی جس سے فرڈیننڈ کی طاقت مضبوط ہو گئی۔ اور اس نے عیسائیوں کے آپس کے اختلافات کو ختم کر کے ان کو متحد کر دیا۔ فرڈیننڈ اور ازابیلا دونوں مسلمانوں کے شدید دشمن تھے۔ اور مسلمانوں کو تباہ و برباد کرنے کا کوئی بہانہ چھوڑنا نہ چاہتے تھے۔

ابوالحسن کے دو بیویاں تھیں ایک خاندان نصر کی اور دوسری ایک عیسائی کنیز ازابلہ۔ پہلی بیوی سے دو لڑکے ابو عبداللہ محمد اور یوسف تھے۔ اور عیسائی کنیز ازابلہ سے بھی ایک لڑکا تھا۔ ابوالحسن اپنے عیسائی بیوی سے زیادہ مانوس تھا اس لئے یہ خیال اغلب تھا کہ وہ پہلی بیوی کے ساتھ ناانصافی کر کے عیسائی بیوی کے لڑکے کو اپنا جانشین مقرر کر دے گا چنانچہ اس بنیاد پر امراء و ارکین دربار میں دو فریق بن گئے ایک فریق پہلی بیوی کا طرفدار ہو گیا۔ اور دوسرا فریق دوسری بیوی کا۔ آپس کی اس رسہ کشی کا یہ انجام ہوا۔ کہ عیسائی بیوی کے طرفدار ہار گئے۔ اور شریف و بہادر خاندان بنو سراج کو بڑی بے رحمی کے ساتھ قصر الحمراء کے ایوان میں بلا کر قتل کر دیا گیا۔ یہ غرناطہ کی قوت کا ناقابل تلافی نقصان تھا۔ عیسائیوں نے ۸۹۱ھ/۱۴۸۶ء میں غرناطہ کی حالت کا اندازہ کرتے ہوئے اس کے جنوب مغربی قلعہ الحمہ پر حملہ کر کے قبضہ کر لیا۔ اور کثیر تعداد میں مسلمان مرد عورتیں بچے قتل کر دیئے گئے۔ ابوالحسن اور اہل غرناطہ نے دوبارہ الحمہ پر قبضہ کرنے

کی کوشش کی لیکن ناکام رہے۔

محمد یازدہم ۸۸۷ھ/۱۴۸۲ء میں ابو عبداللہ محمد نے اپنے باپ ابوالحسن کے خلاف بغاوت کر دی۔ وادی آش میں اس کی امارت کی بیعت ہوئی جلد ہی المریہ، بسطہ اور غرناطہ میں اس کی امارت کی بیعت ہو گئی۔ اسی سال ابو عبداللہ نے عیسائیوں کی مدد سے قلعہ الحمرا پر قبضہ کر لیا۔ اور غرناطہ کا حکمران بن گیا۔ ابوالحسن اپنے بھائی الزغل کے پاس مالقہ چلا گیا۔ ۸۸۸ھ/۱۴۸۳ء میں عیسائیوں کی متحدہ قوت نے مل کر مالقہ پر حملہ کر دیا لیکن الزغل اور اس کے نائب رضوان نے ان کو بری طرح شکست دیکر پیچھے ہٹا دیا۔ اس طرح حکومت غرناطہ دو حصوں میں منقسم ہو گئی۔ ایک حصہ پر ابو عبداللہ محمد کا قبضہ تھا جن میں المریہ، غرناطہ اور ان کے مضافات شامل تھے۔ دوسرا حصہ پر ابوالحسن قابض ہو گیا جس میں مالقہ اور بلاد غرب شامل تھے۔ اگر یہ دونوں اپنے اپنے حصے پر قناعت کر کے پر امن حکمرانی کرتے رہتے تو عیسائیوں کو کامیابی کی راہ نہ ملتی لیکن دونوں ہی تدبر اور دانائی سے یکسر خالی تھے چنانچہ دونوں جلد ہی ایک دوسرے کے مقابل آ گئے جس میں ابو عبداللہ محمد کو شکست ہوئی۔ ابو عبداللہ ایک حریص بیوقوف اور بے تدبیر بادشاہ تھا۔ اس نے دولت اور مال کے لالچ میں عیسائیوں کے علاقوں کو تاخت و تاراج کرنا شروع کر دیا۔ یہاں تک کہ شانہ پر حملہ آور ہوا۔ لیکن عیسائیوں سے شکست کھائی۔ اور گرفتار کر کے قشتالہ پہونچا دیا گیا۔ ابوالحسن نے غرناطہ کے تخت کو خالی پا کر قبضہ کر لیا لیکن بیماری اور بڑھاپے سے عاجز ہو کر اپنے بھائی الزغل کے حق میں تخت سے دستبردار ہو گیا اور خود المنکب میں جا کر رہنے لگا جہاں جلد ہی موت نے اس کا فیصلہ کر دیا۔

محمد الزغل دوازدہم ۸۸۸ھ/۱۴۸۳ء میں الزغل کو غرناطہ کا تخت ملا۔ وہ ایک ہوشمند، بہادر اور مدبر شخص تھا اور پورا یقین تھا کہ غرناطہ کی سابقہ عظمت و شان دوبارہ لوٹ آئے گی۔ لیکن اس کے بھتیجے ابو عبداللہ محمد کی غداری اور اسلام دشمن عناصر سے اس کی دوستی نے اس کو استحکام حکومت کی طرف توجہ کرنے کی مہلت نہ دی۔ شاہ قشتالہ وارغون فرڈی ننڈ ایک سمجھدار اور ہوشیار بادشاہ تھا۔ اس نے غرناطہ پر قبضہ کے لئے ابو عبداللہ محمد کو منتخب کیا۔ اور اس کو بہادر الزغل کے خلاف صف آرا کر دیا۔ عیسائیوں نے ایک طرف تو اطراف مالقہ کے بہت سے قلعوں کو فتح کر لیا۔ اور دوسری طرف یہ اعلان کر دیا کہ جو شخص ابو عبداللہ محمد کی اطاعت کرے گا اس کو امان دی جائے گی۔

اور ایک بڑی فوج دیکر ابوعبداللہ کو غرناطہ کی طرف روانہ کیا۔ عیسائیوں کے اس اعلان سے لوگ جوق در جوق ابوعبداللہ کی اطاعت گذار بنتے گئے۔ اور غرناطہ کے مضافات (البیازین) تک ابوعبداللہ کا قبضہ ہوگیا۔ الزغل نے ۸۹۱ھ/۱۴۸۶ء میں اس بات کی کوشش کی کہ اپنے بھتیجے ابوعبداللہ کو حمایت اسلام اور غرناطہ کی بقا کی خاطر مصالحت پر آمادہ کرے اور اس مقصد کیلئے لوشہ کے مقام پر دونوں کی ملاقات ہونا طے بھی پا گئی تھی لیکن فرڈیننڈ نے دونوں کو ملاقات کا موقع نہ دیا۔ اور فوج لے کر لوشہ پر چڑھ دوڑا اور لوشہ پر قبضہ کرکے ابوعبداللہ کو اپنے ساتھ قشتالہ لے گیا۔ اسی سال بیرہ، قلنبیرہ، لوشہ، المریہ، مالقہ سب پر عیسائیوں نے قبضہ کرلیا۔ ابوعبداللہ محمد فرڈیننڈ کے ہاتھوں میں کٹھ پتلی بنا رہا۔ کہنے کو ان سب علاقوں کا بادشاہ ابوعبداللہ ہی تھا لیکن دراصل عیسائی اس کی آڑ میں اپنی فتوحات کا دائرہ بڑھا رہے تھے۔ الزغل نے لسبطہ کے علاقے میں اپنے موروثی جمالئے اور بہادری کے ساتھ ۸۹۲ھ/۱۴۸۷ء تک عیسائیوں کا مقابلہ کرتا رہا لیکن اپنے نالائق بھتیجے کی غداری اور مسلم کش پالیسی سے مجبور ہوکر اپنا تمام علاقہ عیسائیوں کے رحم وکرم پر چھوڑ کر تلمسان (افریقہ) کی طرف چلا گیا اور بڑی کسمپرسی کی حالت میں اپنے دن پورے کئے۔

زوالِ غرناطہ

اب صرف مسلمانوں کے پاس غرناطہ رہ گیا تھا جس پر ابوعبداللہ محمد عیسائیوں کے اشارے پر کٹھ پتلی بنا حکومت کر رہا تھا اور اپنے چچا الزغل کی معزولی اور عیسائیوں کی کامیابی پر خوشی سے پھولا نہ سماتا تھا لیکن اس کی یہ خوشی اور مسرت چند روزہ ثابت ہوئی۔ ابوعبداللہ کی ادا کرتے وقت جو معاہدہ عیسائیوں نے کیا تھا اس کی ایک شرط یہ بھی تھی کہ "اگر عیسائی الزغل کے تمام علاقے پر قبضہ کرلیں گے تو ابوعبداللہ بھی غرناطہ ان کے حوالے کردے گا"، چنانچہ جب الزغل کا تمام علاقہ عیسائیوں کے قبضہ میں آگیا تو فرڈیننڈ نے ۸۹۵ھ/۱۴۹۰ء میں حسب شرائط ابوعبداللہ کو الحمرا خالی کرنے کے لئے کہا۔ اور خود فوج لیکر اس پر قبضہ کرنے کے لئے روانہ ہوگیا۔ اب ابوعبداللہ کی آنکھیں کھلیں لیکن وقت گذر چکا تھا اس میں اتنا دم نہ تھا کہ وہ شاہ قشتالہ کا مقابلہ کرتا۔

اہل غرناطہ نے اپنے آپ کو محصور کرکے عیسائیوں کا مقابلہ شروع کردیا۔ عیسائیوں نے غرناطہ کے حسین مضافات کو تباہ وبرباد کردیا اور شہر کے سامنے دو قلعوں پر قبضہ کرکے انہیں فوجی حیثیت سے مستحکم کردیا تاکہ محاصرہ کی طوالت سے کوئی اثر نہ پڑے۔ ابوعبداللہ نے عیسائیوں کو اپنے علاقے سے نکالنے کے لئے اپنے

سپہ سالار موسیٰ بن ابوالغزان کو عیسائیوں کے قلعوں پر حملہ کرنے کے لئے بھیجا۔ موسیٰ نے کئی قلعوں پر قبضہ کر لیا لیکن اس پر بھی ابوعبداللہ کی فطری بزدلی اور آپس کی نااتفاقی عیسائیوں کے بڑھتے ہوئے قدموں کو نہ روک سکی۔ گو عیسائیوں سے کئی معرکے ہوئے اور مسلمانوں کو خاصی کامیابی بھی ہوئی لیکن غرناطہ پر عیسائیوں کا دباؤ پھر بھی بڑھتا ہی گیا۔ یہاں تک کہ اہل شہر محاصرہ کی سختی سے عاجز آ گئے۔ ایک صلح نامہ ترتیب دیکر عیسائیوں کے پاس بھیجا گیا جس میں بقول علامہ مقری ۶۷ شرائط تھیں۔ شاہ قشتالہ فرڈی ننڈ نے صلح نامہ پر دستخط کر دیئے۔ اور ۲ ربیع الاول ۸۹۷ھ (مطابق ۲ جنوری ۱۴۹۲ء) میں قلعہ الحمرا کو ابوعبداللہ نے خالی کر کے عیسائیوں کے حوالے کر دیا۔

صلحنامہ کی شرائط تو ۶۷ بتائی جاتی ہیں جن میں سے بنیادی شرائط حسب ذیل ہیں۔

ا۔ ابوعبداللہ محمد مع اپنے عہدہ داران اور شہریوں کے فرڈی ننڈ اور ازابیلا کا حلف وفاداری اٹھائیگا۔

ب۔ ابوعبداللہ کو بشارات کی جاگیر دیدی جائے گی۔

ج۔ مسلمانوں کی جان و مال کی حفاظت کی جائے گی۔ اور ان کو پوری مذہبی آزادی ہوگی۔

د۔ مسلمان اپنے رسوم رواج۔ روایات، زبان، اور لباس کے استعمال کو قائم رکھنے کے مجاز ہوں گے۔

ہ۔ مسلمانوں اور عیسائیوں کے مابین مقدمات ایک مخلوط عدالت طے کریگی۔

و۔ مسلمان وہی محاصل ادا کریں گے جو وہ ادا کرتے چلے آئے ہیں۔

ز۔ تمام مسلمان قیدی آزاد کر دیئے جائیں گے۔

ح۔ مسلمان ایک مقررہ مدت میں اسپین چھوڑ کر جا سکتے ہیں۔ اور اپنے ساتھ اپنا منقولہ سامان بھی لیجا سکتے ہیں لیکن مدت مقررہ کے بعد ان کو ملک چھوڑنے پر اپنے مال کا ۱/۱۰ (دسواں حصہ) دینا پڑے گا۔

ط۔ نومسلم اپنے آبائی مذہب کو نہ اختیار کر سکیں گے۔ البتہ جو مسلمان عیسائی ہونا چاہے گا اس کو نظر ثانی کے لئے ایک خاص مہلت دی جائے گی۔ اس کے بعد اس کو عیسائی اور مسلم قاضی کے سامنے پیش کیا جائے گا۔ اور وہاں اس کو تبدیلیٔ مذہب کا اعلان کرنا پڑے گا۔

ی۔ مساجد و مدارس کے اوقاف بدستور بحال رہیں گے۔ اور کوئی عیسائی مسلمان کے مکان میں

ناجائز داخل نہ ہوگا مسلمانوں پر سوائے مسلمان حاکم کے کوئی اور حاکم مقرر نہ ہوگا۔ الخ وغیرہ

موسیٰ بن ابوالغزان نے سب سے پہلے عیسائیوں کے اس تصرف کے خلاف آواز اٹھائی۔ اور یہود کی مثال پیش کر کے عیسائیوں کی بدعہدی یاد دلائی۔ لیکن اہل غرناطہ عیش و نعم کے عادی بن چکے تھے۔ محاصرہ کی سختی نے ان کو بدحواس کر دیا تھا اس لئے انہوں نے موسیٰ کی بات پر کان نہ دھرا جس سے موسیٰ مایوس اور دل شکستہ ہو کر غرناطہ سے ہمیشہ کے لئے نکل گیا اور پھر اس کا کوئی پتہ نہ چل سکا۔ اس معاہدہ پر عملدرآمد کے لئے دو ماہ دیئے گئے تھے۔ اس کے بعد شہر غرناطہ بھی عیسائیوں کے حوالے کیا جانا تھا۔ اہل غرناطہ نے اس دوران تمام عالم اسلام کے بادشاہوں سے امداد طلب کی لیکن کسی مسلم بادشاہ نے ان کی بے کسی پر غور کرنا تک گوارا نہ کیا چنانچہ دو ماہ گذر گئے۔ اور عیسائیوں نے غرناطہ پر زور قبضہ کر کے ابوعبداللہ کو آندرش کی طرف بھیجدیا جہاں سے وہ فاس (مراکش) چلا گیا۔ اور وہیں پر تنگدستی اور عسرت میں اپنا وقت گذار کر ۹۴۴ھ/۱۵۳۷ء میں راہی ملک عدم ہوا۔ اس طرح آبینی مسلمانوں کی آخری پناہ گاہ بھی عیسائیوں کے قبضہ میں چلی گئی۔ اس کے بعد مسلمانوں پر جو مظالم اور مصائب قہر الٰہی کی طرح نازل ہوئے ان کا تذکرہ آگے آئے گا۔

دسواں باب

الف۔ اسپین سے مسلمانوں کا اخراج

۸۹۷ھ / ۱۴۹۲ء — تا — ۱۰۱۵ھ / ۱۶۱۳ء

عیسائیوں کے کیتھولک فرقہ نے اسپین یا کسی بھی جگہ اپنے بالمقابل کبھی بھی کسی دوسرے مذہب کو برداشت نہیں کیا۔ ساتویں صدی اور پندرہویں صدی عیسوی میں یہودیوں پر مظالم ہوئے۔ اور پندرہویں اور سولہویں صدی عیسوی میں مسلمانوں پر جو وحشت و بربریت کا مظاہرہ ہوا وہ کیتھولک طرز فکر کی بدترین مثال ہیں۔ غرناطہ کے زوال سے قبل وہ مسلمان جو عیسائی ریاستوں قشتالہ، لیون اور اراغون کے علاقے میں آباد تھے ان کو مدجن کہا جاتا تھا۔ ۸۹۷ھ / ۱۴۹۲ء میں سقوط غرناطہ کے بعد غرناطہ کے مسلمانوں کے لئے پہلی بار موریس Moors کی بجائے موریسکوس (Moriscos) پکارا گیا۔ اور ۱۶ ویں صدی سے تو تمام مسلمانوں کے لئے یہی لفظ اختیار کر لیا گیا۔ یہ موریس یا موریسکوس عربی اور رومی دونوں زبانیں استعمال کرتے تھے۔ اور رومی زبان کو عربی رسم الخط میں لکھتے تھے جس کو العجمیہ Aljamiado یعنی خارجی زبان پکارا جاتا تھا۔ ان مدجنین کو ایک خاص قسم کا محصول ادا کرنا پڑتا تھا جو ۱۴ ویں اور ۱۵ ویں صدی عیسوی میں "مسجد ٹیکس" کہا جاتا تھا۔ ۷۱۱ھ / ۱۳۱۲ء میں ان ماتحت مسلمانوں کو مساجد میں نماز ادا کرنے سے جیمس اول نے روک دیا۔ برٹرانڈ کے کہنے کے بموجب "کچھ عرصہ بھی سقوط غرناطہ کو نہ گذرا تھا کہ مسلمانوں کو حکماً مجبور کیا گیا کہ وہ اپنی طرز معاشرت تہ عیسائیو کیطرح کریں۔

لیکن محاصل وہی ادا کریں جو وہ مسلمان حکمرانوں کو دیتے تھے۔"[1]

غرناطہ کے مورسکوس (مسلمان)

جنوری ۸۹۷ھ/۱۴۹۲ء میں زوال غرناطہ کے بعد تقریباً سات برس تک کیتھولک حکمران فرڈیننڈ اور ازابیلا نے اپنے تعلقات اپنی مسلم رعایا سے خوشگوار اور پرامن رکھے۔ اور ابوعبداللہ سے کی گئی شرائط کا پورا احترام کیا گیا۔ لوئس برٹرینڈ کے کہنے کے مطابق "اہل غرناطہ کو اس عرصہ میں یہ اطمینان ہو گیا تھا کہ انہوں نے اپنے آپ کو عیسائیوں کی سرپرستی میں دیکھا اور بدقماش اور بدطینت مسلم حکمرانوں کے بدلے نیک دل اور شریف عیسائی حاکموں کو قبول کر کے کوئی غلطی نہیں کی ہے۔ دوسرے یہ کہ فرڈیننڈ اور ازابیلا کا یہ اقرار کہ ہم یقین دلاتے ہیں اور اپنے مذہب اور شاہی الفاظ کی قسم کھاتے ہیں کہ ہر چیز جو جہاں تھی جس حالت میں تھی ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اسی طرح قائم رہے گی۔ مسلمانوں کے اطمینان کیلئے کافی تھا۔"[2] اس پرسات برس کا یہ پرامن دور اہل غرناطہ کو مطمئن کرنے کے لئے کافی تھا لیکن مسلمانوں کو ابھی پوری طرح اطمینان نہ ہونے پایا تھا۔ کہ عیسائی اپنی سابقہ وحشت و تعصب کا لبادہ اوڑھ کر سامنے آئے اور تمام شرائط اور وعدے ایک طرف رکھ دیئے گئے۔ فرڈیننڈ نے یہ کوشش شروع کر دی کہ طاقت کے ذریعہ مسلمانوں کو عیسائی بنا لیا جائے ۹۰۳ھ/۱۴۹۸ء میں فرانسسکو شمنیس سنیرو نے جیسے مغرور اور متعصب راہب کو جو ملکہ ازابیلا کا خاص مقرب تھا غرناطہ میں تبلیغی کام کا نگران بنایا گیا۔ تاکہ مسلمانوں کو عیسائی بنائے۔ طلیطرہ کا ہرنٹڈو کلیسا کا اسقف اعظم تھا۔ یہ شخص اس بات کا دعویدار تھا کہ مسلمانوں کو حکمت عملی اور تالیف قلوب کے ذریعہ سے عیسائی بنانا مفید ہوگا جبکہ شمنیس ہر جائز اور ناجائز ذریعہ سے جلد سے جلد یہ کام کرنا چاہتا تھا۔ خواہ اس کے لئے رشوت، ظلم و جور اور طاقت ہی کیوں نہ استعمال کی جائے۔ ہرنٹڈو کا یہ کہنا تھا۔ کہ عقلمندی اسی میں ہے کہ مسلمانوں کو دیگر رعایا کے برابر حقوق دیئے جائیں۔ اور تبلیغی کام جاری رکھا جائے جس سے تھوڑی مدت میں وہ عیسائیوں سے خلط ملط ہو جائیں گے اور ان سے بغاوت کا خطرہ بھی جاتا رہے گا کیونکہ سابق میں جو لوگ جبراً عیسائی بنائے گئے تھے۔ ان کو عیسائیت کے قبول کے بعد بھی سماجی اور ثقافتی کوئی فائدہ نہ پہنچا تھا۔ اور عیسائی معاشرہ نے ان کو اپنے درمیان کوئی جگہ نہیں دی تھی۔ اور وہ نفرت اور کینہ کا شکار ہو کر "مورس کے کتوں" کے نام

[1] History of Spain [2] History of Spain Vol. I P.150

سے پکارے جاتے تھے۔ ہر نسٹڈو کا یہی کہنا تھا کہ جبراً عیسائی نہ بنایا جائے بلکہ عیسائی معاشرہ میں ان کو داخل کر لیا جائے۔ وہ خود بخود عیسائی ہو جائیں گے۔ شمینیس نے اپنی مسلم کش پالیسی کی ابتداء اس طرح کی کہ پہلے غرناطہ کے علمی ذخیروں سے عربی زبان کی لاکھوں کتابیں جلا دیں۔ اور بہت سی کتابیں فرانس وغیرہ بھیج دی گئیں۔ اس کے بعد فرمان شاہی ہوا کہ جن مسلمانوں کے آباؤ اجداد عیسائی تھے وہ حکماً عیسائی مذہب قبول کر لیں۔ چنانچہ ہزاروں مسلمان عیسائی بنا لئے گئے جو لوگ ایسا نہ کرتے ان پر بغاوت کا الزام لگا کر قید کر دیا جاتا۔ اور سخت سزائیں دی جاتی تھیں۔ اہل بیازین (پرانا غرناطہ) اس جبری تبدیلیٔ مذہب کو برداشت نہ کر سکے۔ اور انہوں نے بغاوت کر دی گویہ بغاوت شدید قسم کی تھی لیکن اس موقعہ پر نسٹڈو کی حکمت عملی، نرمی اور ملاطفت نے بڑا کام کیا اور تمام اختلافات دور ہو گئے۔ ابھی اس واقعہ کو دو سال بھی نہ گذرے تھے۔ کہ ایک قانون کلیسا کے دباؤ پر یہ پاس ہوا کہ تمام مسلمان یا تو عیسائی ہو جائیں۔ یا پھر ۵۰ ہزار سونے کے سکے دیں۔ اس قانون کا جواز اس طرح لیا گیا کہ مسلمان حکومت کے وفادار نہیں رہے ہیں۔ اس قانون کے تحت جو مسلمان مطلوبہ رقم ادا نہ کر سکے۔ ان کو بجبر پکڑ کر محل میں جمع کر کے "ان پر "پاک خوشبودار" پانی چھڑکا گیا یعنی بپتسمہ دیا گیا ——— یہ جبریہ عیسائی کلیسا کے قوانین کو تو مانتے تھے لیکن گرجا میں حاضر نہ ہوتے تھے چنانچہ ان پر بغاوت کا الزام لگا کر یا تو قتل کیا جانے لگا یا اذیت ناک قید میں ڈال دیا گیا۔ ۹۰۶ھ/۱۵۰۱ء کے بعد سے غرناطہ اور قشتالہ کے مسلمان قانونی طور پر عیسائی تصور کئے جانے لگے۔ حالانکہ ان میں اکثریت ایسی تھی جو صرف ظاہر داری کے لئے عیسائی تھی لیکن در پردہ مسلمان تھے۔ اور ارکان اسلام ادا کرتے تھے۔ بہت سے ایسے تھے جو ابھی تک مسلمان تھے۔ انہوں نے بھاگ کر البشارات کے پہاڑوں میں پناہ لی۔ اکثر و بیشتر پناہ گزیں مرد، عورت اور بچے عیسائی مہم جوئیوں کا نشانہ بنتے رہے۔ اور بے دریغ قتل ہوتے رہے۔ امیر علی نے لکھا ہے کہ "نہ صرف یہ کہ مردوں کا قتل عام ہوا بلکہ ان قشتالی وحشی عیسائیوں نے ایک مسجد کو بارود سے اڑا دیا جس میں ہزاروں عورتیں اور بچے دور دراز کے علاقوں سے پناہ لینے آئے تھے"[۱] اس قتل عام سے جو لوگ بچ گئے۔ ان کے لئے یہ حکم ہوا کہ وہ بطور تاوان سونے کے سکے دیں ورنہ عیسائیت قبول کر لیں۔ بہت سے افراد نے تاوان ادا نہ کرنے کی شکل میں عیسائیت قبول کر لی۔ ان عیسائیوں کو تقیہ کا نام دیا گیا[۲]۔ کیونکہ انہوں نے اپنی مرضی سے اسلام نہ چھوڑا تھا۔ ایسے لوگوں کے متعلق یہ گمان صحیح تھا کہ وہ دل سے عیسائی نہ ہوئے تھے۔ اس کے بعد ہی اس علاقے کے بہت سے لوگوں نے مصر، مراکش

[۱] Critical History of Muslim Spain [۲] Short History of Saracens P.560

اور ترکی میں بھاگ کر پناہ لی۔ بہرحال فرڈیننڈ اور ازابیلا نے معاہدۂ غرناطہ کی قطعاً پابندی نہ کی بلکہ جو سلوک مسلمانوں کے ساتھ ہوا تھا۔ وہ کسی بھی صورت میں منصفانہ اور دانشمندانہ نہ تھا بلکہ وحشیانہ اور دغابازانہ تھا۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ تمام مسلمانان غرناطہ کو حکم دیا گیا کہ وہ اپنے لباس تک چھوڑ کر عیسائیوں کی طرح پتلونیں اور ٹوپیاں پہنیں۔ زبان رسم و رواج بلکہ نام تک بدل ڈالیں اور اہل مسیح کی طرح اپنے نام رکھیں۔ اور طرز معاشرت اختیار کریں۔

بلنسیہ اور ارغون کے مسلمان

سقوط بلنسیہ اور ارغون کے بعد کافی عرصہ تک وہاں کے مسلمانوں کو اس بات کی اجازت تھی۔ کہ وہ اپنے مذہب اور شریعت پر قائم رہیں۔ [1] جس وقت شہزادہ چارلس دل بلنسیا اور ارغون کے دورے پر آیا تھا تو اس نے مسلمانوں کے مذہبی عقائد کا احترام کیا تھا۔ ۹۱۶ھ اور ۹۲۴ھ کے درمیان کئی مرتبہ اس بات کا وعدہ کیا گیا تھا کہ زبردستی تبدیلی مذہب نہ کی جائے گی لیکن پادریوں کے تعصب نے یہ وعدے وعید بے کار ثابت کر دیئے ــــ عیسائی کسانوں نے اپنے جاگیرداروں اور زمینداروں کے خلاف بغاوت کر دی جس کی وجہ یہ تھی کہ امریکہ سے کثیر تعداد میں سونا آنے سے چیزوں کی قیمت بڑھ گئی تھی اور غربا کے لئے اقتصادی طور پر زندگی گذارنا محال ہو گیا تھا حالانکہ یہ بغاوت عام جاگیردارانہ نظام کے خلاف تھی لیکن چونکہ مسلمانوں نے اس بغاوت میں کوئی حصہ نہ لیا تھا اس لئے تمام عیسائی مسلمانوں کے خلاف ہو گئے۔ اور بجائے جاگیرداروں کے مسلمانوں کا قتل عام شروع ہو گیا۔ پادریوں نے جبریہ عیسائی بنانے کا کام شروع کر دیا۔ چارلس لی کے مطابق "ایسے وقت میں عیسائی امراء و جاگیرداروں نے مسلمانوں کی حمایت کی اور ان کی جبراً تبدیلی مذہب کو اپنے اثرات سے بند کرا دیا۔" [2]

اسپین میں مسلمانوں کے تبدیلی مذہب اور اخراج میں سستی اور دیر کی وجہ لوئس برٹرینڈ نے یہ بیان کی ہے کہ "عیسائی حکمران اپنے نو مفتوحہ علاقوں کو اجاڑنے اور تباہ و برباد کرنے سے پرہیز کر رہے تھے۔ کیونکہ وہ یہ نہیں چاہتے تھے کہ ان علاقوں کی تجارت و زراعت برباد ہو جائے جو کلی طور پر مسلمانوں کے پاس تھی۔" [3] دوسری وجہ امام الدین صاحب نے یہ بیان کی ہے کہ "عیسائی حکمرانوں کا یہ پرانا طریقہ تھا کہ وہ بجائے اس کے کہ علاقہ کو پوری طرح فتح کر کے تاخت و تاراج کر ڈالیں اور مسلمانوں کو بے دخل کر دیں یہ بہتر سمجھتے تھے کہ سالانہ خراج پر ان کو اپنا باجگذار بنا لیں اس طرح وہ صدیوں تک مسلمانوں

[1] History of Inquisition of Spain Vol. III PP.347 75
[2] Political History of Muslim Spain
[3] History of Spain

سالانہ خراج پر عیش و عشرت کرتے رہے"۔ کیونکہ ایسا کرنے سے ان کو اپنی ذاتی دولت بھی کم خرچ کرنا پڑتی تھی۔ اور علاقہ بھی ہاتھ آجاتا تھا جس سے وہ اچھی خاصی رقم حاصل کرتے اور اس رقم سے اپنی طاقت بڑھانے کا کام لیتے تھے۔

زراعت کے وسیع تجربہ اور محنت کی وجہ سے مسلمان کسان ملک بھر میں مشہور تھے اور برسوں تک یہ کہاوت مشہور رہی کہ جس کے پاس ایک مسلمان ملازم ہے اس کے ہاتھوں میں سونا ہے۔ اس بنا پر جب متذکرہ بالا بغاوت جاگیرداروں کے خلاف ہوئی تو طاقت کے ذریعہ دبا دی گئی۔ کچھ عرصہ بعد مسلمان کسانوں اور عیسائی گلہ بانوں کے درمیان پھر لڑائی چھڑ گئی۔ گلہ بانوں نے اس مرتبہ گرجاؤں کے اوقاف کی زمینوں پر حملہ کیا جہاں غیر محفوظ مسلمان زراعت کرتے تھے۔ گرجاؤں کی طرف سے ان مسلمانوں کی کوئی خاص امداد نہ ہو سکی۔ اس لئے کہ گرجاؤں کے پاس اپنی کوئی فوج نہ تھی۔ لیکن پادریوں نے اس قدر شور مچایا کہ مجبوراً حکومت کو مداخلت کرنا پڑی حالانکہ حکومت ان گلہ بانوں کی طرفدار تھی۔ لیکن پادریوں کی مداخلت سے بلنسیہ اور ارغون کے مسلمان ایک بار پھر معاشی بدحالی سے بچ گئے لیکن حکومت اور عوام دونوں مسلمانوں کے درپے آزار تھے اور ان کو امن و چین سے دیکھنا پسند نہ کرتے تھے چنانچہ اس مرتبہ یہ سوال اٹھایا گیا کہ مسلمانوں کو جبراً عیسائی بنا لیا جائے۔ گو اس مسئلہ پر کافی اختلاف ہوا لیکن متعصب پادریوں نے مسلمانوں کے تبدیلیٔ مذہب کے اس موقعہ کو ہاتھ سے نہ جانے دیا اور ایک فرمان شاہی پاس کرا دیا کہ جو مسلمان متذکرہ بالا بغاوت کے دوران بالجبر عیسائی بنائے جا چکے ہیں وہ عیسائی شمار ہوں گے۔ اور ان کو عیسائی رسومات ادا نہ کرنے کی سزا دی جائے گی۔ ۹۳۱ھ/۱۵۲۵ء میں باقی مسلمانوں کو عیسائی بنانے کی کوشش کی گئی۔ چارلس پنجم نے مسلمانوں سے کئے ہوئے وعدوں کو پس پشت ڈال کر ایک فرمان جاری کیا کہ ارغون اور بلنسیہ کے تمام مسلمان اپنے لباس، زبان، رسوم و رواج اور مذہب کو تبدیل کر کے عیسائی طرز معاشرت اختیار کریں۔ جاگیرداروں نے اس مرتبہ بھی اپنے مالی فائدے کی خاطر مسلمانوں کی طرفداری کی اور بادشاہ پر اپنا اثر و رسوخ استعمال کر کے ان احکامات کو منسوخ کرانے کی کوشش کی۔ بادشاہ نے اپنے احکام تو منسوخ نہ کئے البتہ مسلمانوں کو چالیس برس تک کے لئے عیسائی قانون رسوم و رواج اور طرز معاشرت کے بالجبر اختیار سے مستثنیٰ قرار دیدیا۔ نظری طور پر وہ عیسائی خیال کئے جاتے تھے لیکن اگر عیسائیت کی پیروی نہ کرتے تو ان کو

کوئی سزا نہ دی جاتی تھی ۹۳۲ھ/۱۵۲۶ء میں چارلس پنجم کو پادریوں نے پھر چڑھایا اور اس نے پھر ایک قانون کے ذریعہ عربی زبان، لباس اور رسوم و رواج کو ختم کر دیا۔ لیکن اس مرتبہ بھی اس کو ۸۰ ہزار سونے کے سکے رشوت میں دیکر اس قانون کو رائج ہونے سے روک دیا گیا۔ البتہ مسلمانوں کو عربی زبان اور لباس کے استعمال کے لئے بقول چارلس لی "سالانہ محصول دینا پڑتا تھا جس کو فردا (Frada) کے نام سے پکارتے تھے جس کی تعداد ۱۵۶۳ء میں ۲۰ ہزار سونے کے سکے (Ducats) تھی"۔ لیکن اس پر بھی مسلمانوں پر مظالم کی شدت کم نہ ہوئی۔ پھر سور کا گوشت اور شراب فروخت نہ کرنے پر ان کو سخت سزائیں دی گئیں۔ اور قید میں ڈالا گیا۔ چارلس لی نے لکھا ہے کہ "شراب اور سور کا گوشت نہ بیچنے پر سزا کا دینا کچھ معنی تو رکھتا ہے۔ لیکن کہا جاتا ہے کہ انگلیوں پر حنا لگانا، بغیر حلال کئے ہوئے جانور کا گوشت کھانے سے انکار کرنا، شادی بیاہ یا خوشی کے موقعہ پر گانا بجانا اور ناچنا۔ یہاں تک کہ روزہ نہ رکھنا بھی ناقابل معافی جرم سمجھا جاتا تھا"۔ چنانچہ لین پول نے لکھا ہے کہ "فلپ دوم نے زبان، ادب اور عام طرز معاشرت بدلنے کا سختی سے حکم دیا اور اس غرض سے کہ مسلمان طہارت کے ارکان جو مسیحی شرع کے خلاف تھے۔ ادا کرنے سے باز رہیں ان کے الحمرا کے تمام خوبصورت حمام مسمار کرا دیئے"۔

۱۶ ویں صدی عیسوی کے آخر میں مسلمانوں پر مظالم ۹۷۲ھ/۱۵۶۵ء میں فلپ دوم نے

نے مجرائط میں ایک عوامی مجلس (جنتا) طلب کی جس میں یہ طے پایا۔ کہ ۹۳۱ھ/۱۵۲۵ء اور ۹۳۲ھ/۱۵۲۶ء میں جو قوانین مسلمانوں سے متعلق منظور ہوئے تھے ان پر جلد عملدرآمد کیا جائے۔ اور مسلمانوں سے تمام ہتھیار واپس لے لئے جائیں۔ ۹۷۵ھ/۱۵۶۸ء کی یکم جنوری کو غرناطہ کے مسلمانوں کو یہ حکم ہوا کہ وہ تین سال کے اندر اندر اپنی عربی زبان، لباس اور رسوم و رواج بالکل ترک کر دیں اور اپنے مکانوں کے دروازے جمعہ اور اپنے تہواروں پر کھلے رکھیں۔ مزید یہ کہ ان کو مکان کے اندر یا باہر کسی جگہ بھی نہانے کی سخت ممانعت کر دی گئی۔ ان کو اپنے پاس کسی غلام کو رکھنا منع تھا۔ چارلس لی نے لکھا ہے کہ "غسل کرنے کی ممانعت سے اس زمانے کی عیسائی تہذیب کا عجیب و غریب نقشہ سامنے آتا ہے۔ یہ حکم تو اس سے زیادہ غیر اخلاقی اور غیر انسانی معلوم ہوتا ہے۔ جو کہ آرغون کے الفانسو دوم نے ۱۱۷۶ء میں نافذ کیا تھا کہ عام مردوں کو حمام میں نہانے کے لئے منگل، جمعرات اور سنیچر کے دن مقرر تھے۔ اور عورتوں کے لئے پیر اور بدھ کے دن مسلمانوں اور یہودیوں کو صرف جمعہ کا دن نہانے

Moors in Spain P.339 A History of Inquisition of Spain P.39

،لتے دیا گیا تھا۔ اتوار کو تمام حمام بند کر دیئے جاتے اور پانی کو گرم کرنے تک کی ممانعت تھی"۔ اگر بنظر غائر دیکھا جائے تو الحمرا کے خوبصورت حماموں کی تباہی بھی مسلمانوں کی بغاوت کا ایک بڑا محرک بن گئی تھی۔ ایڈون بول نے لکھا ہے کہ مردوں کو منگل جمعرات اور سنیچر کے دن عورتوں کو پیر اور بدھ کے دن اور یہود کو جمعہ اور اتوار کے دن نہانے کی اجازت تھی"۔ اس میں مسلمانوں کا کوئی تذکرہ نہیں ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ مدتوں نہانے کی اجازت نہ تھی۔ یہی مورخ آگے چل کر لکھتا ہے۔ کہ "۱۶ ویں صدی عیسوی کے شروع ہی سے عیسائیوں یہ کوشش رہی تھی۔ کہ مسلمانوں کو غسل و طہارت سے روک دیا جائے۔ ۱۵۶۷ء میں کلیسا نے ایک زبردست مظاہرہ کر کے غرناطہ کے تمام حمام بند کرا دیئے"۔

جس طور پر مسلمانوں پر مظالم ڈھائے جا رہے تھے۔ ان کا قتل عام ہو رہا تھا۔ ان کو مذہب کی تبدیلی پر مجبور کیا جا رہا تھا۔ اور حکومت ان سے جس طرح بدعہدی کا مظاہرہ کر رہی تھی۔ یہ نہ صرف غرناطہ کے مسلمانوں کے لئے بلکہ اندلس کے مسلمانوں کے لئے بھی ناقابل برداشت بن چکا تھا چنانچہ انہوں نے اپنے آپ کو منظم اور متحد کرنے کی مہم شروع کی۔ انہوں نے حکومت سے ایک ہسپتال قائم کرنے کی اجازت لیکر چندہ کرنے کی مہم کا آغاز کیا جس سے ان کو ملک بھر کے مسلمانوں کو آمادۂ بغاوت کرنے اور آلات حرب جمع کرنے کا موقعہ مل گیا۔ یکم جنوری ۹۷۵ھ/۱۵۶۸ء میں حکومت نے ایک قانون پاس کیا کہ ۳ برس سے ۱۵ برس تک کے مسلمان بچوں کے نام درج رجسٹر کئے جائیں تاکہ ان کو جبریہ عیسائی نظریہ تعلیم پڑھایا جا سکے۔ کیونکہ اب تک جس قدر قانون بنے تھے۔ وہ سب مسلمانوں کو عیسائی بنانے کے لئے تھے لیکن اس بات کا اہتمام نہ کیا گیا تھا کہ مسلمان بچوں کو کس طرح عیسائی تعلیم دی جائے۔ اس مرتبہ گو تعلیم کا قانون بن گیا تھا لیکن پھر بھی تعلیم دینے کی طرف کوئی خاص دھیان نہ دیا گیا۔ ان احکامات کے بعد تو مسلمانوں میں مزید اشتعال پھیلا۔ دسمبر ۹۷۵ھ/۱۵۶۸ء میں غرناطہ کے مسلمانوں نے بغاوت کر دی۔ اور خاندان بنو امیہ کے ایک اوباش اور نااہل فرد فرنانڈو دی ویلر (مولوی محمد بن امیہ) کو اپنا سربراہ بنا کر البشارات کے پہاڑوں کو اپنا مسکن بنا لیا۔ یہ زبردست بغاوت تھی جس سے یہ گمان ہو رہا تھا کہ مسلمان ایک بار پھر غرناطہ عیسائیوں سے چھین لیں گے۔ چارلس پنجم نے اپنے سوتیلے بھائی کے دون جون دی اسٹریا کو ایک زبردست فوج دیکر جون ۹۷۶ھ/۱۵۶۹ء میں البشارات کی طرف بھیجا۔ اور اس کے ساتھ ہی غرناطہ سے تین ہزار پانچ سو مسلمانوں کو نکال کر اشبیلیہ کی طرف جلاوطن کر دیا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ مسلمانوں نے بڑی ہمت اور

Andalus P.60 —Do—p.336 P.63 Inquisition of Spain P.330
Andalus P.63 Andalus P.61

پامردی کا ثبوت دیا اور قریب تھا کہ وہ غرناطہ کو عیسائیوں سے خالی کرالیں لیکن ان کے آپس کے اختلافات نے ان کے اتحاد کو پارہ پارہ کر دیا۔ اکتوبر ۹۷۶ھ/۱۵۶۹ء میں اوباش اور نااہل محمد بن امیہ اپنے ساتھیوں کے ہاتھوں مارا گیا۔ اوباس کی بجائے ایک لائق، پرجوش، جاں نثار اور قوم کے فدائی ابن ابوعبداللہ کو اپنا سربراہ بنا لیا گیا ابن ابوعبداللہ نے بڑی بہادری اور شجاعت کا ثبوت دیا۔ اور عیسائیوں کے لئے ایک مصیبت بن گیا لیکن عیسائیوں نے بھی اس کا پیچھا نہ چھوڑا اس دوران اس قدر خونریزی ہوئی کہ جس کی مثال نہیں ملتی بالآخر ایک تو مسلمان چاروں طرف سے گھر گئے دوسرے انکے اندر اختلافات پیدا ہو گئے۔ اس لئے انہوں نے ۹۷۹ھ/۱۵۷۱ء میں ہتھیار ڈال دیئے۔ ابن ابوعبداللہ قتل کر دیا گیا اور ابتدا رات کے پورے علاقے کو مذبح بنا دیا گیا۔ ظالم دون جون نے خود اپنی آنکھوں کے سامنے ہزاروں مردوں، عورتوں اور بچوں کو ذبح کرا دیا۔ وہ تمام مسلمان جن پر ذرا بھی بغاوت کا شبہ ہو سکتا تھا۔ غرناطہ اور اس کے نواح سے نکال کر قشتالہ اور لیون کے پہاڑوں میں بھیج دیئے گئے۔ معلوم ہوتا ہے کہ بعد میں بہت سے لوگ دوبارہ غرناطہ میں گھس آئے تھے۔ کیونکہ ۱۶۰۹ء میں تمام سپین کے مسلمان ملک سے نکالے گئے تو غرناطہ سے بھی کثیر تعداد میں لوگ نکالے گئے تھے۔

اس بغاوت کے بعد ایک فرمان کے ذریعہ مسلمانوں کو قصابی کا پیشہ اختیار کرنے اور ایک پرندہ تک مارنے کی ممانعت کر دی گئی۔ چارلس نے لکھا ہے کہ یہ قانون ۱۰۰۳ھ/۱۵۹۵ء تک نافذ رہا۔ ۹۹۰ھ/۱۵۸۲ء میں بلنسیہ کے مسلمانوں نے بغاوت کر دی جو بڑی مشکل سے دبائی گئی۔ اس بغاوت کے بعد ہی فلپ دوم نے یہ طے کر لیا تھا کہ تمام مسلمانوں کو بلنسیہ سے نکال باہر کریگا۔ لیکن کسی وجہ سے وہ ایسا نہ کر سکا۔ برٹرانڈ نے مسلمانوں کو نکال باہر کرنے کے لئے عیسائی حکمرانوں کے جذبات کے متعلق لکھا ہے "شاہ فرانس فرانکوس اول جس وقت چارلس پنجم کی قید میں تھا۔ تو اس کو غرناطہ کی فتح کے بابت بتایا گیا۔ تو اس نے تعجب سے پوچھا۔ اور یہ مسلمان کیا ان کو نہیں نکالا گیا؟ یعنی ابھی بہت کچھ ہونا باقی ہے۔ تو فرانس کا یہ بادشاہ اس سیاسی حقیقت کو سوچنے میں حق بجانب تھا کیونکہ مسلمانوں نے اپنے جدید حکمرانوں اور ہمسایوں سے نفرت برقرار رکھی اور اسپین اور عیسائیت کے دشمنوں سے اپنے تعلقات قائم کئے جن میں بربر، مراکشی، مصری اور ترکی سب شامل تھے۔ اور اپنے حکمرانوں کے خلاف بغاوتیں اور سازشیں کیں"۔

جہاں تک اسپینی ذرائع معلومات کا تعلق ہے اس امر کا پتہ چلتا ہے کہ اسپین کے مسلمانوں نے بربروں اور ترکوں کی مدد سے شاہ فرانس ہنری چہارم کی سرپرستی میں ایک بڑی بغاوت کی کوشش کی تھی۔ "فلپ دوم

The History of Spain. P.141—149

The History of Inquisition of Spain P. 336—40

لے آخری دور حکومت میں ارغون کے مسلمانوں نے شاہ فرانس ہنری چہارم کو ۸۰ ہزار فوج سے اس کی مدد کا وعدہ کیا تھا۔" یہ واقعات کہاں تک درست ہیں اور کیا ایک بے بس اور مجبور قوم طاقتور حکومت کے خلاف ایسے اقدام کی مرتکب ہو سکتی ہے جبکہ وہ خود کئی مرتبہ بغاوت کر چکی تھی لیکن کبھی بھی باغیوں کی تعداد ۸۰ ہزار تک نہ پہونچ سکی جس سے یہ قیاس کرنا کہ وہ کسی بڑے اقدام کی طرف چلے ہوں گے ممکن نہیں۔ البتہ ان الزامات کا دوسرا رخ یہ بھی ممکن ہو سکتا ہے کہ عیسائیوں نے جیسا کہ ان کی کوششیں رہی ہیں مسلمانوں کو ملک بدر کرنے کے جواز کے لئے خود ایسے الزامات لگائے ہوں کیونکہ ان واقعات کے متعلق ایک تو فرانس کی تاریخیں بالکل خاموش ہیں دوسرے سپین کی تاریخ سے بھی یہ پتہ نہیں چلتا کہ اس وقت بربروں اور ترکوں کی امداد ان کو پہونچی ہو جس سے ان الزامات کی حقیقت خود بخود مشکوک ہو کر رہ جاتی ہے لیکن ان الزامات کے بعد تو مسلمانوں پر مظالم اور مصائب کا وہ دور شروع ہوا کہ جس کی مثال تاریخ میں بہت کم ملتی ہے۔ ۱۶۰۱ء/۱۰۱۰ھ میں سینکڑوں بلکہ ہزاروں مسلمان بے گناہ قتل کئے گئے اور جیل میں ڈالے گئے۔ ان کو بحر روم کے ساحلی شہروں سے نکال کر اندرون ملک بھیجا گیا اور ساحل پر اگر ان کو دیکھ بھی لیا جاتا تو قتل کر دیا جاتا۔ تاکہ نہ تو سمندر پار سے ان کو کوئی مدد مل سکے اور نہ وہ سمندر پار کر کے جا سکیں۔ ان کو ملک کے پانچویں کالم میں شمار کیا جاتا تھا۔ اور بحیثیت مسلمان کے ملک میں موجود رہنے کا مسئلہ عیسائی حکومت کے زیر غور تھا۔ چنانچہ اسی مسئلہ پر غور کرنے اور اس کو حل کرنے کے لئے اسی سال ایک مجلس مشاورت عام (جنتا) طلب کی گئی تھی۔

مسلمانوں کا مکمل اخراج

مارچ ۱۶۰۲ء/۱۰۱۰ھ میں جنتا نے یہ فیصلہ دیا کہ تمام مسلمانوں کو یا تو عیسائی بنا لیا جائے ورنہ ان کو ملک سے باہر نکال دیا جائے۔ لیکن پھر بھی اس فیصلہ پر ۱۶۰۹ء/۱۰۱۸ھ سے قبل اس وقت تک کوئی عمل نہ کیا جا سکا جب تک کہ وزیر السلطنت لرما اس بات سے راضی نہ ہو گیا۔ کہ واقعی مسلمانوں کا اسپین سے نکال دینا ملک اور قوم کے لئے سود مند ثابت ہوگا۔ یہ کہا جائے کہ لرما نے یہ فیصلہ اپنے مذہبی جذبات سے مجبور ہو کر کیا ہوگا صحیح نہیں بلکہ گمان غالب ہے کہ اس کو اس فیصلے پر عملدرآمد کے لئے بڑی بڑی رقمیں رشوت کے طور پر دی گئی تھیں۔ برٹرینڈ نے لکھا ہے "افسوس کا مقام ہے کہ خداوند خدا کے نام پر عیسائیوں نے مسلمانوں پر مظالم کئے اور ان کو ملک سے نکال دیا لیکن یہ بات بھی اپنی جگہ حقیقت رکھتی ہے کہ ان کے دنیاوی

فارمولے بھی مضمر تھے۔ دوسرے یہ کہ مسلمانوں نے اپنی گرتی ہوئی حالت میں بھی جارحیت اور بغاوت کا مظاہرہ کیا تھا جس نے اسپینیوں میں جنون کی حد تک ان سے انتقام کے جذبہ کو ابھار دیا تھا۔"

۴ اگست ۱۰۱۸ھ/۱۶۰۹ء میں مسلمانوں کے مکمل اخراج کا قانون منظور ہوا۔ اس پر عملدرآمد ستمبر کے ماہ سے شروع ہوا۔ تقریباً ۵ لاکھ مسلمان جن میں نئے عیسائی بھی شامل تھے ملک سے نکال دیئے گئے۔ علامہ مقری نے ان کی تعداد ۲ لاکھ بتائی ہے جن لوگوں نے اس بات کے ثبوت پیش کئے کہ وہ دو سال سے متواتر عیسائی عبادات میں حاضر رہے ہیں اور مسلمانوں سے ان کا کوئی تعلق باقی نہیں ہے۔ ان کو ملک میں رہنے کی اجازت مل گئی۔ سات سال کی عمر تک کے بچوں کے لئے یہ ثبوت دینا لازمی نہ تھا۔ بہت سے نئے عیسائی جو ثبوت فراہم نہ کر سکے ملک بدر ہونے سے نہ بچ سکے۔ "ڈیوک آف جنڈیہ جس کے پاس لشکر کی واحد اجارہ داری تھی اور مسلمانوں کے علاوہ اس کو اپنی ملکوں میں کام کرنے کے لئے تربیت یافتہ مزدوروں کا ملنا ناممکن تھا اس نے بہت سے مسلمانوں کو روکنا چاہا۔ مسلمانوں نے یہ شرط رکھی کہ اگر ان کو مذہبی آزادی دلوادی جائے تو وہ رک سکتے ہیں۔ ڈیوک نے وائسرائے ریبرا سے اس شرط کو مان لینے کی اپیل کی لیکن وائسرائے نے جواب دیا کہ یہ رعایت اب یا تو صرف بادشاہ دے سکتا ہے یا پوپ وہ اس میں کچھ نہیں کر سکتا۔" تقریباً تمام عیسائی مورخین اس امر پر متفق ہیں کہ مسلمانوں کے اخراج کا فیصلہ عوام کی رائے پر مبنی تھا۔ حالانکہ خود انہی مورخین نے یہ بھی لکھا ہے کہ کلیسا کے متعصب کیتھولک پادری اور نشۂ اقتدار میں چور عیسائی حکمران اس اقدام کے کرنے میں پیش پیش تھے۔

ملک کو زرعی تباہی سے بچانے کے لئے ۶ فی صد مسلمانوں کو ملک میں رہنے کی اجازت دی گئی تھی لیکن یہ مسلمان بھی قتل و غارت گری کے خوف سے دیگر مسلمانوں کے ساتھ ہی چلے گئے۔ مسلمانوں کی چھوڑی ہوئی غیر منقولہ املاک ان کے عیسائی جاگیرداروں کے قبضہ میں دیدی گئیں۔ بلنسیہ کے مسلمانوں میں ابھی کچھ طاقت و ہمت باقی تھی چنانچہ انہوں نے ایک بار پھر بغاوت کی جو بری طرح کچل دی گئی۔ اور ان کو اس حالت میں اس علاقہ سے ملک بدر کیا گیا کہ ان کے پاس نہ تو کھانے کو غذا اور نہ تن ڈھانپنے کو کپڑا تھا۔ تین ہزار پانچ سو کے قریب مسلمان بلنسیہ کے پہاڑوں میں جا بسے۔ اور ۱۰۲۲ھ/۱۶۱۲ء تک وہیں رہے یہاں تک کہ ان سے گفت و شنید کر کے اور ان کا مال و اسباب دیکر ان کو الجزائر کی طرف جلاوطن کر دیا گیا۔ ۱۰۱۹ھ/۱۶۱۰ء اور ۱۰۲۱ھ/۱۶۱۲ء کے درمیان اسپین کے تمام مسلمان نکالے جا چکے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ ایک ہزار کے قریب

The History of Inquisition of Spain III P.396 — A History of Spain 149

مسلمان بچے آسپین میں رہ گئے تھے۔ جن کا کوئی ولی وارث نہ تھا اس طرح مسلمانوں کے اخراج کا کام ۱۰۲۲ھ/۱۶۱۳ء تک مکمل ہو گیا۔

جس وقت یہ مسلمان نکالے جا رہے تھے اس وقت ان پر جو مظالم ہوئے اس کا نقشہ چارلس لی نے اس طرح کھینچا ہے۔ "امیر مسلمانوں کو مجبور کیا گیا کہ وہ غریب عیسائیوں کو کچھ نہ کچھ ضرور دیں اور اگر وہ انکاری ہوتے تو علاقہ کا کمشنر اخراج ان پر شدید مظالم کرتا۔ پانی تک کی قیمت ان سے وصول کی جاتی راہ کی گرمی سے محفوظ رہنے کے لئے جس درخت کے سائے میں رکتے یا آرام کرتے اس کے لئے بھی ان سے بڑی بڑی رقمیں وصول کی جاتی تھیں۔ جلاوطن ہونے والوں کی کثیر تعداد فرانس کی طرف بھی گئی۔ ۱۴ ہزار نفوس تھے جن کو فرانس کی حدود میں داخل نہ ہونے دیا۔ وہ مجبور ہو کر کوہ البراس کے ایک آسپینی علاقہ کیٹلونیا فرانس (جیفرانیہ) میں رک گئے جہاں ان سے ۱۴ ہزار سونے کے سکے صرف فرانس میں داخل ہونے کے وصول کئے گئے۔ علاوہ اس محصول کے کہ جہاں کے سامان پر وصول کیا گیا اور اس کمشنر کی فیس کے جو ان کا اخراج بنایا گیا تھا۔ المختصر یہ کہ ارغون سے مسلمانوں کی جلاوطنی کی داستان تاریخ انسانیت کی بدترین مثال ہے۔" ایک فرانسیسی مورخ نے لکھا ہے کہ ارغون سے مسلمانوں کا اخراج اس سے کسی طرح کم دردناک اور تکلیف دہ نہ تھا جس قدر کہ بلنسیہ سے ہوا تھا۔

اخراج کے بعد بہت سے مسلمان سرحدی حفاظتی دستہ کو رشوت دیکر دوبارہ آسپین میں واپس آ گئے۔ لیکن انہوں نے اپنے آپ کو مسلمان نہ ظاہر کیا اور عیسائی عوام کے نچلے طبقہ میں گھل مل گئے۔ مسلمانوں کی کثیر تعداد ملک سے نکلنے کے بعد اپنی منزل مقصود تک نہ پہونچ سکی اور راستہ میں ہی ایک اندازے کے مطابق کل مسلمانوں کا ایک حصہ باقی رہا باقی دو حصے مر گئے۔ غیر مسلح اور قلاش مسلمان سمندر اور پہاڑی درّوں کے ذریعہ فرانس شمالی افریقہ اور بحر روم کے جزائر میں بھیڑ بکریوں کی طرح ہانک دیئے گئے۔ مسلمانوں کی بڑی تعداد جو موت کا لقمہ ہونے سے بچ رہی تھی۔ تیونس۔ رباط اور ترکی کی طرف چلی گئی۔ اس دوران ان پر جو مصائب اور تکالیف گذریں وہ احاطۂ تحریر میں نہیں آسکتیں۔ بس یہ کہا جا سکتا ہے کہ دور جدید میں اس کی مثال اگر مل سکتی ہے تو وہ قیام پاکستان کے بعد بھارت کے مسلمانوں کی ہے۔

کیونکہ آسپین کے بادشاہوں کا عین مقصد مسلمانوں کے وجود کو ہی ختم کر دینا تھا اس لئے ان کے اخراج کے وقت ان کی جان و مال کی حفاظت کی قطعاً پرواہ نہ کی گئی۔ بلکہ ان کو ہراساں اور

The History of Inquisition of Spain III Pp.401—2

پریشان کرکے بجائے اس کے کہ ان کو شمالی افریقہ یا کسی دوسرے مسلم ملک کی طرف جانے دیا جاتا ان کو قتلونیہ کے راستے خلیج بسکے میں بحری قزاقوں کے حوالے کر دیا گیا۔ لوئس برٹرانڈ جس نے اس بات کی پوری کوشش کی ہے کہ مسلمانوں کے اخراج ملک کو مذہبی اتحاد اور ملک کی بقا و سالمیت کے لئے ضروری ثابت کرے۔ وہ بھی اس بات کو تسلیم کئے بغیر نہ رہ سکا کہ "مسلمانوں کے اخراج کا یہ تادیبی طریقہ کار بلاشبہ اسپین کے حق میں خطرناک ثابت ہوا جہاں اس سے عیسائی عوام کی اکثریت کو فائدہ پہونچا وہاں ملک تباہ و برباد ہوا آبادیاں ویران ہو گئیں پیداواریں اور عدالت کا فران نے قانون کی لچک سے فائدہ اٹھا کر مسلمانوں پر بڑے بڑے جرمانے عائد کر کے اپنی جیبیں بھریں اور امیر کبیر بن گئے۔ تاجروں اور چھوٹے جاگیرداروں نے مجبور اور بے کس مسلمانوں کی جائداد و املاک کو سستے داموں خرید کر اپنے آپ کو امراء کی صف میں لا کھڑا کیا لیکن وہ امراء جن کی جاگیروں کو مسلمان کسانوں نے رونق بخشی تھی ان کے اخراج سے سخت ناراض تھے اور انہوں نے اپنا دامن بچاتے ہوئے اور مشکوک لوگوں کی فہرست میں نہ آتے ہوئے مسلمانوں کے اخراج کی مخالفت بھی کی تھی جس کا کوئی اثر نہ ہوا۔ ایک عیسائی مورخ کے بقول "مسلمانوں کا یہ اخراج تاریخ انسانیت کا زبردست اور شدید بربریت کا اقدام تھا۔ گو اس تباہی و بربادی کے بہت سے اسباب تھے لیکن ان سب سے اہم اور اعلیٰ سبب بدترین مذہبی تعصب تھا جس نے ملک کی آبادی کے اس طبقہ کو نکال باہر کیا جو اقتصادی طور پر ملک کا قیمتی سرمایہ تھے۔" امیر علی کے الفاظ میں "مسلمانوں کا اسپین سے اخراج ملک کی زراعتی اور صنعتی بربادی اور آبادیوں کی ویرانی نکلا۔" ۱۱ مئی ۱۶۱۰ء میں بلنسیہ کے گورنر نے ان سات سو مسلمانوں کے متعلق جو وہاں رک گئے تھے۔ اس طرح رپورٹ بادشاہ کو بھیجی تھی: "یہ مسلمان کھیتی باڑی کے ماہر تھے۔ چاول پیدا کرنے، ریشم اور دیگر اشیا حاصل کرنے اور خاص طور پر شکر سازی کے فن میں اس قدر طاق تھے کہ عیسائی ان کا مقابلہ نہ کر سکتے تھے۔ کیونکہ عیسائی اپنا دقیانوسی طریقۂ زراعت استعمال کرتے تھے۔ اس لئے ان مسلمانوں کو غلاموں کی طرح عیسائیوں کے ساتھ کام کرنے کی اجازت دی گئی تھی تاکہ مسلمانوں کی چھوڑی ہوئی اراضی کو قابل کاشت بنایا جا سکے۔" ایک آسپینی مورخ نے لکھا ہے کہ مرسیہ کے علاقہ میں آج تک مسلمانوں کا طریقۂ زراعت استعمال کیا جاتا ہے اور بلنسیہ میں اب تک مسلمانوں کا طریقۂ آب پاشی قائم ہے۔ ایک دوسرا مورخ لکھتا ہے کہ مسلمان

---

1. The History of Spain I P. 155
2. Inquisition of Spain P.410
3. The Short History of Saracens P.563
4. Political History of Muslim Spain P.198

زراعت کے اس قدر ماہر تھے کہ فلپ سوم کے زمانہ میں خراب سے خراب زمینیں ملنے کے باوجود بھی
اس قدر مال دار تھے کہ جس قدر کہ عیسائی باوجود بہترین زمینوں کے مالک ہونے کے بھی مالدار نہ تھے۔
لوں کے معاشرے کے بارے میں چارلس لی نے لکھا ہے "ان میں بھیک مانگنے والے نہ تھے۔ اور نہ وہ
پس میں جھگڑتے تھے۔ کبھی اختلافات ہو بھی جاتے تھے تو اس سے قبل کہ قاضی کے سامنے جاتیں وہ اپنے
ختلافات باہم رضامندی سے طے کر لیتے تھے۔" ان بیانات کی صداقت میں کوئی شبہ نہیں معلوم ہوتا
ں لئے کہ مسلمانوں کو طویل خانہ جنگی اور عبرتناک تباہی نے بہت کچھ سکھا دیا تھا تو کوئی وجہ نہیں
باقی ماندہ مسلمانوں نے اپنی انسانی اخلاقی اور معاشرتی اقدار کو از سر نو زندہ کر لیا ہو۔

الغرض اسپین میں مسلمانوں کی تباہی اور ان کا جلاوطن ہونا تاریخ انسانی کا ایک عبرتناک
ب ہے اس باب کو اگر دہرایا گیا تو یا تو پاکستان کے قیام کے وقت یا اسرائیل کے قیام کے وقت اور جو کچھ ان دونوں
کے مسلمانوں پر گذری وہ کسی بھی صورت میں اسپین کے حالات سے کم نہیں تھی۔ اب اس
ب کے اختتام پر مسلمانان اسپین کی تباہی کے اسباب کا جائزہ لیں اور یہ فیصلہ بھی کر لیں کہ اگر مسلمانو
بھی تباہی و بربادی آئے گی تو اس کے اسباب کیا ہوں گے؟ تاریخ نے قوموں اور حکومتوں
عروج و زوال کے کچھ کلیات بنائے ہیں لیکن مسلمانوں کے عروج و زوال کے کلیات کچھ
اسی ہیں کہ ان کلیات کو بیان کرنا تو اس کتاب کا موضوع نہیں البتہ مسلمانان اسپین
تباہی میں جن کلیات نے حصہ لیا ہے ان کا تذکرہ ضرور کیا جائیگا۔

(ب) مسلمانانِ اسپین کی تباہی کے اسباب

اسپین میں مسلمانوں کی کامیابی کے اسباب میں یہ بتایا جا چکا ہے کہ مسلمانوں کا اسپین کی فتح سے جہاں سیاسی مقاصد کی برآری تھی وہاں ان کا مذہبی جذبہ اور قومی حمیت بھی کارفرما تھی۔ طارق بن زیاد کا خواب اور کم تعداد مسلمانوں کا لاکھوں دشمنوں سے لڑ جانا اسی مذہبی جذبہ کی غمازی کرتا ہے اس لئے انہوں نے اپنے ہر مقصد کو مذہبی رنگ میں چھپا لیا تھا لیکن اسپین کی تاریخ کے مطالعہ سے صاف طور پر یہ پتہ چلتا ہے کہ مسلم امراء و سلاطین اسپین نے اپنے ذاتی مذہبی کردار کو تو قائم رکھنے کی ضرور کوشش کی لیکن اس بات کی کبھی کوشش نہ کی کہ منظم طور پر اسلام کی اشاعت اور ترویج کریں جس کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ جو مسلمان فاتح بن کر آئے تھے وہ اور ان کی اولادیں تو مسلمان رہیں اسپین کے مقامی باشندے جو کسی مجبوری یا فاتح کے قرب کی خاطر مسلمان ہوئے تھے۔ وہ موقعہ پرست بن گئے اس پر مزید یہ ہوا کہ باہر سے آنے والے مسلمانوں نے ان نو مسلموں کو اپنے معاشرہ میں کوئی خاص مقام نہ دیا جس کی بنا پر مقامی مسلمانوں نے موقعہ کے لحاظ سے اسلام تو ترک نہ کیا لیکن مسلمانوں سے نفرت ان کے رگ و ریشہ میں سرایت کر گئی۔ اور اس نفرت کا اظہار وہ موقعہ بہ موقعہ اپنے ہم وطن عیسائیوں کے ساتھ مل کر کرتے رہے۔ یہی زخم خوردہ مقامی مسلمان شمالی عیسائی ریاستوں کی کامیابی کا بڑا سبب بنے رہے جیسا کہ زوال بنو امیہ میں بیان

کیا جا چکا ہے۔ اگر مسلم فاتحین اور حکمران اسلامی تہذیب کے علمبردار ہوتے، اسلام کے نام پر یکساں برتاؤ کرتے اور اپنے اسلامی طرز عمل کا اظہار کرتے تو اسپین میں کوئی بھی غیر مسلم نہ نظر آتا۔ لیکن مسلم حکمرانوں کی آپس کی قومی، نسلی اور قبائلی کشمکش نے نہ صرف یہ کہ اسلام کی ترویج کے دروازے بند کر دیئے بلکہ تہذیب اسلامی کے ہمہ گیر اصولوں کو مساجد اور خانقاہوں میں مقید کر کے رکھ دیا۔ قومیت اور نسلی برتری کے صنم نے نہ صرف ایک زبردست بادشاہت کو فنا کر دیا (بنو امیہ اسپین) بلکہ ملوک الطوائف کو بھی ایک جگہ اکٹھا نہ ہونے دیا جو مرحوم بادشاہت کے کھنڈرات پر اپنی سلطنت کے قلعے تعمیر کئے ہوئے تھے۔ حالانکہ یہ اعتراف تاریخ نے بھی کر لیا ہے۔ کہ ان ملوک الطوائف میں سے کئی تو اس قدر طاقت ور تھے کہ پورے اسپین کو پھر متحد کر سکتے تھے لیکن اسلامی شعائر سے بیزاری غرور تمکنت سے لبریزی۔ عیش و عشرت میں ڈوبے ہوئے قبائلی اور نسلی عصبیت کے شکار یہ حکمران اسلام اور مسلمان دونوں کے لئے آفت جان بن گئے۔ یہاں تک کہ دشمنان اسلام کو اس بات کا موقعہ فراہم کر دیا کہ وہ ضرب کاری لگا سکیں۔ یہ سب کچھ اس لئے ہوا کہ اسلامی تہذیب کی نشو و نما اسپینی معاشرہ میں نہ ہونے دی گئی۔ اس طرح یہ کلیہ بنا۔ "مسلمانوں کی تباہی اس وقت لازمی ہوگی جب کہ وہ خود اپنے ہاتھوں اسلام کی تذلیل کا سامان مہیا کریں گے۔"

بنو امیہ کے سلاطین نے اپنے سیاسی اغراض اور ہوس اقتدار کی خاطر اسلامی تہذیب اور عربی تہذیب کی مدد سے اسپین کی مسلم تہذیب کو جنم دیا۔ حالانکہ سیاسی وحدت اور معاشرتی وحدت کے لئے یہ اقدام برا نہ تھا لیکن اس کی کامیابی اسی وقت ممکن ہو سکتی تھی جبکہ مقامی مسلمانوں اور عیسائیوں کی پرانی تہذیب کو بھی اس میں ضم کر دیا جاتا لیکن مقامی لوگوں کو ان کو اپنی ہی تہذیب پر قائم رہنے دیا گیا ایک طرف تو دیرینہ اور فرسودہ عیسائی تہذیب اس نوزائدہ اسپین تہذیب کے مقابلے میں مضبوط اور مستحکم اقدار پر قائم تھی اور دوسری طرف اس میں مذہب کا عنصر غالب تھا جو عوام الناس کی کشش کا بہترین ذریعہ تھا جبکہ اس نوزائدہ مسلم اسپینی تہذیب میں مذہب کا عنصر نہ ہونے کی برابر تھا۔ بلکہ یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ یہ تہذیب مذہب سے فرار ہی کے لئے قائم کی گئی تھی۔ اور اس میں آزاد روی اور بے راہ روی کو غالب رکھا گیا تھا۔ ایسی صورت میں عیسائی مذہبی تہذیب کا مقابلہ اس خود ساختہ تہذیب کے بس کی بات نہ تھی۔ عیسائی مذہبی تہذیب کو ختم کرنے کی صلاحیت صرف

اسلامی تہذیب اپنے اندر رکھتی تھی۔ اور اسی میں اتنی کشش تھی کہ وہ عوام الناس کو اپنا بنا لیتی۔ اس طرح اسلامی تہذیب ہی نہ صرف اہل اسپین بلکہ مسلمانان اسپین کی نجات دہندہ اور اتحاد اسپین کا بڑا ذریعہ بن جاتی یہ اسلامی تہذیب ہی کی کشش تھی کہ جس نے مرابطین، موحدین اور بنو مرین کو اسپین میں داخل کیا اور انہوں نے مسلمانان اسپین کو بچانے کی پوری کوشش کی اور عیسائیوں کو ختم کرنے کا تہیہ کیا جس کو خود ملوک الطوائف نے ناکام بنا دیا۔ ایسی صورت میں جبکہ خود مسلمان اسلامی تہذیب سے بیزار ہوں: تو مقامی باشندے اس تہذیب سے کیونکر متاثر ہوتے۔ اس لئے انہوں نے بھی دل کھول کر اسلام اور مسلمان دونوں کا مذاق اڑایا جس کا لازمی انجام یہ ہوا۔ کہ جب اہل عزم طارق نے دوبارہ اسپین مسلم ممالک کی طرف امدادی نظریں اٹھائیں تو باوجود اسکے کہ اس وقت بڑی بڑی مسلم حکومتیں افریقہ، ایشیا اور ترکی میں قائم تھیں کسی نے بھی جواب دینا پسند نہ کیا چنانچہ مسلمان قوم کے لئے دوسرا کلیہ اس طرح بنا کہ "اسلامی تہذیب اگر مصالح کی بنا پر سیاست پر حاوی نہ کی جائے اور مساجد و خانقاہوں میں ہی مقید رکھی جائے پھر بھی مسلمانوں کے لئے واجب الاحترام ہے۔ اس کا مضحکہ اڑانا مسلمانوں کے زوال کا دیباچہ بن جاتا ہے"

اتحاد کا فقدان ایک طرف تو مسلم معاشرہ اسلامی تہذیب کی بجائے بہت سی نسلی تہذیبوں میں منقسم تھا جو اپنے اندر اختلافات کی ایک وسیع خلیج رکھتی تھیں دوسری طرف وہ آہنی نظم حکومت جس کی بدولت مسلم بادشاہان اسپین ملک پر قابض تھے۔ آپس کی خانہ جنگی کی نذر ہو گیا۔ ایک باصلاحیت طاقتور حکمران طاقت کے ذریعہ معاشرہ کو بگڑنے سے روک سکتا تھا لیکن جب حکمرانی کے لئے ہی جنگ و جدل جاری ہو جائے تو معاشرہ کو سنبھالنے والا کون ہو سکتا ہے؟ اور ایسا اس وقت ہوا جبکہ وراثتی تخت نشینی کے زہریلے اثرات نے سیاست، معاشرت اور نظم مملکت کو مفلوج کر کے رکھ دیا۔ ملوک الطوائف کے خود اپنے اس قدر اختلافات تھے کہ معاشرہ کے اختلافات پر نظر تک ڈالنے کی ان کو فرصت نہ تھی۔ چنانچہ ہمہ اقسام کے اختلافات بڑھتے گئے اور عیسائی ایک طاقت بن کر ابھرتے رہے۔ آئیے ان اختلافات پر طائرانہ نظر ڈالیں۔

اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ اسپین کے مسلمانوں کی تباہی میں جس قدر ہاتھ خود مسلمانوں کے آپس کے اختلافات کا ہے کسی خارجی طاقت کا نہیں۔ انتشار و اختلاف کے جراثیم اسپین کی فتح ہی سے

مسلمانوں کے اندر موجود تھے۔ جب اسپین میں آباد ہوگئے تو عرب مسلمان حمیری، مضری، شامی، حجازی، قیسی وکلبی میں تقسیم ہوگئے۔ اور بربر مسلمان زناتہ، مکناسہ، صنہاجہ، سجلماسہ، وغیرہ میں بٹ گئے۔ اور ایک دوسرے کے مقابل صف آرا ہوگئے۔ یہ سب کے سب اپنے آبائی وطن ہی سے عصبیت کی آگ اپنے سینوں میں بھر کر لائے تھے چنانچہ بجائے اس کے کہ مشترکہ دشمن کا مقابلہ کرتے ایک دوسرے کی گردنیں اڑانے لگے ایسی بے شمار مثالیں تاریخ اسپین میں موجود ہیں جبکہ اسی عصبیت کے ماروں نے جیتی ہوئی بازی کو ہار کر دشمن کو طاقتور بننے کا موقعہ دیا تھا مثلاً ٹورس کی جنگ، یوم الخندق، جنگ زلاقہ وغیرہ، یہانتک کہ حاجب المنصور جیسا عزم واستقلال کا پیکر یمنی اور مضریوں کی مخالفت کی بنا پر اس وقت تک کامیاب نہ ہو سکا جب تک اس نے بربروں سے اپنی فوج کو از سر نو منظم نہ کر لیا۔ الغرض بنو امیہ کے پورے دور میں ہمیں سینکڑوں واقعات قبائل کی آپس کی جنگ اور اسپینی و غیر اسپینی کے اختلافات نظر آتے ہیں۔ چنانچہ جیسے ہی بنو امیہ کا زوال ہوا۔ مسلم معاشرہ کے یہ مختلف حصے ملک اسپین کے ٹکڑے کر کے ایک ایک ٹکڑے پر قبضہ کر کے بیٹھ رہے جسے ہم ملوک الطوائف کا نام دیتے ہیں۔ قرطبہ کی مرکزی حکومت سے ان ٹکڑوں کا علیحدہ کیا ہونا تھا۔ دراصل قرطبہ کی شاہی کا اس دنیا سے اٹھ جانا تھا۔ مرکزیت کے ختم ہوتے ہی ان چھوٹی چھوٹی بادشاہتوں کو خوب ہی گل کھلانے کا موقعہ ملا۔ اور وہ خونریزی، لوٹ مار آتشزنی ہولی کہ انسانیت کو شرم آگئی۔ مدینۃ الزاہرہ جلا، زہرہ لٹا۔ جنوب میں بربر آئے، مشرق میں صقالبہ نے ڈیرہ جمالیا جنوب مغرب میں عربوں نے ہوش سنبھالا تو نو مسلم اور عیسائیوں نے شمال میں پیر پھیلائے۔ الغرض مسلم سیاست اور معاشرت کا جنارہ ملوک الطوائف نے اپنے کندھوں پر نکالا۔ اس میں بھی کوئی مضائقہ نہ ہوتی اگر سب ملوک الطوائف اپنی اپنی خواہش کے مطابق حکومت کرتے رہتے۔ لیکن ان کے سینوں میں تو اقتدار اور حسد کی آگ بھڑک رہی تھی۔ اور ہر ایک دوسرے پر بھیڑیئے کی طرح تاک لگا رہا تھا۔ دغا، فریب، مکاری، تدبر و سیاست ہر صورت میں ایک دوسرے کو فنا کرنے پر تلے ہوئے تھے اور اپنے مقصد کے حصول کی خاطر وہ اپنے دشمن کے آگے سر تک جھکانے کے لئے تیار رہتے۔ اشبیلیہ کے بنو عباد، بنو ذی النون کی گھات میں تھے۔ تو بنو ذی قرطبہ اور بطلیوس کو کھانے کی فکر میں تھے۔ اسماعیل عباد نے یحییٰ حمودی کو قتل کر دیا۔ المریہ کے زہیر نے اسماعیل کو مار ڈالا۔ اور حبوس نے زہیر کو قتل کرا دیا قتل و غارت گری کا ایک لامتناہی سلسلہ تھا جو ختم ہونے

کو نہ آتا تھا۔ کچھ نہایت "دانشمند" اور "مدبر" مسلم حکمرانوں نے اپنی دانست میں اپنے بچاؤ کی سب سے عمدہ تدبیر یہ سوچی کہ عیسائیوں کی امداد حاصل کی جائے۔ مثلاً مامون ذوالنون کا قرطبہ کے حصول میں اور قشتالہ کے عیسائیوں کی امداد حاصل کرنا اور غرناطہ کے بنو نصر کا اپنی حکومت کو قائم کرنے کے لئے عیسائیوں کی امداد سے دیگر مسلم ریاستوں کو ختم کرنا وغیرہ۔ ایسی صورت میں عیسائیوں کا طاقتور ترین بننا اور احمق مسلم حکمرانوں کو بیوقوف بنانا کوئی مشکل کام نہ تھا چنانچہ مسلمانوں کے مقابلہ میں دشمنوں کا اتحاد مضبوط ہوتا گیا۔ اور ایک دن مسلمانوں کو ختم کر گیا۔

اسپین کے مسلم حکمرانوں نے بربروں کو کبھی بھی ملک کی انتظامیہ میں پوری طرح شریک ہونے کا موقعہ نہ دیا۔ اور بربر عرب مسلمانوں سے ناراض اور بیزار رہے انہوں نے اسپین میں خود کو زندہ رکھنے کے لئے اور عرب مسلمانوں سے بچنے کے لئے ہمیشہ اپنے تعلقات شمالی افریقہ کے بربروں سے قائم اور استوار رکھے اس کا ثبوت اس طرح ملتا ہے کہ جب کبھی بھی شمالی افریقہ کے بربروں نے بغاوت کی اسپین کے بربروں نے ان کی پیروی میں فخر محسوس کیا۔ کرنے کو تو انہوں نے عربوں کے خلاف ایسا کیا لیکن دراصل اس سے حکومت کی جڑ بنیادیں ہل گئیں۔ عربوں کو تو زوال ہوا ہی لیکن ساتھ ہی ساتھ معاشرہ اور سیاست کے بھی چیتھڑے اڑ گئے۔ بنو امیہ کے دور زوال اور طوائف الملوکی کے دور میں تو بربروں نے وہ ہاتھ دکھائے کہ دشمن بھی انگشت بدنداں رہ گیا۔ اور اس طرح یہ بربر معاشرہ اور سیاست کو تباہ و برباد کر کے اپنے آبائی وطن شمالی افریقہ واپس چلے گئے لیکن عرب مسلمانوں اور نو مسلموں کو عیسائیوں کے پنجے میں پھنسا گئے۔ مرابطین، موحدین اور بنو مرین کے متعلق یہ سوچا جاتا ہے کہ وہ مسلمانوں کو بچانے کے لئے اسپین میں آئے تھے لیکن دراصل بربروں نے ان کی شکل میں اپنے دیرینہ ارادوں کو عملی جامہ پہنانے کی کوشش کی تھی۔ یہ کوشش بھی بہرحال مسلم اسپین کے اتحاد کا سبب بن جاتی لیکن اب بربر اس قدر ہوشیار ہو گئے تھے کہ انہوں نے اسپین پر مراکش سے بیٹھ کر حکمرانی کی۔ اور کسی بھی صورت میں اسپین کو اپنا وطن نہ بنایا۔ ایسی صورت میں مسلم اسپین میں اتحاد تو کیا ہوتا جو کچھ اتحاد پہلے سے موجود تھا وہ بھی جاتا رہا۔ اور ان کے بعد تو عیسائیوں کے بڑھتے ہوئے سیلاب کو روکنے والا کوئی نہ تھا۔ اسپین کے مسلمان باجگذار بننے کی صلاحیت تو رکھتے تھے لیکن مقابلے کی ہمت سے معذور تھے۔ اسپین میں مسلمانوں کے اتحاد کے فقدان نے ایک دن ان کو اسپین سے نکال باہر کیا۔ اس طرح تاریخ اسلام میں ایک نئے کلیہ کا اضافہ ہوا۔ وہ یہ کہ "مسلمانوں کو زندہ رہنے کے لئے اتحاد کی سخت ضرورت ہے۔"

قومیت کا تصور ایک نسل یا گروہ یا طبقہ یا قوم کو تو زندہ رکھ سکتا ہے لیکن مسلمانوں کے لئے یہ تصور زہر قاتل سے کم نہیں۔ مسلمانوں کی بقا کی ضمانت صرف عالمی اخوت میں مضمر ہے"۔

کمزور حکومت

اسپین کی مسلم سیاست اور حکومت کا انحصار سلاطین، امرا اور فوجی طاقت پر تھا۔ تمام طاقتوں کا سرچشمہ یہی لوگ تھے جب بنو امیہ کے نااہل، ناکارہ اور کٹھ پتلی حکمران تخت قرطبہ پر آئے۔ انتظامی اور سیاسی ڈھانچہ میں کمزوری کا پیدا ہونا لازمی ہو گیا۔ گو نااہل حکمرانوں کو تخت پر لانے کا ذمہ دار بنو امیہ کا وراثتی تخت نشینی کا طریقہ تھا۔ لیکن امرا، درباری اور خود غرض ارکین سلطنت بھی اس میں برابر کے شریک تھے۔ جو بڑی حد تک اس عظیم سلطنت کے زوال کا باعث ہوئے۔ ان امرا، دارا رکین سلطنت میں اکثریت عربوں کی تھی۔ جو حکومت اور سیاست پر اپنا حق سمجھتے تھے۔ عبدالرحمٰن الناصر نے جب امرا کے اس ناجائز اقتدار پر ضرب لگائی تو کس طرح عرب سرداروں نے یوم الخندق میں اپنی توہین کا بدلہ لیا اور اپنے حق کو حاصل کرنے کے لئے ہر ممکن طریقہ اختیار کیا۔ الحکم ثانی کے زمانے میں ان امرا نے جو کردار ادا کیا۔ وہ کسی بھی حکومت کے حق میں بہتر ثابت نہیں ہو سکتا۔ حاجب المنصور کے عروج کے دوران تو امراء کے اختلافات اور حکومت سے غداری کھل کر سامنے آگئی جس سے فائدہ اٹھا کر ہی حاجب المنصور مظفر و کامران ہوا تھا۔ عرب امرا کے اسی خود غرضانہ اور غدارانہ رویہ کو دیکھتے ہوئے عبدالرحمٰن الناصر نے صقالبہ کو اور حاجب المنصور نے بربروں کو اپنا قریب بخشا۔ اور اپنی طاقت کو ان سے تقویت پہنچائی۔ بربروں نے جو کچھ کیا۔ وہ بیان کیا جا چکا ہے۔ اب صقالبہ کا نمبر ہے جیسے ہی امرا اور ارکین کا اختلاف شدید ہوتا گیا۔ ان صقالبہ کا زور بڑھتا گیا۔ دور خلافت ہی سے انہوں نے متحدہ طور پر ایک جماعت تشکیل دے لی تھی اور انہوں نے محل سرا اور شاہی حفاظتی دستہ پر قبضہ کر لیا تھا جس کے نتیجہ میں امور ات حکومت میں بھی ان کا عمل دخل شروع ہو گیا۔ ہر نئے حکمران کو تخت پر بٹھانے میں ان کا بھی ہاتھ ہوتا تھا۔ عہدوں پر تقرریاں کرانے میں خوب رشوتیں اور تحفے تحائف لیا کرتے تھے بلکہ یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ کہ وہ درباری سازشوں میں برابر کے شریک تھے۔ زوال بنو امیہ میں ان کا جو کچھ ہاتھ تھا بیان ہو چکا ہے۔ دور طوائف الملوکی میں بھی انہوں نے کوئی کم حصہ نہ لیا۔ ان کو نہ اسلام سے محبت تھی اور نہ مسلم معاشرہ کی فکر۔ کیونکہ ان کو اس معاشرہ میں کوئی مقام نہ ملا تھا۔ اس لئے ان کی ہمدردی کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا

مسلمانوں کے دور میں بھی صقالبہ تھے۔ اور عیسائیوں کے پاس بھی صقالبہ ہی رہے ایسے طبقے جن کا معاشرہ میں کوئی مقام نہ ہو کسی ایک معاشرہ کے بھی وفادار بن کر نہیں رہ سکتے چنانچہ الناصر اور المنصور کی قوی حکومت کا خواب ایسے غیر معاشرتی عناصر سے شرمندہ تعبیر نہیں ہو سکتا تھا۔

ایک طرف تو ان صقالبہ اور حبشیوں کا متذکرہ بالا کردار تھا۔ دوسری طرف کیونکہ ان کو حکو کے انتظامی معاملات میں شریک نہ کیا جاتا تھا۔ اور صرف فوجی خدمت کے لئے مخصوص تھے اس لئے ان کو حکومت کے نظم و نسق کی بہتری سے کوئی علاقہ نہ تھا۔ ان کو صرف ایک ہی بات معلوم تھی کہ ان کی جانیں معاوضہ پر خرید لی گئی ہیں اور ان کا آقا ان کی جانوں کا مالک ہے۔ اس لئے ان کو قوم و ملک سے کوئی محبت نہ تھی۔ جو فریق بھی ان کو زیادہ معاوضہ دے سکتا تھا وہ اسی کے وفادار ہو جاتے تھے۔ الحکم ثانی کے زمانہ میں انہوں نے شمالی افریقہ کی بغاوتوں میں جو مظاہرہ کیا وہ اس کا کھلا ثبوت ہے۔ ایسا ہی حاجب المنصور کے ساتھ بھی ہوا جبکہ وہ شمالی اسپین کی لڑائیوں میں پھنسا ہوا تھا جس کی بنا پر وہ مجبور ہوا تھا کہ زیادہ سے زیادہ بربر اپنی فوج میں شامل کرے الحکم ثانی اور حاجب المنصور کے جانشین ان اوصاف کے حامل نہ تھے جو ان دونوں میں موجود تھے۔ اس لئے یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ سلطنت بنو امیہ کا زوال اسی وقت سے شروع ہوتا ہے جبکہ نابالغ ہشام المؤید کو حاجب المنصور نے کٹھ پتلی بنا دیا تھا حالانکہ حاجب المنصور نے اپنی فراست اور شجاعت سے حکومت بنو امیہ کو مضبوط اور وسیع کر دیا تھا لیکن اس نے وزارت عظمیٰ کا ایک علیحدہ وجود ہی قائم کر کے خلافت کے وقار اور طاقت کو ختم کر دیا تھا۔ اس کا یہ نتیجہ ہوا کہ امرا وزراء کے علاوہ عوام تک میں خلافت کا وقار و عظمت ختم ہو گئی۔ اور وزیر السلطنت تمام حکومت کے اموال کا مالک بن بیٹھا۔ ایک طرف حکومت کمزور ہوئی دوسری طرف معاشرہ بگڑتا گیا۔ دولت کی بہتات نے لوگوں کو آرام پسند، کاہل و سست اور بڑی حد تک عیاش بنا دیا تھا۔ مذہب ان کو ان باتوں سے روک سکتا تھا۔ سو وہ پہلے ہی طاق نسیاں کر دیا گیا تھا۔ حکومت اس قدر ہمت نہ رکھتی کہ اپنے قانون کا احترام کراتی نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمان اپنے آبائی اوصاف حمیدہ سے بے بہرہ ہو گئے۔ میدان جنگ سے زیادہ ان کو اپنی عیاشی کی محفلیں پسند آنے لگیں۔ تلوار کی جھنکار سے زیادہ ان کو چنگ و رباب کی نغمہ سرائی اچھی معلوم ہوئی۔ عیسائی عورتوں نے ان کے گھروں میں گھس کر ان کو مزید عیاش طبع بنا دیا۔ اور مسلم معاشرہ کو مسموم سے مسموم تر کر دیا۔ سلاطین کی نقالی میں عوام بگڑے تھے لیکن خود شاہزادگان

کا یہ حال ہو گیا تھا کہ اگر ان کو کسی جگہ گورنر یا سپہ سالار مقرر کر دیا جاتا تو خوف سے کانپنے لگتے تھے۔ خانہ جنگی میں ان کو آرام ملتا تھا کہ وہ اطمینان سے اپنے حرم سرا میں داد عیش دیتے رہتے تھے۔ دور زوال بنو امیہ کے شہزادے تو خیر زوال کی نذر ہو گئے لیکن ملوک الطوائف میں بھی اسی قسم کے رجحانات کی کوئی کم بہتات نہ تھی۔ ملوک الطوائف میں کوئی چھوٹا بڑا بادشاہ ایسا نہ تھا جو طاقت کا سرچشمہ بن سکتا۔ غرناطہ کا بادیس اور جیوس اشبیلیہ کا المعتضد اور اس کا بیٹا المعتمد طلیطلہ کا یحییٰ القادر اور آخر میں بنو نصر کا ابوالحسن علی اور اس کا لڑکا ابو عبداللہ محمد یہ سب کے سب جملہ اوصاف جہانبانی سے واقف ضرور تھے لیکن محل سرا کی کنیزوں اور شعر و شاعری اور رقص و سرود کی محفلوں نے ان کو دنیا و جہاں میں منہ دکھانے کا نہ چھوڑا تھا۔ سازشیں، غداریاں کینہ و حسد ان کے اوصاف بن گئے تھے۔ اور نظم و نسق وزیروں کے ہاتھوں میں تھا جو اپنی من مانی کرتے رہتے تھے۔ ظاہر ہے کہ انتظام حکومت کا استوار اور بہتر ہونا کس طرح ممکن تھا۔

الغرض یہ چنگ و رباب، رقص و موسیقی اور عورت و شراب کے رسیا ایسے دشمن کا کیا مقابلہ کرتے جس نے تلوار کو اپنا دوست، آلات حرب کو اپنا زیور اور گھوڑے کی پیٹھ کو اپنا بستر بنا رکھا تھا جن اوصاف حمیدہ کے ساتھ مسلمانوں کے آباؤ اجداد نے اسپین پر فتح و کامرانی کے جھنڈے گاڑے تھے انہی اوصاف کو اب عیسائیوں نے اپنا کر اسپین مسلمانوں سے خالی کر لیا۔ اور ثابت کر دکھایا کہ وہی قومیں ہمیشہ کامیاب سے ہمکنار ہوتی ہیں جو شمشیر و سنان کو اپنی زندگی کا جزو لاینفک بنا لیتی ہیں۔ السید (c i D) نے جس وقت بلنسیہ پر قبضہ کیا اور بلنسیہ کے مسلمانوں نے اس کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے۔ تو اس نے بآواز بلند یہ الفاظ کہے "اے اہل بلنسیہ! تم جس وقت بھی میرے پاس آنا چاہو اور مجھ سے کچھ کہنا چاہو کہہ سکتے ہو۔ میں اپنے آپ کو تمہارے حکمرانوں کی طرح عورت اور شراب میں گم نہ کروں گا بلکہ تمہاری وہ سب باتیں سنوں گا جو تمہارے حکمرانوں نے کبھی نہ سنی تھیں"[1] یہ تھا صحیح نقشہ مسلم حکمرانوں کا جنہوں نے اپنے تابوت میں خود کیلیں ٹھونکیں۔ انہی حکمرانوں سے نجات پانے کے لئے علماء و فقہاء اسلامی تہذیب کے غم خواروں نے یوسف بن تاشفین کو اسپین بلایا تھا۔

ملوک الطوائف کو ان سے پہلے بھی سلاطین و امراء قبیح عادا[illegible]

[1] The History of Spain Bertnand P.62

سے روکنے والا کوئی قانون نہ تھا۔ مذہبی قانون موجود ضرور تھا لیکن صرف عوام کے لئے ورنہ معطل حالت میں پڑا ہوا تھا۔ علماء اور فقہا کے اثرات جب تک عوام پر رہے اور عوام اپنے حکمرانوں کا احتساب کرنے کے قابل رہے اس وقت تک علماء قانون اسلامی سے نہیں بلکہ عوام سے ڈرتے رہے جیسا کہ ہمیں عبدالرحمٰن الناصر سے حاجب المنصور تک ملتا ہے لیکن فلسفہ کے عروج نے عوام کے رہے سہے مذہبی جذبات کو بھی ختم کر دیا جس کے بعد علماء و فقہا کی کوششیں بھی معاشرہ کو سدھارنے میں ناکام ہو گئیں۔ اور حکمرانوں کا احتساب ایک روایت فرسودہ بن کر رہ گیا۔ اگر ان حکمرانوں پر اور ان کے امراء پر کوئی دستوری اور سیاسی ادارہ احتساب کے لئے ہوتا تو یقیناً اتنی بدنظمی اور لاقانونیت نہ پھیل پاتی۔ یہ ادارہ صرف اسلامی معاشرتی کونسل ہی ہو سکتا تھا جو قانون الٰہی کی مدد سے احتساب کر سکتا تھا جس کا ثبوت ہمیں مرابطین کے دور اول میں ملتا ہے۔

مسلمانوں کے زوال میں مسلم حکومتوں کی وراثتی تخت نشینی کی پالیسی نے بڑا کردار ادا کیا جس نے ہر تخت حاصل کرنے والے کی حوصلہ افزائی کی جس کے نتیجہ میں سازشیں، ہنگامے، قتل و غارت گری ہوئی۔ عوام کا چین و سکون جاتا۔ حکومت کا وقار خطرے میں پڑ جاتا اور وہ فوجی قوت جو دشمن کے مقابلہ میں کام آتی آپس ہی میں ٹکرا کر ختم ہو جاتی تھی اور دشمن کو موقعہ ملتا تھا کہ وہ اپنے قدم آگے بڑھائے اور مستحکم کرے۔ خیر آن صقلبی نے بنو امیہ کے دور زوال میں ایک انتخابی ادارہ بنایا تھا جس کے ذریعہ آئندہ خلفاء کو منتخب کیا جانے والا تھا۔ اگر یہی ادارہ مضبوط اور مستحکم کر دیا جاتا۔ تو بلاشبہ مسلمانوں کو آپس کی خونریزی سے نجات مل جاتی۔ اور دشمن کو پاؤں پھیلانے کا موقعہ نہ ملتا۔

دور دراز کے علاقوں کے نظم و نسق کے لئے نہ تو بنو امیہ کے پاس اور نہ ہی ملوک الطوائف کے پاس کوئی ایسا طریقہ کار تھا کہ جس سے ان علاقوں پر ان کی گرفت مضبوط رہتی۔ اکثر ایسا ہوتا تھا کہ دور دراز کے علاقے کسی گورنر کو آزادانہ اور عموماً نسلی طور پر دیدیئے جاتے تھے۔ اور وہ ان کے انتظام کا مالک ہوتا تھا کہنے کو یہ مرکز کے ماتحت ہوتے تھے لیکن موقعہ بہ موقعہ مرکز سے علیحدہ بھی ہو جایا کرتے تھے۔ بجز چند سلاطین کوئی اس قابل نہ ہو سکا کہ تمام صوبوں کو مرکزی حکومت سے قریبی تعلق رکھنے پر مجبور کر سکے۔ کیونکہ نہ تو گورنروں کے اعمال و افعال پر کوئی پابندی عائد

جاتی تھی۔ اور نہ ہی صوبے ضلعوں، پرگنوں اور قصبوں میں منقسم کئے جاتے تھے۔ صرف چند صوبے ایسے تھے چھوٹے حصوں میں تقسیم تھے جیسے قرطبہ۔ اشبیلیہ المرسیہ وغیرہ۔ اس طرح تمام صوبہ کلی طور پر گورنر کی گیر ہو جاتا تھا۔ ایسی حالت میں جب تک حکمران فوجی حیثیت سے طاقتور رہتا اور اس کا نظام جاسوسی ں کو پل پل بھر سے آگاہ کرتا رہتا تھا اس وقت تک کوئی گورنر انحراف کی جرات نہ کرتا تھا لیکن جیسے حکمرانوں کی طاقت میں ضعف آیا۔ یہ گورنر آزاد ہو کر ملوک الطوائف بن گئے۔ بعض اوقات مرکزی مت کا دیہی علاقوں سے بے تعلق ہونا بھی عوام کے تخریبی رجحانات کو ابھار دیتا تھا بغور مطالعہ نے سے پتہ چلتا ہے کہ زوال بنو امیہ کے بعد کمزور حکمرانوں نے دور دراز کے علاقوں میں کبھی بھی امن و متی کے قیام کی طرف توجہ نہ دی حکومتیں آمدنی جمع کرنے کا کام تو کرتی رہیں لیکن علاقہ کی ضروریات ر تکالیف سے بے بہرہ رہیں۔ اکثر و بیشتر اندرون ملک کے عوام کو اپنے حکمرانوں تک کا پتہ نہ چلتا تھا ہ اپنے زمیندار۔ جاگیردار یا زیادہ سے زیادہ گورنر ہی کو اپنا حکمران سمجھتے تھے۔ چنانچہ عوام اور حکمران کے رمیان بے تعلقی کی خلیج بڑھتی گئی۔ اور ایک دن ایسا آیا کہ عوام کو اپنے حکمرانوں سے کوئی ہمدردی باقی نہ ہی۔ دور ملوک الطوائف میں ہمیں ایک بھی واقعہ ایسا نہیں ملتا ہے کہ کسی علاقے کے عوام نے اپنے ہر دلعزیز ان کی حمایت میں ہتھیار اٹھائے ہوں۔ حالانکہ معتمد کے متعلق کہا جاتا ہے کہ عوام اس سے بے انتہا - کرتے تھے۔ لیکن کسی عوامی مجاہد کو اس کی خاطر جان دیتے ہوئے نہیں دیکھا گیا۔ بنو نصر کے بادشاہوں کتنے ہر دلعزیز بادشاہوں کے نام لسان الدین ابن الخطیب نے اپنی تاریخ میں گنائے ہیں لیکن قتل یا ان کی شہادت پر کسی عوامی آواز کے اٹھنے کا پتہ نہیں چلتا۔ اس سے اس کا اندازہ تو ضرور تا ہے۔ کہ عوام حکمران کو پسند تو کرتے ہوں گے لیکن اس کی خاطر جانیں دینا انہوں نے نہیں سیکھا تھا۔

ساری حکومتیں خواہ وہ بنو امیہ کی ہوں یا ملوک الطوائف کی فوجی آمریت کے بل بوتے پر قائم .. اور حکومت کو متوازن رکھنے کے لئے بھی فوج ہی کو پیمانہ بتایا جاتا۔ کسی نے بھی (سوائے الناصر اور لمنصور) اس بات کی کوشش نہ کی کہ فوج کو حکومت و سیاست سے علیحدہ رکھ کر عوامی حکومت ئی جائے۔ جس سے عوام اور خاص طور پر اسپین کے آبائی باشندوں کے دلوں میں حکومت کی قدر و منزلت ور اس کے وفاداری کا رجحان بڑھے۔ لیکن جب ایسا نہ ہوا تو صرف ایک مخصوص طبقہ یا گروہ کے علاوہ مۃ الناس کو حکومت سے کوئی خاص دلچسپی نہ رہی جس سے باغیان حکومت کو دونوں طرف سے

ہمدردی و ہنوائی حاصل ہو جاتی اسپین کے آبائی باشندوں کو اول ہی سے حکومت اور حکومت کے وہ شعبہ دیئے جاتے تھے جن سے وہ واقف ہوتے تھے لیکن یہ امر عربوں اور بربروں کو شاق گذرتا تھا اور وہ اس فکر میں رہتے تھے کہ آبائی باشندوں سے ان کا یہ حق بھی جو دا نادانستہ ان کو مل گیا ہے چھین لیں چنانچہ اسپینی اور غیر اسپینی کا نزاع ہمیشہ زندہ رہا جس پر خونریزی اور غارت گری بھی ہوتی رہی۔ ابن حفصون۔ ابن حجاج۔ ابن مروان اور السید بغاوتیں اسی نوعیت کی تھیں۔ ان بغاوتوں اور ہنگاموں سے حکومتوں کی بنیادیں ہوتی رہیں۔ زوال بنو امیہ کے بعد ان اسپینیوں نے فائدہ اٹھانے میں ذرا بھی دیر نہ کی جس سے طرف تو مسلمانوں کے اتحاد کو نقصان شدید ہوا اور دوسری طرف شمال کے عیسائیوں کو کی صفوں سے جاسوس مہیا ہو گئے۔ الغرض نظام حکومت کی کمزوری اور خرابی کے با جن برائیوں نے سر ابھارا تھا ان کا تذکرہ کیا گیا جن کو دیکھتے ہوئے تاریخ اسلام کا ایا کلیہ ترتیب دیا جا سکتا ہے خواہ عام تاریخی کلیات اس کو تسلیم نہ کریں لیکن بہرحا یہ ایک حقیقت ہے۔

"تمام مسلم حکومتوں کو اپنی بقا کی خاطر ایک ایسا دستوری نظام ترتیب دینا چاہیئے جو نہ صرف سیاست کو بلکہ معاشرہ کو متوازن رکھ سکے۔ فوجی طاقت توازن کے طور پر استعمال نہ کی جائے بلکہ عوامی رائے کو آلہ توازن بنایا جائے عوام کے ہر طبقے۔ گروہ اور نسل کو امور حکومت میں رائے دینے کا حق حاصل ہونا چاہیئے۔ حکومت کی بقا کے لئے اور عوام کی خوشحالی کے لئے عوام کو زیادہ سے زیادہ فنی و حربی تعلیم دی جائے۔

اقتصادی اور معاشی ابتری

اس میں کوئی شک نہیں کہ بنو امیہ کے سلاطین کی ہمیشہ یہ کوشش رہی تھی کہ ان کو حکومت اور عوام دونوں معاشی ابتری سے دوچار نہ ہونے پائیں۔ اور وہ بڑی حد تک اس میں کامیاب بھی رہے۔ لیکن حاجب المنصور کے لڑکے عبدالملک المظفر کے مرنے کے بعد مسلسل بغاوتوں آپس کی خانہ جنگیوں اور امراء کے اسراف نے جانے حکومت اور

قتصادی اور مالی حالت اس قدر خراب کر دی کہ کسی فوجی نوعیت کے قلعے کی تعمیر اور درستگی تو علیحدہ
ز د فوجوں کو تنخواہ دینے کا مسئلہ اٹھ کھڑا ہوا چنانچہ حکومت کے اخراجات کو پورا کرنے کے لئے عوام سے
ہ سے زیادہ رقم حاصل کرنے کی خواہش روز بروز بڑھتی رہی۔ عوام میں اکثریت کسانوں یا ماجروں
کسانوں پر جب محصولات کا زیادہ دباؤ پڑا تو وہ اپنی زمینوں کو چھوڑ کر شہروں کی طرف آنے
جب شہروں میں ملازمتیں نہ مل سکیں تو قزاقی اور لوٹ مار کا راستہ اختیار کر لیا۔ ملوک الطوائف
نے ہی کسٹم کا محصول اور دیگر محصولات کی شرح اور تعداد بڑھتی گئی۔ ملوک الطوائف میں اکثریت
حکمرانوں کی تھی جن کو صرف زیادہ سے زیادہ دولت کے حصول کی تمنا تھی۔ اس کے لئے انہوں نے
م کو مقصداً و بے مقصد ہر طرح سے محصولات کے شکنجے میں جکڑ دیا۔ محصولات کی بہتات نے
ز یات زندگی کو بہت مہنگا کر دیا جس سے عوامی بے چینی میں اضافہ ہوتا گیا۔ عیسائیوں کی تاخت
راج نے زمینوں اور مکینوں کو اجاڑ دیا۔ ملوک الطوائف کو ایک تو عیسائی حکمرانوں کو سالانہ
ح ادا کرنے کے لئے اور دوسرے اپنے بے جا اسراف کے لئے زر کثیر کی ضرورت لاحق ہوئی خزانے تو خالی
تھے عوام کی کمریں توڑی جانے لگیں جیسا کہ یحییٰ القادر نے اور معتمد نے کیا۔ اس سے ایک طرف تو عوام
ل ہو گئے اور دوسری طرف ان میں بغاوت کے جراثیم جڑ پکڑنے لگے۔ یہاں تک کہ یہ باغی عوام عیسائیوں
کا آسانی سے آلہ کار بن گئے ملوک الطوائف میں بنو نصر ایسے تھے جنہوں نے عوام پر محصولات کا بار کم کر کے
زندگیوں کو پُر امن بنایا لیکن جب عیسائیوں کی ناجگذاری ہوئی تو پھر وہی حالات پیدا ہو گئے
ر وال غرناطہ پر ختم ہو گئے جس کے لئے ایک مورخ نے یہاں تک کہہ دیا کہ عوام اپنے نااہل اور ناکارہ حکمرانوں
ے رحم دل اور ہمدرد عیسائیوں کو اپنے اوپر مسلط کر کے خوش ہو رہے تھے۔ ظاہر ہے ان حالات میں
رتوں کا قائم رہنا کاشت کاری سے زیادہ مشکل تھا۔ راستوں کے غیر محفوظ ہونے کی وجہ سے خارجی
رت بند ہوئی اور اندرون ملک انتشار اور محصولات کی زیادتی نے اور بڑھتی ہوئی مہنگائی نے داخلی
رت کے دروازے بند کر دیئے چنانچہ ملوک الطوائف میں سوائے بنو نصر کے دور کے ایک مخصوص حصے
ہیں مربوط اور مستحکم تجارت کے آثار نہیں ملتے۔

افیائی اثرات سپین ایک بڑا ملک تھا جس میں کثرت سے پہاڑ، دریا اور
خبکلات تھے چنانچہ ضروری تھا کہ ذرائع نقل و حمل کا

جال پورے ملک میں پھیلا دیا جاتا تاکہ ساری مملکت کو سیاسی اور اقتصادی طور پر متحد رکھنے آسانی ہوتی۔ بہت سے حکمرانوں نے ذرائع نقل و حمل کو وسیع کرنے کی پالیسی اختیار بھی کی لیکن کی طرف سے ان کی ہمت افزائی نہ ہو سکی جس کے سبب وہ اپنی تدبیر میں ناکام رہے۔ چنانچہ جغرافیا حالات کی بنا پر جو سڑکیں اور پل بنائے بھی گئے وہ اس قدر طویل اور کجی والے تھے کہ نہ تو ان پر آ اور جلدی سے فوجیں ایک مقام سے دوسرے مقام تک پہونچ سکتی تھیں اور نہ ہی تجارتی قافلے گذر سکتے تھے جنگلات کی کثرت نے اسپین میں قزاقی کو ایک معزز پیشہ بنا دیا تھا جس سے راہ کی صعو میں مزید اضافہ ہو گیا دور طوائف الملوکی میں تو سفر کرنا تقریباً ممکن ہی نہ رہا تھا۔

اسپین کا قریب ترین اور خطرناک پڑوسی فرانس تھا مسلمانوں نے فرانس میں مستقل کوئی علاقہ اپنا نہ رکھا اس کے برخلاف فرانس نے اسپین میں اپنا ایک مستقل علاقہ قائم رکھا جس کو اس نے مستحکم اسپین پر بار بار حملے کئے اور باغیوں کو بھی امداد پہونچائی مسلم اسپین کو بچانے کے لئے مسلما کے لئے یہ ضروری تھا کہ فرانس کے اسپینی مقبوضات کو ختم کر کے فرانس میں اپنے مقبوضات قائم کرتے اور ان میں زبردست فوجی مراکز قائم کرتے جو ایک طرف تو فرانس کے حملوں سے مسلم اسپین کو بچانے اور دو طرف شمالی اسپین کی ریاستوں کی ہمت شکنی بھی کرتے۔ لیکن برخلاف اس کے انہوں نے صرف جنوب مشرقی اسپین میں ناربون کو اپنا فوجی مرکز بنایا اور وہ بھی صرف دور دراز ولایت میں لیکن اس فوجی مرکز کے استحکا کی یہ حالت تھی کہ جب کبھی فوجوں کی ضرورت پیش آتی۔ ہمیشہ قرطبہ کی طرف نظریں اٹھتیں۔ ظاہر ہے کہ قر سے فوجی امداد کا جلد سے جلد پہونچنا ممکن نہ تھا ایک طرف تو ذرائع نقل و حمل کی کمی۔ طویل فاصلہ اور زبردست پہاڑ کوہ البرانس کی رکاوٹیں تھیں دوسری طرف سال کے چھ ماہ میں یہ پہاڑ برف سے ڈھکا رہتا تھا جس کی وجہ سے تمام راستے مسدود ہو جاتے تھے۔ دراصل یہ مسلمانوں کی اس غلط تدبیر کا نتیجہ تھا جس سے انہوں نے قرطبہ کو اپنا دارالحکومت بنایا تھا جس وقت قرطبہ کا انتخاب ہوا تھا تو اس وقت یہ بات پیش نظر تھی کہ شمالی افریقہ سے قریب تر رکھا جائے تاکہ امداد کے وقت ضرورت پہونچنا آسان ہو جائے لیکن جب مستقلاً ایک حکومت کو قائم رکھنا تھا تو اس کے لئے دارالحکو ایسی جگہ ہونی چاہئے تھا کہ ملک کے گوشے گوشے میں اس سے آسانی کے ساتھ جلد پہونچا جا سکے۔ اس کے لئے اگر طلیطلہ یا مدینہ سالم کا انتخاب کیا جاتا تو یقیناً مسلمانوں اور حکومت دونوں کو کثیر

فائدے حاصل ہوتے اور شمال کے عیسائی جنوب کی طرف نہ بڑھنے پاتے۔ بالآخر قرطبہ کا یہ انتخاب خود مسلمانوں کو مہنگا پڑا۔ اور بعد میں ہم نے دیکھا کہ کس طرح طلیطلہ کے عیسائیوں کے قبضہ میں جاتے ہی عیسائیوں نے آسانی سے جنوب کے علاقوں پر تصرف حاصل کرنا شروع کر دیا۔

آٹھویں صدی عیسوی میں آب وہوا اور سیاسی واقتصادی حالات کی بنا پر دریائے ڈوریہ کی وادی ریگستان بن گئی اور یہ ریگستان جنوب کے مسلمان اور شمال کے عیسائیوں کے درمیان حدِ فاصل بن گیا۔ دسویں صدی عیسوی میں مسلمانوں نے یہاں بہت سے سرحدی قلعے بنا دیئے تھے۔ جو اا ویں صدی عیسوی میں عیسائیوں کے قبضہ میں چلے گئے۔ اور پھر طلیطلہ کے زوال کے بعد تو پورا جنوبی مسلم اسپین عیسائیوں کے زیر اثر میں آگیا۔ برٹرانڈ نے صحیح لکھا ہے کہ "زوال طلیطلہ کے بعد عیسائیوں نے مسلمانوں کو اس طرح استعمال کرنا شروع کر دیا جس طرح کہ مسلمانوں نے کبھی عیسائیوں کو استعمال کیا تھا"۔ ⚠

عرب اور بربر گرم ملکوں کے رہنے والے تھے۔ اور جس حالت میں اسپین آئے تھے وہ خانہ بدوشی سے مختلف نہ تھی۔ جہاں کہیں بدویانہ زندگی کے حامل عربوں نے حضری طریقۂ زندگی اختیار کیا ان کی آبائی خصوصیات ان سے جاتی رہیں۔ بربروں نے کیونکہ اپنے تعلقات ہمیشہ اپنے آبائی وطن شمالی افریقہ سے قائم رکھے تھے اس لئے وہ تو پلٹ کر جہاں سے آئے تھے وہاں چلے گئے۔ عربوں نے مشرق سے اپنے آپ کو علیحدہ کر لیا تھا اور حضری خصوصیات کی بنا پر دولت اور جاہ وحشمت کی طلب میں باہم دیگر ہو گئے۔ اس لئے ان کے دوبارہ واپس ہونے کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا۔ ایک تو وہ امیر کبیر۔ جاگیردار اور صاحب مال و دولت بن چکے تھے جس کی محبت ان کے پیروں کی زنجیر تھی۔ دوسری طرف عیاشی فضولیات کی دلدادگی۔ رقص موسیقی کا شوق۔ دین و مذہب سے بیگانگی۔ کاہل الوجودی اور شمشیر و سنان سے بیزاری ان کی فطرت ثانیہ بن چکی تھی۔ مزید برآں اسپین کی بحر روم کی آب وہوا نے ان کو آرام طلب اور بزدل بنا دیا تھا عیسائی اسکے برخلاف زیادہ تر پہاڑی باشندے تھے۔ جو قدرتی طور پر جفاکش اور محنتی ہوتے تھے۔ اور ان کو اپنی روزی فراہم کرنے کے لئے سخت جد وجہد کرنا ہوتی تھی۔ ظاہر ہے کہ جب ان میں اتحاد ہو گیا تو پھر مسلمان ان کا مقابلہ کیا کرتے؟ چنانچہ اکثر ملوک الطوائف عیسائیوں کی دوستی کے متلاشی رہتے تھے۔ اور بڑے بڑے خراج ادا کر کے اپنی حفاظت کا سامان مہیا کرتے تھے۔ عیسائیوں کی جد وجہد کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ باوجود مرابطین۔ موحدین اور بنو مرین کے ہاتھوں بری طرح پامال ہونے کے انہوں نے اپنی

⚠ The History of Spain P.148

منتشر قوت کو جلا ہی بحال کر لیا۔ علامہ مقری اور ابن خلکان دونوں نے اس بات کو قبول کیا ہے کہ اسپین کی آب و ہوا نے مسلمانوں کو سست۔ کاہل۔ عیاش اور بزدل بنا دیا تھا اور وہ مذہب سے بیگانہ ہو کر شعر و شاعری رقص و سرود اور تعلیم فلسفہ میں اپنا وقت گذارنا بہت پسند کرتے تھے۔ وہ عیسائی عورتوں کو اپنا حرم بنانا فخر سمجھتے جوان کی بزدلی اور کاہلی میں اضافہ کر دیتی تھیں ایسی حالت میں چست و چالاک تیز و طرار عیسائیوں سے مقابلہ کرنا ان کے بس کی بات نہ تھی جس کی وجہ سے مسلمانوں کو خارجی امداد حاصل کرنا پڑی۔ جو خود مسلمانوں کے لئے نقصان دہ ثابت ہوئی۔

بہ اعتبار جغرافیہ اسپین سیاسی نوعیت سے بھی دو حصوں میں منقسم ہو گیا تھا۔ شمال کا پہاڑی علاقہ عیسائیوں کا مسکن تھا اور جنوب کا میدانی اور دریائی علاقہ مسلمانوں کے پاس تھا جس طرح شمالی عیسائی ریاستوں نے مسلمانوں کو اپنے یہاں نہ رہنے دیا تھا۔ اسی طرح جنوب کے مسلمانوں کو چاہئے تھا کہ وہ اپنے علاقے کو عیسائیوں سے پاک کر لیتے جنوب کے عیسائیوں کا مسلمانوں کی تباہی میں بڑا ہاتھ تھا۔ وہ اپنے تعلقات شمال کے عیسائیوں سے ہمیشہ قائم رکھتے تھے مسلمانوں کی رواداری اور تبلیغ اسلام کی منظم کوششوں کے نہ ہونے کی وجہ سے عیسائیوں نے خوب فائدہ اٹھایا۔ کیونکہ عیسائی گرجا دوبارہ اپنا اقتدار بحال کرنا چاہتا تھا جس کا ثبوت عبدالرحمٰن دوم کے زمانہ کی جنونی تحریک اور بعد کی بغاوتوں میں ملتا ہے۔ وہ ان نو مسلموں کو بھی بھڑکاتے رہتے تھے۔ جو کسی نہ کسی وجہ سے اسلام سے آئے تھے۔ اکثر بغاوتوں کا اگر غور سے مطالعہ کیا جائے تو سرچشمہ طلیطلہ یا ارغون کا علاقہ تھا جہاں عیسائی کثرت سے آباد تھے لیکن پھر بھی جب تک قرطبہ پر طاقت ور حکمراں حکمرانی کرتے رہے عیسائیوں کی امیدیں پوری نہ ہو سکیں۔ لیکن جیسے ہی ملوک الطوائف کا دور دورہ ہوا تو ان عیسائیوں نے شمال کے عیسائیوں کو مسلم شہروں کی راہ دکھائی۔ الغرض مسلمانوں کی طرف سے یہ ایک فاش سیاسی غلطی تھی کہ شمال کی عیسائی ریاستوں کی موجودگی میں اپنے ملک کے عیسائیوں کو کھلی چھوٹ دی۔ یہ غلطی آج تک مسلم حکومتوں میں بڑے فخر کے ساتھ دہرائی جا رہی ہے جو بالآخر تباہی کا پیش خیمہ ہے۔

لیکن ان سب اسباب تباہی کے باوجود بھی اصلی سبب مسلمانوں میں اتحاد کا فقدان ہی ثابت ہوا۔ ان کی آپس کی قبائلی نسلی۔ شہری اور طبقہ واری تقسیم نے نہ صرف ان کو کمزور اور بزدل بنا دیا بلکہ ان کے دشمنوں کو تقویت پہونچائی۔ ان کا معاشرہ کشمکش اور انتشار کی نذر ہو گیا۔ اسلام کے

نام پر حاصل کیا جانے والا ملک غیر اسلامی روایات کی بھینٹ چڑھ گیا۔ اس نااتفاقی کی سزا انکو اس صورت میں ملی کہ حکومت اور بالادستی ان کے ہاتھوں سے جاتی رہی لیکن پھر بھی وہ اس ملک میں آباد رہے اور شہری حقوق بھی ان کو حاصل رہے۔ کیا تھا اگر حکومت پر عیسائیوں کا قبضہ تھا، حکومت یا حکمران بدلنے کے معنی یہ تو کبھی نہیں ہوتے۔ کہ برسہا برس سے آباد شہریوں کو صرف مذہب کی تفریق کی بنا پر جلاوطن کر دیا جائے۔ لیکن عیسائی حکمران اور کلیسا دونوں اس بات کو خوب سمجھتے تھے کہ مسلمانوں کے ساتھ رواداری اور انصاف ان پر کیا مصیبت لا سکتا ہے۔ چنانچہ انہوں نے اپنی بقا اسی میں سمجھی کہ مسلمانوں سے کسی نہ کسی طور پر چھٹکارا حاصل کیا جائے۔ کہنے کو یہ کہا جاتا ہے کہ مسلمانوں نے عیسائیت قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا اس لئے مسلمانوں کو ملک بدر کر دیا گیا۔ لیکن حقیقت میں صلیبی جنگوں کے بعد جو تجربات عیسائی قوموں کو حاصل ہوتے تھے۔ ان سے ان کو یہی سبق حاصل کرنا تھا کہ سرزمین یورپ پر ایک بھی مسلمان باقی نہ رکھا جائے۔

اسپین میں مسلمانوں کی تباہی تمام دنیا کے مسلمانوں کے لئے ایک جیتا جاگتا سبق تھی جس کا حاصل اگر بنظر غائر دیکھا جائے تو یہی نکل سکتا ہے کہ صرف اسلام وہ زندہ جاوید طاقت ہے جو مسلمانوں کو آپس میں متحد رکھ سکتی ہے۔ جہاں تک مذہب کی تاریخ کے مطالعہ کا تعلق ہے تو یہ بات صاف طور پر سامنے آجاتی ہے کہ جن افراد۔ ممالک یا اقوام نے مذہب کو ذریعہ اتحاد بنایا وہ اس وقت تک زوال پذیر نہ ہوئیں۔ جب تک کہ مذہب ان کے درمیان سے نہ ہٹایا گیا۔ تاریخ اسلام کا یہ کلیہ آج کی موجودہ مسلم حکومتوں کے لئے باعث تقلید ہے۔ اگر اس کی تقلید نہ کی گئی تو کوئی شبہ نہیں کہ اسپین کے عبرتناک واقعات دوبارہ سہ بارہ اور ہزاروں بار دہرائے جاتے رہیں گے۔

گیارہواں باب

علمی اور ثقافتی ورثہ

علمی اور ثقافتی شغف

اسپین کے مسلمانوں کو علم و ثقافت سے جس قدر شغف [illegible] کی مثال کثرت سے ملتی ہے۔ حالانکہ عرب و بربر بدوی خصوصیات کے حامل تھے لیکن جلد ہی انہوں نے حضریت [illegible] طریق اختیار کر لیے اور وہ کارہائے نمایاں انجام دیے جو یورپ کی تاریخ میں مشعل راہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ [illegible] عمل کے نقش قدم پر چلتی ہے۔ اسپین کے مسلم سلاطین نے تہذیب و ثقافت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا اسی لئے [illegible] ان کے طور طریق اپنائے ان حکمرانوں نے ایک طرف قبائلی عصبیت کے جال کو توڑا اور [illegible] مذہبی عصبیت سے اپنے آپ کو آزاد کر لیا۔ بنو امیہ کے حکمرانوں کے دماغوں میں عالم اسلام سے [illegible] راسخ ہو چکا تھا۔ اور انہوں نے یہ طے کر لیا تھا کہ وہ اپنی تاریخ تمام [illegible] سے جدا ہی بنا کر رہیں گے۔ چنانچہ ایک طرف تو انہوں نے سیاست اور حکومت کو بھی [illegible] سے آزاد کر کے ایک نئے طرز حکومت کی بنیاد ڈالی جو اس وقت عالم اسلام میں ناپید تھی۔ تو دوسری طرف تہذیب و ثقافت میں وہ منوشگافیاں کیں جو بنو عباس کے یہاں بھی نہیں ملتی تھیں کیونکہ علمی و ادبی [illegible] عالم اسلام اس وقت عروج پر تھا۔ [illegible] عباسی تہذیب و ثقافت کے سرچشمہ بنے ہوئے تھے۔ اس لئے اسپین کے حکمرانوں کے دلوں میں بھی قدرتی طور پر ان کے مدمقابل آنے یا ان سے آگے بڑھ جانے کا خیال پیدا ہونا ضروری تھا۔

پھر یہ کہ بنو امیہ کے حکمران بذات خود بھی تہذیب و ثقافت سے آراستہ تھے اس لئے وہ ثقافت اور تہذیب کے ارتقاء میں بڑی جد و جہد کرتے تھے۔ عبدالرحمن الداخل زبردست عالم، علم دوست، نجومی، اور بلند پایہ شاعر تھا۔ ہشام اول اور حکم اول اپنے دور کے زبردست عالم اور نقاد تھے۔ اور بڑے بڑے علماء ان کے آگے سر نہ اٹھاتے تھے۔ عبدالرحمن الاوسط علوم فقہ و فلسفہ کی قابلیت اور علم کی قدر دانی کی وجہ سے بغداد کے خلیفہ المامون عباسی کے مماثل سمجھا جاتا تھا۔ الحکم ثانی کی فضیلت اور اکتساب علمی اپنے زمانہ کی ایک نادر مثال تھی۔ انکی علم دوستی اور علم پروری کی مثالیں ان کے ذکر میں آچکی ہیں۔ عبدالرحمن الناصر اور حاجب المنصور کی علم دوستی اور علم پروری قومی یکجہتی کی علمبردار تھی اور ان کے ذوق علمی نے اکتساب علم کے ذرائع کو طبقہ واریت سے بے نیاز کر دیا تھا۔ امیر عبداللہ کی علمی قابلیت کا شاہکار وہ مرثیہ ہے جو اس نے اپنے خاندان کے مصائب پر لکھا تھا۔ یہاں تک کہ بنو امیہ کے دور انحطاط کے سلیمان المستعین نے اپنے علم کی بدولت وہ داستان غم لکھی تھی جس سے اس کا خوف لوگوں کے دلوں پر بیٹھ گیا تھا۔ الغرض بنو امیہ کے حکمرانوں نے علم اور ثقافت میں نہ صرف یہ کہ اپنے ذوق و شوق کی پرورش کی۔ بلکہ صحیح معنوں میں عوام الناس کو ثقافت تہذیب سے روشناس کرا کر ان کے جذبۂ علمی و ادبی کو بھی بیدار کیا جس کے باعث سپین کو یورپ کی تہذیب میں شمع و سرچشمہ کی حیثیت دی گئی۔

اصولی طور پر ہونا تو یہ چاہئے تھا۔ کہ بنو امیہ کے زوال اور طوائف الملوکی کے عروج کے ساتھ ساتھ بنو امیہ کے علمی و ادبی سرمایہ کا بھی خاتمہ ہو جاتا۔ لیکن ایسا نہ ہوا۔ چھوٹی چھوٹی سلطنتوں کے عوام نے گو خانہ جنگی اور جنگ و جدل سے کبھی نجات نہ پائی۔ لیکن پھر بھی تہذیبی و ثقافتی اقدار کو ہاتھ سے نہ جانے دیا۔ اور اس میدان میں مسلمانوں کو جو شہرت حاصل ہو چکی تھی اس کو ہر قیمت پر برقرار رکھا۔ عوام پر منحصر نہ تھا ملوک الطوائف میں سے تقریباً ہر ایک نے علماء کی قدر دانی اور علوم و سائنس کی ترویج و اشاعت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ انہوں نے اساتذہ کو علمی تجربات کے لئے ہر قسم کی سہولتیں بہم پہنچائیں۔ چنانچہ سیاسی اعزازات، تمغے ہیں اور وظائف دور دراز سے علماء کو ملتے تھے۔ ان تمام معاملات میں بلاشک و شبہ ملوک الطوائف نے اپنے اسلاف کی روایات کو قائم رکھا۔ المقتدر شاہ سرقسطہ اپنے علم و فضل کی وجہ سے بہت مشہور تھا۔ اور علوم فلسفہ ہندسہ اور ہیئت میں اس کا شمار اس دور کے نامور علماء میں ہوتا تھا۔ المظفر شاہ بطلیوس ایک انسائیکلوپیڈیا

کا مصنف تھا۔ المریہ، بلنسیہ اور اشبیلہ کے حکمران بھی اپنے علم و فضل اور علم کی قدردانی میں کچھ کم درجہ نہ رکھتے تھے خصوصاً المعتمد اپنے اشعار کی خوبی اور لطافت کی وجہ سے بہت مشہور تھا۔ موحدین گو مذہبی جنون کی پیداوار تھے۔ اور شرع اسلامی کے خلاف کچھ بھی گوارا نہ کرتے تھے۔ تاہم بادشاہ عبدالمومن نے ابن طفیل، ابن زہر اور ابن رشد جیسے فلاسفہ کی سرپرستی کی تھی غرناطہ کے خاندان نبو نصر کی علوم و فنون کی قابلیت اور وہاں کے عوام اور امراء کا علم (نمبر ۱۲ ویں اور ۱۳ ویں صدی عیسوی کی تاریخ کا ایک دلکش باب ہے۔ الغرض ملوک الطوائف نے بھی مسلم تہذیب و ثقافت یا مسلم اسپین تہذیب کی پرورش میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ اگر یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ ان چھوٹی چھوٹی ریاستوں نے مسلم اسپین تہذیب و ثقافت کی اس قدر آبیاری کی کہ وہ ایک شجر عظیم بن کر پورے یورپ پر چھا گئی۔ جہاں انہوں نے مسلمانوں سیاسی وقار و عظمت کو ختم کیا وہاں مسلم تہذیب کو یورپ کی نشاۃ الثانیہ کا مبدا بنا دیا عظمت رفتہ کے ان تہذیبی و ثقافتی کارناموں کی تفصیل کے لئے ان کو مختلف شعبوں میں تقسیم کر دیا گیا ہے۔ تاکہ جائزہ لینے میں آسانی ہو۔

① شعبۂ علم و ادب

اس شعبہ میں مندرجہ ذیل علوم کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ (۱) علم فقہ و اسلامیات (۲) علم اللسان (۳) شعر و ادب (۴) علم تاریخ و جغرافیہ (۵) علوم فلسفہ۔

۱۔ فقہ و اسلامیات

عام طور پر فقہ و اسلامیات کی ترقی و ترویج میں امراء خلفاء اور سلاطین نے کوئی خاص حصہ نہیں لیا۔ لیکن چونکہ وہ سب کے سب علم پروری کے ذوق سے آشنا تھے۔ اور علماء کی قدردانی کو باعث عز و شرف سمجھتے تھے اس لئے عالم اسلام کے علماء کا اجتماع اسپین میں ہو گیا تھا۔

حکومت کی طرف سے ان علماء اور ان کے مدارس متعلقہ کے لئے بڑے بڑے اوقاف مقرر کر دیئے گئے تھے۔ اس لئے علماء و فقہاء کو اطمینان و سکون کے ساتھ اپنے جوہر علمی دکھانے کا موقعہ ملا۔ بہت سے

علماء و فقہاء نے اپنے آپ کو مدارس سے متعلق کرکے درس و تدریس کا سلسلہ جاری کیا۔ ایک بڑی تعداد نے تصنیف و تالیف کو اختیار کیا جو حکومت اور عوام دونوں مذہب اسلام سے تعلق رکھنے کی بنا پر مذہبی تصانیف کی قدر و منزلت بھی کرتے تھے۔ مذہب کے متعلق تصنیف و تالیف کا کام انفرادی نوعیت کا ہوتا تھا اس بات کا کوئی بین ثبوت نہیں ملتا کہ بجز ہشام اول کے کسی اور امیر و خلیفہ نے اس قسم کی تصانیف کے لئے کوئی قائم کیا ہو۔ اور حکومت نے ان کی سرپرستی اور حوصلہ افزائی کی ہو۔ بلکہ حکم اول کے زمانہ میں قرطبہ کی بغاوت کے بعد سے امراء و خلفاء اپنے آپ کو علماء و فقہاء سے دور ہی رکھتے تھے۔ اور بڑی حد تک ان کے اثرات کو زائل کرنے میں لگے رہتے تھے لیکن پھر بھی انفرادی طور پر اس قدر کام ہوا کہ اگر زمانہ کی دست برد سے محفوظ رہ جاتا تو یقیناً عالم اسلام کا سب سے بڑا سرمایہ ہوتا۔ متعلقات قرآن میں بہترین تفسیر ابو مکی بن ابو طالب قرطبی کی کتاب الہدایہ الی بلوغ النہایہ تقریباً دس جلدوں میں تھی۔ ابن غالب نے اپنی کتاب فرحت الانفس میں اسی عالم کی تصانیف کی تعداد ۴۰ بتائی ہے محمد بن عطیہ غرناطی کی ایک تفسیر قرآن مجید بہت مشہور تھی۔ یہ چھٹی صدی ہجری کے فضلاء میں سے تھے۔ فن قرأت میں ابو مکی کی ایک کتاب تبصرہ مشہور تھی۔ ابو محمد عبدالحق اشبیلی نے مشہور زمانہ کتاب الاحکام تصنیف کی۔ جس میں احکامات صغریٰ و کبریٰ سب جمع کئے گئے تھے۔ اسپین میں مالکی فقہ نے شروع ہی سے عروج حاصل کرلیا تھا اسی لئے مذاہب اربعہ میں سب سے زیادہ اسی فقہ پر تصانیف ہوئیں۔ اسی فقہ پر معتمد علیہ کتاب التہذیب مصنفہ براذعی سرقسطی کی تھی۔ ابوالولید بن رشد کی کتاب النہایہ بھی مالکیوں میں مستند اور ثقہ سمجھی جاتی تھی۔ اسی مصنف نے اصول فقہ میں مختصر المستصفی نامی کتاب بھی تحریر کی۔ اصول دین اور اصول فقہ میں اسپینیوں کے امام ابوبکر بن العربی اشبیلی نے کتاب العواصم والقواصم تحریر کی۔ عیسیٰ بن دینار نے ایک کتاب ہدایہ لکھی جو اپنے موضوع پر بہترین اور جامع کتاب تھی جو مالکی مذہب پر مستند سمجھی جاتی ہے۔ مالکی مذہب پر جو کتابیں تحریر ہوئیں ان میں مشہور زمانہ کتاب مالک بن علی کی ہے۔ کیونکہ انہوں نے امام مالک رضؓ سے استفادہ کیا تھا ابو اسحٰق ابراہیم مزنی نے موطا کی شرح اور اس کی تفصیل میں دیگر کتابیں بھی لکھی تھیں۔ ابو عبدالرحمٰن بقی بن مخلد نے قرآن مجید کی ایسی تفسیر لکھی جو کسی بھی صورت میں تفسیر طبری اور ابن کثیر سے کم درجہ نہیں رکھتی تھی ان کی ثقاہت اور تقویٰ کا یہ ثبوت ہے کہ وہ ۳۸۴ علماء کے شاگرد تھے۔ اور ان کے اساتذہ ضعیف راویوں

میں سے نہ تھے۔ ابن امیۃ الجیانی نے کتاب احکام القرآن تحریر کی جو شافعی اور مالکی مذہب کے متعلق تھی۔ قاضی منذر بن سعید نے احکام القرآن پر ایک کتاب لکھی۔ کیونکہ قاضی منذر داؤدی مذہب رکھتے تھے اس لئے اس کی بڑی حمایت کرتے تھے علم حدیث میں بھی بڑا کام ہوا اور ابو محمد قاسم بن اصبغ اور محمد بن عبدالملک نے اس میں قابل قدر اضافہ کیا۔ قاسم بن اصبغ کی اور بھی تالیفات ہیں جن میں ایک کتاب احکام القرآن بخاری کی ترتیب ابواب کے مطابق ہے۔ بلحاظ جمع حدیث شریف نفیس اور مستند کتاب جو قاسم نے تحریر کی وہ کتاب المجتبیٰ علی ابواب کتاب ابن ابی جارود المنتقی ہے۔ جو بہترین تسلیم کی گئی تھی۔ ابو عمر ابو یوسف بن عبدالبر کی کتاب التمہید فقہ و حدیث پر معتبر سمجھی جاتی تھی۔ اسی مصنف کی ایک کتاب کافی ہے جو فقہ مالکی پر مشتمل تھی اور پندرہ کتابوں کا خلاصہ سمجھی جاتی تھی۔ قاضی محمد بن یحییٰ بن مفرج نے بہت سی کتابیں تحریر کیں جن میں حسن بصریؒ کی فقہ اور امام زہری کی فقہ کو جمع کیا گیا تھا۔ ابو عبداللہ نے فقہ پر ایک کتاب واضحہ لکھی جس کی فضیلت پر تمام مالکی متفق ہیں۔ متذکرہ بالا تصانیف کے علاوہ بھی اس قدر کام قرآن و حدیث و احکامات اسلامیہ پر ہوا۔ کہ جس کی مثال نو عباسی کے دور میں بھی نہیں ملتی لیکن ایک تو یہ تصانیف مشرق میں عام نہ ہو سکیں صرف اسپین میں ہی رہیں جس کی وجہ سے وقت کے ہاتھوں برباد ہو گئیں ان سے بہت کم ایسی تھیں جو شمالی افریقہ میں پہنچ کر محفوظ رہیں۔ دور ملوک الطوائف میں اس سلسلہ میں گو عوامی کوششیں جاری رہیں لیکن کیونکہ اس دور میں علوم عقلیہ اور فلسفہ کی طرف رجحان بڑھ چکا تھا اس لئے کسی اعلیٰ معیار کی مذہبی تصنیف کا پتہ نہیں چلتا۔ لیکن پھر بھی ابن الخطیب نے بہت سے علماء و فقہاء کا تذکرہ کیا ہے جنہوں نے انفرادی طور پر شعبہ میں کافی تصانیف کیں جن میں خود ابن الخطیب اور ابن حزم بھی شامل ہیں۔

فن قرأت بھی اندلس میں کافی ترقی پر تھا۔ دانیہ کا حاکم مجاہد جو نو عامر کا مولیٰ تھا اس علم کا زبردست عالم اور مربی تھا۔ کیونکہ حاجب المنصور نے اس کو بہت ذوق و شوق سے اس علم کی تعلیم دلوائی تھی۔ چنانچہ اس کے زمانہ میں اس علاقہ میں قرأت کا بڑا زور ہو گیا تھا۔ ابو عمرو الدانی اس کے دور کا بہترین ماہر قرأت اور یکتائے روزگار تھا۔ اور اس نے اس علم پر کئی کتابیں تحریر کیں۔ اس کے بعد ابو القاسم شاطبی نے اس فن میں عروج حاصل کیا۔ اور ابو عمرو کی کتابوں کا نظم میں خلاصہ کیا۔ اسی فن کے ساتھ ہی فن رسم الخط بھی شامل کر لیا گیا تھا جس میں قرآن پاک کے حروف کے رسم الخط سے بحث کی جاتی تھی۔

ابو عمرو الدانی نے اس فن پر بھی قلم اٹھایا اور مصنع نامی ایک کتاب لکھی جس کو قبولیت عامہ حاصل ہوئی۔ ابو القاسم شاطبی نے اس کتاب کے مطالب کو ایک قصیدے کی شکل میں نظم کیا۔ ابو داؤد سلیمان بن نجاح جو ابو عمرو کاشاگرد اور مجاہد کے غلاموں میں سے تھا۔ اس نے بھی اس فن پر کئی کتابیں لکھیں۔

لسانیات

فن لغت میں اسماعیل بن القاسم کی کتاب الف مقصورہ وممدودہ ونہمزہ میں بے مثال تھی۔ ابن القوطیہ نے کتاب الافعال لکھی۔ ابو تمام بن غالب نے فن لغت میں مختصر اور مستند ترین کتاب تحریر کی۔ احمد بن آبان بن سعید نے فن لغت میں کتاب العالم فی لغت تحریر کی جو ایک سو جلدوں میں تھی جس میں تمام اجناس کو لیا گیا تھا۔ اور آسمان سے شروع اور ذرہ پر ختم کیا گیا تھا۔ ابو علی اسماعیل بن القاسم نے مثل فرہنگ کے کتاب النوادر تحریر کی تھی۔ ابو العباس کی کتاب الکامل میں نحو اور دیگر علوم کی اس قدر خوبیاں تھیں جس قدر کہ ابو علی کی امالی میں لغت شعر کا اس میں بڑا ذخیرہ تھا۔ فن نحو میں کسائی کی کتاب کی شرح خوفی نے کی۔ اس فن میں ابن سید کی کتاب عالم والمتعلم اور اخفش کی کتاب کی شرح بھی قابل ذکر ہے۔

ابو عبد اللہ الشقوری نے فن ادب میں ایک کتاب سراج الادب لکھی جو ابو علی کی کتاب النوادر اور زہر الادب حصری کے رنگ میں لکھی گئی تھی۔ کتاب واجب الادب موسیٰ بن محمد بن سعید کی تحریر تھی۔ اور کتاب الامالی عبید البکری کی جو کتاب الامالی علی بغدادی کے رنگ میں لکھی گئی تھی۔ اور ادب میں نہایت مستند سمجھی جاتی تھی۔ شرح سقط الزند اعلیٰ پایہ کی کتاب تھی اور ادیبوں کے نزدیک معتبر سمجھی جاتی تھی ابو العجاج نے متنبی اور حماسہ کی شرح لکھی۔ الغرض اہل اسپین نے علم نحو پر اس قدر شرحیں لکھیں کہ جن کا تذکرہ بذات خود ایک کتاب ہو جائے گا۔ ان میں سے چند مشہور شرحیں حسب ذیل ہیں شرح رندی۔ ابو الحسن اشبیلی کی شرح۔ ابو علی الشلوبینی کی کتاب القوطیہ علی الجزولیہ۔ ابن سیدہ۔ ابن الطراوہ اور سہیلی کی تقیدات فی النحو سیبویہ کی مشہور کتاب پر ابو الحسن بن خروف کی مشہور شرح: "علم لغت میں بھی اہل اسپین کسی سے پیچھے نہ رہے۔ ابو بکر زبیدی نے ہشام المؤید کے لئے الفراہیدی کی مشہور لغت کا خلاصہ کیا جو آسانی کے ساتھ یاد کیا جا سکتا تھا۔ ابن سیدہ نے علی بن مجاہد کے دور حکومت میں کتاب المحکم لکھی جس کو قبولیت عامہ حاصل ہوئی۔"[1]

"اہل مغرب علم بیان میں سے علم بدیع میں خصوصی دخل رکھتے ہیں اور اس کو علوم

---

[1] مقدمہ ابن خلدون "علم لغت"

شعر و ادب میں شمار کرتے ہیں وجہ اس کی یہی معلوم ہوتی ہے کہ مغاربہ محاسن کلام سے خصوصی ربط و تعلق رکھتے ہیں تو لامحالہ اس علم کو خاص طور پر نوازا جاتا ہے اور کچھ اس لئے کہ علم بدیع سہل الحصول علم ہے بخلاف بلاغت و بیان کے کہ وہ گہری نظر و فکر اور گہرا مطالعہ چاہتے ہیں اس لئے مغاربہ ان علوم سے کنارہ کش رہے۔"[1]

ابن خلدون کے نزدیک علم الادب کے ذریعہ انسان عربی نظم و نثر پر پوری قادر الکلامی حاصل کرتا ہے متقدمین ادبا نے ادب کی تعریف اس طرح کی ہے کہ ادب نام ہے۔ اشعار و اخبار عرب یاد کر لینے اور ہر علم سے ضروری معلومات بہم پہونچانے کا البتہ متاخرین اصطلاحات صنائع و بدائع سے سند یاد کرنے کو بھی ادب کی تعریف میں داخل کرتے ہیں ابن خلدون کا کہنا ہے کہ ... نے اپنے اساتذہ سے مجالس علمیہ میں ادب کی بلند پایہ چار کتب کی تعریف سنی ہے جن کا شمار ارکان و اصول ادب میں ہے ... فقیہہ کی ادب الکاتب دوسری مبرد کی الکامل تیسری جاحظ کی کتاب البیان اور چوتھی ابو علی القالی بغ... کی کتاب النوادر۔ ان میں مبرد اور ابو علی القالی اسپین میں گذرے ہیں۔ "جہاں تک علم الادب اور اس کی دیگر شاخوں کا تعلق ہے۔ اہل اسپین کسی بھی طرح بغداد سے پیچھے نہ رہے۔ اس میں پہلا نام ابو علی القالی بغدادی کا آتا ہے جس نے کتاب الامالی تحریر کی وہ جامعہ قرطبہ میں درس و تدریس پر متعین تھا۔ اس کے شاگردوں میں مشہور محمد بن الحسن زبیدی کا نام ماہرین ادب و لسانیات میں سرفہرست ہے جس نے اپنے زمانہ تک کے ادیبوں کی فہرست اور عربی زبان کی پوری کیفیت بیان کی ہے"[2] علامہ جلال الدین سیوطی نے اپنی مشہور کتاب مظہر میں اس کی کتاب کے کثیر حوالے دیئے ہیں اس جگہ پر یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ یہ اسپین ہی تھا جہاں عبرانی صرف و نحو کی پرورش ہوئی۔ اور عربی طرز نحو پر عبرانی قواعد کو ترتیب دیا گیا ابو زکریا یحیی بن داؤد قرطبی عبرانی قواعد کے علم کا باوا آدم کہلاتا ہے جو ۱۱ ویں صدی عیسوی کے شروع میں فوت ہوا۔

ادب کا مشہور و نامور مصنف ابن عبد ربہ قرطبی تھا جو عبد الرحمن الناصر کے دور میں گذرا ہے۔ اس نے اپنی کتاب العقد الفرید عربی کی ادبی تاریخ پر تحریر کی جو الاغانی کے بعد بے مثل سمجھی جاتی ہے۔ اس کے بعد اسپین کا سب سے زیادہ مشہور مصنف اور مفکر ابن حزم تھا جو اسلام کے گنے چنے مصنفوں کی فہرست میں آتا ہے۔ یہ عبد الرحمن المستظہر اور ہشام المعتدد کا درباری اور وزیر تھا۔

---

[1] مقدمہ ابن خلدون "علم بیان"

[2] The History of the Arabs Hitti Pp.557—58

ابن خلکان[1] اور القفطی[2] نے لکھا ہے کہ ابن حزم نے شاعری، فقہ، حدیث، تاریخ، منطق اور ادب پر چار سو سے زیادہ کتابیں لکھی تھیں۔ اس کی مشہور ترین کتاب الفصل فی الملل والاہواء والنحل ہے جس نے اس کو متبادل مذاہب کی تاریخ میں بام عروج تک پہونچا دیا تھا۔

شعر و ادب اسپین کے پورے مسلم دور میں ایک شاعر کے جوہر کی بے انتہا قدر کی جاتی تھی۔ یہ قول صحیح معلوم ہوتا ہے کہ "شاعری مسلمانان اسپین کا ایک ایسا مرکز تھا جس کے گرد ان کی حیات عقلی و ذہنی چکر لگاتی رہتی تھی"۔ رجز و ہجو کی بڑی قدر تھی۔ الحکم ثانی کے کتب خانہ کی فہرست کتب میں صرف نظم کی کتابوں کی فہرست کئی جلدوں میں تھی۔ اہل اسپین خطیر و حقیر دونوں کاموں میں شعر کو ذریعہ [illegible] تھے۔ عالی خاندان ہونے کا یہ ثبوت تھا کہ اس کی معمولی خط و کتابت کی عبارت بھی مسجع و مقفیٰ [illegible] اسپین کی عربی تاریخیں نظموں سے لبریز ہیں۔ سائنس اور نظریاتی مضامین کی کتابوں کو آسان اور دلچسپ بنانے کے لئے نظموں کو ذریعہ بنایا جاتا تھا۔ اہل سیاست اپنی سیاسی تحریرات میں کسی چھوٹی بڑی نظم کو جو برمحل ہوتی تھی ضرور شامل کرتے تھے۔ محمد خامس شاہ غرناطہ نے علامہ ابن خلدون کو پروانہ راہداری نظم میں لکھ کر دیا تھا۔ گو عشقیہ شاعری کا زبردست رجحان تھا لیکن فرقہ اناث کی عظمت کے تصور نے تہذیب و اخلاق کو ہاتھ سے نہ جانے دیا تھا اور مبالغہ آمیزی اور بے ہودہ گوئی مفقود تھی خلافت کے آخری دور میں عورتوں کے کمال اور جمال کی تعریفیں ادب کے ساتھ کی جانے لگی تھیں۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ عورتیں بھی اس میں مردوں سے پیچھے نہ تھیں۔ خلفاء اور ان کے درباریوں کی عورتیں ترقی علم و ادب میں ایک دوسرے سے بڑھ جانے کی کوشش میں لگی رہتی تھیں۔ شہزادہ احمد کی لڑکی عائشہ کو جہاں نظم میں کمال حاصل تھا وہاں وہ فصیح و بلیغ خطیبہ بھی تھی۔ اور ایک بڑے کتب خانہ کی مالک تھی۔ خاندان مواحدین کی شہزادی ولیدہ جو جامع حسن و کمالات تھی شاعری اور بلاغت میں اپنا ثانی نہ رکھتی تھی۔ اور بڑے سے بڑا شاعر اور خطیب اس کے سامنے نہ ٹھہرتا تھا۔ اشبیلہ کی دو خواتین غضنیہ اور صفنیہ شاعری اور خطابت میں اپنی مثال آپ تھیں۔ مریم بنت یعقوب کی ادبی قابلیت پورے جزیرے نما میں مقبول تھی۔ اس کی لطیف ہجویات اور استہزائی انداز اپنا جواب نہ رکھتا تھا۔ قرطبہ کی رہنے والی لبانہ علم ہندسہ کی بڑی ماہر تھی اس کو تمام فنون ادبیہ پر پورا پورا عبور حاصل تھا اسی لئے خلیفہ الحکم ثانی نے اس کو اپنا خاص سکریٹری مقرر کیا تھا۔ الغرض موروثی ملکہ شاعری اچھی تعلیم کی طرف رجحان علمی

---

[1] جلد ۲ ص ۲۲ [2] ص ۲۳۳

مجالس شعر کے کمال کی قدر افزائی عربی زبان کے ردیف و قافیہ کے ردوبدل کی غیر معمولی قابلیت مبالغہ و کنایہ کے استعمال کی قومی خصوصیت یہ تمام باتیں ایسی تھیں جنہوں نے مل کر ایسے پُر گو شعراء پیدا کر دیئے تھے۔ کہ ان کی تعداد کا اعتبار لوگوں کو نہ آئے گا یہاں تک کہ اندلسی بچوں کے کہے ہوئے اشعار۔ طرز ادا۔ بلندیٔ خیالات اور خوبی و لطافت میں زمانہ قدیم کے شعراء سے کم نہ ہوتے تھے۔

فصیح و بلیغ مضامین کی قلم برداشتہ تحریر کا ذوق و شوق صرف علماء اور مشاہیر تک ہی محدود نہ تھا عوام الناس بھی اس کی مشق کرتے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ صرف شلب (SALVES.) کے صوبہ کا یہ حال تھا کہ مشکل سے کوئی مرد ایسا ملتا تھا جو فی البدیہہ شعر نہ کہہ سکتا ہو۔ شاہی محلات اور امراء کے مکانات شاعروں سے بھرے رہتے تھے۔ ان شاعروں کا پسندیدہ مذاق سخن بلاغت عشقیہ نظمیں ہوتی تھیں۔ مگر رجز، ساقی نامے اور مرثیہ کے میدان بھی ان کی جولانگاہ تھے۔ ہزارہا اسپین کے شعراء میں فیصلہ کرنا بہت مشکل ہے کہ ان میں کس کو اولیت و افضلیت حاصل ہے۔ مگر مندرجہ ذیل چند ایسے استاد کہے جا سکتے ہیں کہ جن کا کلام پورے ملک میں قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے اور جو اپنے مرتبہ کے لحاظ سے بھی یگانہ روزگار تھے ابن حسن، ابن زیدون قرطبی اور عباس بن احنف غزل کی شیرینی و لطافت میں مشہور رہتے۔ ابن خفاشہ باشندہ بلنسیہ سخن رجز کا اس قدر ماہر تھا کہ ہاری ہوئی بازی کو فتح میں بدلوا دیتا تھا۔ ابن سعید اشبیلی کے زندہ اشعار اسپین کے ہر بڑے شہر میں آزاد منش لوگوں میں بڑے مقبول تھے یہاں تک کہ لڑکے ان کو گلیوں میں گاتے پھرتے تھے۔ ابن عمار شلبی کی ہجو میں نہ سلطان کو چھوڑتی تھیں اور نہ ارکین سلطنت کو۔ ابوالبقاء رندی اور ابن الخطیب نے نہایت پر درد الفاظ میں بڑے بڑے خا[illegible] کی تباہی جلاوطنی اور غلامی پر نظم میں خون رویا ہے۔ علامہ مقری نے شقندی کے حوالے سے لکھا ہے کہ بلاغت نثر میں فتح بن عبید اللہ لاتانی تھا۔ یہ وہ شخص تھا کہ جب کسی کی تعریف کرنے پر آتا تو اسے آسمان پر چڑھا دیتا اور برائی کرنے پر آتا تو تحت الثریٰ سے نیچے پہونچا دیتا تھا جس پر اس کی کتاب القلائد شاہد ہے۔ ابوالحسن سہل بن ملک کے خطبات کا کوئی جواب نہ تھا۔ فن شعر میں معتمد بن عباد جیسا کوئی نہ تھا لیکن اس کا لڑکا راضی اس سے بھی آگے نکل گیا تھا۔ مظفر ابن الافطس شاہ بطلیوس تھا جس نے ادب میں ایک کتاب سو جلدوں میں تحریر کی۔ ابن عمار کی کوئی مثال نہ تھی جس کا قصیدہ زبان زد عوام تھا۔ شعراء متاخرین میں محمد بن سقر نے اپنی محبوبہ کے آنے کا جو سماں باندھا ہے اس کی کوئی مثال نہیں ملتی۔

یہ فخر کہ ہسپانیہ کے شعراء ہی کو حاصل رہا ہے۔ کلاہوں نے نئی نئی وہ تشبیہات پیدا کیں جو ان سے پہلے کے شعرا نے استعمال نہ کی تھیں ابوالحسن بن سلام وہ شاعر تھا جو شراب و وصل محبوب کا نقشہ آنکھوں کے سامنے پیش کر دیتا تھا۔ علاوہ ان کے ابوالقاسم بن الفرس۔ ابوالعباس بن حیون اشبیلی۔ ابن مجیر۔ ابوجعفر الذہبی طلیطلی ابوالقاسم محمد بن ہانی البیری۔ ابوالوہب العباسی قرطبی جیسے شعراء مردوں میں اور ولادہ المروانیہ، زینب بنت زیاد وادی آشیہ جیسی شاعرات عورتوں میں اسلامی دنیا میں بے بدل تھے۔[1]

مسلمان تو مسلمان آپین کے یہود و نصاریٰ بھی عربی شاعری پر عبور رکھتے تھے ان میں بہت سے مشہور و معروف بھی ہوئے۔ ابن المرغی نصرانی اشبیلہ کا مشہور شاعر تھا۔ اور اس پایہ کا شاعر تھا کہ بیشتر عربی کتب میں اس کی نظمیں پائی جاتی ہیں۔ ابراہیم بن سہل اسرائیلی بھی اشبیلہ کا مشہور شاعر تھا۔ جس نے مشہور اساتذہ عرب سے علم حاصل کیا تھا۔ اسی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں نہایت فصیح و بلیغ قصیدہ لکھا تھا ابراہیم بن الفخار یہودی طلیطلہ کے عیسائی بادشاہ الفانسو کے پاس رہتا تھا۔ علم منطق اور شعر و ادب میں کامل تھا ایک یہودیہ بھی مشہور شاعرہ تھی جس کا نام قسمونہ بنت اسماعیل تھا وہ ایک اچھی عالمہ اور فی البدیہہ اشعار میں کمال رکھتی تھی۔ علامہ مقری نے نبہ امیہ کے ان شہزادوں کی فہرست مع حالات لکھی ہے جو شعر و ادب میں کمال رکھتے تھے اور جنہوں نے اپنے پیچھے اچھے آثار چھوڑے تھے۔[2] مقری ہی کے حوالے سے بتایا جا چکا ہے کہ مردوں کے ساتھ ساتھ عورتوں نے بھی شعر و ادب میں کافی مرتبہ حاصل کیا تھا جن میں ام سعد بنت عصام الحمیری التمیمہ بنت ابوالحسن ام العلا بنت یوسف الجباریہ امۃ العزیز حفصہ بنت الحاج الرکونیہ اور ان سب میں زیادہ شہرت پانے والی ولادہ بنت المستکفی محمد ہے جو اپنے زمانہ کی قابل ترین ہستیوں میں شمار کی جاتی تھی۔ اسی سے متعلق ابن زیدون نے بہت سے اشعار و قطعات لکھے ہیں اسی شاعرہ کے سبب سے ابن عبدوس نے اپنا وہ مشہور رسالہ لکھا تھا جس کی علماء مشرق نے بہت سی شرحیں لکھی تھیں۔ اس رسالہ میں ایسی ایسی تلمیحات و اشارے ہیں کہ جو فقید المثال ہیں۔

ہم عصر مؤرخین کا کہنا ہے کہ ولادہ کی مجلس قرطبہ اور دیگر شہروں کے اہل علم و شعراء کا ملجا و ماویٰ تھی۔ اہل ادب کی آنکھیں اس کے ادبی شاہکاروں سے چوندھیا جاتی تھیں۔ شعراء و کتاب اس کی علاوہ اشعار کے قائل تھے۔ ان ہی مشہور عورتوں میں معتمد شاہ اشبیلہ کی ملکہ اعتماد الرمیکیہ بھی گذری ہے جس کے برمحل فقرات ادب کی جان سمجھے جاتے تھے۔

---

[1] نفح الطیب اردو ترجمہ ص ۴۲۳ [2] ایضاً ۴۷۶ تا ۴۹۰

شاہان بنو امیہ نے شعر و ادب میں روایتی کردار ادا کیا۔ اور خود بھی اس میں کامل دستگاہ بہم پہونچائی چنانچہ ان میں ایک بھی ایسا نہ تھا جو علم و ادب اور شعر و شاعری سے ناآشنا ہو۔ ملوک الطوائف میں اشبیلیہ کے معتمد بن عباد نے اس صنف سخن میں کافی شہرت پائی لیکن تقریباً سب ہی ملوک الطوائف کے دربار اہل علم و شعر سے بھرے ہوئے تھے جو اپنے فن کا مظاہرہ بڑھ چڑھ کر کیا کرتے تھے۔ ملوک الطوائف کا یہ عام دستور رہا کہ اہل علم اور شعراء کو میدان جنگ تک میں اپنے ساتھ رکھتے تھے لیکن ان سب میں غرناطہ کے دربار کو سب پر اولیت حاصل ہے جو نہ صرف اہل اسپین کی آخری پناہ گاہ تھا بلکہ اہل ادب و شعر کی آخری پناہ گاہ بھی ثابت ہوا۔

ابن عبد ربہ، ابن حزم اور ابن الخطیب سے ہٹ کر دیکھا جائے تو بلاشبہ اسپین نے ایسے ہزاروں شاعروں اور ادیبوں کو جنم دیا جن کی تحریرات معیاری سمجھی جاتی تھیں۔ ان میں ایک ابوالولید احمد ابن زیدون بھی تھا جس کا شمار اسپین کے مشہور شعراء میں ہوتا تھا۔ ابن خلکان[1] کے بقول ابن زیدون قریش کی ایک شاخ بنو مخزوم سے تعلق رکھتا تھا۔ وہ قرطبہ کے ابن جہور کا ملازم تھا لیکن جلد ہی خلیفہ المستکفی کی لڑکی ولادہ کے عشق کے سبب گرفتار کر کے ملک بدر کر دیا گیا۔ اس کے بعد المعتمد بن عباد نے اس کو اپنا وزیر اور سپہ سالار بنا کر ذوالوزارتین کا خطاب دیا۔ معتمد کے زمانہ میں ابن عمار سے اس کی دشمنی ہو گئی یہاں تک کہ ابن عمار قتل ہوا۔ ابن زیدون ایک اچھا شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ خطوط نویسی میں بھی منفرد رہا۔ ابن زیدون کی شاعری میں جہاں ولادہ کے حسن کی تعریف میں اشعار ہیں وہاں قصر الزہرہ کی تعریف میں بھی نظمیں پائی جاتی ہیں۔ اسپین کی عربی شاعری میں وہ اس حیثیت سے منفرد سمجھا جاتا ہے کہ قدرتی مناظر کی عکاسی میں اسے ید طولیٰ حاصل تھا۔ ۱۲ ویں صدی عیسوی میں بلنسیہ کا ابو اسحاق ابن خفاجہ مشہور عالم اور شاعر گذرا ہے۔ جو کسی بھی دربار سے کبھی وابستہ نہ رہا۔ اور عوامی شاعر کی حیثیت سے کافی شہرت حاصل کی۔[2]

ابن خلدون نے اپنے مقدمہ میں لکھا ہے کہ "البتہ اہل اسپین ملکۂ لسانی سے قریب تر ہیں کیونکہ انہوں نے اس راہ میں بڑی کاوشیں کی ہیں اور ان کے حافظے نظم و نثر کے ہر نوع کلام سے بھر پور رہیں۔ چنانچہ مورخ ابن حیان نے جو عربی ادب میں کامل تھا۔ اپنی قابلیت سے

---

[1] جلد ۱ ص ۷۷-۷۵ [2] ابن خلکان ج ۱ ص ۲۳

ابن عبد ربہ کے نام کا جھنڈا بلند کیا۔ ایسے ہی ابن عبد ربہ قسطلی تھے جنہوں نے شعراء ملوک الطوائف میں اپنی شہرت کا ڈنکا بجوایا تھا یہ وہ وقت تھا کہ اندلس میں علم و ادب کا سمندر ہر طرف موجزن تھا۔ اور دو سو سال تک برابر دور رہا پھر نصرانیوں کے غلبہ سے بھگدڑ مچی۔ اور لوگوں کی توجہ علم کی طرف سے ہٹ گئی اور مہارت علمی انتہائی پستی تک پہنچ گئی۔ آخر میں صالح بن شریف اور مالک ابن مرحل ادبائے اشبیلیہ کے شاگردوں پر اندلس کی علمیت و عربیت نے دم توڑ دیا۔ اس کے ایک عرصہ بعد پھر زمانہ کا رنگ پلٹا اور اندلس میں علم و ادب کا ستارہ چمکنے لگا اس میں ابن بشرین۔ ابن جابر اور ابراہیم الساحلی جیسے لوگ پیدا ہوئے۔ اس کے بعد ابن الخطیب کا زمانہ آیا جو عربیت میں ید طولیٰ رکھتا تھا اور اس کے شاگردوں نے اس کے رنگ کو زندہ جاوید کر دیا۔

زجل اور موشح نظمیں

"جب آپین میں شعر گوئی کا چرچا ہوا اور شعر کے اصناف سخن کی اصلاح و درستی ہوئی اور ان میں بڑی بڑی موشگافیاں ہوئیں تو متاخرین نے موشح کے نام سے ایک نوع نظم ایجاد کی۔ اس نظم میں شعر کئی ٹکڑے ہوتے ہیں اور ہر ٹکڑے کا قافیہ شعر کے مقابل ٹکڑے سے ملتا ہے اور وہ بھی تمام نظم میں نہیں بلکہ دو چار اشعار تک کئی ٹکڑے مل کر ایک شعر بنتا ہے۔ ایک مصرعے کے تمام ٹکڑے برابر اور ایک وزن کے نہیں ہوتے ہیں بلکہ مختلف ہوتے ہیں اور جیسے ایک مصرعہ میں آجاتے ہیں باقی میں وہی وزن رہتا ہے۔ ہر مصرعہ میں عموماً چار ٹکڑے ہوتے ہیں اور چھ چھ مصرعہ کا قافیہ تینوں سے الگ ہوتا ہے۔ اس نوع نظم کا موجد آپین میں مقدم بن معافر العزیزی تھا جو امیر عبداللہ بن محمد اموی کا درباری شاعر تھا۔ اس طرز کا سب سے نامور شاعر عبادہ فراز گذرا ہے جو المعتصم شاہ المریہ کا خصوصی شاعر تھا۔"[1]

ہٹی کے بقول ۱۱ ویں صدی عیسوی کے اوائل میں موشح اور زجل طرز نظم نے اندلس میں ترقی کی دونوں اقسام کو انفرادی اور اجتماعی موسیقی کے لئے استعمال کیا جاتا تھا۔ کیونکہ موسیقی کا عام چرچا تھا اس لئے شاعر کی کو بھی موسیقی کے لئے اختیار کر لیا گیا۔ گلی گلی گانے والا قرطبہ کا مشہور گویا ابو بکر قزمان زجل کو استعمال کرنے والا پہلا شخص تھا۔ دوسرے اسلوب نظم یعنی موشح کے متعلق یہ کہنا درست ہوگا کہ آپین ہی کی ایجاد ہے جہاں سے وہ شمالی افریقہ اور مشرق میں پہنچی موشح

[1] مقدمہ ابن خلدون اردو ترجمہ ص ۵۹۸-۵۹۷

لکھنے والوں میں مشہور نابینا شاعر ابوالعباس التطیلی تھا جو تطیلہ کا باشندہ تھا اس نے ۵۲۰ھ/۱۱۲۶ء میں انتقال کیا اور یوسف بن تاشفین کے لڑکے علی کی مدح میں بہت سی موشح تحریر کیں۔ ابراہیم بن سہل یہودی تھا۔ لیکن بہت سے لوگ اس کو مسلمان سمجھتے تھے محمد بن یوسف ابوحیان تھا جو غرناطہ کا رہنے والا ایک بربر تھا۔ اور بہت سی زبانوں کا ماہر تھا۔ اس نے موشح نظموں کے علاوہ فارسی، ترکی، قبطی، حبشی زبانوں کی ایک لغت بھی تحریر کی تھی۔[1]

تاریخ و جغرافیہ

اسپین کے مورخین میں پہلا اور مشہور مورخ ابوبکر بن عمر گذرا ہے جو عام طور پر ابن القوطیہ کے نام سے پکارا جاتا ہے وہ قرطبہ میں پیدا ہوا تھا۔ وہیں پر پڑھا بڑھا اور وہیں پر ۳۶۷ھ/۹۷۷ء میں انتقال کیا اس کی مشہور و معروف تاریخ افتتاح الاندلس ہے جو فتح اسپین سے لیکر عبدالرحمن الناصر کے زمانہ تک تحریر کی گئی ہے۔ دوسرا دور اول کا مشہور مورخ ابومروان حیان ابن خلف قرطبی ہے جو ابن حیان کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس نے پچاس سے زیادہ کتابیں تحریر کی تھیں جس میں ایک کتاب المتین تھی ۶۰ ساٹھ جلدوں میں تھی بدقسمتی سے اس کی صرف ایک تاریخ باقی رہی جس کا نام المقتبس فی تاریخ رجال الاندلس ہے سب سے زیادہ قیمتی اور کارآمد کتاب ۶۲۱ھ/۱۲۲۴ء میں عبدالواحد مراکشی نے لکھی جس کا نام المعجب فی تلخیص اخبار المغرب ہے۔ یہ موحدین کے دور پر مستند ترین کتاب کہی گئی ہے۔

اس کے علاوہ اہل اسپین سوانح لکھنے میں کسی سے پیچھے نہ تھے سب سے مشہور سوانح نگار عبیداللہ محمد بن الفرضی تھا جو ۳۵۱ھ/۹۶۲ء میں قرطبہ میں پیدا ہوا تھا اس نے اپنی تعلیم کے دوران مکہ، مدینہ قیروان اور قاہرہ کا بھی سفر کیا تھا اور ۴۰۳ھ/۱۰۱۳ء میں بربروں کے ہاتھوں قرطبہ برباد کیا۔ اس کی صرف ایک تاریخ کا پتہ چلتا ہے جس کا نام تاریخ علماء الاندلس تھا۔ دوسرا مشہور شخص ابن بشکوال ہے جس کا نام ابوالقاسم بن خلف بن عبدالملک تھا۔ اس نے بھی سوانح کے طرز پر ایک تاریخ لکھی جو ۵۳۹ھ/۱۱۴۴ء میں مکمل ہوئی اور جس کا نام الصلہ فی تاریخ ائمۃ الاندلس تھا۔ اس کی پچاس سے زائد تصنیفات میں صرف یہ کتاب ہی باقی بچی تھی۔[2] ابن بشکوال ۴۹۴ھ/۱۱۰۰ء میں قرطبہ میں پیدا ہوا تھا اور وہیں پر ۵۷۹ھ/۱۱۸۳ء میں فوت ہوا اس کی اس کتاب کے آگے ابن الابار نے بڑھایا اور اس کا نام "التکملہ فی کتاب الصلہ" رکھا اس کے ساتھ ساتھ ابن الابار نے بہت سی سوانح عمریاں بھی جمع کیں اور اپنی اس کتاب کا نام "الحلۃ السیرۃ" رکھا۔[3] مشہور مورخ ابن جعفر احمد بن یحییٰ الذہبی نے اسپین کے علماء و فضلاء کی ایک فہرست

---

[1] مقری ج ۱ ص ۸۲۳۔ مزید تفصیل کے لئے مقدمہ ابن خلدون کا مطالعہ کرنا چاہیئے۔ [2] ابن خلکان ج ۱ ص ۳۰۵
[3] ایضاً ص ۷۷

یا لغت تیار کی جس کا نام "بغیۃ الملتمس فی رجال الاندلس" تھا۔

فن تاریخ سے متعلق ہم تک ایک کتاب ابو القاسم صاعد بن احمد طلیطلی کی تحریر کردہ پہونچی ہے جس کا نام جامع اخبار الامم ہے جسکو بعد میں ابن الاصبیغ القفطی اور ابن العبری نے اپنی کتابوں کا ماخذ بنایا۔ صاعد بنی ذوالنون کے زمانہ میں طلیطلہ کا قاضی تھا اور نہ صرف تاریخ بلکہ ہندسہ اور ہیئت میں بھی ماہر سمجھا جاتا تھا۔ آپین کی تاریخ میں دو نام ادبی اور تاریخی حیثیت سے اسقدر بلند مقام رکھتے ہیں کہ انکا ثانی مشکل سے ملے گا ایک تو لسان الدین ابن الخطیب اور دوسرا عبدالرحمن ابن خلدون دونوں ہی غرناطہ کے خاندان بنو نصر کے پروردہ تھے۔ ابن الخطیب ایک قدیم عرب قبیلہ سے تعلق رکھتا تھا جو شام سے آکر آباد ہوا تھا غرناطہ کے خاندان بنو نصر کے بادشاہ محمد خامس کے زمانہ میں عروج پر پہونچا اور ذوالوزارتین کا خطاب پایا۔ ۷۷۱ھ/۱۳۶۹ء میں درباری سازشوں سے گھبرا کر فاس (مراکش) کی طرف بھاگ گیا اور وہیں پر اس کو کسی نامعلوم شخص نے قتل کر دیا۔ ابن الخطیب مسلم آپین کا آخری مدبر، شاعر، ادیب اور مورخ تھا۔ اس نے ساٹھ سے زیادہ تصانیف چھوڑی تھیں جن میں چند اب تک باقی ہیں۔ اس کی مشہور تاریخ الاحاطہ فی اخبار غرناطہ ہے۔

عبدالرحمن ابن خلدون دوسری مشہور شخصیت ہے جو عرب قبیلہ کندہ سے تعلق رکھتا تھا۔ تیونس میں پیدا ہوا تھا اس کے قبیلے کا جد اعلیٰ یمن سے آپین آیا تھا اور اشبیلیہ میں قیام کیا تھا۔ ۱۳ ویں صدی عیسوی تک یہ خاندان اشبیلیہ ہی میں رہا۔ اور بڑے کارہائے نمایاں انجام دیئے۔ ابن خلدون شروع ہی سے دربار مراکش سے منسلک رہا۔ پھر ۷۶۱ھ/۱۳۶۰ء میں غرناطہ کے سلطان محمد ششم کے پاس بھیجا گیا جو اس پر بہت مہربان تھا۔ یہاں پر ابن الخطیب سے رقابت پیدا ہوئی اور دو سال بعد ہی وہ پھر مغرب اقصیٰ واپس آگیا۔ کچھ عرصہ مختلف ملازمتیں کرنے کے بعد وہ اپنے آبائی گاؤں قلعۃ ابن سلامہ واپس آکر ۷۷۸ھ/۱۳۷۶ء تک تصنیف و تالیف میں مشغول رہا۔ ۷۸۴ھ/۱۳۸۲ء میں سفر حج کے لئے روانہ ہوا۔ لیکن قاہرہ میں مملوک سلطان الظاہر برقوق نے اس کو روک لیا۔ اور قاہرہ کا قاضی بنا دیا۔ ۷۸۹ھ/۱۳۸۷ء میں برقوق کے جانشین الناصر کے ساتھ تیمور لنگ کے خلاف مہم میں شریک ہوا۔ جہاں تیمور کے ہاتھوں گرفتار ہوا لیکن تیمور نے اس کی بڑی عزت اور احترام کیا۔ ابن خلدون کے اس سیاسی کردار اور طویل سفر نے اس کی تحریروں میں بڑی جان پیدا کر دی۔ اس کا سب سے بڑا کارنامہ اس کی مشہور و معروف کتاب ہے جس کا نام کتاب العبر و دیوان المبتدا والخبر فی ایام العرب والعجم والبربر ہے۔

اس کتاب کا مقدمہ دراصل ابن خلدون کی قابلیت اور اس کی عظمت کی دلیل ہے جس سے یہ بات پایۂ ثبوت تک پہنچتی ہے۔ کہ ابن خلدون عالم اسلام کا وہ نامور اور بے مثل مفکر ہے۔ جس کو ہمیشہ صف اوّل میں جگہ ملتی رہے گی۔[1]

فن تاریخ میں احمد بن محمد بن موسیٰ الرازی کی تاریخ ملوک اندلس ہے انہی کی ایک کتاب قرطبہ کے حالات پر ہے۔ محمد بن حرث الخشبی کی کتاب قرطبہ اور تمام بلاد اندلس کے قاضیوں اور فقہاء کے حالات پر تھی۔ الرازی کی کتاب مشاہیر اہل اندلس کے انساب میں ۵ جلدوں میں تھی۔ قاسم بن اصبغ کی کتاب فن انساب میں بہت عمدہ تھی اور انہوں نے فضائل نبوامیہ پر بھی ایک ضخیم کتاب لکھی تھی خلیفہ الحکم ثانی نے بھی بہت سی کتابیں لکھی تھیں جن میں شعراء اندلس کے تذکرے بھی تھے۔ تاریخ کی کتابوں میں ابو مروان بن حیان کی ایک ضخیم کتاب اہل اندلس کے حالات پر ہے جو دس جلدوں میں ہے اس کتاب سے زیادہ جلیل القدر کوئی کتاب نہیں تھی حسین بن عاصم نے ایک کتاب ماثر العامریہ کے نام سے سیرت ابن ابی عامر پر لکھی تھی۔ احمد بن فرج نے اندلس میں خروج کرنے والوں کے حالات میں ایک کتاب تحریر کی تھی۔

فن تاریخ میں ابن حیان کی بڑی تاریخ کتاب المتین کی قریباً ساٹھ جلدیں تھیں۔ ابن حزم نے صرف کتاب المقتبس کا تذکرہ کیا ہے جو دس جلدوں میں تھی۔ شاہ بطلیوس مظفر افطسی نے کتاب مظفری لکھی جو حجم میں کتاب المتین کے برابر تھی۔ اور اس میں سنن کی تاریخ اور فنون آداب جمع کئے گئے تھے ابن الصیرفی غرناطی نے ایک کتاب دولت ملثونیہ لکھی تھی۔ ابوالحسن سالمی نے کتاب اخبار فتنۂ ثانیہ لکھی۔ اور اس کے ابواب کو سال وار تقسیم کیا تھا۔ ابن لشکوال کی تاریخ کا تذکرہ ہو چکا ہے۔ علامہ مقری نے ابن غالب کے حوالے سے لکھا ہے کہ ابو جعفر بن عبدالحق قرطبی نے ایک ضخیم کتاب لکھی ہے جس کو انہوں نے خلق عالم سے لیکر عبدالمومن کے حالات پر ختم کیا ہے۔ ابو محمد بن حزم بہت سی تواریخ کے مصنف ہیں جن میں نقط العروس فی تواریخ الخلفاء بہت عمدہ ہے ابوالولید ابن زیدون نے کتاب التبیین در بیان خلفاء بنو امیہ اندلسی اسی طرز پر لکھی ہے جیسی کہ مسعودی نے خلفاء مشرق کے حالات پر لکھی تھی۔ ابو عمر بن عبدالبر نے کتاب القصد والامم فی معرفت انساب العرب والعجم بہت عمدہ تحریر کی۔ عریب بن سعید قرطبی نے تاریخ طبری کا بہت عمدہ اختصار کیا تھا اور اس پر اندلس و افریقہ کی تاریخ کا اضافہ بھی کیا

[1] The History of the Arabs — Hitti P.565

تھا۔ ابو بکر الحصین بن محمد الزبیدی نے ایک کتاب مشرق اور اندلس کے نحویوں اور لغویوں کے حالات پر تحریر کی تھی۔ یحییٰ بن حکم الغزال نے ایک منظوم تاریخ لکھی۔ ابن بسام نے کتاب الذخیرہ فی جزیرۃ الاندلس لکھی۔ فتح بن عبید اللہ نے قلائد العقیان اور المطمح لکھی جن کے معتبر ہونے کی یہ شہادت ہی کافی ہے کہ ابن الخطیب نے ان کا حوالہ اپنی کتابوں میں دیا ہے۔ صفوان بن ادریس مرسی نے ایک کتاب زاد المسافر تحریر کی تھی جس میں ساتویں صدی ہجری کے علماء و فضلاء کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ فن ادب، جغرافیہ اور تاریخ اندلس میں سب سے زیادہ مشہور اور معتبر تصنیف ابو محمد عبد اللہ بن ابراہیم الحجاری کی کتاب سہب فی فضائل المغرب ہے۔ ابو عمر بن عبد البر نے استیعاب اور تمہید دو مشہور کتابیں بھی تحریر کیں۔ سپینی عربوں کی کتابیں تاریخ میں اس قدر ضخیم تھیں کہ غالباً اس فن میں کسی قوم و ملک میں ایسی کتابیں نہیں لکھی گئیں۔ جو واقعات انہوں نے تحریر کئے ان کی صحت کی تائید دہ مورخ کرتے ہیں جو دور دراز کے علاقوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ البتہ اسپینی مورخین میں چند نقائص پائے جاتے ہیں۔ یہ لوگ عام طور پر اصول تنقید تاریخ کو استعمال نہیں کرتے۔ ان کی طبیعتیں کیونکہ عجائبات اور خرق عادات کی طرف زیادہ مائل تھیں۔ اس لئے ان کی قوت فیصلہ ان میں الجھ کر رہ جاتی تھی۔ واقعات کی تفصیل میں وہ ضائع و بدائع کا اس کثرت سے استعمال کرتے ہیں۔ کہ بجائے اس کے کہ وہ صحیح واقعات کو لکھنے اور جانچنے والے مورخ معلوم ہوں ان کی کتاب فصاحت و بلاغت کا نمونہ بن جاتی تھی۔ ایک ہزار سے زائد مورخین نے اسپین کی تاریخ تحریر کی لیکن تقریباً ہر ایک کے یہاں نہایت معمولی واقعات فہم و ادراک سے دور معلوم ہوتے ہیں۔ اور بالکل بچوں کی سی باتیں لگتے ہیں جگہ جگہ قرآن مجید کے کنایات کا استعمال بھی پایا جاتا ہے۔ ہر بادشاہ اور سلطان اپنے دربار میں مورخ ضرور رکھتا تھا۔ جس کا کام اس عہد کے واقعات کو قلمبند کرنا ہوتا تھا۔ ہر شہر میں ایک واقعہ نگار اور صوبہ میں ایک مورخ متعین ہوتا تھا۔ کوئی علم، فن، پیشہ و ہنر ایسا نہ تھا کہ جس کی پوری تفصیل مع اصل واثرات کے اور اس کے اساتذہ کی تفصیل کے ضبط تحریر میں لائی جاتی ہو۔ مظفر فطسی نے ایک کتاب اندلس کے سیاسی اور ادبی حالات پر تحریر کی۔ ابن احمد طلیطلی نے ایک کتاب میں تمام قبائل اسپین کی تاریخ لکھی۔ الغزالی اور الحجاری میں سے ایک نے اسپین کے شعراء کا تذکرہ اور دوسرے نے اسپین کے شہروں کے حالات نہایت تفصیل سے لکھے تھے۔ ابن الشکوال اور محمد کی شہرت اسماء الرجال کی کتابوں کی بدولت

ہوئی محمد ابو عبداللہ غرناطی نے ایک مبسوط ردیف وار کتاب سائنس کی تاریخ میں لکھی۔ العسکری نے ایک نہایت کارآمد و حیرت انگیز تاریخ اہپین کے موجدین پر لکھی۔ انتہا یہ ہے کہ مسلمانان اہپین نے ان جانوروں تک کی سوانح عمریاں لکھیں جو کسی وجہ سے مشہور ہو گئے تھے۔ ابو المنذر بلنسی اور ابن زید العربی قرطبی نے ایک کتاب ان گھوڑوں کے حالات و کوائف پر تحریر کی جنہوں نے کسی دہان (گھوڑ دوڑ) میں شہرت حاصل کی تھی۔ عبدالملک نے ایک کتاب میں مشہور اونٹوں کے حالات لکھے ہیں۔[1]

جہاں تک علم جغرافیہ کا تعلق ہے مسلمانان اہپین نے اس علم میں بھی بیش بہا اضافہ کئے۔ جغرافیہ کے درجوں کی جو پیمائش انہوں نے کی تھی۔ وہ زمانہ حال کی پیمائش کے برابر ہے۔ ابو الفدا نے ساٹھ جغرافیہ دانوں کے نام تحریر کئے ہیں جو ۳۰۰ ویں صدی عیسوی سے پہلے گذرے تھے ان کے تیار کردہ نقشے نہایت صحیح تھے جو ریشم کے کپڑوں پر بنائے جاتے تھے۔ ان پر براعظم۔ پہاڑ جھیلیں اور چشمے کپڑوں کی زمین پر ابھرے روپہلے اور سنہرے کلابتوں سے کاڑھے جاتے تھے جغرافیائی تحقیقات میں آثار قدیمہ، تاجروں، ملاحوں اور سیاحوں سے مدد لی جاتی تھی۔ ابن حمید المزنی غرناطی نے وسط ایشیا کے سخت ترین اور دشوار گذار مقامات کا سفر کیا۔ ابن جبیر نے صقلیہ اور ایشیا کے حالات کا خود مشاہدہ کیا۔ ابن بطوطہ نے ۲۴ سال کامل سیاحت کی عبید البکری نے ایک ردیف وار کتاب المسالک والممالک فن جغرافیہ تحریر کی۔ ان سب میں مشہور و معروف شریف ادریسی تھا جو سبتہ کا رہنے والا تھا۔ اس کو ایک خاندان شاہی اور اہل بیت میں سے ہونے کا فخر حاصل تھا۔ قرطبہ میں اس نے تعلیم حاصل کی اور پھر سیاحت کے لئے نکل پڑا۔ بہت سے ممالک بچشم خود دیکھے اور وہاں کی طبعی حالت کو تحریر کیا۔ راجر شاہ صقلیہ نے اس کو اپنے پاس بلا لیا۔ اور دربار صقلیہ کا اس کو معزز رکن بنایا۔ جو جغرافیہ اس نے تحریر کیا تھا وہ زیادہ تر ذاتی تجربات پر مبنی تھا۔ یہ جغرافیہ اس کی پندرہ برس کی محنت شاقہ کا نتیجہ تھا۔ وضاحت بیان۔ صحت تفاصیل اور صحیح تخمینہ مسافت نے اس جغرافیہ کو صف اول میں لا کھڑا کیا۔ ادریسی کی تصانیف نے دنیائے سائنس میں ایک دور جدید کی بنیاد ڈالی۔ نہ صرف یہ کہ وہ تاریخی واقعات جو اس نے درج کئے دلچسپ اور بیش قیمت ہیں بلکہ وہ تفصیل بھی جو دنیا کے بہت سے ممالک کی دی ہے۔ آج تک مستند ہے اس نے شاہ راجر کے لئے چاندی کا ایک کرۂ ارض دسما بنایا اور اس کو قطعۃ الدوائر میں منقسم کر کے خشکی اور تری کے تمام قطعات ارض بھی نمایاں کئے۔

---

[1] یہ تمام حالات اخبار اندلس ج ۳ مصنفہ اسکاٹ سے ماخوذ ہیں۔

فلسفہ

اسپین کے مسلمانوں نے جہاں دیگر علوم و فنون میں کامل دستگاہ حاصل کی اور اپنا نام روشن کیا۔ وہاں انہوں نے فلسفہ میں بھی اپنی شہرت کو بام عروج تک پہونچایا اور اس میں بھی وہی محیر العقول تحقیق و تفتیش کا مادہ دکھلایا جو وہ قدرتی مناظر کی عقدہ کشائی میں دکھلا چکے تھے۔ اس وقت مسلمانوں میں سوفسطائی حقیقت انکار کرنے والے، صوفی وغیرہ سب طرح کے خیالات موجود تھے۔ انہوں نے فیثا غورث، ہرقلیطلس، سقراط، افلاطون کو پڑھا اور ان پر شرحیں لکھی تھیں۔ اسکندریہ کے فلاسفہ کی تصانیف سے وہ ناواقف نہ تھے۔ بلکہ انہی کی وجہ سے وہ اصول افلاطون وغیرہ سے واقف ہوئے تھے۔ انہوں نے ارسطو کی تعلیمات کو نہایت ذوق و شوق اور قبولیت کی نگاہ سے دیکھا۔ اور اس پر برسوں کچھ ایسے مائل رہے کہ بت پرستی کی حد تک پہونچ گئے تھے۔ امام غزالیؒ اور ان کی تعلیمات بھی اسپین میں بے حد مقبول تھیں۔ اور باوجود اس کے کہ دور مرابطین میں علماء کے ایک طبقہ نے اس کی سخت مخالفت کی تھی۔ لیکن پھر بھی ان کی تعلیمات کی مقبولیت کم نہ ہوئی تھی۔ اسپین کے مسلمانوں نے اپنی انتھک کوششوں سے یونانی فلسفہ کو جس طرح غرفانی بنا یا تھا۔ اس کی مثال مشرق میں بھی نہ ملتی تھی۔ اس پر انہوں نے اپنی رائے اور تحقیق کا بھی اضافہ کیا تھا۔ خاص طور پر ان کی طرف سے یہ کوششیں ہوتی رہیں کہ عقل مذہب اور سائنس کو یکجا کر دیا جائے اس لئے ان کے نزدیک ارسطو۔ افلاطون اور قرآن پاک سب ہی صحیح تھے۔ اور ان تینوں کو باہم کرنے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی گئی تھی۔ فلسفہ جو یونان میں پلا بڑھا تھا۔ اور راہبانہ طرز زندگی جو عبرانی اقوام دس کی پیداوار تھی مغرب و مشرق کے دو متضاد تصورات تھے۔ یہ فخر بغداد و اسپین کے فلاسفہ کو حاصل تھا کہ انہوں نے ان دو متضاد خیالات کو ایک دوسرے میں پیوست کیا اور اپنے اس تصور کو یورپ تک پہونچایا۔ ان کے کارناموں نے ایک طرف سائنس اور فلسفہ کے طرز فکر پر اثر ڈالا۔ تو دوسری طرف مذہبیات کو بھی بری طرح متاثر کیا۔

اسکاٹ[1] کے کہنے کے بموجب اندلس کے مسلمان فلسفی صدیوں سے ہر قسم کے مادہ کو ارتقا پذیر سمجھتے تھے۔ یہ عقیدہ گو مدتوں پہلے خفیہ طریقہ پر لوگوں کے دلوں میں داخل ہو چکا تھا لیکن کیونکہ اصول دین کے خلاف تھا۔ اس لئے اس کے اظہار کی جرأت نہ ہوتی تھی۔ آخر کار گیارہویں صدی عیسوی میں ایک یہودی فلسفی سلیمان بن جبرئیل نے اس کا اعلان کیا۔ سلیمان مالقہ میں ۱۰۲۱ء/۴۱۲ھ میں پیدا ہوا تھا۔ اور ۱۰۷۰ء/۴۶۳ھ میں بلنسیہ میں مرا۔ وہ یہودی افلاطون کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ کیونکہ اس نے ارسطو کے فلسفہ کو زندہ کیا تھا اس

---

[1] اخبار اندلس ج ۳ (اردو ترجمہ ص ۵۱۷)

سلسلہ میں اس کا بڑا کارنامہ تدبیر المتوحد ہے جس نے دور وسطیٰ کے ذہنوں کو بری طرح متاثر کیا۔
۱۲ ویں صدی عیسوی مسلم اسپین کی تاریخ میں فلسفہ کا دور عروج ہے۔ اس صدی کی ابتدا ہی مشہور و معروف ابو بکر محمد بن یحییٰ بن باجہ سے ہوئی جو ایک فلسفی حکیم، موسیقار اور ارسطو کی تعلیمات کا زبردست شارح تھا۔ اس کی نشو و نما غرناطہ اور سرقسطہ میں ہوئی تھی۔ اور ۵۳۲ھ/۱۱۳۸ء میں فاس (مراکش) میں مرا۔ ابن باجہ نے علم ہیئت میں بہت سے رسالے لکھے جن میں بطلیموس کے خیالات پر زبردست تنقید تھی۔ اس طرح اس نے اپنے بعد آنے والے ابن طفیل اور ابن بطروجی کے لئے راستہ ہموار کر دیا۔ اس نے ایک کتاب ادویات کے اوپر بھی لکھی جس کا حوالہ ابن بیطار نے جگہ جگہ دیا ہے اس کے علاوہ بھی ابن باجہ نے بہت سی کتابیں ادویات اور طب پر لکھی تھیں جن سے ابن رشد نے کافی استفادہ کیا تھا اس کا سب سے بڑا کارنامہ کتاب تدبیر المتوحد ہے جو آج تک صرف عبرانی زبان میں موجود ہے۔ ابن خلکان نے لکھا ہے کہ علماء و عوام کا یہ فیصلہ تھا کہ ابن باجہ دہریہ تھا۔[1] ابن باجہ کے فلسفیانہ خیالات کو آگے بڑھانے والا ابن طفیل تھا جو غرناطہ کا باشندہ اور حکیم تھا۔ لیکن بعد میں موحدین کے بادشاہ ابو یعقوب یوسف کا معالج خصوصی اور وزیر بن گیا تھا۔ ۵۷۸ھ/۱۱۸۲ء میں اس نے اپنے آپ کو معالج خصوصی کی جگہ سے علیحدہ کر لیا جس کے بعد ابن رشد نے اس کی جگہ سنبھال لی جس کی سفارش خود ابن طفیل نے کی تھی۔ ابن طفیل اور ابن رشد دونوں نے موحدین کے دربار پر زبردست اور گہرے اثرات مرتب کئے۔ ابن طفیل نے ابو یوسف المنصور کے عہد میں ۵۸۱ھ/۱۱۸۴ء میں مراکش میں انتقال کیا۔ اس کی مشہور و معروف کتاب کا نام حی بن یقظان تھا۔ کہا جاتا ہے کہ مشہور رالبنسن کروسو کی کہانی اسی کتاب سے اخذ کی گئی ہے۔[2] ہی بی نے یہ بات تحریر کی ہے کہ ابن طفیل نے اپنی کتاب کے تمام کرداروں کے نام ابن سینا کی اسی نام کی کتاب سے اخذ کئے ہیں۔[3] لیکن اپنے تصورات کو دوراول کے مصنفین سے لیا ہے جو الفارابی سے شروع ہوتے ہیں۔

مسلمانان اسپین کا سب سے بڑا فلسفی جس نے یورپ کو بری طرح متاثر کیا۔ اسپینی عرب کا مشہور عالم ہیئت و طبابت اور شارح ارسطو ابوالولید محمد بن احمد بن رشد تھا۔ ۵۲۰ھ/۱۱۲۶ء میں قرطبہ میں پیدا ہوا۔ وہ ایک ایسے خاندان کا فرد تھا جس میں اسپین کے مشہور و معروف عالم اور قاضی پیدا ہوئے۔ ۵۶۵ھ/۱۱۶۹ء میں ابن رشد اشبیلہ کا قاضی بنایا گیا اور اس کے دو برس کے بعد قرطبہ کا قاضی بنا۔ ۵۷۸ھ/۱۱۸۲ء میں ابو یعقوب یوسف نے اس کو مراکش میں بلا کر ابن طفیل کی جگہ اپنا معالج خصوصی مقرر کیا۔ یوسف

---

[1] جلد ۲ ص ۳۷۲ [2] The History of the Arabs P.582 [3] ایضاً

کے لڑکے المنصور نے ۵۹۵ھ/۱۱۹۸ء میں اس کے خلاف علماء و فقہا کی متواتر شکایات سے مجبور ہو کر اس کو اپنے دربار سے نکالدیا۔ لیکن کچھ عرصہ بعد اس کو مراکش بلوالیا۔ جہاں وہ اپنی موت ۵۹۵ھ/۱۱۹۸ء تک رہا۔ مراکش میں اس کا شاندار مقبرہ موجود ہے۔

ابن رشد نے طب و حکمت میں بڑا نام پیدا کیا۔ اور ضخیم معلوماتی کتاب الکلیات فی الطب تحریر کی۔ اس کتاب میں اس نے سب سے پہلے یہ بات واضح کی کہ ایک شخص کو دو بار چیچک کا مرض نہیں ہو سکتا۔ اس کے علاوہ آنکھ کے پردے کے کام بھی پوری طرح واضح کئے۔ لیکن حکیم ابن رشد سے زیادہ فلسفی ابن رشد نے نام پیدا کیا۔ فلسفہ پر اس نے جو کام کئے اور شرحیں لکھیں اس کی شہرت کو بام عروج تک پہنچانے والی کتاب تہافۃ التہافۃ ہے جو امام غزالیؒ کی مشہور زمانہ کتاب تہافۃ الفلاسفہ کا جواب ہے مسلم دنیا میں تو اس نے اپنے اس کام کی بدولت شہرت حاصل کی لیکن عیسائی اور یہودیوں کے یہاں اس کی شہرت ان شرحوں سے ہوئی جو اس نے ارسطو کے نظریہ کی وضاحت پر لکھیں۔ کیونکہ وہ یونانی زبان نہ جانتا تھا اس لئے بغداد میں ترجمہ ہونے والی ارسطو کی کتابوں کا مطالعہ کیا۔ اور پھر شرحوں کا ایک سلسلہ شروع کیا۔ سب سے پہلے انہوں نے جامع لکھی اس کے بعد تلخیص اور اس کے بعد تفسیر یا شرح لکھی۔ کیونکہ ابن رشد کو عام طور پر مسلم دنیا میں پسندیدگی کی نظر سے نہ دیکھا گیا اور اس پر کوئی خاص توجہ نہ کی گئی چنانچہ اس کی زیادہ تر کتابیں عبرانی یا لاطینی میں پائی جاتی ہیں جن کے اب مختلف زبانوں میں ترجمے کئے گئے ہیں۔ اب جو کتابیں عربی میں پائی جاتی ہیں وہ بھی عبرانی یا لاطینی سے ترجمہ شدہ ہیں۔

دیگر مفکرین اسلام اور فلاسفہ کی طرح ابن رشد نے بھی مسلمانوں میں کوئی فلسفی اولاد نہ چھوڑی۔ یورپ کے عیسائیوں نے مسلمانوں سے زیادہ اس کی قدر کی اور ارسطو کو استاد تو ابن رشد کو اس کے نظریات کا پہلا شارح قرار دیا اور حقیقت بھی یہ ہے کہ یورپ کے لوگوں نے ارسطو کو ابن رشد کے بتائے ہوئے طریقہ سے جس آسانی سے سمجھا اتنا کوئی اور مصنف نہ سمجھا سکا۔ ۱۲ ویں صدی عیسوی کے آخر سے ۱۶ ویں صدی عیسوی کے آخر تک ابن رشد کا فلسفہ تمام علوم عقلیہ پر حاوی رہا۔ حالانکہ متعصب عیسائی، یہودی اور مسلمان عالموں کی طرف سے اس کی زبردست مخالفت بھی ہوتی رہی۔

ابن رشد کا تمام فلسفہ عقل پر منحصر ہے اور وہ اس کو اپنا مذہب سمجھتا تھا اس کے مذہب کے مطابق عقل کلی قائم اور جسم سے علیحدہ ہے۔ اور عقل شخصی فانی ہے اور جسم کے ساتھ فنا ہو جاتی ہے۔

ابن رشد کو بقاء روح اور بعث و نشر سے انکار تھا۔ اور وہ یہ بھی نہ مانتا تھا کہ انسان کو بجز اس جزائے اعمال کے جو دنیا میں ملتی ہے۔ اور کوئی جزا یا سزا بھی ملنے والی ہے وہ عقبیٰ کی بابت تمام خیالات کو قصہ کہانیوں سے زیادہ اہمیت نہ دیتا تھا چنانچہ علماء اور عامۃ الناس کے نزدیک وہ کافر تھا۔ عیسائیوں نے بھی اس کو ملحد قرار دیا لیکن یہود نے اس کو نواز لیا یہاں پر اس کے فلسفہ پر بحث مقصود نہیں صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ مسلم اسپین میں فلسفہ نے کس قدر ترقی کی تھی۔

ابن رشد ہی کے زمانہ کا ایک دوسرا فلسفی ابو عمران موسیٰ بن میمون یہودی تھا۔ اور ابن رشد سے کسی طرح کم نہ تھا قرطبہ کا رہنے والا یہ یہودی ممالک عربیہ کے تمام عبرانی اطبا اور فلسفیوں میں سب سے زیادہ مشہور تھا۔ ۵۲۹ھ/۱۱۳۵ء میں قرطبہ میں پیدا ہوا لیکن مواحدین کے ظلم و ستم کی وجہ سے اس کا خاندان ۵۶۴ھ/۱۱۶۵ء میں قاہرہ چلا گیا۔ القفطی اور ابن ابی اصیبعہ نے لکھا ہے کہ ابن میمون نے اسپین میں اپنے مسلمان ہونے کا باقاعدہ اعلان کر دیا تھا لیکن درپردہ وہ یہودیت پر قائم تھا۔ قاہرہ میں ابن میمون صلاح الدین ایوبی اور اس کے لڑکے ملک العزیز کا معالج خصوصی بن گیا تھا ۵۷۲ھ/۱۱۷۶ء میں وہ قاہرہ میں یہود کا اعلیٰ مذہبی عہدہ دار بن گیا۔ ۶۰۵ھ/۱۲۰۹ء میں اس کی موت واقع ہوئی اس کا مقبرہ سینائی میں طبریاس کے مقام پر ہے۔

ابن میمون ہیئت داں فقیہہ اور ماہر حکیم و طبیب تھا لیکن فلسفہ میں اس نے شہرت پائی اس نے طب میں رازی۔ ابن سینا اور ابن زہر سے بہت کچھ حاصل کیا۔ طب میں اس کی مشہور کتاب الفصول فی الطب ہے۔ فلسفہ میں اس کی تحریر دلالۃ الحیرین ہے جس میں اس نے یہودی فقہ کو مسلمانوں کے بیان کردہ نظریات ارسطو سے ملانے کی کوشش کی تھی۔ یعنی وسیع تر معنوں میں اس نے بھی مذہب اور عقل کو یکجا کرنے کی سعی ناتمام کی تھی۔

اسپین کا ایک زبردست مفکر و فلسفی ابو بکر محمد بن علی محی الدین ابن العربی تھا جس نے اپنے نظریات اور غور و فکر کو ایک نیا رنگ دیا جس سے بجائے اس کے کہ وہ فلسفی یا دہریہ کہلاتا اسپین میں تصوف کا موجد تسلیم کیا گیا۔ جس کا نام آج تک اسلامی تصوف میں زندہ جاوید ہے۔ ابن العربی ۵۶۱ھ/۱۱۶۵ء میں مرسیہ میں پیدا ہوا لیکن اس کی پرورش ۵۹۸ھ/۱۲۰۲ء تک اشبیلیہ میں ہوئی کچھ عرصہ بعد وہ جب حج کے لئے مکہ گیا۔ تو مشرقی دنیا سے واپس نہ آیا۔ یہاں تک کہ ۶۳۸ھ/۱۲۴۰ء میں دمشق میں انتقال کیا جہاں ایک مسجد میں اس کا مقبرہ

---

۱ مرآت الزمان ابن الجوزی ص ۴۸۷

آج بھی مرجع خلائق ہے۔ ابن العربی کے خیالات کی بنیاد بھی[1] کے نزدیک مشرق کے السہروردی کے خیالات ہیں جو انہوں نے اپنی کتاب حکمت الاشراق میں بیان کئے ہیں۔ یہ طرز فکر اشراقی کہلاتا ہے اس لئے اس نظریے کے مطابق تمام روحانی دنیا خدا کا نور ہے اور ہم اس میں خدا کو اس طرح پہچانتے ہیں کہ روحانی دنیا کی تمام روحیں ہمارا ذریعہ یا وسیلہ بنتی ہیں۔ اس لئے عالم روحانیت کو سمجھنے اور اپنانے کے لئے کسی روحانی ہستی کا وسیلہ تلاش کرنا پڑتا ہے اس فلسفہ کو ابن العربی نے اختیار کیا اور اس میں شیخ الاکبر کا خطاب پایا۔ اپنے اس خیال کی وضاحت میں اس نے لاتعداد تصانیف کیں[2] جس میں سب سے زیادہ بااثر اور مشہور کتاب الفتوحات المکیہ اور فصوص الحکم ہیں۔ ایک اور کتاب الاسریٰ الی مقام الاسریٰ ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معراج کے مقاصد اور فلسفہ بیان کیا گیا ہے فقہی اعتبار سے ابن العربی اسی ظاہری مذہب سے تعلق رکھتا تھا جس سے ابن حزم منسلک تھا لیکن جہاں تک اس کے خیالات و نظریات کا تعلق ہے وہ باطنی نظریات کا حامل تھا[3]۔ فلسفیانہ نظریہ میں وہ ہمہ اوست کا قائل تھا جیسا کہ اس کا اصول وحدت الوجود ظاہر کرتا ہے۔ اسی کے خیالات اور نظریات کی بدولت مسلم تصوف ہمہ اوست کے دائرہ میں داخل ہوگیا۔ اس نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو انسان کامل اور کلمہ قرار دیا اور کہا کہ صحیح معنوں میں صوفی وہ ہی ہوگا جس کے باطن کی روشنی اس کی رہنمائی کرے پھر وہ تمام مذاہب میں خدا کا جلوہ کرے گا[4]۔

مرسیہ کا رہنے والا ایک دوسرا مفکر بھی گذرا ہے جس نے ابن العربی ہی کی طرح غور و فکر کیا وہ ابو محمد عبدالحق بن سبعین تھا جس کو اس کے تصوف کی وجہ سے قطب الدین کہا جاتا تھا اس کی مشہور کتاب اسرار الحکمت المشرقیہ ہے۔ اس نے مکہ میں خودکشی کر لی تھی۔ الغرض یہ صرف ان مشہور فلاسفہ اسپین کا تذکرہ کیا گیا ہے جنکے اثرات یورپ اور ایشیا دونوں نے قبول کئے۔ ورنہ عام فلسفیانہ خیالات کی ترویج میں اہل اسپین کسی سے کم نہ رہے۔ اگر مذہب کا زور نہ ہوتا اور فلسفہ پر پابندیاں عاید نہ ہوجاتیں تو کوئی شبہ نہیں کہ اسپین کے مسلمان ارسطو، افلاطون اور سقراط وغیرہ کو یا دماضی بنا کر رکھ دیتے۔



[1] The History of the Arabs P.586

[2] فہرست کے لئے دیکھئے بروکلمین ج ۱ ص ۴۴۴

[3] نفح الطیب ج ۱ ص ۵۶۹

[4] ابن العربی ترجمان الاشواق ص ۶۷

② شعبۂ سائنس

علم ہیئت و ہندسہ

علم ہیئت کی ترقی و ترویج کی ابتدا اسپین میں دسویں صدی عیسوی کے وسط سے ہوئی۔ اور قرطبہ، اشبیلیہ اور طلیطلہ کے حکمرانوں نے اس کی خاص طور پر سرپرستی کی۔ ابو معشر بغدادی کی طرح اسپینی ہیئت داں بھی اس بات پر یقین رکھتے تھے کہ زمین پر انسانی زندگی کے واقعات و حوادث پر کواکب اور نجوم کے اثرات ضرور پڑتے ہیں۔ نجوم کے ان اثرات کو معلوم کرنے کے لئے دنیا کے تمام مقامات کو ان کے طول البلد ارض البلد کیساتھ ساتھ متعین کیا گیا تھا اسطرح علم نجوم نے علم ہیئت کے مطالعہ میں اضافہ کیا۔ اسپین کے ہیئت دانوں نے اپنی تحقیق و جستجو کا مبدا مشرق کے علماء ہیئت و نجوم کے کارناموں کو بنایا۔ انہوں نے ارسطو کے طریقہ کار کو زندہ کرکے بطلیوس کے پیش کردہ فلکیاتی نظام پر تنقیدی حملے کئے۔ اسپین کے مسلم ہیئت دانوں میں المجریطی قرطبی۔ الزرقالی طلیطلی اور اور ابن افلح اشبیلی مشہور و معروف گذرے ہیں۔

ابو القاسم مسلمہ المجریطی مسلم اسپین کے ہیئت دانوں میں وہ پہلے ہیں جنہوں نے الخوارزمی کی زیچ کو ترتیب دیا۔ اور صحیح کیا[1]۔ مسلمانوں کی تیار کردہ یہ پہلی زیچ تھی جس کے یزدگردی سال کو ہجری سال سے بدل دیا گیا۔ اور خط نصف النہار کو قرطبہ کے مطابق تیار کیا گیا تھا۔ المجریطی کو الحاسب کے نام سے بھی پکارا جاتا تھا۔ اس لئے کہ وہ حساب و ہندسہ کا امام بھی تسلیم کیا گیا تھا۔ بن صاعد نے لکھا ہے کہ ابو القاسم یا ان کے شاگرد ابو الحکم عمرو الکرمانی قرطبی اخوان الصفا کے رسائل اسپین میں لیکر آئے تھے۔ لیکن علامہ مقری نے ابو الحکم عمرو کا نام لکھا ہے کہ وہ رسائل اخوان الصفا اسپین لایا تھا[2]۔

طلیطلی زائچے کے بنانے میں اسپین کے بہت سے مسلم اور یہودی ہیئت دانوں کا مطالعہ اور مشاہدہ کام میں آیا جن میں مشہور و معروف ابو اسحاق ابراہیم بن یحییٰ الزرقالی ہیں یہ زائچے بطلیوس اور الخوارزمی کی جغرافیائی اطلاعات کے مطابق تیار کئے گئے تھے جنکو قرمونہ کے جیراڈ نے ۱۲ ویں صدی عیسوی میں لاطینی میں تبدیل کیا تھا۔ بطلیوس نے بحر روم کی لمبائی ۶۲ دقیقہ بتائی۔ خوارزمی نے ۵۲ دقیقہ لیکن زرقالی نے سب سے صحیح لمبائی ۴۲ دقیقہ بتائی۔ ابن صاعد[3] کے کہنے کے مطابق

---

[1] طبقات الامم ابن صاعد ص ۶۹ [2] ایضاً ص ۷۱ [3] ص ۷۵ [4] نفح الطیب ص ۴۵۳ اردو ترجمہ

الزرقانی اپنے زمانہ کا سب سے زیادہ مشہور و معروف ہیئت داں تھا۔ وہ پہلا شخص تھا جس نے مدار النجوم (Elliptical Orbit) کے لئے بیضوی راستہ تجویز کیا جس سے نظام بطلیوسی کی ایک بڑی غلطی کا ازالہ ہو گیا۔ اس نے آفتاب کے بُعد اقصیٰ کی حرکت قرار دینے کے لئے ۴۰۲ رصدی مشاہدات کئے۔ اور جس نتیجہ پر وہ پہونچا اس میں اور زمانہ جدید کی تحقیقات میں ایک سیکنڈ کی ایک چھوٹی سی کسر کا فرق رہا۔ اس نے اپنے لئے ایک خاص اصطرلاب بنایا تھا جس کا نام صفیحہ تھا اسی نے آفتاب کے مدار (Orbit) کا بُعد اور زمین سے بُعد اقصیٰ (Eccentricity) ثابت کیا۔

جابر ابن افلح اشبیلی نے ہیئت پر ایک کتاب "کتاب الہیئت" تحریر کی جس میں بطلیوس پر شدید تنقید کی اس کتاب کی شہرت کا باعث اس کتاب کا ایک باب ہے جو مساحت کروی المثلث (Sphonical Trignometry) پر مشتمل ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ موجودہ علم مساحت المثلث (Trignometry) عربوں کی ایجادوں میں سے ایک ہے۔

علامہ مقری[1] نے بہت سے اسپینی ہیئت دانوں کا تذکرہ کیا ہے جن میں سے چند یہ ہیں۔ ابو القاسم عباس بن فرناس مشہور حکیم تھے۔ انہوں نے اپنے گھر میں ایک ہیئت آسمانی بنائی تھی جس میں ستارے ابر۔ برق۔ و رعد سب دکھائے گئے تھے۔ ابو عبیدہ مسلم بن احمد المعروف بہ صاحب القبلہ حرکات کواکب کے بڑے عالم تسلیم کئے گئے تھے یحییٰ بن یحییٰ المعروف بہ ابن السمینہ ریاضی اور نجوم کے ماہرین میں شمار ہوئے تھے۔ اور بہت سی تصانیف کے مالک تھے۔ ابو القاسم اصبغ بن اسمح[2] نجوم و ہندسہ کے زبردست عالم تھے۔ ان کی بہت سی تالیفات ہیں جن میں مشہور ترین المدخل الی ہندسہ اقلیدس کی تفسیر ہے۔ ایک کتاب اصطرلاب اور زائچہ میں اہل ہند کے مطابق لکھی جس کا نام سند ہند رکھا۔ ایک کتاب ثمار العدد المعروف المہمات لکھی جو علم ہندسہ میں معتبر تسلیم کی گئی تھی۔ ابو مسلم ابن خلدون اشبیلی علوم فلسفہ و ہندسہ و نجوم پر تصرف کامل رکھتے تھے۔ عبد اللہ بن احمد سرقسطی ہندسہ و نجوم کے بڑے ناقد تھے۔ یہی حالت محمد بن اللیث کی تھی۔ جو حرکات کواکب کے بڑے ماہر تھے۔ ابو الوقشی طلیطلی ہندسہ منطق اور زائچوں کے ماہر تسلیم کئے جاتے تھے۔ انتہیٰ۔

اسکاٹ نے اہل اسپین کے ہیئت و ہندسہ کے بارے میں لکھا ہے کہ ابن ابی الصلت نے ۳۰ برس کامل تمام سیاروں کی رفتار کا مطالعہ کیا۔ ابن رشد نے عطارد کی رفتار قرار دینے میں آفتاب

---

[1] المقری ص ۴۵۱-۴۵۲ (اردو ترجمہ) [2] الاحاطہ فی اخبار غرناطہ ج ۱ تذکرہ "اصبغ"

کے نقطے معلوم کئے۔ الغرض مسلمانان اسپین نے رصدی مشاہدات میں بڑی محنت شاقہ کی لیکن سب د انجام دیگر علمی خزانوں کے انجام کی مانند ہوا۔ اور آج ان کا نام و نشان بھی باقی نہیں اور کوئی ایک کتاب بھی تعصب کے ہاتھوں سے نہ بچ سکی لیکن یہ بات پایۂ ثبوت کو پہونچ چکی ہے کہ اہل اسپین کے ہر مدرسہ میں لکڑی یا دھات کے بنے ہوئے کرۂ ارضی و سماوی موجود رہتے تھے۔ اور کرۂ مسطحہ اور اصطرلاب کا ہونا بڑے مدارس میں ضروری خیال کیا جاتا تھا۔ یہ آلات بہت پیچیدہ ہوتے تھے اور زاویوں کی پیمائش یا دن و رات کے اوقات کے تعین کے لئے استعمال کئے جاتے تھے بعض میں ۵ جدولیں ہوتی تھیں جو دونوں طرف کھدی رہتی تھیں اور نیچے کی طرف کیارہ لٹکن ہوتے تھے۔ ان کے اوپر کرہ ہائے آسمان کی رفتار و علامات بروج مجمع النجوم اور بڑے بڑے ستارے بنے ہوتے تھے اور اس میں ایسے انتظامات رکھے گئے تھے۔ کہ جس مقام پر چاہیں مشاہدہ کر سکیں۔ اس زمانہ کا علم ہیئت اسی قدر ترقی کر چکا تھا جو وہ بلاد دور سے کیا جا سکتا تھا۔ موجودہ زمانہ کی المنہاج (Almanac) انہی کی ایجاد ہے جو علامات سات سیاروں کی انہوں نے مقرر کی تھیں وہ آج تک ویسی ہی ہیں۔[1]

"الہیاتی تجربات" اس کے استعمال کا طریقہ اور خاص کر اس کے تمام شعبوں کی نشوونما میں مسلمانان اسپین نے انتہا درجہ کی قابلیت کا مظاہرہ کیا۔ سب سے اول انہوں نے مدت سال کا صحیح حساب لگایا اور ستاروں کی رفتار کا جدول تیار کیا۔ بطلیموس کے رسالہ المجسطی اور ابوالوفا بغدادی کے رسالہ المحیطی کو اہل اسپین نے ابتدا ہی سے اختیار کر لیا تھا۔ انہوں نے ہندی اعداد اختیار کر کے بہت جلد رومن ہندسوں کو ملک بدر کر دیا۔ کسور اعشاریہ کے قواعد بنائے۔ الجبرا کے مطالعہ کو انہوں نے ترقی دی ورنہ اس سے قبل اس کے غایت و مقصود اور امکان کا حل غیر مکمل طور پر سمجھا جاتا تھا۔ انہوں نے آلہ پیمائش ارضی بجائے جریب (CHORD) کے جیب ہندسی ایجاد کیا۔ یہ اسپینی مسلمانوں کا ہی کارنامہ ہے کہ انہوں نے نویں صدی عیسوی کے اواخر ہی سے ایسے اعداد کا استعمال شروع کر دیا تھا جو حروف الغبار کہلاتے تھے۔ آجکل کے یورپی اعداد انہی حروف الغبار سے مشابہت رکھتے ہیں۔ الغرض ریاضیات میں اہل اسپین نے بڑی کد و کاوش کی اور یورپ کو اس علم سے روشناس کیا۔

---

[1] اخبار انڈلس ج ۳ ص ۵۳۲ (اردو ترجمہ)

علم نباتات و ادویات

زراعت سے متعلق جو بے نظیر طریقے مسلمانان اسپین نے اختیار کئے تھے۔ ان کی کامیابی کی بڑی وجہ یہ تھی کہ وہ علم نباتات سے بخوبی واقف تھے۔ مسلمان فاتحین باوجود اس کے کہ بدویانہ زندگی کے عادی تھے پھر بھی انہوں نے اس علم کی طرف سب سے پہلے اور خاص توجہ کی اور اس کی تحقیق و جستجو کی سرپرستی میں ذرا بھی دیر نہ کی۔ خلفاء بنو امیہ کی طرف سے مختلف پودوں اور درختوں کے نمونے اور بیج حاصل کرنے کے لئے مختلف ممالک کو جماعتیں روانہ کی جاتی تھیں۔ دیسی اور پردیسی پودوں کے نشو و نما اور تحقیقی کام کے لئے مضافات شہر میں باغات مخصوص ہوتے تھے۔ بلاشبہ یہ حق اہل اسپین ہی کو ملتا ہے کہ انہوں نے یورپ کو اپنی تحقیقات سے مالا مال کر دیا۔ علم نباتات کے ہر شعبہ میں صدیوں پیشتر کی تحقیقات کو انہوں نے نتائج اور تجربات کے ساتھ اپنے ملک میں جمع کر لیا تھا وہ فہرست نباتات جو متقدمین بنا گئے تھے اس میں دو ہزار کے قریب نئے پودوں کا اضافہ کیا۔ انہوں نے عصارۂ نباتات کی توضیح کی چھال، پتوں وغیرہ کے خواص کو سمجھایا۔ دسویں صدی عیسوی میں شاہ قسطنطنیہ نے ڈیسکورڈیس (دیسقوردس) کے رسائل نباتات کا عربی ترجمہ کرا کر خلیفہ اندلس کی خدمت میں روانہ کیا تھا۔ اسپینی مسلمانوں کی علم نباتات کی کتابوں میں نہایت خوبصورت صحیح اور رنگین تصاویر ہوتی تھیں۔[1] ہٹی کے کہنے کے بموجب اسپین کے ماہرین نباتات مختلف پودوں کو آپس میں ملا کر نئی نسل پر اس کے اثرات کا جائزہ عام طور پر لیا کرتے تھے۔ انہوں نے درختوں کو مختلف اقسام میں منقسم کر دیا تھا۔

(۱) وہ درخت جو پیوند لگانے سے بڑھتے تھے۔

(۲) وہ درخت جو بیج کے ذریعہ اگتے تھے۔

(۳) وہ درخت جو خود رو ہوتے تھے۔

قرطبہ کے طبیب ابو جعفر احمد بن محمد غافقی نے اسپین اور افریقہ کے درختوں کو جمع کیا۔ ان کے عربی افریقی اور لاطینی نام تجویز کئے۔ اور ان کا اس طرح بیان کیا کہ عربی میں اتنی مختصر جامع اور صحیح کتاب نہیں مل سکتی۔ اس عالم کا اہم ترین کام الادویۃ المفردہ ہے۔ ۱۲ ویں صدی کے اختتام پر اشبیلیہ کے مشہور عالم ابو زکریا یحییٰ بن العوام نے فن زراعت پر ایک کتاب الفلاحۃ

---

[1] The History of the Arabs P.574

لکھی۔ جو نہ صرف اسلامی دنیا کی اہم ترین کتب میں شمار کی جاتی ہے بلکہ اس فن پر سب سے زیادہ مقبول و معروف کتاب تصور کی جاتی ہے۔ ابن العوام نے یونانی کتب، عربی کتب اور اپنے ذاتی تجربے سے اس کتاب میں ۵۸۵ درختوں کی بابت ہمہ اقسام کی معلومات بہم پہونچائی ہیں اور تقریباً پچاس پھل دار درختوں کی کاشت کے طریقے کو واضح کیا ہے۔ اس نے بونے، نرانے کے طریقے مٹی اور کھاد کا استعمال، درختوں کی دیکھ بھال کے طریقوں ان کی بیماریوں اور ان کے علاج کا بھی پتہ چلایا ہے ابن العوام نے ۶۰۰ ایسی جڑی بوٹیوں کا بھی پتہ چلایا ہے جو دوا کے طور پر استعمال کی جا سکتی تھیں۔ ان تمام خوبیوں اور اوصاف کے باوجود عرب مصنفین نے اس کتاب کا تذکرہ تک نہیں کیا۔ ابن خلکان اور یاقوت حموی اس بارے میں خاموش ہیں اور حاجی خلیفہ مصنف کشف الظنون تو اس سے واقف ہی نہیں معلوم ہوتے۔ اس کی وجہ ابن خلدون کے اس قول سے پتہ چلتی ہے کہ "یہ کتاب ابن وحشیہ کا چربہ ہے"[1]

تاریخ اسپین کا مشہور و معروف عالم نباتات و ادویات عبداللہ ابن احمد ابن بیطار ہے جو الفقہ میں پیدا ہوا اور اس کو ڈیسکوریڈیس کا صحیح جانشین ہونے کا شرف حاصل ہے اس نے نباتات کے عالم کی حیثیت سے اسپین اور شمالی افریقہ کا ایک طویل سفر کیا اس سفر میں اس کے ساتھ مصوروں کی ایک فوج تھی جو پودے کی شکلوں کی تصاویر بنایا کرتے تھے آخر میں ابن بیطار قاہرہ چلا گیا اور الملک الکامل ایوبی کے دربار سے منسلک ہو گیا مصر سے اس نے شام اور ایشیا کوچک کے طویل سفر کئے ۶۴۲ھ میں اس نے دمشق میں انتقال کیا اس نے اپنے پیچھے دو شاہکار چھوڑے جن کو اس نے اپنے مربی الملک الصالح ایوبی سے معنون کر دیا تھا۔ پہلا شاہکار المغنی فی الادویہ المفردہ تھا۔ اور دوسرا الجامع فی الادویہ المفردہ تھا یہ کتابیں گو عربی اور یونانی معلومات پر مشتمل ہیں لیکن خود مصنف کے ذاتی تجربہ اور تحقیقات بھی شامل ہیں جن سے کتاب کی افادیت میں گرانقدر اضافہ ہو جاتا ہے۔ یہ دنیائے طب و نباتات کی عجیب و غریب کتابیں تصور کی جاتی ہیں۔ ۱۴۰۰ کے قریب نسخے درج ہیں جن میں ۳۰۰ نسخے درختوں سے متعلق ہیں جو عجائبات میں سے ہیں جن مصنفین کے حوالے دیئے گئے ہیں ان کی تعداد ۱۵ ہے جن میں ۲۰ کے قریب یونانی ہیں۔

طب و ادویات

کے مسلم اسپین کے بیشتر طبیب پیشہ ور ہوتے تھے لیکن بہت سے اپنی مرضی اور شوق سے یہ کام کرتے تھے۔ ابن رشد، ابن میمون، ابن باجہ اور ابن طفیل جن کا تذکرہ فلسفہ کے بیان میں ہوا ہے۔ اعلیٰ ترین طبیبوں میں شمار کئے جاتے تھے۔ ابن الخطیب

---

[1] مقدمہ ابن خلدون ص ۱۲۱۔ (اردو ترجمہ) [2] نفح الطیب ج ۱ ص ۹۳۴

جن کا شمار مشہور ترین ادباء اور مورخین میں کیا جاتا ہے ان چند اطباء میں سے تھے جو وزارت کے عہدے تک پہونچے تھے اس نے امراض نسوانی اور فن قابلہ پر بڑے بڑے رسائل تحریر کئے۔ اور چیچک کے مرض پر ایک تحقیقی کلام بھی کیا جس کا نام مقنعۃ السائل عن المرض الہائل تھا چنانچہ طب وادویہ پر بھی آپ کے مسلمانوں نے بڑا کمال دکھایا سلاطین کی سرپرستی نے اس فن کو بام عروج پر پہونچا دیا تھا مسلمان طبیبوں نے نہ صرف نئے نئے تجربات کئے اور نئی نئی ادویات معلوم کیں بلکہ جدید طرز علاج کی بنیاد ڈال کر پرانے طریق علاج کو بدل ڈالا۔ انہوں نے اپنی ذہانت اور فطانت سے طب یونانی کو بلندیوں تک پہونچا دیا تھا خصوصاً فن جراحت میں تو اگر کوئی موجد مانا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔

سرجری (فن جراحت) کے کامل فن ہونے میں ابوالقاسم خلف بن عباس الزہراوی کی مثال ملنا مشکل ہے جو الحکم ثانی کا درباری طبیب تھا قرطبہ کے مضافات الزہرہ میں پرورش پائی۔ اس کی شہرت جس کتاب کی بدولت تمام طبی دنیا میں ہوئی وہ التصریف لمن عجز عن التالیف ہے۔ صاحب عیون الانباء نے لکھا ہے[1] کہ یہ کتاب ابوالقاسم زہراوی کی بہترین اور مشہور تصانیف میں سے ہے اس کتاب کے آخری حصے میں جراحت کے متعلق بہت سے نظریات و تجربات بیان کئے گئے ہیں مثلاً زخم کس قسم کے ہوتے ہیں۔ مثانہ کا علاج کس طرح کیا جاتا ہے اور ان کی پتھری کو بغیر آپریشن کے کس طرح توڑ کر نکالا جا سکتا ہے۔ اور تشریح الابدان کی اہمیت وغیرہ ــــ صدیوں تک یہ کتاب یورپ کے جراحوں کا ماخذ بنی رہی۔ اس کتاب میں آلات جراحی کی تصاویر بھی دی گئی ہیں جنہوں نے بعد کے آنے والے جراحوں کی صحیح رہنمائی کی۔ یورپ میں تو فن جراحت کی بنیاد ہی اس کتاب سے پڑی۔

جس طرح الزہراوی کی شہرت اس کے علم جراحت سے ہوئی اسی طرح ابن زہر نے علم الادویہ میں ناموری حاصل کی۔ ابو مروان عبدالملک بن ابی العلاء الملقب بہ ابن زہر[2] اسپین میں پہنے طبیب خاندان کا مشہور و معروف فرد تھا ۴۸۲ھ/۱۰۹۱ء اور ۴۸۷ھ/۱۰۹۴ء کے درمیان اشبیلیہ میں پیدا ہوا تھا۔ اور ۵۵۷ھ/۱۱۶۲ء میں عبدالمومن موحد کے درباری طبیبوں میں شامل ہو کر کئی سال تک اس کی خدمت انجام دی۔ اور وہیں پر انتقال کیا۔ اس کے تجربات کی حقیقت کا اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ باوجود اس کے کہ وہ بہت سے علوم میں کامل دستگاہ رکھتا تھا لیکن اس نے اپنے ہم عصروں کی طرز کے خلاف اپنی تمام تر توجہ صرف علم الادویہ ہی پر مرکوز رکھی۔ اس نے چھ کتابیں تحریر کی تھیں جن

---

[1] ابن ابی اصیبعہ ج ۲ ص ۵۲-۵۳ [2] ایضاً ص ۱۶۶

تین آج تک باقی ہیں۔ سب سے زیادہ اہم کتاب التیسیر فی المداوہ والتدبیر ہے جو اس نے اپنے دوست ابن رشد کے کہنے پر لکھی تھی۔ ابن رشد نے اپنی کتاب کلیات میں ابن زہر کو سب سے بڑا طبیب تسلیم کیا ہے۔ ابن زہر ہی وہ شخص تھا جس نے سب سے اول یہ معلوم کیا کہ انسانی جسم میں سے ایک خاص قسم کے جراثیم کم ہو جانے سے خشک خارش پیدا ہوتی ہے اور اس کا علاج گندھک ہے۔ وہ ابو بکر رازی کے بعد مسلمانوں میں سب سے بڑا شفاخانوں کا ماہر سمجھا جاتا تھا۔

ابن زہر کا خاندان قریباً تین صدی تک مسلم اسپین کے طبی اساتذہ میں شہرت یافتہ تھا ابو مروان ابن زہر کے لڑکے ابو بکر محمد اس خاندان کے ممتاز فرد تھے لیکن انہوں نے طب سے زیادہ عربی ادب میں کافی شہرت پائی۔ علامہ مقری[1] اور ابن خلکان[2] نے ابو بکر محمد کی سینکڑوں نظموں کا تذکرہ کیا ہے جن میں موشح اور زجل نظمیں بھی تھیں جو ندرت خیال میں بے مثال تھیں۔ ابو یوسف یعقوب موحد نے مراکش میں اس کو اپنا درباری طبیب مقرر کیا تھا جہاں کسی وزیر نے حسد میں اس کو زہر دیکر مار ڈالا۔

ان مشہور و معروف اطباء کے علاوہ مسلم اسپین میں اور بھی مشہور اطباء اور ماہرین ادویہ گذرے ہیں جنہوں نے اس علم کو شہرت کے بام عروج تک پہونچایا اور بڑی خدمات ادا کیں۔ محمد ابن عبدالرحمٰن الاوسط کے زمانہ میں حمید بن آبان خدا کی عطا کردہ نعمتوں سے ایک شمار کئے جاتے تھے وہ بہترین طبیب تھے لیکن ادویہ سازی میں بڑا نام حاصل کیا۔ بہت سے نئے مشروبات، ادویہ اور سفوف ان کی طرف منسوب تھے۔[3]

محمد بن فتح قرطبہ کا مشہور طبیب تھا اور سارے اطباء ادب سے اس کے آگے سر جھکاتے تھے۔ اسپین کے دواساز طبیبوں میں الحرانی بہت مشہور ہے خاص طور پر معجون بنانے میں ماہر تھا۔ الحکم ثانی کے خاص طبیبوں میں احمد و عمر دو بھائی بہت مشہور تھے جن میں احمد سب سے زیادہ معروف تھا اور قابل ترین طبیب تھا جو ارشات بنانے میں اس کو ید طولیٰ حاصل تھا۔ عبدالرحمٰن الناصر کے دور میں یحییٰ ابن اسحٰق بلند پایہ طبیب تھا۔ اور الناصر اس کو بہت عزیز رکھتا تھا۔ اس نے طبی دنیا میں بڑی شہرت پائی اور کئی کتابیں بھی تحریر کیں جن میں سب سے عمدہ اور قابل قدر طب کبیر تھی۔

قرطبہ کے مشہور اطباء میں سعید بن عبدربہ کا نام بھی آتا ہے یہ طبیب کے ساتھ ساتھ بہت بڑا ہیئت داں بھی تھا۔ عموماً علاج میں حبوب یعنی ٹکیاں استعمال کراتا تھا اور اکثر داؤوں کی ٹکیاں

---

[1] نفح الطیب ج ۱ ص ۶۲۵-۲۸ [2] ابن خلکان ج ۲ ص ۳۷۵-۷۶ [3] عیون الانبیاء ج ۲ ص ۴۱

بناتا تھا۔ اس نے طب پر کئی کتب تحریر کیں۔ جس میں تعالیق و مجربات فی الطب اور ادویہ جزرۃ فی الطب بہت مشہور ہیں۔ احمد بن جابر الحکم تانی کے زمانہ میں مشہور اطباء میں شمار کیا جاتا تھا۔ طب پر کئی تصانیف کیں اور فلسفہ میں بھی اپنی تصانیف کی بدولت شہرت پائی خاص طور پر یورپ میں بہت مشہور ہوا۔ محمد بن عبید ون قرطبہ کا آزاد خیال طبیب مشہور تھا کسی دربار سے منسلک نہ رہا بلکہ عوام کی خدمت کرتا تھا ایک کتاب "کتاب فی التکسیر" بہت مشہور ہوئی۔ یورپ میں شہرت پانے والوں میں عبدالرحمٰن بن اسحٰق بن الہیثم بھی ہے۔ علم البصر والنور میں اس کی تحقیقات کو یورپ میں بڑی منزلت حاصل ہوئی۔ اس نے سب سے پہلے شفق کا راز معلوم کیا۔ امراض چشم پر اس نے بہت سے انکشافات کئے۔ اسی نے انتھر کا نظریہ ایجاد کیا اور بتایا کہ نگاہ کا مادی انتھر کی دنیا ہے۔ وہ زبردست عالم اور مصنف تھا اور اس کی کئی کتابیں اسپین کے نصاب تعلیم میں شامل تھیں۔ اسپین کے ماہر اطباء میں داؤد سلیمان بن حسان المعروف بہ ابن جلجل کا بھی شمار ہوتا ہے۔ معالجات اور ادویہ سازی میں غیر معمولی صلاحیت رکھتا تھا اور شام الموئر کا طبیب خاص تھا اس نے ڈیسکوریڈس کی کتاب کے اسماء پر روشنی ڈالی اور تنقید کی اور ایک زبردست تصنیف ادویہ مفردہ پر کی جس میں پرانے نسخوں اور اپنے تجربات کو قلم بند کیا۔

اسپین کے مسلم اطباء میں ابن وافد اپنے علم اور صلاحیت کی بنا پر سربلند ہے۔ وہ جالینوس اور ارسطو کا حافظ تھا۔ ادویہ مفردات میں جو مہارت اس کو حاصل تھی کسی دوسرے کو نصیب نہ ہو سکی۔ وہ دسویں صدی عیسوی میں طلیطلہ میں گذرا ہے اس کی غیر معمولی قابلیت اور صلاحیت نے اس کو اپنے سینکڑوں ہم عصروں پر فائق رکھا۔ اس نے بیس سال کامل اپنی کتاب جو علم الادویہ سے متعلق تھی صرف کئے۔ اس کے سینکڑوں شاگرد تھے جنہوں نے یورپ میں اس کی شہرت بڑھائی۔ اس کی تصانیف میں کتب ادویہ مفردہ مجربات فی الطب۔ تدقیق النظر فی علل حاسۃ البصر اور کتاب المغیث زیادہ مشہور ہوئیں۔ علامہ مقری نے لکھا ہے کہ وزیر ابوالمطرف عبدالرحمٰن بن شہید مصنف ادویۃ المفردہ طب میں خدا کی نشانیوں میں سے ایک نشانی تھے۔ انہوں نے ادویہ مفردہ کی طرف توجہ کی اور ان کے اثرات درجات مقرر کئے۔ وہ عام طور پر غذاؤں سے علاج کرتے تھے۔ ادویہ دوائیں کم دیتے تھے۔ مرکبات کم اور مفردات زیادہ استعمال کراتے تھے خطرناک امراض میں ان کے عجیب و غریب آسان علاج اور شفاء کامل کے قصے زبان زد عوام تھے۔ اسکاٹ کے بقول امراض چشم پر محمد بن قاسم نے

---

[1] عیون الانباء ص ۴۷۷ [2] ایضاً ص ۴۸۸ [3] اخبار الاندلس ج ۳ ص ۵۶۱ (اردو ترجمہ)

کتاب چھ سو صفحات میں لکھی۔ محمد التمیمی کی کتاب فتق اور رسولی کے متعلق چار سو صفحات میں تھی۔ زدنے ایک کتاب تجبیر امراض چشم اور قبض کے امراض پر لکھی تھی جس میں اس نے یہ مشورہ دیا تھا کہ نہ کی پتھری جراحی سے نکالنے پھوڑوں کو چیرنے اور خصی کرنے میں بخدر دواؤں کا استعمال ضرور کرنا ہیئے۔ صلاح الدین بن یوسف نے ایک کتاب آنکھ کی تشریح اور نگاہ کے متعلق تصنیف کی تھی۔

ان کے علاوہ سینکڑوں کی تعداد میں عیسائی اور یہودی اطبا بھی گذرے تھے جن کی تحقیقات رتصانیف اسپین کے دور مسلم کا زبردست سرمایہ تھیں ان میں مشہور و معروف حزاد، خالد بن یزید ملوکہ، اسحٰق، مروان، بن جناح، اسحٰق بن قیسار طلیطلی۔ ابوالفضل بن یوسف وغیرہ رے ہیں۔[1]

متذکرہ بالا تذکرہ تو مشہور و معروف اطبا اور ماہرین ادویات کا تھا اب اگر مسلم اسپین نظام طب علاج گاہوں اور تربیت گاہوں کا بھی تذکرہ کر دیا جائے تو پتہ چلے گا کہ مسلمانوں کا طب طرف عام طور پر کس قدر میلان تھا۔

بنو امیہ اسپین کی ابتدا ہی سے اسپین کے تمام بڑے بڑے شہروں میں دواخانے قائم تھے اور یہ سب طلیطلہ اور قرطبہ کے مرکزی دواخانوں کے ماتحت تھے حکومت کی طرف سے ان دواخانوں کی دیکھ بھال اور نگرانی ہوتی تھی۔ اور اس کے لئے ناظر یا گروا در مقرر کئے جاتے تھے۔ مالکان دواخانہ اس بات کے قانوناً ذمہ دار قرار دیئے جاتے تھے کہ وہ مفرد دوائیں صاف اور تازہ رکھیں اور مرکبات نسخوں مطابق تیار کریں۔ گو اسپین کے دور مسلم میں محکمہ شفاخانہ پر مورخین نے بہت کم توجہ دی ہے لیکن یہ بات قرین قیاس نہیں معلوم ہوتی کہ کسی بھی حکومت نے اس اہم شعبہ سے غفلت برتی ہو چنانچہ مختلف روایات سے پتہ چلتا ہے کہ صرف قرطبہ ہی میں پچاس سرکاری شفاخانہ تھے۔ اسپینی اطبا مریض کے پلنگ کے پاس طبی مشورہ دیا کرتے تھے۔ سرکاری تنخواہ دار طبیب خاص خاص مقررہ اوقات میں ممالک محروسہ کا دورہ کرتا تھا اور دور دراز کے علاقوں میں جا کر علاج کیا کرتا تھا۔ غریب مریض کا علاج اور دوا مفت ہوتی تھی۔

علم تشریح الابدان نے جو فن طب کی روایات و تجربے میں تیز چیز تھی۔ بتدریج ترقی کی۔ قبرستانوں میں ہڈیوں کا ڈھیر دیکھتے دیکھتے طلباء اجساد کی طرف مائل ہوئے پہلے قیاسات پر کام کیا پھر

---

[1] تفصیل کے لئے دیکھئے عیون الانبیاء ابن ابی اصیبعہ ج ۲

اعضاء کی وضع و موضوع کا بغور مشاہدہ شروع کیا اور جانوروں اور قتل کے سزا یافتہ لوگوں کی لاشیں چیرنا شروع ہو گئیں اسپین کے اطبا کورانہ تقلید کے ذرا بھی قائل نہ تھے۔ انہوں نے یہ اہم اصول قرار دیا تھا کہ اندرونی اعضاء کے افعال کا مطالعہ اشد ضروری ہے عمل جراحی میں سخت احتیاط کی جاتی تھی۔ ہر نئے نظریہ کا سخت تجربہ کیا جاتا تھا۔ اور جب تک کہ معمولی علاج سے مرض دور ہو سکتا تھا اس وقت تک سخت علاج نہ کرتے تھے۔ اطباء اسپین ہی نے اپنی تصانیف میں آلات استعمال کی تصاویر بنانے کا طریقہ جاری کیا جو آج تک بہترین طریقہ سمجھا جاتا ہے۔ امراض چشم پر خاص توجہ دی جاتی تھی قداحین نہایت ماہر و کامل آنکھوں کے جراح ہوتے تھے۔ ان کے یہاں نزول الماء کی نو قسمیں تھیں اور ان اقسام کا علاج وہ آنکھ کو قدح کرنے یا نشتر لگا کر پانی نکالنے سے کرتے تھے۔ علاج چشم میں جو سوئیاں وہ استعمال کرتے تھے وہ گول ہوتی تھیں یا تکون اور اندر سے کھوکھلی ہوتی تھیں۔ بہت سے اطباء نے مثانے کی پتھری چیر کر نکالنے اور ہڈیوں کو اپنی جگہ بٹھانے میں بھی مہارت حاصل کر لی تھی۔ وہ یہ بھی جانتے تھے کہ زخم سے اگر خون نہ رکے تو شرائن کو کس طرح باندھ دینا چاہیئے۔ رسولی نکالنے کے لئے وہ ہک کا استعمال اور خون کا دوران درست رکھنے کے لئے ریشم یا سوت کا ڈورا جلد کے نیچے دینے کا طریقہ انہی کی ایجاد ہے۔ زمانہ حال کے پٹی باندھنے کا طریقہ بھی انہی کی ایجاد ہے۔ عمل جراحی سے پہلے مخصوص جگہ کو سن کرنا اور موجودہ زمانہ کے جراحی کے بیشتر طریقے اسپین میں اپنی ابتدائی شکل میں مستعمل تھے۔

بہت سی ایسی دوائیں جو موجود نہ تھیں اسپینی اطباء نے ایجاد کیں مثلاً ضماد، مرہم وغیرہ یورپ مسلمانان اسپین کا آج تک مشکور ہے کہ انہوں نے مفردات میں کچلہ۔ املتاس۔ حب الملوک۔ املی۔ مرضدل کباب چینی۔ جویدار۔ سناؤ۔ ریوند چینی اور کافور مرکبات میں جلاب۔ اکسیر۔ شربت۔ اور معجون خوشبودار مصالحوں میں قرنفل۔ جوزبو۔ زنجبیل۔ (ادرک) اور الائچی سے یورپ کو آشنا کیا ہر دواساز کو اپنی قابلیت کا ایک امتحان دینا پڑتا تھا۔ ہر دوا کی قیمت حکومت کی طرف سے مقرر تھی۔ اور نرخنامہ دوکانوں پر لٹکانے کا حکم تھا۔ جو لوگ ان قواعد کی پابندی نہ کرتے۔ ان کو سخت سزا دی جاتی تھی چیچک اور جذام پر حکومت کی طرف سے تحقیقات کرائی جاتی تھیں۔ امراض اعصابی۔ دماغی صدری اور فتور عقل کے مخصوص معالج ہوتے تھے۔ پردہ اور حفاظت حرم کے خیال سے زنانہ خانوں میں مرد نہ جاتے تھے۔ بلکہ اس کے لئے قابلہ کی خدمات لی جاتی تھیں۔ نسوانی امراض

عموماً عورتوں ہی کے زیر علاج رہتے تھے۔ سب سے اہمیت صفائی اور حفظان صحت کے اصولوں کو دی جاتی تھی۔ اور علاج شروع کرنے سے پہلے ان چیزوں کو ضرور اختیار کیا جاتا تھا۔ اطبا اسپین کا یہ کہنا تھا کہ ہضم کرنے والے اعضا سے زیادہ کام لینا بہت سے امراض پیدا کرتا ہے اس لئے پرہیز اور اعتدال غذا کا خاص طور پر خیال رکھا جاتا تھا۔

کیمیا اسپین کے مسلمانوں میں نئے نئے تجربات کرنے اور نئی نئی ایجادات کرنے کا قدرتی شوق موجود تھا یونانی اور مصری قدیم اطبا کے مطالعہ کی وجہ سے نہ صرف یہ کہ وہ علم کیمیا سے بخوبی واقف ہو گئے تھے۔ بلکہ اس کے حصول کا شوق بھی ان میں دافر پیدا ہو گیا تھا۔ ان کا یہ خیال پختہ ہو گیا تھا کہ تمام معدنی اشیا میں ایک ہی جوہر مختلف مقدار میں موجود ہے۔ اگر مختلف تراکیب سے اس جوہر کو ضائع کر دیا جائے۔ تو ایک چیز دوسری میں منتقل ہو سکتی ہے اس طرح تانبے کو سونا بنایا جا سکتا ہے۔ ابتدا میں اسپین کے کیمیا داں اپنی معلومات و تجربات کو اپنے یونانی اساتذہ کی طرح معموں اور الفاظ کے پردوں میں چھپاتے تھے لیکن جیسے جیسے اس علم کو ترقی ہوتی گئی کیمیا داں بھی اپنے نسخوں اور تجربات کو پوشیدہ کرنے سے باز آتے گئے۔ امرا و سلاطین کی طرف سے ان کو داد تحسین اور سرپرستی ملتی گئی۔ جو خود بھی کیمیا میں شغف رکھتے تھے۔ گو اسپین میں یہودیوں نے اس فن میں امتیاز حاصل کیا لیکن مسلمان بھی ان سے کسی طرح پیچھے نہ رہے۔ اگرچہ یہ فن عام طور پر ناپسندیدہ اور غیر شرعی سمجھا جاتا تھا لیکن کیونکہ فائدہ مند نظر آتا تھا اس لئے درپردہ اس کا رجحان بڑھتا گیا۔ کیمیا کی تلاش میں اسپین کے کیمیا دانوں نے جو تجربات اور مشاہدات کئے ان سے بلا ارادہ وہ نتائج حاصل ہوئے جو آگے چل کر نوع انسانی کے لئے بڑے کارآمد ثابت ہوئے۔ معدنیات کو گلانے اور تبدیل کرنے کی کوششوں سے وہ ان تراکیب تک پہونچ گئے جس سے کچی دھاتوں کو گلانے اور کارآمد بنانے کا کام لیا جا سکتا تھا۔ چنانچہ معدنی اشیا کو ڈھالنا۔ شیشہ کو گلانا اور اسی سے اشیا بنانا۔ معدنیات پر شیشہ چڑھانا۔ انہوں نے سیکھ لیا۔ اہل اسپین نے کیمیا کے تجربات اور مطالعہ کو اس حد تک پہونچا دیا تھا جہاں وہ اس سے پہلے نہ پہونچا تھا۔ گو انہوں نے اس فن میں ممالک مشرقیہ سے بہت کچھ فیض حاصل کیا۔ لیکن پھر بھی ان کو نمایاں اور قابل داد ولیت حاصل ہے اور اگر زمانہ حال کی کیمیا کا ان کو موجد کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔

اسپین کے بیشتر کیمیا دانوں نے نمایاں طور پر اس فن پر تصانیف کی ہیں اور قلم کرنا

(Distillation) تقطیر (Sublimation) تصعید (Crystallization)

(Solution) تحلیل (Filteration) ترویق

کی ترکیب بھی بتائی ہیں۔ تیزاب شورہ (Nitric Acid) اور تیزاب گندھک (Sulphuric Acid) کا استعمال اور ایجاد انہی کی ہے۔ ان دونوں تیزابوں کے بغیر کیمیائی ترکیب کا کوئی امکان نہ تھا۔ انہی کی بدولت دنیا کو الکحل تیزاب نوشادر، پوٹاس، بائیکلورائڈ آف مرکری چاندی کے پانی اور فاسفورس کا علم ہوا۔ ان معلومات سے ایک طرف تو صنعت و حرفت میں ترقی ہوئی تو دوسری طرف طب و جراحت کو ان فانی تکلیف کو زیادہ سے زیادہ رفع کرنے کا سامان بہم پہنچا۔ اکال ادویہ (Caustic) اور تیزابوں نے تو فن ادویہ میں انقلاب عظیم پیدا کر دیا۔

اطباء آسپین کو یہ علم تھا کہ مکلس (Calcineo) معدنی اشیاء اپنا وزن کم کرنے کی بجائے بڑھا لیتی ہیں۔ اس سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ اہل آسپین کو گیسوں (Gasses) کا علم تھا وہ آکسیجن کو بھی معلوم کر چکے تھے۔ اور کچھ تجربات کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ ان کو ہائیڈروجن کے وجود اور اس کے خواص کا بھی علم تھا۔ آسپین کی تمام جامعات میں طلباء علوم سائنس پر نت نئے تجربات کرتے تھے۔ اور وہ علوم جو ایک عرصہ سے بدنام تھے۔ ان طلباء کی عملی جد و جہد کی وجہ سے ان کی بدنامی دور ہوتی جاتی تھی۔ خاص طور پر کیمیا کے متعلق بُرے شکوک و شبہات کا بڑی حد تک خاتمہ ہو گیا تھا۔ اسی فن کے ذریعہ انہوں نے ایک نئی شاخ پیدا کی جو فن دواسازی کے نام سے پکاری جاتی تھی۔ علامہ مقری نے لکھا ہے کہ اہل آسپین کے ذکاء، استخراج و استنباط علوم کا یہ حال تھا کہ ایک ابوالقاسم عباس بن فرناس نے پتھر سے شیشہ بنانے کی ترکیب نکالی۔ انہوں نے ایک آلہ مثقال نامی بنایا جس سے اوقات معلوم کرتے تھے۔ یہ حکیم اپنے جسم پر مصنوعی پر لگا کر ہوا میں اڑے لیکن کیونکہ دُم نہ لگائی تھی اس لئے اترتے وقت ان کو بہت تکلیف ہوئی۔ انہوں نے کیمیا پر بھی کافی تجربات کئے۔ [1]

علامہ ابن خلدون کے بقول گو اس علم کا استاد کل جابر بن حیان کوفی تھا لیکن ابوالقاسم مسلمہ المجریطی نے حکماء اندلس میں استاد کل کا مرتبہ پایا۔ اس کا یہ دعویٰ تھا کہ کیمیا اور سحر حکمت کے نتائج ہیں ابوبکر ابن بشرو اور ابن السمح دونوں مجریطی کے شاگرد تھے۔ مسلمہ مجریطی نے دو کتابیں تحریر کیں ایک کیمیا پر جس کا نام "رتبۃ الحکیم" تھا۔ دوسری سحر و طلسمات پر جس کا نام "غایۃ الحکیم" تھا۔ مجریطی کے

[1] مقدمہ ابن خلدون ص ۵۳۴-۳۵ (اردو ترجمہ)

دونوں شاگردوں نے بھی کیمیا پر کافی کام کیا۔

(۳) شعبۂ فنون

۱۔ فنِ تعمیر اسپین میں مسلمانوں کے فنِ تعمیر کے مطالعے کے سلسلے میں یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ مسلمان سلاطین اور اسپینی عوام کی اکثریت نے کبھی بھی کسی پرانی ثقافت کی کورانہ تقلید کو پسند نہ کیا بلکہ جیسا کہ بتایا جا چکا ہے کہ ایک نئی اسپینی تہذیب کو جنم دیا چنانچہ اسی نئی تہذیب کے آثار ان کی تعمیرات سے بدرجہ اتم ظاہر ہوتے ہیں اہل عرب کا یہ قاعدہ رہا تھا کہ وہ جہاں کہیں فاتح بن کر گئے وہاں کی علاقائی تہذیب کو اپنا لیا اور ان ہی کے خصائص اپنی تعمیرات میں داخل کر لئے چنانچہ سندھ سے لیکر مراکش تک کی تعمیرات میں عربوں کی یہ خصوصیت نمایاں پائی جاتی ہے لیکن اسپین میں اسکے برخلاف ہوا۔ اور اسپینی مسلمان اپنی ایک نئی طرزِ تعمیر کے موجد ہوئے جس میں عربی، اسپینی، صیہونی اور دیگر اسپینی اقوام کی خصوصیات کو برابر کا شریک کیا ہے جس سے ان تعمیرات کا رنگ ہی جدا ہو گیا ہے مثال کے طور پر جامعہ قرطبہ ہی کو لیا جائے تو اس میں صیہونی اور عیسائی طرزِ تعمیر کے ساتھ قدیم اسلامی طرز بھی ملتا ہے۔ اس طرح اگر ان تعمیرات کو خالص اسپینی طرزِ تعمیر کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔

اسپین میں مسلمانوں کے فنِ تعمیر کی عمر چھ سو نوّے ۶۹۰ برس کی ہے یعنی ۸ ویں صدی عیسوی میں جامع قرطبہ کی بنیاد پڑی اور ۱۵ ویں صدی عیسوی میں غرناطہ کا قصر الحمراء مکمل ہوا۔ اس دوران سینکڑوں عمارات۔ حمام۔ محلات۔ مساجد۔ مقابر۔ درسگاہیں۔ پل وغیرہ تعمیر ہوئے جن کی اگر تفصیل لکھی جائے تو بجائے خود ایک کتاب کی شکل اختیار کر لے۔ اہل اسپین عام طور پر اپنی زیادہ مضبوط عمارات میں چونے۔ مٹی۔ اور پتھر کے مرکب مسالے سے کام لیتے تھے۔ اسی مسالے کی یہ خاصیت تھی کہ جس قدر یہ پرانا ہوتا جاتا تھا اسی قدر مضبوط سے مضبوط تر ہوتا جاتا جس کا ثبوت ان عمارات سے مل سکتا ہے۔ جو آج تک قائم ہیں۔ بعض مقامات پر بڑی بڑی اینٹیں بھی استعمال کی گئی ہیں۔ ان میں سے بہت سی اینٹیں ایک طرف سے کھدی ہوتی تھیں۔ تاکہ چونا ان کو اچھی طرح پکڑ لے۔ ایسی شکل میں مرکب مسالہ کام میں نہیں لیا جاتا تھا۔ بعض صورتوں میں تمام دیوار رخیتہ پتھر ہی کی ہوتی تھی۔ مسجد قرطبہ میں یہ تینوں تراکیب استعمال کی گئی ہیں۔ عمارات کی مضبوطی کا انحصار ان کی بنیادوں پر ہوتا تھا۔ بہت سی عمارات ایسی بھی ہیں جن کی مضبوطی آگے کو نکلے ہوئے پشتے۔ بلند برج اور خوبصورت مورچوں سے یہ پتہ چلتا ہے کہ یہ عمارت

کسی جنگی ضرورت کے لئے بنائی گئی تھی۔ قرطبہ اور اشبیلیہ کی مساجد کے میناروں کے انتہائی حصوں کو شعلہ نما صورت کا بنایا گیا تھا جو مجوسی طرز تعمیر سے مشابہ ہے۔ بلکہ اس طرح کی تزئین آئین کی تمام مسلم عمارات میں بڑے شوق کے ساتھ قائم رکھی گئی ہے چنانچہ الحمرا کی بچی کاری اور طلائی کاموں میں سب سے زیادہ نمایاں یہی تزئین ہے۔

محرابوں کی تعمیر عمارت کی مضبوطی اور خوبصورتی کا پتہ دیتی ہے۔ آئین کی عمارات میں مختلف قسم کی محرابوں کا پتہ چلتا ہے ان میں چند مثلاً عجمی محراب مسلمانان آئین ہی کی اختراع ہے۔ یہ دوہری کھڑکیاں ہوتی تھیں جن کو ایک نازک سا ستون درمیان میں قائم کر کے الگ کر دیا جاتا تھا شروع زمانہ حکومت بنوامیہ میں جو محرابیں بنائی گئی تھیں وہ نعلی صورت کی تھیں لیکن جس قدر علم ہندسہ و ہیئت کو ترقی ہوتی گئی اسی قدر محرابوں کا طرز بدلتا گیا یہاں تک کہ قصر الحمرا کی خوبصورت محرابوں کی نزاکت اور کم مسالہ استعمال کرنے کی خصوصیت نے ایک زمانہ کو اس پر حیران و پریشان کیا۔ کہ اس قدر بڑے پایوں اور کارنسوں کا بوجھ ان نازک محرابوں نے کس طرح سہارا ہے لیکن نعلی محرابیں پھر بھی باقی رہیں باقی محرابیں صاف اور منقش ہوتی تھیں۔ اس بات کا کافی تاریخی ثبوت ملتا ہے۔ کہ نوکیلی محراب یورپ میں آئین ہی سے آئی تھی۔ اور ۹ ویں صدی عیسوی سے بیشتر اہل آئین اس سے واقف ہو گئے تھے۔ یہی حال ستونوں کا ہوا گو ان سے پہلے بھی ستون عمارات کا جز ہوتے تھے لیکن اہل آئین نے ان میں کافی اصلاح کی اور ان کو غیر معمولی طور پر نازک سے نازک تر بنا دیا جو عمارات مسلمانوں کے دور اول میں تعمیر ہوئی تھیں ان کے ستون شکل و صورت۔ قد و قامت۔ وضع و قطع اور رنگ و مسالے میں یکساں نہیں ملتے۔ کیونکہ وہ زیادہ تر مال مغنومہ کے طور پر قدیم عمارات سے لائے گئے تھے۔ اس مال مغنومہ کی بہترین مثال جامع قرطبہ ہے۔ چنانچہ ان میں سے بہت سے ستونوں کے پایہ نہیں ہیں اور بلا لحاظ قواعد تعمیر کے جوں کے توں نصب کر دیئے گئے تھے لیکن مال مغنومہ کی کمی کے ساتھ ساتھ اپنے ستون بنانے کی ضرورت لاحق ہوئی اور اہل آئین نے اس میں بھی ہنرمندی کے جوہر دکھائے۔ چنانچہ قصر الحمرا کے بیت الاسود کے ستونوں کو دیکھ کر ہر ماہر تعمیرات بآسانی یہ بتا سکتا ہے کہ یہ ستون خالص مسلمانان آئین کی ایجاد ہیں۔

دیواروں کی سجاوٹ میں بھی اہل آئین دیگر ممالک اسلامیہ سے کسی طرح کم نہ رہے ہیں عموماً عمارات کا بیرونی حصہ بالکل سادہ اور بے رونق ہوتا تھا لیکن اندرونی حصہ میں صناع کے تخیل کا کمال انتہائی عروج پر ہوتا تھا۔ زیب و زینت کے اسراف میں کسی طرح کمی نہ کی جاتی تھی۔ زخرفۃ العرب، کی وضع

کام کیا جاتا تھا جو دیواروں کی زینت کا قدیم ترین طریقہ تھا۔ جامع قرطبہ میں سب سے پہلے یہ کام کیا گیا تھا اس ساتھ ہی ساتھ ابتدائی نمونہ سنگ مرمر کی جالیوں کا نظر آتا ہے جن میں ہوا تو خوب آتی تھی لیکن روشنی تکلیف نہ ہوتی تھی۔ اس میں طاق کی شکل کی یا عجمی طرز کی کھڑکیاں نظر آتی ہیں جن کے نازک ستون حجر الشطوط ہیں۔ اشبیلہ کا مینارہ جو کسی فتح کی خوشی میں تعمیر ہوا تھا اور کسی زمانہ میں مسجد کی مینار اور رصد گاہ کے کام آیا تھا بڑی حد تک آئین کے مسلم صناعوں کی کاوشوں اور دیواری نقش و نگار کا اعلیٰ نمونہ ہے۔ یہ خیال کیا جاتا ہے کہ اس مینارہ پر اور جامع قرطبہ پر قلم کاری کی گئی ہے۔ ان دونوں عمارات کے اطراف میں جو جالیاں پتھروں کی بنائی گئی ہیں کہا جاتا ہے کہ ان پر زخرفۃ العرب کا کام کیا گیا ہے۔ ان جالیوں پر قرمزی اور لاجوردی رنگ کا اور اس کے چھجوں پر سنہرا کام تھا۔

ان دونوں عمارات میں آئین صناعوں نے سفالی قرامیدے (Tiles) کا بھی استعمال کیا ہے۔ جامع قرطبہ میں ٹائلس (قرامید) کا کام بھدا ہے اس کے جوڑ بد صورتی سے بٹھائے گئے ہیں مگر اشبیلہ کے مینارہ میں ٹائلس کا کام عمدہ اور خوبصورت ہے اور یہ قرامید دھوپ میں آئینے کی طرح چمکتے تھے۔ ٹائلس کے بنانے اور لگانے میں جو ترقی مسلمانان آئین نے کی اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ یہ لوگ اس فن میں اور اصول زیبائش میں کس قدر طاق تھے۔ مسلمانوں کے آخری دور میں ٹائلس کا کام عمارت کے صرف اندرونی حصہ تک ہوتا تھا جیسا کہ آجکل ہوتا ہے۔ قصر الحمرا میں یہ کام اپنے انتہائی عروج پر ہے۔ یہ ٹائلس دندانہ دار بنائے گئے تھے۔ جو صناعان آئین کی مہارت اور ہوشمندی کی دلیل ہے۔ مٹی کے کام میں قابل ذکر بات یہ ہے کہ ایک تو وہ لطیف ہوتا تھا دوسرے یہ کہ خلافت کے زمانہ کے اور اس کے بعد کے زمانہ کے کام میں زمین و آسمان کا فرق نظر آتا ہے۔ قرطبہ کی عمارات میں جس قدر کام ہے وہ خالص جڑائی کا نہیں ہے بلکہ پہلے دیواروں پر رنگ لگا دیا گیا ہے اس کے بعد اس پر کسی محلل مسالے سے خوبصورتی کے ساتھ شیشے جڑ دیئے گئے ہیں۔ بہرحال سفالی کی پچی کاری میں مسلمانان آئین کی اولیت مسلمہ ہے اور ان کی ایجاد و اختراع کے ثبوت دیواروں اور ستونوں پر اس طرح کندہ ہیں کہ یورپ اور ایشیا کے نقادان فن تعمیر ان کو دیکھکر محو حیرت رہ گئے ہیں۔[1]

دیواروں کی سجاوٹ پر سب سے زیادہ نمایاں خصوصیت گچ کے کام کی ہے۔ اس مسالہ پر جتنا زیادہ وقت گذرتا جاتا ہے یہ پتھر سے بھی زیادہ مضبوط ہوتا جاتا ہے اس کے بنانے کی ترکیب تو موجدوں کے

---

[1] اخبار اندلس جلد ۳ صـ ۶۰۱

سینہ ہی میں گئی لیکن گمان غالب یہ ہے کہ پہلے سنگ مرمر کو سرمہ کر لیا جاتا تھا پھر اس میں چونا اور ملاکر ایک خاص مقدار میں انڈوں کی سفیدی میں گوندھا جاتا تھا اور ابھی متقریباً سیال ہی ہوتا کہ سانچوں میں ڈھال لیا جاتا تھا۔ اس میں ضرور کوئی ایسی چیز پڑتی تھی جس سے حشرات الارض بھاگتے کیونکہ اس مسالے کی دیوار پر کبھی کوئی مکڑی یا مکھی نہیں دیکھی گئی۔ سانچے میں ڈھالے جانے کی وجہ قصر الحمرا میں ۱۵۲ وضع کے ایسے پھول بوٹے پائے گئے ہیں جو ایک دوسرے سے مختلف تھے۔

آہنی عمارات کی یہ خوبی ہے کہ سوائے ستونوں کے سنگ مرمر کا استعمال بہت کم کیا گیا ہے۔ ... کے کام کرنے میں تو آہنی اپنا جواب نہ رکھتے تھے۔ اور سیپ کی نازک نازک پھول پتیوں کا جو ڑ بٹھ اپنی محنت کشی کا ثبوت دیتے تھے۔ عمارات کی چھتیں اس طرح بنائی جاتی تھیں کان کو کنا جا سکتا مثلاً مساجد کی چھتوں کے حصے ہر محراب کے جدا جدا ہوتے تھے۔ کڑیاں تین طرف سے منقش ہوتی تختوں پر رنگین گلکاری ہوتی تھی اور پھول پتیوں کے ابھرے ہوئے حصوں پر سونا چڑھا ہوتا اکثر لکڑی پر کسی کمیاب اور قیمتی شے کا کام کیا جاتا تھا جس میں آبنوس، یا ہاتھی دانت۔ اور کچھوے کی کھوپڑی شامل تھی۔ بعد کے زمانہ میں نصف کرہ نما چھتیں ہونے لگیں اور اندرونی سطح پر ہندسی اصول کے نقش و نگار بنائے جانے لگے تھے۔

جہاں تک کہ عام عمارات کی تعمیر کا سوال تھا مسلمانان آہین نے فوجی طرز کی عمارات سے تعمیر کیں۔ کیونکہ تمام معاملات عسکری نوعیت کے ہوتے تھے۔ اور اکثر لڑائیاں ہوتی تھیں اس لئے ان عمارات کی کثرت پائی جاتی تھی یہ دفاعی عمارت عام طور پر وسیع رقبہ پر بنائی جاتی تھی اور ان کی ساخت میں سختی سے عسکری ہندسی اصولوں پر عمل کیا جاتا تھا۔ جو اس زمانہ کے انتہائی ترقی یافتہ اصول تھے۔ دیواریں بہت چوڑی اور مضبوط ہوتی تھیں۔ بروج مربع ہوتے تھے اور تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر بنائے جاتے تھے چنانچہ غرناطہ میں جو عمارت ہے گو اس کا رقبہ کچھ زیادہ نہیں۔ لیکن اس میں ۱۲۰۰ بروج بنائے گئے تھے۔ چھت پڑے ہوئے راستے اور مورچے فوجی راستوں کی حفاظت کرتے تھے۔ قلعہ کی فصیل کے اندر بہت بڑا رقبہ ہوتا تھا جو بجائے خود ایک شہر بن جاتا تھا یہی قلعہ صدر مقام ہوتا یہیں شاہی حرم و حشم ہوتا۔ چھاؤنی ہوتی۔ خزانہ ڈکسال اور سلاح خانہ ہوتا تھا۔ چور راستے بھی بنائے جاتے تھے۔ طلیطلہ کے باب الشمس کو چھوڑ کر کوئی عمارت ایسی

نہیں ملتی کہ جس کی فصیل کو بھی خوبصورت بنانے کی کوشش کی گئی ہو۔ بڑے بڑے پانی کے ذخیروں میں پانی محفوظ رکھا جاتا تھا۔ اور پتھریا سیسہ کے نلکوں سے کسی پہاڑی چشمے سے پانی بھی لایا جاتا تھا۔

اسپین کے مسلمانوں کی تعمیرات کو ہم تین حصوں میں منقسم کر سکتے ہیں۔

(۱) پہلا حصہ ان عمارات کا جو دور بنو امیہ میں تعمیر ہوئیں۔

(۲) دوسرا وہ حصہ جو دور طوائف الملوکی میں تعمیر ہوا۔

(۳) اور تیسرا وہ جو ۱۳ ویں صدی عیسوی یعنی غرناطہ کی مستقل حکومت کے قیام سے شروع ہوتا ہے اور قصر الحمرا کی تعمیر پر ختم ہوتا ہے۔ ہم یہاں پر چند عمارات کا تذکرہ کرتے ہیں تاکہ مسلمانان اسپین کی صنعت تعمیر کے نمونے مل سکیں۔

پہلے حصہ میں جو عمارات تعمیر ہوئیں ان کی تعداد ہزاروں تک پہونچتی ہے جنہیں سرکاری اور غیر سرکاری دونوں اقسام کی عمارات شامل ہیں جہاں تک عوامی تعمیرات کا تعلق ہے ان میں مساجد مدارس، حمام، پل، سرائے، سڑکیں وغیرہ شامل ہیں۔ ان عمارات کا طرز کیسا تھا۔ اور ان پر کس طرح کا کام کیا گیا تھا۔ اس کی تفصیل بتانے سے مجبور ہیں اس لئے کہ ان میں سے کسی کا بھی وجود باقی نہ چھوڑا گیا جس سے کہ اندازہ کیا جاتا۔ حالانکہ علامہ مقری کے بقول صرف قرطبہ ہی میں .. ۹ کے قریب مساجد اور .. ۹ کے قریب حمام تھے۔ البتہ کچھ سرکاری عمارات کے آثار باقی رہ گئے ہیں جن سے ان عمارات کی طرز تعمیر پر کچھ روشنی ضرور پڑتی ہے۔ سرکاری عمارات کا مفہوم وہ عمارات ہیں جن کی تعمیر تو عوام کی فلاح ہی کے لئے ہوتی تھی لیکن امراء اور سلاطین نے ان کی تعمیر میں بطور خاص حصہ لیا تھا جیسے کہ جامع قرطبہ۔ وادی الکبیر کا پل۔ الزہرہ۔ الزاہرہ وغیرہ

جامع قرطبہ قرطبہ کے عجائبات میں اس کی مشہور مسجد تھی۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اسلامی ممالک میں اس سے بڑی اور اچھی کوئی مسجد نہیں تھی پہلے اس مقام پر عیسائیوں کا گرجا سنٹ ونجنت تھا۔ جس کا آدھا حصہ مسلمانوں نے عیسائیوں سے لیکر مسجد تعمیر کی تھی۔ ۱۷۰ھ میں عبدالرحمن الداخل نے اس مسجد کی بنیاد ڈالی۔ گو عبدالرحمن کے عہد حکومت میں اس مسجد کا اولین خاکہ بھی پورا نہ ہو سکا تھا۔ لیکن پھر بھی اس قدر تعمیر ضرور

---

[1] نفح الطیب جلد ۱ ص ۲۵۲، ۲۵۳ [2] ایضاً ص ۲۵۵

ہو گئی تھی۔ کہ الداخل نے اسمیں جمعہ کی نماز پڑھی اور خطبہ دیا ہشام اول نے اس مسجد کو ۱۷۷ھ ۷۹۳ء میں مکمل کیا اور اس میں ایک زبردست مینار کا اضافہ کیا جو عجائبات میں شمار ہوتا ہے۔ وہ اذان دینے کا مینارہ تھا۔ بڑے بڑے بھاری پتھروں سے بنایا گیا تھا جس مقام پر مؤذن کھڑے ہو کر اذان دیتا تھا وہاں اس کا طول میں رقبہ ۵۴ ہاتھ تھا اوپر کے انتہائی رقبہ کی لمبائی ۷۳ ہاتھ اور چوڑائی فی مربع ۱۸ ہاتھ تھی۔ ہٹی کے کہنے کے بموجب یہ مینارہ دراصل اس افریقی طرز کی نشاندہی کرتا تھا جس کی اصل شامی طرز تعمیر تھی۔ بعد میں یہ مسجد ہمیشہ بنتی سنورتی اور نئی ہوتی رہی۔ عبدالرحمٰن الناصر کے عہد میں اس کا رقبہ ۲۲۵ گز لمبا اور ۲۰۵ گز تک چوڑا ہو گیا تھا۔ الحکم ثانی نے اس میں ۱۰۵ گز اضافہ کیا جس سے اس کی لمبائی ۳۳۰ گز تک ہو گئی۔ حاجب المنصور نے اس کی چوڑائی میں ۸۵ گز کا اضافہ کیا جس سے اس کی چوڑائی ۲۹۰ گز ہو گئی تھی۔ اس کے صحن میں سنگ مرمر کی پٹریوں کی گیارہ صفیں تھیں۔ درمیانی صف کی چوڑائی ۱۶ ہاتھ ہے شرقی و غربی اردگرد کی چار صفوں کی چوڑائی ۱۴ ہاتھ اور باقی چھ صفوں کی چوڑائی گیارہ ہاتھ ہے۔ المنصور نے آٹھ صفیں اور بڑھائیں جن میں سے ہر ایک کی چوڑائی دس ہاتھ ہے۔ مسجد کی چھت ایک ہزار ۲ سو ۹۳ سنگ رخام کے ستونوں پر قائم ہے اور ۲۸۰ جگمگاتے ستارے اس چھت پر بنے ہوئے تھے جن میں اندرونی دالان کے ستارے خالص چاندی کے تھے۔ مسجد کے وسط میں تانبے کا ایک بہت بڑا جھاڑ تھا جس میں ایک وقت میں ہزار چراغ جلتے تھے۔ مسجد کے ۹ دروازے تانبے کے جڑاؤ کے تھے۔ خاص دالان کا دروازہ سونے کے کام کا تھا اور محراب اور اس سے متصل دیوار سونے کی تھی۔ اور سنگ مرمر پر سونے کا کام تھا۔ سرے پر تین سیب بنے ہوئے تھے۔ ہر سیب کا دور ۳½ بالشت تھا۔ دو سیب خالص سونے کے اور ایک چاندی کا تھا۔ ہر سیب کے اوپر اور نیچے سوسن کے پھول بنے ہوئے تھے۔ ایک نیزے کے اوپر سونے کا ایک چھوٹا سا انار بنا ہوا تھا۔ منبر کے خانہ میں حضرت عثمانؓ کا قرآن پاک ایک چوکی پر جو عود کی لکڑی سے بنی ہوئی تھی رکھا ہوا تھا۔ اس چوکی کے پائے ٹھوس سونے کے بنے ہوئے تھے۔[۵] قرآن پاک کا جزدان زرتار اور موتی و یاقوت سے جڑا ہوا تھا اور اوپر سے دیبا کے غلاف چڑھے ہوئے تھے۔ علامہ مقری نے ابن بشکوال کے حوالے سے لکھا ہے کہ مسجد کے اکیس ۲۱ دروازے تھے۔ نو مغربی جانب اور نو مشرقی جانب تین شمال کی جانب تھے ایک دروازہ مقصورہ میں کھلتا

---

[۵] مقری جلد ۱ صفحہ ۴۶۰

[۱] The History of the Arabs ص 94.

تھا جو قصر خلافت سے ملا ہوا تھا۔[1] الحکم ثانی نے چار وضو گاہیں مزید تعمیر کروائی تھیں جن کے لئے جبل قرطبہ سے پانی پائپ لائن کے ذریعہ لایا گیا تھا۔ مسجد کے باہر پانی کی سبیلیں بھی بنوائی گئیں اور بڑے دروازے کے سامنے محتاج اور غرباء کے لئے حجرے تعمیر کئے گئے جن کے اخراجات حکومت کے ذمہ تھے۔

مسجد قرطبہ کی اہم اور خوبصورت ترین شناس کے محراب و منبر تھے یہ محراب سنگ مرمر کی صرف ایک سل سے بنائی گئی تھی جس پر بیل بوٹے اور نقش و نگار بنے ہوئے تھے۔ محراب کی چھت چار ستونوں پر قائم تھی جن میں دو سبز اور دو لاجوردی تھے۔ "اسکاٹ نے لکھا ہے کہ مسجد کی محراب ممالک اسلامی اور غیر اسلامی میں اپنی جزئیات اور خاکہ کے لحاظ سے بے مثال تھی"[2] الغرض مسجد قرطبہ ترقی معماری اور دستکاری کے ان مدارج کی نشاندہی کرتی ہے جو اس کی بنیاد رکھنے کے زمانہ سے اس کی تکمیل تک اہل آئین نے طے کئے۔

قصر کبیر اس قصر کو دوسری صدی ہجری کے وسط میں امیر عبدالرحمٰن الداخل نے بنوانا شروع کیا اور بعد کے بادشاہوں نے اس کی تعمیر مکمل کی۔ اس قصر میں بہت سی محل سرائیں تعمیر کی گئیں کہا جاتا ہے کہ اس میں ۴۳۰ محلات تھے جن میں سے اکثر کے نام کچھ اس طرح تھے۔ الکامل، المجدد، الروضہ المعشوق، المبارک، قصر السرور، البدیع وغیرہ۔ ان محلات کی آرائش و زیبائش بڑے مبالغے کے ساتھ کی گئی تھی۔ کثرت سے نہریں، آبشاریں اور تالاب وغیرہ بنائے گئے تھے۔ اور زمین دوز نہروں کے ذریعہ پہاڑوں سے پانی لایا گیا تھا۔ ان کے ذریعہ پانی منقش سنگ رخام کی حوضوں تک آتا۔ اور پھر چاندی اور سونے کے نلوں کے ذریعہ جنکی صورتیں درندوں اور خوبصورت چڑیوں کی طرح ہوتی تھیں ان حوضوں میں گرتا تھا۔[3] اسی کے ساتھ ساتھ الداخل نے قصر صافہ بھی تعمیر کیا تھا جو ایک بہترین تفریح گاہ اور نادر باغ بھی تھا۔

الزہرہ قرطبہ کے نادر روزگار قصور میں ایک قصر الزہرہ بھی تھا جس کو عبدالرحمٰن الناصر نے شہر سے چار میل کے فاصلہ پر تعمیر کرانا شروع کیا تھا اور بعد میں اس کے لڑکے الحکم ثانی نے اس کی تعمیر مکمل کی تھی اس طرح یہ قصر ۴۰ سال تک بنتا رہا۔ اصل میں یہ ایک شہر تھا جس کی لمبائی مشرق سے مغرب تک ۲ ہزار سات سو اور چوڑائی ایک ہزار پانچ سو ہاتھ تھی۔ اس میں تقریباً ۴ ہزار ستون تھے جن میں بعض ستون روم، افریقہ اور تیونس سے آئے تھے شہنشاہ قسطنطنیہ نے بھی بعض ستون ہدیہ بھیجے تھے۔ قصر میں ایک شاندار مسجد اور متعدد محل سرائیں اور باغات تھے۔ نہروں اور چشموں اور حوضوں

---

[1] مقری جلد ۱ ص ۲۵۷ [2] اخبار اندلس جلد ۲ ص ۶۱۳ [3] مقری جلد ۱ ص ۲۱۹

میں ہزاروں رنگ کی مچھلیاں تیرتی تھیں۔ سنگ رخام کی مختلف شکلوں کے حوض تھے جن میں سے بعض پر سونا چڑھا ہوا تھا۔ جو حوض قسطنطنیہ سے آئی تھی اس میں آدمیوں کی شکل کے نقوش تھے جس کو خلیفہ الناصر نے اپنی مشرقی خواب گاہ "مونس" میں نصب کرایا تھا اور اس پر زرسرخ کی بارہ شکلیں جو بیش قیمت موتیوں سے مرصع تھیں بنوائی تھیں۔ یہ سب چیزیں قرطبہ کے کارخانوں میں تیار کی گئی تھیں۔ ان میں ایک شیر کی صورت تھی۔ ایک کنارے پر ہرن تھا۔ ایک کنارے پر مگرمچھ اور اس کے مقابل میں اژدھے۔ عقاب اور ہاتھی بنے ہوئے تھے۔ حوض کے دونوں پہلوؤں پر کبوتر۔ شاہین۔ طاؤس۔ مرغ چیل۔ اور گدھ کی تصاویر خالص سونے سے بنی ہوئی تھیں اور ان سب کے منہ سے فوارے جاری تھے۔

کہا جاتا ہے۔ کہ الناصر اس پر خراج کا ۱/۳ خرچ کرتا تھا اس وقت سلطنت کا خراج ۶۰ لاکھ اشرفیاں تھا۔ اس حساب سے ہر سال ۲۰ لاکھ اشرفیاں اس کی تعمیر پر خرچ کی جاتی تھیں۔ کیونکہ اس کی مدت تعمیر ۴۰ سال ہے تو اس حساب سے اس پر جو کچھ خرچ آیا ہوگا وہ مبالغہ میں شامل ہو جاتا ہے۔ علامہ مقری[1] اور ابن العذاری[2] نے لکھا ہے کہ پورے ۲۵ سال تک تین لاکھ دینار سالانہ خرچ کئے گئے۔ یہ بیان بڑی حد تک قابل قبول ہے۔ اس لئے کہ عمارت کی شان و شوکت سے اس قدر خرچ کا اندازہ صحیح معلوم ہوتا ہے۔ اسکاٹ[3] کا یہ بیان صحیح نہیں کہ اس کی تعمیر میں بیزنطینی انجنیر شریک تھے۔ ابن حیان نے اس زمانہ کے مشہور مہندس مسلمہ بن عبداللہ العریف کا نام لکھا ہے جو اس کی تعمیر کے نگران تھے۔ اور احمد نامی مہندس نے اس کو بنایا تھا۔ الغرض تمام خوبصورتیوں اور عنایتوں کو سمیٹ کر اس شہر میں بھر دیا گیا تھا۔

قرطبہ کا پل

قرطبہ کے قریب وادی الکبیر کا پل بھی دور اموی کی عمارات کا نادر نمونہ تھا جو سترہ محرابوں پر مشتمل تھا۔ اس پل کی تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ رومیوں کے عہد میں یہ پل تعمیر ہوا تھا مسلم گورنر سمح بن مالک خولانی نے اس قدیم اور خستہ پل کو از سر نو مضبوط بنیادوں پر تعمیر کرکے اس کو قابل استعمال بنا دیا تھا۔ عبدالرحمن الداخل نے اس پر خاص توجہ دی اور کثیر خرچ سے اس کو مستحکم کیا۔ لیکن سب سے زیادہ خرچ اس پر الحکم ثانی نے کیا۔ اس کو خوبصورت بنایا۔ صناعوں نے اپنے فن اور مہارت کے اس پر خوب مظاہرے کئے۔ اور پورے پل کو اوپر سے نیچے تک بیل بوٹوں اور نقش و نگار سے سجا دیا۔ یہ پل اہل قرطبہ کے لئے بہترین تفریح گاہ تھا۔

---

[1] مقری ج ۲ ص ۲۴۸ و ابن خلکان ج ۲ ص ۲۹ [2] ایضاً ص ۲۶۶ [3] جلد ۲ ص ۲۳

الزاہرہ

تاریخ کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ حاجب المنصور نے امور حکومت پر غاصبانہ قبضے کے بعد اپنے آپ کو سلطانہ صبیح اور اس کے حبشی غلاموں سے محفوظ رکھنے کے لئے یہ قصر تعمیر کرایا تھا۔ تمام مورخین اس بات پر متفق ہیں کہ یہ قصر المنصور نے دشمنوں کے شر سے محفوظ رہنے کے لئے خالص سیاسی اغراض سے تعمیر کرایا تھا۔ یہ قصر وادی الکبیر کے کنارے پر قصر الزہرہ سے کچھ فاصلے پر بنوایا گیا تھا اور بقول علامہ مقری اس جگہ دو سال کے اندر لاکھ عظیم الشان شہر آباد ہو گیا۔ اس کی دیواریں بہت بلند رکھی گئی تھیں۔ اور اس کے اندر بہت سی عمارات بنائی گئی تھیں۔ شاہی محلات۔ سرکاری دفاتر اور فوج کی بارکیں بھی بنائی گئیں۔ امراء و حکام نے سکونت کے لئے اپنے محل تعمیر کرلئے۔ سرکاری خرچ پر بازار بنوائے گئے۔ باغات لگائے گئے۔ نہریں کھودی گئیں۔ حوضوں اور فواروں کی تعمیر ہوئی۔ مساجد، مدارس اور شفاخانے بنوائے گئے گو الزاہرہ کی مکمل تعمیر میں ۴۰ سال خرچ ہوئے لیکن جہاں تک فن تعمیر کا تعلق ہے یہ نیا قصر کسی بھی صورت میں الزہرہ سے کم نہ تھا۔ آئین کے بہترین ہندسوں نے اپنے تخیل کو عملی جامہ پہنایا اور ایسی ایسی ہنرمندی دکھائی جو تاریخ میں بے مثال ہے۔ گو قصر تو باقی نہ رہا لیکن اس کی صفت و کاریگری کے تذکرے آج تک محفوظ اور قابل داد ہیں۔ سب سے عمدہ کاریگری کا نمونہ اس کا طریقہ آبرسانی ہے جو جدید دور کے طریقوں کا پیشرو کہا جا سکتا ہے۔

یہ تو دور بنو امیہ کی تعمیرات کی ایک جھلک اب دور طوائف الملوکی کے کچھ آثار دیکھ لئے جائیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ دور اپنے نام ہی سے انتشار و خلفشار کا مظہر ہے۔ ایسی صورت میں صناعی اور کاریگری کے نمونے تلاش کرنا کہاں ممکن ہو سکتا ہے لیکن پھر بھی اس دور میں ایسی بہت سی نادر و عجوبہ عمارات کا پتہ چلتا ہے جن کو دیکھ کر اس دور کے سلاطین کے ذوق اور مسلم صناعوں کی کاریگری کو داد دینا پڑتی ہے۔

قصر مامون

اس قصر کو مامون ابن ذوالنون شاہ طلیطلہ نے تعمیر کرایا تھا۔ یہ قصر نہایت مضبوط و مستحکم تھا اور اس پر کثیر دولت خرچ کی گئی تھی۔ اس کے بیچ میں ایک نہر نکالی گئی تھی۔ اور نہر کے بالکل وسط میں ایک گنبد بنایا گیا تھا جو رنگ دار شیشہ کا تھا اور اس پر سونے سے نقش و نگار بنائے گئے تھے۔ مسلمان ہندسوں نے نہایت صنعت و کاریگری سے گنبد کے اوپر پانی چڑھایا تھا۔ پانی گنبد کے اوپر سے گر کر اس کی دیواروں پر بہتا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا۔

کہ اس گنبد نے آب رواں کا پیرہن اوڑھ رکھا ہے۔ لیکن کمال یہ تھا کہ پانی ایک دم کے لئے بھی نہ رکتا اور نہ گنبد کے اندر ایک بوند جاتی تھی جب اس گنبد کے اندر روشنی ہوتی تو عجیب سماں بن جاتا تھا۔ اس گنبد کی تعمیر ۴۹۲ھ میں بتائی جاتی ہے۔ قصر کی تعمیر و زیبائش میں ذرا بھی کوتاہی نہ کی گئی تھی اور بلاشبہ وہ اپنے وقت کا حسین ترین قصر تھا۔

علاوہ اس قصر کے طلیطلہ میں دیگر خوبصورت عمارات کے آثار بھی پائے گئے تھے۔ بکرہ کا دروازہ جو ۹ ویں صدی عیسوی کی یادگار ہے اور باب الشمس جس کا زمانہ ۱۱ ویں صدی عیسوی بتایا جاتا ہے آج تک خستہ حالت میں موجود ہیں ان کو دیکھ کر مسلمانوں کے فن تعمیر کے بعض مدارج کا بآسانی پتہ چل جاتا ہے۔

قصر اشبیلہ اس کی تعمیر کا زمانہ ۱۱ ویں صدی عیسوی بتایا جاتا ہے۔ ہٹی نے لکھا ہے کہ اس کی تعمیر ۱۱۹۹ء میں مواحدین کے گورنر اشبیلہ کے حکم پر طلیطلہ کے ایک مہندس نے کی۔[۵] لیکن لیبان نے اس کی تعمیر ۱۱ ویں صدی عیسوی بتائی ہے البتہ اس کی تجدید ۱۲ ویں اور ۱۳ ویں صدی عیسوی میں ضرور کی گئی۔[۶] لیبان ہی کے کہنے کے مطابق اس قصر کا پہلو والا دالان بیت المنصار بہت سے حصے قدیم معلوم ہوتے تھے۔ اس قصر کا اور الحمراء کا طرز تعمیر یکساں ہے البتہ اس قصر میں الحمراء کی سی آرائش اور قلمی گل کاری کی گول چھتیں نہیں پائی جاتیں۔ محرابوں میں بھی کافی فرق ہے۔ اس قصر کی محرابیں نیچے سے بالکل پھیلی ہوئی ہیں جو الحمراء میں نہیں ہیں۔ اسی طرح الحمراء کے برخلاف اس قصر میں نوکیلی محرابیں بھی ملتی ہیں۔

مینارہ اشبیلہ مواحدین کے زمانہ کی ایک یادگار اشبیلہ کا مینارہ ہے جو کسی مسجد کا ایک حصہ معلوم ہوتا ہے لیکن مسجد تو ختم ہو گئی صرف مینارہ باقی رہ گیا ہے۔ اس کی تعمیر ۵۶۰ھ/۱۱۸۴ء میں ہوئی۔ کسی زمانہ میں رصدگاہ کے طور پر بھی استعمال کیا گیا تھا۔ صناعان آئین کے دل و دماغ سے نکلے ہوئے نقش و نگار دیواری کا اعلیٰ نمونہ تھا۔ اس کی شہرت کا اصل سبب وہی نقش و نگار اور دیدہ زیب آرائش ہے جس کی مثال نہیں ملتی۔ یہ خیال کیا جاتا ہے کہ اس مینارہ پر قلم کاری کی گئی ہے اس کے اطراف میں جو جالیاں بنائی گئی ہیں ان پر زخرفۃ العرب کا کام کیا گیا تھا۔ یہ بتایا جا چکا ہے کہ موجودہ ٹائلس (قرامید) کے استعمال کا طریقہ خالص اندلسی مسلمانوں کی اختراع ہے۔ اس مینار

پر بھی قرامید کا کام بہت اعلیٰ مسالے سے بنا ہوا ہے۔ اور مکمل اور مجلّا ہے اس کے چھجّے ان ہی پتھر کا قرامید سے بنے ہوئے تھے۔ جو دھوپ میں شیشہ کی طرح چمکتے تھے۔

علاوہ ان آثار و باقیات کے کہ جن کا تذکرہ اوپر کیا گیا ہے دو رطوائف الملوکی کی اور بھی یادگاریں تھیں مثلاً سرقسطہ کا قلعہ۔ غرناطہ میں بادیس کا تعمیر کردہ قلعہ اور قصر اور مساجد و مقابر اور مدارس وغیرہ۔ لیکن ان کی تفصیلات دستیاب نہ ہو سکیں۔ کیونکہ ہمارا مقصود مسلمانوں کے فن تعمیر کا اجمالی تذکرہ کرنا ہے۔ اس لئے چند عمارات و آثار سے ہی اس دور کے فن تعمیر کے رجحانات کا کافی اندازہ ہو جاتا ہے چنانچہ یہ نتیجہ اخذ کیا گیا ہے کہ باوجود اس کے کہ ملک آسپین بہت سے سلطنتوں میں منقسم تھا لیکن پھر بھی، لوگ الطوائف نے آسپینی تہذیب و ثقافت کو آگے بڑھانے میں ہر امکانی کوشش کی۔ ان کی کوششوں کا نقطۂ عروج ہمیں غرناطہ کے الحمراء میں ملتا ہے جس کے متعلق دنیا کے تمام مہندس اور مورخ یہ تسلیم کرتے ہیں کہ دنیا کی بہترین عمارات میں سے ایک ہے۔

قصر الحمراء قصر الحمراء وہ عمارت ہے کہ جس کی شاندار تعمیر مسلمانان آسپین کی سات صدیوں کے تعمیری تجربات کا نچوڑ ہے۔ یہ قصر اپنے زمانہ کا انتہائی ترقی کا نمونہ ہے اس کے پر تکلف اور پر شوکت کمروں میں وہ بات نہیں پائی جاتی جو مسلمانوں کی ابتدائی تعمیر میں پائی جاتی ہے۔ مورخین کے بقول اس کی بنیاد بانی خاندان بنو نصر محمد اول الغالب نے ۶۴۶ھ/۱۲۴۸ء میں رکھی لیکن اس کی تکمیل ابوالحجاج یوسف اول اس کے جانشین محمد خامس الغنی نے کی۔ اس کی تعمیر پر انتہائی کثیر رقم خرچ کی گئی تھی۔ اس میں عظمت، شوکت اور تخیل کا ایک عجیب و غریب امتزاج موجود ہے اور اس کثرت سے ایسا عمدہ مذاق صرف کیا گیا کہ یہ عمارت ہر گز مسلمانوں کے دور انحطاط کی نہیں معلوم ہوتی۔ یہاں آکر نعلی محراب یا تو غائب ہو گئی ہے یا تغیر و تبدل کر کے اس کو اختیار کیا گیا ہے۔ بلکہ بہت سی ایسی چیزیں بھی اس میں داخل ہو گئی ہیں جن کی اصلیت کا کسی کو علم نہیں۔ اس قصر میں پہلی مرتبہ وہ کاری گری و صنعت گری بھی کثرت سے کی گئی جو شریعت اسلامی کی رو سے مسلمانوں نے کبھی جائز نہ سمجھی۔ یعنی جانوروں کی تصاویر جو منقش و نگار کے علاوہ بذریعہ سنگ تراشی بنائی گئی تھیں اپنے دور کے آدمیوں، ان کے لباس، ان کی عادات وغیرہ کو بذریعہ نقش ابھارا گیا تھا اور حرم کی زندگی کی بہت سی خصوصیات ۔

روایات کو اجاگر کیا گیا ستون کہیں پر اکہرے لگے ہوئے ہیں۔ اور کہیں پر دوہرے۔ کسی پر نقش نگار ہیں۔ اور اکثر سادے۔ اکثر پر ایک زمانہ میں سونا چڑھا ہوا تھا لیکن اب بھی چمکدار سفالی کی پچی کاری دکھائی دیتی ہے۔ محرابوں کے پیچ و خم نعلی یا نیم قوسی نظر آتے ہیں جن میں سے بیشتر منقش اور بے نظیر خوبصورتی کے حامل ہیں محرابوں کے بالائی نیم قوسی حصّوں میں تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر بظاہر تو یکساں لیکن بغور دیکھنے پر خوبصورت جالیاں بنی ہوئی ہیں جن میں دھوپ چھن چھن کر کمروں کو روشن کرتی تھی۔ قرامید (ٹائلس) کا کام چمکدار اور اصول الجبرا کے مطابق کیا گیا ہے اور اس کے پیچ و خم میں اصول ہندسہ کے زاویوں کا استعمال مخیر العقول ہے۔ دیواروں پر زخرفۃ العرب کا کام اعلیٰ معیار پر ہے۔ گنبدوں میں لاجوردی بسنہرا اور ارغوانی کام اس قدر خوبصورتی سے کیا گیا ہے کہ ہیرے جواہرات کا دھوکہ ہوتا ہے۔ موسیو لیبان کے بقول اس میں کئی خوبیاں ایسی پائی جاتی ہیں جو دیگر ممالک کی عمارات سے اس کو اعلیٰ و ارفع بنا دیتی ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ اگرچہ الحمراء کی دیواریں گھڑے ہوئے پتھر کی بجائے ایک قسم کے مسالے سے بنی ہوتی ہیں جس کے اجزا چونے۔ ریت مٹی اور سنگ ریزوں سے مرکب ہیں۔ اور اس کی کل آرائش محض گچ سے کی گئی ہے تاہم اس عمارت میں اعلیٰ درجہ کا استحکام معلوم ہوتا ہے کیونکہ یہ ۵ صدیوں سے تمام بے اعتدالیوں کا سامنا کرتے ہوئے بھی قائم ہے۔ کل سطحوں پر رنگین گچ کی استرکاری۔ باریک ستون اور ان کے سروں پر ہم آغوش گل کاریاں۔ سادہ محرابوں کے دریچے گل بوٹوں سے آراستہ مستطیل چوکھٹوں میں جڑے ہوئے جھتوں کے قلمکاری و آرائشوں سے لیس طاق وغیرہ اس کی خصوصیات ہیں۔

یہ بتایا جا چکا ہے کہ قصر الحمراء میں قرامید (ٹائلس) کا کام نہایت چابکدستی اور ہنرمندی سے کیا گیا تھا جس کی مثال موجودہ دور میں مشکل سے ملتی ہے اس کی اندرونی دیواروں کی تزئین و آرائش اور نقاشی و پچیکاری کا کام سلطان غرناطہ ابوالحجاج یوسف کے کہنے پر ہوا۔ اس قصر کا مشہور اور عدیم المثال کارنامہ دیوان الاسد ہے جس کے وسط میں ایک حوض تھا اس حوض کے اطراف میں بارہ خوبصورت شیر بنائے گئے تھے جن کے منہ سے پانی کی دھاریں گرتی تھیں اسی دیوان سے ملحقہ دیوان العدالت ہے جو فن تعمیر اور نقاشی کا اعلیٰ نمونہ آج بھی متصور کیا جاتا ہے۔ ان نقوش میں جنگ اور شکار کے کارنامے کھدے ہوئے ہیں۔ غرناطہ کے دس بادشاہوں کی

---

[1] تمدن عرب ص ۴۷۵ (اردو ترجمہ)

تصاویر بھی ہیں جو اس دور کے آرٹ کا بہترین نمونہ ہیں۔ جگہ جگہ نقش میں بانی قصر محمد الغالب کی شان دکھانے کے لئے ولا غالب الا اللہ بنایا گیا ہے۔ قرآن کی آیات و کتبات کا استعمال بھی کثرت سے موجود ہے۔ الغرض بقول اسکاٹ "قصر الحمراء سلطنت غرناطہ کی عظمت و جلالت کا نشان۔ اپنے بادشاہوں کا مایہ فخر و ناز اور دنیا کا عجوبہ ہے جس قوم کی یہ یادگار ہے وہ اس پر جتنا بھی فخر و غرور کرے کم ہے"۔[1]

(ب) فنون لطیفہ فن تعمیر کے تذکرے کے ساتھ ساتھ اگر فنون لطیفہ کا ذکر بھی کر دیا جائے تو بے جا نہ ہوگا کیونکہ جس طرح فن تعمیر میں مسلم آسپین نے شہرت پائی اسی طرح فنون لطیفہ میں بھی کسی سے کم نہ رہا۔ بلکہ فنون لطیفہ کے اثرات فن تعمیر پر نمایاں نظر آتے ہیں گو فنون لطیفہ میں بہت سے فنون شریعت اسلامی کی رو سے جائز نہ تھے۔ مثلاً غنا و طرب۔ رقاصی مصوری۔ بت تراشی و تصویر کشی وغیرہ اس لئے عام طور پر مسلمانان آسپین کا اس کی طرف کوئی خاص رجحان نہ رہا۔ لیکن پھر بھی دولت کی فراوانی اسلام سے دوری اور غیر مسلم اقوام سے میل جول نے بہت سے مسلمانوں کو ان فنون کی طرف مائل کر دیا تھا آسپین میں مسلمانوں کے فنون لطیفہ کی تاریخ کا آغاز بھی اگر ڈھونڈھا جائے تو نواسیہ کے آنے کے بعد ہی ملے گا۔ کہا جاتا ہے کہ فنون لطیفہ کے عام کرنے میں عبدالرحمن دوم کا دور سب سے زیادہ اہم ہے لیکن جہاں تک موسیقی کا تعلق ہے وہ اس دور سے قبل بھی پائی جاتی ہے۔

موسیقی عبدالرحمن الداخل کے زمانہ ہی سے دربار میں موسیقی شاعری کے ساتھ ساتھ قائم تھی۔ اور عوام میں موسیقی کا رواج پایا جاتا تھا۔ آسپین میں مسلمانوں کی موسیقی بیشتر رومی اور یونانی ذرائع سے ماخذ تھی۔ انہوں نے یورپ کی موسیقی کو بھی اختیار کیا اور اس کو عربی موسیقی سے ہم آہنگ کر کے ایک نئے طرز کی بنا ڈالی جو مشرقی و مغربی طرز کا حامل تھا۔ یہ موسیقی عبارت تھی ہم آہنگی سے جس کا تال میل باجوں کی ضرب سے کیا جاتا تھا۔ آسپین کے مسلمانوں کی موسیقی میں نہ ٹھاٹھ تھا نہ باگنی۔ ان کے آلات موسیقی کئی قسم کے ہوتے تھے۔ جن میں تیرہ اقسام تو معلوم کی جا چکی ہیں رباب۔ عود۔ چنگ وغیرہ سب اشبیلیہ میں بنتے تھے۔

---

[1] اخبار اندلس ج ۲ ص ۵۱۵

اور اس مقام کو آلات موسیقی کی صنعت کے لئے دنیا بھر میں شہرت حاصل تھی۔ عبدالرحمٰن دوم کے مشہور مغنی زریاب نے عود میں پانچواں تار بڑھایا تھا۔ عود کے چار تار مختلف آوازوں کے ہوتے تھے۔ اور عناصر اربعہ سے مناسبت رکھتے تھے زریاب نے جو تار بڑھایا تھا وہ روح انسانی پکارا جاتا تھا۔ جو طریقہ موسیقی زریاب نے قرطبہ میں قائم کیا تھا۔ وہ آخر زمانہ خلافت تک باقی رہا۔ اسی کی وجہ سے اس فن نے اس قدر ترقی کی جس کی تفصیل علامہ مقری نے جزو دوم میں بیان کی ہے۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ موسیقی پر تصانیف کا آغاز ہوا۔ اور عوام و خواص میں موسیقی نے جگہ پائی۔ بنو امیہ کے بعد تو موسیقی عام ہو گئی۔ یہاں تک کہ شاعری پر بھی موسیقی کا اثر پڑا۔ اور موشح اور زجل غزلیں لکھی جانے لگیں دربار ہوں یا عوامی بازار موسیقی سب جگہ موجود تھی۔ اسپین کے مسلمان موسیقی کا صحیح استعمال جانتے تھے۔ تہوار اور خوشی کے موقعوں پر آلات موسیقی کا استعمال ضروری خیال کیا جاتا تھا۔ طبلہ، ڈھولک طنبورہ۔ دف وغیرہ کے استعمال کا بہت زیادہ رواج تھا۔ ارغنون اور مینڈولن کے موجد اسپین والے ہی بتائے جاتے ہیں۔[1]

بُت تراشی و مصوری

باوجود اس کے کہ شریعت اسلامی نے اس کو سختی سے منع کیا ہے لیکن اس کی مخالفت کرتے ہوئے مسلمانوں نے مشرق میں ہی اس فن میں کافی ترقی کر لی تھی۔ اور یہ فن مشرق ہی سے اسپین میں آیا تھا۔ دسویں صدی عیسوی سے پیشتر بہت سے مسلم مصوروں نے مختلف ممالک اسلامی میں حیوانات کی تصاویر بنانا شروع کر دی تھیں۔ ۱۳۶۳ء میں ابن خلدون جب غرناطہ آیا تھا تو اس زمانہ میں تصاویر بنانے کا رواج اس قدر عام ہو گیا تھا کہ اس کے مقبول۔ بعض مشہور واقعات اور مشہور لوگوں کی تصاویر وہاں کے مکانوں کی دیواروں پر بنی ہوئی تھیں۔ بہت سے مورخین نے مسلم مصوری کی تاریخ بھی لکھی ہے جس میں مقریزی صف اول میں ہیں۔

انہی کا یہ بیان ہے کہ نہ صرف لوگ ذاتی طور پر مصوری کرتے تھے بلکہ بہت سے مصوری کے مدارس بھی قائم تھے۔ علامہ اسکاٹ کا کہنا ہے کہ اسپین کے مسلمانوں نے یہ فن قشتالہ والوں سے حاصل کیا تھا۔[2] اشبیلہ کے القصر اور قصر الحمرا میں تصاویر کا برمحل استعمال عام پایا جاتا ہے۔ البتہ شریعت اسلامی سے بچنے کے لئے تصاویر گل کاریوں اور نقش و نگار میں پوشیدہ کر دی جاتی تھیں۔ پھر بھی ایسا

---

[1] اسکاٹ جلد ۳ ص ۷۲۳ [2] ایضاً ص ۶۱۹

معلوم ہوتا ہے کہ مصوری کا فن آپین میں اعلیٰ پیمانہ پر نہ تھا۔ اور عوام میں اسکو مقبولیت حاصل نہ تھی۔ البتہ اس فن نے صنعتی میدان میں جو کارگذاری دکھائی اس کا تذکرہ آگے آئے گا۔

فن مصوری کے ساتھ ساتھ بت تراشی بھی اہل آپین میں رواج پا چکی تھی۔ یہ فن اس کو مشرق سے روم اور عیسائیوں اور یہود سے زیادہ پہنچا۔ حالانکہ مشرق میں بھی بت تراشی کا آغاز ہو چکا تھا۔ اور بغداد اور قاہرہ میں بت تراشی کے اعلیٰ نمونے بن چکے تھے جو لکڑی اور پتھر دونوں پر بنائے گئے تھے۔ لیکن مسلم آپین کے دور اول میں بت تراشی عام طور پر اچھی نظروں سے نہ دیکھی جاتی تھی پھر بھی جامع قرطبہ کے ستونوں پر اصحاب کہف اور نوح کے کوے کی تصاویر پائی گئی ہیں۔ یہ عبدالرحمٰن الداخل کا دور تھا لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ ستون کسی گرجا سے لائے گئے تھے۔ اور جوں کے توں نصب کر دیئے گئے تھے کیونکہ اس کے علاوہ عام طور پر کوئی ثبوت بت تراشی کا نہیں ملتا ہے۔ عام بت تراشی کا رواج ہمیں عبدالرحمٰن الناصر کے عہد سے ملتا ہے اس کے بنائے ہوئے قصر الزہرہ میں بت تراشی کے کئی نمونے موجود تھے۔ اس قصر کے دروازے پر الناصر کی محبوبہ زہرہ کا بہت بڑا مجسمہ لگایا گیا تھا۔ اس قصر کے فوارے پر بارہ مختلف چوپائے مرصع بجواہر بنائے گئے تھے۔ یہ دونوں پر صحرائی چوپایوں اور کلغی دار پرندوں کی تصاویر اس صنعت کے ساتھ بنائی گئی تھیں۔ کہ جب پردے ہلتے تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہ سب جانور چل رہے ہیں۔ شہر زہرہ کے وسط کے چوک میں نانبہ کا ایک شیر بنایا گیا تھا جس کے منہ سے صاف پانی نکلتا تھا۔

بت تراشی کے بہترین نمونوں میں جو بوس بن بادیس کا بنوایا ہوا وہ طلسمی سوار بھی ہے جو تواریخ میں اپنے طلسمی کارناموں کی وجہ سے مشہور رہا۔ اس کے علاوہ الحمراء میں دارالعرب کا شیر دیوان الاسد کے بارہ شیر اور دیوان العدالت کے نقش و نگار بھی ہیں جو کسی جنگ یا شکارگاہ کا نظارہ پیش کرتے ہیں۔ اور غرناطہ کے دس بادشاہوں کی تصاویر بھی ہیں جو اس زمانے کی تہذیب پیش کرتی ہیں۔ لیکن یہ بہترین نمونے مسلمانان آپین کی بت تراشی کے ہیں۔ فن بت سازی سے ان کو [illegible] مس نہیں معلوم ہوتا۔ اس لئے کہ یہ سب بھدے۔ کھردرے اور غیر موزوں سے معلوم ہوتے ہیں۔ ان کو موزونیت بھی دلآویز نہیں ہے۔ اس بنا پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ اہل آپین نے بت تراشی تو ضرور کی تھی لیکن فن بت سازی کے وہ ماہر نہ تھے۔

البتہ مسلمانان اسپین نے اپنے آرٹ کا مظاہرہ جس قدر عمدگی اور صفائی سے صنعتی اشیاء پر کیا اس کی مثال ملنا مشکل ہے عمارات کے سلسلہ میں بتایا جا چکا ہے کہ مسلمانوں نے زیبائش کی جس قدر تراکیب استعمال کی ہیں۔ ان سب میں دلپسند اور دلآویز اسلوب و لطافت عربی حروف عبارات کا استعمال تھا۔ ان کتبوں سے وہ نقش و نگار اور پھول پوٹے بناتے اور مختلف اشکال پیدا کر لیتے تھے۔ اسپین میں تمام عمارات میں یا تو قرآنی آیات ہوتی تھیں۔ یا کوئی داستان شجاعت یا نظم ہوتی تھی۔ یہ کتبے سنہرے ہوتے تھے۔ خلافت کے زمانہ تک کوفی رسم الخط استعمال ہوتا رہا۔ مگر بعد میں مدور خط نسخ اختیار کیا گیا تھا۔ مصوری کے شوق و ذوق میں رنگوں کا زیادہ تر استعمال مکان کی اندرونی سجاوٹ پر کیا جاتا تھا۔ کیونکہ تصاویر بنانے سے اہل اسپین کسی نہ کسی صورت میں معذور رہے اس لئے انہوں نے بے بدل صنعت کے ساتھ تمام ہندسی صورتوں سے کام لیکر عالم نباتات کو بطور نمونہ زیبائش و آرائش کے لئے اپنے سامنے رکھا تھا۔ اس ضمن میں اسپینی صناعوں نے وہ شاندار حسن و لطافت پیدا کی کہ بایدو شاید۔ منقش کھڑکیوں کا استعمال بہت کم ہے۔ لیکن جہاں کہیں بھی ہے وہ بے مثال ہے ان کھڑکیوں پر رنگین شیشوں کا استعمال بھی کیا گیا تھا۔

یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ مسلمانوں کا آرٹ صرف شاندار عمارات تک ہی محدود رہا بلکہ انہوں نے اپنے آرٹ کو عام استعمال کی اشیاء پر بھی کیا۔ حوضوں۔ کنوؤں اور سنگ مرمر یا مٹی کے پانی کے نلکے بھی نقش و نگار سے خالی نہ تھے۔ قرآنی آیات کا بطور نقش و نگار کے استعمال ان کے یہاں نہایت خوبصورت تھا۔ یہ آیات لکڑی کے ان سانچوں پر بھی کندہ کی جاتی تھیں جن کو نانبائی یا حلوائی استعمال کرتے تھے۔ تالوں کی کنجیوں پر۔ تلواروں۔ چاقوؤں شیشہ و مٹی کے برتنوں۔ گلدانوں انگوٹھیوں، کپڑوں۔ جھنڈوں۔ امراء کی کمر کی پیٹیوں اور غرباء کے بھدے مگر قیمتی تعویذوں پر بھی آیات قرآنی یا متبرک دعائیں کندہ کی جاتی تھیں۔ اشیاء کے ڈھالنے کے لئے سانچے تیار کرنے میں وہ ماہر تھے اکثر اشیاء مثلاً چراغ۔ گلدان۔ چاقو پیالے اور کابیاں وغیرہ بنانے میں لطیف نقش و نگار سے کام لیا جاتا تھا اور زخرفۃ العرب کی طرز سے کام لیکر قرآنی آیات اور دعائیں ان پر کندہ کرتے تھے۔

الغرض اہل اسپین نے اپنے ذوق مصوری کو آرٹ کے طور پر اپنی صنعتوں میں پورا کیا اور ایسی بے بہا اور بے بدل اشیاء ورثہ میں چھوڑیں جو بلاشبہ اہل اسپین کو آرٹ کی دنیا میں زندہ جاوید

کرنے کے لئے کافی ہیں۔ کوئی صنعت ایسی باقی نہ رہی تھی جس میں فنون لطیفہ کے مظاہرے نہ کئے گئے ہوں یہاں تک کتابت اور خوشنویسی بھی اس فن سے محروم نہ رہی۔

(۴) شعبۂ صنعت و تجارت

صنعت مسلمانان اسپین نے صنعت و حرفت میں بھی کمالات کے اور ترقی مدارج کے وہ مقام حاصل کئے جو کسی بھی صورت میں دیگر مسلم ممالک سے کم نہ تھے صنعتوں کے وسیع تر ہونے کا بڑا سبب اسپین میں کثیر قیمتی معدنیات کی کانوں کا موجود ہونا تھا جن کو استعمال کرنے میں اہل اسپین کسی بخل سے کام نہ لیا۔ زمانہ قدیم ہی سے اسپین کی چاندی کی کانیں مشہور تھیں۔ مسلمانوں نے اس کا فائدہ اٹھایا معدنیات کی کانوں کے استعمال سے نہ صرف یہ کہ ملک کی دولت و تجارت میں اضافہ ہوا بلکہ بیشتر مقامات پر وہاں کی معدنی پیداوار کی مناسبت سے کارخانے بھی قائم ہو گئے۔ علامہ مقری نے ان مقامات کی تفصیل بیان کی ہے جہاں پر مختلف معدنیات کی کانوں کا وجود تھا۔" علاقہ تدمیر۔ لورقہ اور دیگر جگہوں سے بہت اچھا لاجورد نکلتا ہے۔ علاقہ قرطبہ اور جبل شجراں میں بلور کی کان ہے شہر اشبونہ کے قریب پہاڑ پر حجر البخاری پایا جاتا ہے جو رات کو چراغ کی طرح چمکتا ہے۔ مالقہ میں قلعہ منت میور کے پاس سرخ یاقوت ملتا ہے۔ قریہ ناشرہ کے علاقہ بجانہ میں ایک پتھر مختلف شکلوں میں یاقوت کے مشابہ پایا جاتا ہے۔ جو آگ میں نہیں جلتا ہے۔ تدمیر کے نواح میں مقناطیس دستیاب ہوتا ہے۔ قرطبہ کے پہاڑوں میں حجر شادنہ بہت ملتا ہے جو ملمع سازی کے کام میں آتا ہے۔ حصن البونت کے نواح میں حجر الیہود ملتا ہے جو مثانے کی پتھری توڑنے میں بے مثال ہے۔ اسپین کے بہت سے علاقوں میں مگنیشیا بہت ملتا ہے۔ یہی حال ابرق کا ہے۔ شہر برشلونہ میں حجر اللولو ملتا ہے اور مریہ کے ساحل پر مونگا سیپ پایا جاتا ہے دریائے لاردہ اور ساحل اشبونہ پر سونے کی کانیں ہیں۔ تدمیر۔ بجانہ، کرتش اور قرطبہ کے علاقے میں کثیر چاندی کی کانیں ہیں۔ اشکونہ میں قلعی کی بے نظیر کان ہے۔ نواح افرنجہ اور لیون میں بھی قلعی کی کئی کانیں ملتی ہیں۔ جبل البرانس میں اور قرطبہ سے ایک دن کی مسافت پر پارے کی کانیں پائی جاتی ہیں۔ سرخ اور زرد گندھک بھی بہت سے علاقوں میں بے شمار پائی جاتی ہے۔

قصبہ لبطرونہ واقع ساحل بنرہ میں تو تیا کی ایک بڑی کان ہے جو تانبے پر خوب رنگ کرتا ہے۔ قرطبہ کے پہاڑوں میں بھی توتیا ہوتا ہے نواح طرطوشہ میں سرمہ نکلتا ہے پھٹکری۔ لوہے اور تانبے کی بے شمار کانیں پائی جاتی ہیں..... علاقہ لوشہ میں بہت عمدہ چاندی کی کان ہے..... بسر قسطر کے قریب نمک اندران صاف اور خالص نکلتا ہے..... خیران علاقہ مریہ میں لوہے کی کان ہے۔" اسکاٹ نے لکھا ہے: "صنعت و تجارت کے سب سے بڑے مراکز بحر روم کے ساحل پر ہی واقع تھے۔ ان میں المریہ سب سے بڑی جگہ تھی۔ اندلس کی بندرگاہوں پر تمام اقوام عالم کے تجارتی جہاز ہر وقت کھڑے رہتے تھے۔ اندلس میں آٹھ سو ریشم کے کارخانے تھے جن میں آٹھ ہزار سے زیادہ کرگھے کام کرتے تھے۔ جہاں سے ریشمین کپڑے۔ قالین اور پردے تیار ہو کر دور دراز کے علاقوں میں جاتے تھے۔ لوہے اور تانبے کے برتن بلحاظ خوبصورتی اور نزاکت اپنی ساخت اور مضبوطی میں بہت مشہور تھے۔" [1] المریہ کا بندرگاہ مالقہ چینی کے برتن بنانے میں مشہور تھا۔ اور وہاں ظروف سازی کے بڑے بڑے کارخانے تھے۔ ان برتنوں پر سونا چاندی اور تانبہ چڑھانے کا فن صرف اپنی صناعوں کو ہی معلوم تھا۔ اس علاقہ کی مٹی بھی چینی کے برتن بنانے کے لئے موزوں تھی۔ بلنسیہ، مرسیہ، ماردہ اور قسطلونیہ میں بھی چینی کے برتن بنانے کے کارخانے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ چین میں گو یہ صنعت عروج پر تھی لیکن مالقہ چین سے کسی طرح پیچھے نہ تھا۔ ابن بطوطہ نے ۱۳۵۰ء کے واقعات میں لکھا ہے کہ "اس شہر مالقہ میں بہت ہی عمدہ چینی کے زرنگار برتن بنتے تھے۔ جو دور دراز کے علاقوں کو جایا کرتے تھے۔" [2] سلطنت غرناطہ کو ان برتنوں سے کثیر آمدنی ہوتی تھی۔ مالقہ نہ صرف ظروف سازی کے لئے مشہور تھا۔ بلکہ ریشم کے کپڑے۔ کانچ کے برتن۔ کاغذ۔ لوہے۔ اور تانبے کے برتن صندوق سازی وغیرہ کے بھی وہاں پر کئی کارخانے تھے۔

قرطبہ میں چمڑے کی صنعت بہت اچھی تھی۔ اور چمڑے کی اشیاء کو لوہے اور تانبے سے سجاتے تھے۔ چمڑے کو کپڑے کی طرح نرم کر کے اس کے پردے بنائے جاتے تھے جن پر موزوں کام کیا جاتا تھا۔ ان کو رنگ بھی دیا جاتا تھا۔ سونا چاندی بھی ان پر چپکایا جاتا تھا اور رنگ کا کام موقلم سے ہوتا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہ چمڑے کے پردے نہیں بلکہ دیبا و حریر کے ہیں۔ قرطبہ کے کاریگروں کو سونے اور چاندی کے برتنوں پر نقش و نگار بنانے میں کمال حاصل تھا۔

اشبیلیہ کے ریشم کے کارخانوں میں ایک لاکھ ساٹھ ہزار جولاہے کام کرتے تھے۔ ان میں زیادہ

---

[1] نفح الطیب صفحہ ۱۴ تا ۲۸ (اردو ترجمہ) [2] جلد ۳ صفحہ ۶۸۵ [3] تمدن عرب صفحہ ۴۶۳ (اردو ترجمہ)

تعداد ان لوگوں کی تھی۔ جو "طراز" نامی کپڑا بناتے تھے۔ جو صرف خاندان شاہی میں استعمال کیا جاتا تھا۔ شاطبہ میں کاغذ کے کارخانے تھے۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ روئی سے کاغذ بنانے کا طریقہ اہل اسپین ہی نے نکالا تھا۔ اسپینی صناع مختلف چیزوں سے کپڑا بناتے تھے۔ ریشم کے علاوہ لتونیہ کے نازک اور ملایم مرینہ کا پشم اور باریک دھاگا دینے والی روئی وہ اشیاء تھیں جن کی وجہ سے مسلم اسپین تمام دنیا میں مشہور تھا۔ المریہ میں ریشمین کپڑا تیار کرنے کی ۸۰۰ کھڈیاں تھیں۔ ایک ہزار کھڈیاں صرف دیباج بنانے کا کام کرتی تھیں اور یہ صنعت اپنے کمال پر تھی۔ یہاں پر ٹشیو کا کام بھی بہت اچھا کیا جاتا تھا۔ مقری نے اس صنعت میں المریہ کے علاوہ مالقہ۔ مرسیہ۔ غرناطہ۔ اور بسطہ کے نام بھی لکھے ہیں[1]۔ ایک شہر میں عموماً کسی ایک ہی صنعت کے کارخانے بنائے جاتے تھے۔ البتہ اس صنعت سے متعلق بہت سی شاخیں قائم ہو جاتی تھیں۔ اور ان کے کارخانے بن جاتے تھے جیسے کہ مالقہ میں ظروف سازی کے لئے رنگ کی ضرورت کے لئے رنگ بنانے کے کارخانے بھی بن گئے تھے۔ تمام اسپین میں کارخانے کی کلیں پانی سے چلتی تھیں۔ تقریباً ہر بڑا شہر کسی ایک صنعت کے لئے مشہور تھا۔ اشبیلیہ کے زرہ ساز اسلحہ و زرہ بنانے میں مشہور تھے۔ اور زرہوں میں اکثر سونے کی کڑیاں لگائی جاتی تھیں۔ طلیطلہ کی تلواریں کاٹ اور آبداری میں اپنا جواب نہ رکھتی تھیں۔ المریہ میں چمکدار بلور کی خوبصورت چیزیں بنانے کے کارخانے تھے سینکڑے کے اونی اور باغہ کے سوتی کپڑے مشہور تھے۔ ناکرنا میں ایک طرح کا کتانی کا کپڑا بنایا جاتا تھا جس کا سوت مدار کے درخت کی بوٹیوں سے زیادہ موٹا نہ ہوتا تھا۔ اور نزاکت و لطافت میں مکڑی کے جالے کی مانند ہوتا تھا۔ مرسیہ کے قالین ایرانی قالین کا مقابلہ کرتے تھے۔ اور یہاں پر چینی چڑھے برتن اور پتھر سے ترشے ہوئے گلدان بھی بنائے جاتے تھے۔ غرناطہ کے ریشمین کپڑے بے مثال ہوتے تھے۔ یہاں ریشم کی منڈی القیصریہ کہلاتی تھی۔ ریشم کے کیڑے بھی اس علاقے میں سب سے زیادہ پالے جاتے تھے۔ غرناطہ کے سنار بھی یورپ بھر میں اپنا ثانی نہ رکھتے تھے۔ سرقسطہ اور مرسیہ میں آٹا پیسنے کی چکیاں عموماً کشتیوں پر بنائی جاتی تھیں۔ اسپین میں فن سبّاکی (چیزیں ڈھالنے کا کام) بھی بے نظیر تھا۔ قرطبہ میں کئی سبّاکی کے کارخانے موجود تھے۔ قصر الزہرہ کے خوبصورت اور بڑے بڑے فوارے یہیں پر ڈھالے گئے تھے۔

ان صنعتوں کے ساتھ ساتھ اپنی بنائی ہوئی اشیاء پر باریک نازک کام کرنا بھی اہل اسپین

[1] ج ۱ ص ۹۴

کا خاص فن تھا۔ دنیا کی کوئی قوم اپنے ہتھیاروں کو قیمتی اور خوبصورت بنانے میں ان سے سبقت نہیں لیجا سکتی۔ تلواروں کے قبضے اکثر خالص سونے یا چاندی کے اعلیٰ درجہ کے نقش و نگار کے ساتھ بنائے جاتے تھے۔ تلواروں کے میان بڑے خوبصورت ہوتے اور ان پر سرخ یا ارغوانی مخمل چڑھایا جاتا تھا۔ ان کی تہذیب و ثقافت کے کمال صفت اور جمال لطافت کا آخری دور شیشہ سازی، پچی کاری اور نازک ترین زیورات بنانے میں بالخصوص قابل ذکر ہے۔ اسپین کے کاریگر مصنوعی جواہرات اور بلور سے معدنیات پر مرصع کام کرنا خوب جانتے تھے۔ سناروں نے یہ کمال حاصل کیا تھا کہ ایک جَو سونے کو کوٹ کر ۵۶ مربع انچ کا ایک تختہ بنا دیتے تھے۔ ان کے برتن اپنے فن میں اعلیٰ ترین تصور کئے جاتے تھے مسلمانان اسپین نے جس قدر اپنے فن اور صنعت کا مظاہرہ کوزہ گری میں بلحاظ مسالہ ساخت اور خوبصورتی دکھایا ہے اس کا مقابلہ یورپ کا کوئی ملک نہیں کر سکتا۔ دور بنو امیہ میں زریاب پہلا شخص معلوم ہوتا ہے جس نے چینی کے برتن استعمال کرنے اور ان کے ڈھالنے کا طریقہ بتایا۔ کوزہ گر برتنوں پر ایسی جلا دیتے تھے کہ کوئی اس کی نقل نہ کر سکتا تھا وہ اپنے مسالہ میں ایسی اشیاء شامل کرتے تھے جس سے ایک طرف تو شفافیت میں کوئی فرق نہ آتا تھا اور دوسرے ان کی سطح کی چمک قائم رہتی تھی۔ ان برتنوں پر سونے کا رنگ استعمال کرنے میں مسلم اسپین کو ید طولیٰ حاصل تھا۔ اسی کے ساتھ گلدانوں پر زخرفۃ العرب کا کام اور بہترین نقش و نگار بنانا ان کے فن کا کمال تھا۔

تجارت اسپین میں داخل ہونے سے صدیوں قبل ہی سے عربوں اور مسلمانوں کو تجارت کا ملکہ حاصل تھا اور وہ دور دراز کے علاقوں سے پوری طرح واقف تھے۔ قدرتی طور پر یہ تجارتی مہارت مسلمانان اسپین کے ورثہ میں آئی چنانچہ فتح اسپین کے ساتھ ہی اندرونی اور بیرونی تجارت شروع ہو گئی تھی اور دور بنو امیہ کے آتے آتے مسلمان بحری اور بری تجارت پر حاوی ہو چکے تھے۔ سلاطین بنو امیہ اسپین نے تجارت کو ترقی دینے میں تساہلی سے کام نہ لیا۔ سمندری تجارت کے تحفظ کے لئے حکومت کی طرف سے زبردست بحری بیڑہ تیار کیا گیا تھا جس نے بحر روم اور خلیج بسکے میں تحفظ کی پوری خدمات ادا کیں جس سے دور دراز کے علاقوں تک تجارتی آسانیاں بڑھ گئیں۔ یورپ اور ایشیا کے تمام بڑے بڑے تاجروں نے بندرگاہ

المریہ اور مالقہ میں اپنی اپنی تجارتی کوٹھیاں بنا رکھی تھیں قسطنطنیہ، وینس اور جنیوا کے تاجروں نے تو نہ صرف ان بندرگاہوں میں بلکہ قرطبہ اور دیگر بڑے بڑے شہروں میں بھی اپنی کوٹھیاں کھول رکھی تھیں۔ جو ان کی بڑے پیمانے پر تجارت کا ذریعہ تھیں مسلم اسپین کے تاجروں نے بھی اپنی تجارت کو صرف بری اور بحری حد تک محدود نہ رکھا بلکہ ان کے گماشتے (ایجنٹ) ان تمام ممالک میں نظر آتے تھے جہاں ذرا بھی تہذیب کے آثار پائے جاتے تھے۔ حتیٰ کہ یورپ کے دور دراز علاقے افریقہ کے جنگلی علاقے ہندوستان اور ملایا تک ان کی پہونچ سے باہر نہ تھے حکومت کی طرف سے صنعت و حرفت کی بہت سی اشیاء پر اور دیگر اسباب تجارت پر محصول معاف تھا۔ جس کا مقصد صرف یہ تھا کہ ملک کی تجارت کی ترقی میں رکاوٹ نہ پڑنے پائے اور ملکی دولت میں وسعت ہو جس سے عوام اور حکومت دونوں کو نفع پہونچے۔

اندرون ملک تجارت صرف بڑے شہروں تک محدود تھی جہاں اس مقصد کے لئے بڑی بڑی منڈیاں بنائی جاتی تھیں۔ قریہ قریہ اور گاؤں گاؤں تجارت کو فروغ دینے کے لئے چلتی پھرتی منڈیاں بنائی جاتی تھیں جن کو میلہ یا نمائش کہا جاتا تھا تاکہ لوگ جو شہروں میں خرید و فروخت کے لئے نہ آسکیں وہ ان میلوں سے فائدہ حاصل کر سکیں اور تجارت کی اشیاء اور ملک کی صنعتوں کی نمائش بھی کی جاسکے۔ یہ میلے اور نمائشیں مہینوں لگا کرتی تھیں جن میں عوام کے لئے تفریح طبع کا سامان بھی مہیا کیا جاتا تھا۔

یورپ سے تجارت کے لئے صرف دو راستے اختیار کئے جاتے تھے ایک راستہ تو خشکی کا تھا جو کوہ البرانس کے درّوں کے ذریعہ تھا اور دوسرا راستہ بحری تھا جو فرانس کی بندرگاہوں سے گذرتا تھا۔ اسپین کا جا وقوع بحری تجارت کے لئے غیر معمولی طور پر موزوں تھا۔ چنانچہ بحر روم کی تجارت پوری طرح اسپینی تاجروں کے قبضہ میں تھی اور وہ کل یورپی اور افریقی بندرگاہوں میں اپنی صنعت و حرفت اور زراعت کی پیداوار پہونچایا کرتے تھے۔ روئی۔ زعفران۔ کاغذ۔ عزناطہ کا حریر۔ قرطبہ کا چمڑا۔ طلیطلہ کی تلواریں وغیرہ اشیاء تجارت تھیں بندرگاہ المریہ اور مالقہ دو بڑے تجارتی مراکز تھے۔[1] خلیج بسکے کے راستہ اہل اسپین کے تجارتی جہاز شمالی فرانس اور برطانیہ تک پہونچتے تھے۔[2] وہ کوہ البرانس کے درّوں سے گذر کر شمالی یورپ

---

[1] تمدن عرب ص۴۸۲ (اردو ترجمہ) [2] اسکاٹ ج ۳ ص۶۸۲ (اردو ترجمہ)

کے بازاروں تک جاتے تھے۔ اس طرح انہوں نے دور افتادہ اقوام تک سے اپنے تجارتی تعلقات استوار کر لئے تھے۔ تجارت میں یہودی تاجر بھی مسلمانوں کے دوش بدوش تھے۔ اور ان کو بھی وہی تمام مراعات حاصل تھیں جو مسلمانوں کو تھیں۔ یہ یہودی زیادہ تر ساہوکار۔ آڑھتی اور سرکاری حمّال ہوتے تھے۔

نویں صدی عیسوی میں اہل ایشیا سے تجارتی تعلقات بڑھنے لگے تھے۔ دسویں صدی عیسوی میں تاجران آسپین نے ملکی تجارت کو بیرونی تجارت سے زیادہ اہم بنا دیا تھا۔ ساحل اسکنڈی نیویا۔ اور جرمن و پولینڈ کے دریاؤں کے کنارے پر آسپینی تاجروں کے بہت سے سکے اور زیورات وقتاً فوقتاً ملتے رہے ہیں جن سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ آسپین کے تاجر وہاں تک پہونچ چکے تھے۔ سلاطین آسپین کے سفرا تجارتی اغراض کی خاطر ہندوستان، چین، ایران، اور قسطنطنیہ میں رہتے تھے اکثر تحفہ تحائف کا تبادلہ بھی ہوتا۔ اور تجارتی۔ مراعاتی عہد نامے بھی کئے جاتے تھے۔ غیر ملکیوں نے نہ صرف ساحل آسپین پر بلکہ اندرون ملک بھی اپنی کوٹھیوں کے ساتھ ساتھ اپنی نوآبادیاں بھی قائم کر لی تھیں۔ اُن شہروں میں غیر ملکیوں کے محلے الگ ہوتے تھے۔ اور ان پر ان ہی کے قانون کے مطابق حکومت کی جاتی تھی۔ جب غرناطہ کو عیسائیوں نے فتح کر لیا تو وہاں غیر ملکیوں کی تعداد ۲ ہزار تھی جن میں بڑی تعداد اٹلی والوں کی تھی۔ باسفورس کے نواح کے تاجر قشتالہ کے میلوں میں دیکھے جاتے تھے۔ المریہ اور برشلونہ کے آسپینی تاجروں نے اپنی تجارتی کوٹھیاں قسطنطنیہ میں بنا رکھی تھیں جہاں سے وہ یوکرین اور بالٹک کے علاقوں میں تجارت کرتے تھے۔ باہر سے جو اشیاء آسپین میں لائی جاتی تھیں وہ حسب ذیل تھیں۔ قطب شمالی کے سیاہ گوش۔ لومڑی اور سفید ریچھ کی پوستین۔ نارویے اور سائبیریا سے ہاتھی دانت کی اشیاء۔ عرب سے چمڑا اور خوشبودار مسالے۔ جرمنی سے شہد۔ موم۔ مصطگی۔ سلاجیت اور کہربا۔ بالٹک کے قرب و نواح سے چاے۔ قہوہ اور چینی کے برتن۔ چین سے سونے کے زیور اور کاغذ حبشہ سے حریر اور کافی۔ ایران سے خوشبویات۔ عطر اور قالین۔ ہندوستان سے گرم مسالہ اور صندل۔ سوئٹزرلینڈ اور فن لینڈ سے نرم بالوں والی خوبصورت لومڑیاں وغیرہ۔ اسکاٹ نے لکھا ہے کہ "یہودی اور فرانسن کے راہب حرم سراؤں کے واسطے گورے

خواجہ سرا اور بمبکٹو اور زائچر کے بڑے بڑے تن و توش اور مہیب صورت حبشی خلفاء قرطبہ کو بہم پہنچاتے تھے۔"[1]

مسلم اسپین کے تاجر جانوروں کی بھی تجارت کرتے تھے صحرائے افریقہ کے مشہور شکاری باز پالتے اور ان کو بڑی بڑی قیمتوں پر فروخت کرتے تھے وحشی جانور چیتے۔ اور شتر گاؤ وغیرہ دیگر ممالک میں لیجا کر فروخت کرتے تھے۔ اسپین کے چڑیا گھروں کے لئے بھی ہر طرح کے جانور لاتے تھے۔ چین میں ایک شیر کی قیمت ۲ ہزار ریشم کی گانٹھیں تھی قرون وسطیٰ کی بڑی بڑی تجارتی منڈیاں اور بین الاقوامی تجارت کے مقامات قسطنطنیہ، اسکندریہ، مالقا اور پلرمو (سسلی) تھے۔ غیر ملکی تاجر اسپین میں حکومت کے خرچ پر قیام کرتے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ ۷۰، ۹۰ سرائیں ایسی تھیں جو غیر ملکی تاجروں کے لئے مخصوص تھیں۔ خرید و فروخت کے منظم اصول اور طریقے تھے جن کے استعمال سے بے ایمانی کا شائبہ تک نہ رہتا تھا۔ جو اشیا اسپین سے باہر بھیجی جاتی تھیں ان کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

بلنسیہ کے انواع و اقسام کے روغنیات۔ میوے۔ شکر۔ چاول۔ روئی۔ اور قرمز Cocinial

ایسٹریمیڈورا کا سرمہ اور پارہ

القنت اور قرطاجنہ کے ہیرے۔ موتی۔

سلمنکہ کی ململ۔

شنترین اور شذونہ کا عنبر۔

شقوبیہ کے اونی کپڑے۔

سرقسطہ کا نمک۔

غرناطہ کے ریشم کے کپڑے اور زیورات۔

وادی آش کے سیب۔

مالقہ کا ٹین۔ پھل۔ برتن اور نفیس کپڑے۔

اشبیلہ کا اسلحہ اور زرہ بکتر۔

شاطبہ کا کاغذ۔

---

[1] اخبار اندلس ج ۳ ص ۶۸۴ (اردو ترجمہ)

طلیطلہ کی تلواریں اور زعفران۔
قرطبہ کی چمڑے کی چیزیں اور بلّور کے برتن اور اندلسی عرب نسل کے گھوڑے وغیرہ۔
تقریباً اسپین کے ہر بڑے شہر میں غلاموں اور کنیزوں کی خرید و فروخت کے مراکز تھے۔ یہ تجارت عموماً یہود اور عیسائیوں کے پاس تھی۔ یہ بتایا جا چکا ہے کہ تجارت کے تحفظ کی ضمانت حکومت کے پاس تھی۔ بڑے بڑے بازار، سڑکیں، پل اور ذرائع آمد و رفت کو بہتر بنایا جاتا تھا۔ بازاروں کی حفاظت کے لئے پولیس اور خرید و فروخت کے معاملات کو ایمانداری سے ادا کرنے کے لئے محتسب بازار مقرر کئے جاتے تھے۔ مسلمانوں نے ترازو کا استعمال اور اوزان کے مختلف حصوں کا استعمال بھی شروع کر دیا تھا۔ اوزان کی دیکھ بھال کے لئے علیحدہ ناظر یا انسپکٹر ہوتے تھے۔ دور طوائف الملوکی میں بھی ان باتوں پر اس وقت تک عمل درآمد ہوتا رہا جب تک کہ امن و امان کی فضا قائم رہی۔ البتہ غرناطہ اور اشبیلیہ کی حکومتوں نے زیادہ سے زیادہ تجارتی تحفظ اور مراعات دینے کی کوشش کی۔ دور آخر کا غرناطہ تو تمام دنیا میں مشہور تجارتی منڈی بن گیا تھا۔ عموماً بازاروں پر چھتیں ڈالی جاتی تھیں تاکہ خرید و فروخت کرنے والے سردی، گرمی اور بارش سے محفوظ رہ سکیں۔ ہر بڑی تجارتی منڈی میں تاجروں کی کمیٹیاں ہوتی تھیں جن کا صدر ملک التجار کہلاتا تھا۔ ان کمیٹیوں کے ذریعہ حکومتیں اشیاء کی قیمتیں مقرر کرنے کا کام لیتی تھیں۔ سٹہ کھیلنے، جوا کھیلنے، سود اور کمیشن کھانے کی سخت ممانعت تھی۔ اور اس کی سزا بھی مقرر تھی۔ حکومت ذخیرہ اندوزی کو بھی منع کرتی تھی لیکن آخری دور مسلم میں سٹہ، جوا، سود، کمیشن، ذخیرہ اندوزی اور چور بازاری کا کاروبار عام ہو گیا تھا اچھی حکومتیں تاجروں کو قرض بھی دیتی تھیں اور وقت ضرورت قرض لے بھی لیتی تھیں۔

⑤ شعبۂ زراعت و باغبانی

مسلمانان اسپین نے تجارت و صنعت میں جو مہارت تامہ دکھائی تھی۔ اس سے زیادہ انہوں نے زراعت و باغبانی میں اپنی ہنرمندی اور جانفشانی کا کرشمہ دکھایا۔ بیان کیا جا چکا ہے کہ مسلمانوں کی آمد سے قبل اسپین کی جو حالت تھی اس میں سب سے زیادہ ابتر حالت زراعت کی تھی اور ہزاروں میل

کے زرعی علاقے ویران اور بنجر پڑے ہوئے تھے۔ حالانکہ نو وارد مسلمان بھی کوئی پیشہ ور کاشتکار تو نہ تھے۔ لیکن پھر بھی میدان جنگ کے یہ مجاہد زراعت سے ناواقف نہ تھے۔ بلکہ مصر شام و عراق کے زرخیز علاقے ان کے نت نئے تجربات پر پورے اترچکے تھے۔ اور وہ اجڑی اور ویران زمینوں کو آباد کرنا خوب جانتے تھے۔ جب تک کہ مسلمانوں کی تعداد قلیل رہی اس وقت تک بڑے بڑے قطعات اراضی ان کے پاس رہے اور وہ ان کی پیداوار سے فائدہ حاصل کرتے رہے لیکن جیسے جیسے مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا رہا یہ قطعات اراضی چھوٹے چھوٹے ہوتے گئے۔ چنانچہ ان چھوٹے قطعات اراضی ہی سے اپنی ضرورت کو پورے کرنے کی فکر دامن گیر ہوتی تھی جس کی بنا پر نئے نئے تجربات کرکے کم زمین سے زیادہ پیداوار حاصل کرنے کی تگ و دو شروع ہوگئی۔ مصر شام کے تجربات اسپین کی زمین پر آزمائے گئے اور ابھی مسلم اسپین کی تاریخ اپنے دور اول ہی میں تھی۔ کہ مسلمانوں نے فن زراعت میں غیر معمولی خوبیاں حاصل کرلیں۔ نہ صرف یہ کہ پرانے تجربات دہرائے گئے۔ بلکہ نت نئے طریقے بھی ایجاد کئے گئے۔ غیر ممالک سے پودے اور بیج منگوا کر ملک میں ان کی کاشت کی گئی۔ مختلف اقسام کی کھادیں بنائی گئیں۔ اور کاشت کاری کو آب و ہوا کے لحاظ سے مخصوص کر دیا گیا جس کے نتیجہ میں بہت سے بہتر فصل حاصل کی جانے لگی۔

حکومتوں کی طرف سے اس ضمن میں جو عاقلانہ تدابیر اختیار کی گئیں۔ ان سے بھی کافی فائدہ ہوا لائق ماہرین نباتات باقاعدہ ایشیاء۔ افریقہ اور ہندوستان بھیجے جاتے تھے جو مفید اور کارآمد معلومات کے ساتھ درختوں کے بیج بھی لاتے تھے۔ جن کے کاشت کے تجربے شاہی اخراجات پر ایک خاص قطعۂ اراضی پر کئے جاتے تھے۔ اور پھر ان نومولود پودوں کو ان کی مخصوص آب و ہوا میں لگایا جاتا تھا۔ عبدالرحمن الداخل نے سب سے پہلے اسی طرف توجہ دی تھی اور قصر صافہ میں دنیا بھر کے عمدہ عمدہ پھلوں کے بیج اور پودے منگوا کر لگائے گئے تھے۔

زمین کی کمیابی کے ساتھ ساتھ اس ملک میں پانی کی بھی بہت کمی تھی۔ حالانکہ بہت بڑے بڑے دریا یہاں موجود تھے لیکن جغرافیائی محل وقوع کی وجہ سے ان کا پانی زراعت کے لئے براہ راست استعمال میں نہ لایا جاسکتا تھا جس کی وجہ سے پانی کے استعمال میں حد درجہ احتیاط اور راس کی تقسیم میں کفایت شعاری سے کام لیا جاتا تھا۔ زمانہ بنو امیہ میں آب پاشی کے لئے ایک خاص قانون موجود تھا۔ پانی کو بلا ضرورت خرچ کرنے یا خراب کرنے کی سخت ممانعت تھی۔ نہروں کے دہانے

ایک مقررہ وقت پر کھولے جاتے تھے۔ اور حسب ضرورت ناپ کر پانی دیا جاتا تھا۔ پانی کی چوری پر سخت ترین سزا مقرر تھی۔ سرکاری محکمہ پولیس کا ایک یہ بھی فرض تھا کہ ہر ضلع کی نہروں پر گشت اور تالابوں کی حفاظت کرے۔ آب پاشی کے متعلق جس قدر نزاعات ہوتے تھے ان کا فیصلہ ایک خاص عدالت کرتی تھی جس کے عہدہ دار کاشتکاروں یا زمینداروں میں سے منتخب کئے جاتے تھے۔ اس عدالت کو "دیوان الماء" کہا جاتا تھا۔ اس عدالت کا اجلاس ہر جمعرات کو جامع مسجد کے دروازے پر کیا جاتا تھا۔ اس عدالت کو کسی سیاسی معاملہ سے کوئی تعلق نہ ہوتا تھا۔ اور اس پر نہ کوئی سرکاری نگرانی کی جاتی تھی۔ دیگر عدالتوں کی طرح اس میں کسی قسم کی رشوت و سفارش نہ چلتی تھی۔ نہ وکیل تھے نہ قانون کی بال کی کھال نکالی جاتی۔ اور نہ فیصلے میں تاخیر کا کوئی سوال تھا۔ مدعی اور مدعا علیہ خود اپنے مقدمہ کی پیروی کر لیتے تھے اور بہت کم مشورے کے بعد عدالت اپنا فیصلہ سنا دیتی تھی جس کی کوئی اپیل نہ تھی اور نہ اس کے فیصلوں کو کسی صورت میں بدلا جا سکتا تھا مجرم کو پہلے جرمانہ کی سزا دی جاتی تھی۔ اور اگر دوبارہ جرم کرتا تو آب پاشی کے حقوق چھین لئے جاتے تھے۔ یہ طریقہ کار آج بھی اسپین میں موجود ہے اور عدالت بھی اسی طرح کام کرتی ہے۔ پانی کی تقسیم حجم اور پیمائش کے مطابق کی جاتی تھی۔ رقبہ کے لحاظ سے پانی کی مقدار مقرر تھی۔ ہر دسویں یا پندرہویں روز نہروں کے کناروں پر قلابوں سے پانی دیا جاتا تھا اور جو پانی بچ رہتا تھا وہ چھوٹی چھوٹی نالیوں کے ذریعہ بڑی نہر میں دوبارہ واپس آجاتا تھا۔

اسپین میں مسلمانوں نے آب پاشی کے مختلف ذرائع اختیار کر رکھے تھے۔ تالاب۔ کنوئیں۔ دہانے (Sluice) شل (سرنگ) آبدوز Silkhan اور زمین دوز نہریں (ترناب) وغیرہ بنائے گئے۔ مصر کے طریقہ آب پاشی کو اختیار کر کے توسیع کی گئی۔ رہٹ کا طریقہ آب پاشی بھی رائج تھا اور چند میل کے رقبہ میں سینکڑوں رہٹ استعمال کئے جاتے تھے جو چیز عام فائدے کے لئے بنائی گئی تھی وہ بڑے بڑے تالاب تھے القنت کا تالاب بیضوی شکل کا اور تین میل کے رقبہ میں تھا۔ اس کی گہرائی ۵۰ فٹ تھی۔ آلشے کا بند ۲۶۴ فٹ لمبا اور ۵۲ فٹ اونچا اور ۱۵۰ فٹ چوڑا تھا جو ترناب بلنسیہ کے قریب تھی وہ ۷۲۰ فٹ لمبی اور اس کی ۲۸ محرابیں تھیں۔ اس کے علاوہ بھی آبدوزیں اور ترناب پائے گئے ہیں۔ جن کی مضبوطی کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ آج تک وہ بلا کسی مرمت کے جوں کے توں موجود ہیں۔ یہی کچھ حال نہروں کا تھا۔ کہ بڑی سے بڑی طغیانی میں بھی پانی کبھی کناروں سے باہر نہ آتا تھا۔

اور نہ نہر کو کوئی نقصان ہوتا تھا۔ نہروں کی تعمیر میں حکومت فراخدلی سے حصہ لیتی تھی جس کا ثبوت آج بھی علاقۂ غرناطہ۔ قرطبہ۔ بلنسیہ۔ اشبیلہ۔ مالقہ اور المریہ کی نہروں سے مل سکتا ہے۔

کاشتکار زمین کو طاقت ور بنانے کے لئے کھاد کا استعمال بھی خوب جانتے تھے کیونکہ حلد فصلیں حاصل کرتے تھے اس لئے کھاد کی بڑی ضرورت ہوتی تھی۔ تمام کوڑا کرکٹ۔ بول و براز۔ راکھ۔ ناکارہ اناج۔ سڑے گلے پھل۔ پتیاں۔ جانوروں کا خون اور ہڈیاں جمع کرکے ان کو سڑا گلا کر کھاد تیار کی جاتی تھی۔ اس کے علاوہ مختلف جڑی بوٹیوں سے بھی کھاد بنائی جاتی تھی۔ کھاد جمع کرنے کے لئے پتھر کے بڑے بڑے حوض تیار کئے جاتے تھے۔ اور وہ اس طرح ڈھکے ہوتے تھے کہ بو تک باہر نہ نکل سکتی تھی۔ کھاد کی مختلف اقسام بھی بنائی گئی تھیں۔ اور جس زمین پر جس قسم کی کھاد کی ضرورت محسوس ہوتی دیدی جاتی تھی۔

علم نباتات کا بیان اوپر ہو چکا ہے۔ مسلمان آسپین نے اس علم کو فلاحت و زراعت کی خدمت کے لئے وقف کر دیا تھا جس سے تربیت اشجار میں وہ اپنا ثانی نہ رکھتے تھے۔ ان کو اس بات کا بھی علم تھا کہ درختوں میں بھی نر اور مادہ ہوتے ہیں جس سے وہ پیوند لگانے اور مصنوعی پھل حاصل کرنے میں کمال رکھتے تھے۔ ان کے ہاں پیوند لگانے کے آٹھ طریقے تھے۔ ان پیوندوں کو مزید فائدہ مند بنانے کے طریقوں سے بھی واقف تھے۔ باغات کی ترقی میں تو اہل آسپین نے کمال ہی کر دکھایا تھا وہ تمام آسپین جو مسلمانوں کے مستقل قبضہ میں رہا آج بھی وہاں باغات بکثرت نظر آتے ہیں ایسی ایسی زمینوں پر باغات لگائے جاتے تھے جو بظاہر بنجر نظر آتی تھیں۔ باغات سے زیادہ سے زیادہ فائدہ حاصل کرنے کی تراکیب ان کو خوب آتی تھیں جس سے اقسام پھل اور تعداد میں بہت اضافہ ہوا کرتا تھا۔ تمام دنیا کے بہترین پھل دار درخت یہاں لگائے گئے تھے۔ رنگ دینے والے پودے مثلاً نیل اور مجیٹھ ہندوستان سے لائے گئے تھے۔ باغات کو خوبصورت بنانے کے لئے ان میں لان بھول بھلیاں۔ کنج۔ پوشیدہ فوارے کثرت سے بناتے تھے۔ گلاب کے پھول حاصل کرنے میں وہ کمال ہنرمندی کا ثبوت دیتے تھے اور اس طرح کی تراکیب استعمال کرتے تھے کہ ہر موسم میں گلاب کے پھول ملتے جو کئی رنگوں میں ہوتے تھے۔ پودوں اور درختوں کے امراض اور ان کا علاج بھی خوب جانتے تھے۔ پھولوں سے جوہر اور عطر نکالنے میں بھی کمال رکھتے تھے اور پھلوں سے سرکہ اور مقطر نکالتے تھے ۲۵ اقسام کے عطریات کا ذکر کتابوں میں ملتا ہے ان کے شوق باغبانی کا ثبوت اس طرح ملتا ہے کہ جبل الطارق سے لے کر برشلونہ تک کا تمام ساحلی علاقہ ایک طویل باغ معلوم

ہوتا ہے۔ وادی الکبیر کے دونوں کناروں باغات کا طویل سلسلہ ہے۔ علامہ مقری اور ابن حیان نے باغات کی ایک طویل فہرست شہروں کی مناسبت سے دی ہے مسلمانوں کو ایسے بھی طریقے معلوم تھے۔ کہ جن سے وہ پھلوں کو عرصہ دراز تک رکھ سکتے تھے۔ ان کو کیڑوں سے بچاتے تھے۔ اور کنوں اور گڑھوں میں سے زہریلے بخارات کو خارج کرنا جانتے تھے۔ آب وہوا کے تغیرات سے وہ بخوبی واقف تھے۔ اور فصلوں اور باغوں کو آنے والے حوادث سے محفوظ کر لیتے تھے۔ ملک کے تمام بڑے بڑے مدارس میں کاشتکاری اور فلاحت کی باقاعدہ تعلیم دی جاتی تھی۔ فاضل اناج کا ذخیرہ کرتے اور پہاڑوں کو کاٹ کر کھتے بناتے تھے۔ یہ ذخیرہ گاہیں محفوظ اور ہوا سے بچائی جاتی تھیں بعض کھتے برسہا برس تک اپنے اندر غلہ محفوظ رکھتے تھے۔ یہ غلہ قحط کے زمانے میں کام آتا تھا۔ قحط کے دوران بلوط کے پھلوں کو کھایا جاتا تھا۔ جو غذائیت سے بھرپور ہوتے تھے۔

علم نباتات و فلاحت پر اہل اسپین نے بہت سی تصانیف بھی کی ہیں جن کا تذکرہ شعبۂ سائنس میں آچکا ہے۔ ان میں مشہور و معروف ابن العوام اشبیلی تھے جن کی تصنیف سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ اسپینی مسلمان ۱۲ ویں صدی عیسوی میں فن زراعت میں کس قدر ترقی کر چکے تھے۔ اس کتاب میں تفصیل سے ہر شعبۂ زراعت و فلاحت پر بحث کی گئی ہے۔ اس میں نہ صرف یہ کہ ایسے طریقے بتائے گئے ہیں۔ جو آج بھی زراعت و کاشتکاری میں تسلیم شدہ ہیں بلکہ نہایت تحقیق اور تدقیق کے ساتھ ہر قسم کے جانوروں کی نسل کشی۔ ان کے خواص۔ اوصاف۔ عیوب۔ عادات و امراض بتائے گئے ہیں۔ کاشتکاری کے لئے مختلف اقسام کے گھوڑوں اور ان کی پرورش پر تفصیلی بحث ہے۔ اسی کتاب میں انڈوں سے بچے نکالنے کی مصنوعی ترکیب بتائی گئی ہے۔ کھانا پکانے کی بہت سی ترکیبیں۔ قسم قسم کی روٹیاں پکانے۔ شربت۔ مربے۔ اچار۔ چٹنیاں وغیرہ بنانے کے طریقے بھی تحریر کئے گئے ہیں۔ کسانوں کو کاشتکاری کے طریقوں کی تفصیل اور فائدہ مند مشورے بھی شامل ہیں۔ ابن العوام کے علاوہ بھی بہت سے افراد نے اس فن پر کتابیں لکھیں اور بہت سے حکماء نے تو اپنی زندگی علم نباتات ہی میں صرف کر دی۔ مثلاً ابن بیطار وغیرہ۔

علاوہ زراعت کے مسلمانوں کو فلاحت کے دیگر شعبوں سے بھی گہرا تعلق تھا اور انہوں نے اس میں بھی نمایاں کامیابی حاصل کی جیسے کہ گھوڑے پالنا بھیڑ بکریاں پالنا مرغبانی۔ شہد کی

"۔ ں کی پرورش وغیرہ۔ ریشم کے کیڑوں کی پرورش کرنا اہل آسپین کا بہترین اور فائدہ مند مشغلہ تھا۔ ان کیڑوں کی پرورش کے لئے حکومت بھی ان کی مدد کرنے سے کوتاہی نہ کرتی تھی۔ اور جہاں جہاں آب و ہوا مناسبت سے شہتوت کے باغات اسی مقصد کے لئے لگائے گئے تھے۔ اسی طرح اون اور مزینہ حاصل کرنے کے لئے بھی حکومت نے باقاعدہ قانون وضع کیا تھا جس سے بھیڑوں کی افزائش میں بڑی مدد ملتی تھی۔ مرغبانی عربی صنعتوں میں شمار کی جاتی تھی اور ہر دیہات میں اس پر خاص توجہ دی جاتی تھی۔ تاریخ سے اس بات کا بھی پتہ چلتا ہے کہ جانوروں کی بیماریوں کے علاج کے لئے شفاخانے بھی قائم تھے۔ البتہ ان علاقوں کے ناموں کا پتہ نہیں چلتا جہاں یہ شفاخانے قائم تھے۔

⑥ شعبۂ تعلیم و تدریس

اس اہم شعبہ میں اہل آسپین نے جس قدر ترقی کی تھی اس کا مقابلہ بنو عباس بھی نہیں کر سکتے۔ افسوس یہ ہے کہ اس کی تفصیل بہم نہ ہو سکی۔ ورنہ بجائے خود ایک کتاب بن جاتی۔ علوم و فنون میں اہل آسپین نے جس قدر ترقی کی تھی وہ سب اسی شعبہ کی برکت سے یورپ کو ورثہ پہنچا ورنہ بہت سے علوم سے اہل یورپ ناآشنا رہتے۔ اس شعبہ میں مدارس کتب خانے اور تصنیف و تالیف کے تمام پہلوؤں کا تذکرہ ہو گا۔ سب سے اول ہم مدارس اور طریقہ تعلیم کا تذکرہ کرتے ہیں۔

مدارس آسپین میں بھی دیگر مسلم ممالک کی طرح مساجد کے ساتھ مدارس قائم کرنے کا رواج تھا لیکن بہت سے مدارس اور جامعات مساجد سے علیحدہ بھی تھیں۔ ان مدارس کے اخراجات کی کفالت کے لئے حکومت نے بڑے بڑے اوقاف مقرر کر دیئے تھے۔ اور وقتاً فوقتاً امداد خصوصی بھی دی جاتی تھی۔ تمام مدارس میں تعلیم مفت دی جاتی تھی اور ہر مسلمان پر تعلیم حاصل کرنا لازمی قرار دیا گیا تھا۔ قرآن۔ حدیث۔ فقہ۔ صرف و نحو۔ شعر و ادب کی تعلیم عام طور پر مدارس میں ہوتی تھی لیکن جامعات میں تمام علوم عقلیہ اور نقلیہ کی تعلیم دی جاتی تھی۔ ان مدارس اور جامعات کے لئے اس دور کے چیدہ چیدہ جید علماء اور اساتذہ کی خدمات حاصل کی جاتی تھیں۔ قانون داں بننے کے لئے مدہبی سند ضروری تھی۔ بقول

ابن خلکان[1] تمام ملک کے شہروں اور دیہاتوں میں مدارس قائم تھے۔ اور یہ سب مدارس کسی نہ کسی جامع سے ملحق ہوتے تھے۔ دور نزدامیہ تک یہ تمام مدارس صرف جامع قرطبہ سے ملحق رہے لیکن اس کے بعد اشبیلیہ۔ غرناطہ۔ مالقہ۔ اور طلیطلہ کی جامعات سے بھی ملحق ہونے لگے۔ بعض شہروں میں تو مدارس کی تعداد سینکڑوں تک تھی۔ صرف قرطبہ میں آٹھ سو مدارس تھے جن میں مشہور و جید اساتذہ بلا تفریق مذہب و ملت اپنے شاگردوں کو تعلیم دیتے تھے۔ اسکاٹ[2] کے کہنے کے مطابق تمام ملک میں کوئی گاؤں بھی ایسا نہ تھا کہ جہاں کے مفلس گزاروں کے بچے تعلیم سے محروم ہوں۔ بیرونی ممالک سے آنے والے طلباء کے ٹھہرنے کے لئے جامعات سے ملحقہ اقامت گاہیں بھی بنائی جاتی تھیں جنکے تمام اخراجات کی ذمہ داری حکومت پر تھی حتیٰ کہ متعلقہ کتابیں تک طلباء کو مفت حکومت کی طرف سے دی جاتی تھیں۔ ابتدائی تعلیم حاصل کرکے جب طالبعلم اعلیٰ تعلیم کے لئے کسی جامعہ میں داخل ہوتا تو اسکے داخلہ کا امتحان ضرور لیا جاتا تھا جو پاس ہوتا اسکو داخلہ دیا جاتا ورنہ وہ اگلے سال کی تیاری کیلئے چھوڑ دیا جاتا تھا اعلیٰ تعلیم کے مضامین قرآن حدیث اور فقہ کے علاوہ علوم قدیمہ ہندسہ ہیئت طب جراحت موسیقی منطق و فلسفہ شعر و ادب تاریخ و جغرافیہ ہوتے تھے لیکن فنون میں بھی طلباء کو ماہر کیا جاتا تھا اور بہت سے فنون کے شعبے بھی موجود تھے مثلاً خیاطی خطاطی جڑے کا کام فن تعمیر کوزہ گری فلاحت و زراعت وغیرہ۔ اسکاٹ ہی کا بیان ہے کہ ان مدارس اور جامعات کی استادی و معلمی کے لئے کسی شخص کا مسلمان ہونا لازمی نہ تھا بلکہ تمام دار و مدار علمی اہلیت و قابلیت پر ہوتا تھا جسمیں یہ صفات ہوتی تھیں۔ وہ بلا تامل ان عہدوں پر فائز کیا جاتا تھا چنانچہ اکثر یہودی اور عیسائی بھی قرطبہ کی جامعہ میں استادی پر مقرر تھے۔[3]

نویں اور دسویں صدی عیسوی میں اسپین کی جامعات میں تعلیم حاصل کرنے والوں کی تعداد ۱۱۰۰۰ ہزار تک پہونچ گئی تھی طالبعلم کسی بھی قوم و مذہب سے تعلق رکھتا ہو بآسانی ان جامعات میں تعلیم حاصل کر سکتا تھا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ یورپ و ایشیاء سے آنے والے طلباء میں عیسائی اور یہودی طلباء بکثرت ہوتے تھے۔ یہ مسلمانوں کی بے تعصبی کا ہی نتیجہ تھا کہ قرمونہ کے جیرارڈ نے قرطبہ اور طلیطلہ کی جامعات میں تعلیم حاصل کی اور بعد میں مسلمانوں کے علمی شاہ پاروں کو یورپ تک پہونچایا بہت سے عیسائی راہبوں اور طلباء کا بھی پتہ چلتا ہے جو تعلیم حاصل کرنے کے لئے اسپین کی جامعات میں داخلہ لیتے تھے اور انکو بھی وہی مراعات ملتی تھیں جو اسپینی مسلمانوں کو حاصل تھیں۔ مدارس کا نصاب۔ جامعات کے داخلے کا امتحان سندیں۔ انعامات و وظائف اور بحث و مباحثہ کا وہ طریقہ رائج تھا جو آجکل ترقی یافتہ

---

[1] ابن خلکان ج ۱ [2] اسکاٹ ج ۳ ص ۵۱۳ [3] اخبار اندلس ج ۳ ص ۵۱۴

ممالک میں پایا جاتا ہے۔ اسپین کی جامعات کو سب سے زیادہ ناز علوم طب و جراحت پر تھا یہی وجہ تھی کہ طب و جراحت کے امتحانات بہت اہمیت رکھتے تھے۔ قابل ترین طبیب ان طلباء کا امتحان سختی سے لیتے تھے جو طبابت کی سند حاصل کرنا چاہتے تھے۔ داخلے کے وقت اور تعلیم کے اختتام پر دونوں حالتوں میں امتحان لیا جاتا اور کامیاب اور ناکام لوگوں کی فہرست شائع کر دی جاتی۔ تاکہ عوام ان سے پوری طرح باخبر رہیں۔ جامعات کی طرف سے وقتاً فوقتاً علماء کی قیمتی سائنسی فنی اور تاریخی معلومات برابر شائع ہوتی رہتی تھیں۔ جامعہ قرطبہ کی سالانہ رپورٹ کے شائع ہونے کا پتہ چلتا ہے مدارس اور جامعات کے آمد و خرچ کے گوشوارے بھی تیار کئے جاتے تھے اور بعض حالات میں شائع بھی کر دیئے جاتے تھے۔ سائنس و فنون کی تجرباتی تعلیم کے لئے جامعات میں مکمل تجربہ گاہیں قائم کی جاتی تھیں جن میں اس زمانہ کے بہترین سائنسی اور فنی آلات مہیا کئے جاتے تھے۔ جامعات قرطبہ اور غرناطہ میں جراحت کے مکمل شعبے تھے جن میں آلات جراحت کے جدید ترین نمونے موجود تھے اور بیشتر آلات وہی تھے جو موجودہ دور میں مستعمل ہیں۔ طلباء کو عملی تجربہ کے لئے اساتذہ اپنی نگرانی میں دور دراز کے علاقوں میں لے جایا کرتے تھے۔ بحث و مباحثہ اور مناظرہ کا بھی اہتمام ہوتا تھا جو قابل اساتذہ کی زیر نگرانی ہوتا تھا۔ علم کے حصول کے لئے عورتوں پر کوئی پابندی نہ تھی لیکن کیونکہ مخلوط طرز تعلیم کا رواج نہ تھا اس لئے عموماً عورتیں علوم نقلیہ کے حصول تک رہتی تھیں۔ اور علوم عقلیہ سے محروم رہتی تھیں۔ علامہ مقری نے بہت سی ایسی عورتوں کی فہرست دی ہے جو علوم فقہ و حدیث اور شعر و ادب بلکہ بڑی حد تک فلسفہ و منطق میں بھی کامل دستگاہ رکھتی تھیں[1]۔ اسی بنا پر ہٹی نے لکھا ہے کہ "مسلم اسپین میں شاید ہی کوئی ایسا شخص ہو جو لکھنا پڑھنا نہ جانتا ہو"[2]۔

اسپین کی مشہور جامعات میں قرطبہ، اشبیلیہ، غرناطہ اور مالقہ کے نام آتے ہیں۔ جامعہ قرطبہ کا سنگ بنیاد عبدالرحمن الداخل نے رکھا تھا جس کی عمارتی تکمیل ہشام اول نے کی لیکن اس کی علمی و ادبی ترقی کی ابتداء عبدالرحمن ثانی سے ہوئی۔ اور حاجب المنصور تک اس کا عروج رہا۔ الحکم ثانی نے اس جامعہ کو ثانی بنا دیا تھا۔ اور تمام دنیا کے مشہور عالموں کو اس میں لاکر جمع کر دیا تھا۔ اشبیلیہ اور مالقہ کی جامعات بھی گو دور بنو امیہ کی پیداوار تھیں۔ لیکن درحقیقت ان کا عروج دور طوائف الملوکی میں ہوا۔ غرناطہ کی جامعہ بنو نصر کے ساتویں بادشاہ ابوالحجاج یوسف کے زمانے میں قائم

[1] نفح الطیب ج ۲ ص ۵۳۶ [2] The History of the Arabs P.562

کی گئی جس کا سہرا مشہور و معروف شخصیت لسان الدین ابن الخطیب کے سر تھا۔ یہ شخص آئین کا نظام الملک طوسی کہلانے کا مستحق ہے۔ اس نے جامعہ غرناطہ کو چار چاند لگا دیئے۔ ان کے علاوہ سرقسطا اور بطلیوس کے مدارس بھی کافی شہرت یافتہ تھے۔ طلیطلہ کی جامعہ دراصل مسلمانان آئین کی یادگاروں اور باقیات الصالحات کو محفوظ کرنے کا ایک اہم مرکز بن گئی تھی۔ یہیں سے یہودی اور عیسائی طالبعلموں نے نہ صرف علوم حاصل کئے بلکہ آئین کے عربی علوم کے تراجم کر کے ان کو یورپ تک پہونچایا جن میں جیرارڈ کا نام سرفہرست ہے۔ آج جو کچھ بھی مسلم آئین کے باقیات میں سے یورپ میں موجود ہے وہ اسی جامعہ طلیطلہ کا مرہون منت ہے۔

کتابیں اور کتب خانے

جس نظام تعلیم کا تذکرہ اوپر کیا گیا ہے اس کو کامیاب طریقے پر چلانے کے لئے بلاشبہ زیادہ سے زیادہ کتابوں کا ہونا ضروری تھا۔ بنو عباس کی طرح مسلمانان آئین نے بھی کتابی دنیا میں گراں بہا اضافہ کیا۔ لیکن اہل آئین کی یہ خوبی ان کو ممتاز کرتی ہے کہ انہوں نے تراجم بہت کم کئے۔ اور اپنی تصانیف پر زیادہ زور دیا جس سے اس بات کا بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے۔ کہ علماء آئین کو اپنے تخیل اور قلم پر کس قدر عبور حاصل تھا۔ بنو امیہ آئین کے شروع دور ہی سے علماء و فضلاء نے تحریر و تصنیف کا آغاز کر دیا تھا۔ ہم نے ان تصانیف کی تفصیل کسی حد تک "شعر و ادب" میں بیان کر دی ہے۔ لیکن ان کے علاوہ بھی تصانیف کا ایک انبار نظر آتا ہے۔ بعض علماء نے تو کئی کئی مضامین پر سینکڑوں کی تعداد میں تصانیف کی تھیں جن کی حسب ذیل تفصیل مختلف تواریخ سے دستیاب ہوتی ہے۔

ابن خطیب قرطبی۔	۱۱ سو تصانیف		موضوع طب۔ فلسفہ اور تاریخ
ابن حسن۔	۴۵۰ تصانیف		موضوع فلسفہ اور فقہ
المظفر شاہ بطلیوس۔	۵۰	〃	ادب۔ سیاست اور تاریخ
ابن حیان۔	۶۰	〃	ادب۔ تذکرہ اور تاریخ
ابن ہیثم۔	۲۰۰	〃	ہیئت نجوم اور سائنس
ابن محمد ابن ہانی۔	۴۰۰	〃	ادب اور تاریخ قدیم و جدید

+

⚠ جامعات اور مدارس کی تفصیل کے لئے دیکھئے علامہ مقری ابن خلکان واسکاٹ وغیرہ

ابن حبیب ابو مروان عبدالملک	۱۰۰ سو تصانیف	موضوع۔ ادب۔ تذکرہ اور تاریخ قدیم وجدید
علی بن حزم۔	۱۰۰ ″	″ فقہ منطق۔ شعر وادب اور تاریخ
لسان الدین ابن الخطیب۔	۴۰۰ ″	″ فقہ۔ تاریخ اور ادب و فلسفہ

علاوہ ان افراد کے دیگر مصنفین کا نام بھی اس فہرست میں آتا ہے لیکن ان کا تذکرہ مختلف شعبہ جات کے تحت اوپر کیا جا چکا ہے ان تصانیف کے دیکھنے سے طالبعلموں کو حصول علم میں کافی آسانیاں ہو گئی تھیں۔ اس کے علاوہ سلاطین و خلفاء بھی اپنی علم نوازی کی بدولت اس بات کا پورا اہتمام کرتے تھے کہ مغرب یا مشرق میں جو کتاب بھی تحریر کی جائے وہ آپ کے ہاں ضرور آجائے۔ تمام مسلم ممالک کے بڑے بڑے شہروں میں حکومت کے کارندے موجود رہتے تھے جو کتابوں کی نقل کر کے یا خرید کر روانہ کرتے تھے۔ ابو الفرج اصفہانی کی کتاب الاغانی کی بابت یہ مشہور ہے کہ الحکم ثانی نے اس کو ختم ہونے سے پہلے ہی ایک ہزار اشرفیاں بھیج کر خرید لیا تھا۔ مصنف کی قدر دانی عوام اور حکومت دونوں کے نزدیک اولیٰ تھی حکومت کی طرف سے ان کو وظائف دیئے جاتے اور ہر طرح کی آسانیاں بہم پہونچائی جاتی تھیں تاکہ وہ آرام کے ساتھ تصنیف و تالیف میں مشغول رہیں الحکم ثانی کی علم دوستی کا ذکر اوپر کیا جا چکا ہے جس سے اس بات کا بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے کہ سلاطین بنو امیہ نے کس طرح کتابوں کے حصول اور ان کی تصانیف پر اپنی توجہ مرکوز رکھی اور کس تندہی اور محبت سے علوم کو کتابوں میں داخل کرا دیا۔ علماء اسپین نے بھی اسی طرح کتابوں کی تحریر اور تصنیف میں کوئی کوتاہی نہ کی حتیٰ کہ انہوں نے جانوروں تک کی سوانح عمریاں اور زراعت و فلاحت پر بھی کتابیں لکھ ڈالیں۔

کتابوں کو تحریر کروانے اور ان کی نقل حاصل کرنے میں جس قدر زر کثیر حکومتیں خرچ کرتی تھیں اس سے کہیں زیادہ امراء وزراء اور جاگیرداروں اس میں حصہ لیتے تھے۔ کثرت سے تاجران کتب بھی اس کام کو بڑے اہتمام سے کرتے تھے۔ اور پھر بڑے اہتمام سے کتابوں کو طبع کراتے تھے۔ وہ اپنے یہاں بہترین خطاط ملازم رکھتے تھے۔ اور اکثر علماء سے بھی یہ کام لیا جاتا تھا۔ یاقوت حموی کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اس نے خطاطی کر کے ہی اپنی مشہور کتابوں معجم البلدان اور معجم الادباء تصنیف کی تھیں۔ کتاب کی

قیمت اس کے موضوع، مصنف کے حسن خط اور بہترین جلد سے طے پاتی تھی۔ اس لئے کتب فروش اس بات کی کوشش کرتے تھے کہ کتاب عمدہ خط میں لکھی جائے اور اس کے حاشیے خوبصورت و منقش ہوں۔ تاکہ کتاب کی قیمت بڑھ سکے۔ خوبصورت جلدیں بنانے کا بھی علم رواج تھا جس سے فن جلد سازی نے کمال حاصل کر لیا تھا۔ عام طور پر جلدیں چمڑے کی بنائی جاتی تھیں۔ بہت سی جلدوں پر سونے چاندی اور ہیرے جواہرات کا بھی استعمال کیا جاتا تھا۔ بہت سی جلدیں خوشبودار لکڑی اور گلدار چمڑے سے بھی بنائی جاتی تھیں۔ کتابوں کی زیادہ سے زیادہ طلب نے اور قدر دانی علم نے کتب فروشی کو عام کر دیا تھا۔ صرف قرطبہ ہی میں ۷ ہزار دکانیں کتب فروشوں کی تھیں۔ دیگر بڑے بڑے شہروں میں بھی ان دکانوں کی بہتات تھی۔ خوبصورت جلدوں کی کتابیں اس طرح سجائی جاتی تھیں جس طرح کہ ریشم و حریر کے کپڑے اور زیورات تاکہ خریدار کی نظر التفات پڑ سکے۔ ابن رشد کے یہ الفاظ جو اس نے المنصور موحد کے دربار میں کہے تھے اس بات کی دلالت کرتے ہیں کہ اسپین میں کتابوں کی کیا قدر و قیمت تھی۔

"جب کوئی مغنی قرطبہ میں مرتا ہے تو اس کے آلات غنا مراکش کے بازار میں فروخت ہوتے ہیں اور جب کوئی مراکشی عالم فوت ہوتا ہے تو اس کی کتابیں قرطبہ میں فروخت ہوتی ہیں"۔

کتب فروشی کے ضمن میں اگر کاغذ کا تذکرہ بھی کر دیا جائے تو بے جا نہ ہوگا بلاشبہ اسپین میں کتابوں کی ہمہ گیر اشاعت میں کاغذ نے سب سے زیادہ مدد دی۔ اسپین میں مسلمانوں سے قبل کاغذ تقریباً ناپید تھا۔ اس صنعت کو مسلمان اپنے ساتھ لائے تھے۔ خیال کیا جاتا ہے کہ یہ صنعت مصر سے آئی تھی۔ علامہ مقری نے لکھا ہے کہ مصر میں ایک درخت ہوتا تھا جس سے کاغذ بنایا جاتا تھا۔ مسلمانان اسپین نے اس درخت کو شاطبہ کے علاقہ میں بویا اور اس کو خوب فروغ دیا۔ بعد میں روئی اور کتان سے بھی کاغذ بنایا جانے لگا۔ اور شاطبہ اس صنعت میں تمام دنیا میں مشہور ہو گیا۔[1] کاغذ کی صنعت کے اس عروج نے اسپین میں کتابوں کی مانگ کو پورا کیا اور ہر سال لاتعداد کتابیں شائع ہونے لگیں۔

کتابوں کی بہتات اور روز افزوں تصانیف کے ساتھ ساتھ حکومت اور عوام و خواص میں کتابوں کے جمع کرنے کا شوق بھی بڑھتا جاتا تھا۔ عبدالرحمن الداخل سے لیکر ہشام المؤید تک تمام بنو امیہ اس شوق میں ڈوبے ہوئے تھے جس وقت جامعہ قرطبہ کی بنیاد پڑی اس وقت ایک شاہی کتب خانہ بھی قائم کیا گیا جس کا بظاہر مقصد تو طلبا کو اس سے فائدہ پہونچانا تھا۔ لیکن

[1] نفح الطیب ج ۱ ص ۸۰

دراصل سلطان کو خود اپنے ذوق علمی اور ذوق ذخیرۂ کتب کو پورا کرنا تھا۔ الحکم ثانی کے ذوق علمی کی تکمیل کے سلسلہ میں اس کے عظیم کتب خانہ کا تذکرہ آچکا ہے جس کی مثال اس زمانہ کی تاریخ میں نہیں ملتی۔ دور طوائف الملوکی میں باوجود خلفاء اور افراتفری کے کتب خانوں کی طرف حکومتوں اور عوام کا رجحان رہا۔ کوئی بڑا شہر ایسا نہ تھا جہاں تشنگان علم کو سیراب کرنے کے لئے کتب خانہ نہ موجود ہو۔ اشبیلیہ۔ بطلیوس۔ سرقسطہ۔ مالقہ۔ طلیطلہ بعدہٗ غرناطہ اپنے اندر نہ صرف زبردست شاہی کتب خانے رکھتے تھے۔ بلکہ سینکڑوں کی تعداد میں عوامی کتب خانے بھی تھے۔ امراء۔ وزراء سرمایہ دار اپنے گھروں میں بھی کتب خانہ بنایا کرتے تھے۔ اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کتب خانہ کا قیام اہل آئین کے لئے لازمۂ زندگی بن کر رہ گیا تھا۔ کوئی شخص خواہ وہ عالم ہو یا جاہل۔ خواہ کتاب کے مضمون سے واقفیت رکھتا ہو یا نہ رکھتا ہو اگر صاحب ثروت و استطاعت ہے تو بہتر سے بہتر کتاب خریدنے اور اس کو اپنے کتب خانے کی زینت بنانے کے لئے بے دریغ رقم صرف کرنے سے گریز نہ کرتا تھا۔ علامہ مقری نے اس ضمن میں ایک عالم حضرمی کا واقعہ لکھا ہے کہ "اس کو ایک کتاب کی شدید ضرورت تھی جو کافی مدت سے اس کو نہ مل سکی تھی۔ ایک دن ایک دکاندار کے یہاں اس کو نظر پڑی۔ اس کتاب کی تحریر عمدہ اور جلد بہت خوبصورت تھی۔ حضرمی نے اس کتاب کی مناسب قیمت لگائی۔ لیکن ایک دوسرے گاہک نے اس پر اضافہ کر دیا اس کے بعد دونوں طرف سے قیمت کے اضافے کا سلسلہ چل نکلا۔ یہاں تک کہ کتاب کی قیمت حد سے تجاوز کر گئی۔ حضرمی کو کتاب کی سخت ضرورت تھی لیکن گراں قیمت دینا اس کے بس میں نہ تھی۔ چنانچہ وہ دوسرے گاہک سے ملا تاکہ معلوم کرے کہ واقعی اس کو کتاب کی سخت ضرورت ہے اس کو یقین تھا کہ یہ شخص ضرور بڑا عالم و فاضل ہوگا۔ لیکن جب اس شخص سے ملا تو اس نے کہا کہ میں نہ کوئی عالم و فاضل ہوں اور نہ کتاب کے نفس مضمون سے واقف ہوں۔ صرف اس کتاب کی خوبصورت تحریر اور جلد سے متاثر ہوا ہوں تاکہ اس کو اپنے کتب خانے کی زینت بنا کر اپنے دوستوں اور احباب میں عزت حاصل کروں"[1]۔ اس واقعہ سے یہ اندازہ ضرور ہوتا ہے کہ لوگوں میں اپنے کتب خانے بہتر طور پر بنانے کا کس قدر شوق تھا۔ بلکہ امارت اور عزت کا وہی شخص زیادہ مستحق سمجھا جاتا تھا جو بہت بڑے کتب خانہ کا مالک ہوتا تھا عوامی کتب خانے سرکاری

[1] نفح الطیب ج ۱ ص ۲۱۵

خرچ پر بنائے جاتے تھے جہاں عوام اور طلباء کو کتابیں مستعار دی جاتی تھیں۔ دور دراز کے علاقوں سے ان کتب خانوں کے لئے کتابیں مہیا کی جاتی تھیں۔ دور طوائف الملوکی میں تو ایسے لاتعداد کتب خانوں کا پتہ چلتا ہے جو عوام کے لئے مخصوص تھے۔ اشبیلیہ میں بنو عباد کا شاہی کتب خانہ تھا جس میں نادر و نوادر کتابیں جمع کی گئی تھیں۔ کہا جاتا ہے کہ الحکم ثانی کے کتب خانہ کی بہت سی کتابیں اس میں موجود تھیں۔ معتضد اور معتمد دونوں کو کتابیں جمع کرنے کا بہت شوق تھا۔ سرقسطہ کے بنو ہود، طلیطلہ کے بنی ذوالنون اور بطلیوس کے بنی افطس کے پاس اپنے عظیم کتب خانے موجود تھے۔ حتیٰ کہ مرسیہ کے زبیر اور مجاہد شاہ دانیہ باوجود اس کے کہ وہ موالی تھے بہت عمدہ کتب خانوں کے مالک تھے۔ زبیر کے وزیر احمد بن عباس کے پاس ایک نادر کتب خانہ تھا جس کو وہ اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھتا تھا۔ غرناطہ کے بنو نغرالہ خاندان کے یہودی وزیر سموئیل کے پاس بھی ایک بڑا کتب خانہ موجود تھا اسی وزیر کی بدولت غرناطہ میں کئی کتب خانے بن گئے تھے۔ آخر میں اسپین کا علمی سرمایہ غرناطہ کے بنو نصر کے ہاتھ لگا کیونکہ یہ بادشاہ بڑے علم دوست اور علم پرور تھے۔ اس لئے تمام اسپین کے علماء اور علمی ذخیرہ غرناطہ میں جمع ہو گیا تھا اسطرح جہاں غرناطہ مسلمانوں کی سیاسی پناہ گاہ بن گیا تھا وہاں علمی پناہ گاہ بھی ثابت ہوا۔ غرناطہ کی تباہی کے بعد کتابوں کا تھوڑا بہت سرمایہ عیسائیوں نے بچا کر اسکوریال کے کتب خانہ میں جمع کر دیا۔ جو میڈرڈ (مجریط) موجودہ اسپین کے دارالحکومت کے قریب واقع ہے۔[1]

کتب خانہ کی تنظیم میں بھی مسلمانان اسپین نے خاص مہارت دکھائی۔ تمام کتابوں کو مضامین کی ترتیب کے لحاظ سے ایک بڑے رجسٹر میں درج کر لیا جاتا تھا اور اس فہرست کے نمبر شمار کو کتابوں کے اوپر ڈال دیا جاتا تھا۔ رجسٹر میں درج کرتے وقت کتاب اور مصنف کے نام کے ساتھ کتاب کا سنہ طباعت، صفحات اور مضامین، مصنف کی تاریخ پیدائش، ولدیت اور وفات اگر وہ فوت ہو گیا ہے اور اس کی مختصر سوانح عمری ضرور لکھی جاتی تھی۔ اس بات کی بھی کوشش کی جاتی تھی کہ یہ بھی تحریر کر دیا جائے کہ یہ کتاب کن کن شہروں یا کتب خانوں میں دستیاب ہو سکتی ہے۔ کتاب کی اصلیت یعنی ترجمہ، تالیف یا تصنیف بھی ضرور لکھی

[1] The History of the Arabs P.564

جاتی تھی۔ اور اس کے ساتھ ہی کتاب کی قیمت اور صفحات کا اندراج بھی ضروری تھا۔ اس بات کا پتہ نہیں چلتا کہ آیا ان کتب خانوں سے کتابیں گھروں پر پڑھنے کے لئے دی جاتی تھیں یا نہیں۔ البتہ طالب علموں کو کتب خانہ میں بیٹھ کر پڑھنے اور اس کو نقل کرنے کی اجازت ہوتی تھی۔ ملازمین کتب خانہ میں ایک مہتمم کتب خانہ ہوتا تھا۔ جو شاہی کتب خانہ میں تو خاندان شاہی کا کوئی فرد ہوتا تھا لیکن عام کتب خانوں میں کسی عالم کو مہتمم بنایا جاتا تھا۔ اس کی مدد کے لئے خطاط۔ جلد ساز اور دیباچہ اور ملازمین ہوتے تھے۔ شاہی کتب خانہ میں کتابوں کو صندل یا آبنوس کی یا کسی خوشبودار لکڑی کی الماریوں میں رکھا جاتا تھا۔ لیکن عام کتب خانوں میں ایسی لکڑی کی الماریوں میں رکھا جاتا تھا جن میں کیڑا نہ لگ سکے۔ کتابوں کو کیڑے سے بچانے کے لئے بعض اوقات تیز مسالوں کا استعمال کیا جاتا تھا۔ اور روز صفائی بھی کی جاتی تھی۔ غرناطہ کے کتب خانوں میں شیشہ اور پتھر کی الماریوں کا بھی پتہ چلا ہے۔

بارھواں باب

معاشرتی تجزیہ

سیاسی معاشرہ پڑھنے والوں کو یہ بات کچھ عجیب سی معلوم ہوگی کہ بجائے سیاسی نظام حکومت کے سیاسی معاشرہ تحریر کیا جارہا ہے دراصل ایسا کرنے کی وجہ یہ ہے کہ نظام حکومت کی تفصیل اور تغیرات متعلقہ امیر خلیفہ اور سلطان کے ساتھ بیان کر دیئے گئے ہیں جس کی وجہ سے ان کو علیحدہ کوئی جگہ دینا تکرار کے سوا کچھ فائدہ مند نہ ہوتا۔ ایسا ہی دور طوائف الملوکی میں بھی کیا گیا ہے دوسرے یہ کہ ملوک الطوائف کا سیاسی نظام نیز امیہ کے سیاسی نظام سے کچھ جدا نہ تھا۔ چنانچہ علیحدہ سیاسی نظام حکومت کے بیان کرنے سے احتراز کیا گیا ہے لیکن جب ہم معاشرتی جائزہ پر آتے ہیں تو ہمیں تمام سیاسی عہدہ داران آئین کے مسلم معاشرہ کا بڑا عنصر نظر آتے ہیں۔ اس لئے وہ سب معاشرہ میں جس طور پر زندگی گذارتے تھے اور اپنی سیاسی حیثیت کے ساتھ معاشرہ پر جس طرح اثر انداز ہوتے تھے ان کا تذکرہ کرنا ضروری ہے کیونکہ مطالعہ سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ مسلم معاشرہ پر ان کے اثرات بہت تھے۔

مسلم اسپین کے معاشرہ کو دو حصوں میں منقسم کیا گیا ہے۔ پہلا حصہ سیاسی معاشرہ کا ہے جس میں سلاطین و خلفاء ان کے عہدہ دار، وزراء، امراء و جاگیر دار سب کو شامل کر لیا گیا ہے۔ اور اس بات کی کوشش کی گئی ہے کہ سیاسی نظام بھی پوری طرح اجاگر رہے۔ دوسرا حصہ عمومی معاشرہ کا ہے جس میں عیسائی۔ یہود اور مسلم ولز مسلم کا جدا جدا تذکرہ شامل ہے۔

عبدالرحمٰن الداخل سے لیکر امیر عبداللہ تک بنو امیہ کے حکمرانوں نے،

(۱) امیر اور خلیفہ اپنے آپ کو امیر کہلوایا۔ عبدالرحمٰن ثالث الناصر نے سب سے پہلے خلیفہ کا لقب اپنے لئے اختیار کیا جو زوال بنو امیہ تک قائم رہا۔ لیکن جہاں تک اختیارات کا تعلق ہے امیر و خلیفہ دونوں یکساں اختیارات کے حامل تھے۔ دونوں مطلق العنان تھے اور کوئی ان کا محاسبہ نہ کر سکتا تھا۔ البتہ وہ لوگ اپنے آپ کو قانون شریعت سے بالا نہ سمجھتے تھے جس کی وجہ سے ایک مذہبی عالم یا فقیہ ان کو نصیحت کرنے کی جرأت کر سکتا تھا لیکن ان میں سے کسی پر حد شرع عائد کرنے کا کوئی واقعہ نہیں ملتا۔ قاضی منذر بن سعید نے خلیفہ الناصر کو قصر زہرہ میں غیر شرعی تعمیرات پر نصیحت تو کی ہے لیکن اس پر کوئی شرعی حد قائم نہ کی جس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ امیر و خلیفہ قانون شریعت کا کسی وجہ سے احترام تو کرتا تھا لیکن اس قانون سے مجبور نہ تھا۔ طرز جہانبانی میں وہی پرانی رسم بادیہ "قبیلہ و شیخ" قائم رکھی گئی البتہ مطلق العنان جاگیردار نہ بننے دیا جاتا تھا۔ عربوں، بربروں اور بعد میں صقالبہ کو سرامور مملکت میں اولیت دی جاتی تھی حکمران انتظامیہ کا کلی مالک ہوتا تھا اور سیاہ و سفید اسی کے اختیار میں تھا۔ تدبیر و سیاست میں کوئی اس کا شریک نہ تھا وہ اپنی مرضی سے وزراء و امراء کو اپنے مشوروں میں شریک کر لیتا تھا لیکن ان کے مشوروں کو قبول کرنے کا پابند نہ تھا۔ حکمرانوں کا ذاتی کردار بڑا با اثر سمجھا جاتا تھا اور عوام پر اس کے اثرات قبولیت اور دیرپا شدت سے پڑتے تھے۔ گو حکومت کا مذہب اسلام تھا۔ لیکن حکمران ذاتی طور پر اس کے ارکان کی پابندی کرنے یا نہ کرنے کا مجاز تھا۔ اور نکتہ چینی سے بالاتر سمجھا جاتا تھا۔ اس کے سارے غیر شرعی افعال صرف اپنی ذات و قصر تک محدود رہتے تھے اعلانیہ غیر شرعی حرکات کا مرتکب ہونے پر علماء و عوام اس کا محاسبہ کرتے تھے۔ جس کا لازمی نتیجہ اکثر بغاوت ہی ہوتا تھا۔ شرعی قوانین کے نفاذ میں حکمران کوتاہی کرتے تھے اور آزادی اور رواداری کے پردہ میں اپنی غیر شرعی حرکات کو پوشیدہ رکھتے تھے۔ فوجوں کی سپہ سالاری عام طور پر حکمران خود کرتا تھا تاکہ فوج اس سے مانوس رہے اور اس کی حکومت و اقتدار کے قیام میں اس کی ممد و معاون بنی رہے۔ لیکن جب فوج کی وفاداریاں کسی سبب سے حکمران سے ہٹ کر کسی دوسری طرف منتقل ہو جاتی تھیں تو حکمران کی حیثیت کٹ پتلی سے زیادہ نہ رہ جاتی تھی۔ جیسا کہ ہشام المؤید

کے ساتھ حاجب المنصور نے کیا۔ حکمرانوں کا سلوک عوام الناس سے اس طرح نہ تھا جیسا کہ عام طور پر حکومتوں میں رائج تھا۔ حکمران اپنے تکبر و نخوت اور شاہانہ شان و شوکت کے باوجود عوام الناس سے دور نہ رہتے تھے۔ ادنیٰ سے ادنیٰ رعایا کا فرد ان سے مل سکتا تھا اور اپنی شکایات بیان کر سکتا تھا۔ حکمران عدل و انصاف کے لئے محل شاہی کے دروازے پر بیٹھتے تھے۔ رات کو بھیس بدل کر شہر کے حالات معلوم کرنے کا ان کو شوق تھا۔ رفاہ عام کا کام اور عمارات کی تعمیر وغیرہ کا بذات خود اہتمام اور ملاحظہ کرتے تھے۔ مساجد کی تعمیر میں تو وہ خود بھی ایک مزدور کی طرح شرکت کرتے تھے۔ زکوٰۃ، صدقہ و خیرات کی کوئی انتہا نہ تھی اور اس میں اسراف سے بھی گریز نہ کیا جاتا تھا۔ احکام قانون کی تعمیل میں ان کا حکم سخت ہوتا تھا جو بعض اوقات خونخواری اور سفاکی کی حد تک پہونچ جاتا تھا چونکہ یہ حکمران اعلیٰ درجہ کے تعلیم یافتہ، فیاض اور وسیع الخیال ہوتے تھے۔ اس لئے ان کے اخلاق حمیدہ ان سے بے رحمانہ افعال سرزد نہ ہونے دیتے تھے۔ اکثر ایسے مواقع تلاش کئے جاتے تھے جن کی خوشی میں خیرات کی جائے مجرموں کی جان بخشی کی جائے اور کثرت سے غلام آزاد کئے جائیں مثلاً کسی فتح کی خوشی میں۔ کسی شاہزادے کے غسل صحت یا پیدائش کے سلسلہ میں لیکن اوصاف حمیدہ کے باوجود عوام الناس کو ان حکمرانوں سے کوئی خاص انس نہ رہا۔ بلکہ ایک طرح کی نفرت ہی رہی اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ عوام سے طاقت کے بل بوتے پر اپنی اطاعت کراتے تھے۔ جو آزاد مزاج عربوں اور بربروں کو گراں گذرتی تھی۔ علماء و فقہاء ان کی آزاد روش اور زمانہ قدیم کے کافرانہ علوم جمع کرنے کی وجہ سے ان سے ناراض رہتے تھے۔ کیونکہ ان علماء و فقہاء کا اثر عوام پر رہتا تھا۔ اس لئے عوام کو بھی ان سے برگشتہ رکھتے تھے۔

ملوک الطوائف کا سیاسی معاشرہ بھی بنو امیہ سے کچھ جدا نہ تھا۔ کیونکہ چھوٹے چھوٹے علاقوں پر قابض تھے۔ اس لئے عوام سے خاص رابطہ رکھتے تھے۔ تاکہ وقت ضرورت فوج کی فراہمی میں دقت نہ ہو سکے۔ یہ ملوک الطوائف بھی نہ تو قانون شریعت کے مکمل تابع تھے اور نہ انہوں نے اپنے قوانین حکومت وضع کئے تھے۔ بلکہ طاقت اور دولت کے بل بوتے پر حکمرانی کرتے تھے۔ کیونکہ وہ اپنی ذاتی صلاحیتوں اور طاقت کے بل پر بادشاہت قائم کرلئے تھے اس لئے ان پر کسی کا احتساب ممکن نہ تھا جو چاہتے وہ کرتے اور اگر کوئی ان کے خلاف آواز بلند کرتا تو وہ خواہ

کتنا ہی عزیز ترین کیوں نہ رہا ہو گردن زدنی سے نہ بچ پاتا جس کی بہت سی مثالیں موجود ہیں۔ دستور حکومت کی غیر موجودگی کی بنا پر ہر فرد و بشر کو یہ موقع تھا کہ وہ اپنی طاقت فراہم کر کے کسی علاقہ پر اپنی بادشاہت قائم کر لے۔ آمریت سے ہٹ کر جمہوری طرز حکومت کی بھی کوششیں کی گئی تھیں جو کامیاب نہ ہو سکیں اور ابن جہور نے قرطبہ میں اور بنو عباد نے اشبیلیہ میں قیام جمہوریت کے بعد بالآخر اپنی بادشاہت قائم کر لی تھی۔ ہر ملوک الطوائف عیش و طرب کا دلدادہ اور شہوت رانی کا پتلا تھا۔ انتظام حکومت کا تعلق وزراء سے تھا اور عوام الناس صرف محصول ادا کرنے کے لئے تھے۔

حکمران خواہ بنو امیہ کے ہوں یا ملوک الطوائف۔ اکثریت کا چال چلن اور کردار ایسا نہ تھا۔ کہ عوام الناس ان کی عزت کرتے۔ وہ سیاسی ضرورتوں کے لحاظ سے نہایت پابندی سے فرائض مذہبی کا احترام کرتے تھے لیکن پھر بھی اکثر کا سچا اور پکا مسلمان ہونا مشکوک سمجھا جاتا تھا یہود اور دیگر غیر مسلموں کو بڑے بڑے عہدوں پر فائز کرنا۔ فلسفہ پڑھنا اور پڑھوانا معاملہ میں نامعلوم چیزوں پر تجربات کرانا۔ فن جراحت کے لئے انسانی اعضاء کا برملا استعمال کرنا۔ اور لامذہبوں کی کتابوں کو بنظر استحسان دیکھنا عوام الناس کو غیض و غضب میں مبتلا کرنے کے لئے کافی تھا لیکن حکمران پھر بھی ان کاموں سے باز نہ آتے تھے۔ ان کے کتب خانوں میں ہزاروں کتابیں علوم غیر شرعیہ کی موجود تھیں شراب کا استعمال حد اعتدال سے بڑھ چکا تھا بہت سی شرعی ممنوعات و محرمات کا اعلانیہ ارتکاب کرتے۔ اپنے محل سراؤں میں بے تعداد عورتوں کو داخل کرتے اور بعض اوقات ان کی بیویوں کی تعداد شریعت کی حدود سے نکل جاتی تھی جس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ عورتیں ان پر حاوی ہوتی تھیں۔ اور جو چاہتی وہ ان سے کروا لیتی تھیں۔ بلکہ طرب عبدالرحمن دوم پر زہرہ اور دیگر کنیزیں خلیفہ الناصر پر سلطانہ صبح الحکم ثانی پر اعتماد رمیکیہ معتمد شاہ اشبیلیہ جیسے عالم و فاضل شخص پر حاوی تھی ان تمام باتوں کے سبب ان حکمرانوں سے عامتہ الناس راضی نہ رہتے تھے اور ان کو اپنے معاشرہ کا ناسور سمجھتے تھے۔

دربار عام میں تو یہ حکمران غلط اور ناروا باتوں کے استعمال سے گریز کرتے اور اپنی گفتگو میں احتیاط کرتے تھے لیکن جب خلوت میں ہوتے تو بے تکان جو جی میں آتا کہتے تھے۔

جن کا چرچا عوام میں ضرور ہوتا تھا موسیقی کی شرعی ممانعت ہونے کے باوجود سلاطین وحکمران اس سے اپنا دل بہلاتے تھے اور عام طور پر سر دربار اس سے لطف اندوز ہوتے تھے۔ بدتر سے بدتر رقص بھی ان کے یہاں روا تھا۔ محلات شاہی مخنثوں اور زنقالوں سے بھرا رہتا تھا۔ نجوم وکہانت جو عہد جاہلیت کی نشانی بتائے گئے ہیں بے روک ٹوک جاری تھے۔ شگون اور فال نکالنا افعال نیک میں شمار کیا جاتا تھا۔ الغرض سلاطین بنوامیہ اور ملوک الطوائف اپنی معاشرتی زندگی کے لحاظ سے بدسے بدترین چکے تھے۔ گو ان میں بہت سے اچھی معاشرت اور کردار کے حامل تھے لیکن انہوں نے اپنی خوبیوں کے اثرات تک اپنے بعد نہ چھوڑے تھے۔ مطالعہ کرنے سے یہ بات کچھ عجیب سی معلوم ہوتی ہے کہ معدودے چند وزراء اور امراء کے اسپین کے مسلم عوام کی اکثریت نے اپنے بادشاہ کی بہت کم پیروی کی اور سلاطین کے طرز معاشرت کو ہمیشہ رد کیا۔ یہی وجہ تھی کہ علماء اور عوام دونوں نے مل کر اسلام پسند مرابطین اور موحدین کا خیر مقدم کیا تھا۔

(ب) وزارت اسپین میں وزارت کا مفہوم اس طرح نہ تھا جیسا کہ دیگر مسلم حکومتوں میں تھا جو شخص وزارت کے فرائض انجام دیتا تھا اس کو "حاجب" کہتے تھے۔ علامہ مقری نے لکھا ہے: "ایک جماعت ہوتی تھی جس کو بادشاہ اپنی اعانت اور مشاورت کے لئے مقرر کرتا اور مجالست کے لئے اس کو مخصوص کیا جاتا تھا۔ بادشاہ ان میں سے ایک شخص کو اپنا نائب مقرر کر لیتا تھا عوام الناس اس کو وزیر کہتے تھے۔ مگر شاہی عہدہ اس کا حاجب ہوتا تھا۔ یہ عہدہ ایک خاص خاندان میں نسلاً بعد نسلاً بھی چلا کرتا تھا یہاں تک کہ طوائف الملوکی کا زمانہ آیا۔ دولت مروانیہ کے زمانہ میں تو حاجب کو ہی ملک کہتے تھے۔ اور وہ خلیفہ کا نائب ہوتا تھا۔ رفتہ رفتہ وزارت کا اطلاق ایسا عام ہوا کہ جو شخص بادشاہ کے پاس مجالست رکھتا وہی وزیر کہلانے لگتا اور جو وزیر نائب خلیفہ یا بادشاہ ہوتا تھا وہ ذوالوزارتین کہلاتا تھا۔" یہ منصب اسپین میں سب سے بڑا انتظامی منصب تھا اور اس کے حصول کے لئے اکثر رقیبانہ کشمکش رہتی تھی شعراء حاجبوں کی شان میں بادشاہوں کی طرح قصیدہ گوئی کرتے تھے۔ یہ حاجب علم وادب میں ممتاز ترین فرد ہوتا تھا۔ اور امور سلطنت میں خاص بصیرت رکھتا تھا۔ ابن خلدون نے وزارت اسپین کے متعلق لکھا ہے: "اسپین میں وزیر کے معنوں کو اپنے اصلی معنوں میں استعمال نہیں کیا جاتا

---

[1] نفح الطیب ج ۱ ص ۱۰۲

تھا۔ اور اس کے فرائض کو بھی مختلف محکموں میں تقسیم کر دیا گیا تھا۔ ہر محکمہ کا ایک افسر اعلیٰ ہوتا تھا جسے وزیر کہتے تھے چنانچہ دیوان مالیات کا ایک وزیر۔ محکمہ خارجہ کا وزیر۔ مظلوموں اور مصیبت زدہ لوگوں کی امداد کا وزیر اور سرحدی علاقوں کے تحفظ اور دفاع کا ایک وزیر ہوتا تھا۔ ان وزراء کے لئے الگ الگ دفاتر ہوتے تھے۔ جہاں یہ وزراء مخصوص فرش پر بیٹھتے اور فرائض سرکاری انجام دیتے تھے۔ ہر محکمہ کا وزیر اپنے نظم ونسق کا نگران ہوتا تھا۔ ان وزراء میں سے ایک وزیر حکمراں کی خدمت میں رہتا تھا اور اس کی مجلس تمام وزراء کی مجلس سے بلند ہوتی تھی۔ اسے حاجب کے لقب سے پکارتے تھے۔ وہ پورے ملک کے نظم ونسق کا نگران اعلیٰ ہوتا تھا[1]۔ بلاشبہ یہ منصب وسیع اختیارات کا حامل تھا۔ حاجب المنصور کے زمانہ سے تو یہ عہدہ خاص اہمیت اختیار کر گیا تھا۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ اس زمانہ سے حاجب کے اختیارات میں بادشاہ بنانے کا اختیار مزید شامل ہو گیا تھا تو بے جا نہ ہوگا کیونکہ تمام وزراء اور عہدہ دار اسی کے ماتحت ہوتے تھے اسی لئے وہ آسانی کے ساتھ تمام امور ملکی پر حاوی ہو جاتا تھا۔ ایک قابل ترین شخص ہی اس عہدہ پر آتا تھا۔ لیکن بنو امیہ کے دور انحطاط میں ایسے بھی حاجب اور وزیر آئے جو ادنیٰ اور نااہل تھے اور جنہوں نے اپنی بداعمالیوں سے اس عہدے کی قدر و منزلت گرا دی تھی اور عوام میں اس منصب کے خلاف تخریب پسندی کے رجحانات کو پیدا کر دیا تھا۔ البتہ ملوک الطوائف کے دور میں بہت سے قابل ترین افراد اس منصب پر آئے لیکن وہ بنو امیہ کے حاجبوں کی طرح صاحب اختیار نہ ہوتے تھے۔ اسی لئے باوجود ابن عمار۔ ابن زیدون۔ سموئیل (یہودی) یوسف بن سموئیل۔ احمد بن عباس جیسے قابل ترین حاجبوں کے کوئی بھی اپنے بادشاہوں کو اتحاد و یگانگت کی طرف مائل نہ کر سکا۔ اور اکثر بے بس ہو کر قتل کر دیئے گئے۔ البتہ بنو نصر کے حاجبوں اور وزراء نے بڑی خدمات ادا کیں۔ ان کے اثرات اپنے بادشاہوں پر بہت تھے جس سے فائدہ اٹھا کر انہوں نے غرناطہ کے بنو نصر کو اس قابل بنا دیا کہ باوجود چاروں طرف سے دشمنوں سے گھرے ہونے کے وہ اپنی حکومت دو سو برس تک قائم رکھ سکے۔

عوام الناس میں ان حاجبوں اور وزراء کا وقار عمدہ تھا اور وہ عام مسلم معاشرہ کا جز سمجھے جاتے تھے اور عوام الناس ان سے بہت مانوس ہوتے تھے۔ یہ وزراء بھی اپنے آپ کو عوام سے دور نہ رکھتے اور اپنی علم دوستی۔ فیاضی۔ سفارش گذاری اور رحمدلی کی بدولت عوام

---

[1] مقدمہ ابن خلدون ص ۲۰۵ (اردو ترجمہ)

سے قریب تھے۔

(ج) **کتابت** مسلم آئین میں اس کی دو قسمیں تھیں ایک تو کاتب آلہ رسائل یہ بڑا قابل قدر عہدہ سمجھا جاتا تھا اسی کو کاتب کے نام سے پکارتے تھے۔ اس عہدہ دار کے انتخاب کے لئے بڑی احتیاط برتی جاتی تھی اور اس کی زبان اور قلم پر ہر وقت نگاہ رکھنی پڑتی تھی۔ اگر وہ کسی صورت میں نااہل ثابت ہوتا تو وہ بادشاہ کے کتنا ہی قریب کیوں نہ ہو اس عہدہ سے الگ کر دیا جاتا تھا۔ کیونکہ اسی عہدہ کے ذریعہ سے حکومت کا رعب و دبدبہ قائم رکھا جاتا تھا دوسرا عہدہ دار کاتب الزام ہوتا تھا۔ کوئی غیر مسلم اس عہدہ پر مقرر نہ کیا جاتا تھا۔ کیونکہ یہ بڑا جلیل الشان عہدہ تھا اور تمام اعیان ملک اور ارکین سلطنت اس کے محتاج ہوتے تھے۔

(د) **صاحب اشغال خراجیہ** مسلم آئین میں وزیر سے بھی زیادہ صاحب اختیار سمجھا جاتا تھا۔ یہ آمدنی و خرچ کے حسابات اور ان کی تقسیم کا مالک ہوتا تھا اس کے تحت ایک بہت بڑا دفتر ہوتا تھا۔ جس کے ملازمین کا عزل و نصب اسی کے اختیار میں تھا۔ سب لوگوں کی نگاہیں اس کی طرف اٹھتی تھیں۔ اور ہاتھ اسی کے سامنے پھیلتے تھے۔ یہ اپنے ناظروں کے ذریعہ اپنے محکمے کی نگرانی کرتا تھا۔ اس عہدے کے لئے وزراء میں اکثر رسہ کشی رہتی تھی کیونکہ اس عہدے سے بے حد فائدے حاصل ہو سکتے تھے۔ حاجب المنصور کے عروج میں اس عہدہ کو بڑا دخل تھا۔

(ہ) **عہدہ شرط** شعبہ پولیس تھا اور شرط کے نام سے موسوم تھا۔ عوام الناس اس کو صاحب المدینہ اور صاحب اللیل بھی کہتے تھے۔ بادشاہ کے نزدیک اس کی بڑی قدر و منزلت تھی۔ جو لوگ واجب القتل ہوتے تھے ان کو یہ عہدہ دار بلا اجازت بادشاہ کے قتل بھی کر سکتا تھا لیکن ایسا بہت کم ہوتا تھا اور بادشاہ کی اجازت لینا ضروری ہوتا تھا یہ عہدہ دار زنا، شراب اور دیگر منہیات شرعیہ پر حد جاری کرتا تھا۔ لیکن حد جاری کرنے کے لئے قاضی سے فیصلہ لینا ضروری تھا۔ عوام الناس کی معاشرتی زندگی میں اس کو بڑا دخل تھا۔ اور عوام اس کی بڑی قدر و منزلت کرتے تھے۔ مسلم آئین کے سیاسی اور عمومی معاشرہ میں اس کو ایک خاص مقام حاصل تھا۔

(د) **عہدۂ طوّافِ باللیل** اس کو مشرق میں اصحاب الربّاع کہا جاتا تھا۔ آئین میں لوگ ان کو دَرَّاب کہتے تھے ہر گلی کوچے میں لوگوں کے گھروں کی حفاظت کے لئے ان کو مقرر کیا جاتا تھا ان میں سے ہر ایک اپنے ساتھ ایک کتا رکھتا تھا اور تمام رات ایک چراغ جلائے رکھتا تھا ان کے پاس ہتھیار بھی ہوتے تھے۔ تاکہ چوروں سے مدافعت کر سکیں عوام الناس ان کی قدر کرتے تھے۔ اور ان پر پورا بھروسہ بھی رکھتے تھے۔

(ہ) **محتسب یا ناظرِ بازار** حکام ماتحت میں سب سے بڑا عہدہ محتسب یا ناظرِ بازار کا ہوتا تھا۔ "اہل علم دفطانت کے لئے مخصوص تھا اور قاضی کے درجہ کا آدمی اس عہدہ پر مقرر ہوتا تھا"[1] یہ عہدہ دار اپنا اجلاس مسجدوں کے دروازے پر کرتا تھا۔ وہ اور اس کے ماتحت ہر قسم کے غلہ فروشوں، سوداگروں اور دیگر کاروبار کرنے والے دکانداروں کا وقتاً فوقتاً اچانک معائنہ کرتے رہتے تھے۔ غلط اوزان اور پیمانے بازار میں نہ آنے دیتے تھے۔ ناکارہ اشیاء اور دواؤں کی خرید و فروخت نہ ہونے دیتے تھے وہ اس بات کی بھی نگرانی کرتے تھے کہ کوئی دکاندار کسی خریدار کو دھوکہ نہ دے اور نہ کسی چیز کی زیادہ قیمت وصول کرے اس کا یہ بھی فرض تھا کہ وہ اس بات کی نگرانی کرے کہ جانوروں سے ان کے مالک زیادہ کام نہ لیں۔ بچوں کو ان کے والدین یا استاد حد سے زیادہ سزا نہ دیں۔ بازاروں میں اگر زیادہ ہجوم لگ جائے تو اسے منتشر کر دے۔ صحت و صفائی کے قوانین بھی یہی عہدہ دار نافذ کرتے تھے۔ یہ خود ہی جرمانے کی سزا اور کوڑوں کی سزا دے سکتا تھا اس کا حکم ناطق تھا اور اس کی اپیل نہ کی جا سکتی تھی مجلہ احتساب کے متعلق قاعدے اور قانون بنے ہوئے تھے۔ اور مدارس میں اسی طرح پڑھائے جاتے تھے جس طرح کہ فقہ اسلامی پڑھایا جاتا تھا۔ عوام الناس میں یہ عہدہ قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا اور معاشرہ میں اس کا مقام تھا۔

(ح) **قضاۃ** مسلم آئین میں سب سے بڑا اور مقدس عہدہ قضاۃ کا ہوتا تھا۔ کیونکہ اس کا تعلق امور دین سے ہوتا تھا اس لئے عوام اس کی بڑی قدر و منزلت کرتے تھے اور اس کو عوامی معاشرہ کا ایک بڑا عنصر سمجھا جاتا تھا۔ اگر بادشاہ پر بھی دعویٰ ہو جائے تو اس کو قاضی کے روبرو پیش ہونا پڑتا تھا۔ قاضی دیوانی اور قاضی فوجداری جدا جدا ہوتے تھے۔ ان کا اجلاس عام

---

[1] مقریزی ج ۱ ص ۱۰۲

طور پر مسجد کے دروازے پر ہوتا تھا۔" قاضی نیک اور باشرع ہوتے اور عوام الناس میں مقدس سمجھے جاتے تھے۔ ان کو کچھ مذہبی اختیارات بھی حاصل ہوتے تھے بلکہ ایک صورت میں ان کو حاکم عدالت کی بجائے حاکم مذہبی کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ قرآن پاک کی تفسیر جو عام معاملات دنیوی و دنیاوی سے متعلق ہوتی تھی یہی کرتے تھے۔ احکام شرعیہ کا نفاذ اور اس کی تاویل بھی انہی کے ذمہ تھی اس عہدہ پر کسی کو مقرر کرنے سے پہلے بڑی احتیاط سے کام لیا جاتا تھا اور صرف اسی شخص کو مقرر کیا جاتا تھا جو بڑا عالم دین تجربہ کار اور انصاف دوست ہو۔ تمام ملک کے قاضی ایک قاضی القضاۃ کے ماتحت ہوتے تھے جس کو قاضی الجماعۃ بھی کہا جاتا تھا۔ چھوٹے شہروں میں اس عہدہ کو مسدد کہتے تھے۔[1] صرف یہی ایک عہدہ دار ایسا تھا جو تمام سلطنت میں سب سے زیادہ بااختیار ہوتا تھا۔ اور خلیفہ تک کو اس کے فیصلے رد کرنے کی ہمت نہ ہوتی تھی۔ آئین کا نظام عدالت اس زمانہ کے عجائبات میں سے تھا۔ پہلے قواعد بنائے جاتے پھر ان کو دارالسلطنت اور سرحدی علاقوں میں نافذ کر کے ان کا تجربہ کیا جاتا تھا۔ اس کے بعد وہ تمام سلطنت میں نافذ کئے جاتے تھے۔ مقدمات کے فیصلے میں قطعاً دیر نہ کی جاتی تھی۔ اور کسی سفارش یا حمایت کو فیصلے پر اثر انداز نہ ہونے دیا جاتا تھا جتنے فیصلے کئے جاتے وہ نہایت ہوشمندی اور انصاف پر مبنی ہوتے تھے۔

(ط) متذکرہ بالا عہدوں کے علاوہ انتظامات ملکی کے کچھ اور بھی عہدہ دار تھے جن کی کارکردگی کا پتہ چلتا ہے۔ عوام پر محصول لگانے میں کارندے اس بات کا خاص لحاظ رکھتے تھے کہ کسی پر بار نہ ہو اور قابل ادائیگی ہوں۔ اس امر کا خاص خیال رکھا جاتا تھا کہ مزدور کو اس کی پوری محنت ملے۔ اور اس پر ظلم نہ ہونے پائے۔ ڈاک لانے اور لیجانے کا اعلیٰ ترین انتظام تھا۔ سڑکوں کے کنارے چوکیاں بنائی جاتی تھیں جن میں تیز رفتار گھوڑے سرکاری کام کے لئے رکھے جاتے تھے جو ایک خاص افسر کے ماتحت ہوتے تھے۔ اس افسر کا یہ فرض تھا کہ اس علاقے کی تمام اہم ترین خبریں جلد خلیفہ کو پہونچائے۔ چوکیوں کے برجوں اور میناروں کے ذریعہ دور دراز کی خبریں بہت تیزی سے پہونچائی جاتی تھیں۔ کسی دشمن کے آنے کی خبر چند گھنٹوں میں سارے آئین میں پھیل جاتی تھی۔ خبریں جلد پہونچانے کے لئے نامہ بر کبوتروں سے بھی کام لیا جاتا تھا۔ تمام سڑکوں پر چوکیداروں کے لئے مکانات بنے ہوئے تھے۔ جہاں سے وہ گشت کرتے تھے۔ ان کا فرض تھا کہ وہ مسافروں کی حفاظت کریں۔ اور اپنے علاقوں

---

[1] مفتاح الطیب ج ۱ ص ۱۰۳

میں امن قائم رکھیں۔ جاسوسوں کی ایک جماعت سرحدی ممالک۔ سرکاری محکموں اور صوبہ داروں کے محلوں میں ہوتی تھی جو ہر اقسام کی خبریں حکمران کو پہونچانے کے ذمہ دار ہوتے تھے۔ ایسے افسران بھی تھے۔ جو نو مفتوحہ علاقے کی زرعی معدنی۔ تجارتی کیفیت نیز آبادی و دولت کے حالات کا پورا نقشہ حکمران کے سامنے پیش کرنے کے مجاز تھے۔

امراء کی طرز معاشرت

متذکرہ بالا تمام عہدہ داروں کی (بجز قاضی عدالت کے) طرز معاشرت بہت خراب تھی۔ جو قوم کبھی خانہ بدوشی کی تمام خصوصیات کی حامل اور سادگی اور بے باکی کی عادی تھی۔ اسپین کی بے پناہ دولت حاصل کرنے کے بعد معاشرت کی ان برائیوں کی حامل بن گئی جو کسی زمانہ میں رومیوں اور گاتھوں کا حصہ و حیات تھیں۔ وہ اپنے ساتھ جو اصول اور طرز زندگی مشرق سے لیکر آئے تھے زیادہ عرصہ ان کے ساتھ نہ رہا۔ اور دولت و اقتدار کے نشے نے ان کو برائیوں کے میدان میں بھی کسی سے پیچھے نہ رہنے دیا۔ شراب رقص و سرود۔ انتہائی شہوت رانی۔ نجوم و کہانت۔ شگون و فال۔ توہمات اور دیگر لغویات ان کی زندگی کا جزو بن کر رہ گئی تھیں۔ خصوصاً زوال بنو امیہ کے بعد تو سلاطین۔ امراء اور رؤساء اسپین کا معاشرہ بہت بری طرح خراب ہو چکا تھا۔ یہ لوگ بظاہر عوام کے خوف سے فرائض دینی کا احترام کرتے تھے لیکن دل میں دین کی قدر نہ تھی۔ لادینیت اور فلسفہ ان لوگوں کا شعار ہو گیا تھا۔ جس بری طرح ہشام المؤید کا دربار فسق و فجور کی آماجگاہ تھا اگر اس کا مقابلہ ابتدائی امراء بنو امیہ سے کیا جائے تو زمین و آسمان کا فرق نظر آتا ہے۔ کنیزیں اور لونڈیاں بازاروں میں سر عام اشیاء کی طرح فروخت اور نیلام کی جاتی تھیں۔ فن لینڈ۔ حبشہ۔ ہندوستان۔ گرجستان اور قاف کی کنیزیں امراء و زراء کے لئے خاص طور پر فراہم کی جاتی تھیں۔ جو سب سے بہتر اور گراں ہوتی وہ محلات شاہی کی زینت بنا دی جاتی تھی۔ عبدالرحمٰن الناصر جیسے جلیل القدر سلطان کے محل میں سات ہزار کنیزیں تھیں۔ معتضد عباد شاہ اشبیلیہ کی محل سرا میں ۳ ہزار کے قریب لونڈیاں تھیں۔ کسی غلام یا اچھی کنیز کا چار ہزار اشرفیوں میں مل جانا گراں نہ سمجھا جاتا تھا۔ غلاموں اور کنیزوں کی کثرت امارت دولت مندی اور عزت و وقار کی دلیل تھی۔ اس لئے یہ امراء و زراء غلاموں اور کنیزوں پر بے دریغ دولت صرف کرنا ضروری خیال کرتے تھے یہاں تک کہ غلاموں کے لباس تک اتنے قیمتی ہوتے تھے

کہ غریب عوام کے پاس ان کا تصور تک نہ تھا۔

عید یا کسی تہوار پر تو ان امراء، وزراء اور دولت مند اصحاب کو اپنی شان و شوکت دکھانے کا خاص موقعہ ملتا تھا۔ ان کے شاگرد پیشوں کا لباس فاخرہ۔ غلاموں اور خواجہ سراؤں کی چمکتی ہوئی وردیاں۔ کنیزوں اور لونڈیوں کا حسن دلکش اور بناؤ سنگار۔ ان کے محافظ دستوں کے شیشہ کی طرح چمکتے ہوئے ہتھیار۔ خود ان کے مطلا ریشمین کپڑے اور بے بہا جواہرات ایک طرف ان کی دولت و حشمت عزت و وقار کو ظاہر کرتے تو دوسری طرف عوام کو رشک و حسد میں مبتلا کر دیتے تھے۔ ان کے مکانات عالی شان اور ضروری اور غیر ضروری اشیاء سے بھرے پڑے تھے۔ تکلف و تصنع کا بے محابا استعمال ان کے آداب میں داخل ہو چکا تھا۔ حمام ان دولت مندوں کے دل بہلانے کا ایک بڑا ذریعہ تھے۔ ان کے مکانات کے حمام بھی اپنی سجاوٹ اور بناوٹ سے ان کی دولت مندی کی دلیل ہوتے تھے۔ ان حماموں کے فرش اور دیواریں نہایت قیمتی پتھر سے بنائی جاتی تھیں۔ روشن دانوں میں متعدد رنگ پیدا کرنے والے شیشہ لگائے جاتے تھے۔ پانی کے نل چاندی کے اور حمام میں استعمال کئے جانے والے برتن سونے کے بنتے تھے۔ الغرض ان امراء اور دولت مندوں کی طرز معاشرت عوام سے بالکل جدا تھی۔ گو وہ عوام میں شامل رہنے کی کوشش ضرور کرتے تھے لیکن عوام و دولت کی اس غیر مساوی تقسیم کے باعث ان سے کبھی خوش نہ رہتے تھے اور جب موقعہ ملتا ان کے گھروں کو لوٹنے اور ان کو ذلیل و خوار کرنے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھتے تھے۔

جب تک سیاست و حکومت مضبوط ہاتھوں میں رہی تب تک ان امراء وزراء اور جاگیرداروں کو نہ تو حکومت نے دولت کے انبار لگانے اور اس کا مظاہرہ کرنے کی چھوٹ دی۔ اور نہ ہی ان کی ہمت ہوئی کہ وہ عوام میں اپنی معاشرت کی خرابیوں کو پیش کریں لیکن حکومت بنو امیہ کے زوال پذیر ہوتے ہی ان کو اپنی شان و امارت کے مظاہرے کا موقعہ ملا اور سب سے پہلے انہوں نے سازشوں میں اپنی دولت کا مظاہرہ کیا۔ اس کے ساتھ ہی عوام الناس کا ردعمل بھی شروع ہو گیا۔ اور قرطبہ۔ اشبیلیہ اور دیگر اہم شہروں کے دولت مندوں کی خوب خبر لی گئی۔ ایک طرف سیاسی معاشرہ برائیوں کی طرف بڑھا۔ دوسری طرف ان دولت مند با اثر افراد کی قوت مدافعت اور خبگجو صلاحیتیں مصلحت کوشی اور خود غرضی نے فنا کر دیں۔ اور ایک دن وہ آیا کہ شمالی پہاڑی علاقے کے وحشی اور جنگجو

عیسائیوں نے ان کو یکے بعد دیگرے باآسانی زیر کرلیا۔ دور انحطاط کی تصویر اور سیاسی معاشرہ کی تباہی کا نقشہ ابن حیان نے اس طرح پیش کیا ہے۔ "اہل اندلس بڑی بڑی باتوں سے اپنے نفس کو بہلاتے تھے... ..... اپنے خالق کی اطاعت اور بندگی سے دور جا پڑے۔ اپنے نبیؐ کی وصیت کو بھول گئے اور اپنے ملک کی حدود کی مضبوطی اور حفاظت سے غافل ہوگئے۔ حتیٰ کہ دشمن سر پر آ پہنچا..... خود ہمارے ہم کلمہ لوگوں میں سے سب بالکل خاموش تھے۔ کسی شہر کی تباہی و بربادی کا سنتے تو مشیت الٰہی تصور کرکے خاموش ہو جاتے اور ہماری کسی مسجد یا محفل میں ان برباد ہونے والوں کا کوئی ذکر تک نہیں سنا گیا۔ نہ کوئی ان کے لئے دعا کرتا تھا ایسا معلوم ہوتا تھا کہ بے چارے ہم میں سے نہیں ہیں..... ہم نے ان کے لئے دعا تک سے بخل کیا۔" [1] یہ سیاسی معاشرہ کی خرابیوں کا ہی نتیجہ تھا۔ کہ عوام الناس کی اکثریت بھی ان کی پیروی میں بگڑ گئی۔ اور یہ اصول ایک بار پھر سامنے آگیا کہ

"انتہائی تہذیب اور انتہائی جہالت دونوں تہذیب و اخلاق کی دشمن ہیں"

عمومی معاشرہ

کیونکہ معاشرہ عمومی میں اسپین کے تمام باشندے آجاتے ہیں اس لئے ضروری ہے کہ مسلم اور غیر مسلم دونوں معاشروں کا تذکرہ کیا جائے چنانچہ اس مقصد کے لئے تین حصے کر دیئے گئے ہیں۔

(۱) عیسائی معاشرہ۔
(۲) یہودی معاشرہ۔
(۳) مسلم اور نو مسلم معاشرہ۔

پہلے اور دوسرے معاشرے پر تفصیل سے بحث نہیں کی گئی ہے اس لئے کہ یہ ہمارا مقصود نہ تھا۔ البتہ تیسرے معاشرہ پر تفصیلی بحث موجود ہے۔

(۱) عیسائی معاشرہ

اسپین کے غیر مسلم معاشرے میں عیسائی معاشرہ قدیم ہونے کی وجہ سے صف اول میں آتا ہے عیسائیوں کی معاشرتی حالت کی تفصیل خود عیسائی مورخین کی زبانی دیکھنے کے لئے اسکاٹ۔ ڈوزی اور کونڈے کا مطالعہ کرنا چاہیئے ہم اس کا اختصار پیش کر دیتے ہیں۔ عیسائی معاشرہ پوری طرح ایک مذہبی معاشرہ تھا۔ تمام معاشرتی اور سماجی امور پر مذہب کی چھاپ لگی ہوئی تھی۔ کلیسہ کے اجارہ دار ہر عیسائی

[1] نفح الطیب ص ۵۶۴ (اردو ترجمہ)

کی معاشرتی تنظیم کے ذمہ دار تھے۔ مسلمانوں کے دور میں ان کو پوری مذہبی آزادی حاصل تھی۔ صرف معمولی جزیہ دیکر وہ حکومت کے ضابطۂ تحفظ میں داخل ہو جاتے تھے۔ ان کے تمام سماجی قوانین کلیسہ کے منتخب کردہ تھے۔ اور جو رسومات عیسائیت نے ان میں قائم کر دی تھیں وہ سب پوری طرح ان کے مطیع تھے۔ البتہ مسلمانوں کی تہذیب و معاشرہ نے ان پر کافی اثر کیا تھا اور وہ اپنی روزمرہ کی سماجی زندگی میں مسلمانوں سے کافی متاثر نظر آتے تھے۔ جو برائیاں ان میں گاتھ کے زمانہ میں موجود تھیں وہ حسب سابق موجود رہیں۔ شراب کا کثرت سے استعمال کرتے تھے۔ کلیساؤں میں بت پرستی عام تھی۔ اور قربان گاہوں پر نذرانے چڑھانے کی رسومات موجود تھیں۔ البتہ اپنی سابقہ زبان لاطینی سے بالکل ہو چکے تھے۔ اور عربی زبان کا بامحاورہ استعمال کرتے تھے۔ حتیٰ کہ اناجیل کا ترجمہ بھی عربی میں پڑھتے تھے۔ گندگی اور غلاظت کے پوٹ تھے۔ طہارت اور غسل کرنا قانون کلیسہ کے تحت ممنوع تھا۔ ناخون بڑھانے کا رواج عام تھا۔ اپنی عیدا ور تہواروں کو مناتے اور خوب خوب بدمستیاں کرتے تھے۔ عورتوں کی عزت اور ناموس کی حفاظت کا تصور بھی ان کے پاس نہ تھا جس کی بنا پر کلیساؤں میں کنواری مریم کے نام پر وقف ہو جانے والی راہبات کی تعداد میں روز افزوں اضافہ ہوتا جاتا تھا۔ عیسائی عورتوں کی اکثریت نے مسلمانوں کے گھروں کو پسند کر لیا تھا جو عورتوں کی پوری حفاظت اور عزت کرتے تھے۔ گرجا اس وقت بھی عیاشی اور بدکاری کا مرکز تھے۔ البتہ مسلم حکومت کی وجہ سے اعلانیہ اس بدکاری کا ارتکاب قانون انصاف کی رو سے باعث سزا ہوتا تھا جس کو کلیسہ کے عہدہ دار عیسائیت میں دخل اندازی قرار دیتے تھے۔ عموماً عیسائیوں کے محلے مسلمانوں کے علاقوں سے الگ ہوتے تھے۔ لیکن کاروبار تجارت اور دیگر اجتماعات میں وہ مسلمانوں کے ساتھ ساتھ ہوتے تھے۔ مسلمانوں نے اپنی رواداری کی بنا پر ان کے معاشرتی معاملات میں کبھی دخل اندازی نہ کی۔ جہاں تک کہ مجلسی آداب و اخلاق کا تعلق تھا وہ مسلمانوں کی صحبت سے کافی سیکھ گئے تھے۔ حصول تعلیم پر بھی ان کے لئے کوئی پابندی نہ تھی۔ وہ اگر چاہتے تو مسلمانوں کے مدارس میں بھی تعلیم حاصل کر سکتے تھے۔ ویسے ان کے علیحدہ مدارس بھی ہوتے تھے جن میں قانون کلیسہ کے مطابق تعلیم دی جاتی تھی۔ عیسائی مردوں کی کثیر تعداد حکومت اور جاگیرداروں کی ملازمت بھی کرتی تھی۔ اور کارنامے بھی انجام دیتی تھی۔ کیونکہ ان کے مذہب میں بھی فرقہ بندی موجود تھی۔ اس لئے اکثر وہ آپس میں

لڑپڑتے تھے۔ ان کے اختلافات کا فیصلہ ان کی اپنی عدالت کرتی تھی جو قوانین کلیسہ کے ماتحت کام کرتی تھی۔ گو نکاح و طلاق کے قوانین میں اسلام کے اثرات داخل ہو چکے تھے لیکن وراثت کے دیرینہ قوانین کلیسا پر قائم تھے اور عورت کا کوئی حق نہ دیتے تھے۔ اکثر عیسائی کئی کئی شادیاں کرتے تھے۔ جب کلیسا کے قانون کے مطابق تو ناجائز تھا لیکن وہ حکومت کی منظوری حاصل کر لیتے تھے تو ہم پرستی میں تمام عیسائی برابر تھے۔ بیماری کو ارواح خبیثہ کا اثر سمجھتے تھے اور تعویذ۔ گنڈوں۔ دعاؤں اور قربانیوں کے ذریعہ خبیث روح سے نجات حاصل کی جاتی تھی خواہ اس دوران مریض کی موت ہی کیوں نہ واقع ہو جائے اس کو دواخانہ یا شفاخانہ تک نہ لیجایا جاتا تھا۔ دیگر طرح طرح کے توہمات ان کی معاشرتی زندگی کا جز تھے جن کو وہ اپنے سے الگ کرنا پسند نہ کرتے تھے۔ مذہب کے نام سے کورے تھے۔ اور اپنے راہبوں اور قسیسوں کی باتوں کو انجیل کے الہامی احکامات تصور کرتے تھے البتہ شعر و ادب میں وہ مسلمانوں کی صحبت سے نہ بچ سکے۔ اور عربی ادب کی چاشنی سے دور نہ رہ سکے۔ ان کی معاشرتی زندگی میں بھی شعر و ادب کو اتنا ہی دخل ہو گیا تھا جتنا کہ مسلمانوں کی زندگی میں تھا مجموعی حیثیت سے دیکھا جائے تو وہ مسلمانوں کے زیادہ قریب تھے اور انہوں نے اپنے آپ کو مسلم معاشرہ سے زیادہ دور کرنے کی کوشش بھی نہ کی لیکن پھر بھی ان کے سینوں میں مسلمانوں کے خلاف غیض و غضب کی جو آگ بھڑک رہی تھی اس کا سہرا ان کے متعصب عیسائی عہدہ داران کلیسا کے سر پر ہے۔

③ یہودی معاشرہ

یہود کی معاشرتی حالت عیسائیوں سے بدرجہا بہتر تھی۔ اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ وہ صدیوں پہلے سے تہذیب و ثقافت سے آشنا ہو چکے تھے اور سامی النسل ہونے کی وجہ سے مشرقی اقوام سے بہت کچھ حاصل کر چکے تھے۔ دوسری بات یہ تھی کہ وہ اپنی نسل میں کسی غیر یہودی خون کو شامل نہ کرتے تھے۔ نہ اپنی عورتیں باہر جانے دیتے اور نہ دوسری اقوام کی عورتوں کو اپنے یہاں داخل کرتے تھے عیاش طبع نہ تھے۔ اور اپنے مذہبی احکامات پر سختی سے عمل پیرا ہوتے تھے۔ گو مذہبی امور میں وہ بھی اپنے مقتدار کے حکم کے پابند تھے۔ لیکن بذات خود ہر یہودی اپنے مذہب پر پوری طرح عبور رکھتا تھا۔ لڑائی جھگڑا۔ جنگ و جدل ان کے مابین کبھی نہ ہوتی تھی۔ اور وہ سب آپس میں ایک خاندان کی طرح تھے۔ کیونکہ وہ زیادہ تر تجارت پیشہ تھے اس لئے جنگ و

جدل سے پرہیز کرتے تھے۔ تجارت اور مال و دولت کے جمع کرنے کی ہوس ان میں تمام اقوام عالم سے زیادہ تھی۔ اسی بنا پر ان کے اندر عاجزی انکساری اور اطاعت کا مادہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا وہ ہر حکومت کے تابع ہو جاتے اور ہر فاتح کا خیر مقدم کرنے کے لئے تیار رہتے تھے۔ برسہا برس سے تمام اقوام عالم ان پر ان کی دولت مندی کی وجہ سے شدید مظالم توڑتی چلی آئی تھیں اس لئے وہ سخت جان ہو چکے تھے۔ اور ہر مصیبت کو برداشت کرنے کی صلاحیت رکھتے تھے۔ مسلمانوں سے قبل عیسائیوں نے ان پر جو مظالم کئے تھے ان کی بنا پر وہ مسلمانوں کا شاندار استقبال کرنے پر مجبور ہوئے۔ مسلمانوں نے بھی ان کی امداد کا ان کو خوب خوب بدلہ دیا اور ان کو ان کے معاملات دینوی اور دنیاوی میں آزاد چھوڑ دیا۔ بلکہ ان سے جزیہ تک کی رقم نہ لی گو وہ مسلمانوں کے پوری طرح تابع اور فرمانبردار تھے۔ لیکن خود ان کا اپنا بھی ایک نظام تھا جس میں ان کا ایک بادشاہ اور وزیر وغیرہ ہوتے تھے۔ کیونکہ یہ نظام ان کا اپنا ذاتی تھا اور مسلم حکومتوں کو اس سے کبھی نقصان نہ پہونچا تھا۔ اس لئے ان کے اس نظام کو ختم کرنے کی کبھی کوئی کوشش نہ کی گئی تھی۔ ان کا معاشرہ و سماج بڑی حد تک مسلمانوں سے ملتا جلتا تھا لیکن سود خوری اور بخل نے ان کو ہمیشہ بدنما ملامت بنائے رکھا۔ شراب کا استعمال نہ کرتے تھے جوئے سے دور بھاگتے تھے۔ البتہ اپنی دولت کو تجارت میں لگانا فرض سمجھتے تھے۔ علم و ادب سے ان کو خاص شغف تھا اور بلاشبہ وہ علم و ادب میں مسلمانوں کے پیشوا تھے۔ طب، ہیئت و نجوم میں کافی شہرت رکھتے تھے اور مسلمانوں نے ان سے ان فنون میں کافی استفادہ کیا تھا ان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی پر مذہب پوری طرح حاوی تھا۔ البتہ بے انتہا وہمی اور فال و شگون کے قائل تھے۔ خود کو موحد کہتے تھے لیکن بت پرستی عام تھی۔ سحر و جادو سے ڈرتے اور ساحروں کے ہاتھوں میں جلد کٹ پتلی بن جاتے تھے روزمرہ کے مظاہر قدرت سے کوئی نہ کوئی شگون اور نجومی راز نکال لیتے تھے۔ عورتوں کی قدر و منزلت ان کے یہاں بھی زیادہ نہ تھی اور سخت پردہ میں رکھی جاتی تھیں۔ ان کو مذہبی تعلیم کے علاوہ آگے تعلیم دینا کفر سمجھا جاتا تھا۔ البتہ مسلمانوں کی صحبت اثر سے عورتوں پر سختی کچھ کم ہو گئی تھی اور وہ بازاروں میں خرید و فروخت کرنے لگی تھیں۔ امداد باہمی کا طریقہ ان میں رائج تھا۔ اور کوئی یہودی بھیک مانگتے ہوئے کبھی نہیں دیکھا گیا۔ دولت

منڈی میں اپنا ثانی نہ رکھتے تھے۔ اکثر حکومتیں ان کی مقروض ہوتی تھیں۔ یہودی معاشرہ نے اسپین کی تمدنی و ثقافتی ترقی میں نمایاں کردار ادا کیا ہے۔ تاریخ نے البتہ یہ بات ثابت کر دی ہے کہ ان کے اندر بے وفائی، غداری، بغض و حسد کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا اور وہ اپنے ایک "یہودی وطن" کا خواب اس وقت بھی دیکھا کرتے تھے اور یہی وجہ تھی کہ کوئی ملک اور قوم ان کو اپنے یہاں سکونت اختیار کرنے نہ دیتی تھی۔ دولت کی لالچ اور یہودی وطن کے خواب نے ان کو دربدر مارا پھرایا۔ البتہ کسب علمی میں وہ کسی طرح پیچھے نہ رہے۔ اسپین کی تاریخ پر یہ احسان یہودی کا ہے کہ انہوں نے مسلمانوں کے بہت سے کارناموں کو اپنی زبان میں محفوظ رکھا ورنہ آج دنیا میں مسلم اسپین کے تاریخی کارناموں کا وجود نہ ہوتا۔ وہ سخت متعصب تھے۔ یہاں تک کہ غیر اقوام کے ساتھ رہنا تک پسند نہ کرتے تھے۔ اور شہروں میں اپنے محلے سب سے الگ اور دور دراز علاقے میں بناتے تھے اپنے بچوں کو دیگر اقوام کے بچوں سے نہ ملنے دیتے تھے۔ لیکن حصول علم کے لئے وہ مسلمانوں کے مدارس تک میں داخل ہوتے اور حصول علم کرتے تھے۔ ایسی قوم سے جو اپنی معاشرتی حالت کا پرتو تک کسی دوسری قوم پر ڈالنا پسند نہ کرے کیا اس بات کی توقع کی جا سکتی ہے کہ مسلمانوں پر ان کے اثرات پڑے ہوں گے؟ البتہ یہ ضرور ہوا کہ مسلمانوں کے اثرات ان پر کافی ہوئے اور صفائی و طہارت اور تجارتی لین دین میں دیانتداری کا شامل ہو جانا مسلمانوں ہی کے اثر سے ہوا۔ اسپین میں بہت سی ایجادات کا سہرا یہود ہی کے سر ہے۔ خاص طور پر تجارت میں انہوں نے مسلمانوں کو کافی سبق دیا۔ مشترکہ تجارت کا اصول مسلمانوں نے ان ہی سے سیکھا تھا۔

③ مسلم اور نو مسلم معاشرہ

غیر مسلم اقوام کی معاشرتی حالت کے بیان کے بعد چاہئے تو یہ تھا کہ نو مسلموں کی معاشرتی حالت پر علیحدہ سے روشنی ڈالی جاتی لیکن مسلمانوں کی معاشرتی حالت کے بیان میں کیونکہ نو مسلموں کا تذکرہ بھی آجاتا ہے اس لئے ان کو علیحدہ سے نہ لکھا گیا۔ اسپین کے مسلم معاشرہ میں کئی طبقہ پائے جاتے تھے۔

① سلاطین امراء و وزراء

② درجہ دوم کے امراء، شیوخ و اکابرین اور تجار۔

(۳) متوسط الحال اور صنعت کار۔

(۴) کسان غلام اور غرباء۔

پہلے اور دوسرے طبقہ کا بیان "سیاسی معاشرہ" میں کیا جا چکا ہے۔ دوسرے اور تیسرے طبقہ کا تذکرہ حسب ذیل ہے کیونکہ ان دونوں طبقوں کی طرز معاشرت میں کوئی نمایاں فرق نہیں پایا گیا ہے۔ اس لئے دونوں کو یکجا طور پر پیش کیا جاتا ہے۔

اسپین میں مسلمانوں کی طرز معاشرت ان کی زندہ دلی۔ شوقینی۔ اور قوت مدرکہ کی ایک تصویر تھی۔ ان کی صحبتوں میں دماغی اور جسمانی لطف حاصل ہوتا تھا بغض و غضب اور غصہ کا نام نہ تھا۔ اور مجالس میں نکات علمی کے ساتھ ساتھ لطائف و ظرائف بھی ہوتے تھے۔ ان کا ہر کام ضبط و تنظیم سے ہوتا تھا۔ شہروں میں دن بھر گھما گھمی کا عالم رہتا لیکن مغرب کے بعد سڑکوں پر نکلنا معیوب سمجھا جاتا تھا۔ اور اس شخص کو عیاش طبع سمجھا جاتا تھا جو رات کے وقت گھر سے باہر نکلتا تھا۔ تمام گلی کوچے سنسان ہو جاتے تھے صرف محلات اور مکانوں کے عشرت کدوں کی روشنی سے ان کی آبادی کا پتہ چلتا تھا۔ بالاخانوں سرنشینوں اور حجروں میں مختلف رنگوں کی قندیلیں لٹکانے کا رواج عام تھا۔ اپنے مکانوں کے برآمدے یا سائبان (رواق) میں رقاصائیں اور فاحشہ عورتیں اپنے رقص سے لوگوں کا دل بہلاتی تھیں کسی رواق میں پیشہ ور قصہ خوان قصہ کہانی کے شوقین لوگوں کو عجیب و غریب قصے سنایا کرتے تھے جن میں سحر و نجوم اور جادوگری کی چاشنی ضرور ہوتی تھی۔ البتہ رمضان کا مہینہ اسپین میں بڑی شان و شوکت اور دھوم کا مہینہ ہوتا تھا۔ عموماً سرکاری طور پر (۳) ماہ میں تمام دفاتر بند کر دیئے جاتے تھے جس کی وجہ سے عام طور پر لوگ دن بھر اپنے گھروں میں رہتے لیکن راتیں دارالخلافہ اور بڑے شہروں کی رونق دوبالا ہو جاتی تھی۔ تمام شہر چراغاں کیا جاتا تھا مساجد کے دروازے تمام رات کھلے رکھے جاتے تھے۔ جاموں میں ہجوم ہوتا تھا اور حرم سراؤں میں اسراف کے ساتھ صبح تک دعوتیں ہوتی تھیں اور لہو و لعب کی مجالس گرم کرنے سے بھی گریز نہ کیا جاتا تھا۔ روزانہ باغوں اور چمنوں میں نقال اور بازیگر اپنی مضحکہ خیز حرکات سے لوگوں کا دل بہلاتے تھے۔ جس سے ان کو آمدنی بھی ہوتی تھی۔ بازاری گویئے عشق و محبت اور بہادری کی غزلیں دف بجا بجا کر گایا کرتے اور لوگوں کے دلوں کو گرماتے تھے۔ خواجہ سراؤں کی ٹولیاں حفاظت کے خیال سے

گشت لگایا کرتی تھیں۔ وادی الکبیر میں بے تعداد کشتیاں گھومتی رہتی تھیں۔ تفریح کرنے والوں کیلئے ان [illegible] اتوں میں اپنا وقت گنوانا آسان تھا لیکن علمی ذوق رکھنے والے حضرات اس تفریحی مذاق سے کوسوں دور تھے۔ اور ظاہری لطف اندوزی میں اپنا وقت ضائع کرنا پسند نہ کرتے تھے وہ یا تو کسی کتب خانہ میں کتابوں کا مطالعہ کرتے یا عالموں سے بحث و مناظرہ کے ذریعہ حصول علم کرتے نظر آتے تھے۔ غور و فکر اور مشاہدہ والے لوگ رصد گاہوں میں طب و نجوم اور حرکات و کواکب کے مشاہدہ میں مشغول رہتے تھے۔ شہروں میں کاروان سرائے بھی عجیب پر رونق جگہ ہوتی تھی۔ جہاں دور دراز سے مسافر آکر ٹھہرا کرتے تھے۔ ان کو بہتر سے بہتر آرام اور آسایش مہیا کی جاتی تھیں وہ اپنی فرصت کے اوقات شطرنج اور تاش کھیل کر گذارتے اور ناچ دیکھا کرتے تھے۔ ملازمین کے بلانے کے لئے دونوں ہاتھوں سے دستک (تالی) دینے کا رواج تھا۔

اسپین کے مسلمانوں کو حفظان صحت کے اصولوں میں سب سے زیادہ اصول صفائی پسند تھا۔ صحت و صفائی کے لئے غسل کو سب باتوں پر ترجیح دیتے تھے ویسے غسل شروع ہی سے اسلامی شعائر میں شمار کیا جاتا تھا اور کوئی شخص بغیر غسل کئے خصوصاً جمعہ کے دن مسجد میں داخل نہ ہوتا تھا۔ ہر شخص جسمانی تکالیف کے مقابلے میں طہارت اور پاکیزگی کو ترجیح دیتا تھا۔ غریب سے غریب آدمی بھی اپنی گاڑھی کمائی میں سے ایک صابن ضرور خریدتا تھا اس کو یہ منظور تھا کہ وہ بھوکا رہے لیکن یہ منظور نہ تھا کہ اس کو گندہ رہنے کا طعنہ دیا جائے۔ غسل کے لئے حمام تعمیر کرنے کا خیال حکومت اور عوام دونوں کے یہاں بڑی شدت سے موجود تھا اس لئے ہر شہر میں بے تعداد حمام ہوتے تھے مساجد میں تو حمام کا ہونا ضروری خیال کیا جاتا تھا۔ حمام نہ صرف صحت و صفائی کے لئے لازمی تھا بلکہ امراء و عوام دونوں کے دل بہلانے کا بڑا ذریعہ بھی سمجھا جاتا تھا۔ یہ حمام صرف غسل و وضو کے لئے ہی استعمال نہ کئے جاتے تھے۔ بلکہ یہیں پر مختصر دعوتیں بھی ہوتی تھیں خوش گپیاں۔ افواہیں اور سازشیں بھی اس جگہ تیار کی جاتی تھیں۔ بڑے گھرانوں کی عورتیں اپنی کنیزوں کے ساتھ پہروں حمام میں گذارتیں تھیں۔ یہاں تک کہ ناشتہ اور شغل موسیقی بھی اسی جگہ ہوا کرتی تھی۔ عام طور پر یہ خیال پایا جاتا تھا کہ حماموں میں ارواح خبیثہ رہتی ہیں چنانچہ ان سے محفوظ رہنے کے لئے قرآن پاک کی آیات اپنے اوپر دم کرا کے یا تعویذ باندھ کر حمام میں داخل ہوتے تھے۔ بے فکروں

کے وقت گذارنے کی یہ جگہ بہترین تھی اور یہاں ان کو اپنے گھر کی سی خلوت کا لطف حاصل ہوتا تھا۔ حمام خوبصورت اور نقش و نگار سے مزین بنائے جاتے تھے اور اس میں لطف و آرام کے ہر ممکنہ ذرائع مہیا کئے جاتے تھے ان کے نل چاندی کے ہوتے تھے حمام کے باہر ایک کمرہ ضرور بنایا جاتا تھا جس میں قالین بچھے رہتے اور خوشبو میں سلگتی رہتی تھیں جہاں لوگ غسل کے بعد آرام کرتے تھے۔ صابن کا استعمال عام تھا اور یہ ملک کی گھریلو صنعتوں میں شمار ہوتا تھا۔ الغرض مسلمانوں کے تہذیبی تکلفات میں حماموں کو خاص مقام حاصل تھا۔

غسل و حمام کے اس قدر اہتمام اور استعمال نے مسلمانوں میں "لباس زیریں" پہننے کی عادت ڈالدی تھی جسکو وہ جلد جلد بدلتے رہتے تھے۔ اسپین میں کثرت سے روئی کی کاشت نے پارچہ بافی کی صنعت کو جو ترقی دی تھی اس نے باریک ترین کپڑے کے استعمال کا رواج عام کر دیا تھا۔ اسی باریک کپڑے سے "لباس زیریں" بنایا جاتا تھا جو بدن سے چپک جاتا تھا۔ اسپینی مسلمانوں کے لباس کی وضع قطع مشرقی طرز کی تھی وہ ڈھیلے ڈھالے سفید کپڑے استعمال کرتے تھے۔ سفید رنگ، سلاطین کا درباری رنگ تھا۔ عمامہ کا استعمال صرف علماء کے لئے مخصوص تھا۔ اگر کسی اور طبقہ یا فرقہ کا آدمی عمامہ استعمال کر لیتا تھا تو اس کو مورد طنز و طعن بنایا جاتا تھا۔ اور غم و غصہ کا اظہار کیا جاتا تھا۔ عام لوگ سرخ یا سبز رنگ کی ٹوپیاں اوڑھتے تھے آخری دور میں یہود کے لئے زرد رنگ کی ٹوپی مخصوص کر دی گئی تھی۔ اکثریت ننگے سر رہتی تھی یا سر پر رومال باندھتی تھی جو لوگ صاحب استطاعت ہوتے وہ اپنی انگلیوں میں بیش قیمت یا کم قیمت انگوٹھیاں ضرور پہنتے تھے جن میں سے اکثر پر تعویذ یا آیات قرآن کندہ ہوتے تھیں۔

باوجود اس کے اہل اسپین علم و عمل میں بے مثال تھے۔ اور تجارت و فنون نے ان کے مشاہدہ اور تجربہ کو وسیع کر دیا تھا لیکن پھر بھی وہ توہم پرستی سے اپنا دامن نہ بچا سکے تھے۔ بالکل اسی طرح جس طرح کہ یہود و نصاریٰ کے ضمن میں بیان کیا جا چکا ہے۔ الحکم ثانی کے دور کا ایک روشن دماغ اسپینی مسلمان بھی اسی طرح خوابوں، شگونوں اور تعویذوں کا قائل تھا جس طرح کہ صحرائے عرب کا ۵ سو برس پہلے کا ایک خانہ بدوش بدو یہاں تک کہ ایک عقل مند اور فلسفی بادشاہ

تک نجوم کے ماہروں اور زائچہ بنانے والوں کے قرب کو باعث طمانیت سمجھتا تھا۔ عوام الناس اپنے مکانوں کے دروازے پر آیات قرآنی اور تعویذات کو ضرور چسپاں کراتے تھے۔ لیکن یہود و نصاریٰ کے برخلاف وہ اپنے بیماروں کو دواخانے ضرور لیجاتے اور دعا کے ساتھ دوا بھی ضرور کراتے تھے۔ کاشتکاروں میں ان تعویذوں، گنڈوں اور دعاؤں کا عام رواج تھا اور ان کا یہ عقیدہ تھا کہ ان سے کاشت میں برکت اور جانوروں کو بیماری سے نجات مل جاتی تھی جن۔ بھوت۔ پریت کے وہ قائل تھے اور ان غیر مرئی چیزوں کے اقسام اور ان کے افعال جداجدا تسلیم کرلئے گئے تھے۔ یہ تمام توہمات ان کی معاشرتی زندگی کا ایک جزبن کر رہ گئے تھے جن میں عورتیں خاص طور پر بری طرح مبتلا تھیں۔

اسپین کے مسلمانوں میں وہ تمام عیوب بھی موجود تھے۔ جو دولت کی فراوانی اور عیش و تنعم کی زندگی کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ شرعی احکامات کے خلاف نشیات کا استعمال کثرت سے ہوتا تھا۔ اکثر عہدہ دار شراب پی کر باہر نکلتے تھے۔ عوام الناس میں اس کا استعمال امراء و بادشاہ کی نقل میں شروع ہوا تھا۔ بعض مسلمان سفید شراب استعمال کرتے تھے اور جواز میں کہتے تھے کہ ارغوانی شراب حرام ہے۔ معدنی برتنوں میں شراب کا استعمال کیا جاتا تھا تاکہ دور سے دیکھنے والے کے احتساب سے بچ سکیں اسی طرح زہر خورانی بھی عام تھی۔ انتقام لینے کا عام طریقہ زہر خورانی تھا۔ زہر ہلاہل ایسی ایسی ترکیب سے بنایا جاتا اور استعمال کرایا جاتا تھا کہ اس سے بچنا کسی طرح ممکن نہ تھا۔ اکثر انگوٹھیوں کے نگینے کے نیچے زہر بھرا ہوتا تھا۔ جو وقت ضرورت کام میں لایا جاسکتا تھا۔ زہر میں بجھے ہوئے تیر تلوار اور نیزے کا استعمال عام تھا۔

اہل اسپین نام اور شہرت کے بھوکے تھے اور سماج میں ہر ممکن طریقے سے اپنا اعزاز قائم رکھنا پسند کرتے تھے۔ مشرق میں بڑی بڑی داڑھیاں رکھنا عقل و فراست کی نشانی سمجھا جاتا تھا۔ لیکن اسپین میں یک مشت داڑھی کا رواج عام تھا۔ صرف فقہا اور مفتی لمبی داڑھیاں اور زلفیں رکھا کرتے تھے۔ غلاموں کا سر اور داڑھی دونوں منڈوائی جاتی تھی۔ کسی شخص کی داڑھی پکڑنا ناقابل معافی جرم تھا۔ کسی عورت کے بال تک چھو لینا اتنی بڑی بے عزتی تھی کہ مجرم گردن زدنی ٹھہرایا جاتا تھا۔ بادشاہ اور بڑے بڑے امراء داڑھی میں مہندی کا خضاب کرتے تھے۔ عام مسلمانوں اور یہود و نصاریٰ کو اس کی سخت ممانعت تھی۔ مسلمانوں میں جواہرات اور خوشبویات کا استعمال عام تھا۔

ان کے نزدیک ہر قیمتی پتھر میں اچھی اور بری خصوصیات ضرور ہوتی تھیں جو ان کے نزدیک ستاروں کے اثرات سے پیدا ہوتی تھیں۔ پتھروں کا استعمال حسب حیثیت ہر مسلمان کے لئے کچھ ضروری سا ہو گیا تھا۔ ہر شخص مہر ضرور بنواتا تھا جو خطوں اور دیگر تحریروں پر لگائی جاتی تھی۔ خلفاء کی مہریں گول ہوتی تھیں یا کثیر الزاویہ۔ عہدہ داروں کی مربع اور خزینہ داروں کی بیضوی۔ لیکن عام مسلمان کسی بھی قسم کی مہر بنوا سکتے تھے البتہ خلفاء کی مہر کی مانند بنوانے کی ممانعت تھی۔ اہل اسپین کو پھولوں اور عطروں کا بہت شوق تھا ان کے مکانوں میں خوشبودار پھولوں کا ایک باغیچہ ہونا ضروری تھا۔ ہر موسم کے پھولوں کا گھروں میں ہونا ضروری خیال کیا جاتا تھا۔ امراء کے محلوں میں قیمتی گلدانوں میں پھول ہوتے تھے تو غرباء کے جھونپڑے کے چھپر ان سے سجے ہوتے تھے۔ شہزادیاں اپنے بالوں کے جوڑوں میں تو دیہاتنیں اپنی چوٹیوں میں پھول ضرور لگاتی تھیں۔ پھولوں کے ہار چھوٹے بچوں کا کھلونا ہوتے تھے اہل اسپین کی خصوصیات میں پھولوں کا باذوق استعمال بھی شمار کیا جاتا تھا۔

مسلم اسپین کی عورتوں کو وہ آزادی نصیب تھی جس سے دیگر مسلم ممالک کی عورتیں محروم تھیں۔ پردہ و نقاب کی قیود سے وہ آزاد ہو گئی تھیں۔ ان کا علمی و ادبی مذاکروں میں شمولیت کرنا ضروری خیال کیا جاتا تھا بلکہ اس کا ان کو شوق دلایا جاتا تھا۔ انتہائی تعلیم کا دروازہ ان پر اسی طرح کھلا ہوا تھا جس طرح مردوں پر۔ بہت سی عورتیں شعر و ادب، فلسفہ نحو و بلاغت میں کمال رکھتی تھیں۔ جو ہر جگہ قدر و منزلت کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔ بعض عورتیں ملازمت بھی کرتی تھیں۔ اور بڑے بڑے عہدوں پر فائز کی جاتی تھیں۔ الغرض جس طرح اسلام نے عورتوں کو حقوق ادا کئے اسی طرح اسپینی مسلمانوں نے عورتوں کو وہ عظمت و حریت دی جس کی مثال نہیں ملتی۔ یہی ایک ایسا ملک تھا جہاں قانون اور سماجی رسموں کے مطابق عورتوں کی حفاظت کی ضرورت نہ تھی۔ لیکن ان تمام آزادیوں کے باوجود مردوں کے دلوں میں یہ بات موجود تھی کہ عورتیں ناقص العقل ہوتی ہیں۔ ان کے شوہر ان کی طرف سے ہمیشہ مشکوک رہتے تھے اور ان پر کوئی خواجہ سرا یا غلام ضرور مقرر کرتے تھے جو ان کی تمام خبریں شوہروں کو پہونچایا کرتا تھا۔ اکثر عورتیں بھی اپنی آزاد خیالی کی وجہ سے غلط راہ پر پڑ جاتی تھیں۔ عورتوں کا لباس نہایت قیمتی ہوتا تھا۔ وہ باریک ململ کا کرتا پہنتی تھیں اور نیلے، سبز، زرد یا سرخ رنگ کے گھٹنوں تک کے طلاکار پاجامہ

استعمال کرتی تھیں۔ پیروں میں زیر پائیاں (چپل) پہننے کا رواج عام تھا۔ تمام کپڑوں کے اوپر وہ ایک چادر ضرور اوڑھتی تھیں۔ جو برقعہ اور نقاب دونوں کا کام دیتا تھا۔ سر کے پچھلے حصہ میں ایک کنگھی کی مدد سے دوپٹہ اٹکا لیا جاتا تھا جو بہت ہی باریک اور خوشنما کپڑے کا ہوتا تھا۔ عام طور پر تمام کپڑے ریشمین ہوتے تھے۔ امیر عورتیں جواہرات و زیورات استعمال کرتی تھیں غریب عورتیں تعویذوں اور سکوں پر قناعت کرتی تھیں۔ سرمہ لگانے کا رواج عام تھا۔ مہندی کا استعمال پورے ہاتھ پر نہ ہوتا تھا بلکہ صرف انگلیوں پر لگائی جاتی تھی۔ عورتوں کے نام نہایت لطیف اور نازک رکھے جاتے تھے۔ ایک سے زیادہ شادیاں کرنے کا رواج عام تھا۔ بیوہ بھی دوسری شادی کر سکتی تھی۔ عورتیں بھی طلاق لینے میں اتنی ہی آزاد تھیں جتنا کہ مرد طلاق دینے میں تھے۔ لیکن عموماً طلاق دینا برائی میں شامل کیا جاتا تھا۔ اگر کوئی عورت طلاق پا جاتی تو دوسرا نکاح کرنے تک اس کو زان و نفقہ ضرور دلوایا جاتا تھا۔ عام طور پر وہ مرد بے عزت اور ذلیل سمجھا جاتا تھا۔ جو اپنی بیوی کو نوکری کراتا تھا اگر شوہر مر جاتا تو بیوی شریعت اسلامی کے مطابق اس کے ترکہ میں حصہ پاتی تھی۔ از روئے قانون ان کی پوری حفاظت کی جاتی تھی اور ان کو کوئی ستا نہیں سکتا تھا۔

گو غلامی کا رواج مسلم اسپین میں بھی عام تھا لیکن اس میں اس قدر آسانیاں پیدا کر دی گئی تھیں کہ بطور خود غلامی کوئی برا پیشہ نہ رہی تھی۔ غلاموں کے ساتھ بدسلوکی اور زیادتی نہ کی جاتی تھی۔ غلام کے اسلام لانے سے اس کی آزادی میں آسانی پیدا ہو جاتی تھی۔ کسی عالی خاندان میں غلام کی شادی ہو جانا معیوب نہ سمجھا جاتا تھا۔ بلکہ وہ کسی بڑے سیاسی عہدہ تک بھی جا سکتا تھا۔ حالانکہ غلام پر آقا کو پورے اختیارات ہوتے تھے۔ لیکن پھر بھی ان پر ناجائز سختی نہ کی جا سکتی تھی۔ غلام کو گھر والوں کا رفیق اور دوست تصور کیا جاتا تھا۔ ان کو زنجیروں میں جکڑنا یا طوق غلامی پہنانا سخت ممنوع تھا۔ غلاموں اور کنیزوں کو ان کے آقا اعلیٰ تعلیم دلواتے۔ آلات حرب کا استعمال سکھاتے۔ غناء و موسیقی میں طاق کراتے اور فن سیاست سے بھی آگاہ کرتے تھے۔ سلاطین بنو امیہ اور ملوک الطوائف میں بہت سے غلام ہمیں اعلیٰ تعلیم یافتہ اور سیاسی عہدوں پر نائز نظر آتے ہیں۔ حاجب المنصور کو اپنے غلاموں کی تربیت کا بڑا شوق تھا اور اس کے غلاموں نے

تاریخ اسپین میں بڑا نام پیدا کیا۔ غلام اپنے آقا کے مشیر اور مختار ہوتے تھے۔ ان کے خاندان کی حفاظت کرنے اور دور دراز علاقوں میں جا کر کاروبار سنبھالنے سے تجارت بھی کرتے تھے۔ غلاموں کی اس قدر کثرت تھی کہ ان کی خرید کی قیمتیں گر گئی تھیں اور ایک ادنیٰ مزدور تک غلام خرید سکتا تھا۔ البتہ غلام ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اپنے آقا کے ہو جاتے تھے صرف اسلام لانا ہی ان کی آزادی کا باعث ہو سکتا تھا۔ اسی طرح دور دراز علاقوں سے خوبصورت عورتیں بھی لائی جاتی تھیں جن میں اکثر کمالات حاصل کر کے شاہی حرم سرا کی خود مختار ملکہ تک بن جاتی تھیں۔ لونڈیاں رکھنے کا رواج عام تھا۔ الغرض مسلم اسپین میں غلامی عار نہ سمجھی جاتی تھی اور دنیا کے ہر ملک سے زیادہ یہاں کے غلاموں کو آزادی نصیب تھی۔ غلام بڑے فخر سے اپنے آقا کا نام اپنے ساتھ لگاتے تھے جیسے کہ آلناصر کے غلام ناصری۔ الحکم المستنصر کے غلام مستنصری اور حاجب المنصور کے غلام عامری لگاتے تھے۔

اسپین کے مسلمانوں میں تفریح مشاغل عام تھے۔ بیرحمانہ طور پر جانوروں پر تلواروں اور تیروں کی مشق کرنا وہ اچھا سمجھتے تھے۔ وحشی جانوروں کے شکار کا بھی ان میں بہت کم شوق تھا لیکن ایسے کھیل زیادہ پسند کرتے تھے جن میں طاقت کم خرچ ہوتی تھی۔ ان کا سب سے زیادہ دلچسپ کھیل شطرنج تھا۔ حکمراں سے لیکر عام فرد تک اس کھیل کو بہت پسند کرتا تھا تاش بھی اسپین میں رائج ہو چکا تھا جس کو "نائب" کہتے تھے مختلف جانوروں کی ریس بھی کراتے تھے۔ اور بازی لگاتے تھے۔ جس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ قمار بازی بھی ان میں رائج تھی ——

بازی گری کا تماشہ بھی عام تفریح طبع میں شمار ہوتا تھا۔ بازاری رقص کو فواحش میں شمار ہوتے تھے لیکن عام طور پر مروج تھے۔ اسپین میں جو ناچ عام طور پر رائج تھا اس میں تمام حرکات اوپر کے جسم اور ہاتھوں سے کی جاتی تھیں۔ عامۃ الناس اس ناچ کو اس لئے پسند نہ کرتے تھے کہ اس میں بے حجابانہ طور پر اشارے بھی کئے جاتے تھے۔ ناچنے والی عورتیں ریشم اور ململ کے کپڑے استعمال کرتی تھیں۔ اور ان کے قدم جھانجھ پر پڑتے تھے جو پیتل کے بنے ہوتے تھے۔ غزل اور نظم محفلوں سے نکل کر عام بازاری طرز پر آلات غنا کے ساتھ باآواز بلند پڑھی جاتی تھی جس کو اہل اسپین بے انتہا پسند کرتے اور سر دھنتے تھے (موسیقی کی بابت اوپر تحریر کیا جا چکا ہے)

شہسواری اور اس سے متعلقہ کاموں میں اہل اسپین کا بڑا دل لگتا تھا۔ اکھاڑے میں سانڈوں کی لڑائی کروائی جاتی تھی۔ اور پھر جیتنے والے سانڈ کو کوئی پھرتیلا اور جسیت شہسوار اپنے نیزے کی ایک ضرب سے مارنے کی کوشش کرتا تھا۔ اکھاڑے میں نشانہ بازی کے عجیب و غریب کرتب ہوا کرتے تھے اور اس مقصد کے لئے لوگ بچپن ہی سے اپنی اولادوں کو تربیت دیا کرتے تھے۔ نیزے کا ٹوٹنا یا گم ہو جانا سخت بے عزتی سمجھا جاتا تھا۔ شہسواری کے کرتبوں کے ساتھ نیزہ بازی کا شوق بھی اہل اسپین کا پسندیدہ تھا۔ نیزے بازی کے کرتب دکھانے کے لئے بڑے بڑے میدانوں میں اجتماعات ہوتے تھے جن میں اکثر سلاطین بھی شریک ہوتے تھے۔ عورتوں اور مردوں کو اس کے دیکھنے کی عام اجازت ہوتی تھی۔ نیزہ بازی اور شہسواری کو خوں بہا کرنا پاک نہ کیا جاتا تھا سب کھیل فوجی آراستگی کے ساتھ کئے جاتے تھے اور ہر شخص کو اپنی قوت۔ پھرتی اور قابلیت دکھانے کا پورا پورا موقعہ دیا جاتا تھا۔ ان کھیلوں کے اختتام پر جیتنے والوں کو انعامات بھی تقسیم کئے جاتے تھے۔ ان کے علاوہ باز اور عقاب سے شکار کرنا بھی مشاغل میں شامل تھا۔ باز سے شکار کا طریقہ سب سے اول عبدالرحمن الداخل نے اس ملک میں جاری کیا تھا۔ اور اس ملک کے باز دنیا میں بہتر مانے جاتے تھے۔ کشتی رانی کے تماشے بھی اہل قرطبہ۔ غرناطہ۔ اشبیلیہ اور طلیطلہ کی تفریح طبع کا بہترین ذریعہ تھے۔ اور یہ تماشے بڑے پیمانے پر منعقد کئے جاتے تھے۔

مسلمانان اسپین کی معاشرت کا یہ مختصر سا خاکہ پیش کیا گیا ہے۔ یہ وہ معاشرتا و آداب زندگی تھے جو صدیوں کے بعد یورپ نے اختیار کئے۔ مسلم اسپین کے معاشرہ میں وہ باتیں موجود تھیں جو صدیوں بعد تک یورپ کے متمدن شہریوں، کو نصیب نہ تھیں۔ آج یہ سب باتیں عجوبہ روزگار معلوم ہوتی ہیں۔ اس لئے کہ اسپین کا تہذیبی ورثہ عیسائیوں کے متعصب اور ظالم ہاتھوں ملیامیٹ ہو گیا۔ لیکن یورپ کے انصاف پسند لوگوں نے آج بھی اس بات کو فراموش نہیں کیا ہے کہ آج جو کچھ ان کے پاس ہے اس کا سرچشمہ و منبع وہی مسلم اسپین ہے جس کی یاد تک کو بھلانے کی انہوں نے ناکام کوشش کی تھی۔ ہر باعلم شخص اس بات سے بخوبی واقف ہے کہ اہل اسپین کا اخلاق کریمانہ اور انکسارانہ تھا عصبیت کے ساتھ ساتھ خلوص و محبت اور رواداری کی ان میں کمی نہ تھی۔ لیکن عیش کوشی اور قوانین الٰہی سے مجرمانہ غفلت نے ان کو غضب الٰہی کا مستحق ٹھہرایا اور وہ فنا ہو گئے۔

البتہ ان کی تہذیب و ثقافت کو نہ صرف آئبین میں بلکہ تمام یورپ میں فوقیت حاصل رہے گی۔

تاریخی دیانت داری کا تقاضہ تو یہ تھا کہ اس بات کو ضرور بیان کیا جاتا کہ یورپ پر مسلمانان آئبین کی تہذیب و ثقافت کے کیا اثرات مترتب ہوئے۔ لیکن یہ حصہ ہم نے قارئین کی اپنی رائے اور سمجھ پر چھوڑ دیا ہے۔ تاکہ وہ خود کتاب کا مطالعہ کر کے انصاف کر لیں۔ ہم اگر یہ بیان بھی کر دیتے تو شاید یہ ہماری ذاتی رائے سمجھ کر نظر انداز کر دیا جاتا۔ اب جبکہ تہذیب و ثقافت کے ہر عنصر کو ممکنہ طریقہ سے آپ کے سامنے پیش کر دیا گیا ہے۔ بہتر ہوگا کہ آپ خود ہی اس کا انفرادی یا اجتماعی فیصلہ کر لیں کہ آج کا متمدن اور مہذب یورپ اپنے دعوای باطل میں کہاں تک حق بجانب ہے۔ اگر فیصلہ نہ کر سکے تو پھر ان عیسائی مورخین کا مطالعہ کیجیے جو مسلمانوں کے اس احسان عظیم کے معترف ہیں۔

وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاغ

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

تمت بالخیر

کتابیات

۱۔ نفخ الطیب من غصن الاندلس الرطیب علامہ مقری (عربی۔ انگریزی ترجمہ اور اردو ترجمہ)
۲۔ تاریخ الکامل ——— ابن اثیر
۳۔ تاریخ العبر و دیوان المبتداء ——— عبدالرحمٰن ابن خلدون (عربی و اردو ترجمہ)
۴۔ مقدمہ ابن خلاون ——— عبدالرحمٰن ابن خلدون (عربی و اردو ترجمہ)
۵۔ افتتاح الاندلس ——— ابن القوطیہ عربی (طبع مصر) اور انگریزی ترجمہ
۶۔ مجموعہ اخبار اندلس ——— مختلف مضامین (اردو ترجمہ)
۷۔ تاریخ اندلس ج اول ——— سید ریاست علی ندوی
۸۔ عبرت نامہ اندلس ——— ڈوزی (اردو ترجمہ)
۹۔ اخبار الاندلس ——— اسکاٹ (اردو ترجمہ)
۱۰۔ کتاب البیان المغرب فی اخبار المغرب ——— ابن عذاری (طبع مصر) انگریزی ترجمہ
۱۱۔ کتاب البلدان ——— احمد بن ابی یعقوب معروف بہ یعقوبی (عربی)
۱۲۔ عیون الانباء فی طبقات الاطباء ——— ابن ابی اصیبعہ (انگریزی ترجمہ)
۱۳۔ الکتاب الملل والنحل ——— علی ابن حزم (عربی)
۱۴۔ الملل والنحل ——— ابوالفتح شہرستانی (عربی و اردو ترجمہ)
۱۵۔ مروج الذہب ——— مسعودی (عربی و اردو ترجمہ)
۱۶۔ تاریخ الخلفاء ——— علامہ جلال الدین سیوطی (عربی اور اردو ترجمہ)
۱۷۔ تاریخ الدولتین الموحدیہ والحفصیہ ——— علامہ زرکشی عربی (طبع قاہرہ) اور انگریزی ترجمہ
۱۸۔ کتاب المونس ——— ابن ابی دینار (عربی اور انگریزی ترجمہ)
۱۹۔ کتاب المعجب ——— عبدالواحد مراکشی (اردو ترجمہ از نعیم الرحمٰن مدراس ۱۹۲۳ء)
۲۰۔ ترجمان الاشواق ——— ابن العربی (عربی)
۲۱۔ مرآت الزمان ——— ابن الجوزی (عربی)
۲۲۔ تہذیب عرب ——— لیبان (اردو ترجمہ بلگرامی)
۲۳۔ دولت ہسپانیہ ——— کونڈے (اردو ترجمہ از صدیق حسن لکھنو)
۲۴۔ کتاب التکملہ لی کتاب الصلہ ——— ابن الابار (انگریزی ترجمہ)
۲۵۔ کتاب المسالک والممالک ——— ابوالقاسم ابن حوقل (انگریزی ترجمہ از کریمر ۱۹۳۸ء)
۲۶۔ وفیات الاعیان ——— ابن خلکان عربی (اور انگریزی ترجمہ)
۲۷۔ ماریسکوس (Moriscos) ——— چارلس لی (اردو ترجمہ از خلیل الرحمٰن) ۱۹۲۲ء
۲۸۔ اندلس کا تاریخی جغرافیہ ——— محمد عنایت اللہ
۲۹۔ ڈھاکہ کے امام الدین صاحب کے مضامین جو JOURNAL OF PAKISTAN HISTORICAL SOCIETY مندرجہ ذیل شماروں میں طبع ہوئے۔ ۱۹۵۳ء، ۱۹۵۶ء، ۱۹۵۸ء، ۱۹۵۹ء اور ۱۹۶۰ء

BIBLIOGRAPHY

ENCYCLOPAEDIA BRITANICA.

ENCYCLOPAEDIA OF ISLAM.

SHORT HISTORY OF SARACENS – Amir Ali.

THE DECLINE AND FALL OF ROMAN EMPIRE – Gibbon.

SPANISH ISLAM – R.H. Dozy.

HISTORY OF THE MOORISH EMPIRE IN SPAIN Stott.

ARAB KINGDOM AND ITS FALL – Wellhauson

MOORS IN SPAIN – Lanepola.

ANDALUS – Edwyne Hole.

POLITICAL HISTORY OF MUSLIM SPAIN – Imamuddin.

CAMBRIDGE MEDIEVAL HISTORY III.

HISTORY OF THE ARABS – P.K. Hitti.

SPLENDOUR OF MOORISH SPAIN – J. MeCabe.

PREACHING OF ISLAM – Arnold.

A HISTORY OF INQUISITION OF SPAIN – Charieslea.

A HISTORY OF SPAIN – Bertrand.

THE LEGACY OF ISLAM – Arnold & Guliaume.

HISTORY OF THE ISLAMIC PEOPLE – Brockelmann.

HISTORY OF THE DOMINATION OF THE ARABS IN SPAIN – J.A. Conde.

HISTORY OF THE INTELLECTUAL DEVELOPMENT OF EUROPE – J.W. Drapper.

A HISTORICAL GEOGRAPHY OF EUROPE – G.W. East

THE ORIENT UNDER THE CALIPHS – Khuda Baksh.

SPAIN AND PORTUGAL IN THE LEGACY OF ISLAM – Arnold-1952.

ARABIA BEFORE MOHAMMAD (Sm.) O'Leary.

CILIPHATE, ITS RISE, DECLINE AND FALL – W. Muir.